سسپنس ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ
دیوتا
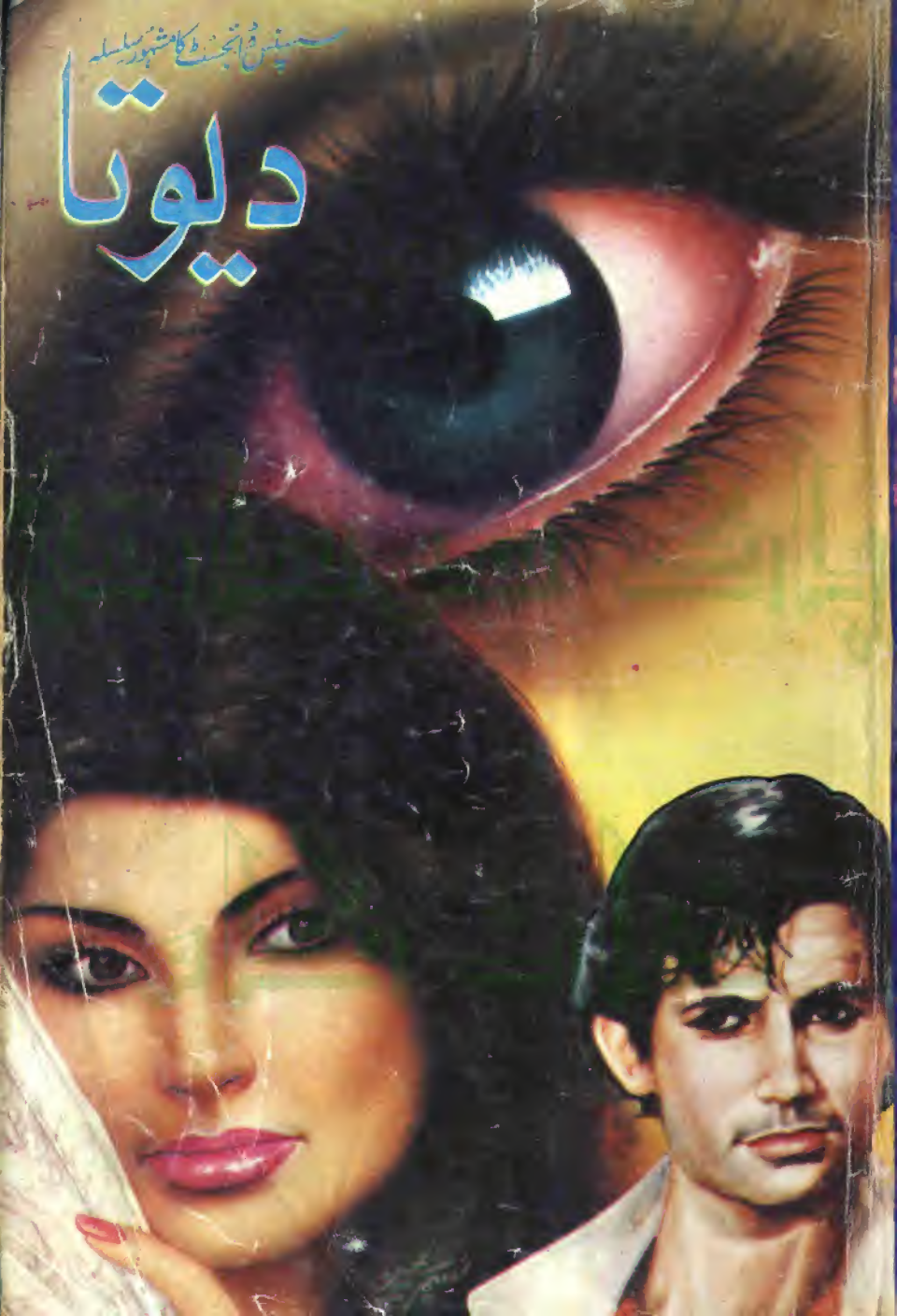
سسپنس ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع ہونے والی مقبول ترین کہانی
سوچ نگر کے شہزادے فرہاد علی تیمور کی سرگزشت

پانچواں حصہ

راوی:— فرہاد علی تیمور

مصنف:— محی الدین نواب

کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی - ۱
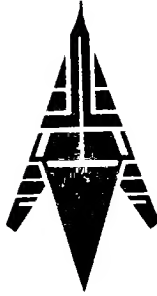
چند لمحوں کے لیے مذاکرات میں حصّہ لینے والوں کو چُپ سی لگ گئی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ فرہاد اور رس ونتی اپنی ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کریں گے۔ نمایندہ افسر نے اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ شرط مضحکہ خیز ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کوئی بڑا ملک اسے تسلیم نہیں کرے گا۔"

میں نے کہا "کوئی بڑا ملک تسلیم کرے گا یا نہیں؟ یہ ہم سمجھ لیں گے۔ ابھی آپ کے ملک میں ہمارے مطالبے کا آغاز ہوا ہے۔ آپ جواب دیں۔"

نمایندہ افسر نے ٹیلیفون کا ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کیے پھر اعلیٰ حکام میں سے کسی سے باتیں کرنے لگا۔ مشاورتی کمیٹی کے ممبران اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذات پر اپنی طرف سے کچھ لکھ کر نمایندہ افسر کے سامنے رکھتے جا رہے تھے۔ فون پر باتیں کرنے کے بعد نمایندہ افسر نے تمام کاغذات پر لکھے ہوئے مشوروں کو باری باری پڑھا۔ پھر رس ونتی سے مخاطب ہوا۔ "شریمتی رس ونتی دیوی! آپ کے مطالبے نے ہمیں اُلجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ مطالبہ وضاحت طلب ہے۔ کیا آپ وضاحت فرمائیں گی کہ آپ کس علاقے کو اپنی جاگیر بنانا چاہتی ہیں؟ کیا اُس علاقے کے لوگ آپ کو یا فرہاد کو اپنا حاکم تسلیم کریں گے؟"

نمایندہ افسر کے مقابل میز کے دوسری طرف ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ تاکہ رس ونتی اس لڑکی کی زبان سے گفتگو کرے۔ اسی لیے مذاکرات کے دوران رس ونتی کو مخاطب کیا جاتا تھا۔ حالانکہ میں جو جوابات پیش کر رہا تھا اور وہ جوابات وہی معمولہ بنائی گئی لڑکی کی زبان پیش کر رہی تھی۔ بہرحال میں نے اُس لڑکی کی زبان سے کہا "ہم نے ابھی کسی علاقے کا انتخاب نہیں کیا ہے مسٹر نمایندہ! تمھارے دیس کے پیچھے ریڈ پاور کی طاقت ہے۔ اس وقت تمھاری مشاورتی کمیٹی اور اعلیٰ حکام کے خفیہ اجلاس میں ریڈ پاور کے اہم افراد موجود ہیں اور ہماری تمام باتیں یقیناً ماسک بن تک پہنچیں گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ مذاکرات کا تیسرا دور شروع ہونے تک ہمارے اس مطالبے پر غور کیا جائے۔ اُس وقت ہم سُپر ماسٹر کے سامنے بھی یہی مطالبہ پیش کریں گے۔"

سُپر ماسٹر کے ذکر پر وہ لوگ چونک گئے۔ محتاط ہو گئے۔ وہ یہ کبھی پسند نہ کرتے کہ ہم اس سلسلے میں دوسری بڑی طاقت سے مذاکرات شروع کریں۔ مشاورتی کمیٹی میں بیٹھے ہوئے روسی افسر نے کچھ لکھ کر آگے بڑھایا۔ نمایندہ افسر نے اُسے پڑھ کر کہا "دیوی جی! اگر ہماری سرکار اور ریڈ پاور چند شرائط کے ساتھ آپ کا مطالبہ قبول کر لے تو کیا اُس کے بعد بھی آپ سُپر ماسٹر سے رابطہ قائم کریں گی؟"

میں نے کہا "ہاں۔ ہمارے ملک کی خارجہ پالیسی یہی ہوگی کہ تمام ممالک ہمارے دوست رہیں۔"

"ایسا سب ہی کہتے ہیں مگر دوسرے ممالک کے جھگڑوں میں اُلجھ کر اپنی پالیسی بھول جاتے ہیں۔"

"ہمارا ملک دنیا سے نرالا ہوگا۔ کیونکہ سیاسی ساز شیں ہم پر اثر نہیں کریں گی۔ ہم ٹیلی پیتھی کے ذریعے سمجھ لیں گے کہ کن حالات میں کون سا ملک راستی پر ہے اور کون زیادتی پر اُتر آیا ہے ہمارا

ملک کیا ہوگا اور کیسا ہوگا؟ اُس کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔ پہلے ہمارا مطالبہ تسلیم کیا جائے۔"

"کیا آپ سپر ماسٹر سے براہِ راست گفتگو کرتی ہیں؟"

اِس بار رس ونتی نے جواب دیا۔" میں ایک بار سپر ماسٹر کے دماغ تک پہنچ گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سپر ماسٹر کو ریٹائر کر دیا گیا۔ اب اُس کی جگہ کوئی نیا آیا ہے۔"

میں نے رس ونتی کو آگے کہنے سے روک دیا۔ پھر خود کہا۔ "ہم آج تک ماسک مین کے دماغ تک نہیں پہنچ سکے۔ ابھی ہم اُس کے نمایندوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ اسی طرح اب نئے سپر ماسٹر کے نمایندوں سے باتیں کریں گے۔"

میں نے ماسک مین کو خوش فہمی میں مبتلا رکھنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ ہم اُس کے دماغ تک پہنچنے میں ناکام رہے ہیں۔ نمایندہ افسر نے کہا۔" آپ اپنے قائم ہونے والے ملک کی خارجہ پالیسی میں ذرا سی تبدیلی کرلیں۔ صرف ہمارے دوست بن جائیں۔ ہم آپ کو کسی ایک ملک کا حکمراں بنا دیں گے اور ہر طرح کی اقتصادی امداد دیں گے۔"

میں نے کہا۔" ہمارا مطالبہ آپ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ ہم کسی ملک کے حکمراں بنیں گے۔ ہمارا عزم یہ ہے کہ ہم کسی غیر آباد ویران علاقے کو ایسے لوگوں سے آباد کریں گے، جن پر ہمارا اعتماد ہو۔ اس مقصد کے لیے ہم ماسک مین اور سپر ماسٹر سے درخواست کریں گے کہ وہ ہمارے معاملے میں متحد ہو جائیں اور آپس میں مشورہ کرکے ہمیں ایسا وسیع علاقہ دیں جس کی آب و ہوا صحت کے لیے مفید ہو۔ جہاں کھیتی باڑی ہو سکے اور صنعتیں قائم ہو سکیں۔ ہمارے ملک کی سرحدیں خشکی بھی ہوں اور سمندری بھی۔ جو ملک ہماری ضروریات کے مطابق ہمیں امداد دے گا۔ ہم جواباً اُس کے کسی بڑے منصوبے میں کام آئیں گے لیکن نہ تو ہم اسلحہ خریدیں گے اور نہ ہی اپنے ملک میں فوج رکھیں گے۔ کیونکہ فرہاد اور رس ونتی صرف دو بندوں کی فوج دُنیا کی تمام افواج پر بھاری رہے گی۔"

ایسا کہتے وقت میں نے اُس معمول لڑکی کی آنکھوں سے دیکھا۔ روسی افسر اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں ماسک مین سے درخواست کروں گا کہ وہ سپر ماسٹر سے اپنے طور پر رابطہ قائم کریں اور یہاں مذاکرات میں اُن کے نمایندوں کو بھی شرکت کی دعوت دیں۔"

روسی افسر کے مشورے کے مطابق نمایندہ افسر نے پوچھا۔" اگر سپر ماسٹر مذاکرات میں شریک ہونے سے انکار کرے تو؟"

میں نے کہا۔" سپر ماسٹر کے ملک کو ایٹمی دھماکے سے جو نقصان پہنچا ہے۔ وہ اُسے بھول نہیں سکتا۔ تم لوگوں نے تن سنگ اور وسنتی کو یرغمال بنا کر ہمیں مذاکرات کے لیے مجبور کیا تھا۔ ہم نے ایس آر فور ٹی ٹو کی اہم شخصیتوں کو یرغمال بنا کر تم لوگوں کو مجبور کیا۔ اب ایک بار پھر ہم سپر ماسٹر کی اہم شخصیتوں کو اپنی مٹھی میں بند کریں گے۔ اگر وہ مذاکرات میں شریک ہونے سے انکار کرے گا تو دوسری بار اُسے زبردست نقصان اُٹھانا پڑے گا۔"

نمایندہ افسر پھر فون پر باتیں کرنے لگا۔ شاید تی کمیٹی کے ممبران اپنے اپنے مشورے کاغذ پر لکھنے لگے۔ آخر میں نمایندہ افسر نے کہا۔" ہم سفارتی سطح پر سپر ماسٹر سے گفتگو کریں گے۔ کیا خیال ہے۔ اگر کل صبح دس بجے مذاکرات کا تیسرا دَور شروع کیا جائے؟"

میں نے کہا۔" ٹھیک ہے۔ کل صبح دس بجے ہم یہاں حاضر ہو جائیں گے۔"

وہ اجلاس دُوسرے دن کے لیے ملتوی ہوگیا۔ رس ونتی نے پوچھا۔" فرہاد! یہ تمہارے دماغ میں ایک علیحدہ مملکت قائم کرنے کا خیال کیسے آگیا؟"

"ایسے کہ یہاں تمہارے پتا جی اور وسنتی ہیں۔ میری بہن بے بی ہے۔ بے بی کے رشتے سے دوسرے تمام رشتے اہم ہیں۔ صرف میرا تمہارا مسئلہ ہوتا تو ہم دشمنوں سے چھپتے اور اپنی پناہ گاہیں تبدیل کرتے رہتے لیکن ہمارے عزیز رشتے آئندہ ہمارے لیے پریشانیوں کا باعث بنتے رہیں گے۔ دشمن ہماری لاعلمی میں اُنھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پھر کبھی اُنھیں یرغمال بنا سکتے ہیں۔ ہم اُنھیں کسی ملک کسی شہر میں رکھیں وہ ہمہ وقت محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ اِن حالات کے پیشِ نظر ہمیں ایک ایسے علاقے کی ضرورت ہے جہاں صرف ہمارے اعتماد کے لوگ ہوں۔ ہماری اجازت کے بغیر کوئی اُس علاقے میں داخل نہ ہو۔"

"ہاں۔ اچھا آئیڈیا ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ اس علاقے میں بھی دشمن کے جاسوس چھپ کر رہیں گے۔ ہم سب ہی لوگوں کے دماغ تو نہیں پڑھ سکتے؟"

"تم بھول رہی ہو۔ ہمارے علاقے میں جو لوگ آباد ہوں گے اُن سب کے لہجے ہمارے پاس ریکارڈ رہیں گے جو شخص بھی چھپ کر رہے گا۔ وہ آخر کسی نہ کسی سے تعلق رکھے گا۔ [illegible] گے کہ کوئی کسی جاسوس کو ہم سے چھپا کر نہیں رکھ سکے گا۔ شاید میری باتیں تمہاری سمجھ میں ابھی نہ آئیں۔ وقت آنے پر سمجھتی جاؤ گی۔ یہ مملکت قائم کرنے کے دوران کبھی ناکامیوں کا بھی منہ دیکھنا پڑے گا۔ خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ ناکامیاں عارضی ہوں گی۔"

"بھگوان کرے ہمیں ناکامی نہ ہو۔ ویسے مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ میں جا کر پتا جی کو یہ خوش خبری سناتی ہوں۔"

"اپنے پتا جی اور وسنتی سے کہنا کہ میں رات دس بجے اُن کے

پاس آؤں گا اور رات کا کھانا انہی کے ساتھ کھاؤں گا۔"

"وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ میں جا کر اُن سے کہتی ہوں۔ اب میں دس بجے آؤں گی۔"

وہ رخصت ہوگئی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میرا سایہ میری پرچھائیں سامی میرے سامنے موجود تھی۔ تنہائی میں جب کوئی نہ ہوتا تو وہ میرے ساتھ ہوتی تھی۔ تنہائی کے معنی غلط کر دیتی تھی۔ اب اُس نے میرے ایک ایک انداز کو سمجھ لیا تھا جب میری آنکھیں بند ہوتیں تو وہ سمجھ لیتی کہ میں مصروف ہوں میرے سامنے میاؤں کی آواز بھی نہیں نکالنا چاہیے۔ جب میں آنکھ کھولتا تو وہ اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی۔ اپنے دونوں اگلے پنجے آگے بڑھا کر جسم میں کھنچاؤ پیدا کرتی۔ دُم کو اُوپر اُٹھا لیتی جیسے ہاتھ اُٹھا کر انگڑائی لے رہی ہو۔ میرا خیال ہے عورت کی دُم ہوتی تو وہ بھی اِسی طرح انگڑائی لیتی۔

وہ میری گود میں آکر بیٹھ گئی میرے اندر جُھرجُھری سی پیدا ہوئی۔ جانے کیوں جب وہ اتنے پیار سے آکر میری گود میں بیٹھتی تھی تو مجھے یوں لگتا تھا جیسے وہ وہ نہیں ہے کوئی اور ہے ایسے احساسات نے کہا کہ مجھے رُومانہ کی ضرورت ہے۔ میں نے اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ سو رہی تھی۔ حالانکہ وہ پچھلی رات راجیش کے ہاں آرام سے سوتی رہی تھی۔ ابھی اُسے جگایا جا سکتا تھا۔

مجھے شرارت سوجھی۔ پہلے میں نے گھر کے دوسرے افراد کو دیکھا ممی اور بے بی کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ شرلاک ایک کمرے میں ثانیہ اور ماسٹر رومی کو میرے کارنامے سُنا رہا تھا۔ میری شرارت کے لیے راستہ صاف تھا۔ میں نے بہت عرصے بعد ہپناٹزم کا عمل کیا۔ رُومانہ کے خوابیدہ دماغ کو اپنے کنٹرول میں لے کر کہا۔" تم سو رہی ہو اور بدستور سوتی رہو گی۔"

وہ نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سے بولی۔" میں سو رہی ہوں اور بدستور سوتی رہوں گی۔"

میں نے ایک عامل کے رعب سے کہا۔" اب تم آنکھیں کھولو گی اور نیند میں رہو گی۔"

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ہوش میں نہیں تھی نیند کے نشے میں تھی۔ میری ہدایت کے مطابق وہ بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر بستر سے اُتر کر اُس نے اپنی اٹیچی اُٹھائی۔ اُس کے بعد نیند کی حالت میں چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ اب وہ میرے کمرے کی طرف آ رہی تھی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ رُومانہ کو اس انداز میں اٹیچی اُٹھا کر گزرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ سب اپنی اپنی جگہ مصروف تھے۔ وہ میرے کمرے میں آگئی۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

میری ہدایات جاری تھیں۔ ان ہدایات کے مطابق اُس نے اٹیچی کو ایک طرف رکھا۔ اٹیچی کا بوجھ کم ہوگیا۔ میں بھی ایک دم سے ہلکا ہو کر آرام سے لیٹ گیا۔ ذرا دیر بعد وہ آگئی۔ اگر وہ ہوش میں رہتی تو اپنی عادت کے مطابق بڑے نخرے دکھاتی۔ پتنگ کی طرح ڈھیل میں آتی۔ ذرا حاصل ہوتی۔ پھر وہ پتنگ تن کر اُڑ جاتی۔ رومانہ اداؤں کی زبردست آرٹسٹ تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر کبھی حاصل اور کبھی لاحاصل ہوتی تھی تاکہ میری یادوں اور آرزوؤں میں ہمیشہ زندہ رہے۔

اُس وقت وہ میری معمولہ تھی میرے احکامات کی پابند تھی۔ میں نے حکم دیا تھا کہ وہ اداؤں کی کھلی چھٹی کر دے۔ لہٰذا اُس نے پَر کھول دیے تھے میرے ساتھ ساتھ پرواز کر رہی تھی۔

ایسے وقت کمرے کی خاموشی میں ہلکی ہلکی سی ماتمی آواز سنائی دی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ سامی جیسے کراہ رہی تھی۔ بڑی حسرت سے مجھے شباب کے آنگن میں کھیلتے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے دیکھنے کے انداز میں حسرت بھی تھی اور ناگواری بھی۔ جیسے وہ رُومانہ یا کسی بھی ہستی کو میرے پہلو میں دیکھنا نہ چاہتی ہو۔

آہ سامی! تم کیا ہو؟ کیا تمہارے پاس سوچنے اور تڑپنے والا دل ہے؟ کیا تم رُومانہ کو میرے پہلو میں دیکھ کر کُڑھ رہی ہو۔ ایک سوکن کی طرح؟

وہ دیکھ رہی تھی۔ جب کہ میری تنہائی کی رنگینیوں کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ صوفے کے گدے پر اپنے چہرے کو اِدھر سے اُدھر رگڑ رہی تھی جیسے آگ بجھا رہی ہو اور راکھ ہو رہی ہو۔ میں نے ہولے سے اُسے مخاطب کیا۔" سامی! کیا بات ہے؟"

اُس نے میاؤں کہا۔ پھر دائیں بائیں سَر ہلانے لگی۔ جیسے کسی بات سے منع کر رہی ہو۔

کیا مصیبت ہے سُونیا، رُومانہ سے جلتی تھی۔ رس ونتی بھی کسی کو میرے پاس برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اب اعتراض کرنے والیوں میں ایک بلّی کا اضافہ ہوگیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔" سامی! بُری بات ہے۔ تمھیں اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ تھوڑی دیر کے لیے باہر چلی جاؤ۔"

اُس نے جیسے جھلّا کر سر جھٹکتے ہوئے "میاؤں" کہا۔ صوفے پر اسی طرح بیٹھی رہی۔

میں نے کہا۔" میری جان! میں سب سے زیادہ تمھیں چاہتا ہوں تم بہت حسین ہو۔ تھوڑی دیر بعد واپس آجانا۔ شاباش اب جاؤ۔"

وہ اُٹھی مگر میرے پہلو میں سوکن کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی اِس لیے صوفے پر گھوم کر منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ "لو میں نہیں دیکھتی۔۔۔"

واقعی سوچنے کی چیز تھی کہ وہ کیا چیز ہے؟ لیکن مجھے سوچنے

کی فرصت نہیں تھی۔ میں رُومانہ کو توجہ سے پڑھنے لگا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ برسوں کے بعد ملی ہو۔ ہم زندگی میں کتنے ہی راستے بدل بدل کر چلتے ہیں۔ وہ بالکل نئی راہ لگ رہی تھی۔ میں اُس راہ کے نشیب و فراز میں جھومتا، گھومتا اور چکراتا رہا۔

میں غسل خانے میں گیا۔
پھر شاور کھول کر ٹھنڈے پانی کی بارش میں بھیگنے لگا۔ بڑا سکون ملا۔ دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچ گئی۔ میں نے اُسی جگہ تنویمی عمل کو ختم کرتے ہوئے رُومانہ کے دماغ کو حکم دیا کہ وہ نیند سے بیدار ہو جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اُس نے پہلے آنکھیں بند کیں پھر کھول دیں۔ دوسری بار آنکھ کھلتے ہی نیند کا نشہ کافور ہو چکا تھا۔
اُس نے ایک بھرپور انگڑائی لی۔ جیسے گہری نیند کا رہا سہا خمار اُتار رہی ہو لیکن وہ انگڑائی بیچ میں ٹوٹ کر رہ گئی۔ اُس کے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ یہ وہ کمرہ نہیں تھا، جہاں وہ نیند کی آغوش میں گئی تھی۔ یہ۔ یہ تو فرہاد کی خواب گاہ تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ اِدھر اُدھر حیرانی سے دیکھنے لگی۔ سامی نے کہا "میاؤں" یعنی وہ اپنی موجودگی سے ثابت کر رہی تھی کہ یہ تو فرہاد ہی کا کمرہ ہے۔
میں شاور کے نیچے گنگنانے لگا۔ رُومانہ بستر سے اُتر کر دبے قدموں چلتی ہوئی باتھ روم کے دروازے تک آئی۔ دروازہ ذرا کھُلا ہوا تھا۔ اُس نے ذرا سا جھانک کر دیکھا۔ میں انجان بنا غسل کرنے میں مصروف رہا۔ گنگناتا بھی رہا۔ وہ گلابی لبوں کو بھینچ کر سوچنے لگی:
"میں یہاں کیسے پہنچ گئی؟"
پھر اُس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا: "میں نیند میں چلنے کی عادی نہیں ہوں۔ یہ فرہاد کی شرارت ہے۔"
وہ غصے سے باتھ روم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "اے بدمعاش! بے تی اور مَی سوچتی ہوں گی کہ میں بہت بے حیا ہوں۔ خود ہی تمہاری خواب گاہ میں چلی آئی۔ یہ کیا بدمعاشی ہے؟"
"بے شرم کہیں کے۔ باہر آؤ۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گی"
میں تولیہ لپیٹ کر باتھ روم سے باہر آگیا۔ وہ غصے میں آگے بڑھتے ہوئے بولی: "تعلقات میں میری مرضی شامل ہونا چاہیے۔ تم نے میری رضامندی حاصل کیے بغیر ایسی حرکت کیوں کی؟"
"اس غلطی پر میں خود پچھتا رہا ہوں۔ چلو غصہ تھوک دو۔"
وہ مٹھیاں بھینچ کر بولی: "نہیں۔ یہ عورت کی توہین ہے کہ اُس پر جبر کیا جائے۔"
"اسے جبر تو مجھ پر ہوا ہے۔"
"بکواس مت کرو۔ میں بدلہ لوں گی۔ جب تک تمہیں باکسنگ کا ایک پنچ یا فلائنگ کک رسید نہیں کروں گی۔ مجھے قرار نہیں آئیگا۔"
وہ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر پینترا بدلنے لگی۔ میں نے تولیے کو سنبھالتے ہوئے کہا: "دیکھو حملہ کرو گی تو تولیہ کھُل کر گر پڑے گا۔ کیا تمہیں اچھا لگے گا؟"
وہ پینترے بازی چھوڑ کر بولی: "جلدی لباس پہنو۔ میں بدلہ ضرور لوں گی۔"
"میرا دماغ تو خراب نہیں ہوا ہے کہ لباس پہن کر تمہیں حملہ کرنے کی دعوت دوں۔ چلو آؤ بے شرم بن کر حملہ کرو۔ یا باہر جا کر غصہ ٹھنڈا کر لو۔"
"تمہارے جیسا ڈھیٹ میں نے نہیں دیکھا اور میرے جیسی ضدی بھی کوئی نہ ہو گی۔ لو سنبھلو۔"
یہ کہتے ہی اُس نے "ہا ہپ ہپ" کی آواز نکالی۔ جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہوئی میرے بائیں سے دائیں گئی۔ پھر مجھے فلائنگ کک مارنے کے لیے وہاں سے دوڑتی ہوئی آئی۔ میں خیال خوانی کے ذریعہ ساری حرکتوں کو سمجھ رہا تھا اور عین وقت پر اپنا بچاؤ کر سکتا تھا مگر اُس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ ایک تماشا ہوا۔ رُومانہ فلائنگ کک مارنے کے لیے اُچھلنا چاہتی تھی مگر چیخ مار کر ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی۔
سامی نے غرّا کر حملہ کیا تھا۔ اُچھل کر رُومانہ کو پنجہ مارتی ہوئی دوسری طرف قالین پر پہنچ گئی۔ وہاں سے پھر وہ غرّا کر پلٹ گئی۔ تیور بتا رہے تھے کہ وہ دوبارہ حملہ کرے گی۔ میں فوراً ہی رُومانہ کے سامنے ڈھال بن کر بولا: "نہیں سامی! یہ رُومانہ میری دشمن نہیں ہے۔ یہ حملہ نہیں، مذاق کر رہی تھی۔"

سامی تن کر کھڑی تھی۔ میری بات سُن کر ذرا ڈھیلی پڑ گئی۔
"شاباش! تم بہت اچھی ہو، آؤ میری آغوش میں آجاؤ۔"
وہ اچھل کر میرے بازوؤں میں پہنچ گئی۔ میں نے بڑی محبت اور عقیدت سے اُسے پیار کیا۔ رُومانہ اُسے بڑی حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے بڑی پھرتی سے پنجے کے وار کو بایاں ہاتھ بڑھا کر روک لیا تھا۔ ورنہ سامی اُس کے حسین چہرے پر خراشیں ڈال دیتی۔ وہ حیرانی سے بولی: "یہ بلی ہے یا تمہاری ٹیلی پیتھی کی کوئی ایجاد ہے؟"
میں نے کہا: "ٹیلی پیتھی جانوروں کے دماغ تک نہیں پہنچتی۔ نہ ہی یہ بائیونک قسم کی کوئی چیز ہے۔ یہ خالص بلی ہے۔"
"مگر یہ تمہاری باڈی گارڈ کیسے بن گئی ہے؟"
"یہ خدا ہی جانتا ہے۔" میں نے اُس کے ملائم بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا اِس کا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ تمہیں یہ سُن کر حیرانی ہو گی کہ یہ میری کسی محبوبہ کو میرے قریب برداشت نہیں کرتی ہے۔"
میں نے سامی کو آئینے کے پاس بٹھایا پھر الماری سے لباس نکال کر پہننے لگا۔ اس دوران میں رُومانہ کو بتاتا رہا کہ بہت عرصے پہلے سامی نام کی ایک حسین لڑکی میری زندگی میں آئی تھی۔ اُس کے ساتھ کالے جادو کا کچھ چکر تھا۔ اُس کی رُوح کسی کے بھی جسم میں داخل ہو جاتی تھی۔ وہ اکثر ایک بلی کے رُوپ میں رہی۔ پھر وہ مجھ سے بچھڑ گئی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکی ہے مگر یہ بلی بالکل ویسی ہی حرکتیں کرتی ہے۔ اُسی کی طرح میری باتیں سمجھتی ہے اور ویسی ہی دیوانگی سے مجھے چاہتی ہے۔
رُومانہ سر ہلا کر بولی: "اُس کی دیوانگی اور جاں نثاری دیکھ چکی ہوں۔ تمہاری حفاظت کے لیے کیسے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ اُف بڑی خطرناک ہے۔"
سامی نے غرّا کر اُسے دیکھا۔ میں نے کہا: "نہیں سامی! بُری بات ہے۔ رُومانہ سے دوستی کرو۔ یہ میری جان ہے۔ اسے نقصان پہنچاؤ گی تو مجھے دُکھ پہنچے گا۔"
وہ رُومانہ کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ رُومانہ ہنستے ہوئے بولی: "او گاڈ! کتنی پیاری ادائیں ہیں۔ کوئی بِلا دیکھے گا تو ہزار جان سے عاشق ہو جائے گا۔"
میں نے ایک بہترین سُوٹ پہنا۔ ٹک ٹائی باندھی۔ جُوتے پہنے۔ پھر سامی کو گود میں لے کر کہا: "چلو رُومانہ سے شیک ہینڈ کرو۔"
رُومانہ اپنا ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولی: "میں دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں۔ سامی! تم بہت پیاری ہو دوستی کر لو۔"
سامی نے اُس کے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر اپنا ایک پنجہ بڑھا کر بڑی بے نیازی سے مصافحہ کر لیا۔ رومانہ نے کہا: "تم بہت اچھی ہو۔ دیکھو میں تمہارے فرہاد کے سینے سے لگتی ہوں۔ تم میرے سینے سے لگ جاؤ۔"
اُس نے دونوں ہاتھ بڑھائے سامی اُس کے پاس چلی گئی۔ اُس نے اُسے پیار کیا۔ پھر سینے سے لگا کر مجھ سے پوچھا: "اتنے بن سنور کر کہاں جا رہے ہو؟"
"تن سنگ اور رسونتی سے ملنے جا رہا ہوں۔"
وہ مسکرا کر بولی: "رسونتی بے حد حسین لڑکی ہے۔"
میں نے کہا: "میں ایک ڈال کے ایک ہی پھُول کو پسند کرتا ہوں اور وہ ہے رس ونتی۔"
"اچھی عادتیں سیکھ رہے ہو۔"
"ہاں۔ رس ونتی نے اپنی چاہت کی یہی شرط رکھی ہے کہ میں صرف تم سے اور سونیا سے مل سکتا ہوں۔ آئندہ کسی نئی لڑکی سے دوستی کروں گا تو وہ میرا محاسبہ کرے گی۔"
"یعنی رس ونتی کا حصول اتنا شدید ہے کہ راہِ راست پر آتے جا رہے ہیں؟"
"ہاں ایک تو رس ونتی کو اپنا بنانے کی تمنا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی ایسی عورت ہونا چاہیے جو مجھے غلط راستے پر ٹوک دیا کرے۔ یہ صرف رس ونتی ہی خیال خوانی کے ذریعہ کر سکتی ہے۔"
ہم خواب گاہ سے باہر جانے لگے۔ رُومانہ نے کہا: "رس ونتی تمہیں کنٹرول کرنے میں کامیاب رہے تو اچھا ہے مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ تم زیادہ عرصے تک شرافت سے رہ سکو گے۔"
مجھے جواب دینے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ خواب گاہ سے باہر آتے ہی ہم گھر کے افراد میں گھر گئے۔ ماسٹر ردمی دوڑتا ہوا آیا۔ پھر میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر جبراً مصافحہ کرتے ہوئے بولا: "ہیلو مسٹر فرہاد علی تیمور! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں کسی سے نہیں کہوں گا کہ ہمارے ساتھ آپ رہتے ہیں۔" ثانیہ کے لیے یقین نہیں دلا سکتا۔ وہ پیٹ کی ہلکی ہے۔"
سب لوگ ہنسنے لگے۔ ثانیہ بگڑ کر بولی: "تم خود پیٹ کے ہلکے ہو۔ میں تو کتنی ہی باتیں چھپا لیتی ہوں کبھی کسی سے نہیں کہتی۔"
ماسٹر ردمی نے جواب دیا: "ہاں میٹھی ڈش چرانے والی بات واقعی چھپا لیتی ہو۔"
اِس بات پر پھر زوردار قہقہے بلند ہوئے۔ شرلاک نے ردمی کو گود میں اُٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا: "تم بہت شریر ہو۔ اپنی بڑی بہن کو تنگ نہ کیا کرو۔"
بے تی نے مجھے مقناطیسی انگوٹھی دیتے ہوئے پوچھا: "آپ کہیں جا رہے ہیں؟"
"ہاں۔ رس ونتی کے رشتے داروں سے ملنے جا رہا ہوں۔ کھانا

بھی وہیں کھاؤں گا۔ شرلاک! اُن کی رہائش گاہ کتنی دُور ہے؟"

شرلاک نے جواب دیا: "یہاں سے بیس منٹ کا راستہ ہے۔ تم کار لے جاؤ۔ سوچ کے ذریعہ مجھ سے راہنمائی حاصل کرتے رہنا۔"

"نہیں۔ میں ذرا خیال خوانی سے پرہیز کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے وہاں تک پہنچا دو۔ پھر دو گھنٹے بعد کسی ڈرائیور کو بھیج دینا۔"

شرلاک نے کہا: "میں نے مسٹر تن سنگ اور اُن کی صاحبزادی کے لیے وہاں ایک ایرکنڈیشنڈ کار کھڑی کر دی ہے۔ اُس کا ڈرائیور تمھیں یہاں واپس پہنچا دے گا۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔"

تانیہ نے کہا: "ٹھیریے۔ مسٹر فرہاد! میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

میں نے گھڑی دیکھ کر کہا: "ہاں تھوڑا سا وقت ہے۔ بولو۔"

وہ بولی: "سب کے سامنے نہیں۔ یہ راز کی بات ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔ پھر چند سیکنڈ کے بعد آنکھیں کھول کر ہنستے ہوئے کہا: "اچھا۔ مجھے وہ راز کی بات معلوم ہو گئی ہے۔"

سب لوگ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ تانیہ حیرانی سے بولی: "ارے مجھے پتہ ہی نہیں چلا اور آپ نے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ معلوم کر لیا کہ میں ٹیلی پیتھی سیکھنا چاہتی ..."

کہتے کہتے اُس نے اپنی زبان دانتوں تلے داب لی۔ اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ وہ راز کی بات خود ہی اُگل رہی ہے۔

ممی نے کہا: "اچھا تم ٹیلی پیتھی سیکھنا چاہتی ہو؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "یہ روحی سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے فرہاد بننا چاہتی ہے۔"

سب لوگوں نے اتنی زور کا قہقہہ لگایا کہ تانیہ زچ ہو کر وہاں سے بھاگ گئی۔ بے بی نے پوچھا: "بھائی! ہم بھی ساتھ چلیں؟"

رُومانہ نے کہا: "میں بھی بنکاک شہر دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم تھائی کھانے کی پارٹی میں شریک نہیں ہوں گے۔ ہمیں وہاں چھوڑ کر ذرا تفریح کریں گے۔"

میں نے کہا: "ابھی بڑے بڑے ممالک سے مذاکرات جاری ہیں۔ میں اور رس ونتی اُن سے جو شرائط منوا رہے ہیں۔ وہ اُن کے لیے قابلِ قبول نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تم میں سے کسی کو میری کمزوری بنانا چاہیں۔ لہٰذا تم سب کو فی الحال اسی کوٹھی میں محدود رہنا چاہیے۔"

بے بی نے پریشان ہو کر پوچھا: "بھائی! شرلاک ابھی آپ کو چھوڑ کر تنہا واپس آئیں گے۔"

میں نے بے بی کو تسلی دی: "جب تک شرلاک یہاں بخیریت واپس نہیں آئے گا۔ میں خیال خوانی کے ذریعہ نگرانی کرتا رہوں گا۔ یہاں تو تم لوگوں کی حفاظت کے لیے رُومانہ کافی ہے۔ خدانخواستہ یہاں کوئی گڑبڑ ہوئی تو مجھے اطلاع مل جائے گی۔"

پھر میں نے سامی کے بدن کو سہلاتے ہوئے کہا: "میں ایک ہندو برہمن کے گھر جا رہا ہوں۔ برہمن اپنے گھر کی دہلیز میں کسی جانور کو پسند نہیں کرتے۔ آیندہ میں کہیں جاؤں گا تو تم میرے ساتھ رہو گی۔ ابھی یہیں رہو۔"

میں نے جھک کر اُسے پیار کیا۔ اُس نے میاؤں کہہ کر شاید الوداع کیا۔ میں شرلاک کے ساتھ کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ جب ہماری کار کوٹھی کے احاطے سے باہر نکلی تو گونگے نے سامنے آ کر راستہ روک لیا۔ وہ اجنبی مہربان ابھی تک اِس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ پُراسرار بن کر مجھے ایک احمق دوست بنا رہا ہے۔ میں نے کھڑکی کے شیشے کو نیچے سرکایا۔ گونگے نے ایک لفافہ بڑھا دیا۔

پروفیسر واسکووچ عرف اجنبی دوست نے لکھا تھا: "فرہاد صاحب! ایک ضروری اطلاع دے رہا ہوں۔ تھائی لینڈ کی حکومت کو بنکاک میں آپ کی موجودگی کا علم ہو گیا ہے۔ آپ کی رہائش گاہ کے آس پاس جتنی کوٹھیاں ہیں۔ وہاں تھائی لینڈ کے نامور جاسوس آپ کی نگرانی کے لیے مامور کیے گئے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں میری نظر اِن سب پر ہے۔ میں نے آپ کے حکم کے مطابق گذشتہ ہفتہ تنظیم میں دو لاکھ ڈالر پہنچا دیے ہیں۔ مزید خدمات سے آگاہ کریں۔ آپ کا بے لوث خادم ......"

میں نے ڈیش بورڈ سے کاغذ قلم نکال کر لکھا: "اجنبی دوست! تم واقعی دوستی کا حق ادا کر رہے ہو۔ میں نے ایک لاکھ کی فرمائش کی تھی۔ تم نے دو لاکھ ڈالر پہنچا دیے۔ شکریہ۔ یہاں کے سرکاری جاسوسوں کے متعلق اطلاع دے کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم بے شک و شبہ میرے خیرخواہ ہو۔ جی چاہتا ہے کہ میں بھی تمھارے کسی کام آؤں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تامل بتاؤ۔ فقط فرہاد۔"

میں نے وہ جوابی خط گونگے کو دیا۔ شرلاک نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا: "عجیب مسخرا دوست ہے۔ اُس کی دوستی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"رفتہ رفتہ سمجھ میں آ جائے گی۔"

میں نے شرلاک کو یہ نہیں بتایا کہ میں اُس اجنبی دوست کے دماغ تک پہنچ چکا ہوں۔ کسی کو اپنا ہر راز بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ میں نے رومانہ کو مخاطب کیا: "سنو رومانہ! اس کوٹھی کے آس پاس والی کوٹھیوں سے کچھ لوگ ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔ یہ بات بے بی اور ممی وغیرہ کو نہ بتانا۔ تم احتیاطاً میری واپسی تک جاگتی رہنا۔"

پھر میں نے شرلاک سے کہا: "گھر والوں کو یہ نہ بتانا کہ جاسوس ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔ عورتیں اور بچے خواہ مخواہ پریشان ہوں گے۔"

شرلاک نے وعدہ کیا کہ اِس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھے گا۔ میں نے رس ونتی کو مخاطب کیا۔ وہ بولی: "میں تمھارے ہی پاس ہوں۔ دس بجنے والے ہیں۔ تم ٹھیک وقت پر وہاں پہنچو گے۔ پتاجی تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا: "رس ونتی! اِس وقت میں خیال خوانی سے ذرا پرہیز کرنا چاہتا ہوں۔ تمھیں یاد ہوگا۔ ہم نے بنکاک میں ہندوستانی سفیر کے دماغ کے ذریعہ تھائی لینڈ کے اعلیٰ حکام کی سوچیں پڑھیں اور ریکارڈ کی تھیں۔ تم وہ ٹیپ سن کر دوبارہ اُن کے دماغوں کو ٹٹولنا شروع کرو۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ لوگ ہماری لاعلمی میں ہمارے اطراف کس طرح کا جال بچھا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم آرام سے پتاجی کے پاس پہنچو۔ میں معلومات حاصل کر رہی ہوں۔"

مجھے اطمینان ہو گیا۔ میں سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ بنکاک رات کو بھی جاگتا ہے۔ رنگ برنگی روشنیوں میں خوبصورت عمارتیں اور زیادہ خوبصورت لگتی ہیں۔ شرلاک مجھے بتا رہا تھا کہ ہم شہر کے کس حصے سے گزر رہے ہیں۔ ہماری تیز رفتار کار دوڑتی ہوئی سمندر کے ساحلی راستے پر آ گئی۔ اچانک ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے پیچھے دو گاڑیاں سائے کی طرح لگی ہیں اور آگے دو گاڑیاں آہستہ آہستہ اپنی رفتار سست کرتی ہوئی ہمیں اپنی گاڑی کو روکنے پر مجبور کر رہی ہیں۔

شرلاک نے کار کو روکتے ہوئے کہا: "یہ کیا مصیبت ہے؟"

میں نے آگے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا: "یہ مصیبت چار گاڑیوں میں آئی ہے۔ تم خاموش بیٹھے رہو۔ دیکھتے ہیں کس کا جلوہ نظر آتا ہے۔"

چند لمحے بعد ہی انکل ڈیوڈ کا جلوہ نظر آیا۔ وہ جولیا کا ماموں تھا۔ اُس کے ماموں اور اُس کے باپ مسٹر جان نے کرائے کے قاتل کے ذریعہ ممی تانیہ اور ماسٹر روحی کو ٹرین میں ہلاک کرانے کی کوشش کی۔ پھر اطمینان سے شرلاک کے کزن مائیک کو ہلاک کرنا چاہا۔ اب وہی انکل ڈیوڈ شرلاک کو گھیر چکا تھا۔

ڈیوڈ اگلی کار کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ پھر اطمینان سے چلتا ہوا ہماری کار تک پہنچ گیا۔ اُس وقت تک میں اُس کی سوچ کے ذریعہ معلوم کر چکا تھا کہ جولیا اور اُس کا باپ بھی کار میں موجود ہے۔ اُن کے علاوہ چاروں گاڑیوں میں کرائے کے بدمعاش ریوالور لیے بیٹھے ہیں۔ ڈیوڈ کو یقین تھا کہ شرلاک اِس محاصرے سے نکل نہیں سکے گا۔

وہ بڑی سفاکی سے بولا: "شرلاک! اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی گاڑی چھوڑ کر چپ چاپ میری گاڑی میں آ کر بیٹھ جاؤ اور یہ دوسرا شخص کون ہے؟"

شرلاک نے کہا: "یہ میرا ایک دوست ہے۔"

"اچھا۔ شاید یہ تمھاری سوتیلی ماں اور بھائی بہنوں کا ساتھی ہے۔ یہ بھی ہمارے ساتھ چلے گا۔"

شرلاک نے پوچھا: "آخر بات کیا ہے؟"

"انجان نہ بنو۔ تم نے اپنی سوتیلی ماں اور بچوں کو پناہ دی ہے۔ کالے جادو کے ذریعہ تم نے جولیا کو مجبور کیا کہ وہ تمھارے حقوق سے دست بردار ہو جائے۔ اب ہم معلوم کریں گے کہ وہ کالا جادوگر کون ہے؟"

میں نے کہا: "میں ہوں وہ جادوگر۔ اور میں اب بھی جادو کے ذریعہ بتا سکتا ہوں کہ ان چار گاڑیوں میں کرائے کے قاتل ریوالور لیے بیٹھے ہیں۔ ہم بھاگنا چاہیں گے تو ہمیں گولی مار دی جائے گی اور جس کار سے تم نکل کر آئے ہو۔ اُس میں جولیا اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے۔"

وہ حیرانی سے سن رہا تھا۔ میں نے کار کی اندرونی لائٹ آن کر دی۔ روشنی میں میری صورت دیکھتے ہی اُس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ اُس کی سوچ نے حیرت سے کہا: "فرہاد؟ اور یہاں؟ شرلاک کے ساتھ؟ نہیں آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔"

میں نے کہا: "شیطان کے بچے! ابھی تمھیں یقین آ جائے گا۔ میں چاہتا تھا کہ تم لوگوں کو عبرت ناک سبق سکھا کر زندہ رہنے دوں مگر تمھاری زندگی میری بہن کا سہاگ اُجاڑ دے گی۔"

وہ فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالنا چاہتا تھا مگر میں اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اُس نے ریوالور نکال کر شرلاک کے حوالے کر دیا۔ پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا پچھلی گاڑیوں کی طرف گیا۔ ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: "شرلاک سے صلح ہو گئی ہے۔ تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ وہ جو میں نے پیشگی رقم دی تھی، اُسے میں واپس نہیں لوں گا۔ اب جاؤ۔"

کرائے کے قاتلوں کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں گاڑیاں واپس چلی گئیں۔ پھر انکل ڈیوڈ اگلی گاڑیوں کی طرف گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے بھی ایک گاڑی رخصت ہو گئی۔ آخری گاڑی میں جولیا اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ دونوں باہر آ گئے۔ جولیا نے ڈیوڈ سے پوچھا: "انکل! کیا بات ہے۔ آپ نے ان سب کو رخصت کیوں کر دیا؟"

ڈیوڈ نے کہا: "میرے ساتھ ذرا پیدل چلو۔ میں بتاتا ہوں۔"

وہ تینوں سمندر کی طرف چلنے لگے۔ ڈیوڈ نے کہا: "ہم شرلاک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اُس کے ساتھ فرہاد علی تیمور بیٹھا ہوا ہے۔"

وہ دونوں باپ بیٹی ٹھٹھک گئے۔ مسٹر جان نے بے یقینی سے کہا: "فرہاد؟ نہیں وہ یہاں کیسے ہو سکتا ہے؟"

ڈیوڈ نے کہا: "چلتے رہو۔ ابھی یقین آ جائے گا۔ جولیا! وہاں کوٹھی میں جو کچھ ہوتا رہا۔ ہم اُسے کالا جادو سمجھتے رہے مگر وہ فرہاد

کی ٹیلی پیتھی کا کارنامہ تھا۔"
جولیا نے کہا "میں اُس سے ملوں گی۔ اُسے ہر قیمت پر اپنا دوست بناؤں گی۔"

"بنا لینا۔ پہلے اُس کی ٹیلی پیتھی کا تماشا دیکھ لو۔"

سمندر کی لہریں اب اُن کے قدموں کو چھو رہی تھیں۔ ڈیوڈ نے کہا "ہم بہت روز ایک ساتھ حرامی زندگی گزارتے رہے ہیں۔ اب میں حرام موت مرنے جا رہا ہوں۔ دیکھو میں کس طرح دوڑ لگاتا ہوں۔"

وہ دوڑتے ہوئے سمندر کی بتدریج گہرائی کی طرف جانے لگا۔ جولیا اور اُس کا باپ چیخ چیخ کر اُسے بلانے لگے مگر وہ موت کے بلاوے کی طرف دوڑتا رہا۔ آتی ہوئی لہروں نے اُسے روکنا چاہا۔ جاتی ہوئی لہروں نے اُسے سمندر کی طرف اُچھال دیا۔ وہ ڈوب رہا تھا۔ اُس کا دم گھٹ رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دُنیا تاریک ہو چکی تھی۔ میں اُس کے دماغ سے نکل گیا۔ کیونکہ دماغ بھی تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔

اب میں جولیا کے باپ مسٹر جان کے دماغ میں تھا۔ دونوں باپ بیٹی واویلا کر رہے تھے۔ وہاں کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ میں نے مسٹر جان کے دماغ کو اپنے قبضہ میں لیا تو وہ کہنے لگا "بیٹی! ہم بہت ذلیل اور کمینے ہیں۔ ہم نے کتنے ہی بے گناہوں کو جان سے مار ڈالنا چاہا مگر تقدیر ہمیں جوتے مارتی رہی۔"

جولیا حیرانی سے بولی "ڈیڈی! یہ آپ اتنے لوگوں کے سامنے کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہیں؟"

"نہیں بیٹی! انسان زندگی کے آخری لمحوں میں بے تکی نہیں سچ باتیں کرتا ہے۔ تم بھی اعتراف کرو کہ تمہارے ہی لیے قتل کے منصوبے بنائے گئے اور ان منصوبوں میں تم برابر کی شریک ہو۔"

جولیا گھبرا کر لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ جان نے جھک کر بیٹی کے کان میں آہستگی سے کہا "فرہاد علی تیمور کا حکم ہے کہ ڈیوڈ کے بعد میں خودکشی کروں۔ میں جا رہا ہوں۔ تم اپنی باری کا انتظار کرو۔"

یہ کہتے ہی وہ سمندر کی طرف بھاگنے لگا۔ جولیا نے چیخ کر کہا۔ "پکڑو میرے ڈیڈی کو پکڑو۔ یہ پاگل ہو گئے ہیں۔"

[illegible] پکڑنے کے لیے دوڑے مگر جان بہت آگے نکل چکا تھا۔ آگے موت کی بستی کی طرف جا چکا تھا۔ جولیا ایک دم سے چھاتی پیٹ کر اپنے بال نوچنے لگی۔ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ اُس نے اپنے ماموں اور باپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے ڈوبتے دیکھا تھا۔ موت کے نظارے اُس کے دماغ میں زلزلے کے جھٹکے پیدا کر رہے تھے۔ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ اپنے کپڑے پھاڑتی ہوئی چیختی ہوئی ساحلی سڑک کی جانب بھاگتی آ رہی تھی۔ کچھ لوگ اُس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

شرلاک نے دور سے اسے دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا "ارے یہ جولیا کو کیا ہو گیا؟ فرہاد! وہ دیکھو اُس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ بال بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی ہے۔"

میں نے سرد لہجے میں کہا "جولیا کے دو مضبوط بازو ڈیوڈ اور جان اُس کی آنکھوں کے سامنے سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔ موت کے سمندر میں.....۔"

شرلاک کانپ گیا۔ سہمے ہوئے انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "گاڑی آگے بڑھاؤ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

اُس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اُس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر کانپ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا "تم مجھے فرہاد سے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے ڈرنا نہیں چاہیے۔ یہ تو میرا دوست ہے۔ میری بیوی کو بہن کہتا ہے۔ مجھے نہیں ڈرنا چاہیے۔"

میں نے کہا "شرلاک! کیا تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے؟ میرے دوست! تم اور بے بی مجھے جان سے زیادہ عزیز ہو۔"

وہ جھینپ کر جبراً ہنستے ہوئے بولا "ہاں ٹھیک ہے ٹھیک ہے مگر پتہ نہیں کیوں تم سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"اس لیے کہ تمہارا تعلق بدھ مذہب سے ہے۔ تمہارے مذہب میں ایک چیونٹی کو مارنا بھی پاپ (گناہ) ہے۔ ہمارے مذہب میں بھی چیونٹی کو اس وقت تک نہیں مارتے جب تک وہ کاٹتی نہیں لیکن سانپ کو ڈسنے سے پہلے مار دیتے ہیں۔ یہ دانشمندی ہے۔ تم مجھے درندہ سمجھ رہے ہو مگر یہ سوچو کہ میں نے دشمنوں کو کتنی ڈھیل دی۔ انھوں نے ٹرین میں مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ تمہارے کزن مائیک کو بھی قتل کرلیا۔ اور آج وہ تمہیں مار ڈالنا چاہتے تھے۔ آج میں نے سمجھ لیا کہ ان سانپوں کو کچلا نہ گیا تو یہ میری بہن کے سہاگ کو ڈس لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم نے ٹھیک ہی کیا۔"

"تم دل سے نہیں کہہ رہے ہو۔ تم دشمنوں کو معاف کر دینے کے عادی ہو۔ تمہیں اپنے رشتے داروں کے مرنے کا دُکھ ہے۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے شرلاک کہ میں بے بی کا بھائی بن گیا۔ یہ بات اچھی طرح رکھنا کہ جو میری بہن کو نقصان پہنچانا چاہے گا۔ وہ زندہ نہیں بچے گا خواہ وہ تمہارا کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔"

وہ بولا "بے بی مجھے سارے رشتے داروں سے زیادہ عزیز ہے۔ انکل جان اور ڈیوڈ چونکہ رشتے دار تھے۔ اس لیے اُن کی موت کا دُکھ ایک فطری امر ہے۔ مجھے یہ سوچ کر تسکین ہو جائے گی کہ بُروں کا انجام بُرا ہوتا ہے۔"

کار اُس کوٹھی کے سامنے رُک گئی۔ جہاں تن سنگ اور وسنتی کا قیام تھا۔ میں نے کار سے اُترتے ہوئے کہا "پُرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ جب تک تم بے بی کے پاس نہیں پہنچو گے میں تمہارے دماغ میں موجود رہوں گا۔ اب جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ میں مسلسل اُس کے دماغ میں نہیں رہ سکتا تھا لیکن شرلاک سے ایسا اِس لیے کہا کہ وہ میری موجودگی کے احساس سے منفی سوچ کو دماغ میں جگہ نہ دے۔ کوٹھی کے احاطے والے گیٹ پر دربان تھا۔ میں نے تن سنگ سے دماغی رابطہ قائم کیا۔ پہلے تو اُس بوڑھے نے سانس روک لی۔ پھر پوچھا "کون بیٹی رس ونتی ہو؟"

میں نے کہا "آپ کا بیٹا فرہاد ہوں۔ پچیس منٹ لیٹ ہو گیا۔ آپ دربان سے کہہ دیں کہ مجھے اندر آنے کی اجازت دے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ میں تمہارے سواگت (استقبال) کے لیے وسنتی کو بھیج رہا ہوں۔"

میں نے وسنتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ آ رہی تھی۔ کمرے سے نکل کر کوٹھی کے برآمدے سے گزر رہی تھی۔ پھر باغیچے کی روش پر چلتی آ رہی تھی۔ اُس کے بعد گیٹ کے دوسری طرف سے اُس کی رس بھری آواز آئی "دربان! دروازہ کھولو۔ ہمارے مہمان آئے ہیں۔"

آہنی دروازے کے کھُلنے کی آواز آئی۔ پھر اُس کے دونوں پٹ کھُلنے لگے۔ اُس کے سامنے [illegible] آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ میرے سامنے رس ونتی کھڑی ہوئی تھی۔

رس ونتی میرے سامنے؟ یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔

مگر رس ونتی تو برما کے شہر رنگون میں تھی۔

تب مجھے یاد آیا کہ رس ونتی اور وسنتی ہم شکل بہنیں ہیں۔ دونوں پانچ منٹ کے وقفہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ رس ونتی اپنی بہن وسنتی سے پانچ منٹ بڑی تھی۔ میں نے رس ونتی کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ اب وسنتی کو دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ دونوں کی صورت اور قد و قامت میں ذرا سا بھی فرق نہ تھا۔ وسنتی سیاہ بارڈر والی نارنجی رنگ کی ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ ساڑھی پہننے کے انداز میں ایسی دلکشی تھی کہ نظریں دلکشی پر جم کر رہ جانا چاہتی تھیں۔ سیاہ بلاؤز میں بدن کی گوری رنگت چاندنی کی طرح چمک رہی تھی۔ کاجل کے بیچ آنکھوں کے کنول کھلے ہوئے تھے۔ وہ ایک ٹک مجھے دیکھ رہی تھی۔

چہرے کے اُجلے رنگ میں گلابیت تھی۔ ساڑھی کے نارنجی رنگ کا عکس چہرے پر اور غضب ڈھا رہا تھا۔ سیاہ بالوں کا جوڑا باندھنے کا انداز بھی خوب تھا۔ جوڑے کے اطراف پھولوں کی وینی خوشبو لٹا رہی تھی۔ ماتھے کے بیچ سنہری بندیا چمک رہی تھی۔ میں نے پوچھا "تم وسنتی ہو؟"

وہ کہیں کھو گئی تھی۔ ایک دم سے چونک کر ذرا جھجک گئی پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر سر کو جھکا کر کہا "نمستے۔ آئیے۔ پدھاریے (تشریف لائیے)"

میں آگے بڑھا۔ وہ میرے ساتھ چلتی ہوئی بولی "دیدی (رس ونتی) آپ کی بڑی تعریفیں کرتی ہیں۔"

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے رس ونتی میرے ساتھ چل رہی ہے اور میں اُس کی رس بھری آواز سُن رہا ہوں۔ دونوں بہنوں کی چال بھی ایک جیسی تھی۔ چلتے وقت شاخِ گُل کی طرح بل کھاتی ہوئی چلتی تھیں۔ اس لچک میں کوئی بناوٹ نہ تھی، قدرت کا عطیہ تھا۔ میں نے کہا "تمہاری دیدی بس یونہی تعریفیں کرتی تھیں۔ تم خود دیکھ رہی ہو۔ میں عام آدمی جیسا ہوں۔"

"جانے بھی دیں۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ آپ سب سے الگ ہیں۔ میں آپ کی تعریفیں سُن کر سوچتی تھی کہ آپ ایسے ہوں گے۔ آپ ویسے ہوں گے مگر آپ تو ایسے ویسے سے بھی کچھ ویسے نکلے یعنی بہت سُندر (خوبرو)۔ میں آپ کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ اب میں کیا کہوں۔ جانے بھی دیں۔"

اُس کا تکیہ کلام تھا "جانے بھی دیں۔"

ہم کوٹھی کے برآمدے سے گزر کر کمرے میں پہنچے۔ تن سنگ مجھے دیکھتے ہی شفقت سے مسکرایا۔ میں نے ایک ہندو کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑے اور ایک مسلمان کے انداز میں "آداب" کہا۔ اُس نے میرے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "خوش رہو۔ بھگوان تمہیں لمبی عمر دے۔ آؤ بیٹے بیٹھو۔"

وسنتی نے کہا "جانے بھی دیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور آپ انھیں بٹھا رہے ہیں۔"

تن سنگ نے ہنستے ہوئے کہا "میری بیٹی آٹھ بجے کھاتی ہے اور دس بجے تک سو جاتی ہے۔ آج تمہارے کارن ساڑھے دس بجے تک بھوکی بیٹھی ہے۔"

"پتا جی! بیٹھی کہاں ہوں کھڑی ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "مجھ سے پہلی ملاقات کی پہلی منزل رہی ہے چلو پہلے کھائیں گے۔ باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔"

وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ تن سنگ نے ڈائننگ روم کی جانب میری راہنمائی کرتے ہوئے پوچھا "بڑی دیر سے رس ونتی نے بات نہیں کی۔ کہاں رہ گئی ہے وہ؟"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

میں نے رس ونتی سے رابطہ کیا۔ وہ ٹیپ ریکارڈر کے سامنے بیٹھی کچھ نئی آوازیں اور لہجے ریکارڈ کر رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ "پتا جی سے کہہ دیں ذرا دیر بعد باتیں کروں گی۔"

میں نے تن سنگ سے کہہ دیا۔ ہم کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا "میں بھی آپ کو پتا جی کہوں؟"

"ہاں بیٹے! مجھے خوشی ہو گی۔"

میں نے کہا "پتا جی! اِس عمر میں آپ کی صحت قابلِ رشک ہے۔"

وہ مسکرا کر بولے "یہ یوگا میں مہارت حاصل کرنے کا انعام ہے۔ اپنی جوانی میں مَیں نے اپنے شاگردوں کے سامنے کئی بار گھنٹوں

سانس رکنے کا مظاہرہ کیا۔ اب بڑھاپے میں بمشکل آدھے گھنٹے سانس روک سکتا ہوں۔"

"اتنی دیر سانس رکنے کے دوران کیسا لگتا ہے؟"

انھوں نے کہا: "سانس روکنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ سانس اندر کھینچ کر روک لی جائے۔ اس کے بعد نہ دوسری سانس لی جائے اور نہ اندر سے سانس کے ذخیروں کو چھوڑا جائے۔ یہ آسان طریقہ ہے۔ رس ونتی ایسا ہی کرتی ہے۔ دوسرا طریقہ بہت مشکل ہے۔ تمام سانس باہر چھوڑ کر پھیپھڑوں کو سانسوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک ذراسی ہوا بھی جسم کے اندر داخل نہیں ہوتی۔ بس یوں لگتا ہے کہ روح اپنے جسم سے پرواز کر چکی ہے۔"

مجھے اچانک سامی یاد آ گئی۔ میں نے کہا: "رس ونتی نے مجھے بتایا ہے کہ آپ سانس روکنے کے بعد اس کائنات میں کسی بھٹکتی ہوئی روح کو دیکھ سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ ایک بار میں نے نور کا ہالہ دیکھا تھا۔ میرے گرو نے بتایا کہ وہ کسی کی آتما (روح) ہے۔"

"سنا ہے آپ جیسے یوگا کے ماہر روح کی ہزار آنکھوں سے اس کائنات کو دیکھتے ہیں۔ کیا اس وقت ہم انسانوں کو بھی دیکھتے ہیں؟"

"ہاں۔ جب کائنات کا ذرہ ذرہ دیکھتے ہیں تو انسانوں کو بھی دیکھتے ہیں۔"

"کیا انسان کے اندر دیکھ سکتے ہیں؟ میرا مطلب ہے انسان کے باطن کو، ضمیر کو، یا روح کو دیکھنا ممکن ہے؟"

"ممکن ہے۔ جس طرح تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے انسانی دماغ کو پڑھ لیتے ہو، اسی طرح میں کسی کے باطن میں جھانک کر دیکھ لیا کرتا ہوں۔"

میں نے خوش ہو کر کہا: "میرے پاس ایک بلی ہے۔ جانور اشاروں کی زبان سمجھتے ہیں مگر وہ اردو اور انگریزی زبان سمجھ لیتی ہے۔ جو زبان سے کہتا ہوں اسی کے مطابق عمل کرتی ہے۔"

"تعجب ہے۔" پتا جی نے دلچسپی سے پوچھا: "اس کی کوئی غیر معمولی حرکت بتاؤ؟"

"ایک بار میں لباس بدل رہا تھا۔ وہ منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ ایک بار میں نے کہا کہ وہ بچوں کے ساتھ رہے۔ ان کا دل بہلائے۔ بعد میں میرے پاس آ جائے۔ وہ تھوڑی دیر بعد روشن دان کے راستے سے میرے کمرے میں آ گئی۔ جب میں خیال خوانی میں مصروف رہتا ہوں تو وہ میاؤں کی آواز تک پیدا نہیں کرتی۔ خاموش بیٹھی رہتی ہے۔"

پتا جی سنجیدگی سے سن رہے تھے۔ اتنے میں وسنتی کھانوں کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی آئی۔ آتے ہی بولی: "کھانے میں پانچ منٹ لگتے ہیں۔ پکانے میں پانچ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ کھانے والوں کو پکانے والی کی محنت اور لگن کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، جب کھانا مزیدار ہو۔ جانے بھی دیں فرہاد جی! آپ ہی چکھ کر بتائیں۔ کہیں میری محنت اکارت تو نہیں گئی؟"

ہندوستانی کھانا تھا۔ پہلے اس نے پیتل کی تھالی رکھی۔ پھر اس تھالی پر کھانے کی چیزیں پروسنے لگی۔ وہ لوگ خالص برہمن تھے گوشت نہیں کھاتے تھے۔ مختلف سبزیوں کی بھاجی تھی۔ سرسوں کا ساگ۔ بھات اور گرما گرم پوریاں۔ آم کا اچار اور کرمرے پاپڑ تھے۔ پتا جی نے کھانے سے پہلے ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کیں۔ زیرِ لب کچھ پڑھا۔ پھر مجھ سے کہا: "شروع کرو بیٹے!"

میں نے بسم اللہ کہہ کر ایک لقمہ منہ میں رکھا۔ واہ مزہ آ گیا۔ ایک تو ایک عرصے بعد مشرقی پکوان منہ کو لگا تھا۔ پھر وسنتی کے ہاتھوں میں غضب کی پکوانی صلاحیتیں تھیں۔ میں نے کہا: "وسنتی! بہت خوب۔ ایسا لذیذ کھانا میں پہلی بار کھا رہا ہوں۔"

وہ خوشی سے کھل گئی: "جانے بھی دیں۔ آپ نگر نگر کی سیر کرتے ہیں۔ نگر نگر کے کھانے کھاتے ہیں۔ بس یونہی میرا دل رکھنے کے لیے تعریف کر رہے ہیں۔"

"تم تعریف کی مستحق ہو۔ دیکھ لینا ابھی کیسے پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔"

وہ جاتے ہوئے بولی: "بس تو پھر کھاتے رہنا۔ میں گرم گرم پوریاں چھان کر (تل کر) لا رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ پتا جی نے ہنستے ہوئے کہا: "تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین تھی۔ تمھارے دوست شرلاک نے ہندو باورچی کو یہاں رکھا ہے۔ مگر وسنتی نے کہا۔ میں فرہاد جی کو اپنے ہاتھوں کا کھانا کھلاؤں گی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے موضوع بدل کر پوچھا: "اس بلی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"ہُوں۔" وہ لقمہ چباتے ہوئے سوچنے لگے۔ پھر کہا: "ہم آواگون کے نظریے کو مانتے ہیں کہ آدمی مرنے کے بعد آدمی یا جانور کے روپ میں دوبارہ جنم لیتا ہے۔ اس بلی کی حرکتیں مجھے یہی سوچنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ اسے میرے پاس لاؤ۔ میں دیکھوں گا۔"

میں نے سامی کا ذکر کیا۔ کالے جادو کا عمل کرنے والی چھمیا کا بھی ذکر کیا۔ یہ بتایا کہ سامی اکثر بلی کے روپ میں رہ کر اپنا پیدائشی جسم حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

پتا جی نے کہا: "مسلمان علماء، ہندو پنڈت یا کسی بھی مذہب کے دانشور لوگ کالے جادو کو پاپ سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم ایمان کی قوت سے کالے جادو کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ اگر اس بلی پر کالے جادو کا اثر ہے تو بھگوان مجھے شکتی دے۔ میں سامی کی آتما کو بلی کے شریر (جسم) سے آزاد کرا دوں گا۔"

میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے سوچا۔ اگر وہ میری سامی ہو گی تو اب کالے جادو کے اثر سے نجات پا لے گی۔ اگر محض کسی کی

تربیت یافتہ بلی ہو گی تو پھر میرے لیے محض ایک وفادار بلی ہی ہو گی۔ اس طرح ذہن سے ایک بوجھ اتر جائے گا۔"

وسنتی پھر گرم گرم پوریاں لے کر آ گئی۔ میں نے کہا: "یہ کافی ہیں۔ اب تم بھی کھانے میں ساتھ دو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی: "سوری۔ میں بھوکی نہیں رہ سکتی تھی اس لیے پکانے کے دوران کھاتی رہی۔ میرا پیٹ بھر گیا ہے۔"

پتا جی نے کہا: "یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمھیں فرہاد کے ساتھ کھانا چاہیے تھا۔"

"پتا جی! میں نے بھوک کی حالت میں سوچا کہ پہلے کھانے کی غلطی کر لوں۔ پھر معافی مانگ لوں گی۔ فرہاد جی! جانے بھی دیں۔ معاف کر دیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "تم سے ایک رشوت لینا ہے۔ اس لیے معاف کرتا ہوں۔"

"کیسی رشوت؟" وہ مسکراتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں بڑی چمک تھی یوں لگتا تھا جیسے تن من سے دیکھ رہی ہو۔

میں نے کہا: "مجھے تمھارے یہ دو ہاتھ بہت پسند آئے ہیں اس لیے تم جب تک یہاں رہو گی۔ میں ایک وقت کا کھانا یہاں آ کر کھایا کروں گا۔"

اس نے خوشی سے تالی بجانے کے انداز میں دونوں ہاتھ ملائے۔ جھوم کر بولی: "میری محنت سپھل ہوئی۔ میں تو روز نئے نئے کھانے کھلاؤں گی۔ پتہ نہیں یہاں کون کون سی ہندوستانی سبزیاں ملتی ہیں۔ آپ کریلا کھاتے ہیں؟ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ جانے بھی دیں۔ کل میں کچھ اور پکاؤں گی....."

پتا جی نے کہا: "فرہاد! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا ٹھکانہ کہاں ہو گا؟ ہم کب تک یہاں رہیں گے؟"

میں نے کہا: "میں اور رس ونتی کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارا ایک الگ مخصوص علاقہ ہو۔ وہاں ہم سب ساتھ رہیں گے۔"

"جانے بھی دیں۔ بڑا مزہ آئے گا۔ میں تو دل سے چاہتی ہوں کہ آپ ساتھ رہیں۔"

"بیٹی! ذرا کم بولا کرو۔ مجھے بھی باتیں کرنے دو۔"

یہ کہتے ہی پتا جی چپ ہو گئے۔ کچھ سننے لگے۔ میں نے ان کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ رس ونتی بول رہی تھی۔ پھر وہ اپنے باپ کے دماغ میں میری سوچ کی لہر کو محسوس کرتے ہی بولی: "فرہاد! مجھے دیر ہو گئی۔ ایک تو مجھے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ دوسرے مریم سے انگریزی بولتی رہی۔ اب مجھے چھٹی ملی ہے۔ بہرحال اب کام کی باتیں سنو۔"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وسنتی بول پڑی تھی: "پتا جی، فرہاد جی! آپ دونوں ایک دم سے چپ ہو گئے، دیدی آ گئی ہیں۔"

پتا جی نے کہا: "ہاں۔ تم برتن اٹھا کر لے جاؤ۔ ہمیں باتیں کرنے دو۔ پھر دیدی تم سے بھی باتیں کرے گی۔"

وہ میز پر سے برتن اٹھانے لگی۔ رس ونتی نے کہا: "میں بنکاک میں ہندوستانی سفیر کے پاس گئی تھی۔ وہ اپنی رہائش گاہ سے باہر نہیں نکلتا ہے۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا کہ وہ تھائی لینڈ کے حکام سے کسی طرح رابطہ قائم کر کے باتیں کرے۔ اس نے جواب دیا کہ بھارت کی سرکار نے سختی سے حکم دیا ہے کہ رس ونتی اور فرہاد سے جب تک مذاکرات نتیجہ خیز نہ ہوں سفیر کو کسی سے رابطہ قائم نہیں کرنا چاہیے۔"

میں نے کہا: "ہاں۔ وہ سب محتاط ہیں کہ ہم ایک کے ذریعہ دوسرے کے دماغ تک پہنچ جائیں مگر ہم تو پہلے ہی اس سفیر کی لاعلمی میں تھائی لینڈ کے حکام کے دماغوں تک پہنچ گئے تھے۔ تمھارے پاس ٹیپ میں ان کا ریکارڈ موجود ہے۔"

وہ بولی: "مجھے معلوم ہے مگر وہ لوگ ایسی روانی سے انگریزی بولتے ہیں کہ میں ان کے لہجوں کی نقل نہیں کر سکتی اور تم خیال خوانی سے کترا رہے تھے۔ اس لیے میں نے سفیر کو مجبور کیا تاکہ وہ انگریزی بولنے والوں سے باتیں کرے اور میں اس کے لاشعور میں ان باتوں کا ہندی ترجمہ سن سکوں۔"

"اچھا تو تم نے ان کی باتیں سنیں؟"

"ہاں۔ سفیر وہاں کے ایک حاکم سے براہِ راست ملاقات کرنے گیا۔ وہاں جو باتیں ہوئیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کوٹھی میں تم بلی وغیرہ کے ساتھ ہو، اس کے آس پاس کوٹھیوں میں بنکاک کے نامور جاسوس موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے افسران کو اطلاع دی ہے کہ تم شرلاک کے ساتھ ایک کار میں بیٹھ کر اس کوٹھی سے نکلے۔ راستے میں چار گاڑیوں نے تمھاری کار کو گھیر لیا تھا۔ کیا درست ہے؟"

میں نے کہا: "ہاں، وہ شرلاک کے دشمن تھے۔ میں نے ایک دشمن کو ٹریپ کیا۔ اس کے ذریعے تین گاڑیوں کو واپس بھیج دیا۔ دو دشمنوں نے سمندر میں خودکشی کی۔ تیسری دشمن ایک نوجوان لڑکی تھی لیا ہے۔ وہ وقتی طور پر ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔"

رس ونتی نے کہا: "جاسوسوں نے ٹھیک یہی رپورٹ اپنے افسران تک پہنچائی ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ تم جنوبی ساحلی علاقہ کی ایک کوٹھی میں گئے ہو اور شرلاک اپنی کار میں واپس چلا گیا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ پتا جی اور وسنتی اسی کوٹھی میں ہیں۔"

"ہاں۔ ہم ابھی اسی کوٹھی میں ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ یہاں کے حکام کے عزائم کیا ہیں؟"

"وہ بنکاک میں تمھیں نہیں چھیڑیں گے۔ ایک بڑے ملک سے احکامات صادر ہوئے ہیں کہ تن سنگ، وسنتی، فرہاد اور فرہاد کے دوسرے ساتھیوں کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیا جائے۔ دُور سے نگرانی ہوتی رہے اور یہ معلوم کیا جائے کہ رس ونتی کہاں رُوپوش ہے۔"

"ہُوں۔" میں نے کہا۔ "اب تمام بڑے ممالک کے جاسوس تمھاری تلاش میں ہوں گے۔ وہ چاہیں گے کہ آئندہ مذاکرات شروع ہونے سے پہلے تم بھی ہماری طرح اُن کی نظروں میں آجاؤ۔"

پتاجی نے کہا۔ "بیٹی! تمھیں بہت ہوشیاری سے رہنا چاہیے وہاں رنگون میں بھی جاسوس تمھیں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔"

رس ونتی نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیں۔ یہاں مجھے کوئی پہچان نہیں سکے گا۔ میں یہاں ایک گونگی عیسائی لڑکی ہوں۔ مریم کبھی اپنے ساتھ مکان سے باہر لے جاتی ہے تو میک اپ کے ذریعے میرے چہرے کو کسی حد تک تبدیل کر دیتی ہے۔ فی الحال میں گھر سے باہر قدم نہیں نکالوں گی۔"

میں نے کہا۔ "رس ونتی! تمام دشمن صرف تمھاری رُوپوشی سے سہمے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ مجھ پر کسی وقت بھی چھُپ کر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کروں وہ مجھے اچانک موت کی نیند سُلا سکتے ہیں مگر وہ سمجھتے ہیں کہ اِدھر وہ مجھے ہلاک کریں گے اُدھر تم اُنھیں ناقابلِ برداشت نقصانات پہنچاتی رہو گی۔"

"فرہاد! بھگوان نہ کرے کہ وہ تمھیں ہلاک کریں یا تمھیں یرغمال بنا کر مجھے مجبور کریں۔ تمھاری سلامتی کے لیے مجھے اُن کے سامنے آنا پڑے گا۔"

"رس ونتی! کبھی دشمنوں کے سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا۔ وہ مجھے حراست میں رکھ سکتے ہیں۔ اذیتیں پہنچا سکتے ہیں لیکن مجھے قتل کرنے کی حماقت نہیں کر سکتے۔ دشمنوں کی بڑی بڑی سیاسی، فوجی اور اقتصادی کمزوریاں ہمارے علم میں ہیں۔ تم ٹیپ سُن کر اُن شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتی ہو۔"

وہ بولی۔ "ایسا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا مگر فرہاد! ایسا وقت کیوں آئے؟ کیا تم میری طرح رُوپوش رہنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟"

"ہاں۔ جب تک مذاکرات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ مجھے رُوپوش ہی رہنا چاہیے۔ تم میری مصروفیات دیکھ رہی ہو۔ مجھے خود کو چھپائے رکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اب میں کوئی تدبیر سوچتا ہوں۔"

وسنتی کی آواز سُنائی دی۔ وہ چائے کی ٹرے اُٹھائے آرہی تھی اور رس ونتی کو مخاطب کر رہی تھی۔ "دیدی! اگر تم موجود ہو تو ٹیلی پیتھی کو جانے بھی دو۔ میں فرہاد کو سبز پتی کی چائے پلا رہی ہوں۔"

رس ونتی نے مجھ سے کہا۔ "یہ باتونی لڑکی ہمیں باتیں کرنے نہیں دے گی۔ اُس کی زبان بند رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میں اُس کے دماغ میں بیٹھ کر تم سے باتیں کروں۔"

دُوسرے ہی لمحے وسنتی ہنسنے لگی۔ اُس کی زبان سے رس ونتی بول رہی تھی۔ "پتاجی! میں رس ونتی بول رہی ہوں۔ یہ وسنتی اب چپ رہے گی۔"

پتاجی ہنستے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔ "بیٹی! تم جانتی ہو۔ میں کھانے کے بعد چائے نہیں پیتا۔ ذرا چہل قدمی کرتا ہوں۔ میں ابھی باغیچے میں ٹہل کر آجاؤں گا۔ تم لوگ باتیں کرو۔"

وہ چلے گئے۔ اب میرے سامنے وسنتی کا وجود تھا لیکن میں رس ونتی کے سامنے تھا۔ اُس نے پوچھا۔ "فرہاد! تم پہلی بار وسنتی کو دیکھ کر چونک گئے ہو گے؟"

"ہاں۔ تمھیں بتانے کا موقع نہیں ملا۔ وسنتی میرے سامنے آئی تو میں چند لمحوں تک یہی سمجھتا رہا کہ تم مجھے چونکانے کے لیے آگئی ہو۔ پھر یاد آیا کہ تم ہم شکل بہنیں ہو۔ تم دونوں میں بس ایک ہی فرق ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تکیہ کلام۔ وسنتی بات بات پر۔ جانے بھی دیں یا جانے بھی دو۔ کہتی ہے۔"

رس ونتی ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔ "مجھے عجیب سا لگ رہا ہے۔ تم سراپا میرے سامنے ہو مگر میں تمھارا ہاتھ تھامنا چاہوں گا تو وہ وسنتی کا ہاتھ ہو گا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بس دُور ہی رہنا۔ یہ میری بہن کا شریر (جسم) ہے۔"

"اِسی لیے تو میں دُور ہوں اور تم دیکھو گی کہ میں دُور ہی رہوں گا مگر میرے ساتھ بڑا ظلم ہو رہا ہے۔"

"کیسا ظلم؟"

"یہی کہ اب تک تم سوچ نگر میں اپنی آواز اور لہجے سے بہلا رہی تھیں۔ آج نگاہوں کے سامنے آکر بھی پرائی ہو۔ پتہ نہیں یہ فاصلہ کب مٹے گا۔"

"میں تو پُوجا کے وقت بھگوان سے یہی بنتی (التجا) کرتی ہوں کہ ہم سب بچھڑنے [illegible] بڑا [illegible] ہے کہ ہم ایک مخصوص علاقہ حاصل کر لیں گے۔"

"جب تک ہمارے ملنے کی صورت پیدا [illegible]۔ وعدہ کرو کہ کبھی کبھی وسنتی کے دماغ میں آکر ملتی رہو گی۔ اِس [illegible] اپنی خوشی بیان نہیں کر سکتا۔ دل کو اطمینان ہے کہ دُور [illegible] پا رہا ہوں۔"

وہ مسکرانے اور شرمانے لگی۔ میرے سامنے شاعرانہ حُسن اور [illegible] کی نزاکت اور اُس کی حیا تھی۔ لوگ شاعری کو لفظوں سے سمجھتے [illegible] میں شاعری کی حُسنِ ادا کو جلووں کی مہربانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ "تمھاری سوچ بڑی شاعرانہ ہے۔ میں سُنتی رہوں گی تو بے کلی بڑھتی رہے گی۔ میں جا رہی ہوں۔"

"ٹھیرو۔ تھوڑی دیر تو خوش ہو لینے دو۔"

"نہیں فرہاد! یہ دل بہلانے کا موقع نہیں ہے۔ پہلے خود کو رُوپوش رکھنے کی تدبیر کرو۔"

وہ چلی گئی۔ اُس کے جانے کا علم یوں ہوا کہ دوسرے ہی لمحے وسنتی بولنے لگی۔ "جانے بھی دیں۔ یہ میری چائے کی پیالی خالی کیسے ہو گئی؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اور کیسے ہو گی؟ تم ابھی میرے سامنے چائے پی رہی تھیں۔"

وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔ "ہاں منہ تو میٹھا میٹھا لگ رہا ہے مگر مجھے یاد نہیں آرہا ہے کہ میں نے یہ چائے کب۔۔۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی۔ "ہائیں دیدی۔ ہاں دیدی۔ جانے بھی دیں میں سمجھ گئی۔ دیدی میرے دماغ میں آکر آپ سے باتیں کر رہی تھیں۔ ہے نا یہی بات؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں ہم ضروری باتیں کر رہے تھے۔ اِس لیے تمھارے بولنے پر پابندی لگائی گئی تھی۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ میں دیدی سے جھگڑا کروں گی۔ واہ کیا وہ آپ کے دماغ میں رہ کر باتیں نہیں کر سکتی تھیں۔ میں اچھی نہیں لگتی ہوں تو جانے بھی دیں۔ چلی جاتی ہوں۔"

وہ اُٹھنے لگی۔ میں نے کہا۔ "ارے نہیں بیٹھو۔ تم تو بہت اچھی ہو۔ ناراض ہو کر نہ جاؤ۔"

"مجھے غصہ کبھی نہیں آتا۔ میں پیالیاں اُٹھا کر لے جا رہی ہوں اب جانے بھی دیں۔"

وہ چائے کی پیالیاں سمیٹ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ میں نے رُومانہ کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ سب وہاں بخیریت تھے۔ میں نے رس ونتی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں بنکاک میں ہندوستانی سفارت خانے کا جو عملہ ہے۔ وہاں کسی ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہیے جو میرے قد و قامت کا ہو۔ میں اُس کے رُوپ میں چھُپ کر رہ سکتا ہوں۔"

رس ونتی نے کہا۔ "وہاں چار شخص تمھاری طرح قد آور ہیں۔ آؤ ہم باری باری ایک ایک شخص کو ٹریپ کریں۔"

وہ ٹیپ ریکارڈر کے پاس گئی۔ پھر اُس نے ایک ٹیپ ریل کو اُس میں سیٹ کرنے کے بعد فہرست دیکھی۔ اس فہرست کے مطابق ٹیپ ریل میں ساتویں آواز سفارت خانے کے ایک ہندوستانی شخص کی تھی۔ رس ونتی نے وہ آواز مجھے سنائی۔ پھر مجھ سے کہا۔ "تم اس شخص کے پاس جاؤ۔ میں کسی دوسرے کو ٹریپ کرتی ہوں۔"

میں اُس ہندوستانی شخص کے پاس پہنچ گیا۔ سفارت خانے کے سب ہی لوگ چھٹی پر تھے۔ کیونکہ مذاکرات ختم ہونے تک سفیر کو اُس کی رہائش گاہ میں محدود کر دیا گیا تھا۔ جس شخص کے پاس میں گیا وہ بھی اپنی رہائش گاہ میں تھا۔ اُس کی ماں بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور وہ پاس بیٹھا ہوا ماں کا سر داب رہا تھا۔ دوسرے کمرے سے بیوی کے بڑبڑانے کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ "میں صبح سے شاپنگ کے لیے کہہ رہی ہوں مگر تمھیں تو ماں کی خدمت کرنے سے فرصت نہیں مل رہی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ ڈانٹ کر بولا۔ "جب تک ماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو گی۔ میں تمھارے ساتھ باہر نہیں جاؤں گا۔"

میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔ جو شخص ماں کے بڑھاپے میں اُس کی خدمت کر رہا ہو ۔۔۔ میں اُس کے رُوپ میں آکر اُسے ماں سے جُدا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے رس ونتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دوسرے شخص کی سوچ پڑھ رہی تھی۔ اُس شخص کا نام داس دیو تھا۔ داس دیو ایک گارڈن کے پارکنگ ایریے میں ایک کار کے اندر بیٹھا ہوا ایک انگریز شخص کی باتیں سُن رہا تھا۔ رس ونتی، داس دیو کے لاشعور میں ہندی ترجمہ سُن رہی تھی۔

میں اُس انگریز کے دماغ میں پہنچا۔ معلوم ہوا کہ اُس کا تعلق سُپر ماسٹر کی تنظیم سے ہے۔ داس دیو اپنے سفارت خانے کی اہم خفیہ باتیں اُس تنظیم کے ماسٹر تک پہنچاتا تھا اور اُن سے بھاری رقمیں حاصل کرتا تھا۔ رس ونتی نے کہا۔ "فرہاد! یہ اپنے دیس کا غدار ہے۔ اسے سزا ملنا چاہیے۔ تم اُس کی جگہ آجاؤ۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ یہ کمبخت تنظیم کے ماسٹر تک پتاجی اور وسنتی کی رہائش کا ایڈریس پہنچا رہا ہے۔ تم اُس کی گھریلو، سماجی اور ذاتی زندگی کے متعلق معلومات حاصل کرو۔ میں اُسی انگریز کے ساتھ رہوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے رُومانہ سے رابطہ قائم کیا۔ "ہیلو رُومانہ! خیریت ہے؟"

"بالکل خیریت ہے۔ کب آرہے ہو؟"

"تم شرلاک کے ساتھ یہاں آؤ۔ وہاں میک اپ کا جتنا سامان ہے وہ لے آؤ۔ تم مردانہ لباس میں آؤ گی۔ دُور سے نگرانی کرنے والوں کو دھوکا کھانا چاہیے کہ شرلاک کے ساتھ کوئی مرد اُس کوٹھی سے نکل کر اِس کوٹھی میں آیا ہے۔ او کے؟"

اُس نے "او کے" کہا۔ میں نے رس ونتی کو مخاطب کیا۔ "تم داس دیو کے دماغ کو جکڑ لو۔ اُسے ہمارے پاس پہنچا دو۔"

وہ کام رس ونتی کے سُپرد کرنے کے بعد میں اُس انگریز کے ساتھ ہو گیا۔ وہ بنکاک میں تنظیم کے ماسٹر سے ملنے جا رہا تھا۔ آج بھی ساری رات جاگنا تھا۔ جس طرح ہم ریڈ پاور کے ماسک مین اور اہم شخصیتوں تک پہنچ گئے تھے اسی طرح آج رات سُپر ماسٹر کی تنظیم

کی اہم شخصیتوں تک پہنچنا ضروری تھا۔ تاکہ کل صبح دس بجے مذاکرات شروع ہونے سے پہلے سُپر ماسٹر کے خلاف ہمارے ہاتھوں میں تُرپ چال کے پتّے رہیں۔

ویسے سُپر ماسٹر کے مُلک کے دو اہم فوجی افسروں کے دماغوں تک میں بہت پہلے پہنچ چکا تھا۔ اُن میں سے ایک آبدوز کا کرنل اور دوسرا کیپٹن والٹر تھا۔ وہ دونوں اچھی طرح میرے ذہن میں محفوظ تھے۔ جب سُونیا، رُومانہ اور عازم ایک بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے تب کرنل اور کیپٹن والٹر آبدوز کی مسلح فوج کے ساتھ بحری جہاز میں آئے تھے اور عازم کو زنخہ بنانے کے لیے آبدوز میں لے گئے تھے۔ تب ہی سے میں نے کرنل اور کیپٹن کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔

اس انگریز نے تنظیم کے ماسٹر سے ملنے کے لیے ایک بہت عالی شان کوٹھی کے سامنے کار روک دی۔ کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ ماسٹر بھوانی کے پاس چار خطرناک قسم کے بلڈ ہاؤنڈ ہیں۔ جو اپنے شکار کی بُو پاکر اُس پر باز کی طرح جھپٹتے ہیں۔ اُس نے مخصوص انداز میں کار کا ہارن بجایا۔ وہ آواز سُننے کے بعد کوئی کمپاؤنڈ کے اندر کتّوں کو بچکار رہا تھا۔ انھیں اپنے کنٹرول میں کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد احاطے کا گیٹ کھُل گیا۔ وہ انگریز کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے پورچ میں آیا۔ پھر کار سے اُتر کر برآمدے میں پہنچا۔ وہاں دو مسلح گارڈ کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے اُس کے لیے کوٹھی کا دروازہ کھول دیا۔ اندر کاریڈور میں بھی دو مسلح گارڈ موجود تھے۔ ایک نے اُسے دیکھ کر انٹرلنک فون کا ریسیور اُٹھایا۔ پھر ایک بٹن کو دبانے کے بعد بولا۔ "جناب! مسٹر کارسن تشریف لائے ہیں۔"

میں مسلح گارڈ کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ دوسری طرف سے کہا گیا "کارسن کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

میں دُوسرے طرف بولنے والے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بنکاک میں تنظیم کا ماسٹر بھوانی راجپت راؤ تھا۔ اُس کا سَر ایک حسین عورت کی گود میں تھا اور وہ عورت بچّوں کے فیڈر سے اُسے شراب پلا رہی تھی۔ اِس دُنیا میں عجیب عجیب عیّاش مسخرے ہیں جس بوتل سے بچّے دودھ پیتے ہیں اس بوتل کی نپل کو منہ میں دبائے وہ شراب پی رہا تھا۔ انسان دودھ کے تقدّس کو بھی پامال کرتا ہے۔ دودھ ماں پلاتی ہے۔ وہاں ایک رنڈی اپنی گود میں اُسے فیڈر سے شراب پلا رہی تھی۔

وہ گود سے سَر اُٹھا کر بولا۔ "جانی! بس کرو۔ میں کارسن سے باتیں کر کے آتا ہوں۔"

وہ اُٹھ کر لباس پہننے لگا۔ بہت ہی قدآور تھا۔ فیڈر منہ میں لے کر کارٹون لگتا ہوگا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آیا۔ کارسن اُسے دیکھتے ہی ادب سے کھڑا ہوگیا۔ بھوانی نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں پوچھا۔ "رپورٹ؟"

کارسن نے کہا۔ "سر! ہمارے سُپر ماسٹر کے لیے بہت ہی اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ فرہاد اور رُومانہ سدھارنا اسٹریٹ کی ایک کوٹھی نمبر پندرہ اے میں شرلاک کی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں۔ سمندر کے جنوبی ساحلی علاقے میں جو لگژری بنگلوز ہیں۔ وہاں کے ایک بنگلے ڈی ون میں رس ونتی کی بہن اور باپ نے رہائش اختیار کی ہے۔"

بھوانی نے حکم دیا۔ "ایک کاغذ پر دونوں ایڈریس کے ساتھ رپورٹ لکھ کر جاؤ۔"

کارسن نے حکم کی تعمیل کی۔ سینٹر ٹیبل پر رکھے ہوئے لیٹر پیڈ اور قلم کو اُٹھا کر مختصر سی رپورٹ لکھی۔ شرلاک کی دونوں کوٹھیوں کے پتے لکھے۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد بھوانی سینٹر ٹیبل کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔ پھر رابطہ قائم ہوتے ہی بولا۔ "دو ایڈریس نوٹ کرو۔ ان پتوں پر فرہاد علی تیمور اور رس ونتی کے رشتے دار رہتے ہیں۔ آدھے گھنٹے کے اندر تصدیق کرو کہ مجھے ملنے والی معلومات دُرست ہیں۔"

اُس نے ایڈریس نوٹ کرانے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔ پھر اُس کا دماغ سوچنے لگا۔ سوچ یہ تھی کہ آٹھ بجے رات کو سُپر ماسٹر کے چیف سیکریٹری نے بھوانی کے ٹرانسمٹر پر چند اطلاعات نشر کی تھیں پہلے اطلاع یہ تھی کہ فرہاد علی تیمور کل صبح دس بجے ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں سُپر ماسٹر کو اہم مذاکرات کے لیے مدعو کر رہا ہے۔ مذاکرات کی دعوت دینے میں چیلنج ہے کہ شرکت سے انکار کیا گیا تو تنظیم کو ناقابلِ برداشت نقصان پہنچے گا۔

دوسری اطلاع یہ تھی کہ رس ونتی کے باپ تن سنگ اور بہن وسنتی کو رہا کر دیا گیا ہے اور وہ لوگ دوپہر کو بنکاک پہنچ گئے ہیں۔

تیسری قیاس آرائی تھی کہ فرہاد نے جب تن سنگ اور وسنتی کو بنکاک پہنچانے کے لیے کہا ہے تو یقیناً فرہاد اور رس ونتی بھی بنکاک میں ہوں گے۔ لہٰذا وہاں کے ماسٹر بھوانی راجپت راؤ سے کہا گیا کہ وہ تن سنگ اور وسنتی کی رہائش گاہ معلوم کرے اور وہاں فرہاد اور رس ونتی کو تلاش کرے۔

آخر میں ہدایت کی گئی تھی ــ کہ فرہاد، رس ونتی اور اُن کے رشتے داروں اور ساتھیوں کو چھیڑا نہ جائے پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ فرہاد کیسے کیسے نقصانات پہنچا سکتا ہے۔

بھوانی راجپت راؤ اُس وقت ٹیلی فون کے پاس بیٹھا سوچ رہا تھا۔ رس ونتی نے مجھے مخاطب کیا۔ "فرہاد! اِس دلو کے پاس پہنچو۔ ہم وہاں باتیں کریں گے۔"

میں نے کہا۔ "یہ تنظیم کا ماسٹر بھوانی راجپت راؤ ہندوستانی

ہے۔ تم اُس کی سوچ پڑھ کر آؤ۔"

میں ڈرائنگ روم سے اُٹھ کر داس دلو کے پاس آیا۔ وہاں بیناجی اور شرلاک کے ایک ملازم نے اُسے باندھ کر ایک کمرے میں بٹھایا ہوا تھا۔ داس دلو مجھے دیکھتے ہی گھبرا گیا۔ میں نے کہا۔ "بھارت سرکار نے تم سفارت خانے والوں کو تاکید کی تھی کہ ہم میں سے کسی کو چھیڑا نہ جائے مگر تم نے ماسٹر بھوانی۔ تک ہمارے متعلق معلومات فراہم کر دیں۔"

وہ گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔ اُسی وقت دربان نے اطلاع دی کہ شرلاک صاحب اپنے ایک دوست کے ساتھ اندر آنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ "اُنھیں اندر بھیج دو۔"

دربان چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد شرلاک ایک اٹیچی لے کر آیا۔ اُس کے ساتھ داڑھی والا شخص تھا۔ جس کے سر پر فلٹ ہیٹ جھکی ہوئی تھی۔ اُس نے داڑھی نوچ کر ہیٹ اُتاری۔ وہ رُومانہ تھی۔ میں نے کہا۔ "میرے سامنے آئینہ اور میک اپ کا سامان رکھو۔"

رُومانہ میک اپ کے لیے انتظامات کرنے لگی۔ رس ونتی نے کہا۔ "میں نے ماسٹر بھوانی کا لہجہ ذہن نشین کر لیا ہے۔ کیا اسے بھی ریکارڈ کروں؟"

میں نے کہا۔ "کوئی ضروری نہیں ہے۔ ابھی ماسٹر بھوانی ایک فون کال اٹینڈ کرے گا۔ اُس کے بعد وہ ٹرانسمٹر کے ذریعہ سُپر ماسٹر کے چیف سیکریٹری تک ہمارے ایڈریس پہنچائے گا۔ جب وہ ٹرانسمٹر کے پاس جائے تو مجھے بُلا لینا۔ تم ابھی ماسٹر بھوانی کے پاس رہو۔"

میں میک اپ میں مصروف ہوگیا۔ داس دلو کو میرے سامنے بٹھا دیا گیا تھا۔ میں اُسے دیکھ دیکھ کر آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے رُوپ بدل رہا تھا اور چُپ چاپ اُس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ "ہے بھگوان! یہ ٹیلی پیتھی کیا چیز ہے؟ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کار ڈرائیو کرتا ہوا اِدھر کیسے آگیا۔ پھر میں کار سے اُتر کر اس کمرے میں کیسے آیا؟ اُن لوگوں نے میرے ہاتھ پاؤں کب باندھے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا جادو ہے؟"

یہ سوچتے ہوئے اُس نے مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔ "فرہاد بھیّا! آپ دیوتا ہیں، آپ مجھے موقع دیں۔ میں آپ کا سیوک (خدمت گار) بن کر رہوں گا۔"

میں نے کہا۔ "جیسے ماسٹر بھوانی کے سیوک بن کر رہتے ہو کیا ویسے؟ بکواس مت کرو۔ خاموشی سے بیٹھے رہو۔"

وہ چُپ رہ کر سوچنے لگا "ہے بھگوان! ایک بار مجھے اُن لوگوں سے بچالے۔ ہاں یاد آیا مسٹر کارسن نے ماسٹر بھوانی کو یہاں کا پتہ بتا دیا ہوگا۔ ماسٹر بھوانی سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس کے آدمی اِس بنگلے کو تھوڑی دیر میں گھیر لیں گے۔ اِن لوگوں کو اسٹین گنوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔ مجھے یہاں سے صحیح سلامت نکال کر لے جائیں گے۔ مجھے دھیرج اور ہمّت سے کام لینا چاہیے۔"

میں اُس دوغلے کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ میں ایسے لوگوں کو معاف نہیں کرتا، جو زبان سے مجھے دیوتا کہتے ہیں اور دل سے میری موت کی تمنّا کرتے ہیں۔ پندرہ منٹ بعد رس ونتی نے اطلاع دی کہ بھوانی ٹرانسمٹر کے پاس جا رہا ہے۔ میں نے رس ونتی سے کہا۔ "تم ٹیپ ریکارڈر کے پاس بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں دماغی طور سے ماسٹر بھوانی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک کمرے میں ٹرانسمٹر آن کرنے کے بعد کال کر رہا تھا۔ "ہیلو ہیلو۔ بے بی فیڈر کالنگ۔ ہیلو ہیلو..."

فیڈر سے شراب پینے والے کا کوڈ ورڈ "بے بی فیڈر" تھا۔ تھوڑی دیر میں دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "ہیلو بے بی فیڈر تمھیں سی ایس فار ایس ایم اٹینڈ کر رہا ہے۔ رپورٹ دو، اوور۔"

سی ایس فار ایس ایم کا مطلب تھا۔ چیف سیکریٹری فار سُپر ماسٹر۔ یعنی کامیابی میرے قدم چُوم رہی تھی۔ میں سُپر ماسٹر کے ایک خاص نائب تک پہنچ گیا تھا۔ ماسٹر بھوانی ہماری دونوں رہائش گاہ کے پتے بتانے کے بعد کہہ رہا تھا۔ "میں نے اپنے ایک چالاک ماتحت سے کہا کہ وہ ان پتوں پر فرہاد کی موجودگی کی تصدیق کرے۔ بیس منٹ بعد اُس نے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔ دونوں رہائش گاہوں کے اطراف تھائی لینڈ کے جاسوس ہیں۔ اُس ماتحت کا راستہ روک لیا گیا۔ اگر میرے ماتحت کو اجازت دی جائے تو وہ جبراً فرہاد اور اُس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گا۔ اوور۔"

"نہیں ماسٹر بھوانی! تھائی لینڈ کے جاسوسوں کی موجودگی بتا رہی ہے کہ فرہاد کی... نگرانی کی جا رہی ہے۔ اپنے ماتحت سے کہو کہ اُوپر ہی اُوپر کسی طرح یہ معلوم کرے کہ رس ونتی بھی یہاں موجود ہے یا نہیں؟ سُپر ماسٹر نے سختی سے تاکید کی ہے کہ اُن میں سے کسی کو نہ چھیڑا جائے۔ اوور اینڈ آل۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ میں سُپر ماسٹر کے چیف سیکریٹری کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ماسٹر بھوانی کی رپورٹ ٹائپ کر رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ رپورٹ لے کر سُپر ماسٹر کے پاس جائے گا مگر یہ کوئی بچّوں کا کھیل نہ تھا۔ چیف سیکریٹری کی سوچ نے مجھے مایوس کر دیا۔ وہ سیکریٹری براہِ راست سُپر ماسٹر سے رابطہ قائم نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ٹیلی پرنٹر کے ذریعہ رپورٹ پہنچاتا تھا۔

میں مایوس ہو کر رس ونتی کے پاس آیا۔ پھر اپنی زبان سے چیف سیکریٹری کے لہجے کو ادا کرتے ہوئے اُسے ٹیپ میں ریکارڈ کر دیا۔ کبھی ضرورت کے وقت چیف سیکریٹری کے ذریعہ دوسرے ممالک کے ماسٹروں کو ٹریپ کیا جا سکتا تھا۔

ایک گھنٹہ بعد میک اپ مکمل ہوگیا۔ داس دلو آنکھیں

پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ میں دوسرا واس دیلو اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اُس کی آواز اور لہجے میں پوچھا۔
"بتاؤ واس دیلو تم ہو یا میں ہوں ؟"
وہ ہکلاتے ہوئے بولا "مم۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے آئینہ دیکھ رہا ہوں۔"
"واس دیلو میں تم سے چند سوالات کر رہا ہوں۔ اُن کے جوابات میں پہلے ہی سوچ کے ذریعہ معلوم کر چکا ہوں۔ لہٰذا جھوٹ نہ بولنا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ تمھاری سرکار تھائی لینڈ میں ریڈ پاور کی خارجہ پالیسی کو مستحکم بنانے کے لیے ایک خفیہ مہم چلا رہی ہے۔ اس مہم... کی مکمل رپورٹ ریڈ فائل میں ہے۔ وہ ریڈ فائل کہاں ہے ؟"
وہ بولا "جی وہ تو بہت اہم فائل ہے۔ ہمارے سفیر صاحب کی تحویل میں رہتا ہے۔"
میں نے اُس کے ذہن کو ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ میں نے کہا "سفیر سے زیادہ اُس کا سیکریٹری اہم ہوتا ہے۔ اُس ریڈ فائل کی مکمل فوٹو اسٹیٹ کاپی تمھاری خواب گاہ کی الماری میں ہے اور اُس کا علم سفیر اور بھارت سرکار کو نہیں ہے۔ فرہاد اور رس ونتی کا ہنگامہ ختم ہونے کے بعد تم سپر پاسٹر سے پانچ لاکھ ڈالر میں اُس ریڈ فائل کا سودا کرنا چاہتے ہو۔"
وہ ذہنی جھٹکا لگنے سے فرش پر گر پڑا تھا اور گڑگڑا رہا تھا۔
"مجھے معاف کر دو۔ اب میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔"
رس ونتی نے مجھے مخاطب کیا "فرہاد! اُس کے ساتھ وقت برباد نہ کرو۔ جو کرنا ہے جلد کر گزرو۔ واس دیلو کے بارے میں میں بہت کچھ تمھیں بتا سکتی ہوں۔"
میں نے کہا "اچھا چلو۔ وہ ٹیپ ریل نکالو جس میں انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر جنرل کا لہجہ ریکارڈ ہے۔ میں سنوں گا۔"
پانچ منٹ کے بعد رس ونتی نے وہ لہجہ سنایا۔ میں انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر جنرل کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ جاگ رہا تھا۔ اُن کے سامنے ایک میز پر بنکاک شہر کا نقشہ پھیلا ہوا تھا — وہ افسران تھوڑی تھوڑی دیر میں ٹیلیفون اور ٹرانسمٹر کالیں وصول کر رہے تھے اور جوابات دے رہے تھے، وہی کیا، اُس رات دُنیا کے بڑے بڑے ممالک کے حکام جاگ رہے تھے۔ تمام اہم شعبوں کے ذمے دار افسران اور تمام ممالک کی وزارتِ خارجہ کے دفاتر میں رت جگا تھا۔ جیسے وہ زندگی کی آخری رات ہو۔ دوسری صبح فرہاد اور رس ونتی قیامت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔
بہرحال ابھی صبح ذرا دُور تھی۔ میں نے انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر جنرل کے خیالات پڑھے معلوم ہوا کہ تقریباً دو گھنٹے پہلے ایک جاسوس نے رپورٹ دی تھی کہ ایک نیلے رنگ کی کار بنگلہ نمبر ڈی ون کے سامنے آکر رُکی۔ اُس میں سے ایک شخص اُتر کر بنگلے کے اندر گیا تھا۔ ابھی تک باہر نہیں آیا ہے۔ وہ کار بنگلے کے سامنے کھڑی ہے۔
بات سمجھ میں آگئی۔ نیلی کار میں واس دیلو یہاں آکر پھنس گیا تھا۔ جاسوس کی رپورٹ کے مطابق رات کی تاریکی میں نیلی کار کا نمبر نہیں پڑھا جا سکا اور نہ ہی وہ واس دیلو کو پہچان سکا۔ اب ارادہ تھا کہ وہ نیلی کار بنگلے سے واپس جائے گی تو اُس کا تعاقب کیا جائیگا۔
کوٹھی نمبر بیدرہ اے جہاں بے بی ممتی وغیرہ تھیں۔ وہاں آس پاس کی کوٹھیوں کے ایک جاسوس نے اطلاع دی تھی کہ شرلاک پھر اپنی کار میں ایک اجنبی مرد کے ساتھ بنگلہ نمبر ڈی ون کی طرف گیا ہے۔ بنگلہ ڈی ون کی نگرانی کرنے والے جاسوس کی بھی تقریباً یہی رپورٹ تھی کہ شرلاک کسی اجنبی کے ساتھ تن تنگ اور فرہاد سے ملنے آیا ہے اور ابھی تک واپسی نہیں ہوئی ہے۔
جاسوس درست رپورٹ دے رہے تھے۔ رُمانہ اجنبی مرد کے رُوپ میں شرلاک کے ساتھ آئی تھی۔ ہم سب ایک ہی بنگلے میں جمع ہو گئے تھے۔ اِس لیے انٹیلیجنس والوں کی تمام توجہ بھی اس بنگلے تک مرکوز تھیں۔ وہ ہر بیدرہ بیس منٹ کے بعد اعلیٰ حکام تک رپورٹ پہنچاتے تھے۔ بڑے ممالک کے سفراء اعلیٰ حکام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے متعلق جو خبریں موصول ہو رہی تھی۔ وہ سفراء اُن خبروں کو اپنے ممالک کے حکام تک پہنچا رہے تھے۔ دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گفت و شنید کا سلسلہ جاری تھا۔
میں نے شرلاک سے کہا "تم واس دیلو سے اُس کے مکان کی چابیاں لو اور سفارت خانے کے تمام افراد کی رہائش گاہ کے پتے نوٹ کرو۔"
شرلاک نے اُس کی جیب سے چابیاں نکال کر مجھے دیں۔ پھر تمام پتے نوٹ کرنے لگا۔ اُس کے بعد میں نے رُمانہ سے کہا "داڑھی لگا لو۔ فلٹ ہیٹ پہن لو اور واس دیلو کو اپنے ساتھ شرلاک..... کی کار میں تفریح کے لیے لے جاؤ۔ واس دیلو تمھیں یہاں کے راستوں اور مقامات کی پہچان کرائے گا۔"
دس منٹ بعد رُمانہ واس دیلو کے ساتھ باہر جانے لگی۔ میں انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر جنرل کے پاس پہنچ گیا۔ چند لمحوں کے بعد ڈائریکٹر جنرل نے فون کال اٹینڈ کی۔ ایک جاسوس رپورٹ دے رہا تھا کہ شرلاک کی کار میں دو شخص روانہ ہو رہے ہیں۔ ہماری ایک پٹرولنگ کار اُن کے تعاقب میں بھیجی جا رہی ہے۔ تمام پولیس چوکیوں کو شرلاک کی کار کا نمبر بتایا جا رہا ہے۔
میں رپورٹ دینے والے جاسوس تک پہنچ گیا۔ اُس کی ڈیوٹی یہی تھی کہ فون کے ذریعہ اپنے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ قائم رکھتا تھا۔ میں نے میک اپ کا سامان اٹیچی میں رکھا۔ رُمانہ میرا لباس بھی لے آئی تھی۔ میں نے وہ سب سمیٹ کر شرلاک سے کہا "مجھے واس دیلو

کے مکان تک پہنچا دو۔ تم ڈرائیو کرو گے۔ میں خاموش بیٹھا رہوں گا۔"
میں نے پتاجی سے مصافحہ کیا۔ وسنتی نے مسکرا کر نمستے کہا پھر میں شرلاک کے ساتھ باہر آگیا۔ باہر آتے ہی میں نے فون پر رابطہ قائم کرنے والے جاسوس کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔ وہ آنکھوں سے دُوربین لگائے دیکھ رہا تھا۔ رات کے وقت بنگلے کی بیرونی روشنی ہماری شناخت کے لیے کافی نہیں تھی۔ بس اتنا ہی نظر آرہا تھا کہ دو اشخاص بنگلے سے نکل کر کار میں بیٹھ رہے ہیں۔ اُس جاسوس نے... دُوربین آنکھوں سے ہٹا کر ایک ہاتھ ٹیلیفون کی طرف بڑھایا مگر رابطہ قائم کرنے کے لیے ریسیور کو اُٹھا نہ سکا۔ کیونکہ وہ اب میرا معمول بن چکا تھا۔
ہماری کار بنگلے سے کافی دُور نکل گئی تھی۔ میں نے جاسوس کے دماغ سے فون کی گھنٹی سُنی۔ اُس نے ریسیور اُٹھا کر سُنا۔ پٹرولنگ کار کا ایک افسر کہہ رہا تھا "ایک نیلے رنگ کی کار ساحلی سڑک پر جا رہی ہے۔ کیا ہم تعاقب کریں ؟"
میں نے جاسوس کی زبان سے کہا "نہیں۔ آپ لوگ اپنی جگہ رہیں۔ میں نے اگلی پولیس چوکی والوں کو اطلاع دے دی ہے وہ لوگ تعاقب کریں گے۔"
پٹرولنگ کار سے رابطہ ختم ہو گیا۔ پانچ منٹ کے بعد ایک مسلح افسر نے کمرے میں آکر اُس جاسوس سے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو؟ تم نے ساحلی سڑک کی پٹرولنگ کار والوں سے کہا کہ وہ تعاقب نہ کریں۔ اگلی چوکی والے کریں گے۔ میں نیچے اسپیکر سے تمھاری باتیں سُن رہا تھا تم نے اب تک اگلی چوکی والوں کو اطلاع نہیں پہنچائی۔ جلدی کرو۔ وہ کار تو اب تک ٹریفک کے ہجوم میں پہنچ گئی ہو گی۔"
جاسوس خاموش رہا۔ افسر نے اُسے شبہ سے دیکھتے ہوئے اپنا ریوالور نکال لیا۔ میں نے جاسوس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اُس نے چونک کر سوچا کہ ابھی تک نیلی کار کی رپورٹ نہیں دی گئی۔ فوراً پٹرولنگ کار والوں کو بھی اطلاع دینا چاہیے۔ اُس نے ریسیور اُٹھایا۔ اُسی وقت افسر نے ریوالور دکھاتے ہوئے جاسوس سے کہا "خبردار! ریسیور رکھ دو اور خاموش رہو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"
جاسوس نے سہم کر ریسیور رکھتے ہوئے پوچھا "آفیسر! آپ مجھے میری ڈیوٹی سے روک رہے ہیں۔"
افسر نے ریوالور سے نشانہ لیتے ہوئے کہا "میں آفیسر نہیں، اِس وقت فرہاد علی تیمور ہوں۔"
"ایں ؟" اُس نے چونک کر دیکھا۔ پھر بے یقینی سے کہا "نہیں آفیسر! میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"
وہ بولا "لیکن اُس فرہاد کو نہیں پہچانتے، جو ہمارے تمھارے دماغوں میں گھر بنا لیتا ہے، فرہاد نے وارننگ دی تھی کہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو چھیڑا نہ جائے۔ اب اُس کا تعاقب کیا جائے گا تو وہ ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"
جاسوس نے پھر بے یقینی سے پوچھا "کیا اس وقت وہ آپ کے دماغ میں ہے ؟"
"ہاں۔ بہتر ہے کہ ہم خاموش بیٹھے رہیں۔ میں بیوی بچوں والا آدمی ہوں۔ وہ میرے پورے خاندان کو تباہ کر دے گا۔"
اُس کی بات پوری ہوتے ہی جاسوس نے اچانک ہی اُس کے ریوالور پر ٹھوکر ماری۔ ریوالور ہاتھ سے نکل کر فرش پر پہنچ گیا۔ پھر ایک فلائنگ کِک افسر کے منہ پر پڑی۔ افسر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ پھر اُس کے سنبھلنے سے پہلے جاسوس نے فرش پر سے ریوالور اٹھا لیا "خبردار! تم آفیسر ہو یا فرہاد مجھے میری ڈیوٹی سے روکو گے تو گولی مار دوں گا۔"
وہ تیزی سے ٹیلیفون کی طرف گیا مگر ریسیور نہ اُٹھا سکا۔ میں آفیسر کو چھوڑ کر اُس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ آفیسر نے سر کو جھٹک کر جاسوس کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے ؟"
"فرہاد ہو رہا ہے۔"
"کیا ہم اپنی ڈیوٹی انجام نہیں دے سکیں گے ؟"
"نہیں۔ ہماری بہتری خاموشی میں ہے۔"
آفیسر نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اچھی بات ہے میرا ریوالور مجھے دے دو۔ میں خاموش رہوں گا۔"
جاسوس نے کہا "ریوالور جس کے ہاتھ میں جائے گا۔ فرہاد اُس کے دماغ میں پہنچے گا۔ لہٰذا اسے میرے ہی ہاتھ میں رہنے دو۔"
اِتنے میں شرلاک نے مجھے مخاطب کیا "فرہاد! ہم واس دیلو کے بنگلے تک پہنچ گئے ہیں۔"
میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ شرلاک کار سے اُتر کر احاطے کا گیٹ کھول رہا تھا۔ میں اسٹیئرنگ سنبھال کر کار کو اندر لے گیا۔ شرلاک نے گیٹ کو دوبارہ بند کر دیا۔ اتنی دیر میں جاسوس اور اُس آفیسر نے دماغی طور سے آزاد ہو کر اپنے افسران تک رپورٹ پہنچا دی ہو گی۔ اب وہ جو بھی کرتے، مجھے اُن کی پروا نہیں تھی۔ میں نے رُمانہ اور واس دیلو کی خبر لی۔ وہاں حالات بگڑ گئے تھے۔
رُمانہ کو فوجیوں نے گھیر لیا تھا۔ حالانکہ اس کی توقع نہیں تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اپنی رُوپوشی کا اطمینان ہوتے ہی میں واس دیلو سے نمٹ لوں لیکن جب رُمانہ واس دیلو کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھی تب فوجی گاڑیوں نے آگے پیچھے دوڑ لگاتے ہوئے کار کو رُکنے کا حکم دیا تھا۔ واس دیلو نے چیخنا شروع کیا تو رُمانہ نے دو چار ہاتھ میں اُسے سُلا دیا لیکن راستہ روک لیا گیا تھا۔ اُسے بھی کہنا پڑا

میں نے نرلاک سے کہا "یہاں سے نکل چلو۔ خطرہ ہے۔"

ہم واس دیو کے بنگلے سے نکل کر فٹ پاتھ پر تیزی سے چلنے لگے۔ میں نے کہا "ایسی ٹیکسی میں مجھے بٹھاؤ جس کا ڈرائیور انگریزی جانتا ہو۔"

پھر میں نے اُسے بتایا کہ رُومانہ گرفتار کر لی گئی ہے۔ پریشانی صرف یہ تھی کہ واس دیو ہوش میں آتے ہی میرے اس نئے رُوپ کے بارے میں بتائے گا۔ اتنے میں رس ونتی نے کہا "فرہاد! اطمینان سے نئی جگہ تلاش کرو۔ میں واس دیو کو اپنے قابو میں رکھوں گی۔"

مجھے اطمینان ہو گیا۔ پندرہ منٹ کے بعد ایک ٹیکسی مِل گئی۔ اُس کا ڈرائیور انگریزی جانتا تھا۔ میں نے نرلاک سے کہا "تم دوسری ٹیکسی میں اب گھر جا کر آرام کرو۔ میں بعد میں رابطہ قائم کروں گا۔"

میں اٹیچی لے کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی کی اندرونی لائٹ روشن نہیں تھی۔ ڈرائیور نے میری صورت نہیں دیکھی تھی اور اُسے دیکھنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ میں نے فلٹ ہیٹ کو پیشانی پر جھکا لیا۔ اُس نے ٹیکسی کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں جائیں گے صاحب؟"

میں نے کہا "میں پردیسی ہوں۔ ایسی جگہ لے چلو کہ تمھارے بنکاک کو ہمیشہ یاد رکھ سکوں۔"

اُس نے پوچھا "شراب اور شباب سے دلچسپی ہے؟"

"میں تو ایسی چیزوں کا دیوانہ ہوں۔"

"صاحب! بیس ڈالر میرے ہوں گے۔"

"چیز اچھی ہوئی تو پچیس ڈالر دوں گا۔"

وہ خوش ہو گیا۔ میں نے کہا "مگر ایک بات ہے۔ کوئی عورت مجھے پسند نہیں کرتی۔ میرے چہرے کا آدھا اُوپری حصّہ جل گیا تھا۔ میں آدھا بدصورت ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "مرد صورت سے نہیں دولت سے خوب صورت ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں روشنی میں کسی کو اپنا چہرہ نہیں دکھاتا۔ اپنے آدھے چہرے پر فلٹ ہیٹ جھکائے رکھتا ہوں۔"

"صاحب! آپ جیسے چاہیں چہرے کی خرابی چھپا لیں آپ کو یہ تجربہ تو ہو گا کہ سالی عورتیں نخرے کرتی ہیں بدصورتی کی وجہ سے معاوضہ زیادہ لیں گی۔"

"معاوضے کی پروا نہ کرو۔"

وہ سوچنے لگا "یہ تگڑا مُرغا ہے۔ اِسے امجد کے پاس لے جانا چاہیے۔ سالا بہت دِنوں سے بول رہا ہے کہ کوئی غیر ملکی دولتمند ملے گا تو اپنے گھر سے دھندا شروع کرے گا۔ اُس کی بہن اتنی خوب صورت ہے کہ میرے پاس دولت ہوتی تو میں بھی شروع ہو جاتا۔"

جہاں بہن کی بات آئے، وہاں پتہ نہیں کیوں میں ایسے حالات میں غصّے سے کھول جاتا ہوں، حالانکہ میری کوئی سگی بہن نہیں ہے لیکن رشتوں کا تقدس میرے لہو میں ہے۔ جی میں آیا کہ ڈرائیور کی سوچنے والی کھوپڑی توڑ دوں مگر میں نے صبر سے کام لیا اپنے غصّے کو بہلانے کے لیے رُومانہ کے پاس چلا گیا۔ اُس وقت ایک فوجی افسر رُومانہ سے پوچھ رہا تھا "جواب دو۔ ورنہ تمھاری خاموشی تمھیں مہنگی پڑے گی۔ یہ مسٹر واس دیو خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟ کیا انھیں ہپناٹائز کیا گیا ہے؟"

رس ونتی نے واس دیو کو خاموش کر رکھا تھا۔ وہ مریم سے انگریزی کے دو چار فقرے پوچھ رہی تھی۔ پھر وہ فقرے وہ واس دیو کی زبان سے ادا کرنے لگی۔ واس دیو بول رہا تھا "آفیسر! میں رس ونتی بول رہی ہوں۔ اگر اپنے ملک کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو رُومانہ سے کوئی سوال کیے بغیر اُسے فوراً رہا کر دو۔"

کتنے ہی فوجی اور افسران اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اب میں نے واس دیو کی زبان سے کہا "آفیسر! تم پیش آنے والے خطرے کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر سمجھنا چاہتے ہو تو اپنے گورنر سے فوراً رابطہ قائم کرو۔"

آفیسر نے ریسیور اُٹھا کر رابطہ قائم کیا۔ گورنر کے سیکریٹری نے کال اٹینڈ کی۔ آفیسر اُسے بتانے لگا کہ انھوں نے رُومانہ کو حراست میں لے لیا ہے۔ واس دیو ہپناٹزم کا شکار ہے اور رس ونتی کا چیلنج ہے کہ رُومانہ کو رہا نہ کیا گیا تو بُرے نتائج سامنے آئیں گے۔

سیکریٹری نے فوراً ہی یہ بات گورنر تک پہنچائی۔ گورنر نے ریسیور لے کر سخت لہجے میں کہا "آفیسر! آپ لوگوں کو ہدایات دی گئی تھیں کہ فرہاد اور رس ونتی کے کسی ساتھی کو نہ چھیڑا جائے۔"

آفیسر نے جواب دیا "جنابِ عالی! رُومانہ بھارتی سفارت خانہ کے سیکریٹری کو جبراً اپنے ساتھ کہیں لے جا رہی تھی۔ ہمیں مجبوراً اُسے حراست میں لینا پڑا۔"

حکم دیا گیا "رُومانہ کو فوراً رہا کرو اور اُن لوگوں سے دُور رہو۔"

آفیسر نے ریسیور رکھ کر ناگواری سے کہا "رُومانہ صاحبہ! آپ جا سکتی ہیں۔"

رُومانہ مسکراتی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئی۔ میں نے رس ونتی سے کہا "رُومانہ کار میں بیٹھ کر چلی جائے تو تم ادھر بے بی اور اُدھر پتاجی کا خیال رکھنا۔ کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے بتا دینا۔ میں ابھی اپنے لیے پناہ گاہ تلاش کر رہا ہوں۔"

میں دماغی طور پر ٹیکسی میں حاضر ہو گیا۔ ڈرائیور مجھے انجانے راستوں سے انجانی منزل کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "ابے کتنی دُور جانا ہے؟"

"بس ہم پہنچ رہے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی صورت کوئی نہیں دیکھے گا۔ گناہ کرنے والے تاریکی پسند کرتے ہیں۔ امجد بھی پسند نہیں کرے گا کہ اُس علاقے میں کوئی اُسے دلال کے رُوپ میں دیکھے۔ وہ اپنے کاٹیج کے باہر کی روشنیاں بجھا دے گا۔"

ٹیکسی ایک ایسے علاقہ میں داخل ہوئی جہاں دُور دُور بانس کے اور لکڑیوں کے کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے ایک کاٹیج کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا "میں ابھی اپنے دوست کو بُلاتا ہوں آپ بیٹھے رہیں۔"

میں بیٹھا رہا اور اُس کے دماغ میں چلتا رہا۔ اُس نے کاٹیج کے دروازے پر پہنچ کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ چند سیکنڈ کے بعد ایک قد آور نوجوان دروازہ کھول کر باہر آیا۔ ڈرائیور نے سرگوشی میں کہا "امجد! فرسٹ کلاس دولت مند گاہک لایا ہوں۔"

"ایں۔ سچی؟" امجد خوش تو ہوا مگر گھبرا کر بولا "کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی۔ میرا مطلب ہے وہ کوئی پولیس کا آدمی تو نہیں ہے؟"

"ابے وہ باہر کے ملک سے آیا ہے اُس کی اٹیچی میں کافی رقم ہو گی۔ میں نے بات کی ہے۔ وہ عیاشی کے لیے بڑی سے بڑی رقم دے سکتا ہے مگر پہلے تم میرا کمیشن دے دو۔"

"یار صبح لے لینا۔ ابھی جیب خالی ہے۔"

"نہیں۔ اُدھار نہیں چلے گا۔ میں اس موٹی اسامی کو دوسرے اڈّے پر لے جاؤں گا۔"

دونوں میں ذرا بحث ہوئی۔ آخر امجد نے اُسے چھ ڈالر دے کر کہا "بس اب مان جا۔ باقی صبح لے لینا۔ اُسے اندر لے آ۔"

ڈرائیور نے اُسے سمجھا دیا کہ گاہک بدصورت ہے۔ آدھا چہرہ فلٹ ہیٹ سے چھپائے رکھتا ہے۔ لہٰذا اُس کی صورت نہیں، دولت دیکھی جائے۔ یہ سمجھا کر وہ میرے پاس آیا۔ پھر بولا "صاحب! میں نے سارے معاملات طے کر دیے ہیں۔ میرا کمیشن دے دیجیے۔"

میں نے اُس سے بحث نہیں کی کہ وہ کام سے پہلے دام کیوں مانگ رہا ہے۔ چپ چاپ اُسے پچیس ڈالر گن کر دیے۔ پھر اُس کی رہنمائی میں کاٹیج کے دروازے تک پہنچ گیا۔ امجد نے خوشامدانہ انداز میں مسکراتے ہوئے مجھے اندر آنے کے لیے کہا۔ ڈرائیور چلا گیا۔ میں کاٹیج کے اندر آیا۔ وہاں پُرانا فرنیچر تھا۔ کمرے کی خستہ حالت بتا رہی تھی کہ وہاں رہنے والے مفلسی اور محتاجی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں اٹیچی کو فرش پر رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ خوشامدانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولا "ڈرائیور نے بتایا ہے کہ آپ سے معاملہ طے ہو گیا ہے مگر میں لڑکی دکھانے سے پہلے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کتنی رقم خرچ کر سکتے ہیں؟"

میں نے جھک کر اٹیچی کھولی۔ نوٹوں کی ایک پتلی سی گڈّی نکالی۔ وہ تقریباً پانچ سو ڈالر ہوں گے۔ میں نے اُس کی طرف بڑھا دیے۔ اُس نے گڈّی لے کر جلدی جلدی گننا شروع کیا۔ پھر حیرانی سے مجھے دیکھنے لگا۔ اُس کا باپ بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک رات میں اتنی دولت مل سکتی ہے۔ وہ بولا "آپ بیٹھیے، میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں سے کاٹیج کے آخری کمرے میں پہنچ کر آواز دی "ثمینہ اُٹھو۔ جلدی سے ذرا میک اَپ کر لو۔"

ثمینہ سو رہی تھی۔ اُس نے جھنجوڑ کر اُٹھایا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ وہ بولا "میرا ایک دوست آیا ہے۔ چلو اٹھو۔ بہت سو چکی ہو۔"

وہ سہمے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ کر بولی "بھیّا! آپ کیوں میری عزّت کے دشمن بن گئے ہیں؟"

"بکواس مت کرو۔ آج دولت خود چل کر میرے گھر آئی ہے۔"

"غیرت سے بڑی کوئی دولت نہیں ہوتی۔ میں آپ کی بات نہیں مانوں گی۔"

امجد نے جیب سے چاقو نکال کر کھولا۔ پھر قاتلانہ سفاکی سے کہا۔ "کیا بھول گئی ہو کہ میں نے کاٹیج کے پیچھے تمھارے لیے قبر کھود رکھی ہے۔ چپ چاپ قتل کر کے اُس گڑھے میں تمھاری لاش کو چھپا دوں گا۔"

"بھیّا! آپ بھی قانون سے نہیں بچیں گے۔ لوگ پوچھیں گے کہ آپ کی بہن کہاں ہے؟"

وہ ثمینہ کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر بولا "دو ماہ پہلے تم مجھ سے جھگڑا کر کے گھر سے بھاگ گئی تھیں۔ میں تمھیں پھر پکڑ کر لے آیا تھا۔ یہ بات اِس علاقے کے لوگ جانتے ہیں۔ تمھاری لاش کو چھپا دینے کے بعد میں واویلا کروں گا کہ تم پھر کہیں بھاگ گئی ہو۔"

ثمینہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ جان دے دے گی مگر اپنی عزت پہ آنچ نہیں آنے دے گی۔ میں نے اُسے ایسا کہنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق نرم پڑ گئی۔ چپ چاپ بستر سے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھونے کے لیے باتھ روم میں آ گئی۔ اُس کی سوچ مجھے بتا رہی تھی کہ وہ اور امجد سوتیلے بھائی بہن ہیں۔

امجد کا باپ ایک لکھ پتی بزنس مین تھا۔ بنکاک میں ایک بہت بڑے جنرل اسٹور کا مالک تھا۔ امجد کی ماں کے انتقال کے بعد اُس نے دوسری شادی کی۔ دوسری بیوی سے ثمینہ پیدا ہوئی۔ امجد بچپن ہی سے غلط صحبتوں میں پڑ گیا تھا۔ جوانی میں باپ مر گیا تو اُس کا کاروبار سنبھال لیا۔ تمام آمدنی عیاشی اور تاش کے پتّوں میں ضائع کرنے لگا۔ ثمینہ کی ماں نے کاروبار اپنے ہاتھ میں لینا چاہا تو امجد نے توبہ کرتے ہوئے کہا "امّی! آپ پہلے حج کی سعادت حاصل کر کے آ جائیں۔ پھر یہ کاروبار سنبھال لیں۔"

اُس نے سوتیلی ماں کو سمجھا بجھا کر حج بیت اللہ کے لیے روانہ کر دیا مگر انھیں بیٹی کے پاس واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ ثمینہ کو شبہ تھا کہ امجد نے اُس کی والدہ کو کہیں ٹھکانے لگا دیا ہے اب وہ تنہا اپنے بھائی کے شکنجہ میں تھی۔ سوتیلے بھائی کے سوا اُس کا کوئی نہ تھا۔ اس دنیا میں بھٹکنے سے ڈرتی تھی کہ جانے گھر سے باہر کیسے کیسے ظالموں سے سابقہ پڑے۔ لہٰذا ظالم بھائی کے سائے میں رہی۔ اس اُمید پر کہ کبھی خون جوش ملے گا اور وہ سوتیلے پن سے شاید باز آجائے گا۔

دو ماہ پہلے وہ اپنے ایک دوست کو گھر لایا تھا۔ ثمینہ کے انکار پر اُسے قتل کی دھمکی دی تھی۔ وہ بظاہر راضی ہو گئی لیکن موقع پاکر وہاں سے فرار ہو گئی۔ اُس کا اندیشہ درست تھا کہ گھر کے باہر سوتیلے بھائی سے بھی زیادہ درندے ملتے ہیں۔ دوسری صبح وہ بھائی کے قدموں میں لوٹ آنا چاہتی تھی۔ اچانک امجد اُسے تلاش کرتا ہوا خود اُس کے پاس پہنچ گیا۔ اُسے سمجھی منا کر گھر لے آیا۔

گھر لے آنے کے بعد پھر امجد کے تیور بدل گئے۔ کیونکہ وہ باپ کی ساری دولت جوئے شراب اور عورتوں میں پھونک چکا تھا اور اب ثمینہ کو آمدنی کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا۔ اُس نے کالج کے پیچھے ایک گڑھا کھودنے کے بعد کہا "ثمینہ! یاد رکھنا۔ اگر کبھی تم نے میرے حکم سے انکار کیا تو یہ گڑھا تمھاری قبر بنے گا۔"

وہ خاموش رہی مگر دل میں عہد کیا کہ کبھی بے غیرتی کا مقام آئے گا تو اب گھر سے نہیں بھاگے گی۔ اپنی جان پر کھیل جائے گی۔ آج وہ اسی عہد کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ میں نے موقع نہیں دیا۔ اس نے میری معمولہ بن کر منہ ہاتھ دھویا۔ پھر ہلکا سا میک اپ کیا۔ امجد مطمئن ہو کر میرے پاس آگیا۔ میں نے فلٹ ہیٹ اُتار دی تھی۔ وہ حیرانی سے بولا "میرا دوست کہہ رہا تھا کہ آپ کا اُوپری آدھا چہرہ جلا ہوا ہے۔"

"اُس نے دُرست کہا تھا۔ ہر انسان آدھا بدصورت ہوتا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو پورے کے پورے بدصورت ہوتے ہیں مگر انھیں اپنی بدصورتی کا احساس کبھی نہیں ہوتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"بھئی۔ زندگی کی سچائیاں فلسفے کی طرح سمجھ میں نہیں آتیں۔ سیدھی بات یہ کہ میں نے چہرے کے جلے ہوئے حصّے کو میک اپ کے ذریعہ چھپا لیا ہے تاکہ کوئی عورت مجھ سے نفرت نہ کرے۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا میرے ساتھ آئیے۔"

میں اپنی اٹیچی اٹھا کر اُس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آیا۔ اُس نے کالج کے آخری کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آپ بے جھجک تشریف لے جائیں۔" میں تشریف لے گیا۔

ہم اتنی ذلیل دنیا میں جی رہے ہیں کہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اپنی ماں اور بہنوں کی خواب گاہ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ کوئی بھیجتا ہے کوئی جاتا ہے۔ دلدل میں آنے جانے کا عمل مرد کا زیادہ ہوتا ہے اور الزام عورت پر آتا ہے۔ ایسے الزامات مردوں کے ذہن پر گراں گزرتے ہیں۔ بقول وسنتی "جانے بھی دیں۔"

ثمینہ میری آہٹ سُنتے ہی منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میں نے خواب گاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ وہاں ایک پرانی سنگھار میز تھی۔ میں اُس کے آئینے کے سامنے بیٹھ گیا۔ اٹیچی کھول کر ویشنگ کریم نکالی۔ پھر اطمینان سے واٹر پروف میک اپ کو اپنے چہرے سے اُتارنے لگا۔

وہ بدستور منہ پھیر کر مٹھیاں بھینچے کھڑی ہوئی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ میں قریب جاؤں گا تو پہلے مجھے انسانیت کا واسطہ دے کر سمجھائے گی۔ اگر میں نہیں مانوں گا تو وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر کچن میں جائے گی۔ وہاں سبزیاں کاٹنے کا چاقو رکھا ہے۔ وہ چاقو اپنے سینے میں اُتار لے گی۔ میں نے کہا "پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ مجھ سے باتیں کرو۔"

وہ سخت لہجے میں بولی "شریف آدمی کو کسی اجنبی لڑکی کے کمرے میں نہیں آنا چاہیے۔"

میں نے چہرے کو تولیے سے رگڑ کر اچھی طرح صاف کرتے ہوئے کہا "اگر تم میری بہن بن جاؤ تو پھر اجنبیت نہیں رہے گی۔"

وہ چونک کر پلٹ گئی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی گاہک بن کر آنے والا اُسے بہن بنا سکتا ہے۔ میں گھوم کر اُس کے روبرو ہوا تو وہ ایک دم سے حیرت زدہ ہو کر پیچھے ہٹی۔ لڑکھڑا کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اُس کا دماغ اندر سے چیخ چیخ کر میرا نام لے رہا تھا۔ پچھلے دنوں ساری دُنیا کے اخبارات نے میری تصویریں شائع کی تھیں۔ بچوں سے لے کر بوڑھے تک مجھے صورت سے پہچاننے لگے تھے۔ پھر وہ کیسے نہ پہچانتی۔

اچانک وہ بستر سے اُٹھی۔ تیزی سے چلتی ہوئی الماری کے پاس گئی۔ اُسے کھول کر ایک البم نکالا۔ اُس البم میں ایک اخبار سے تراشی ہوئی میری ایک تصویر تھی۔ وہ کبھی تصویر کو اور کبھی مجھ کو دیکھنے لگی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں وہی تصویر والا ہوں۔"

"آ-آ-آپ۔ فرہاد صاحب..." وہ ہکلانے لگی۔

میں نے کہا "صاحب نہیں بھائی۔"

یک لخت اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ابھی عزت لٹنے کا اندیشہ تھا۔ ابھی مر جانے کا ارادہ تھا۔ اب عزت کا محافظ اور زندگی گزارنے کا بہت بڑا سہارا سامنے تھا۔ پھر آنکھوں میں آنسو کیوں نہ آتے؟ اُس کے اندر یک لخت اتنی خوشیاں سما گئی تھیں کہ

اُنھی بارود ہوتی تو وہ پھٹ پڑتی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے؟ کیسے آگے بڑھ کر میرے قدموں پہ گر پڑے؟ وہ اپنی جگہ سے ہلنا بھول گئی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "تم میری ننھی منّی سی بہن ہو۔ مجھے بھائی کہو۔"

یک بیک اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ شاید اُس کا سر چکرا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ جواب نہ دے سکی۔ چکرا کر بستر پر گر پڑی۔ میں نے جلدی سے اُسے بستر پر لٹایا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اُسے چکر کیوں آیا؟ سُنا ہے خوشی کی شدت سے بھی سر چکرا جاتا ہے۔ میں نے اُس کی چکرانے والی سوچ کو پڑھا۔ پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ چکرائی نہیں تھی۔ بیہوش نہیں تھی۔ بہانہ کر رہی تھی۔

اُس وقت وہ بھول گئی تھی کہ میں خیال پڑھ سکتا ہوں۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ وہ مجھے بھائی نہیں کہہ سکتی۔

کیوں نہیں کہہ سکتی؟

اِس لیے کہ آج تک دُنیا کی کسی لڑکی نے کسی اجنبی کو بھائی بنانے کے لیے اُس کی تصویر اپنے البم میں نہیں سجائی۔ ثمینہ بھی میری تصویر کو کبھی البم میں اور کبھی تکیہ کے نیچے چھپا کر رکھتی تھی۔ بھائی کو اس طرح کبھی نہیں چھپایا جاتا۔ وہ میرے سپنے دیکھتی رہی اور سپنے یار کے دیکھے جاتے ہیں۔

ابھی میں نے کہا تھا کہ ہم مرد بے غیرت ہوتے ہیں بہنوں کی خواب گاہوں میں تشریف لے جاتے ہیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ ہم مرد ایسے بھی ہیں کہ کسی کو بہن بنانے کے لیے اُس کی خواب گاہ میں جاتے ہیں مگر لڑکیاں کبھی بہن نہیں بننا چاہتیں۔ دلدل اُن کے دماغوں میں بھی ہوتی ہے۔ بھائی نہیں بولنا چاہتیں۔ محبوب بولنے کی مہلت حاصل کرنے کے لیے بیہوش ہو جاتی ہیں، ویسے ہم مرد اور عورت دونوں ہی غلیظ راستے بناتے جاتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے تالی بجتی ہے کسی ایک کو کیا الزام دیا جائے بقول وسنتی "جانے بھی دیں۔"

میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اُسے آواز دی "ثمینہ! کیا تم نے اخبارات میں یہ نہیں پڑھا کہ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ کسی کی بھی سوچ پڑھ لیتا ہوں؟"

اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ پھر خیال آیا کہ وہ بیہوش ہے۔ دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر حماقت کا احساس ہوا کہ ایک بار آنکھ کھلنے کے بعد بیہوشی کا ناٹک ختم ہو چکا ہے۔ وہ منہ پھیر کر نظریں چرانے لگی۔ میں نے اُس کے قریب پڑے ہوئے البم کو اُٹھایا اور کھولا۔ میں امجد کی تصویر چاہتا تھا۔ البم کے ایک صفحہ پر اُس کی ایک بڑی سی تصویر مل گئی۔

ثمینہ آہستگی سے اُٹھ کر بستر پہ بیٹھ گئی۔ سر جھکا کر دھیمے دھیمے لہجے میں کہنے لگی "میں نے جب سے اخبارات میں پڑھا ہے تب سے آپ کے بارے میں دن رات سوچتی رہتی ہوں۔ آپ کی تصویر کو دیکھتی رہتی ہوں۔ آپ کو دیکھتے رہنا ہی میری عبادت بن گئی ہے۔"

میں نے کہا "عبادت میں پاکیزگی شرط ہے۔"

وہ التجا آمیز لہجے میں بولی "میرا آپ دل نہ توڑیں۔ کیا میں جوان اور حسین نہیں ہوں؟ کیا میں ایسی نہیں ہوں کہ آپ کی نظروں میں سما سکوں؟"

"ہاں مگر وہی رشتہ اٹل رہے گا، جو ایک بار میری زبان سے نکل چکا ہے۔"

وہ بولی "زبان سے نکلا ہوا نہیں، دل میں بسا ہوا رشتہ اٹل ہوتا ہے۔ کیا میں اپنا دل چیر کر دکھاؤں؟ بھیا نے کتنی ہی بار میری عزت کا سودا کرنا چاہا، اِس علاقے کے کتنے ہی لوگ میرے حُسن کے دیوانے ہیں مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میرا آئیڈیل آپ ہی رہیں گے۔ خدا کو ہمارا ساتھ منظور ہے میرے خدا نے آپ کو میرے پاس پہنچا دیا۔ اگر میں آپ کے معیار پر پوری نہ اُتر سکی تو آپ کے قدموں کی دھول بن کر رہوں گی۔"

وہ بستر سے اُٹھ کر میرے قدموں میں آنا چاہتی تھی۔ میں نے اُسے اُٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ بستر پر لٹا دیا۔ اُس کی آنکھیں بند کر دیں۔ دھیرے دھیرے ٹیلی پیتھی کی لوری سنانے لگا۔ یہ ایسی لوری ہوتی ہے کہ ضدی بچے بھی سو جاتے ہیں۔ پندرہ منٹ کے اندر وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔

بے شک وہ حسین تھی، جوان تھی مگر مجھے تو مونا کا قیامت خیز حُسن اور وحما کا خیز شباب بھی ڈگمگا نہ سکا تھا۔ بیچاری ثمینہ کیا چیز تھی؟ اگر میں ثمینہ کو ٹیلی پیتھی کے ذریعہ قائل کرتا کہ وہ بھائی بہن کے رشتے کو قبول کر لے تو وہ وقتی طور پر قائل ہو جاتی مگر اُس کے لاشعور میں عاشقانہ تعلقات کی چاہت کانٹے کی طرح چبھتی رہتی۔ لہٰذا میں نے اُس کے لیے دوسرا طریقہ کار سوچ لیا تھا۔

میں نے آئینے کے سامنے تمام میک اپ کا سامان نکال کر رکھا۔ امجد کی تصویر بھی رکھی۔ پھر میک اپ شروع کرتے ہوئے امجد کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ کالج کے پہلے کمرے میں بیٹھا شراب سے شغل کر رہا تھا۔ ایک رات میں پانچ سو ڈالر حاصل کر کے ہوائی قلعے بنا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اب ثمینہ کا ریٹ گرنے نہیں دے گا۔ میرے ہی جیسے لوگوں کو پھانسا کرے گا۔ میں اُس کی سوچ کو کریدتے ہوئے یہ معلومات حاصل کرنے لگا کہ اُس کی روز کی مصروف کیا ہیں؟ کن لوگوں سے کس قسم کے تعلقات ہیں۔ علاقے میں جن لوگوں سے واقفیت ہے اُن کے نام کیا ہیں؟

یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے دوران رس ونتی نے مخاطب کیا۔ "فرہاد! یہ ساری معلومات میں ایک ڈائری میں نوٹ کر رہی ہوں کبھی بھول گئے تو میں بتا دیا کروں گی۔ ٹھیک ہے نا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شکریہ جانِ من! تم ایک بہترین سیکریٹری ہونے کا ثبوت دے رہی ہو۔"

اُس نے میری شرارت کا جواب شرارت سے نہیں دیا۔ کہنے لگی۔ "تمھاری مقناطیسی انگوٹھی پتا جی کے پاس ہے۔ اُس کا کیا کیا جائے؟"

"میں نے جان بوجھ کر وہ انگوٹھی وہاں چھوڑ دی ہے۔ پتا جی سے کہو اُسے پہنے رہیں۔ پروفیسر واسکوچ عرف اجنبی میزبان کو خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہیے کہ میں پتا جی اور وسنتی کے ساتھ ہوں۔"

"اُسے یہ خوش فہمی نہیں رہے گی۔ واس دیو نے یہ بیان دے دیا ہے کہ تم اُس کے رُوپ میں فرار ہونے والے تھے۔ یہاں کے انٹیلیجنس والے تمھیں تلاش کر رہے ہیں۔ میں نے شرلاک سے کہہ دیا ہے کہ وہاں تمھارے جتنے کپڑے ہیں، سب جلا دیے جائیں۔ تمھارا ایک رُومال تک رکھا جائے جس بستر پر تم سوتے رہے۔ اُسے بھی جلا دیا گیا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "آخر یہ سب کیوں؟"

وہ بولی۔ "تم یہ بھول گئے تھے کہ بنکاک میں تنظیم کا جو ماسٹر بھوانی ہے اُس کے پاس بہترین تربیت یافتہ کتے ہیں۔ اگر انھیں تمھارا ایک رُومال بھی مل جائے تو وہ تیر کی طرح تمھاری پناہ گاہ تک پہنچ جائیں گے۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "تھینک یو رس ونتی! تم نے بروقت ذہانت سے کام لیا ہے۔ اب بہت رات ہو چکی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔"

"ہاں۔ مجھے نیند آ رہی ہے مگر پہلے تمھیں سونا چاہیے۔"

"ابھی مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ شاید صبح ہو جائے۔ آج تم اس اصول کو بالائے طاق رکھ دو کہ ہندوستانی عورت پہلے مرد کو کھلاتی پلاتی اور سُلاتی ہے۔ ابھی تم سو جاؤ گی تو تمھارے جاگنے کے بعد میں صبح نو بجے تک سوتا رہوں گا۔ پھر دس بجے تک مذاکرات کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں سونے کے لیے جا رہی ہوں۔ ہاں یاد آیا۔ وسنتی تمھیں یاد کر رہی تھی۔ ذرا اُس سے بات کر لینا۔ ورنہ وہ مجھ سے ناراض ہوگی کہ میں نے اُس کا پیغام تمھیں نہیں پہنچایا۔"

"اچھا میں فرصت ملتے ہی اُس سے بات کروں گا۔ چلو اب آرام سے سو جاؤ۔"

وہ چلی گئی۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ فوراً ہی چلی جاتی ہے یا چپ چاپ میری سوچ پڑھنے کے بعد رخصت ہوتی ہے۔ بہرحال اُس وقت میرا دھیان امجد کی طرف تھا۔ مجھے اتنی فرصت نہیں تھی کہ میں وسنتی سے باتیں کر سکتا۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ بڑا دلیر سے ریکھا۔ میک اپ مکمل ہو چکا تھا۔ میں نے وہاں سے اُٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ پھر آرام سے ایک کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سُلگاتے ہوئے امجد کے دماغ پر قابض ہو گیا۔

امجد نے شراب کی بوتل بند کی۔ وہاں سے اُٹھ کر جیسے نیند کی حالت میں چلتا ہوا ثمینہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر میرے سامنے آیا مگر ابھی وہ مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔ کیونکہ میں تو اُس کے دماغ میں تھا۔ وہ فرہاد کے دماغ سے سامنے بیٹھے ہوئے امجد کو دیکھ رہا تھا یعنی میں امجد تھا اور وہ فرہاد تھا۔ اُس نے اٹیچی سے میرے کپڑے اور نوٹوں کی گڈیاں نکالیں۔ انھیں لے کر اپنے کمرے میں گیا۔ اپنی الماری کھول کر کپڑے اور نوٹوں کی گڈیاں رکھیں۔ اپنی جیب سے پانچ سو ڈالر کی گڈی بھی نکال کر رکھ دی۔ الماری کو لاک کیا۔ پھر اُس کی چابیاں لا کر مجھے دے دیں۔

دوسرے مرحلے پر وہ شراب کی بوتل اور گلاس اُٹھا کر لایا۔ انھیں میری اٹیچی میں رکھ دیا۔ سنگھار میز سے میرے میک اپ کا تمام سامان سمیٹ کر انھیں بھی اٹیچی میں بند کر دیا۔ پھر اٹیچی اُٹھا کر کاٹیج کے پیچھے جانے لگا۔ میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ کاٹیج کے پیچھے جو گڑھا کھودا گیا تھا۔ اُس گڑھے میں امجد نے اٹیچی کو پھینک دیا۔ اُس کے بعد اُس کا دماغ آزاد ہو گیا۔

اُس نے چونک کر اپنے آس پاس دیکھا۔ حیرانی سے سوچنے لگا کہ اپنے کمرے سے اُٹھ کر وہاں کیسے پہنچ گیا؟ وہ بھی اپنے کھودے ہوئے گڑھے کے کنارے؟ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اتنے میں میں کاٹیج کے پچھلے دروازے سے نکل کر اُس کے سامنے آ گیا۔ اُس کے پاگل ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ کیونکہ وہ اپنے سامنے ایک دوسرے امجد کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے چہرے کو ٹٹول رہا تھا۔ پھر اُس نے شدید حیرانی اور پریشانی سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں امجد خاں ہوں۔"

وہ بولا۔ "بکواس مت کرو۔ تم کوئی بہروپیے ہو۔"

"نہیں۔ ہم دونوں ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ میں امجد خاں غیرت مند ہوں۔ میں نے اپنی بہن ثمینہ کو غیرت کی لوری دے کر سُلا دیا۔ تم امجد خاں بے غیرت ہو۔ بے غیرتی جہاں ملے، اُسے مارنا چاہیے۔ میں تمھیں موت کی نیند سُلا دوں گا۔"

اُس نے فوراً ہی جیب سے چاقو نکال کر کھول لیا۔ میں نے دیکھا۔ کاٹیج کے پیچھے دُور دُور تک رات کا سناٹا تھا۔ چاندنی جوبن پر تھی

مگر ہم دونوں کو کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ ایسے وقت اُس کہاوت کو درست ہونا تھا کہ آدمی خود اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گرتا ہے۔

❁

بڑی گہری نیند آئی تھی۔ رات کے تین بجے میں نیند کی آغوش میں گیا تھا میرے دماغ نے میری ہدایت کے مطابق ٹھیک چار گھنٹے بعد جگا دیا۔ میں نے بھرپور انگڑائی لے کر بدن کو توڑا مروڑا۔ پھر اُٹھ بیٹھا۔ میری کلائی میں امجد کی گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ صبح کے سات بج چکے تھے۔ میں وہاں سے اُٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔

میں نے سب سے پہلے سُپر ماسٹر کی تنظیم کو اہمیت دی۔ آج کے مذاکرات میں اُن لوگوں سے ہی نمٹنا تھا۔ اُس کے لیے میں نے آبدوز کے کرنل اور کیپٹن والٹر کے دماغوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ وہاں ابھی رات تھی۔ اِس لیے وہ دونوں ابھی تک سو رہے تھے۔ دونوں کے خوابیدہ خیالات نے مجھے بتایا کہ وہ ملازمت سے ریٹائر کر دیے گئے ہیں۔ چند ہفتے پہلے جب اُس بات کا انکشاف ہوا تھا کہ جیسے آبدوز میں لے جا کر زخمہ بنایا گیا ہے۔ وہ فرہاد نہیں عالم ہے تو سُپر ماسٹر نے ایسے تمام فوجیوں کو ملازمت سے نکال دیا تھا، جو آبدوز سے تعلق رکھتے تھے۔

مجھے مایوسی ہوئی۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ کرنل اور کیپٹن کو ٹریپ کروں گا۔ جب سُپر ماسٹر مذاکرات سے انکار کرے گا تو میں آبدوز کو تباہ کرنے کی دھمکی دوں گا۔ لیکن آدمی کی سوچی ہوئی تمام باتیں پوری نہیں ہوتیں۔ فی الحال میرے ہاتھ میں ایسی کوئی بڑی چال نہیں تھی جس کے ذریعہ میں سُپر ماسٹر کو مجبور کر سکتا۔

میں نے ماسک مین کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بھی سو رہا تھا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اُس نے ہمارے سلسلے میں سُپر ماسٹر سے رابطہ قائم کیا تھا یا نہیں؟ ماسک مین کا ذہن خواب کی حالت میں بھی پریشان تھا۔ پریشانی یہ تھی کہ ہم نے علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا تھا۔ پریشانی یہ تھی کہ ہم کسی چھوٹے سے ملک کے حکمران بن کر موجودہ بڑی طاقتوں سے بھی سُپر ہو جاتے اور دُنیا کا کوئی بڑا ملک ہماری برتری نہیں چاہتا تھا۔ ہمارے مطالبے نے سب ہی کو پریشان کر رکھا تھا۔

دُوسرے حکمرانوں کی طرح ماسک مین کی بھی نیند اُڑ گئی تھی۔

دو گھنٹے پہلے وہ خواب آور دوا استعمال کرنے کے بعد سویا تھا اور اُس کا ماتحت ایک گھنٹے بعد اُسے نیند سے جگانے والا تھا۔ اُس ایک گھنٹے کے اندر میں نے آہستہ آہستہ اُس کے ذہن کو کُرید کر معلومات حاصل کیں۔ اُس کے خوابیدہ خیالات نے بتایا کہ دس گھنٹے پہلے بڑے ممالک کے ایسے بڑے لوگوں کا خفیہ اجلاس ہوا تھا، جن کے متعلق یقین تھا کہ فرہاد اُن کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اُن بڑے لوگوں میں ماسک مین اور سُپر ماسٹر قابلِ ذکر ہیں۔

لیکن ماسک مین خود کو پُراسرار بنا کر رکھنے کا عادی تھا۔ اُس نے اپنے ہاں کے ایک ذہین سیاست داں کو ماسک مین بنا کر اجلاس میں شرکت کے لیے بھیجا تھا۔ وہ سیاست داں زبردست بہروپیا اور نقال بھی تھا۔ اُس نے خفیہ اجلاس میں شریک ہو کر سُپر ماسٹر کی آواز اور لہجے کو ہو بہو نقل کیا تھا۔ پھر اجلاس سے واپس آ کر اُس لہجے کو ریکارڈ کر لیا تھا۔

ریکارڈ کرنے کی ایک اہم وجہ تھی۔ ماسک مین اُس اجنبی میزبان کے ذریعہ میری لاعلمی میں مجھے دوست بنائے ہوئے تھا۔ اب وہ میری دوستی کو مستقل کرنے یا اجنبی میزبان کو میرا سچا دوست ثابت کرنے کے لیے مجھے سُپر ماسٹر کی آواز اور لہجہ سُنانا چاہتا تھا تاکہ میں اُس تنظیم کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دوں۔ میرے لیے یہ بات خوش آیند تھی۔ پتہ چلا کہ سُپر ماسٹر کی آواز کا وہ ٹیپ اُس نمایندے کے پاس تھا، جو ماسک مین کا ٹرانسمٹر کالیں اٹینڈ کیا کرتا تھا۔

میں نے رس ونتی کو مخاطب کیا۔ وہ ناشتہ کرنے کے دوران مریم سے انگریزی میں باتیں کرنا سیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "رس ونتی! مجھے ماسک مین کے اس نمایندے کی آواز سُناؤ، جو کوڈ ورڈ میں نمبر ون۔ مین فار ماسک مین . . . ."

رس ونتی نے تھوڑی دیر میں وہ آواز سُنا دی۔ میں اُس نمایندے تک پہنچ گیا۔ میں اُس کے دماغ پر قابض نہیں ہونا چاہتا تھا کہ اگر اُسے شبہ ہو جاتا کہ فرہاد نے اُسے ٹریپ کیا ہے تو ماسک مین کو بھی ٹیلی پیتھی کا شکار ہونے کا شبہ ہو جاتا۔ اس طرح وہاں کا ماسک مین بھی اپنے عہدے سے الگ ہو جاتا۔ کوئی نیا اجنبی ماسک مین اُس کی جگہ آ جاتا۔ میں ایسی حماقت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے بڑی سہولت سے اُس نمایندے کی سوچ کے ذریعہ اُس میں یہ شوق پیدا کیا کہ اُسے سُپر ماسٹر کی آواز سُننا چاہیے حالانکہ وہ نمایندہ اپنے ماسک مین کی لاعلمی میں ایسا کام نہیں کرتا تھا مگر شوق بھڑک جائے تو آدمی اُس کی تکمیل کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ اُس نے ٹیپ کو ریکارڈر میں لگا کر آواز سُنی۔ میں نے اس آواز اور لہجے کو ذہن میں نقش کیا۔

دوسرے ہی لمحہ میں سُپر ماسٹر کے دماغ میں تھا۔

مگر نہیں۔ یہ میری اور ماسک مین کی خوش فہمی تھی۔ سُپر ماسٹر کوئی نادان بچہ نہیں تھا۔ اُس نے بھی اُس خفیہ اجلاس میں اپنے ایک ذہین ماتحت کو سُپر ماسٹر بنا کر شرکت کے لیے بھیجا تھا۔ یعنی اُس وقت میں اسی ذہین ماتحت کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔

بڑی مایوسی ہوئی۔ آج صبح بیدار ہونے کے بعد مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھ رہا تھا۔ بہرحال میں نے سُپر ماسٹر کے ماتحت مسٹر کارنل فوڈ

کے دماغ کو کھنگالنا شروع کیا۔ کارنل وُڈ نے خفیہ اجلاس کی رپورٹ پیش کی۔ اُس کے اہم نکات یہ تھے۔ پہلا یہ کہ سُپر ماسٹر کی تنظیم کا ایک ماسٹر مذاکرات میں شریک ہو کر فرہاد سے صرف یہ پوچھے گا کہ وہ تنظیم کو کون سا نقصان پہنچانے کی دھمکی دے رہا ہے؟

دوسرا نکتہ یہ کہ سُپر ماسٹر کو فرہاد سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اُس کا دعوٰی تھا کہ وہ بہت پہلے ہی احتیاطی تدابیر کر چکا ہے اور اب فرہاد اور رس ونتی سے پوری طرح نمٹ سکتا ہے۔

خفیہ اجلاس میں شریک ہونے والے نقلی ماسک مین نے کہا تھا: "جنٹلمین! اصل مسئلہ علیحدہ مملکت کا ہے۔ سُپر ماسٹر خود کو محفوظ سمجھ کر فرہاد اور رس ونتی سے نمٹ سکتا ہے مگر ہم دوسرے بڑے ممالک کو علیحدہ مملکت کا مطالبہ تسلیم کرنا ہوگا۔ ویسے اُس مطالبے کو ٹھکرانے کے لیے سُپر ماسٹر اہم رول ادا کر سکتا ہے اور اگر سُپر ماسٹر نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو ایک دن سُپر ماسٹر کو بھی علیحدہ مملکت کی برتری تسلیم کرنی پڑے گی۔"

نقلی سُپر ماسٹر کارنل وُڈ نے کہا: "میں علیحدہ مملکت کے خطرے کو سمجھ رہا ہوں۔ ہمارے سامنے ایک ایسا جن ہے جسے ہم سب مل کر ہی۔۔۔ بوتل میں بند کر سکتے ہیں۔ ایسے وقت ہمیں آپس کے اختلافات کو بھول کر متحد ہو کر کسی خفیہ محاذ سے فرہاد اور رس ونتی کو زیر کرنا ہوگا۔"

ایک بڑے ملک کے حاکم نے کہا: "سُپر ماسٹر نے اپنے ملک کے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر کی ہیں۔ وہی فرہاد اور رس ونتی کو چیلنج کر سکتا ہے۔"

نقلی ماسک مین نے تائید کرتے ہوئے کہا: "ہاں۔ فرہاد اور رس ونتی یقیناً بنکاک میں ہوں گے۔ ہم اُنھیں تلاش کریں گے تو وہ دونوں ہمیں بلیک میل کریں گے۔ لہٰذا مذاکرات میں سُپر ماسٹر کی طرف سے فرہاد کو چیلنج کیا جائے کہ اُسے بنکاک میں ڈھونڈ کر گولی مار دی جائے گی۔"

ماسک مین دوہری چالیں چل رہا تھا۔ وہ اپنے منصوبے کے مطابق سُپر ماسٹر کے لوگوں کو میری تلاش میں بھیج رہا تھا۔ تاکہ میں ماسک مین کو الزام نہ دے سکوں۔ اُس کا دوسرا منصوبہ یہ تھا کہ ہماری علیحدہ مملکت کا مطالبہ زور پکڑے گا تو وہ اجنبی میزبان کے ذریعہ مجھے قتل کرا دے گا۔ بے شک وہ مجھے دوست بنانا چاہتا تھا مگر کسی ملک کا حکمراں بنتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تیسرا منصوبہ یہ تھا کہ اگر میرے قتل میں ناکامی ہو، سُپر ماسٹر بھی ناکام ہو جائے تو اجنبی میزبان سچی دوستی ثابت کرنے کے لیے میرے پاس سُپر ماسٹر کی آواز کا ٹیپ پہنچائے گا۔

سیاست کی بساط پر خوب چالیں چلی جا رہی تھیں۔ ماں ماہر چال بازوں تک ابھی یہ خبر نہیں پہنچی تھی کہ فرہاد اب بنکاک میں بھی اُنھیں نہیں مل سکے گا۔ جب ماسک مین وقت مقررہ پر بیدار ہوا تو اُس کے ماتحت نمبر وَن نے پہلی خبر یہی سُنائی کہ فرہاد بنکاک والی رہائش گاہ سے فرار ہو کر کہیں رُوپوش ہو گیا ہے۔

یہ خبر ماسک مین کے لیے زبردست دھماکا تھی۔ وہ غصّے سے دہاڑ کر بولا: "فرہاد کیسے رُوپوش ہو گیا؟"

نمبر وَن نے کہا: "جنابِ عالی! پروفیسر وِلاسکوچ کا بیان ہے کہ اُس نے اجنبی مہربان کی حیثیت سے ابھی تھوڑی دیر پہلے فرہاد کے نام ایک خط لکھا تھا۔ گونگا وہ خط لے کر گیا تھا۔ رس ونتی کے باپ تن سنگ نے وہ خط پڑھ کر جواب لکھا کہ فرہاد وہاں سے جا چکا ہے۔ واپس آئے گا تو وہ خط اُسے دے دیا جائے گا۔"

ماسک مین نے پوچھا: "وہ گونگا دھوکا کیسے کھا گیا۔ جبکہ وہ مقناطیسی انگوٹھی کے اشارے پر فرہاد تک پہنچ جاتا ہے؟"

"جنابِ عالی! گونگے نے اشاروں کی زبان سے بتایا ہے کہ اب وہ مقناطیسی انگوٹھی تن سنگ کی اُنگلی میں ہے۔"

"تو اُس کا مطلب ہے کہ فرہاد کو اُس انگوٹھی کا راز معلوم ہو چکا ہے؟"

"میں نے پروفیسر وِلاسکوچ سے یہی سوال کیا تھا۔ پروفیسر یقین سے کہتا ہے کہ فرہاد انگوٹھی کے راز کو ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ فرہاد نے چہرے اور ہاتھوں پر میک اَپ چڑھانے کے لیے انگوٹھی اُتاری ہوگی۔ پھر اُسے پہننا بھول گیا۔ تن سنگ نے امانت کے طور پر انگوٹھی کو اپنے پاس رکھا ہے۔ فرہاد سے ملاقات ہوگی تو وہ انگوٹھی پھر اُس کی اُنگلی میں پہنچ جائے گی۔"

ماسک مین نے ناگواری سے کہا: "یہ خود کو جھوٹی تسلیاں دینے والی باتیں ہیں۔ پروفیسر سے رابطہ قائم کرو۔ پروفیسر وِلاسکوچ کے پاس فرہاد کا وہ لباس محفوظ ہے، جسے وہ کوالالمپور کے جنگل میں چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ لباس شکاری کتّوں کے آگے ڈالا جائے۔ وہ کتّے اُسے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

کتنی دُور دُور سے چالیں چلی جا رہی تھیں۔ میں نے کبھی اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا کہ میری اُترن بھی دشمنوں کے کام آ سکتی ہے۔ بیچاری رس ونتی مطمئن تھی کہ اُس نے میرے پہنے ہوئے سارے کپڑے جلا دیے ہیں۔ اُس نے ذہانت کا ثبوت دیا تھا مگر دشمن بھی ذہین ہوتے ہیں۔

میں پروفیسر وِلاسکوچ کے پاس پہنچ گیا۔ نمبر وَن اپنے ماسک مین کا وہی حکم اُسے سنا رہا تھا۔ پروفیسر حکم سنتے ہی اُس کی تعمیل کے لیے ایک اسٹور روم میں گیا۔ وہاں ایک الماری میں پلاسٹک کے تھیلے کے اندر میرے لباس کو محفوظ رکھا گیا تھا تاکہ میرے پسینے کی بُو اُڑنے نہ پائے۔ اُس نے پلاسٹک کے تھیلے کو نکال کر الماری بند کر دی۔ دوسرے کمرے میں آ کر ایک ٹائپ رائٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر ایک خط ٹائپ کرنے لگا۔

خط کا مضمون تھا: "پلاسٹک کے اس تھیلے میں فرہاد کے کپڑے ہیں۔ تمہارے کتّے ان کپڑوں کے ذریعہ فرہاد تک پہنچ جائیں گے جتنی جلدی ہو سکے، فرہاد کو زندہ یا مُردہ حاصل کرو۔ فقط ماسک مین۔"

پروفیسر وِلاسکوچ نے خط ٹائپ کرنے کے بعد اُسے لفافہ میں رکھا۔ لفافہ پر باس میکولسن کا پتہ لکھا۔ پھر گونگے ملازم کو بُلا کر اشاروں میں سمجھایا کہ پلاسٹک کا تھیلا اور وہ خط میکولسن نامی ریڈ پاور کے باس تک پہنچا دے۔ گونگا وہ سامان لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ میں نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ نو بج کر پندرہ منٹ ہو رہے تھے۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے گونگے نے وہ سامان میکولسن تک پہنچا دیا۔ وہ باس شراب سے شغل کر رہا تھا۔ اُس نے نشے کی حالت میں اُس خط کو پڑھا۔ پھر گونگے سے بولا: "ٹھیک ہے تم جاؤ۔ میرے کتّے کل رات سے بھوکے ہیں۔ فرہاد کی بوٹیاں نوچ لیں گے۔"

پھر وہ سنبھل کر بولا: "اوہ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم گونگے ہو۔ یہ لو میں ہاتھ کے اشارے سے بولتا ہوں۔ دفع ہو جاؤ۔"

گونگا وہاں سے چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی میں ساقی بن کر اُسے پلانے لگا۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ کتّے بڑے خونخوار ہیں۔ وہ خود کتّوں کے سامنے نہیں جاتا تھا۔ اُن کے لیے ایک خاص ملازم رکھا گیا تھا۔ وہ درندے صرف اِسی ملازم کو پہچانتے تھے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ میرے لیے اتنی معلومات کافی تھیں۔ میں باس میکولسن کے دماغ پر قابض ہو گیا۔

اُس کے بعد اُس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر پلاسٹک کے تھیلے کو لیا۔ پھر باتھ روم میں جا کر میرے کپڑے نکالے اور اُنھیں ایک ایک کر کے جلانے لگا جو کپڑے راکھ ہو جاتے تھے وہ انہیں اُٹھا کر کموڈ کے اندر ڈال دیتا تھا۔ جب سارے کپڑے راکھ ہو کر کموڈ کے اندر پہنچ گئے تو اُس نے فلش کے ذریعہ ساری راکھ زمین کی تہہ میں پہنچا دی۔ شراب کی گرمی اور اس محنت کے باعث کچھ پسینہ تو نکلنا ہی تھا۔ اُس نے پسینے سے بھیگے ہوئے کپڑے اُتار کر پلاسٹک کے تھیلے میں بند کیے۔ دوسرا لباس پہنا۔ پھر اُس نے ملازم کو بُلا کر کہا: "گیراج سے کتّوں کو لے جانے والی گاڑی نکالو اور ڈاگ ماسٹر کو بُلاؤ۔"

ملازم چلا گیا۔ ڈاگ ماسٹر اُسے کہا جاتا تھا جو اُن کتّوں کی نگرانی کرتا تھا اور اُنھیں اپنے۔۔۔ قابو میں رکھنے کے گُر جانتا تھا۔ تھوڑی دیر میں ڈاگ ماسٹر حاضر ہو گیا۔ میکولسن نے پلاسٹک کا تھیلا اُس کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا: "یہ فرہاد علی تیمور کا لباس ہے۔ اُسے کتّوں کو سونگھنے دو اور اُنھیں گاڑی میں لاد دو۔ وہ جدھر منہ کر کے بھونکتے رہیں گے ہم اُدھر گاڑی لے جائیں گے۔"

ڈاگ ماسٹر نے بے یقینی سے پوچھا: "کیا ہم مسٹر فرہاد تک پہنچ جائیں گے؟"

"یقیناً۔ ہاں ایک بات یاد رکھو کہ جب کتّے اُسے ڈھونڈ نکالیں تو ہم ایسے وقت گونگے بن جائیں گے۔ تاکہ وہ ہمیں ٹریپ کر سکے۔ وہ زندہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کتّوں کو وہ اشارہ دینا، جس اشارے پر وہ اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ سمجھ گئے؟"

وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ چونک کر بولا: "جی ہاں سمجھ گیا۔ بالکل سمجھ گیا۔"

میں سمجھنے والے ڈاگ ماسٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ پلاسٹک کا تھیلا لے کر باہر جا رہا تھا۔ اُس کی سوچ میرے لیے غیر متوقع تھی۔ یعنی وہ میرا پرستار تھا۔ دشمنوں کے درمیان بھی ہمارے چاہنے والے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا کرم ہے۔ وہ ڈاگ ماسٹر پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ "میں اور مسٹر فرہاد کا قاتل بنوں؟ نہیں۔ میں ایسی ہستی پر اپنی جان نچھاور کر سکتا ہوں۔ اُس کے دشمنوں کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ میری دیرینہ آرزو ہے کہ وہ میرا آقا ہو اور میں اُس کا غلام بنا رہوں۔"

وہ چلتے چلتے رُک گیا۔ مٹھیاں بھینچ کر پلٹ گیا۔ وہ واپس جا کر میکولسن کا گلا گھونٹنا چاہتا تھا۔ وہ میرا پرستار نہ ہوتا تب بھی میکولسن میری چال سے مر جاتا۔ میں نے اُس کی سوچ میں کہا: "رُک جاؤ۔"

ڈاگ ماسٹر ٹھٹھک گیا۔ میں نے کہا: "میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

وہ حیرت سے بولا: "نہیں۔ میرا دماغ بول رہا ہے۔"

"نہیں ڈاگ ماسٹر! میں اپنی موجودگی کا ثبوت دے رہا ہوں۔ تم پلاسٹک کے تھیلے کو کتنی ہی مضبوطی سے تھام کر رکھو۔ وہ تمہارے ہاتھوں سے چھوٹ جائے گا۔"

اُس نے تھیلے کو مضبوطی سے تھام لیا۔ میں نے چند سیکنڈ کے لیے اُس کے دماغ کو اپنے قابو میں کر کے پھر آزاد چھوڑ دیا۔ وہ سر کو جھٹک کر حیرانی سے دیکھنے لگا۔ تھیلا زمین پر پڑا تھا۔ چند سیکنڈ کے دوران اُسے پتہ ہی نہ چلا کہ اُس نے تھیلے کو کب ہاتھوں سے چھوڑ دیا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ میں اُس کے دماغ میں موجود ہوں۔ وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ اس عقیدت سے اور مسرت سے کانپنے لگا کہ اُس کا نیا آقا اُس کے دماغ کے غریب خانے میں ۔۔ تھا۔

میں نے کہا: "سُنو! میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ میکولسن کے ہاتھوں اپنے کپڑے جلوا دیے۔ اب اُس پلاسٹک کے تھیلے میں میکولسن کے کپڑے ہیں۔ اُنھیں کتّوں کے سامنے لے جاؤ۔"

"ایں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا: "آقا! میں آپ کو دماغ میں سمجھ رہا ہوں۔ دیکھ نہیں رہا ہوں۔ ابھی پوری طرح دماغ میں آنے والی باتوں پر عمل نہیں کرنا چاہتا۔ ڈرتا ہوں کہ کوئی گڑبڑ ہوئی اس

پلاسٹک کے تھیلے میں آپ ہی کے کپڑے ہیں تو وہ کُتّے آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں آپ کے سامنے اپنی قوّت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی کھڑی ہتھیلی کے صرف ایک وار سے میکولسن کی کھوپڑی توڑ کر دکھاؤں گا۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھ سے بحث نہ کرو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ کُتّوں کے پاس جاؤ۔"

وہ اُس عالی شان کوٹھی کے پیچھے ایک کوارٹر میں پہنچا جہاں کُتّوں کو باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ میں نے کہا۔ "ڈاگ ماسٹر! میں بہت عجلت میں ہوں۔ تمھارے پاس ٹھہر نہیں سکتا۔ پھر کسی وقت تم سے ملاقات کروں گا۔ میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں خاموش ہوگیا۔ اُس نے پوچھا۔ "آقا! میں آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں۔ کیا میری یہ خواہش پوری ہوگی؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ میری غیر موجودگی میں میرے احکامات کا پابند رہتا ہے یا نہیں؟ اُس کے مزاج میں واقعی غلاموں جیسی فرمانبرداری تھی۔ وہ کوارٹر کا دروازہ کھول کر کتّوں کو پچکارتا ہوا اندر گیا۔ پھر پلاسٹک کے تھیلے سے کپڑے نکال کر دو کُتّوں کے سامنے باری باری لہرانے لگا۔ زنجیر سے بندھے ہوئے درندے اچھل رہے تھے۔ کپڑوں کو سونگھ رہے تھے جس پسینے کی بُو پا رہے تھے اُس کے لہو تک پہنچنے کے لیے تڑپ رہے تھے پھر ڈاگ ماسٹر نے ان کپڑوں کو اُن کے درمیان فرش پر ڈال دیا۔ وہ دونوں لباس پر پل پڑے اپنے دانتوں سے پکڑ کر اپنی اپنی طرف کھینچنے لگے۔ لباس کے چیتھڑے اُڑانے لگے جیسے شکار کی بوٹیاں نوچ رہے ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ڈاگ ماسٹر نے آہنی ہُک سے زنجیروں کو نکال کر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ کتّے کوٹھی کی طرف بھونکتے ہوئے تیزی سے جانے لگے۔ ڈاگ ماسٹر ان کی زنجیریں کھینچ کر انھیں قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُن کے پیچھے چلتا جا رہا تھا۔ کوٹھی کے اگلے حصّے کی طرف میکولسن گاڑی میں بیٹھنے کے لیے برآمدے تک آگیا تھا۔ اُس وقت ڈاگ ماسٹر نے کُتّوں کی زنجیر چھوڑ دی۔

میکولسن نے دہشت زدہ ہوکر اپنی طرف آنے والے خون آشام درندوں کو دیکھا پھر چیختا ہوا پلٹ کر کمرے کی طرف بھاگنے لگا۔ مگر درندے تیز رفتار تھے۔ لمبی چھلانگیں لگا کر شکار کو دبوچنا جانتے تھے۔ اُنھوں نے ایک ہی جست میں اُسے دبوچ لیا۔ اُس کی چیخیں بُلند ہوتے ہی میں وہاں سے چلا آیا۔

رس ونتی کی سوچ سُنائی دی۔ "فرہاد! تمھیں ڈھونڈ نکالنے کے سارے راستے بند ہوگئے ہیں۔ آؤ مذاکرات کا وقت ہوچکا ہے۔"

میں نے کہا۔ "ایک چھوٹا سا کام اور رہ گیا ہے۔ ثمینہ جاگنے کے بعد مجھے بھائی سمجھ کر مجھ سے پوچھنے آئے گی کہ رات کو آنے والا فرہاد کہاں چلا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اُسے ..."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "میں نے تمھاری مصروفیت کے دوران تمھارے دوسرے کام نمٹا دیے ہیں۔ ثمینہ کو بھی مزید دو گھنٹوں کے لیے سُلا دیا ہے۔"

میں اطمینان کی سانس لے کر رس ونتی کے ساتھ دہلی کی اُس عمارت میں پہنچ گیا۔ جہاں چوتھی منزل کے ایک ہال نما کمرے میں بڑے بڑے ممالک کے نمایندے بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے علاوہ ایک عورت تھی جس کی زبان سے میں اور رس ونتی بولنے والے تھے۔ وہ سب بے چینی سے اپنی اپنی گھڑی دیکھ رہے تھے۔ میری گھڑی کے مطابق ٹھیک دس بجے رس ونتی نے اُس عورت کی زبان سے کہا۔ "ہمبرو، الوری باڈی! رس ونتی اور فرہاد حاضر ہیں۔"

سب نے چونک کر اُس عورت کو دیکھا۔ پھر نمایندہ افسر نے مسکرا کر ہمیں خوش آمدید کہا۔ اُس کے بعد مذاکرات میں شریک ہونے والوں کا تعارف کرانے لگا۔ اب اُن سب کی آنکھوں پر سیاہ چشمے نہیں تھے اور اُنھوں نے گونگا بننا بھی چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اُن بولنے والوں کے اعلیٰ حکام سے اُن کا براہِ راست تعلق نہیں تھا۔ وہ لوگ مذاکرات کی رپورٹ تحریر یا کوڈ ورڈز کے ذریعے اپنے ممالک تک پہنچا سکتے تھے مگر اپنے ممالک کے ذمّے دار افسران سے ملاقات کر سکتے تھے، نہ فون وغیرہ پر باتیں کرسکتے تھے۔

بڑی احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کے بعد مذاکرات کا پہلا دور شروع ہو رہا تھا۔ نمایندہ افسر نے کہا۔ "شریمتی رس ونتی دیوی اور شریمان فرہاد جی! آپ کا پیغام سُپر تنظیم تک پہنچا دیا گیا تھا۔ جیسا کہ میں ابھی آپ سے تعارف کرا چکا ہوں۔ یہاں سُپر ماسٹر کے نمایندے ماسٹر تارا چند موجود ہیں۔ یہ آپ سے براہِ راست باتیں کریں گے۔"

ماسٹر تارا چند اپنی کرسی پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ اُس کے بولنے سے پہلے ہی میں نے کہا۔ "ماسٹر تارا چند! تم مجھ سے کہنا چاہتے ہو کہ مذاکرات میں ابھی تمھاری یہ عارضی شرکت ہے۔ تم کسی وقت بھی مذاکرات کا بائیکاٹ کرکے یہاں سے جاسکتے ہو مگر جانے سے پہلے مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو کہ اگر ہمارا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو میں تنظیم کو کس قسم کا نقصان پہنچاؤں گا۔"

ماسٹر تارا چند کی حیرانی بتا رہی تھی کہ میں وہی بات کہہ رہا ہوں، جو وہ کہنا چاہتا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر مذاکرات کمیٹی کے ممبران سے کہا۔ "میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

میں نے جواب دیا۔ "تمھارا سُپر ماسٹر اُس آبدوز سے کرنل اور کیپٹن والٹر کو ہٹا کر سمجھتا ہے کہ احتیاطی تدابیر پر عمل کرچکا ہے۔ اُس نادان بچے کو سمجھنا چاہیے کہ فضائی، بحری اور برّی افواج کے جنرل اور افسران کی تصویریں اور کارنامے اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ اُس کے ملک کے اعلیٰ حکام ریڈیو اور ٹیلی وژن کی اسکرین پر انٹرویو یا تقاریر کے سلسلے میں آتے ہیں۔ بڑے بڑے پروجیکٹ

کے افتتاح اور سائنسدان ایسے ہی ذرائع سے مجھے اپنے چہرے دکھاتے اور اپنی آوازیں سُناتے چلے آئے ہیں۔ اُن سب کے دماغ میری مٹھی میں ہیں۔ میرے وار سے بچنے کے لیے پوری فوج کا سائنس اور ٹکنالوجی کے اہم شعبوں کا ڈھانچہ تبدیل کرنا ہوگا۔ ملک میں نئے سرے سے انتخابات کراکے وہاں کے تمام حکّام کو تبدیل کرنا ہوگا اور اتنی جلدی یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے۔"

وہ لوگ حیرانی اور پریشانی سے میرے چیلنج کو سُن رہے تھے۔ میں خود حیران تھا کہ اچانک یہ باتیں میرے دماغ میں کیسے آگئیں۔ میں واقعی اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے ذرائع استعمال کرکے فوجی افسران، سائنسدان اور اعلیٰ حکّام تک پہنچ سکتا تھا۔ ویسے میرے اس چیلنج سے یہ دہشت طاری ہوگئی کہ بڑی بڑی اہم شخصیتیں ہماری ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں بند ہیں۔

میں نے کہا۔ "یہاں بیٹھے ہوئے تمام ممالک کے نمایندے اپنے حکّام کو یہ ذہن نشین کرادیں کہ جس طرح وہ خفیہ اجلاس منعقد کرتے ہیں، اُس طرح اپنے ممالک میں خفیہ انتخابات نہیں کراسکتے۔ نئے منتخب ہونے والوں کو بھی عوام کے سامنے آنا پڑتا ہے اور عوام کے سامنے آنے کے لیے اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی اسکرین سے گزرنا ہوتا ہے۔ میں آخری وارننگ دے رہا ہوں کہ ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔ اپنے جاسوس کتّوں کو ہماری تلاش میں نہ بھیجو۔ بنکاک میں جتنے ممالک کے سفارتخانے اور سیکرٹ ایجنٹ ہیں۔ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ایک گھنٹے بعد وہ سب موت کی نیند سو جائیں گے۔"

ایک ملک کے نمایندے نے سوال کیا۔ "فرہاد صاحب! ایک ملک کا سیکرٹ ایجنٹ خود کو ہمارے یا کسی دوسرے ملک سے منسوب کرسکتا ہے۔ اس طرح کیا آپ ایک کی غلطی کی سزا ہمارے یا کسی دوسرے ملک کو دیں گے؟"

میں نے جواب دیا۔ "کسی کی غلط بیانی سے تم لوگ دھوکا کھا سکتے ہو۔ میں اور رس ونتی کسی کی زبان پر بھروسہ نہیں کرتے۔ اُس کے اندر چھُپے ہوئے چور خیالات کو پڑھتے ہیں۔ جس ملک کا جاسوس ہمارے پیچھے آئے گا۔ وہی ملک تباہی و بربادی سے گزرے گا۔"

دوسرے ملک کے نمایندے نے سوال کیا۔ "اگر وہ جاسوس گونگا بہرا ہو تو آپ کیسے سمجھیں گے کہ وہ کس ملک سے تعلق رکھتا ہے؟"

بڑی ذہانت سے سوال کیا گیا تھا۔ واقعی گونگے جاسوسوں کے ممالک کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے جواب دیا۔ "ہمارا تعاقب کرنے والے سارے گونگے مار دیے جائیں گے تاکہ بولنے والے سامنے آئیں۔"

رس ونتی نے کہا۔ "غیر ضروری باتیں ہو رہی ہیں۔ یہاں صرف ہمارے مطالبے کے سلسلے میں باتیں کرو۔"

نمایندہ افسر نے کہا۔ "آپ لوگوں کے مطالبے کے سلسلے میں تمام نمایندہ ممالک کی کانفرنس ہوگی۔ ہم وہاں فیصلہ کریں گے۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "فیصلہ ہم کرچکے ہیں اور اس سلسلے میں کسی کے محتاج نہیں ہیں۔"

رس ونتی نے کہا۔ "تم لوگ اپنی سیاسی چالیں اپنے پاس رکھو۔ ہم جانتے ہیں کہ عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے کیسی بڑی بڑی کانفرنس منعقد کی جاتی ہیں اور ایک مسئلے کو برسوں تک ٹالا جاتا ہے۔"

ایک ملک کے نمایندے نے کہا۔ "ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ معمولی نہیں ہے۔ اِسے تسلیم کرنے کے لیے اصولی طور سے تمام ممالک کو متفق ہونا چاہیے۔ بے شک آپ ہمارے محتاج بھی نہیں ہیں مگر ایک نئی حکومت کے قیام کے بعد آپ کا ملک اتنی بڑی دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا۔ علمی، تہذیبی، اقتصادی اور سیاسی تعلقات لازمی ہوں گے۔ اِس لیے آپ اور ہم اس مسئلے کو دوستانہ انداز میں حل کریں تو بہتر ہوگا۔"

میں نے جواب دیا۔ "ہم دوستانہ انداز کو سمجھتے ہیں۔ یہ انداز ایسا ہوگا کہ ہم کسی کا تعاون حاصل کیے بغیر اپنی پسند کے ایک علاقے کو اپنی ملکیت بنائیں گے۔ وہ ممنوعہ علاقہ ہوگا جو ہماری اجازت کے بغیر اُدھر کا رُخ کرے گا۔ وہ اپنی موت اپنے ساتھ لائے گا۔ وہ علاقہ کہاں ہے؟ اِس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ جو ممالک دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہیں، وہ مجھ سے بات کرنے کا وقت نوٹ کرلیں۔"

تمام نمایندے کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا۔ "بنکاک کے وقت کے مطابق رات کے ٹھیک نو بجے میں تھائی لینڈ کی انٹیلیجنس کے ڈائرکٹر جنرل کے پاس رہوں گا اور ہر ملک کے سربراہ کو گفتگو کے لیے صرف دس منٹ کا وقت دوں گا۔ دس منٹ سے زیادہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ مجھ سے رابطہ قائم کرنے والے صاف اور سیدھے انداز میں اپنا فیصلہ سنائیں گے کہ وہ ہم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اب ہم جا رہے ہیں۔ ہمارا خدا حافظ ہے۔"

نمایندہ افسر نے جلدی سے کہا۔ "ایک منٹ فرہاد صاحب! میں آپ سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے اور رس ونتی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جس عورت کو وہاں کا رابطہ کا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ وہ اپنی ساڑھی کے آنچل سے چہرے کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔ نمایندہ افسر نے اُس سے پوچھا۔ "کیا وہ لوگ چلے گئے؟"

عورت نے جواب دیا۔ "شاید جاچکے ہیں۔ تبھی میں اپنے ہوش و حواس میں بول رہی ہوں۔"

ایک ملک کے نمایندے نے غصّے سے کہا۔ "نان سنس! یہ لوگ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ اپنی مرضی سے آتے ہیں اور اپنی مرضی سے جاتے ہیں۔ ایڈیٹ۔"

رس ونتی نے اس عورت کی زبان سے کہا "تم نے گالی دی۔ چلو اُٹھو چوتھی منزل کی کھڑکی سے نیچے چھلانگ لگاؤ۔"

"نن۔ نہیں۔" اُس نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

میں اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ یک بیک وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ کرسی پیچھے فرش پر اُلٹ گئی۔ وہ دوڑتا ہوا کھڑکی کے پاس گیا۔ پھر پردہ ایک طرف ہٹا کر کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ کر نیچے کود گیا۔ وہاں کھلبلی مچ گئی۔ سب ہی دوڑتے ہوئے کھڑکی کے پاس گئے۔ وہ اُس کا انجام دیکھنا چاہتے تھے۔ میں نے اُس عورت کی زبان سے کہا "سنو! کوئی ضروری نہیں کہ چوتھی منزل سے گرنے والا مر ہی جائے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اپاہج ہو جائے۔ میرا خیال ہے اتنا سبق کافی ہوگا۔ تم لوگوں کو بیٹھے بیٹھے ادب سے بولنے کا سلیقہ آجائے گا۔"

ہم وہاں سے چلے آئے۔ رس ونتی نے کہا "تم نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ کس علاقے کو اپنی ملکیت بنانا چاہتے ہو؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں خود نہیں جانتا۔ دنیا کے نقشے میں کوئی جگہ تلاش کروں گا۔ کیوں نہ ہم مریم، شرلاک اور بے بی وغیرہ کو اس کام کے لیے مقرر کریں۔ وہ کتابیں پڑھ کر جغرافیائی معلومات کے مطابق اپنی اپنی رائے پیش کریں گے۔ ہم اُن آرا کی روشنی میں کسی علاقے کو اپنے لیے پسند کر لیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں مریم سے کہتی ہوں۔"

"میں شرلاک کے پاس جا رہا ہوں۔"

ہم سوچ نگر سے جدا ہو گئے۔ میں شرلاک کے پاس پہنچا۔ وہ غصے میں تھا۔ ماسٹر رومی کو ڈانٹ رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے شرلاک؟"

وہ چونک گیا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے بولا "ابھی ایک گھنٹے پہلے دو گونگے آئے تھے۔ وہ تحریر کے ذریعہ ہمیں مجبور کر رہے تھے کہ ہم تمھارا پتہ بتائیں۔ ہم نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ ہم تمھارے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔ وہ ایک کمرے میں ہم سب کو فرداً فرداً بلا کر پوچھ رہے تھے۔ ماسٹر رومی کو بھی تنہا کمرے میں بُلا کر پوچھا گیا۔ اس نے جواب دیا کہ اس نے کل رات سے فرہاد کو نہیں دیکھا ہے۔ فرہاد کی بلی بھی اُسے تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ ماسٹر رومی کی یہ بات سنتے ہی انھوں نے بلی کو پکڑ لیا۔ اُسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

"اچھا تو وہ سامی کو لے گئے ہیں۔"

"ہاں۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ وہ بلی کیسی عجیب چیز ہے۔ تم میک اَپ میں چھپے رہو گے۔ تب بھی تمھیں پہچان لے گی۔"

واقعی خطرہ تھا۔ جس طرح بیوی اپنے شوہر کے بدن کو اور اُس کے پسینے کی مہک کو سمجھتی ہے۔ اُسی طرح سامی مجھے ہر رُوپ میں پہچان لیتی تھی۔ وہ میری جُدائی سے پریشان ہوگی۔ گونگے دشمنوں کے ساتھ اِدھر آئے گی تو پہچانتے ہی بے اختیار اچھل کر میری گود میں پہنچ جائے گی یا میرے قدموں میں لوٹنے لگے گی۔

پالتو جانوروں کی وفاداری مثالی اور قابل تعریف ہوتی ہے۔ بعض حالات میں یہ وفاداری مہنگی بھی پڑتی ہے۔ میں نے خونخوار کُتوں سے بچنے کے لیے اپنے کپڑے جلا دیے۔ اب سامی کی محبت اور دیوانگی سے بچنے کے لیے اپنے پسینے کو جلا دینا ممکن نہ تھا۔ میں نے شرلاک سے کہا "بڑے بڑوں سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ رومی تو ابھی بچہ ہے۔ اُسے ڈانٹنا نہیں چاہیے۔ چلو اُسے پیار کرو۔"

وہ بولا "فرہاد! مجھے شرمندگی ہے کہ ...."

میں نے بات کاٹ کر کہا "یار! غیروں کی طرح ندامت کا اظہار نہ کرو۔ پھر تو مجھے بھی نادم ہونا چاہیے کہ میری وجہ سے یہاں کے انٹیلیجنس والے تمھیں اور تمھارے سارے خاندان کو پریشان کر رہے ہیں۔ بس اب اس بچے کا دل نہ دُکھاؤ۔"

اُس نے مسکرا کر ماسٹر رومی کو گود میں اُٹھا لیا۔ پھر پیار کرتے ہوئے بولا "کوئی بات نہیں غلطی سب سے ہوتی ہے۔ آئندہ تم سے جتنی بات پوچھی جائے اتنا ہی جواب دیا کرو۔"

پھر اُس نے ممی بے بی اور رُومانہ کو بتایا کہ فرہاد یہاں موجود ہے۔ سب خوش ہو گئے۔ میں نے باری باری سب سے باتیں کیں۔ پھر شرلاک کو بتایا کہ ہم ایک علیحدہ مملکت قائم کرنے کی مہم چلا رہے ہیں۔ اس کے لیے وہ بے بی اور ممی کتابیں پڑھ کر شام تک جغرافیائی معلومات فراہم کریں۔ ہم دُنیا کے نقشے میں کس علاقے کو اپنی ملکیت بنائیں گے۔ یہ سُن کر سب ہی خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ رُومانہ نے کہا "فرہاد! میری طرف سے پیشگی مبارک باد قبول کرو۔ تم اتنے ضدی ہو کہ اب علیحدہ مملکت قائم کر کے ہی رہو گے۔"

میں نے کہا "یہ تم لوگوں کی محبت اور وفاداری ہے کہ ہر مرحلے پر کامیابی ہوتی ہے۔"

اُس نے پوچھا "کیا تم نے سونیا کو یہ خوشخبری سنائی ہے؟"

مجھے چپ سی لگ گئی۔ یوں لگا جیسے سونیا سے بچھڑے صدیاں گزر گئی ہیں۔ رُومانہ نے پوچھا "کیا تم چلے گئے؟"

"آں۔ ہاں۔ میں اُسے خوشخبری سُنانے جا رہا ہوں۔"

میں رُومانہ سے رخصت ہو گیا۔ اگر دوست کم ہوں دشمن زیادہ ہوں تو دوستوں سے ملنے کا موقع نہیں ملتا۔ رس ونتی، رُومانہ وغیرہ ساتھ تھے۔ میرے معاملات میں، میری پریشانیوں میں شریک تھے۔ اِس لیے اُن سے برابر رابطہ قائم تھا۔ سونیا نے میری موجودگی سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا معاملات سے ہٹ کر اُس سے باتیں کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس وقت بھی میں فوراً ہی اُس سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ سامی کا مسئلہ اہم تھا۔ گونگے جاسوس کسی وقت بھی تلاش کرتے ہوئے سامی کو لے کر میرے سامنے پہنچ سکتے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے میں بڑے ممالک کے نمائندوں سے باتیں

کر چکا تھا۔ وہ لوگ ابھی میری یادداشت میں محفوظ تھے۔ میں نے باری باری سب کو مخاطب کیا۔ سب کو وارننگ دی کہ ایک گھنٹے کے اندر وہ بلی جہاں سے پکڑ کر لے جائی گئی ہے وہیں واپس پہنچا دی جائے۔ میں یہ تفتیش نہیں کروں گا کہ وہ گونگے جاسوس کسی ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں ایک بلی کی خاطر سب کو نقصان پہنچاؤں گا۔

پھر میں نے تھائی لینڈ کی انٹیلیجنس کے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ قائم کیا۔ اُس نے بوکھلا کر پوچھا "کیا واقعی مسٹر فرہاد مجھ سے مخاطب ہیں؟" میں نے کہا "ہاں۔ آج کے مذاکرات میں یہ طے پایا ہے کہ بڑے ممالک کے نمایندے آج رات نو بجے آپ سے رابطہ قائم کریں گے۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے گفتگو کرنے کے لیے آپ کو رابطہ بنایا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "یہ میری خوش قسمتی ہے۔"

میں نے کہا "لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک گھنٹے بعد زندہ نہیں رہیں گے۔"

"کیوں؟" اُس نے گھبرا کر پوچھا "مجھ سے کیا غلطی ہو گئی؟"

"غلطی یہ کہ آپ کے محکمہ کی موجودگی میں غیر ملکی گونگے جاسوس میری ایک بلی کے ذریعے مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ میں یہ نہیں سُنوں گا کہ اس سلسلے میں آپ بے قصور ہیں۔ آپ کے ملک میں غیر ملکی جاسوسوں کی سرگرمیاں جاری رہیں تو آپ بے قصور نہیں سمجھے جا سکتے۔ آپ اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتے ہیں تو بنکاک کے چپے چپے پر اپنے آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دیں۔ جہاں کچھ لوگ بلی کے ساتھ.... خانہ تلاشی میں مصروف نظر آئیں۔ انھیں گرفتار کر کے بلی کو شرلاک کے ہاں پہنچا دیا جائے۔ میں ایک گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ ایک گھنٹے بعد دنیا کے کتنے ہی ممالک میں تباہی و بربادی کا تماشا نظر آئے گا۔ اُن میں آپ کا ملک بھی شامل ہے۔ دیٹس آل۔ میں ٹھیک بارہ بج کر دس منٹ کے بعد موت بن کر آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔ اُس کے بعد میں نے ماسک مین کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ گونگے جاسوس اُس کے ملک سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ پھر میں نے سُپر ماسٹر کے چیف سیکریٹری کو ٹٹولا۔ وہ بھی اُن گونگوں کو نہیں جانتا تھا۔ میں مایوس ہو کر چیف سیکریٹری کے دماغ سے نکلنا چاہتا تھا۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی سنائی دی۔ سیکریٹری کی سوچ نے بتایا کہ وہ خفیہ کال ہے۔ اُس کا تعلق کسی ٹیلیفون ایکسچینج سے نہیں ہے۔ اُس نے ریسیور اُٹھا کر کہا "ہیلو۔ سی ایس فار ایس ایم، دس اینڈ۔"

دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی "آپریشن نائن تھری کا فائل کھولو۔"

چیف سیکریٹری نے میز پر سے ایک فائل اُٹھا کر کھولا۔ پھر کہا "جی ہاں۔"

آواز آئی "اُس فائل میں پنک کلر کے کاغذ پر جو تحریر ہے اُس کا آخری پیراگراف پڑھ کر سناؤ۔"

چیف سیکریٹری ورق گردانی کرنے لگا۔ میں دوسری طرف اُس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا، جو بھرائی ہوئی آواز میں بول رہا تھا۔ اب دوسری طرف سے چیف سیکریٹری کی آواز سنائی دے رہی تھی وہ پیراگراف پڑھ کر سُنا رہا تھا۔ وہ سب کچھ کوڈ ورڈز میں تھا۔ میری مٹھی میں رہنے والے دماغ نے تشریح کی کہ ایک جدید طرز کی آبدوز بحرِ اوقیانوس کی گہرائی میں تھی۔ اُس کے کیپٹن سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کوڈ ورڈز اُس پیراگراف میں درج تھے۔ وہ پیراگراف ختم ہونے کے بعد فون کا رابطہ ختم ہو گیا۔ میں اُس بھرائی ہوئی آواز والے کو ٹٹولنے لگا۔ پھر ایک بار کامیابی کی اُمید بندھی۔ میں رفتہ رفتہ سُپر ماسٹر کے قریب پہنچ رہا تھا۔ وہ شخص سُپر ماسٹر کا خاص نائب جونیئر سپر ماسٹر تھا۔

تنظیم کے تمام قابلِ اعتماد ماسٹر اسی جونیئر کو اپنا سُپر ماسٹر سمجھتے تھے۔ چیف سیکریٹری بھی یہی سمجھتا تھا۔ حتیٰ کہ اُس ملک میں انتخابات میں جیت کر اقتدار سنبھالنے والے حکام بھی جونیئر کو سپر ماسٹر سمجھ کر اُس کی داخلہ اور خارجہ پالیسیوں پر عمل کرتے تھے۔ اصل سُپر ماسٹر پردۂ راز میں رہتا تھا۔ وہ جہاں رہتا تھا، وہاں تک کون لوگ پہنچ سکتے تھے؟ اُس کا علم مجھے نہیں تھا۔ مگر یقین تھا کہ ایک دن میں بھی وہاں تک پہنچوں گا۔

اُن کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ پردۂ راز میں رہنے والا سُپر ماسٹر منصوبے بناتا تھا۔ وہ منصوبے جونیئر سُپر ماسٹر کے پاس پہنچائے جاتے تھے۔ وہ جونیئر سُپر ماسٹر دنیا کے تمام ممالک میں پھیلی ہوئی تنظیم کے ماسٹروں سے اُس منصوبے پر عمل کراتا تھا۔ یعنی اپنے مفادات کی خاطر وہ لوگ ساری دُنیا میں جو کچھ کرتے تھے، اُن کا ریکارڈ جونیئر سُپر ماسٹر کی تحویل میں رہتا تھا۔ اب میں اُس جونیئر کے ذریعہ اُن کی تمام سیاسی چالوں کو سمجھ سکتا تھا۔

اُس وقت جونیئر ایس۔ ایم (سُپر ماسٹر) ٹیلیفون کا ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ اٹلی کے ماسٹر فرانسیس کو کال کر رہا ہے۔ رابطہ قائم ہوتے ہی وہ ہونٹ سکیڑ کر ایک مخصوص دھن میں سیٹی بجائے گا۔ جواب میں اٹلی کی لوک دھن سیٹی میں سُنائی دے گی۔ اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی کی ٹیلی پیتھی کا شکار نہیں ہوا ہے اور اُس کے آس پاس کوئی اُن کی گفتگو سُننے والا نہیں ہے۔ اِس اطمینان کے بعد وہ اپنے مطلب کی گفتگو کرے گا۔

ٹیلیفون سے رابطہ قائم ہو گیا۔ جونیئر سُپر ماسٹر نے مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ جواب میں اُسے سیٹی بجا کر مطمئن کیا گیا۔ تب جونیئر

ایس۔ایم نے کہا "ہیلو ماسٹر فرانسیس ٹرانسمیٹر کے ذریعہ بحری جہاز سیون اوسیون کے آفیسر انچارج سے رابطہ قائم کرو۔ اُسے ہدایت دو کہ بحراوقیانوس کی آبدوز کے کیپٹن فوکس ہاکر سے رابطہ قائم کرے اور اُسے ہدایت دے کہ آبدوز کے ڈاکٹر تھامس کو آبدوز سے واپس نیوی ہیڈکوارٹر میں بھیج دیا جائے۔ اُس کے لیے ہیلی کوپٹر بھیجا جائے۔ آدھ گھنٹے کے اندر ڈاکٹر کو واپس آجانا چاہیے۔ دیٹس آل۔"

جونیئر ایس ایم نے ریسیور رکھ دیا۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ ابھی سپر ماسٹر نے اطلاع بھیجی تھی کہ ڈاکٹر تھامسن اُس کیپٹن والٹر کا ایک رشتہ دار ہے۔ جسے میں ٹیلی پیتھی کا شکار بنا سکتا تھا۔ اُس کیپٹن والٹر کو ریٹائر کر دیا گیا تھا۔ اُس کے رشتے داروں اور ملنے جلنے والوں کو بھی فوج کے اہم عہدوں سے الگ کر دیا گیا تھا صرف اس اندیشے سے کہ فرہاد کیپٹن والٹر کے ذریعہ اُن تمام لوگوں تک پہنچ گیا ہوگا۔ اُن کی تفتیش میں کچھ خامی رہ گئی تھی۔ اب اتنے دنوں بعد جانے سپر ماسٹر کو کیسے معلوم ہو گیا کہ دوسری آبدوز کا ڈاکٹر تھامسن بھی کیپٹن والٹر کا رشتے دار ہے۔

اب ڈاکٹر کو نیوی ہیڈکوارٹر میں بُلا کر اُس سے یہ اگلوانا تھا کہ وہ کیپٹن والٹر سے کتنی بار مِل چکا ہے؟ اور کیا اُس کے دماغ نے کوئی غیر معمولی سی بات محسوس کی ہے؟ کیا اُس نے کبھی محسوس کیا ہے کہ وہ اپنے مزاج کے خلاف سوچ رہا ہے یا عمل کر رہا ہے؟ مختصر یہ کہ وہ نفسیاتی حربے استعمال کر کے ڈاکٹر کے دماغ میں فرہاد علی تیمور کو ڈھونڈنا چاہتے تھے۔

میں نے رس ونتی کو مخاطب کیا "ہیلو رس ونتی! ریکارڈر نکالو۔ چند اہم شخصیتوں کو ریکارڈ کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر میں ماسٹر فرانسیس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بحری جہاز سیون اوسیون کے آفیسر کو ہدایات دے رہا تھا۔ پھر وہ آفیسر انچارج آبدوز کے کیپٹن فوکس ہاکر سے رابطہ قائم کرنے کے بعد باتیں کرنے لگا۔ پندرہ منٹ کے بعد میں نے رس ونتی کے پاس پہنچ کر جونیئر ایس ایم، اٹلی کے ماسٹر فرانسیس بحری جہاز کے آفیسر انچارج اور آبدوز کے فوکس ہاکر کے لہجوں کو ریکارڈ کرایا۔ اُس کے بعد تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر پڑا۔

ایسی دماغی محنت ہو رہی تھی کہ سر دُکھنے لگا تھا۔ ایسے وقت لوگ تفریح کرتے ہیں میرے پاس تفریح کے لیے وقت نہیں تھا۔ لوگ پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے شراب پیتے ہیں میں کبھی شراب کو منہ نہیں لگاتا تھا۔ میں صرف حُسن کی چاندنی اور شباب کی سیج پر بہلتا تھا مگر رس ونتی کی پابندیوں نے مجھے اُس سے بھی محروم کر دیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ آہ! میں کتنا اکیلا تھا؟

رس ونتی نے مجھے مخاطب کیا "فرہاد! تم اس وقت سچ مچ اکیلے ہو۔ ابھی تمہارے پاس نہ کوئی خوشی ہے نہ دماغی سکون ہے [illegible] میں ہوتا تو میں تمہیں اتنی خوشیاں دیتی۔ اتنی خوشیاں دیتی کہ تم تھوڑی دیر کے لیے موجودہ مسائل اور پریشانیوں کو بھول جاتے۔"

"میری جان! پیار بھری باتیں کرتی رہو۔ میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔"

"جھوٹ بول کر مجھے نہ بہلاؤ۔ میں تمہارے چور خیالات کو سمجھ رہی ہوں۔ تمہیں بہت تیز نشے کی ضرورت ہے۔ ایسی تفریح کی ضرورت ہے جو تمہیں جذبوں کی جنت میں پہنچا دے۔ میں تم پر ظلم کر رہی ہوں فرہاد!"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ آخر مجھ میں کیا رکھا ہے؟ میری چاہت سے باز آؤ۔ تمہیں ایک سے بڑھ کر ایک حسینہ ملتی رہے گی۔"

"مجھے تمہارے بعد اور کسی کی چاہت نہیں ہے۔"

"مگر تم تنہا نہیں رہ سکتے۔ میں تمہارے کرب کو سمجھ رہی ہوں۔"

"تم بھی تنہا ہو میرے انتظار کے کرب سے گزر رہی ہو۔ ان شاء اللہ ہم جلد ہی ملیں گے۔ میں صبر کر رہا ہوں۔ مجھے حوصلہ دو۔"

"تم بہت اچھے ہو فرہاد! یہ سچ ہے کہ صبر کرنے سے گناہ کے ارادے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں سے تمہاری قدر کرتی ہوں۔"

ہم مزید باتیں نہ کر سکے۔ میں امجد کے رُوپ میں امجد کے بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ ایک آہٹ سُنتے ہی چونک پڑا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ دروازے پر ثمینہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ بیدار ہوتے ہی اُس نے کالج کے ہر کمرے میں فرہاد کو تلاش کیا تھا اور اُس کا وہ آئیڈیل فرہاد کہیں غائب ہو گیا تھا۔ میری آنکھ کھلتے ہی اُس نے پوچھا "بھیا! وہ۔ وہ فرہاد صاحب کہاں ہیں؟"

"پچھلی رات وہ مجھے بھائی نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اب خود ہی بھیا کہہ رہی تھی۔ میں نے کہا "وہ تو صبح ہونے سے پہلے ہی چلا گیا۔"

"کہاں چلا گیا؟ نہیں وہ نہیں جا سکتا۔ تقدیر اُسے میرے پاس لائی تھی۔"

"تقدیر اُسے واپس لے گئی۔ اُس نے جاتے وقت کہا ہے اس ملک کی پولیس اور فوج کے لوگ اُسے تلاش کر رہے ہیں۔ وہ چند گھنٹے یہاں چھپنے آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ کسی کے سامنے اُس کا ذکر نہ کیا جائے۔"

وہ آگے بڑھ کر بولی "ہم کسی سے ذکر نہیں کریں گے۔ ہم اُسے یہاں چُھپا سکتے تھے۔ آپ نے اُسے روکا کیوں نہیں؟"

"جسے پولیس اور فوج نہیں روک سکتی، اُسے میں کیسے روک لیتا۔ اُس نے مجھے ایسے ذہنی جھٹکے پہنچائے ہیں کہ دماغ کی چولیں ہل گئی ہیں۔"

"ہوں۔" وہ ناگواری سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی "بھیا! آپ ضرور اُس کے مزاج کے خلاف بات کی ہو گی۔"

میں نے اپنے سر کو دباتے ہوئے کہا "ہاں۔ اُس کی اٹیچی میں نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ اُسے قتل کر کے وہ دولت حاصل کر لوں گا۔ اُسی وقت اُس نے دماغی جھٹکا پہنچاتے ہوئے کہا۔ میں تمہاری سوچ پڑھ رہا ہوں۔"

ثمینہ نے سر ہلا کر کہا "ہاں۔ اُس نے میری سوچ بھی پڑھی تھی۔ اچھا ہوا کہ آپ کو سزا دینے والا تو کوئی آیا تھا۔ ہائے اب میں اُسے کہاں تلاش کروں؟"

"وہ پھر آئے گا۔"

یہ سُنتے ہی وہ خوشی سے کھل گئی۔ دوڑتی ہوئی میرے بستر کے پاس آ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ میں نے اُسے اپنے آنے کی جھوٹی تسلی دی تاکہ وہاں دشمن مجھے تلاش کرنے آئیں تو ثمینہ مجھ سے ملنے کی آس میں جھوٹا بیان دے کہ میں وہاں کبھی نہیں آیا تھا۔ اگر میں اُس لڑکی کو ٹھکرانے والا رویّہ اختیار کرتا تو وہ انتقاماً میرے خلاف بیان دیتی۔ اُس کا بھائی امجد دلال ثابت ہوتا اور وہ مجھے امجد سمجھ کر حراست میں لیتے۔ انھیں میرے موجودہ رُوپ پر شُبہ ہوتا تو وہ میک اپ کی تہہ تک پہنچ سکتے تھے۔

اِن خواہ مخواہ کے ہنگاموں سے بچنے کے لیے میں نے اُسے دوسری بار اپنی آمد کا سپنا دکھایا۔ اُس نے بڑے اضطراب سے پوچھا "وہ کب آئیں گے؟"

میں نے جواب دیا "جب دشمنوں کو یقین آجائے گا کہ وہ بنکاک سے باہر چلا گیا ہے۔"

وہ دشمنوں کو کوستی ہوئی بولی "پتہ نہیں ان حرامیوں کو کب یقین آئے گا کہیں فرہاد سچ مچ بنکاک سے باہر نہ چلا جائے۔"

"وہ اسی شہر میں رہے گا۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی پناہ گاہیں بدلتا ہوا دو چار روز میں پھر یہاں سے گزرے گا۔ یہاں ایک رات رہ کر پھر چلا جائے گا۔"

"سچ؟" اُس نے خوش ہو کر اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ہاں۔ کل رات اُس نے مجھ سے بڑی محنت کرائی۔ میں نے تمہیں قتل کر کے چھپانے کے لیے جو گڑھا کھودا تھا۔ اُسے پھر مٹی سے بھرنا پڑا۔ ایک بار میں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو اُس نے مجھے دماغی اذیتیں پہنچائیں۔ اُف میں کہہ نہیں سکتا کہ دماغ کیسے پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا ہے۔ اُس نے مجھے وارننگ دی ہے کہ اگر میں تمہیں گناہ کے راستے پر لگاؤں گا تو وہ میرا ذہنی توازن بگاڑ کر مجھے پاگل بنا دے گا۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ بولنے لگی "وہ چاہتا ہے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ میں صرف اُس کی امانت ہوں۔"

وہ ایسی حسین تھی کہ کوئی بھی امانت میں خیانت کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں ایک حسین ساتھی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا مگر ثمینہ کے لیے میرے ذہن میں ایک مقدس رشتے کا خیال آگیا تھا اور وہ خیال پتھر کی لکیر تھا۔ میں نے اُس سے کہا "پتہ نہیں وہ تمہیں کیا سمجھتا ہے جو دولت میں اُسے قتل کر کے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تمہارے لیے وہ ساری دولت چھوڑ کر گیا ہے۔"

وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی "کہاں ہے وہ دولت؟ آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا۔ یاد رکھیں۔۔۔ آپ میرا حق چھینیں گے تو فرہاد آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

میں نے کان پکڑ کر کہا "میری توبہ۔ میری کیا مجال کہ اب میں تم سے دشمنی کروں۔ میں نے اب تک تم پر جو زیادتیاں کی ہیں اُس کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

وہ ناگواری سے بولی "اونہہ۔ جاؤ معاف کر دیا۔ بتاؤ وہ دولت کہاں ہے؟"

میں نے امجد کی الماری کی چابی دیتے ہوئے کہا "میری الماری میں ہے۔"

وہ چابی لے کر وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔ اس وقت رس ونتی کی سوچ نے میرے دماغ کو چوم لیا۔ کہنے لگی "میرے دیوتا! تم پرستش کے قابل ہو۔ ایسی تڑپانے والی تنہائی میں ایک لڑکی تمہارے قریب ہے اور تم اُس سے مقدس رشتہ قائم کر رہے ہو۔"

میں نے کہا "بحیثیت انسان مجھ میں ہوس ہے۔ ہوس پرستی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے۔ علیحدہ مملکت کا فیصلہ جلد کرو فرہاد! میں تمہارے قدموں میں آنا چاہتی ہوں۔ مجھ سے یہاں رہا نہیں جاتا۔"

"نہیں تھوڑا اور انتظار۔ ملن کی گھڑی آنے ہی والی ہے۔ آج رات دیکھنا کتنے ہی ممالک ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے مریم لے بی اور تمہارے جغرافیائی معلومات کے ساتھ مشورے دیں گے کہ ہمارے لیے کون سا علاقہ مناسب ہو گا۔ ان شاء اللہ کل دنیا کے سارے اخبارات ایک نئی مملکت کے قیام کے سلسلے میں ضمیمے شائع کریں گے۔"

اتنے میں ثمینہ واپس آگئی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ کہنے لگی "اوہ ڈیڈی کے مرنے کے بعد میں نے پہلی بار اتنی رقم اکٹھی دیکھی ہے۔ خُدا کا شکر ہے کہ آپ فرہاد کے خوف سے اس دولت کو ہاتھ نہیں لگائیں گے مگر میں آپ کی ضرورتوں کا خیال رکھوں گی۔ آپ تو پینے کے عادی ہیں۔ شراب کے بغیر نہیں رہیں گے۔ یہ لیجیے

پانچ ڈالو میں بازار سے کھانے کا سامان خریدنے جا رہی ہوں۔"

میں نے اپنے کان پکڑتے ہوئے کہا۔"نہیں۔ فرہاد نے سختی سے کہا ہے کہ جب تک جوان بہن گھر میں رہے۔ مجھے باہر جا کر بھی نہیں پینا چاہیے۔ میں چھپ کر پیوں گا تو وہ میرا دماغ اُلٹ دے گا۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولی۔"فرہاد نے آپ کو آدمی بنا دیا ہے۔"

وہ ہنستی ہوئی کاٹیج کے باہر گئی۔ رس ونتی نے ہنستے ہوئے کہا۔"یہ لڑکی تمھیں بھائی نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اب دل سے بھیّا کہہ رہی ہے۔ ہماری دُنیا میں اکثر لوگ بیوقوف بن کر اخلاقی قدروں کو برتنا چاہتے ہیں۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔"میرے الٹی میٹم کا ایک گھنٹہ پورا ہونے والا ہے۔ اب میں معلوم کرنا ہے کہ اُن گونگے جاسوسوں کو میری تلاش سے باز رکھا گیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ باز نہ آئے ہوں گے تو ہم ابھی جوابی کارروائی کریں گے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی ثمینہ گھبرائی ہوئی آئی۔ آتے ہی بولی۔"بھیّا! وہ لوگ فرہاد کو تلاش کر رہے ہیں۔"

میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ پریشان ہو کر بولا۔"دشمن یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

ثمینہ نے کہا۔"یہ لو۔ بھیّا آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے کچھ جانتے نہیں ہیں۔ ایک فرلانگ آگے نکل کر شہر کی آخری چوکی ہے۔ بڑے بڑے مجرم اسی راستے سے فرار ہوتے ہیں۔ کیا پولیس والے اِدھر اکثر تلاشی کے لیے نہیں آتے ہیں؟"

میں نے پوچھا۔"کیا وہ لوگ تم سے کچھ پوچھ رہے تھے؟"

"نہیں۔ ابھی تو وہ پڑوسیوں کو کہہ رہے تھے کہ گھر میں جتنے مرد ہوں۔ باہر نکل آئیں۔ میں آپ کو سمجھانے آئی ہوں کہ خوب سوچ سمجھ کر باتیں کیجیے گا۔ اگر آپ نے فرہاد کے حکم کے خلاف کچھ کہا تو وہ زندہ نہیں چھوڑے گا اور پھر اُدھر... کبھی واپس نہیں آئے گا۔"

جو بات میں اُسے سمجھانا چاہتا تھا، وہی وہ مجھے سمجھا رہی تھی۔ رس ونتی نے کہا۔"فرہاد! تمھیں اس کاٹیج میں پناہ لینے سے پہلے وہاں کے محلِ وقوع کو سمجھنا چاہیے تھا۔"

میں نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔"محض شہر کی آخری چوکی ہونے کے باعث وہ اتنی جلدی یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر دیکھا۔ چھ مسلح افراد تقریباً پچاس گز کی دُوری پر ایک مکان کے سامنے نظر آ رہے تھے۔ ایک نے سامی کو بازوؤں میں اُٹھا رکھا تھا۔ پڑوس کی ایک عورت اور دو مرد اُن کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ دو مسلح افراد پڑوس کے اُسی مکان کے اندر چلے گئے۔ ایک مسلح شخص سامی کو اُٹھائے اُن دو آدمیوں کے قریب گیا۔ پھر سامی کو اُن کے پاس چھوڑ دیا۔ اُن آدمیوں سے کچھ کہا گیا۔ وہ باری باری سامی کو بازوؤں میں اُٹھانے لگے مگر سامی اُن کی آغوش سے نکلنے کے لیے کسمسا رہی تھی۔ مسلح شخص نے سامی کو اُن سے واپس لے کر کچھ سوالات کیے۔ اتنے میں مسلح جوان اُس مکان کے اندر سے واپس آ گئے۔ انھیں اطمینان ہو گیا تھا۔ اب وہ ہمارے کاٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔

رس ونتی نے پوچھا۔"فرہاد! کیا ہو گا؟ کیا سامی تمھیں میک اپ میں پہچان لے گی؟"

"ہاں۔ اُس بلی کی سمجھ بوجھ اور عجیب و غریب حرکتیں دیکھ کر ہی میں نے اُس کا نام سامی رکھا ہے یہ کم بخت یقیناً اس میک اپ میں بھی مجھے پہچان لے گی۔"

میں نے کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر ثمینہ سے کہا۔"آؤ ہم باہر چلیں۔"

موت سامنے آئے تو سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں بھاگنا چاہتا تو بات بگڑ جاتی۔ ثمینہ کے بھائی امجد کے بھاگنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ پہلے میں کاٹیج سے باہر آیا۔ پھر ثمینہ آئی۔ وہ مسلح افراد کاٹیج کے احاطے کا گیٹ کھول کر اندر آ رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں سامی میری طرف آ رہی تھی۔ دُنیا جہان کی آنکھیں مجھے نہیں پہچان سکتی تھیں۔ اُس بلی کی پہچاننے والی آنکھیں قریب آ رہی تھیں۔

وہ لوگ ہمارے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ جس کی گود میں سامی تھی، وہ میرے رُوبرو تھا۔ اُس نے پوچھا۔"اس کاٹیج میں اور کون ہے؟"

سامی اپنی سبز آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی۔

میں نے جواب دیا۔"کوئی نہیں ہے۔ یہاں ہم بھائی بہن رہتے ہیں۔"

دو مسلح جوان تلاشی کے لیے کاٹیج کے اندر چلے گئے۔ اُن چھ افراد میں سے صرف ایک ہی شخص بول رہا تھا۔ اُس نے سامی کو زمین پر چھوڑ کر مجھ سے کہا۔"اس بلی کو اُٹھاؤ۔"

سامی میرے پیروں کے اطراف آنے جانے لگی۔ وہ تمام لوگ سیاہ چشمے پہنے ہوئے تھے۔ میں اُن کی آنکھوں میں نہیں جھانک سکتا تھا۔ اُسی بولنے والے شخص نے حکم دیا۔"ہری اپ اسے اُٹھاؤ۔"

میں سامی کو اُٹھانے کے لیے جُھک گیا۔ وہ جس انداز میں میرے قدموں کو جھجکتے ہوئے سونگھ رہی تھی۔ اُس سے اندازہ ہو گیا کہ گود میں لیتے ہی مجھے پہچان لے گی۔ میں نے اُسے اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ اُچھل کر ذرا دُور چلی گئی۔ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگی۔ مجھے اطمینان ہوا کہ اُس نے نہیں پہچانا ہے۔

اُس مسلح جوان نے مجھے ڈانٹ کر کہا۔"اے کیا تم ایک بلی کو نہیں اُٹھا سکتے ہو..."

میں آگے بڑھ کر اُسے بازوؤں میں اُٹھانے لگا۔ وہ ایک دم سے چھلانگیں لگاتی ہوئی، دوڑتی ہوئی، احاطہ کی چھوٹی سی دیوار کو پھلانگتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تین افراد اُس کے پیچھے بھاگتے چلے گئے۔ بولنے والا شخص چیخ رہا تھا۔"دیکھو بھاگنے نہ پائے۔ وہ کم بخت ہمیں بہت پریشان کر رہی ہے۔"

دو مسلح جوانوں نے کاٹیج سے باہر آ کر انکار میں سر ہلایا۔ اشارے سے بتایا کہ کاٹیج کے اندر اور کوئی نہیں ہے۔ پھر وہ تینوں دوڑتے ہوئے احاطہ کے باہر گئے۔ ثمینہ بڑبڑانے لگی۔"تعجب ہے۔ یہ لوگ بلی کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہیں؟ اونہہ! میں بازار سے سودا لانے جا رہی ہوں۔"

وہ جانے لگی۔ میں وہیں کھڑا ہوا منہ دیکھتا رہا۔ ... والے شخص کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک مسلح جوان ہانپتا ہوا آیا۔ اشاروں میں کچھ سمجھانے لگا۔ بولنے والے شخص نے جھلا کر کہا۔"ٹھیک ہے جتنی جلدی ہو منہ سے پھوٹو۔ وہ سالا فرہاد ہمیں سُننے نہیں آ رہا ہے۔"

ہانپنے والے نے کہا۔"ٹھیک ہے جتنی دیر میں لکھ کر سمجھاؤں گا۔ وہ بلی اُس کار میں دُور جا چکی ہو گی۔ جلدی گاڑی اسٹارٹ کرو۔"

وہ سب گاڑی میں بیٹھنے لگے۔ وہ بول رہا تھا۔"اگلے موڑ پر جو سڑک میوزیم کی طرف جاتی ہے۔ وہاں سے ایک کار گزر رہی تھی۔ وہ بلی دوڑتی ہوئی اُس کی چھت پر پہنچ گئی۔ میں نے چیخ کر کار رُکنے کے لیے کہا۔ شاید ڈرائیور نے نہیں سُنا۔ میں نے ریوالور نکال کر اُس کے پہیے کو برسٹ کرنا چاہا۔ نشانہ چوک گیا۔ فائرنگ سے گھبرا کر ڈرائیور نے کار کی رفتار اتنی بڑھا دی کہ میں دوسرا فائر نہ کر سکا۔ چلو وہ زیادہ دُور نہیں گیا ہو گا۔"

میں نے اطمینان کی ایک لمبی سانس لی۔ ایک بڑی مصیبت ٹل گئی تھی۔ پھر ہنسی اس بات پر آئی کہ سامی انھیں خوب پریشان کر رہی تھی۔ رس ونتی نے کہا۔"فرہاد تمھاری تقدیر اچھی ہے کہ سامی نے تمھیں نہیں پہچانا۔ ورنہ ایک نیا ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ وہ دو گونگے تو بول ہی چکے ہیں۔ آؤ ہم باقی گونگوں سے بھی نمٹ لیں۔"

دوسرے ہی لمحہ ہم گونگوں کی گاڑی میں پہنچ گئے۔ ایک گونگا بڑی تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دوسرے نے کہا۔"مجھے بولنا نہیں چاہیے تھا مگر یہ بھی درست ہے کہ نہ ہم فرہاد تک پہنچ سکے ہیں، نہ وہ ہم تک پہنچ سکے گا۔"

تیسرے نے تائید کی۔"ہاں۔ اس گاڑی میں صرف ہم ہیں۔ وہ کوئی جادوگر نہیں ہے کہ یہاں پہنچ کر ہماری باتیں سُن لے گا۔"

پھر دوسرے گونگے نے کہا۔"وہ دیکھو وہ سفید رنگ کی کار جا رہی ہے۔ رفتار بڑھاؤ۔ بلی اُسی کار کی چھت پر تھی۔"

"ہو سکتا ہے۔ کار کے اندر چلی گئی ہو۔"

اُس وقت تک چار گونگے بول چکے تھے اور اُس وقت تک وہ سفید گاڑی کو اوور ٹیک کر کے اُس کا راستہ روک چکے تھے۔ کار والا بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اُن چھ مسلح افراد نے اپنی گاڑی سے اُتر کر اُسے گھیر لیا تھا۔ سب نے اپنے ریوالور نکال لیے تھے۔ ایک نے کار کے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا۔"وہ بلی کہاں ہے؟"

"بلی؟ آ- آپ لوگ اُس بلی کے لیے میرا پیچھا کر رہے تھے؟ میں نے اُسے ڈرائیونگ کے دوران کار کی چھت سے کود کر ایک فارم کے احاطے میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

ایک نے پوچھا۔"اس کا مطلب ہے کہ ہم اسے پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

میں دوسرے کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ بولا۔"ہم سب کتے کے بچے ہیں۔ خواہ مخواہ ایک بلی کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور ہاں یہ تم دونوں ابھی تک گونگے کیوں بنے ہوئے ہو؟ چلو میں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اُس نے ٹھائیں ٹھائیں گولیاں چلاتے ہوئے دو گونگوں کو نشانہ بنا دیا۔ سب بوکھلا گئے تھے۔ اپنا ہی آدمی اپنوں کو قتل کر رہا تھا۔ کچھ سمجھنے اور سنبھلنے سے پہلے اُس نے ایک اور ساتھی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ چوتھے نے خطرے کو سمجھتے ہی فائرنگ کرنے والے پر فائر کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چار لاشیں زمین پر گر چکی تھیں۔ دو رہ گئے تھے۔ ایک نے کہا۔"معلوم ہوتا ہے۔ فرہاد اس کم بخت کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ اگر میں اسے قتل نہ کرتا تو....."

وہ بات اُدھوری چھوڑ کر ہنستے ہوئے بولا۔"اے فرہاد تو میرے دماغ میں بھی ہے اور ہم دو گونگے ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ چلو دیکھیں کون پہلے فائر کرتا ہے۔"

ظاہر ہے دوسرا گونگا اپنے بچاؤ کے لیے فائر کرتا۔ دونوں طرف سے دو فائر ایک ساتھ ہوئے۔ دو لاشیں ایک ساتھ گریں۔ پھر ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ وہ کار والا حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔"چھ لاشیں....؟" وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

میں دماغی طور پر کاٹیج کے سامنے حاضر ہو گیا پھر کاٹیج کے اندر جانے لگا۔ رس ونتی نے کہا۔"بھگوان کا شکر ہے۔ اب کوئی تمہاری پناہ گاہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ مگر ایک غلطی ہو گئی۔ تمھیں معلوم کرنا چاہیے تھا کہ کس ملک سے اُن گونگوں کا تعلق تھا۔"

"وہ کرائے کے ٹٹو تھے۔"

یہ کہتے ہوئے میں کاٹیج میں داخل ہوا۔ پھر ایک دم سے ٹھٹھک گیا۔ کمرے کے پرانے صوفے پر سامی بیٹھی ہوئی تھی۔

ہائے آفت کی پرکالہ! تو تم نے مجھے پہچان لیا تھا۔ ہم انسان حواسِ خمسہ رکھتے ہیں۔ کیا تم چھٹی حس کی مالک ہو؟ بہروپ کے پیچھے اصل رُوپ کو پہچان لیتی ہو؟

میری جان! تمھاری ذہانت کی حد کیا ہے؟ تم محض اس

لیے دشمنوں کے ساتھ ہو گئی تھیں کہ ان کے ساتھ مجھے تلاش کر رہا تھی تھیں۔ میں مل گیا تو تم نے چالاک دشمنوں سے زیادہ چالاکی دکھائی۔ انہیں آگے بھگا کر پیچھے میرے پاس چلی آئیں۔

تمہاری محبت اور وفاداری دیکھ کر انسانوں کو شرم آئے گی۔ آؤ میرے دل کی دھڑکنوں سے لگ جاؤ۔

وہ اچھل کر میرے بازوؤں میں آ گئی میرے سینے سے لگ گئی۔ میں دیوانہ وار اُسے چومنے لگا۔

رس ونتی نے ہنستے ہوئے کہا: "تمہارا اور سامی کا جوڑا فینٹاسٹک ہے۔ لیلیٰ اور مجنوں بھی ایسی دیوانگی سے کبھی نہ ملے ہوں گے۔"

میں ایک صوفہ پر بیٹھ گیا۔ مسکرا کر سامی کو سہلاتا رہا۔ پیار کرتا رہا۔ رس ونتی نے کہا: "بھئی ہم بھی پیار کے حق دار ہیں۔ ہم سے بھی باتیں کرو۔"

"ہاں بولو۔ میں سن رہا ہوں۔"

وہ بولی: "بہت دیر سے میرے ذہن میں یہ سوال کلبلا رہا ہے کہ ہم اپنی مملکت کا نام کیا رکھیں گے؟"

میں نے مسکرا کر کہا: "ہمارا ملک مثالی ہوگا۔ لوگ وہاں آنے کے لیے ترسیں گے مگر ہماری اجازت کے بغیر اُس کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکیں گے۔ ہمارے ملک کا نام ہوگا۔ سوچ نگر..."

فرہاد اور رس ونتی کا سوچ نگر۔

رسونتی نے خوش ہو کر کہا: "ہائے سوچ نگر بڑا خوبصورت نام ہے۔ ہماری صلاحیتوں کے عین مطابق ہے۔ فرہاد! آج ہی اپنی اس مملکت کے نام کا اعلان کر دو۔ بڑا مزہ آئے گا۔ دنیا کے سارے اخبارات دھماکہ خیز خبریں شائع کریں گے۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "ہاں میں بین الاقوامی سطح پر پریس کانفرنس منعقد کرنے والا ہوں۔ آج ہی رات اُس کانفرنس کے بعد تم ملکہ معظمہ کہلاؤ گی۔"

وہ شرمیلے لہجے میں بولی: "اور تم؟"

"میں صرف ملکہ کا مالک بن کر رہوں گا۔ میرے لیے تمہارے حسن و شباب کی مملکت کافی ہے۔"

وہ چپ رہی۔ یقیناً شرما رہی ہوگی۔ حسن و شباب کی مملکت کے مفہوم کو دور تک سمجھ رہی ہوگی۔

میں نے پوچھا: "کیا سوچ رہی ہو؟"

"سوچ رہی ہوں ہمارا سپنا کب پورا ہوگا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ ہمارے راستے میں ایسی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ہمارے لیے بالکل غیر متوقع ہوتی ہیں۔ ہمارے دشمن شیطان کے چیلے ہیں پتہ نہیں ہماری لاعلمی میں کیسی شیطانی چالیں چل رہے ہوں گے جن کا علم ہمیں بعد میں ہوگا۔"

"درست کہتی ہو۔ صرف سپر ماسٹر کو چھوڑ کر ہم نے بڑی بڑی شخصیتوں کے لہجوں کو ریکارڈ کیا۔ بڑی بڑی معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ گونگے جاسوس میرے لیے مصیبت بن گئے تھے۔ ابھی مجھے ذرا سکون ہے مگر اطمینان نہیں ہے۔ کسی وقت بھی کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو سکتی ہے۔"

"فرہاد! تمہیں معلوم کرنا چاہیے تھا کہ وہ گونگے جاسوس کس ملک نے بھیجے تھے۔"

"ان گونگوں سے معلومات حاصل نہ ہوتیں۔ وہ سب کرائے کے قاتل تھے۔ خود نہیں جانتے تھے کہ انہیں کس نے بھاری معاوضہ دے کر اس کام... پر لگایا تھا۔ بہر حال اس کی سزا ہم تمام دشمنوں کو دیں گے تاکہ وہ آئندہ ہمارے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہ کریں۔"

رسونتی نے کہا: "وہ گونگے دشمن اگر تمہیں پہچان لیتے تو بے دریغ گولی مار دیتے۔ اس قتل کی سازش کی سزا یہ ہے کہ ہر ملک کا ایک دشمن موت کا مزہ چکھے۔ میں اپنے دیس میں کسی ایک اہم شخص کو ہلاک کرنے جا رہی ہوں۔"

"میں بھی اس مشن پر روانہ ہو رہا ہوں۔ ہم پھر ملیں گے۔"

میں تھائی لینڈ کے انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل کے پاس پہنچ گیا۔ اسے مخاطب کیا: "ہیلو آفیسر! ایک گھنٹہ پورا ہو گیا۔ میں نے کہا تھا کہ ان گونگے جاسوسوں کو میری تلاش سے باز رکھو مگر تمہاری انتظامیہ نے بے حسی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ گونگے مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بدلے تمہارے ملک کی کس اہم شخصیت کو مرنا چاہیے مجھے بتاؤ؟"

اس نے پریشان ہو کر التجا آمیز لہجے میں کہا: "فرہاد صاحب ہم نے ان گونگوں کو گرفتار کرنے کے تمام ذرائع استعمال کیے مگر وہ ہاتھ نہیں آئے۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ میوزیم والی سڑک پر ایک جیپ کار کے پاس چھ مسلح افراد کی لاشیں پائی گئی ہیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہی لوگ آپ کے دشمن تھے۔ آپ نے انہیں مار ڈالا ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو، اب تمہاری باری ہے۔"

"نہیں۔" وہ سہم کر کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے اسے بٹھا دیا۔ وہ پھر اٹھ گیا: "فرہاد صاحب! آپ پہلے میری بات سُن لیں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے میں حکم کا بندہ ہوں۔ اُوپر سے آرڈر آیا تھا کہ گونگے جاسوسوں کو گرفتار نہ کیا جائے۔ فرہاد کو یہ تاثر دیا جائے کہ ہم بڑی جانفشانی سے ان گونگوں کو تلاش کر رہے ہیں اور وہ ہاتھ نہیں آ رہے ہیں۔"

"اچھا تو اوپر سے آرڈر آیا تھا۔ کون ہے وہ آرڈر دینے والا؟"

اس نے نام اور عہدہ بتایا۔ میں نے کہا: "اس سے فون پر رابطہ قائم کرو۔ یہ کہنا کہ فرہاد ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرہ نمبر دس میں ہے۔ وہ میک اپ میں ہے لیکن اس بلی کی وجہ سے پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ بلی اس کے ساتھ ہے۔"

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ فون پر رابطہ قائم ہوتے ہی میری بات دہرائی۔ دوسری طرف سے کہا گیا: "اپنے سادہ لباس والوں کو حکم دو کہ اس پر کڑی نظر رکھیں تا حکم ثانی اسے چھیڑا نہ جائے۔"

ریسیور رکھ دیا گیا۔ میں حکم دینے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اعلیٰ افسر کا پی اے تھا۔ ایک کاغذ پر اپنے افسر کا نام لکھنے لگا۔ وہ تحریر کے ذریعہ فائیو اسٹار ہوٹل میں فرہاد کی موجودگی کی رپورٹ بھیج رہا تھا۔ پی اے کو سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ وہ اعلیٰ افسر کے سامنے نہ آتے۔ کوئی بھی تحریری رپورٹ گونگے چپراسی کو دے، وہ چپراسی اس رپورٹ کو بڑے صاحب کے پاس پہنچائے گا۔

چپراسی وہ رپورٹ لے کر دوسرے کمرے میں جاتا تھا۔ ایک انٹر فون کے کریڈل پر دستک دیتا تھا۔ اس کے بعد... اس کے بڑے صاحب کے دفتر کا دروازہ کھل جاتا تھا۔ اس دروازے سے صرف چپراسی ہی داخل ہو سکتا تھا۔ اسی احتیاطی تدبیر کے مطابق صاحب کے پی اے نے وہ رپورٹ چپراسی کے حوالے کی۔ پھر میں اس کے اعصاب پر سوار ہو کر بڑے قدموں دوسرے کمرے میں پہنچا۔ اس وقت چپراسی نے ٹیلی فون کے کریڈل پر دستک دینے کے بعد ریسیور رکھ دیا تھا اور دفتر کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ ذرا سا کھلا۔ بڑے صاحب ہاتھ بڑھا کر وہ رپورٹ لینا چاہتے تھے۔ میں نے چپراسی کی کمر پر ایک لات ماری، وہ آگے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے ٹکراتا ہوا اندر گیا میں بھی اندر پہنچ گیا۔ بڑے صاحب نے غصہ سے جھلا کر اپنے پی اے سے پوچھا: "نان سنس! یہ کیا حرکت ہے؟ کیا تم پاگل ہو؟"

بڑے صاحب کو اچانک اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ انہیں بولنا نہیں چاہیے تھا۔ غصہ اسی لیے حرام ہوتا ہے کہ حماقتیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے پی اے کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ سر جھٹک کر اپنے آس پاس حیرانی سے دیکھتا ہوا بولا: "م... میں یہاں کیسے پہنچ گیا؟"

بڑے صاحب کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ انہوں نے اشارے سے ہاتھ ہلا کر باہر جانے کے لیے کہا۔ پی اے اور چپراسی باہر گئے صاحب نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ تب ایک خوبصورت سی نسوانی آواز سنائی دی: "ڈیڈی! یہ آپ کے پی اے کا دماغ چل گیا ہے کیا؟"

بڑے صاحب نے وہ مختصر سی تحریری رپورٹ پڑھی۔ ان کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اندیشے کہہ رہے تھے کہ فرہاد پہنچ گیا ہے۔

"کیا بات ہے ڈیڈی؟ آپ پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"آں۔ ہاں، وہ میرا خیال ہے کہ پی اے نہیں، فرہاد آیا تھا۔"

"اوہ ڈیڈی! فرہاد آپ کے دماغ پر آسیب کی طرح حاوی ہے۔ میں کتنی دیر سے سمجھا رہی ہوں۔ آپ اس عہدے سے استعفیٰ دے دیں۔ فرہاد سے دشمنی مہنگی پڑے گی۔"

بڑے صاحب زرد چہرہ لیے ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو ٹٹولنے لگے۔ وہ اپنی کھوپڑی کے اندر فرہاد کو ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کی بیٹی انہیں غور سے دیکھ رہی تھی پھر تجسس بھرے لہجے میں پوچھا: "ڈیڈی! کیا وہ موجود ہے؟"

وہ اپنے دل کو تسلی دینے کے انداز میں بولے: "نہیں میرا وہم تھا۔ مجھے معلوم کرنا چاہیے کہ پی اے سے ایسی حرکت سرزد کیوں ہوئی؟"

لڑکی نے کہا: "وہ بہت زیادہ پیتا ہے۔ یقیناً نشے میں ہوگا۔"

"نہیں اسے خود علم نہیں تھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟"

"اوہ ڈیڈی! جیسے بھی پہنچا ہو۔ اگر فرہاد ہوتا تو آپ ابھی سکون سے بیٹھے نہ ہوتے۔"

"ہاں۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ اس سکون سے اطمینان ہو رہا ہے کہ وہ نہیں ہے۔"

وہ جذباتی انداز میں بولی: "ہائے کیسا ہیرو بنا کہیں آرام سے بیٹھا ہے اور بڑے بڑے اقتدار والے کانٹوں کی... کرسیوں پر کراہ رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ وہ ناراض ہو کر بولے: "کیا تم میرا مذاق اڑا رہی ہو؟"

"نہیں میں بڑی طاقتوں کا مذاق اڑا رہی ہوں۔ ہائے وہ کیا چیز ہے۔ میں آپ ہی آپ اس کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں اگر حساب لگایا جائے تو سو فیصد لڑکیاں اس کے لیے پاگل ہوں گی۔"

"اسی لیے تم چاہتی ہو کہ میں اس سے دوستی کر دوں اور اُسے داماد بنا لوں۔"

"آپ کیا بنائیں گے۔ وہ مجھے کہیں مل جائے تو میں ہی بنا کر لے آؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ بڑے صاحب نے آنکھیں سکیڑ کر اپنی بیٹی للیتا کو دیکھا پھر کہا: "وہ فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرہ نمبر دس میں ہے کیا تم اسے ٹریپ کر سکو گی؟"

"سوری ڈیڈی! میرا آپ سے شروع سے اختلاف رہا ہے وہ میرا آئیڈیل ہے۔ میں اس سے ایک بار ملنے کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں مگر اس کی جان لینے کی بات ہو تو اس سے ایکبار بھی نہیں ملوں گی۔"

میں نہیں جانتا کہ دنیا میں ایسی کتنی لڑکیاں ہیں جو محبوبہ بن کر ملنا چاہتی ہیں۔ موت بن کر ملنا ہو تو اپنی محبت کو کچل دینا بہتر سمجھتی ہیں۔ یہ محبت کی انتہا ہے۔ کسی کو پالینا ہی سب کچھ نہیں ہے۔ کسی کے لیے خاموشی سے کچھ کر گزرنا محبت کی معراج ہے۔ لی نا کی باتوں نے مجھے خوش کر دیا۔ اگر میں دنیا بھر کی لڑکیوں کے خیالات پڑھتا جاؤں تو کتنی ہی مجھے خوش کرتی نظر آئیں گی۔ افسوس ہوا! انہیں خوش کرنے کی مجھے فرصت نہیں تھی۔

بڑے صاحب کو میں نے اب تک اس لیے نہیں چھیڑا کہ وہ خود ہی اس بڑے ملک کے نمائندے سے رابطہ قائم کرنے کے لیے سوچ رہا تھا جس نے گونگے جاسوس میرے پیچھے لگائے تھے، اور وہ سپر ماسٹر کا ملک تھا۔ لی نا کا باپ سوچ رہا تھا۔ پہلے اس اطلاع کی تصدیق ہو جائے کہ فرہاد فائیو اسٹار ہوٹل میں موجود ہے۔ تصدیق ہو جانے کے بعد وہ سپر ماسٹر کے نمائندے سے رابطہ قائم کرے گا۔

میں نے لی نا کے دماغ میں کہا "ہیلو! اگر تم چونک نہ جاؤ تو یقین کر لو کہ میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ ایک دم سے چونک کر اپنے باپ کو دیکھنے لگی۔ وہ سر جھکائے سوچ رہا تھا۔ پھر وہ میری سوچ کی مٹھی میں رہ کر اس دفتر کے پچھلے دروازے سے نکلی۔ اس کمرے میں پہنچی جہاں اس کا باپ دفتری معاملات سے تھک جانے کے بعد آرام کرتا تھا۔ وہاں تنہائی میں میں نے اس کے دماغ کو اپنی مٹھی سے آزاد کر دیا۔ وہ حیران ہو کر اس کمرے کو دیکھنے لگی۔

میں نے پوچھا "کیا یقین آیا کہ فرہاد تمہارے پاس موجود ہے؟"

اس نے مسرت سے لرزتے ہوئے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیے "فرہاد! فرہاد صاحب! مجھے یقین آگیا۔ مگر اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آرہا ہے۔ آپ۔ آپ میرے پاس ہیں۔ ہائے میں خوشی سے مر جاؤں گی۔"

میں نے کہا "زیادہ خوشی اور زیادہ توقعات اکثر زیادہ دکھ پہنچاتے ہیں۔"

"میں دکھ مصیبت کو خاطر میں لانے والی لڑکی نہیں ہوں آپ خواہ دشمن بن کر آئے ہوں مگر آپ سے بات کرنے کی آرزو پوری ہو گئی۔"

"میں تمہارا نہیں، تمہارے باپ کا دشمن ہوں۔ میں نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس نے میرے قتل کا سامان کیا۔ تم بتاؤ کہ تمہارے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی "میں ڈیڈی کو سمجھاتی رہتی ہوں کہ آپ کی مخالفت میں نہ رہیں مگر وہ ایک بڑے ملک کے زیر اثر ہیں۔ وہ مجبور ہیں۔"

"ہاں وہ دشمنی پر مجبور ہیں۔ میں دشمنوں سے انتقام لینے پر مجبور ہوں۔"

"میں التجا کرتی ہوں۔ اس بار انہیں معاف کر دو، میں انہیں مجبور کر دوں گی کہ وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیں۔"

"لی نا! کسی کے خیالات اچھے ہوں یا برے، مجھ سے چھپے نہیں رہ سکتے۔ میں جانتا ہوں کہ تم جان دینے کی حد تک مجھے چاہتی ہو۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ میں نے کہا "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا باپ سپر ماسٹر کا وفادار ہے، میری دشمنی سے باز نہیں آئے گا تمہارے مجبور کرنے سے وہ تھائی لینڈ کے سرکاری عہدے کو چھوڑ دیگا مگر سپر ماسٹر کو نہیں چھوڑے گا اور میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

لی نا کا خوشی سے کھلا ہوا چہرہ مرجھانے لگا۔ میں نے کہا۔ "لیکن میں تمہاری خاطر اپنے فیصلے میں کچھ گنجائش پیدا کر سکتا ہوں۔"

وہ پھر گلاب ہو گئی۔ اس نے خوش ہو کر پوچھا "سچ؟"

"ہاں۔ تم میری حمایت میں اپنے باپ سے لڑتی ہو۔ تم نے فائیو اسٹار ہوٹل جانے سے محض اس لیے انکار کیا کہ تمہارے ذریعہ میرے دشمنوں کو مجھ پر جال پھینکنے کا موقعہ مل جاتا حالانکہ تمہارا دل مجھ سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔"

اس کا دل جذبوں کی ہلچل سے دھڑکنے لگا۔ آنکھوں میں خمار اتر آیا۔ وہ ایک ہائے کے ساتھ بولی "آپ تو دل میں اتر کر جذبوں کو بھی پڑھ لیتے ہیں۔"

"ہاں، مگر ابھی جذبوں کی نہیں، تمہارے باپ سے انتقام لینے کی بات ہو رہی تھی۔"

"آپ ڈیڈی کو ایک بار معاف کر دیں یہ میری پہلی التجا ہے۔ دوسری التجا ہے کہ مجھے ایک بار ملنے کا موقعہ دیں۔"

"میں تمہاری چاہت کے جذبات دیکھتے ہوئے تمہارے باپ کو زندہ چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ دشمن زندہ رہے گا تو میں دشمن کی بیٹی سے نہیں ملوں گا۔ دو میں سے کوئی ایک بات پسند کر لو۔ اپنے باپ کی زندگی یا مجھ سے ملاقات؟"

"آہ! یہ شرط نہیں ظلم ہے۔ میں ڈیڈی کو بہت چاہتی ہوں اور آپ کی پرستش کرتی ہوں۔ فار گاڈ سیک آپ مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں۔"

"میں تمہیں سوچنے اور فیصلہ کرنے کی مہلت دے رہا ہوں مجھے فرصت ملے گی تو میں پھر کسی وقت تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ اس وقت تک تمہارا باپ زندہ رہے گا۔ جاتے جاتے یہ سمجھا دوں کہ اپنے باپ کے سامنے یہاں میرے آنے اور جانے کا ذکر نہ کرنا۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

میں وہاں سے چلا آیا۔ شاید اس نے مجھے پکارا ہوگا اور مایوس ہوئی ہوگی۔ میں نے سپر ماسٹر کے ملک کے اس نمائندے کو مخاطب کیا جو مذاکرات کے آخری دور میں شریک ہوا تھا۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ آ... آپ فرہاد صاحب ہیں؟"

"ہاں، میں تمہارے سپر ماسٹر کا باپ ہوں۔ میرا چیلنج اس کے پاس پہنچاؤ۔ اس سے کہنا کہ اس کے چھ گونگے کرلسے کے قاتلوں کو ٹیلی پیتھی کے جراثیم نے چاٹ لیا ہے۔ کرلسے کے بلتے مر جائیں تو سپر ماسٹر کو غم نہیں ہوگا۔ میں ٹھیک بیس منٹ کے بعد اسے زبردست صدمہ پہنچاؤں گا۔ وہ تیار رہے۔ تم گھڑی دیکھ لو۔"

میری گھڑی میں دن کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔

میں نے ماسک مین کے ملک کے نمائندہ سے کہا "سنو وہ گونگے جاسوس سپر ماسٹر نے بھیجے تھے اور تمہارا ماسک مین مجھ پر خونخوار کتے چھوڑنے والا تھا۔ میں اس کی عبرتناک سزا دوں گا۔ اپنی گھڑی کا وقت دیکھو اور ماسک مین کو سزا کا وقت سنا دو۔ اب سے ٹھیک پینتیس منٹ کے بعد میں اس کے ملک کے ایک اہم سیاست داں مائیکل وسکی کو قتل کر دوں گا۔ اس مرنے والے کے لیے جو حفاظتی اقدامات کر سکتے ہو کر لو۔ دیٹس آل۔"

اس کے بعد میں نے دوسرے بڑے ممالک کے نمائندوں کو باری باری مخاطب کر کے کہا "پینتالیس منٹ کے اندر دو بڑے ممالک ناقابل برداشت صدمات سے دوچار ہوں گے۔ اس کے بعد تمام برسر اقتدار لوگوں کو عقل آجائے گی کہ فرہاد اور سونتی کے خلاف اقدامات کا مطلب اپنی اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ میں نے آج رات بنکاک کے وقت کے مطابق نو بجے یہ دعوت دی ہے کہ جو ملک ہماری علیحدہ مملکت کو تسلیم کرنا چاہتا ہے وہ تھائی لینڈ کے ڈائریکٹر جنرل کے ذریعہ... مجھ سے رابطہ قائم کرے۔ میں اس ملک کو دوست بناؤں گا۔ دوسری بات یہ کہ آج شام چھ بجے میں بنکاک میں ایک پریس کانفرنس طلب کر رہا ہوں۔ جس ملک کے صحافی بطور رپورٹر اس کانفرنس میں شریک نہیں ہوں گے اور جو ملک میری پریس کانفرنس کی تفصیلی رپورٹ شائع کرنے کے لیے اپنے اخبارات پر پابندیاں عائد کرے گا اس ملک کو صبح تک ناقابل برداشت نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ دیٹس آل۔"

پریس کانفرنس کا اعلان کرنے کے بعد میں نے تھائی لینڈ کے نشر و اشاعت کے ایک اعلیٰ افسر کو مخاطب کیا۔ اسے حکم دیا کہ وہ آج شام چھ بجے بنکاک میں بین الاقوامی پریس کانفرنس کے انتظامات کرے۔ کسی ملک کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دینا ضروری نہیں ہے۔ تمام ممالک سے صحافی رپورٹر خود ہی آئیں گے یہ حکم دینے کے بعد میں نے گھڑی دیکھی۔ مجھے اپنے پہلے چیلنج پر عمل کرنے کے لیے صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔

بحر اوقیانوس کی گہرائی میں کئی کروڑ ڈالر کی لاگت سے تیار کی ہوئی آبدوز رواں دواں تھی۔ میں اس آبدوز کے کیپٹن فوکس ہاکر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کنٹرول روم میں مشینوں کے درمیان کھڑا ہوا کافی پی رہا تھا۔ مشینوں کو آپریٹ کرنے والے ماہرین اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ایک آلہ بتا رہا تھا کہ وہ سمندر کی کتنی گہرائی میں ہیں۔ ایک مشین کے اوپر بڑے سے اسکرین پر سمندر کا وہ اندرونی حصہ نظر آرہا تھا جہاں سے وہ آبدوز گزر رہی تھی۔ آبدوز کے نیچے بہت دور کائی بھری جھاڑیاں اور پتھریلی چٹانوں کے پہاڑ نظر آرہے تھے۔

میں نے کیپٹن کی سوچ میں کہا "گولے بارود کے ذخائر کو چیک کرنا چاہیے۔"

کیپٹن نے ایک آپریٹر کو حکم دیا "رابرٹ سے کہو کہ اسلحہ خانے کے درجۂ حرارت کو چیک کرے۔"

آپریٹر نے حکم کی تعمیل کی۔ رابرٹ سے رابطہ قائم کیا۔ میں رابرٹ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ آبدوز کے آخری سرے میں ایک آلے کو دیکھ کر جواب دے رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ماتحت سے باتیں کیں میں نے اس کے ماتحت کو بھی ذہن میں نوٹ کر لیا۔ اب اپنے چیلنج کو پورا کرنے کے لیے صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ اس پانچ منٹ میں میں نے رابرٹ کو غافل بنایا۔ اس کے ماتحت کو انجن روم کے پاس بھیجا۔ اس کی ٹوپی کے اندر ایک ہینڈ گرنیڈ رکھا ہوا تھا دوسرا ہینڈ گرنیڈ ایک چھوٹے سے تولیے میں تھا جیسے وہ آبدوز کی لانڈری میں تولیے دھلوانے جا رہا ہو۔

چار منٹ گزر گئے۔ پانچویں منٹ میں انجن روم کی طرف زبردست دھماکہ ہوا۔ آبدوز کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل سی مچ گئی۔ وہ لوگ دھماکے کی وجہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اسی وقت دوسرا دھماکہ ہوا۔ کیپٹن ٹرانسمٹر کے پاس کھڑا چیخ رہا تھا سمندر کی سطح پر بحری جہاز سیون او سیون سے رابطہ قائم کرنے کے بعد بتا رہا تھا کہ آبدوز میں اچانک دھماکے ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک مشین کے پاس ایک شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ انجن کے پرخچے اڑ گئے۔ آبدوز تہہ میں بیٹھ رہی ہے۔ یہاں پانی تیزی سے بھرتا جا

رہا ہے ہم ڈوب رہے ہیں۔

میں رابرٹ کو لے کر... رابطہ قائم کرنے والی ان مشینوں کے پاس پہنچ گیا۔ رابرٹ نے ایک ہینڈ گرینیڈ کی سیفٹی پن نکالی پھر اسے مشینوں کے درمیان کیپٹن کی طرف اچھال دیا۔ دوسرے لمحے وہاں بھی دھماکہ ہوا۔ میں رابرٹ کے دماغ سے نکل آیا۔ اب وہاں کسی کا دماغ مجھے پناہ دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اب سپر ماسٹر کو دل کے دورے پڑیں گے کیونکہ اس سے پہلے میں نے گرین لینڈ کے شمال میں جو ایٹمی دھماکہ کیا تھا اُس سے اربوں ڈالر کا نقصان ہوا تھا۔ برسوں کی محنت برباد ہوئی تھی۔ اس ملک کے عظیم سائنسداں مارے گئے تھے اور ایٹمی تجربات کے سلسلے میں وہ بڑا ملک بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ دوسرا دھماکہ آبدوز کا تھا۔ اس کے بعد یقیناً سپر ماسٹر کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ ابھی میرے پاس اس کی جھکی ہوئی کمر دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔

میں ماسک مین کے ملک کے بہت بڑے سیاستداں مائیکل وسکی کے پاس پہنچ گیا۔ ایک بہت بڑی عمارت میں سخت پہرہ تھا کسی کو وہاں چھوٹا سا اسلحہ لے جانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ڈر تھا کہ اسلحہ رکھنے والا کوئی بھی افسر ٹیلی پیتھی کا شکار ہو کر مائیکل وسکی کو قتل کر سکتا ہے۔ اس عمارت کے ایک کمرے میں حکومت کے کئی ذمے دار افسران تھے۔ انہوں نے مائیکل وسکی کو ایک کرسی پر بٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے تاکہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے مائیکل کو اس جگہ سے ہلا نہ سکوں اور اسے اوپری منزل سے کود کر خودکشی کے لیے مجبور نہ کر سکوں۔

تمام افسران باری باری مجھے پکار رہے تھے۔ التجا کر رہے تھے کہ میں مائیکل وسکی کو ہلاک نہ کروں۔ اس اہم شخصیت کو چھیڑنے سے پہلے ذرا ان لوگوں سے باتیں کر لوں۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ انہوں نے ایسے انتظامات کر رکھے تھے کہ میں مقررہ وقت پر اسے ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا ان سے باتیں کر کے ذرا وقت ضائع کر کے اپنے چیلنج پر عمل کرنے کا راستہ ڈھونڈنا پڑا۔

میں نے ایک افسر کی زبان سے کہا "میں فرہاد علی تیمور موت بن کر آ چکا ہوں۔"

وہ سب فوجی انداز میں الرٹ ہو گئے۔ ایک افسر نے کہا۔ "یور ہائی نس فرہاد علی تیمور! ہم آپ کی علیحدہ مملکت کو تسلیم کرتے ہوئے فوجی سیلوٹ ادا کرتے ہیں۔"

تمام لوگ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ وہ فوجی سلام پیش کرنا چاہتے تھے۔ میں نے اس افسر کو لڑکھڑانے پر مجبور کیا۔ وہ فرش پر گرتے گرتے سنبھل گیا۔ میں نے کہا "تمہارے ماسک مین کے بھیجے ہوئے کتے مجھے نوچ لیتے تو آج تم جشن مناتے۔ میں دوستی کا ہاتھ قبول کرتا ہوں۔ دشمنوں کا مجبوراً سلام قبول نہیں کرتا۔"

افسر نے کہا "ہم سے ایک غلطی ہو گئی۔ بڑے بڑے حکمراں ایسی سیاسی غلطیوں کو نظر انداز کر کے مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہیں بگڑے ہوئے دشمنوں کو دوست بنا کر اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں آپ ایک عظیم حکمراں ہیں۔ آپ ایک..."

میں نے سخت لہجے میں کہا "میں اپنی تعریف سننا نہیں چاہتا مجھے تم جیسوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی عادت نہیں ہے میرا سخت قانون تم لوگوں کو ہمیشہ یاد رہے گا کہ میں معافی کی گنجائش نہیں رکھتا ہوں۔ تم سب کی بہتری اسی میں ہے کہ مائیکل وسکی کو خود گولی مار دو۔ اس کی موت اٹل ہے۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں یہ اطلاع بھی ملے گی کہ سپر ماسٹر کی وہ آبدوز جو بحر اوقیانوس میں تھی اسے میں نے تباہ کر دیا ہے۔"

وہ سب سہمی ہوئی نظروں سے اُس افسر کو دیکھ رہے تھے جس کی زبان سے میں بول رہا تھا۔ گویا وہ لوگ اس افسر کی صورت میں نادیدہ فرہاد کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس بات کی خوشی ہو سکتی تھی کہ میں نے ان کے دشمن سپر ماسٹر کی کمر توڑ دی۔ لیکن ایک اہم سیاسی شخصیت کی ہونے والی موت ان کی بھی کمر توڑنے والی تھی۔

آخر میں مائیکل وسکی نے کہا "یور ہائی نس فرہاد علی تیمور! مجھے ایک دن مرنا ہے۔ آپ کی ضد بتا رہی ہے کہ وہ آج ہی کا دن ہے۔ آفیسر! میرے ہاتھ پاؤں کھول دو۔ تم میں سے کوئی مجھے بچا نہیں سکتا۔ میں ہز ہائی نس کی مرضی کے مطابق جان دوں گا۔"

وہ لوگ ہچکچانے لگے۔ مگر میں جس افسر کے دماغ میں تھا اس نے آگے بڑھ کر مائیکل وسکی کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ وہ آزاد ہو کر بولا "یور ہائی نس! ٹیلی پیتھی اور ملکی سیاست میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعہ دنیا کو زیر کر سکتے ہیں۔ ایک ڈکٹیٹر بن سکتے ہیں۔ اگر کبھی ٹیلی پیتھی میں کوئی کمزوری پیدا ہو جائے یا آپ اور ہز ہائی نس ربونتی اپنی عمر گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو آپ دونوں کے بعد سیاسی دانشمندی ہی کام آئے گی اور اس [illegible] کام آئے گی کہ آپ دونوں ابھی سے سیاسی سمجھوتہ بازی سے کام [illegible] کریں تاکہ تمام ممالک آپ کے بعد بھی آپ کے ملک کے دوست بنے رہیں۔"

وہ واقعی ذہین سیاست داں تھا۔ مجھے بڑے پتے کی بات سمجھا رہا تھا۔ یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ میری اولاد بھی ٹیلی پیتھی سیکھ سکے۔ یہ گھر کی کھیتی نہیں ہے کہ ہمارے بچے بھی اس کھیتی سے اگائیں گے۔ ٹیلی پیتھی ایسی ہی آسان ہوتی تو نسل در نسل چلتی۔ وسکی درست کہہ رہا تھا۔ ہم جو مملکت قائم کر رہے تھے اگر ہم سیاست داں نہ بنتے تو میرے اور ربونتی کے بعد وہ مملکت قائم رہتی اور سیاست داں بننے کے لیے مصلحت اندیشی سیکھنا لازمی تھا۔

مائیکل وسکی نے کہا "ہم بڑے ممالک کبھی ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے ہیں، کبھی مصلحت اندیشی سے کام لے کر دوستانہ معاہدے کرتے ہیں۔ جب آپ اپنے ملک کی باگ ڈور سنبھالیں گے تو میری باتیں آپ کی سمجھ میں آئیں گی۔ یور ہائی نس! میرے ملک کی طرف سے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ ہم اپنی اس سیاسی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔ آپ انتقام کا ارادہ کرنے میں حق بجانب ہیں۔ میں مرنے سے پہلے آپ کو مصلحت اندیشی کا مشورہ دیتے ہوئے دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ آپ صرف ایک بار ہماری دوستی پر اعتماد کریں۔ ہمارا ملک سب سے پہلے اخبارات ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعے اعلان کرے گا کہ ہم نے آپ کی علیحدہ مملکت کو تسلیم کر لیا ہے۔ سب سے پہلے ہم آپ کی مملکت کا پرچار کریں گے۔"

میں نے افسر کی زبان سے کہا "مسٹر مائیکل وسکی! آپ نے مجھے متاثر کیا ہے۔ میں دلی مسرت کے ساتھ آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

میں نے مصافحہ کے لیے افسر کا ہاتھ بڑھایا۔ مائیکل وسکی نے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "ہماری دوستی پائیدار رہے گی ہمارے ہاتھ ہمیشہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں رہیں گے۔ آج سے آپ کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ میں آپ کو اور ہز ہائی نس ربونتی کو زندہ باد اور آپ کی مملکت کو پائندہ باد کہتا ہوں۔"

تمام افسران پُرجوش انداز میں نعرے لگانے لگے۔ مائیکل وسکی نے پوچھا "کیا آپ نے اپنی مملکت کے لیے کسی علاقے کا انتخاب کیا ہے؟"

میں نے جواب دیا "انشاء اللہ آج شام تک ہم انتخاب کر لیں گے۔ آج کی پریس کانفرنس میں آپ اپنے ملک کے صحافیوں کو ضرور شریک کریں۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ ہم آپ کے ہر معاملہ میں پیش پیش رہیں گے اور میں سب سے پہلے آپ کو اور ہز ہائی نس کو اپنے ملک کا دورہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

"میں دعوت قبول کرتا ہوں۔ ہماری مملکت کا قیام عمل میں آتے ہی ہم دورے کی تاریخ مقرر کریں گے۔ اچھا اجازت دیجئے۔ انشاء اللہ پھر کبھی رابطہ قائم کروں گا۔"

ان لوگوں نے بڑے ہی خلوص اور محبت بھرے کلمات ادا کرتے ہوئے مجھے رخصت کیا۔ میں ذہنی طور پر ثمینہ کے کاٹیج میں حاضر ہو گیا۔ سامی میری گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا "اوہ سوری سامی! میں نے ابھی تک تمہیں کھانے پینے کے لیے نہیں پوچھا مگر کھاؤ گی کیا؟ ثمینہ ابھی کھانے پینے کا سامان خریدنے بازار گئی ہے۔"

کہتے ہیں کہ شیطان کا نام لو تو وہ حاضر ہو جاتا ہے ثمینہ اسی وقت کاٹیج میں داخل ہوئی۔ مجھ سے بولی "بھیا! میں نے پورے دو سو ڈالر کا سامان خریدا ہے۔ باہر گاڑی میں سارا سامان رکھا ہے آپ ذرا اٹھا کر اندر لے آئیں۔"

پھر اس کی نظر سامی پر پڑ گئی۔ وہ حیرانی سے بولی "ارے یہ تو وہی بلی ہے۔ وہ مسلح دشمن شاید اسی بلی کے ذریعہ فرہاد کو تلاش کر رہے تھے۔"

میں نے کہا "ہاں یہ فرہاد کی پالتو بلی ہے۔ اپنے مالک کو میک اپ میں بھی پہچان لیتی ہے۔"

"آپ کیسے جانتے ہیں اس بلی کے بارے میں؟"

"ابھی مسٹر فرہاد میرے دماغ میں آئے تھے، انہوں نے بتایا ہے۔"

"سچ؟" وہ جلدی سے میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"ہاں وہ کہہ رہے تھے کہ یہ بلی ان کی وفادار ساتھی ہے۔ ہمارے پاس امانت کے طور پر رہے گی۔ اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھا جائے۔"

"میں تو دن رات اس کا خیال رکھوں گی۔"

ثمینہ نے خوش ہو کر سامی کو گود میں لینے کے لیے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ اس سے پہلے کہ سامی انکار کرتی میں نے اسے پچکار کر کہا۔ "جاؤ سامی! یہ فرہاد کا حکم ہے کہ تمہیں ثمینہ کے پاس بھی رہنا چاہیے۔"

وہ اس کی گود میں چلی گئی۔ اس نے کہا "ہائے سامی کتنا پیارا نام ہے۔ اب آپ جائیے گاڑی سے سامان لے آئیے۔"

"میں سامان اٹھانے کا کام نہیں کرتا۔ طورا تیور کو ایک ڈالر دے دو، وہ لے آئے گا۔"

"بھیا! آپ تو سدا کے کام چور ہیں۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی سامی کو اٹھا کر باہر جانے لگی۔ میں نے کہا "ٹھہرو۔ فرہاد نے کہا ہے کہ سامی کو گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے ورنہ تاک میں رہنے والے دشمن سمجھ لیں گے کہ فرہاد نے ہمارے کاٹیج کو اپنی پناہ گاہ بنایا ہے۔"

وہ سر ہلا کر بولی "ہاں۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ اس بلی کو باہر نہیں جانا چاہیے۔ لعنت ہے دشمنوں پر..."

وہ سامی کو میرے پاس چھوڑ کر باہر چلی گئی۔ میں نے ربونتی کو مخاطب کیا۔ اسے خوشخبری سنائی کہ ماسک مین کے حکمراں نے ہماری علیحدہ مملکت کو تسلیم کر لیا ہے۔ میں نے مائیکل وسکی سے ہونے والی باتیں تفصیل سے بتائیں۔ وہ خوش ہو کر بولی "آج کا دن یادگار بن کر رہے گا۔"

میں نے کہا "دن سے زیادہ آج کی رات اہم ہے۔ ابھی دوسرے ممالک گھٹنے ٹیکنے والے ہیں۔ آج کی رات کل ہمارے لیے نئی مملکت کا آفتاب طلوع کرے گی"۔

رسونتی نے کہا "مریم جغرافیہ کی ایک کتاب پڑھ رہی ہے وہ شام تک کوئی اچھا مشورہ دے سکے گی"۔

"ٹھیک ہے۔ آج رات آٹھ بجے ہم اپنی اپنی جگہ دنیا کا نقشہ لے کر بیٹھیں گے اور کسی علاقہ کا انتخاب کریں گے"۔

"فرہاد! وسنتی شکایت کر رہی تھی کہ تم اسے بھول گئے ہو۔ اس سے ذرا باتیں کر لو"۔

"بھئی اسے سمجھاؤ، فرصت ملے گی تو باتیں ہی باتیں ہوں گی تم دیکھ رہی ہو کہ میں صبح سے کتنے محاذوں پر جا رہا ہوں۔ ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ اب میں ذرا سپر ماسٹر کی پریشانیاں دیکھنے جا رہا ہوں"۔

رسونتی سے رخصت ہو کر پہلے میں نے شرلاک کو دیکھا۔ وہ، بے بی اور رعنا جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے لیے مختلف کتابیں پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا "آج رات آٹھ بجے ہم اپنی اپنی جگہ نقشہ لے کر بیٹھیں گے اور تمام کی متفقہ رائے سے ایک علاقے کا انتخاب کریں گے"۔

وہاں ممی بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ مجھے دعائیں دے رہی تھیں۔ وہاں سب ہی خوش نظر آ رہے تھے۔ ایک نئی مملکت کے سلسلے میں دلچسپ بحث کر رہے تھے۔ میں مسکراتے ہوئے ان لوگوں سے رخصت ہو کر جونیئر سپر ماسٹر کے پاس پہنچا۔ وہ میز پر جھکا ہوا ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ کچھ دیر پہلے وہ فائل سپر ماسٹر نے بھیجا تھا۔ اس فائل میں آبدوز کی تباہی کا ذکر تھا۔ اس تباہی کے پیش نظر نئے احکامات جاری کیے گئے تھے۔

وہ کچھ یوں تھے کہ فرہاد اور رسونتی کو اب قطعی نہ چھیڑا جائے۔ تمام ممالک کے ماسٹروں خصوصاً بنکاک کے ماسٹر بھوانی زلبیت رائے کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ فی الحال اپنی تمام سرگرمیاں ختم کر دے۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے ہزار پردوں کے پیچھے پہنچ جاتے ہیں لہٰذا اب یہ سمجھنا نادانی ہے کہ وہ دونوں ہماری کسی خفیہ چال کو نہیں سمجھ سکیں گے۔

دو ناقابل برداشت نقصانات اٹھانے کے بعد سپر ماسٹر میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ مزید کوئی نقصان برداشت کر سکتا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ اس کے ملک کے پریس رپورٹرز بنکاک میں فرہاد علی تیمور کی پریس کانفرنس میں شرکت کریں۔ اور نو بجے تھائی لینڈ کے انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل کے ذریعہ فرہاد اور رسونتی کی نئی مملکت کو تسلیم کیا جائے اور اپنے ملک کی طرف سے ہر طرح کی امداد کی پیش کش کی جائے۔ کوشش یہ ہونا چاہیے کہ فرہاد پچھلی دشمنی کو بھول کر ہماری دوستی پر اعتماد کرے۔

میں نے خوش ہو کر ایک زوردار انگڑائی لی۔ ہر طرف کامیابی میرے قدم چوم رہی تھی۔ سامی نے کہا "میاؤں"۔

میں نے اسے سہلاتے ہوئے کہا "اچھا تم مجھے مبارکباد دے رہی ہو۔ سامی میری جان! میں بہت عرصہ تک زندگی کی دھوپ میں جلتا رہا۔ میرا کوئی گھر نہیں تھا جس کے دروازے پر میری کوئی چاہنے والی انتظار کرتی ہو۔ اب میرا ایک ملک ہوگا اور وہاں ایسا عالیشان محل ہوگا جس کے ایک دروازے پر رسونتی میرا انتظار کرے گی دوسرے دروازے پر رعنا خوش آمدید کہے گی۔ تیسرے دروازے پر سونیا۔۔۔"

ایک دم سے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے اپنی مصروفیات میں سونیا کو بھلا دیا ہے۔ اس دوران کئی بار سوچا کہ اس سے رابطہ قائم کروں۔ اس کی اور جمی (بایونک مین) کی خیریت دریافت کروں لیکن کسی کی خیریت پوچھنے کی رسم فرصت میں ہی ادا کی جاتی ہے۔ اب میرے سامنے ایک نئی مملکت کے مسائل تھے۔ آئندہ بھی فرصت پانے کی امید نہیں تھی۔ لہٰذا میں نے اسی وقت سونیا سے ملنے کا تھوڑا سا وقت نکال لیا۔

سونیا اور جمی پیرس کے خوبصورت شہر میں تھے لیکن ایک چھوٹے سے کاٹیج میں قیدی کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے۔ بڑا افسوس ہوا۔ سونیا نے خود ہی یہ کہہ کر مجھ سے کنارہ کشی اختیار کی تھی کہ جب تک جمی صحت یاب نہیں ہوگا، وہ میری کسی مہم میں شریک نہیں ہوگی۔ اس کے اس فیصلے کے پیش نظر میں اپنی موجودہ مہمات سے فارغ ہو کر ہی اس سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ بہرحال جب میں سونیا کے پاس پہنچا تو وہ کچن میں تھی اور جمی کے لیے چکن سوپ تیار کر رہی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کرنے سے پہلے چپ چاپ اس کے ذہن کو کریدنا شروع کیا۔ پتہ چلا کہ جن دنوں جمی کراچی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج تھا ان دنوں سپر ماسٹر کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ (جمی) کو پیرس کے سب سے بڑے ہسپتال میں پہنچایا جائے اور اس کے علاج پر خصوصی توجہ دی جائے۔ جمی نے تنہا پیرس جانے سے انکار کیا۔ وہ سونیا کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اس طرح بات کھل گئی کہ وہ سونیا پر ہزار جان سے عاشق ہے اور یہ عشق سپر ماسٹر کے منصوبے کے خلاف تھا کیونکہ جمی اس طرح سونیا کے ناطے سے فرہاد کا دوست بن جاتا۔

جمی کو بایونک مین بنانے کے سلسلے میں۔۔۔ کثیر رقم خرچ کی گئی تھی۔ ورنہ سپر ماسٹر اسے ختم ہی کر دیتا۔ لہٰذا مصلحتاً (سونیا کو) اس کے ساتھ پیرس بھیج دیا گیا۔ اس مصلحت اندیشی کے تحت (وہ کیا) چاہیں تھیں۔ یہ ابھی میں نہیں جانتا تھا۔ ہاں یہ سمجھ سکتا تھا کہ جمی کا عشق ختم کرنے کے لیے سونیا کو قتل کیا جا سکتا تھا۔ سپر ماسٹر کے سازشی منصوبے جو بھی رہے ہوں، وہ سب آبدوز کی تباہی سے پہلے تھے۔ اب وہ سونیا اور جمی کے خلاف بھی کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

سونیا چکن سوپ ایک پیالے میں انڈیل کر پھر وہ پیالہ اور چمچہ لے کر کچن سے باہر آئی۔ کاٹیج کی ایک خواب گاہ میں داخل ہوئی جمی آنکھیں بند کیے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے سر اور بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ سونیا بستر کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ فرطِ محبت سے اسے دیکھنے لگی کیونکہ جمی صورت اور سراپے کے اعتبار سے مکمل فرہاد تھا۔ سونیا ایسا ہی فرہاد چاہتی تھی، جو اس کے ساتھ گھر کی چار دیواری میں رہے اُس کا اور صرف اس کا رہے۔ وہ بیمار ہو تو وہ راتیں جاگ جاگ کر اس کی خدمت کرے۔ اس کی دوا اور خوراک کا خیال رکھے۔ اب اس کی یہ آرزو پوری ہو رہی تھی۔ فرہاد اس کی خدمات حاصل کرنے کیلئے بیمار پڑا تھا۔ پتہ نہیں یہ عورتیں کیوں چاہتی ہیں کہ مرد اپاہج ہو، یا دائمی مریض ہو، یا پھر کسی نہ کسی طرح بیوی کی توجہ اور خدمات کا محتاج رہے؟

اس نے چکن سوپ کے پیالے کو بستر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ پھر اس کے پاس بیٹھ کر بڑے پیار سے اس کا سر سہلانے لگی۔ جمی نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ دونوں ہاتھ بڑھا کر اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر کہا "سونیا! تم نہ ہوتیں تو میں کب کا مٹی میں مل چکا ہوتا۔ یہ نئی زندگی صرف تمہارے نام ہے"۔

یہ کہتے ہی اس نے سونیا کو اپنے قریب کھینچ لیا۔ اس کے چہرے کو اپنے چہرے پر جھکا لیا۔ پھر میرا دل صدمہ سے ڈوبنے لگا۔ ایسے جیسے میرے سینے میں اَن دیکھا خنجر پیوست ہو گیا ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ جمی کی قربت میں اتنی دور تک بہک جائے گی۔

بہک جانے کی بات میں نے غلط کہہ دی۔ اس لیے کہ وہ نادان نہیں تھی۔ اس نے پورے دل و جان سے جمی کو قبول کیا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے دور ہو گئی ہے۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ فرہاد کی آغوش میں ہے۔ فرہاد کے سینے پر اس کا سینہ دھڑک رہا تھا، اور فرہاد کے بوسے پر اس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے۔ وہاں اس کے جذبات کی نگری میں، میں ہی میں تھا، اور یہاں (میں) سونیا کی ذات سے خالی ہو چکا تھا۔

میں نے خیال خوانی ختم کر دی۔ ثمینہ کے کاٹیج میں واپس آ گیا میرا سر دکھ رہا تھا۔ میرا دل دکھ رہا تھا۔ میں نے ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ کبھی کسی خواہش کی تکمیل سے محروم نہیں رہا۔ آج زندگی میں پہلی بار سونیا جیسی عزیز ہستی سے محروم ہو گیا تھا۔ وہ زندہ تھی مگر میرے لیے مر چکی تھی اور دل اس کی موت اور اس سے محرومیت کو تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ ہر خواہش کی تکمیل نے میرے دل کو عادتاً بگاڑ دیا تھا۔ اس لیے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سونیا نے میری جگہ کسی اور کو دے دی ہے۔

دنیا کی کوئی جگہ کسی کے بغیر خالی نہیں رہتی۔ ہم مرنے کے بعد جو جگہ چھوڑ جاتے ہیں، وہاں کوئی دوسرا آ جاتا ہے۔ انسان کے دل سے بھی کوئی جاتا ہے تو دوسرا پیار کرنے والا آ جاتا ہے۔ میرے دماغ نے سوال کیا "فرہاد! تم سونیا کے دل سے کیسے گئے؟"

میں نے جواب دیا "میری طویل جدائی نے مجھے اس کے دل سے نکال دیا۔"

"یہ غلط ہے" میرے دماغ نے سمجھایا "طویل جدائی کے باوجود عورت اپنے مرد کی جگہ کسی کو نہیں دیتی۔ اگر عورت کو صرف اتنا یقین دلا دیا جائے کہ اس کا مرد صرف اس کا ہے اور وہ دوسری عورتوں کی جوانیوں میں اپنی عورت کو نہیں بھلائے گا۔ سونیا کو مایوس کرنے والے، سونیا کے اعتماد کو قتل کرنے والے تم ہو"۔

میں نے بستر پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔ تب میری چھٹی حس نے بتایا کہ میرے اندر رسونتی بول رہی ہے۔ جب میں پہچان گیا تو وہ بولی "ہاں فرہاد! اگر میں غلط کہہ رہی ہوں تو جواب دو۔ سونیا تمہاری خاطر جان دینے کے لیے تیار رہتی تھی۔ اسے مایوس اور بددل کس نے کیا؟"

میں نے شکست خوردہ انداز میں کہا "میں نے کیا۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی سے ساری زندگی ساتھ نبھانے کا وعدہ کر سکوں۔ وعدہ کیا تو وہ بھی کبھی پورا نہ ہوگا"۔

"تم چاہو تو ضرور پورا ہوگا"۔

"میرے چاہنے سے میرے حالات میرے دشمن نہیں بدل سکتے۔ تم کیا سمجھتی ہو؟ کیا میں شرافت سے ایک جگہ گھر بنا کر زندگی گزاروں تو یہ بڑی بڑی خطرناک تنظیمیں میری شرافت کا یقین کر لیں گی؟ یہ تنظیمیں کبھی مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیں گی"۔

"ہم اور تم اپنے نئے ملک میں سکون سے رہ سکیں گے۔ اب تو بڑے بڑے ممالک ہم سے خوفزدہ ہیں، وہ دوست بن کر رہیں گے۔ دشمنی کی جرأت نہیں کریں گے"۔

"رسونتی! یہ تمہاری نادان سوچ ہے کہ خوفزدہ رہنے والے ہماری جیسی ہستیوں کو ہمیشہ اپنے سر پر مسلط رکھیں گے۔ اس نئی مملکت کا قیام اس لیے عمل میں آ رہا ہے کہ ہم اپنے لیے ایک زبردست محاذ بنا کر رکھیں۔ تمہارے رشتے دار اور ہمارے دوسرے احباب۔۔۔ محفوظ رہ سکیں مگر وہاں میرا اور تمہارا پرسکون رہنا

ممکن نہیں ہے۔ آتے دن نئے مسائل اور مصائب سامنے آئینگے۔"

"فرہاد! تم ابھی سے میرے دل میں اندیشے پیدا کر رہے ہو۔"

"تمہاری صلاحیتوں کے آگے تمام اندیشے پانی ہو جائیں گے۔ صرف ایک اندیشہ باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ جس طرح حالات نے مجھے سونیا سے دور رکھا۔ اسی طرح تم سے بھی مجھے دور رکھ سکتے ہیں۔"

"میں ٹیلی پیتھی کے سہارے تمام حالات سے گزر کر پھر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

"تم ٹیلی پیتھی کے سہارے تقدیر سے نہیں لڑ سکو گی۔"

"تم میرا دل دکھانے والی باتیں کر رہے ہو۔"

"اپنے تجربات بیان کر رہا ہوں۔ سونیا، رُخمانہ اور تم دل و جان سے مجھے چاہنے والی ہستیاں ہو مگر میری چاہت ایسی ہے کہ اپنی چاہنے والیوں پر جان دینے کے باوجود میں ہمیشہ ساتھ نہیں رہ سکتا۔ تم نے ابھی صرف دل ہارا ہے۔ میری آغوش میں آکر اپنی جوانی ہارنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو رسونتی کہ بعض اوقات تقدیر ٹیلی پیتھی کو ٹھوکروں میں اڑاتی ہے۔ خدا نہ کرے کبھی تم بھی سونیا کی طرح مایوس ہو سکتی ہو۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو۔"

"تم ٹیلی پیتھی کے ذریعہ میرے چور خیالات پڑھ سکتی ہو۔ میرے دل میں چور نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنانے کے لیے بڑی بڑی آزمائشوں سے گزر سکتا ہوں جیسا کہ سونیا اور رُخمانہ کے ساتھ ہر آزمائش سے گزرتا آ رہا ہوں۔ میں تو تمہیں اچھی طرح سوچنے سمجھنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ مجھے اپنے آپ پر اعتماد ہے کہ میں تمہارے ساتھ ساری عمر گزار دوں گا اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ حالات میرے آج کے وعدہ کو پورا نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ تائید کرتے ہوئے بولی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم اور تم تقدیر سے نہیں لڑ سکتے۔ پتہ نہیں آئندہ حالات کیا ہوں گے؟ مجھے واقعی سوچ سمجھ کر تمہاری طرف بڑھنا چاہیے۔ میں اپنے دل کو سمجھانے جا رہی ہوں کاش یہ دل عقل کی بات سمجھ لے۔۔۔"

"دل سمجھتا ہے جب ٹھوکر لگتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کبھی تمہیں ٹھوکر کا احساس ہو۔"

مجھے جواب نہیں ملا۔ وہ جا چکی تھی۔ میں نے سوچا، اُسے مخاطب کروں مگر اسے مخاطب کرنا گویا اپنی محبت کی طرف بلانا تھا سونیا کی طرح اسے بھی فریب دینا تھا۔ میں فریبی ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ایسی ٹوٹ کر پیار کرنے والی ہستی کو فریب دوں۔ آج رسونتی کا دل ٹوٹنے سے وہ خوب رو دے گی آج رو لینا ٹھیک ہے۔ دل کا غبار دُھل جائے گا ورنہ بعد میں پچھتاوے کے آنسو ساری عمر بہتے رہیں گے۔ ٹھیک ہے۔ ابھی دو گھڑی کا رونا ٹھیک ہے۔"

میں سوچتے سوچتے تھک گیا۔ سوچا کہ اب کچھ نہیں سوچوں گا۔ آنکھیں بند کیے خاموش پڑا رہوں گا لیکن آدمی جب تک زندہ رہتا ہے تب تک اس کا دماغ سوچ سے خالی نہیں ہوتا۔ سونیا بہت یاد آ رہی تھی۔ میرے دماغ نے سمجھایا کہ میں اس کی جدائی کو مردانہ وار برداشت کروں۔ اب اس کی خوشی میں خوش رہنا بہتر ہوگا۔

میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ اپنے اندر سونیا کی کمی سے لڑتا رہا۔ پھر میں نے سپر ماسٹر کے ایک نمائندہ کو مخاطب کیا۔ "ہیلو مسٹر! میں فرہاد بول رہا ہوں۔ میرا ضروری پیغام اپنے سپر ماسٹر تک پہنچاؤ۔"

وہ بولا۔ "یور ہائی نس! میں سوچ ہی رہا تھا کہ کسی طرح آپ سے رابطہ قائم ہو جائے۔ میں آپ کو خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔ سپر ماسٹر نے آپ کی علیحدہ مملکت کو تسلیم کر لیا ہے۔ تم اپنے ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے ہر طرح کی امداد دینے کے لیے تیار ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میں اس قسم کی باتیں کرنے کے لیے وقت مقرر کر چکا ہوں۔ ابھی میرا ایک حکم نامہ سپر ماسٹر کے نام جاری کر۔ وہ یہ کہ آدھ گھنٹے کے اندر جمی اور سونیا پر سے پہرہ اٹھا دیا جائے اور پیرس کے معروف اور تجربہ کار ڈاکٹر، جمی کے علاج کے لیے مقرر کیے جائیں۔ اگر ان دونوں کی آئندہ نگرانی کی گئی اور جمی کے علاج میں ذرا بھی کوتاہی ہوئی تو تمہارے ملک کو تیسرا ناقابلِ برداشت نقصان پہنچے گا۔ چلو فوراً پیغام پہنچاؤ۔"

وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے ملک کی وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی میرا حکم سنایا گیا۔ وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری نے اس سے پوچھا۔ "کیا آپ نے فرہاد ہماری دوستی کا پیغام دیا تھا؟"

"جی ہاں۔ وہ کہتے ہیں اس سلسلہ میں مقررہ وقت پر باتیں ہوں گی۔ بہتر ہے کہ آدھ گھنٹے کے اندر حکم کی تعمیل ہو جائے۔"

سیکرٹری نے پیرس کے ماسٹر سے رابطہ قائم کیا۔ اسے حکم دیا ... جمی اور سونیا پر سے پہرہ اٹھایا جائے اور وہ ماسٹر خود اسی وقت ... معروف اور تجربہ کار ڈاکٹروں کو لے کر جمی کی رہائش گاہ پر جائے ... نرسوں اور ملازموں کا معقول انتظام بھی ہونا چاہیے۔ ہم انسان ... ہیں۔ جب تک سر پر ڈنڈا نہ برسے ہم دوسرے انسان کے کام نہیں آتے۔ بہر حال ایک ملک سے دوسرے ملک تک رابطہ قائم ... کے ایسے ذرائع تھے کہ آدھ گھنٹے کے اندر پیرس کا ماسٹر ایک ... تجربہ کار ڈاکٹر ایک نرس، ایک ملازمہ اور ایک ملازم کو لے کر ...

پہنچ گیا۔ اس نے سونیا سے کہا۔ "میں یہاں پیرس میں تنظیم کا ماسٹر ہیری اولڈمین ہوں۔ اب آپ دونوں پر سے تمام پابندیاں اٹھا دی گئی ہیں۔ جلدی میں صرف ایک ہی ڈاکٹر مل سکا۔ اگر آپ چاہیں گی تو میں ایک گھنٹے کے اندر پیرس کے تمام تجربہ کار ڈاکٹروں کو یہاں لے آؤں گا۔"

سونیا خوش تھی کہ اب جمی کا باقاعدہ علاج ہوگا لیکن اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ ہم پر اچانک مہربانیاں کیوں ہو رہی ہیں؟"

ماسٹر اولڈمین نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں مادام! بس سپر ماسٹر کا یہی حکم ہے۔"

وہ بولی۔ "اس حکم کے پیچھے ضرور کوئی بدمعاشی ہوگی۔"

"بائی گاڈ بالکل نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہز ہائی نس فرہاد علی تیمور سے دوستی ہو گئی ہے۔"

سونیا نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم فرہاد کو ہز ہائی نس کہہ رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ کیا ہز ہائی نس نے آپ کو نہیں بتایا کہ وہ ایک علیحدہ مملکت کے حکمراں بن رہے ہیں؟"

سونیا نے اچانک ہی قہقہہ لگایا۔ "فرہاد اور حکمراں بنے ہاہاہاہا۔ جو کبھی اپنا ایک گھر نہیں بنا سکتا، وہ ملک بنائے گا ہاہاہاہا ارے تم سب الّو بن رہے ہو۔ فرہاد کو فرہاد ہی رہنے دو۔ اسے ہز ہائی نس کہو گے تو وہ کارٹون لگنے لگا۔ ہاہاہاہا۔۔۔"

میں اپنا سر کھجانے لگا۔ ساری دنیا میں وہی ایک عورت تھی جو مجھے مذاق بنا کر قہقہے لگا سکتی تھی۔ ماسٹر اولڈمین نے کہا۔ "مادام! آپ مذاق سمجھ رہی ہیں۔ تمام ممالک کے اخبارات کل خصوصی ایڈیشن شائع کرنے والے ہیں۔ وہ تنہا نئی مملکت قائم نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہر ہائی نس رسونتی دیوی ہیں۔"

سونیا ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "وہ بے چاری ہر ہائی نس سر پکڑ کے روئے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے جمی کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر اس کا معائنہ کرتے ہوئے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ سونیا مطمئن ہو کر کچن کی طرف جانے لگی تب میں نے اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو سونیا! کارٹون آگیا۔"

وہ ایک کمرے سے گزر رہی تھی، فوراً ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا تھا۔ میں نے آہستگی سے پوچھا۔ "کیا میری آواز پر دل دھڑک رہا ہے؟"

وہ بولی۔ "دھڑکنوں پر نہ جاؤ۔ یہ ایک فطری امر ہے۔ کوئی بچھڑا ہوا رشتہ اچانک مل جاتے تو ہر انسان کی یہی حالت ہوتی ہے۔ یہ دھڑکنیں وقتی ہیں۔ ابھی قرار آجائے گا۔ مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ تم نے میرے جمی کے علاج کے لیے سہولتیں فراہم کی ہیں۔"

"میرے سامنے تمہارے جمی کی حیثیت ثانوی ہے۔ میں نے تمہاری خوشیوں کے لیے سہولتیں فراہم کی ہیں۔ سونیا! ہمارا جسمانی رشتہ ختم ہوا ہے۔ دوستی اور محبت ختم نہیں ہو سکتی۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر کرب سے کہا۔ "ہاں۔ میں آج بھی تمہارے لیے جان دے سکتی ہوں۔ جمی کو اپنا بنا کر یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ ہندو دھرم میں لوگ پتھر کو بھگوان بنا کر اس کے قدموں میں کیوں جھکتے ہیں؟ اس لیے کہ بھگوان دور دور رہتا ہے۔ جمی سدا میرے پاس رہے گا۔"

"سونیا! مجھے تمہاری جسمانی جدائی کا بہت دکھ ہے ساتھ ہی اپنی غلطی کو بھی سمجھ رہا ہوں۔"

"اگر سمجھ رہے ہو تو میرا ایک مشورہ مان لو۔"

"ضرور مانوں گا، بولو۔"

وہ بولی۔ "تم کسی ایک جگہ ٹھہر جانے والے بندے نہیں ہو۔ یہ بات رسونتی کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دو، ورنہ وہ اپنا کنوار پن تمہیں سونپنے کے بعد تمہاری زبردست پہریدار بن جائے گی۔ اس وقت تمہارے دماغ پر اس کی حکمرانی تمہیں گراں گزرے گی تم ایک عورت کی برتری اور اس کی روک ٹوک کو برداشت نہیں کرو گے۔ انجام کار تمہارے اور رسونتی کے درمیان زبردست دشمنی شروع ہوگی بہتر ہے کہ شروع میں ہی اس سے دو ٹوک باتیں کرو کہ تم ساری عمر کسی کو شریکِ حیات بنا کر پابند نہیں رہ سکتے۔"

"سونیا! میں نے ہمیشہ تمہاری ذہانت کو تسلیم کیا ہے۔ تم بالکل درست کہہ رہی ہو۔ رسونتی شریکِ حیات بن کر میرے دماغ پر حاوی ہو جائے گی۔ میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے رسونتی کو سمجھایا ہے کہ میرے حالات مجھے ہرجائی بنا دیتے ہیں۔ اسے میری طرف بڑھنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہیے۔ مگر وہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں اس سے کبھی بچھڑ جاؤں گا تو وہ اپنی ٹیلی پیتھی کے سہارے میرے پاس پہنچ جائے گی۔"

سونیا ہنستی ہوئی بولی۔ "کبھی میں بھی ایسی ہی دیوانی تھی۔ سمجھتی تھی کہ میرے پیار کا مقناطیس تمہیں میرے ہی پاس کھینچے رکھے گا۔ پھر میں نے تمہاری جدائی کو برداشت کرنا سیکھ لیا، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ دو بدن تمہارے بچوں کی مائیں بن رہی ہیں تو میں غصہ سے سُلگ اٹھی۔ میں نے عام عورتوں کی طرح سوچا کہ مجھ میں کوئی کمی تھی۔ اس کمی کو دو بدن نے پورا کیا ہے۔ میرے مقابلہ میں دو بدن نے تمہیں جیت لیا ہے۔ پھر بعد میں پتہ چلا کہ وہ بھی تمہیں جیت نہ سکیں۔ میں نے ایک بدن کی موت کی خبر سنی ہے۔ تمہارے بچے پیدا ہونے سے پہلے نابود ہو گئے، اور تم ویسے کے ویسے ہی ہرجائی رہے۔ تب میری سمجھ میں آیا کہ مجھ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ تمہاری فطرت

ہی ایسی ہے۔"

میں نے کہا۔" ہاں یہ بات ابھی رسونتی کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

وہ بولی۔" اگر اس نے سمجھداری سے کام نہ لیا تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ پھر وہ ایک طرف پچھتائے گی اور دوسری طرف ٹیلی پیتھی کے ذریعہ تمہیں غلام بنائے رکھنے کی کوشش کرے گی تمہیں ایسے ہی انجام سے دو..."

"تمہیں یاد ہے رسونتی پر ... میں ایک بار مجھے غلام بنا کر رکھنے کی ناکام کوششیں کر چکی ہے۔ میں دوسری بار یہ موقعہ نہیں دوں گا۔ تمہارا مشورہ میرے ذہن میں نقش رہے گا اب دوسرے موضوع پر گفتگو کرو۔"

میں نے موضوع بدل کر اسے بتایا کہ کس طرح ہم نے تن سنگ اور وسنتی کو رہائی دلا کر بنکاک پہنچایا ہے۔ کس طرح ماسک مین اور سپر ماسٹر کے ممالک کی اہم شخصیتوں کو ٹریپ کرنے کے بعد اپنی نئی مملکت کا مطالبہ منوایا ہے۔ یہ ساری باتیں بتانے کے بعد میں نے سونیا سے کہا۔" سپر ماسٹر کو یقین ہو گیا ہے کہ میں نے تمہارے ذریعہ جمی کو دوست بنا لیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جمی اس تنظیم سے غداری کر رہا ہے۔ سپر ماسٹر میری لاعلمی میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم جمی کے ساتھ ہمارے نئے ملک میں آجاؤ۔"

"ضرور آؤں گی۔ مگر وہ ملک ہے کہاں؟"

"آج شام کو میں، رسونتی، شرلاک، بے بی، رُومانہ اور مریم اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر ٹیلی پیتھی کے رابطے سے دنیا کے نقشے پر ایک علاقہ کا انتخاب کریں گے۔ تم اور جمی بھی بنکاک کے وقت کے مطابق پانچ بجے شام کو دنیا کا ایک نقشہ لے کر بیٹھ جانا۔ میں تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

"اچھی بات ہے، اور کچھ؟"

"وہاں پیرس میں جس چیز کی ضرورت ہو ماسٹر اولڈ مین کو حکم دو۔ اس کا باپ بھی تمہارے حکم کی تعمیل کرے گا۔ اچھا اب چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا۔"

میں نے اس سے رخصت ہو کر خود کو ہلکا پھلکا سا محسوس کیا۔ سونیا سے جسمانی رشتہ ٹوٹنے کے باعث میرے دل میں جو صدمہ اور دماغ پر جو بوجھ تھا وہ بوجھ سونیا کی خوشی میں خوش ہو کر اتر گیا۔ اس کے کام آکر جمی سے رقابت کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ سونیا آج بھی میرے لیے اتنی اہم اور ایسی آزمودہ تھی کہ میں اب بھی آنکھیں بند کر کے اس پر ہر معاملہ میں اعتماد کر سکتا تھا اور ابھی ابھی میں نے فیصلہ کیا تھا کہ نئی مملکت کو ہمیشہ قائم رکھنے کے سلسلے میں سونیا اہم رول ادا کرے گی۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کاٹیج کے ایک بستر پر سامی میرے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔ اس وقت احساس ہوا کہ کمرے میں کوئی اور بھی ہے۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ ثمینہ دروازے پر کھڑی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نظریں چرا کر اس کے دماغ میں جھانکنے لگا وہ سوچ رہی تھی۔" یہ اچانک بھیا کی عادتیں کیسے بدل گئی ہیں۔ ہمیشہ بستر پر اوندھے منہ لیٹے رہتے تھے۔ ادھ کھلی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے رہتے تھے۔ مگر اب یہ گھنٹے بھر سے چاروں شانے چت پڑے ہیں۔ کل تک سگریٹ کا برانڈ کچھ اور تھا۔ اور اب کوئی اور برانڈ پی رہے ہیں۔ اور بلی ان سے یوں لگی ہے جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔ مجھے بس ایسا لگ رہا ہے کہ بھیا ایک دم سے اجنبی بن گئے ہیں۔"

اسے مجھ پر شبہ ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" بھلا میرے بھیا اجنبی کیسے ہو سکتے ہیں اگر اجنبی ہیں تو مجھے آزمانا چاہیے مگر کیسے آزماؤں۔"

وہ سوچنے لگی۔ اسے یاد آیا کہ اس کا امجد بھیا جھینگے کا سالن پسند نہیں کرتا ہے۔ اس نے مجھے مخاطب کیا۔" بھیا! آج میں نے جھینگے کا سالن تیار کیا ہے۔ آپ تو بہت پسند کرتے ہیں۔ کھانا کھا لیجیے..." آجاتے۔"

میں نے کہا۔" مجھے جھینگوں سے نفرت ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ جاؤ میں نہیں کھاؤں گا۔"

اسے اطمینان ہو گیا۔ وہ مسکرا کر بولی۔" میں تو مذاق کر رہی تھی میں نے آپ کی پسندیدہ ڈش بیف برین تیار کیا ہے۔"

یعنی گائے کا مغز پکایا تھا، جو مجھے سخت ناپسند تھا۔ گائے کے سر میں مغز ہوتا تو وہ سیدھی سادی گائے کیوں کہلاتی اپنے بیل کو سینگ نہ مارتی؟ میں نے بہانہ کیا۔" آج میرا پیٹ خراب ہے۔ میں نہیں کھاؤں گا۔ جاؤ سامی تم کھا لو۔"

سامی بھوکی تھی۔ ثمینہ کے ساتھ چلی گئی۔ پچھلی رات میں نے اپنی جیب میں پانچ سو ڈالر چھپا کر رکھ لیے تھے۔ اب ارادہ تھا کہیں باہر جا کر اپنی پسند کا کھانا کھاؤں گا اور کسی طرح سامی کو ساتھ رکھوں گا۔ تاکہ حالات میرے موافق نہ ہوئے اور مجھے دوسری پناہ گاہ کی طرف جانا پڑا تو سامی کا ساتھ نہ چھوٹے۔ میں نے سامی کا انتظار کرنے کے لیے رسونتی سے رابطہ قائم کیا۔ رابطہ قائم نہ ہوا۔ اس نے اپنے دماغ کے دروازے بند کر دیے تھے۔ میں نے اسے دانشمندی سے غور کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ ناراض ہو گئی۔ ایسے وقت جبکہ ہم ساری دنیا کے لیے ایک علیحدہ مملکت قائم کر رہے تھے۔ تو یہ ناراضگی اور آپس کے اختلافات نقصان دہ ثابت ہو سکتے تھے۔

ناراضگی دور کرنا ضروری تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر مریم کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔

تب پتہ چلا کہ رسونتی رو رہی تھی۔ مریم اسے سمجھا رہی تھی "بیٹی! بے شک تم کم عمر ہو۔ اس کم عمری میں تم فرہاد کے ساتھ ایک نئی حکومت قائم کر رہی ہو۔ تمہیں بچوں کی طرح رونا نہیں بلکہ بوڑھوں کی طرح ہر مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔"

وہ بولی۔" ممی! میری سنجیدگی دل کے معاملہ میں کام نہیں آرہی ہے۔ میں کیا کروں؟"

میں نے پہلی بار رسونتی کو انگریزی بولتے سنا۔ وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ مگر بولنا آگیا تھا۔ مریم نے کہا۔" میرا مشورہ مانو فرہاد کو صرف ایک دوست سمجھو۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے جیون ساتھی بنانے کے لیے تمہیں فرہاد سے زیادہ خوبرو اور باصلاحیت لوگ ملیں گے۔"

"میں اب کبھی شادی کے متعلق نہیں سوچوں گی۔"

"چلو نہ سوچنا۔ مگر موجودہ معاملات پر غور کرو۔ اگر تم نے ایک علیحدہ مملکت کے سلسلہ میں فرہاد سے تعاون نہ کیا تو تمہارا نقصان زیادہ ہے۔ تمہارے باپ اور بہن کو کسی بھی ملک میں تحفظ حاصل نہ ہوگا۔ تم خود یہاں رنگون میں کب تک چھپی رہو گی۔ فرہاد ایک عرصہ سے آوارہ بھٹکتے رہنے کا عادی ہے۔ یہ تمہیں ماننا پڑے گا کہ وہ تمہارے اور تمہارے رشتے داروں کے تحفظ کے لیے ایک نیا ملک وجود میں لا رہا ہے۔"

"میں مانتی ہوں ممی! وہ یہ سب کچھ میرے ہی لیے کر رہا ہے اور اب سے پہلے بھی اس نے کتنے احسانات کیے ہیں کہ میں اس کے خلوص اور بے لوث محبت سے انکار نہیں کر سکتی۔ اس کا دل آئینہ کی طرح صاف نہ ہوتا تو وہ مجھے صاف طور سے نہ سمجھاتا کہ وہ ہرجائی ہے۔ وہ مجھے اپنی طرف بڑھنے سے روک رہا ہے اور جانے کیوں مجھے اپنی توہین کا احساس ہو رہا ہے۔"

مریم نے کہا۔" تم عجیب لڑکی ہو۔ وہ تمہاری بھلائی چاہتا ہے اور تمہیں یہ سوچ کر توہین محسوس ہوتی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قابل نہیں سمجھتا۔ تم پاگل ہو۔"

"ہاں مجھے اسی لیے رونا آرہا ہے کہ میرا یہ پاگل پن دل سے نہیں جاتا۔ مجھے تھوڑا رو لینے دو۔ پھر میں اپنا دل پتھر کر لوں گی۔ فرہاد سے صرف نئی مملکت کے معاملات کی حد تک دوستی رکھوں گی۔ اپنے ذاتی معاملات میں اسے شریک نہیں کروں گی۔"

مریم نے تائید کی۔" ہاں یہ دانائی کی باتیں ہیں۔ اپنے رشتہ داروں کی خاطر اسے دوست بنائے رکھو۔"

میں وہاں سے واپس آگیا۔ رسونتی میری طرف سے دل کو سخت کرے تو بہتر ہی ہوگا۔ مجھے بھی عقل آگئی تھی کہ رسونتی لاکھ حسین اور دلنشیں سہی مگر مجھے ہمیشہ اسے اپنے سر پر مسلط نہیں رکھنا چاہیے صرف ایک دوسرے کے کام آنے والی دوستی ہی بھلی ہوگی۔ اس طرح ہمیں کبھی ایک دوسرے سے شکایت پیدا نہیں ہوگی۔

سامی کھانے پینے کے بعد میرے پاس آگئی۔ میں نے اسے سہلاتے ہوئے کہا۔" میری جان! اچھا ہوا کہ تم جانور ہو۔ تم پر میرے ہرجائی پن کا اثر نہیں ہوگا۔ تم میرا ساتھ نہیں چھوڑو گی۔ اور اب میں بھی تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، ٹھیک ہے نا؟"

"میاؤں!" جیسے ... نے تائید کی۔

میں نے اسے گود میں اٹھا کر سرگوشی میں کہا۔" اب میں آوارگی کے لیے باہر نکلوں گا۔ شام کے پانچ بجے تک فرصت ہے۔ تم میرے ساتھ رہو گی۔"

وہ میرے چہرے پر اپنا چہرہ رگڑنے لگی۔ میں نے آہستگی سے کہا۔" غور سے سنو۔ پہلے تم کاٹیج سے نکل کر اتنی دور چلی جانا کہ میں باہر نکلوں تو تم مجھ پر نظر رکھ سکو۔ ہم دور دور رہیں گے مگر ایک دوسرے کی نظروں میں رہیں گے۔ جب میں بائیں ہاتھ سے سر کھجاؤں تو تم میرے پاس آجانا۔ اگر ناک کھجاؤں تو دور چلی جانا ٹھیک ہے؟"

"میاؤں" وہ سمجھ گئی۔ میری گود سے اتر کر فرش پر پہنچ گئی۔ میں نے سر کے اشارے سے باہر جانے کے لیے کہا۔ وہ چلی گئی۔ میں نے لباس تبدیل کیا، جوتے پہنے۔ آئینہ دیکھا، کنگھی کی۔ ثمینہ کچن میں مصروف تھی۔ میں باہر آگیا۔ کھلی فضا میں آزادی کی سانس لینا نصیب ہو رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس آزادی کا انجام کیا ہوگا۔ پتہ نہیں بنکاک کے پُر رونق شہر میں کتنے ہنگامے میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں اپنی مسلسل روپوشی سے تنگ آچکا تھا۔ اس لیے سوچا، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

میں نے کاٹیج کے احاطے سے نکل کر دیکھا۔ دور بہت دور سامی کھڑی میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میں آگے بڑھا تو وہ اسی سمت آگے بڑھنے لگی۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ پلٹ کر دیکھ لیا کرتی تھی۔ وہ ایک صاف ستھرا علاقہ تھا۔ دور دور پر کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ وہاں کتنے مکانوں میں گھریلو صنعتیں قائم کی گئی تھیں۔ مرد عورتیں کام کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ایک جگہ ایک عورت نے دوسری جگہ دو مردوں نے مجھے امجد کے نام سے مخاطب کیا۔ ان کی مقامی زبان میرے پلے نہیں پڑی۔ میں دور ہی سے ہاتھ ہلاتا ہوا یوں تیز رفتاری سے گزر گیا جیسے جلدی میں کہیں جا رہا ہوں۔

تقریباً آدھ میل کا فاصلہ پیدل طے کرنے کے بعد ایک پختہ

کشادہ سڑک نظر آئی۔ سامی وہاں ٹھہر گئی تھی۔ مجھے بھی ایک جگہ رکنا پڑا کیونکہ ایک نوجوان سانولی سی لڑکی نے میرا راستہ روک لیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی مجھ سے اپنی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ میں الجھن میں پڑ گیا کہ کیا سمجھوں اور کیا جواب دوں لہٰذا میں اس سے کترا کر آگے بڑھنے لگا۔ اس نے میری آستین پکڑ لی۔ ناراض ہو کر کچھ کہنے لگی۔

عجیب مصیبت تھی۔ اتنا سمجھ میں آیا کہ وہ اور امجد ایک دوسرے کو اتنی بے تکلفی سے پہچانتے ہیں کہ وہ امجد کی آستین تک پہنچ جاتی ہے۔ پتہ نہیں امجد کہاں تک پہنچا ہوگا۔ وہ بے تکان بولے جا رہی تھی۔ میں نے کہا "ہمیں انگریزی بولنا چاہیے۔"

وہ چپ ہو کر سوالیہ نظروں سے تکنے لگی۔ میں نے پوچھا "کیا تم میری بات نہیں سمجھ رہی ہو؟"

وہ پھر اپنی زبان میں شروع ہو گئی۔ میں نے بایاں ہاتھ اٹھا کر سر کھجایا۔ سامی دوڑتی ہوئی چلی آئی۔ میں نے کہا "سامی! میں اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔ ذرا اسے ڈراؤ تو..."

یہ سنتے ہی اس نے غرا کر لڑکی پر چھلانگ لگائی۔ وہ چیخ کر اپنا بازو سہلاتی ہوئی بھاگی۔ سامی نے بازو پر پنجہ مارا تھا۔ تھوڑی دور بھاگنے کے بعد لڑکی نے پلٹ کر دیکھا۔ سامی پھر غراتی ہوئی دوڑی۔ وہ پھر چیختی ہوئی بھاگنے لگی۔ میں نے سامی کو آواز دی "واپس آ جاؤ، بہت ہو چکا۔"

سامی پلٹ کر آنے لگی۔ پختہ کشادہ سڑک پر گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ میں خالی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ کالج سے نکلتے ہی کام بگڑ گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ امجد مقامی زبان بولتا ہے کیونکہ کالج میں اس نے دلال کی حیثیت سے انگریزی میں باتیں کی تھیں اور ثمینہ سے وہ گھر میں اردو بولتا تھا۔ باہر آ کر میں نے مقامی زبان بولنے والوں کو دور ہی سے ٹال دیا تھا مگر اب وہ لڑکی وہاں جا کر لوگوں کو ضرور بتائے گی کہ مقامی زبان سمجھنے والا امجد اس کی زبان نہیں سمجھ سکا۔ یہ بات محلے والوں کی زبان سے ثمینہ تک بھی پہنچ سکتی تھی۔

اگر میں اس مقامی لڑکی سے پیچھا چھڑا کر بھاگتا تو وہ میرے پیچھے بھاگی آتی۔ اسے خوفزدہ کرنے کے لیے سامی سے کام لینا پڑا۔ اب یہ ذکر بھی چلے گا کہ ایک بلی نے اسے بھگایا تھا۔ پھر محلے والوں کو وہ مسلح افراد یاد آئیں گے جو ایک بلی کے ذریعہ فرہاد کو تلاش کر رہے تھے۔ اس طرح بات ایک بلی اور مقامی زبان سے ناآشنا امجد تک پہنچے گی۔ کم از کم ثمینہ کے شبہ کی تصدیق ہو جائے گی۔ یعنی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ کالج سے باہر آتے ہی واپس جانے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

سڑک کے کنارے دس منٹ گزر گئے۔ خالی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ اچانک ایک کار میرے سامنے سے گزرتی ہوئی ذرا دور جا کر رک گئی۔ ایک خاتون ڈرائیو کر رہی تھیں۔ وہ گاڑی کو پیچھے ڈرائیو کرتی ہوئی میرے سامنے آ کر رک گئی۔ خاتون ادھیڑ عمر کی تھیں۔ میک اپ کا انداز بتا رہا تھا کہ جوان بننے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ سامی کو دیکھتی ہوئی مجھ سے بولیں "کیا یہ بلی تمہاری ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ بلی شہر تک جانا چاہتی ہے۔ کیا ہمیں لفٹ ملے گی؟"

وہ مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے ذرا سی سوچ پڑھ لی۔ وہ اس بلی کو دیکھ کر میرے میک اپ کے پیچھے فرہاد کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ میں سنبھل گیا، وہ بولیں "نوجوان! میں تمہیں دوست بنانا چاہتی ہوں مگر مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کون ہو؟"

میں نے کہا "خاتون! عمر کے لحاظ سے میں آپ کا بیٹا بن سکتا ہوں۔"

انہوں نے غصہ سے دیکھا۔ پھر اچانک نرم پڑ کر بولیں "مجھے شبہ ہے کہ تم فرہاد علی تیمور ہو۔"

"کون فرہاد علی تیمور؟ کیا وہی جس کا ذکر اخباروں میں ہو رہا ہے؟"

"ہاں۔ انجان نہ بنو۔"

"نہیں بنوں گا۔ میں شہر تک جانے کے لیے فرہاد بھی بن سکتا ہوں۔ گاڑی میں بیٹھ جاؤں؟"

انہوں نے حقارت سے مجھے دیکھ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ ڈرائیو کرتی ہوئی سوچنے لگیں "اگر یہ فرہاد ہوگا تو مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ واپس بلائے گا۔ فرہاد تو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لیے میرے ذریعہ شہر پہنچنا معمولی سی بات ہوگی۔"

یہ بات عام نہیں ہوئی تھی کہ گھنگے جاسوس ایک بلی کے سہارے مجھے تلاش کر رہے تھے اور سب کے سب مارے گئے تھے۔ خاتون کی سوچ نے بتایا کہ وہ ایک فوجی افسر کی بیوی ہے۔ اس کے شوہر نے اسے بتایا تھا کہ فرہاد کے ساتھ اس کی ایک پالتو بلی ہوتی ہے۔ وہ خاتون کنواری چھوکریوں کی طرح مجھے اپنا آئیڈیل بنائے ہوئے تھیں۔ لاحول ولاقوۃ...

میں نے ایک گزرنے والی گاڑی کو ہاتھ دکھایا، وہ گزر گئی مگر اس کے پیچھے آنے والی ایک کار میرے قریب آ کر رک گئی۔ ایک نوجوان لڑکا اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کم آن ینگ مین! کہاں جاؤ گے؟"

اس نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے سامی کو

گود میں لے کر بیٹھتے ہوئے دروازے کو بند کیا "شکریہ! میں شہر تک جانا چاہتا ہوں۔"

وہ کار آگے بڑھاتے ہوئے بولا "بنکاک تو بہت بڑا ہے۔ ساری دنیا میں اپنی شہرت کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ تم جاؤ گے کہاں؟"

"مجھے بھوک لگی ہے۔ کسی اچھے سے ہوٹل میں جاؤں گا۔ کسی مسلمان ہوٹل پہنچا دو تو مہربانی ہوگی۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔"

"او۔ تو ایسے کہو نا۔ ایک تو اجنبی ہو۔ دوسرے مسلمان ہو۔ اوپر سے ایک مسلمان کو کہہ رہے ہو کہ ہوٹل پہنچا دو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا نام محمد یوسف ہے۔ اپنا نام بتاؤ۔ کہاں سے آئے ہو؟"

"امجد خان۔ پاکستان سے آیا ہوں۔"

"او۔ پاکستان سے آئے ہو۔ خوش آمدید۔ مجھے ہندوستان اور پاکستان جیسے ملک پسند ہیں۔"

"کیوں پسند ہیں؟"

"اس لیے کہ ہندوستان میں شرمیلا ٹیگور رہتی ہے اور پاکستان میں بھولو پہلوان ہوتے ہیں۔"

میں ہنسنے لگا، وہ بولا "میری عمر بیس برس ہے۔ میری امی کہتی ہیں کہ تیس برس سے پہلے شادی نہ کرنا۔ میں دس برس کے بعد تیس برس کا ہو جاؤں گا پھر فوراً ہی پاسپورٹ بنوا کر ہندوستان جاؤں گا۔ شرمیلا ٹیگور سے ضرور شادی کروں گا۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اس وقت تک وہ بوڑھی ہو جائے گی۔"

وہ سر ہلا کر بولا "ہاں اسی لیے میں بھولو پہلوان کی تصویر سامنے رکھ کر صبح شام ورزش کرتا ہوں۔ اگر میں دو چار برس میں پہلوان بن جاؤں گا تو شرمیلا ٹیگور مجھے بچہ نہیں سمجھے گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے کار کی رفتار ذرا سست کر دی کیونکہ ایک جوان لڑکی کار ڈرائیو کرتی ہوئی گزر رہی تھی۔ یوسف اس کی کار کے برابر اپنی کار ڈرائیو کرتے ہوئے ہونٹوں سے سیٹی بجانے لگا۔ لڑکی نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولا "ہنی! آئی لو یو۔"

"یو شٹ اپ۔" لڑکی نے غصے سے رفتار بڑھائی۔ یوسف نے بھی رفتار بڑھا دی۔ وہ بولی "اے تم مجھے چھیڑ کر پچھتاؤ گے۔"

یوسف نے مجھ سے کہا "دیکھا تم نے۔ یہ لڑکی بھی شاید مجھے بچہ سمجھتی ہے۔ ذرا تم چھیڑ کر دیکھو۔"

میں نے آہستگی سے کہا "دراصل تمہیں چھیڑنا نہیں آتا۔ پہلے اس کے حسن کی تعریف کرو، وہ ابھی مسکرا دے گی۔"

یوسف نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس سے کہا۔ "سویٹی! تم میک اپ کے بغیر اتنی حسین لگ رہی ہو کہ میں تمہارا دیوانہ بن گیا ہوں۔"

اس وقت میں لڑکی کے دماغ پر قابض ہو گیا تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ یوسف نے خوشی سے نعرہ لگایا "وہ مارا۔" پھر آہستگی سے بولا۔ "یار امجد! آگے بتاؤ، کیا بولوں؟"

"اسے گاڑی روکنے کے لیے کہو اور اس کے پاس پہنچ جاؤ۔"

یوسف نے یہی کیا۔ لڑکی کا دماغ میری مٹھی میں تھا۔ اس نے گاڑی روک دی۔ یوسف بھی کار روک کر باہر نکلا۔ لڑکی کے پاس پہنچ کر کار کی کھڑکی پر جھک کر بولا "میں ابھی گھر جا کر آئینہ دیکھوں گا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں بالغ ہو گیا ہوں۔ تم ایک بوسہ دے کر مجھے یقین دلاؤ۔"

لڑکی نے چہرہ آگے بڑھایا۔ یوسف کھڑکی کے اندر سر گھسا کر اسے چومنے جا رہا تھا۔ میں نے لڑکی کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چونکی۔ پھر تڑاخ سے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ بڑی زوردار آواز تھی۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا اپنی کار سے آ کر ٹک گیا۔ لڑکی نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھائی۔ پھر رفتار بڑھاتی ہوئی دور چلی گئی۔ وہ یقیناً سوچے گی کہ تھوڑی دیر کے لیے دماغی طور پر غیر حاضر کیسے ہو گئی تھی۔

یوسف کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے بولا "یہ لڑکیاں بڑی زندہ دل ہوتی ہیں۔ بس ایسے ہی مذاق کرتی ہیں۔ بس کچھ سمجھ میں نہیں آتیں۔ وہ مسکرائی تھی۔ ایک بوسے کا آفر بھی دیا تھا۔ پھر پتہ نہیں کیسے اتنی بڑی نیکی سے بھٹک گئی۔"

میں نے تسلی دی "کوئی بات نہیں کسی دوسری کو آزما لینا۔"

اس نے کان پکڑ کر کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا "اب میں دو چار برس پہلوانی کروں گا۔ پھر لڑکیاں خود ہی مجھے آزمایا کریں گی۔"

میں نے اسے ایک طمانچہ کھلا کر ذرا عقل مندی سے سوچنا سکھا دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم بنکاک کی پُررونق سڑکوں پر سے گزر رہے تھے۔ یوسف نے پوچھا "یار تم پردیسی ہو، تمہارا سامان کہاں ہے؟"

"ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ہے۔ میں اتنے بڑے شہر میں راستہ بھول گیا ہوں۔ وہ ہوٹل مجھے نہیں مل رہا ہے اسی لیے کسی دوسرے ہوٹل میں کھانے جا رہا تھا۔"

"ہوٹل کا نام بتاؤ۔ میں پہنچا دوں گا۔"

"نام یاد رہتا تو میں دوسروں سے پوچھ کر وہاں پہنچ جاتا۔"

اس نے ایک بہت بڑے شاپنگ سینٹر کے سامنے کار روکتے ہوئے کہا "آؤ یہاں کا شاندار شاپنگ سینٹر دکھاؤں۔ میں کچھ چیزیں بھی خریدوں گا۔"

"نہیں دوست! میں یہاں بیٹھا رہوں گا۔ تم چیزیں خرید کر آ جاؤ۔"

وہ کار کی چابی لے کر چلا گیا۔ میں نے سامی سے کہا "میری

جان! یہ لڑکا اس ہوٹل کو تلاش کرنے کے لیے مجھے سارا دن کار میں گھماتا رہے گا۔ بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔"

اس نے "میاؤں" کہہ کر تائید کی۔ میں نے کہا۔ "دیکھو، پہلے میں کار سے نکل کر فٹ پاتھ پر جاؤں گا۔ بعد میں تم کار کی کھڑکی سے نکل کر آنا۔ پھر مجھ سے ذرا دور پیچھے پیچھے چلتی رہنا۔ اور دور رہنے اور قریب آنے کے اشارے یاد ہیں نا؟"

اس نے پھر میاؤں کہا۔ اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ مجھے کار سے باہر نکلنا تھا مگر ٹھٹھک گیا۔ کار کی کھڑکی کے پاس ایک نہایت ہی حسین دوشیزہ کھڑی ہوئی مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے مجھے پہچانتی ہو۔ یا پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ سیاہ چشمہ پہنے ہوئے تھی۔ میں اس کی آنکھوں کے راستے دماغ میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کون ہے؟ کیا سوچ رہی ہے اور مجھے کیوں دیکھ رہی ہے؟

ایک ہی صورت تھی کہ وہ کچھ بولے۔ اپنی آواز اور لہجہ سنائے۔

میں نے اس سے پوچھا۔ "ویل مس! کیا تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ سامی پر ایک نظر ڈالی۔ پھر میرے سامنے سے گزر گئی۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ وہ کار کے پیچھے جا کر پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ پھر وہاں سے بھی آگے بڑھ گئی۔ عقب نما آئینے میں اب نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک حسین جلوہ گم ہو گیا تھا۔ بہت دنوں بعد میں نے ایسا حسن و شباب دیکھا تھا کہ ایک بار پھر دیکھنے کو دل مچل رہا تھا مگر دماغ سمجھا رہا تھا کہ وہ چشمے کے پیچھے سے مجھے پہچان رہی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ امجد کو پہچانتی ہو۔

ہاں۔ شاید وہ مجھے امجد سمجھ رہی تھی۔ میں نے کار سے باہر آ کر دروازہ بند کیا۔ کار کے پیچھے دور تک دیکھا۔ اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی پتہ نہیں اتنی جلدی کہاں غائب ہو گئی تھی۔ فٹ پاتھ پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ تھی۔ ویسے وہ لاکھوں میں ایک تھی۔ میں اسے بھیڑ میں بھی دیکھ لیتا اگر وہ نظر آتی۔ میں فٹ پاتھ پر آ گیا۔ پھر ایک سمت بڑھنے لگا۔ ذرا دور جا کر میں نے گھوم کر دیکھا۔ سامی مجھ سے کچھ فاصلہ رکھے چلی آ رہی تھی۔

ہم آگے پیچھے چلتے ہوتے دوسری سڑک کے فٹ پاتھ پر مڑ گئے۔ آس پاس دکانیں بڑی خوبصورتی سے سجائی گئی تھیں۔ سجاوٹ میں ایسی دلکشی تھی کہ رک رک کر دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ دنیا کے کتنے ہی ملکوں کی عورتیں نظر آ رہی تھیں، مرد بھی تھے —— انہیں عورتیں دیکھتی ہوں گی۔ میں تو رنگا رنگ حسین چہرے دیکھ رہا تھا جو ساری دنیا سے آ کر بنکاک کے گلدستے میں سج گئے تھے۔ آخر بھٹکتے بھٹکتے ایک ہوٹل نظر آ گیا۔ سائن بورڈ پر ہوٹل کے مالک کا نام فیض عالم لکھا ہوا تھا۔ خوشی ہوئی کہ اپنی پسند کا کھانا ملے گا۔

میں نے بائیں ہاتھ سے سر کو کھجایا۔ سامی قریب آ گئی۔ میں اسے بازوؤں میں اٹھا کر دروازہ کھولتے ہوئے ہوٹل میں داخل ہوا۔ ایسا لگا جیسے پاکستان کے کسی ہوٹل میں پہنچ گیا ہوں۔ ایک بیرا باورچی کی طرف منہ کر کے کہہ رہا تھا۔ "ایک جگہ مرغ بریانی، ایک جگہ مٹر، کڑک نان اور ایک جگہ دو پیالی چائے مارو۔"

دوسرا بیرا کاؤنٹر کی طرف منہ کر کے بول رہا تھا۔ "وہ بری ٹوپی والے صاحب سے چھ ڈالر لو۔ دوسرا صاحب کھایا پیا کچھ نہیں گلاس توڑا، اس کو باہر دھکا مارو۔ . . ."

وہ بمبئی یا مالابار کے بیرے تھے، خوب بول رہے تھے۔ کاؤنٹر کے پاس بیٹھے ہوئے ایک موٹے بھدے آدمی نے مجھے دیکھا۔ پھر جلدی سے اٹھ کر میری طرف آتے ہوئے بولا۔ "اے مسٹر! سوری۔ ویری سوری۔ ہوٹل میں جانور کو لانا منع ہے۔"

میں نے سامی کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ جانور نہیں ہے۔"

"ایں جانور نہیں ہے؟" موٹے نے گھور کر سامی کو دیکھا۔ پھر تمام ملازموں اور گاہکوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "اے بھائی لوگ! اسے دیکھو، یہ اپن کو اندھا سمجھتا ہے۔ بولتا ہے یہ بلی جانور نہیں ہے۔"

تمام لوگ مجھے اور سامی کو دیکھنے لگے۔ میں نے اونچی آواز میں موٹے سے کہا۔ "میں سچ کہتا ہوں، یہ جانور نہیں ہے۔ میری بو ہے بیوی . . ."

تمام لوگ قہقہے لگانے لگے۔ اسی وقت سامی نے موٹے کو دیکھ کر اپنی ایک آنکھ دبائی۔ موٹا اچھل کر بولا۔ "اے تمہارا جورو تو آنکھ مارتا ہے رے۔"

پھر ایک بار قہقہے گونجنے لگے۔ اتنی دیر میں میں نے موٹے کی تھوڑی سی سوچ پڑھ لی۔ وہ کنجوس اور لالچی تھا اور وہی ہوٹل کا مالک فیض عالم تھا۔ اس نے کہا۔ "دیکھو ادھر مسخری مت کرو۔ دھندے کی بات کرو۔ باہر گاڑی پارک کرنے سے گورنمنٹ ٹیکس لیتا ہے۔ ادھر ہوٹل کے اندر بلی کو پارک کرنے کا ہم ایک ڈالر لیتا ہے۔ بولو منظور ہے؟"

"منظور ہے۔" میں نے ایک میز کے پاس کرسی پر بیٹھتے ہوئے سامی کو میز پر بٹھا دیا۔ بیرے کو کھانے کا آرڈر دیا۔ وہ گیا تو فیض عالم نے میری میز کے دوسری طرف بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کدھر سے آیا ہے؟"

"جدھر سے سب آتے ہیں۔"

"اے بھائی! ہم پوچھتا ہے کون ملک سے آیا ہے؟"

میں نے میز پر جھک کر آہستگی سے کہا۔ "میں اسمگلر ہوں۔ کسی سے نہ کہنا۔"

اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ "تم کالا دھندا کرتا ہے؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ "ارے تو ایسا بولو نا۔ تمہارا جیسا لوگ کبھی کبھی ہمارے پاس میں چھپنے کو آتا ہے ہم وہ لوگ کو ایسا جگہ گھسا دیتا ہے کہ سالا پولیس کا باپ بھی ادھر جانے نہیں سکتا۔ تم بولنے سے ہم تم کو بھی گھسا دے گا۔"

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "خدا کے لیے ایسی شاندار اردو نہ بولو۔ میرے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔"

وہ اداس ہو کر بولا۔ "ہم سالا دھوبی کا کتا ہے۔ ٹھیک سے اردو نہیں بولتا۔ ٹھیک سے انگریزی نہیں بولتا۔ تم مطلب کا بات کرو۔ ہمارے پاس میں چھپنا مانگے گا تو ہم روز پچیس ڈالر لے گا۔ ادھر میں دارو ملے گا، چھوکری ملے گا۔ پولیس والا نہیں ملے گا۔ بولو منظور ہے؟"

میں نے پوچھا۔ "وہ چھپنے کی جگہ کہاں ہے؟"

بیرا کھانے کی پلیٹیں میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ موٹے فیض عالم نے کہا۔ "ہم جگہ بتائے گا۔ پہلے معاملہ طے کرو۔"

میں نے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے پانچ منٹ سوچنے دو۔"

یہ کہہ کر میں اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ وہاں سے پانچ میل دور رکین اسکوائر میں رہتا تھا۔ اس عمارت میں بیس فلیٹ تھے۔ ایک فلیٹ میں وہ رہتا تھا۔ گیارہ فلیٹ ایسے تھے جن کا کرایہ بنکاک کے بڑے بڑے رئیس ادا کرتے تھے اور کبھی کبھی اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ وہاں عیاشی کے لیے آتے تھے۔ باقی آٹھ فلیٹ اس لیے خالی رکھے جاتے تھے کہ بیرونی ممالک سے آنے والے بوقت ضرورت خصوصاً جرائم پیشہ لوگ وہاں پچیس ڈالر یومیہ کے حساب سے رہ سکیں۔ بڑے بڑے رئیسوں کا اثر و رسوخ اعلیٰ احکام تک تھا۔ اس لیے پولیس والے ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔

فیض عالم خالص کاروباری آدمی تھا۔ دولت کی ہوس میں جرائم پیشہ لوگوں کا محافظ بنا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "پانچ منٹ پورا ہو گیا۔ اب بولو؟"

میں نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "مجھے منظور ہے۔ میں ابھی چار دن کا کرایہ سو ڈالر ایڈوانس دوں گا۔ مجھے وہاں کی چابی دو اور پتہ بتا دو۔ میں جب مناسب سمجھوں گا وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر دیا۔ "اس میں ایڈریس لکھا پڑا ہے۔ ادھر فلیٹ نمبر سات میں یہ کارڈ دکھانے سے تم کو ایک فلیٹ کا چابی مل جائے گا۔"

میں نے کھانے کے بعد سامی سے پوچھا۔ "دودھ پیو گی؟"

سامی نے ذرا سا منہ پھیر لیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ فیض عالم سامی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو اپنے قبضہ میں لیا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک سو دس ڈالر نکال کر میرے آگے میز پر رکھ دیئے۔ پھر سامی کو اسی طرح دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر میز پر سے رقم اٹھالی۔ اس نے اپنے سر کو تھام کر کہا۔ "ارے ہم تو اس بلی کو دیکھتا پڑا ہے۔ یہ ہمارا مغز کو کیا ہو گیا؟"

میں نے اس کے سو ڈالر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایڈوانس کی رقم ہے۔"

وہ نوٹ گننے لگا۔ باقی دس ڈالر میں میں نے کھانے کا بل ادا کیا۔ بیرے کو ٹپ دی۔ موٹے عالم سے رخصتی مصافحہ کیا۔ پھر سامی کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "سامی! میں دروازہ کھولتا ہوں۔ تم باہر جاؤ، میں آ رہا ہوں۔"

میں نے سامی کو فرش پر چھوڑ کر دروازہ کھولا، وہ باہر چلی گئی۔ میں نے فیض موٹے کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ بھی جواباً مسکرانے لگا۔ اس طرح میں چند سیکنڈ ضائع کرنا چاہتا تھا تاکہ سامی ذرا دور جا کر میرا انتظار کرے جب میں دروازہ کھول کر باہر آیا تو ایک دم سے ٹھٹھک گیا۔ وہی حسین دوشیزہ سیاہ چشمہ پہنے فٹ پاتھ پر نظر آئی۔ وہ سامی کو گود میں لیے اسے پیار سے سہلا رہی تھی، اسے چوم رہی تھی۔ پھر وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھے میک اپ کے باوجود پہچان گئی ہے۔ آخر وہ کون تھی؟

میں آگے بڑھ کر اس کے روبرو پہنچ گیا۔ اس کے ریشمی لباس سے ایک بہت ہی مہنگا پرفیوم اپنی خوشبو لٹا رہا تھا۔ ریشمی لباس سے زیادہ اس کے بدن میں چکناہٹ تھی۔ نظریں پھسل پھسل جاتی تھیں بدن کے نشیب و فراز ایسے پھڑکتے ہوئے ایسے چیختے ہوتے تھے جیسے کہہ رہے ہوں۔ آؤ ہماری بوٹی بوٹی کر دو۔ میں نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

دوشیزہ نے بدستور مسکراتے ہوئے اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالا۔ پھر ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔ "فرہاد صاحب! میں آپ کے لیے جان بھی دے دینے والی لڑکی ہوں۔ آپ مجھے جانتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ ٹیلی پیتھی کے بغیر مجھے بوجھ لیں۔ اگر مجھ پر اعتماد کر سکیں تو میری کار میں آ جائیں۔ میں صرف اس لیے پہیلی بن گئی ہوں کہ آپ اس پہلی ملاقات کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں . . ."

وہ تحریر پڑھنے کے بعد میں نے اسے دیکھا۔ وہ خاموشی سے سامی کو میرے حوالے کر کے اپنی کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ پھر ڈیش بورڈ سے کاغذ قلم نکال کر کچھ لکھنے لگی۔ میں نے گھڑی دیکھی، تین بجکر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ سامی کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"تعجب ہے سامی! تم اس اجنبی لڑکی کے پاس کیسے چلی گئی تھیں چلو تھوڑا وقت ہے۔ اس پہیلی کو بوجھ لیں۔"

میں آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھول کر دوشیزہ کے برابر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے لے کر پڑھا، لکھا تھا۔ "آپ کی بلی دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔ جب یہ ہوٹل سے باہر آئی تو میں نے پچکار کر بلایا۔ یہ کترا کر دور جانے لگی۔ میں نے اس کے پیچھے جاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ میری جان رک جاؤ، میں فرہاد کی دوست ہوں۔ دشمنوں سے اس کی حفاظت کرنے آئی ہوں۔ یہ سنتے ہی یہ بلی میرے پاس آ گئی۔ کیا یہ ہم انسانوں کی بولی سمجھتی ہے؟"

میں نے پڑھنے کے بعد کہا۔ "ہاں۔ یہ سب کچھ سمجھتی ہے۔ تم ابھی دیکھ لو۔"

یہ کہہ کر میں نے سامی کو حکم دیا۔ "سامی! اب میری گود سے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر چلی جاؤ۔"

وہ اٹھی، پھر اگلی سیٹ پر سے اچھل کر پچھلی سیٹ پر چلی گئی۔ دوشیزہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں نے کہا۔ "تم نے ابھی لکھا ہے کہ ایک پہیلی بن کر اس پہلی ملاقات کو یادگار بنانا چاہتی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم پہلے کبھی نہیں ملے۔"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ "ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے سامی کی وجہ سے شبہ کیا کہ میں فرہاد ہوں۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ ایک فوجی افسر کی بیوی ہے۔ اس کے فوجی شوہر نے اسے بتایا تھا کہ فرہاد کے ساتھ ... ایک بلی بہت اہم ہے۔ چھ گونگے جاسوس جو مارے گئے، وہ اسی بلی کے سہارے فرہاد کو تلاش کر رہے تھے۔ اے حسین دوشیزہ! تم بھی یہاں کے کسی بہت بڑے افسر کی بیوی، بہن یا بیٹی ہو...!"

ایسا کہتے وقت میری یادداشت نے اپنا کام دکھایا۔ مجھے اس اعلیٰ افسر کی بیٹی یاد آئی، جو میری حمایت میں اپنے باپ سے لڑتی تھی۔ اس کا نام لی نا تھا۔ میں نے فوراً ہی لی نا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو انکشاف ہوا کہ وہ میرے برابر بیٹھی کار چلا رہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی "فرہاد صاحب بولتے بولتے چپ کیوں ہو گئے؟ کیا مجھے پہچان لیا ہے؟ کیا میرے خیالات پڑھ رہے ہیں؟"

اس نے کن انکھیوں سے میری جانب دیکھا۔ میں انجان بن کر یوں سوچ میں ڈوب گیا جیسے پہیلی کو بوجھنے کی ناکام کوشش کر رہا ہوں۔ اسے ذرا اطمینان ہوا کہ وہ جیت رہی ہے۔ میں نے کہا۔ "ابھی میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ آج رات گیارہ بجے تک میں بہت بڑی مہم سر کرنے والا ہوں۔ میرا ذہن ان اہم معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ ویسے یہ پہیلی والا کھیل بھی دلچسپ ہے۔ میرے لیے ایک تفریح بن گیا ہے۔ اگر تم اسے جاری رکھنا چاہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ گیارہ بجے کے بعد تمہیں بوجھ لوں گا۔ آدھی رات تک تم جہاں رہو گی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ بولو ٹھیک ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر سڑک کے کنارے گاڑی روک کر ایک پرچی لکھی اور میری طرف بڑھا دی۔ اس نے لکھا تھا۔ "کیا بوجھنے کا وعدہ پورا ہونے تک آپ اپنی سامی کو میرے پاس چھوڑ سکتے ہیں؟ آپ آ کر اپنی امانت واپس لے جا سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں سامی کو سمجھا دوں گا۔ تم میرا ایک کام کرو۔ کسی دکان سے دنیا کا ایک نقشہ خرید کر دو اور مجھے اس پتہ پر پہنچا دو۔"

میں نے فیض عالم موٹے کا کارڈ اسے دکھایا۔ اس نے پتہ ذہن نشین کر لیا۔ ایک دکان سے ایک نقشہ خریدا۔ میں نے سامی کو اپنے پاس بلا کر سمجھایا۔ "سامی! یہ اجنبی دوشیزہ ہماری دوست ہے۔ آج رات تم اس کے پاس رہو۔ پھر میں وہاں آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

سامی اپنی اداؤں سے ظاہر کرنے لگی کہ وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتی ہے۔ مگر میں نے پیار محبت سے اسے لی نا کے ساتھ رہنے پر راضی کر لیا۔ لی نا نے رنگین اسکوائر کے سامنے گاڑی روک دی۔ سامی کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ وہ اپنی دانست میں بہت پُراسرار بن رہی تھی۔ سامی کو اپنے پاس رکھ کر اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ میں آدھی رات تک ضرور اسے بوجھنے اور سامی کو واپس لینے آؤں گا۔ میں نے کہا۔ "اوکے۔ یہ تفریح بڑی دلچسپ ہے۔ میرا انتظار کرنا۔ میں تمہیں پہچان کر رہوں گا۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے رنگین اسکوائر کے فلیٹ نمبر سات پر پہنچ کر ایک موٹی بھدی سی عورت کو فیض عالم کا کارڈ دکھایا۔ وہ یقیناً موٹے عالم کی بیوی تھی۔ اس نے میرے لیے فلیٹ نمبر پانچ کا دروازہ کھول کر کہا۔ "دیکھو مین! تم کو کسی چیز کا ضرورت ہونے سے کال بیل کا بٹن دبا دو۔ ہم تم کو وہ چیز سپلائی کرے گا۔"

میں نے کہا۔ "میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اب سو جاؤں گا۔ بس اتنا خیال رکھو کہ میرے دروازے پر کوئی دستک نہ دے۔"

وہ بولی۔ "تم چار دن تک سوتا رہیں گا۔ کوئی نہیں اٹھائے گا۔ پانچواں دن ہمارا آدمی کرایہ لینے کے لیے اٹھائیں گا، پھر سلا دیں گا۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اس فلیٹ میں ایک بیڈ روم، ڈرائنگ ڈائننگ روم، کچن اور باتھ روم وغیرہ کچھ تھا۔ بڑی آرام دہ جگہ تھی۔ میں نے بستر پر لیٹ کر وقت دیکھا چار بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ ٹھیک چالیس منٹ کے بعد

رسونتی، سونیا، رومانہ، شرلاک اور بے بی دماغی رابطہ پر یکجا ہونے والے تھے۔ میں نے مریم کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ پتہ چلا کہ رسونتی خوب جی بھر کے رونے کے بعد سو گئی ہے۔

وہ مجھ سے ناراض تھی، مجھے اپنے دماغ تک پہنچنے نہ دیتی۔ اس لیے میں نے مریم کو اپنا ذریعہ بنایا تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ سو رہی تھی۔ لی نا کے ساتھ میری سوچ پڑھ لیتی تو اس کی ناراضگی اور بڑھ جاتی۔ میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ وہ جمی کے بیڈ روم میں تھی۔ اب وہاں پیرس کے کتنے ہی ڈاکٹر جمع ہو گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر سونیا اور جمی کو تسلیاں دے رہے تھے کہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک ہفتہ کے اندر جمی کے زخم بھر جائیں گے۔

میں نے سونیا کو مخاطب کیا۔ "ہیلو! کیا تمہیں تمام سہولتیں حاصل ہو رہی ہیں؟"

"ہاں فرہاد! معلوم ہوتا ہے جیسے سارا پیرس ہم پر مہربان ہو گیا ہے۔ ہمیں کہیں سے لنچ اور کہیں سے ڈنر کی دعوتیں دی جا رہی ہیں۔ یہاں کے وزیر خارجہ خود تشریف لائے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ ایک شام گزارنا چاہتے ہیں۔ ماسک مین کے ملک کے ایک سفیر نے ہمارے لیے نئے ماڈل کی کار بھیجی ہے۔ چونکہ تمہاری وجہ سے ہمارا تعلق ایک نئے ملک سے ہے اس لیے سرکاری طور پر ہم سے اس محل میں منتقل ہونے کے لیے درخواست کی جا رہی ہے جہاں بیرونی ممالک کے حکام بطور مہمان قیام کرتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "وہ لوگ اپنے طور پر سرکاری فرائض ادا کرنا چاہتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ فرہاد کے نئے ملک میں جب تک تمہیں اور جمی کو سرکاری عہدے نہیں ملیں گے تم کسی ملک سے سرکاری نوعیت کی سہولتیں اور دعوتیں قبول نہیں کرو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہی جواب دوں گی۔ یعنی میں صرف ماسک مین اور پیرا ماسٹر سے اپنی ضروریات کے مطابق مطالبات منوا سکتی ہوں۔"

"ہاں۔ انشاءاللہ یہ دونوں ہمیشہ ہمارے مطالبات پورے کرتے رہیں گے۔ تمہیں میرا مقرر کیا ہوا وقت یاد ہے؟"

"یاد ہے۔ بنکاک کے وقت کے مطابق پانچ بجے یعنی یہاں پیرس میں دن کے بارہ بجے میں اور جمی نقشہ سامنے رکھ کر بیٹھ جائیں گے۔ ابھی گیارہ بج کر چالیس منٹ ہوتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں پھر آؤں گا۔"

"ہیلو فرہاد!" رسونتی کا لہجہ سنائی دیا۔ "کیا ہماری یہ نئی مملکت قائم رہ سکے گی؟"

میں نے کہا۔ "نئی مملکت کے سلسلے میں اس قدر آگے بڑھ جانے کے بعد تم یہ سوال کر رہی ہو۔ پہلے تم جوش اور جذبوں سے بھرپور تھیں۔ اب تمہارے سوال سے مایوسی جھلکتی ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ ہم جذبات سے نہیں عقل سے کام لیتے رہے تو یہ مملکت قائم رہے گی۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "میرے پاس زیادہ عقل نہیں ہے۔ میں صرف اتنا سمجھتی ہوں کہ دو انسان ہم مزاج نہ ہوں تو ایک گھر آباد نہیں کر سکتے۔"

"رسونتی! ہمارے مشرقی گھرانوں میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ میاں بیوی کے مزاج آپس میں نہیں ملتے۔ وہ تمام زندگی ایک دوسرے سے شکایت کرتے ہیں لیکن اپنے گھر کو آگ نہیں لگاتے۔ اس گھر کو باہمی سمجھوتے سے آباد رکھتے ہیں۔ اپنے بچوں کا شاندار مستقبل بناتے ہیں۔ اسی طرح ایک ملک میں اسمبلی کے تمام ممبران ہم مزاج نہیں ہوتے۔ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر سب لڑتے ہیں۔ اور جب ملک کے تحفظ اور سلامتی کی بات آتی ہے تو متحد ہو جاتے ہیں۔"

وہ چپ رہی شاید کوئی معقول جواب سوچ رہی تھی میں نے کہا۔ "رسونتی! تم جذباتی انداز میں کہہ سکتی ہو کہ ہمارے مزاج مختلف ہیں میں آوارہ ہوں، بدچلن ہوں۔ اس کے باوجود ہمارے مفادات ایک ہیں۔ ہم دونوں کو ایک ایسی پناہ گاہ کی ضرورت ہے جہاں دشمن ہماری لاعلمی میں پہنچ نہ سکیں جہاں تمہارے رشتے دار اور میرے دوست محفوظ رہ سکیں۔ اگر ہم نے اپنا کوئی معقول ٹھکانہ نہ بنایا تو میں ایک عرصہ سے بھٹک ہی رہا ہوں۔ تم بھی چھپتی پھرتی رہو گی۔ کسی دن کسی بڑی طاقت کے زیر اثر آ جاؤ گی۔ کوئی بھی بڑا ملک بظاہر تمہیں سر پر بٹھا کر رکھے گا لیکن تمہاری حیثیت ایک کٹھ پتلی کی سی ہو گی۔ تمہاری انا، تمہارا غرور اور تمہاری آزادی یہ سب کچھ برائے نام رہے گا۔ اور میں... میں بھی کب تک دشمنوں سے بچتا پھروں گا۔ کوئی بڑی طاقت کسی دن مجھے بھی کچل دے گی اور میں مٹی میں مل جاؤں گا۔ بولو کیا ارادہ ہے؟ ہم جان بوجھ کر تباہ ہو جائیں؟"

وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "کوئی جان بوجھ کر تباہ نہیں ہونا چاہتا اور اپنے ساتھ اپنے چاہنے والوں کی بربادی نہیں دیکھ سکتا۔ ہماری وہ نئی مملکت ضرور قائم ہو گی۔ میں تمہارے ساتھ ملکی معاملات میں برابر شریک رہوں گی۔ مگر ہم اپنے ذاتی معاملات میں ایک دوسرے سے دور رہیں گے۔"

میں نے کہا۔ "مجھے اپنی ذات سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے سونیا میری ذات سے باہر نکل گئی۔ تم بھی نکل رہی ہو۔ ایک دن رومانہ بھی دور ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود تم تینوں میری جان کے اتنے قریب ہو کہ جان رہنے تک میں تم ہی لوگوں کے کام آتا رہوں گا۔ تمہارا یہ فیصلہ دانشمندانہ ہے کہ ملکی معاملات میں برابر میری شریک رہو گی۔ چلو اب پانچ بج رہے ہیں۔ مریم سے کہو نقشہ دیکھ کر اپنی

رائے پیش کرے۔"

میں نے بستر پر بیٹھ کر نقشے کو کھولتے ہوئے شرلاک سے کہا۔" میں رسونتی کی گورنس مریم کی رائے حاصل کر رہا ہوں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس آؤں گا۔"

میں نے شرلاک کے بعد روُمانہ سے کہا۔" تم کاغذ قلم لے کر ضروری باتیں نوٹ کرو گی۔ تمہیں ہی پریس کانفرنس کی رپورٹ بھی تمہیں تیار کرنا ہے۔ ایک ٹیپ ریکارڈر اور ٹیپ ریلیں تیار رکھو۔"

اس کے بعد میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی رسونتی نے مریم سے کہا۔" یس ممی! فرہاد موجود ہے۔ آپ اپنی اسٹڈی کے مطابق بتائیں۔"

مریم نقشہ پر جھک کر بتانے لگی۔ عرض البلد اور طول البلد کی لکیروں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا، جس کا حدود اربعہ مریم بیان کر رہی تھی۔ وہاں کی مٹی اور آب و ہوا کی تفصیلات بیان کر رہی تھی۔ وہاں کی آبادی بھی برائے نام تھی۔ صرف سیکڑوں کی تعداد میں مرد عورتیں وہاں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ مریم کا خیال تھا کہ دور افتادہ علاقوں میں جہاں زندگی گزارنے کی سہولتیں میسر نہیں ہوتیں وہاں بھی تھوڑی بہت آبادی ہوتی ہے۔ ہمیں کوئی غیر آباد علاقہ نہیں ملے گا۔

میں نے شرلاک سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے ایک ایسے سرسبز و شاداب علاقہ کی نشاندہی کی جس کے مشرق و مغرب اور جنوب کی طرف سمندر تھا اور شمالی حصہ تھائی لینڈ سے منسلک تھا۔ وہاں گھنے جنگلات بھی تھے اور وہ علاقہ کمیونسٹ گوریلوں کی پناہ گاہ تھا۔ ہم ماسک ین سے کہہ کر وہ علاقہ خالی کرا سکتے تھے۔

مجھے یہ مشورہ پسند آیا۔ میں نے رسونتی سے پوچھا۔" تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس نے جواب دیا۔" وہ علاقہ اچھا ہے۔ مگر ماسک ین شاید اتنا اہم علاقہ خالی نہ کرے یا پھر خالی کرنے سے پہلے ہمارے سامنے اپنی شرائط پیش کرے گا۔"

" رسونتی! ابھی تو ہمیں اپنے طور پر ایک علاقہ کو منتخب کرنا ہے۔ ہمارے انتخاب پر دوسرے کیا کہیں گے، یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

وہ بولی۔" ابھی پریس کانفرنس کے لیے آدھ گھنٹہ باقی ہے اگر تم ماسک ین کے نمائندہ سے رابطہ قائم کر کے پہلے ہی اس معاملہ کو طے کر لو تو مناسب ہوگا۔ پھر ہم پریس کانفرنس میں سوچ نگر کا اعلان کر سکیں گے۔"

میں ماسک ین کے ملک کے ذہین سیاستدان مائیکل وسکی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین ہے۔ مجھے یہ اطلاع دینا چاہتا ہے کہ میری اور اس کی دوستی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ کسی نامعلوم شخص نے دھمکی دی ہے کہ فرہاد اور رسونتی کی نئی مملکت کو تسلیم نہ کیا جائے اور پریس کانفرنس میں اپنے نمائندے نہ بھیجیں۔ یہی دھمکیاں وہ دوسرے بڑے بڑے ممالک کو بھی دے چکا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر فرہاد علی تیمور کو زندہ یا مُردہ دنیا والوں کے سامنے لے آئے گا۔ اگر چوبیس گھنٹے سے پہلے کسی بھی ملک نے فرہاد سے دوستی کی تو اُس ملک میں تخریبی کارروائیوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ رسونتی میرے لاشعور میں اس کا ترجمہ سن رہی تھی۔ وہ بولی۔" یہ کون کمبخت ہمیں چیلنج کر رہا ہے؟"

میں نے کہا۔" ٹھہرو میں معلوم کر رہا ہوں۔"

میں نے معلومات حاصل کیں۔ ایک گھنٹہ پہلے مائیکل وسکی کے سیکرٹری نے ایک فون کال اٹینڈ کی تھی۔ کسی نے کہا تھا کہ وہ اس دنیا کو فرہاد اور رسونتی کے طلسم سے بچائے گا۔ اس سلسلے میں اسے مائیکل وسکی سے باتیں کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ سیکرٹری نے وہ فون کال مائیکل وسکی کی طرف بڑھا دی تھی، اور فوراً ہی ایکسچینج سے اس کال کے متعلق دریافت کیا۔ ایکسچینج والے پہلے ہی یہ اطلاع انٹیلی جنس برانچ تک پہنچا چکے تھے کہ کہیں ٹیلیفون کے پول سے مائیکل وسکی کے فون کے ساتھ کنکشن ملایا گیا ہے لیکن یہاں کے جاسوس جب اس پول کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے تو وہاں کے تار کٹے ہوئے تھے۔ فون کرنے والا جا چکا تھا۔

میں نے ماسک ین کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بھی اس سلسلہ میں پریشان تھا۔ پریشانی یہ تھی کہ میں اسے ماسک ین کی سازش سمجھ کر پھر ان کا دشمن نہ بن جاؤں۔ جبکہ ماسک ین واقعی اس سازش میں شریک نہیں تھا۔ میں نے جونیئر سپر ماسٹر کی خبر لی، وہ بھی خاصہ پریشان نظر آیا۔ چونکہ ماسک ین اور جونیئر سپر ماسٹر اس خوش فہمی میں تھے کہ فرہاد ان کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا وہ تنہائی میں مجھے دھوکہ دینے کے انداز میں نہیں سوچ رہے تھے۔ وہ سب حقیقتاً پریشان تھے۔ میری طرف سے مزید نقصانات برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ سہمے ہوئے تھے کہ میری پریس کانفرنس ناکام ہوئی تو میں انتقاماً پھر انہیں نقصان پہنچاؤں گا۔ دوسرے بڑے ممالک کے حکمران بھی یہی سوچ رہے تھے۔ بڑے بڑے نامور ذہین سراغرساں ایسے لوگوں کو تلاش کر رہے تھے جنہوں نے بیک وقت کئی ممالک کو دھمکیاں دی تھیں اور میری

پریس کانفرنس کو ناکام بنانے کی کوششیں کر رہے تھے اور واقعی وہ اپنی بڑی کوششوں میں کامیاب ہو چکے تھے۔ جب میں اور رسونتی بنکاک کے پریس کلب میں پہنچے تو وہاں اخبارات کے رپورٹر نہیں تھے۔ بڑے ممالک کے صرف نمائندے فریادی بنے بیٹھے تھے میں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" دوستو! میں رسونتی کے ساتھ حاضر ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے ہم نے اطمینان حاصل کیا ہے کہ اس پریس کانفرنس کی ناکامی میں تمہارے ممالک کے سربراہوں کا ہاتھ نہیں ہے۔ کچھ نامعلوم لوگ ہیں جو میرے لیے نامعلوم نہیں رہیں گے۔ میں بہت جلد ان کی شہ رگ تک پہنچ جاؤں گا۔"

نمائندوں کی بھیڑ میں اچانک ایک شخص نے قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا۔" فرہاد! ان نامعلوم لوگوں میں سے ایک میں ہوں۔ ہم ٹیلی پیتھی نہیں جانتے مگر تم ہماری ذہانت تک نہیں پہنچ سکو گے سنو! میرا نام کالی ہے۔ ہماری تنظیم کے ہر مرد اور عورت کا نام کالی بلا ہے۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعہ کسی بھی کالی بلا کو اپنا معمول یا آلۂ کار نہیں بنا سکو گے کیونکہ میرے لباس کے اندر ایک چھوٹا سا الیکٹرونک بم میرے سینے کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ تم مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ شکار کرنا چاہو گے تو یہ بم اچانک ہی پھٹ پڑے گا۔۔۔"

میں نے اس کی سوچ پڑھی۔ اس کے سینے سے بیچ بیچ ایک چھوٹا سا بم بندھا ہوا تھا جہاں سے وہ بندھا ہوا تھا اگر اس حصّہ کو کھولنے کے لیے ہاتھ لگایا جاتا تو الیکٹرونک انڈیکیٹر کے ذریعے کہیں دوسری جگہ بیٹھی ہوئی کالی بلا کو اطلاع مل جاتی۔ وہ دوسری کالی بلا وہاں بیٹھے بیٹھے اس بم کو بلاسٹ کر سکتی تھی۔ مختصر یہ کہ جو "کالی بلا" مجھ سے مخاطب تھی یا تھا۔ میں اس کے دماغ کو کنٹرول میں لے کر اس بم سے اُسے نجات دلانا چاہتا تو وہ مجھ سے مزید باتیں کرنے کے لیے زندہ نہ رہتا لہٰذا میں بڑے صبر سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

وہ اپنی رسٹ واچ کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔" فرہاد! میری عمر صرف تین منٹ کی ہے۔ جب میں اپنی باتیں پوری کر لوں گا تو یہ بم پھٹ پڑے گا۔ میرے جسم کے ٹکڑے بکھر جائیں گے۔ آئندہ تم مجھے ٹریپ نہیں کر سکو گے۔ ہم کالی بلائیں ہیں۔ ہم تمہیں مارنے آئیں گے یا خود فنا ہو جائیں گے۔ آئندہ یہی ہوتا رہے گا۔"

وہ ایک ساعت کے لیے چپ ہوا، پھر بولا۔" میری موت کے بعد تمہیں اور رسونتی کو پندرہ منٹ کی مہلت دی جائے گی۔ اس پندرہ منٹ کے اندر تم دونوں جہاں ہو جس ملک اور جس شہر میں ہو، وہاں کے ریڈیو اسٹیشن سے رابطہ قائم کرو اور اپنی رہائش گاہ کا پتہ نشر کرو۔ اگر اس حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو سولہویں منٹ پر تن سنگ اور ونشی کو شوٹ کر دیا جائے گا۔ اس وقت پانچ کالی بلائیں بنگلہ نمبر ڈی ہنڈرڈ سکس میں ہیں۔ ایک کالی بلا اسٹین گن لیے تن سنگ اور ونشی کے سامنے کھڑی ہے۔ باقی چار بلائیں بنگلہ کے آس پاس اور چھت پر موجود ہیں۔ کوئی بھی اس بنگلہ کے قریب آنے کی حماقت کریگا تو مارا جائے گا۔"

رسونتی پریشان ہو کر اپنی بہن اور باپ کے پاس چلی گئی۔

وہ بول رہا تھا۔" اُن پانچ کالی بلاؤں کے سینے سے بھی بم منسلک ہیں۔ تن سنگ اور ونشی کو ہلاک کرنے کے بعد وہ پانچوں بھی میری طرح مر جائیں گے تاکہ بنکاک کی فوج یا پولیس والے انہیں گرفتار نہ کر سکیں۔ جب وہ قصہ تمام ہو جائے گا تو اٹھارویں منٹ پر روُمانہ کی باری آئے گی۔ پھر روُمانہ کے بعد سونیا اس دنیا سے رخصت ہو جائے گی۔

میں نے پوچھا۔" تم کالی بلاؤں کو ہم سے کیا دشمنی ہے؟ کیا تم اپنے سربراہ تک میرا جواب پہنچا دو گے؟"

وہ بولا۔" ہم تمام کالی بلائیں اپنی اپنی جگہ خود سربراہ ہیں۔ ہم خود اپنی زندگی اور موت کا فیصلہ کرتے ہیں اور دوسروں کو جو فیصلہ سناتے ہیں وہ رہتی دنیا تک اٹل رہتا ہے۔ اب میں مرنے والا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد میرا یہ فیصلہ اٹل رہے گا کہ تمہیں اور رسونتی کو پندرہ منٹ کے اندر اپنے اپنے شہر کے ریڈیو اسٹیشن پہنچنا ہے۔ ہماری پلاننگ کے مطابق تمام ممالک کے تمام شہروں کے ریڈیو اسٹیشنوں میں تم دونوں کا انتظار کیا جا رہا ہے۔"

اس کی موت کا آخری منٹ شروع ہو چکا تھا۔ وہ تمام ممالک کے نمائندوں سے چیخ کر بولا۔" چلے جاؤ۔ اس ہال سے نکل کر دور چلے جاؤ ورنہ سب کے سب مارے جائیں گے۔"

ایک دم سے بھگدڑ مچ گئی۔ سب ہی اس ہال سے باہر کی طرف بھاگ رہے تھے۔ میں نے اُسے بچانے کی اُمید میں اس کے دماغ کو کنٹرول میں لیا۔ اس کے ہاتھ سے اس بیلٹ کو کھولنا چاہا جس سے بم منسلک تھا۔ ہاتھ وہاں پہنچتے ہی ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ میں اس کے مُردہ دماغ سے نکل کر ایک نمائندہ کے دماغ میں پہنچا۔ وہ دھماکہ سے دہشت زدہ ہو کر گر پڑا تھا۔ پھر اٹھ کر بھاگ رہا تھا۔ بے شمار لوگوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں یعنی یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ بلائیں مجھے اور رسونتی کو منظر عام پر لانے کے لیے ہنستے کھیلتے موت سے کھیلتی رہیں گی۔

زندگی میں پہلی بار اتنے خطرناک چیلنج کا سامنا تھا کہ جن سے سامنا تھا وہ سامنے نہیں تھے۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں کسی بھی حالت میں بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ فوراً مر جائیں گے۔ کون تھے یہ لوگ؟ ماسک ین، سپر ماسٹر اور دوسرے ممالک کے سربراہ اگر چوری چھپے ان کالی بلاؤں کی پشت پناہی کرتے تو مجھ سے یہ سازشیں چھپی نہ رہتیں۔ کیونکہ میں تمام ممالک کے

اہم دماغوں کو تسخیر کر چکا تھا۔
میں نے تن سنگ اور رسونتی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ دونوں واقعی اسٹین گن کی زد میں تھے۔ اسی وقت رسونتی نے مجھ سے کہا۔ ”فرہاد! میں مریم کے ساتھ ریڈیو اسٹیشن کی طرف جا رہی ہوں، ورنہ وہ لوگ سچ مچ انہیں مار ڈالیں گے۔“
میں نے کہا۔ ”بے شک تم ریڈیو اسٹیشن کی طرف جاؤ، مگر بارہ منٹ تک خود کو ظاہر نہ کرنا۔ مجھے کوشش کرنے دو، شاید میں تمہارے عزیزوں کو بچا سکوں۔“
”فرہاد! تم نے ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے مگر اب کچھ نہیں کر سکو گے۔ وہاں تپاجی اور دسنتی کے سامنے وہ اسٹین گن والا بے دھڑک بول رہا ہے۔ تم اس کے دماغ میں پہنچ سکتے ہو، مگر اسے چھیڑ نہیں سکتے۔ چھیڑو گے تو اس کے سینے سے لگا ہوا بم پھٹ پڑے گا۔ تپاجی اور دسنتی بھی اس بم کی زد میں کھڑے ہوتے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ خود کو ظاہر کر کے ہی انہیں سلامت رکھ سکوں گی۔“
وہ ریڈیو اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے مایوس ہو کر اسٹین گن والی کالی بلا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ واقعی کسی کالی بلا کو ہماری ٹیلی پیتھی کا خوف نہیں تھا۔ وہ بڑی بے باکی سے تن سنگ اور دسنتی کے سامنے بولتا جا رہا تھا۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعہ اسے وہاں سے ہٹا کر دور لے جانا چاہتا تو اس کی جگہ دوسری کالی بلا آ جاتی۔ پھر انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ ٹیلی پیتھی کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ وہ خطرہ محسوس کرتے ہی مقررہ وقت سے پہلے تن سنگ اور دسنتی کو ہلاک کر دیتے۔
میں ہار گیا۔ رسونتی کے سامنے واقعی یہی صورت رہ گئی تھی کہ وہ خود کو ظاہر کر دے۔ وہ اپنی زندگی، اپنی آزادی داؤ پر لگا رہی تھی۔ میں نے رُومانہ کے پاس پہنچ کر کہا۔ ”ہم بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔ فوراً ہی اپنی اٹیچی میں تھوڑا سا میک اپ کا سامان رکھ کر وہاں سے بھاگو۔ بنکاک سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔ میں ابھی آ کر تمہیں تفصیل بتاؤں گا۔“
میں وہاں سے سونیا کے پاس پہنچا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ کالج کے چاروں طرف زبردست پہرہ ہے۔ سپر ماسٹر کی طرف سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اور جمی کالج سے باہر قدم نہ نکالیں۔ ان دنوں کالی بلائیں انہیں ہلاک کرنے آ رہی ہیں۔ سونیا نے مجھ سے پوچھا۔ ”کیا یہ درست ہے کہ سپر ماسٹر نے ہماری حفاظت کے لیے یہ پہرہ لگایا ہے؟“
”ہاں۔ اگرچہ سپر ماسٹر دشمن ہے تاہم میرے خوف سے وہ تمہاری حفاظت کے انتظامات کر رہا ہے۔ ہم ان دیکھے خطرات میں گھر گئے ہیں سونیا۔۔۔!“
میں نے سونیا کو کالی بلاؤں کے متعلق مختصراً بتایا۔ پھر واپس آنے کا وعدہ کر کے رُومانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی کھڑکی کے باہر گزرتے ہوئے مناظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ”کسی نے تمہیں گھر سے نکلتے وقت روکا تھا؟“
”نہیں، شرلاک کی کوٹھی کے آس پاس کوئی مجھے روکنے والا اور میرا تعاقب کرنے والا نہ تھا۔ ساحلی سڑک پر چار ٹیکسیاں کھڑی تھیں میں وہیں سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر بنکاک سے باہر جاؤں گی مگر چیک پوسٹ سے گزرنا ہوگا۔“
”ساحل سے کوئی موٹر بوٹ حاصل کرو۔ اس طرح تم کسی جزیرے میں پہنچ جاؤ گی۔“
وہ بولی۔ ”یہ ڈرائیور انگریزی نہیں جانتا ہے صرف مقامی زبان بولتا ہے۔ بہرحال میں کوشش کرتی ہوں کہ اسے اپنی بات سمجھا سکوں۔“
میں نے گھڑی دیکھی۔ مقررہ وقت کے چودہ منٹ پورے ہو گئے تھے۔ رسونتی زنگون کے ریڈیو اسٹیشن سے اعلان کر رہی تھی بنکاک کے ریڈیو اسٹیشن سے مخاطب ہو کر کہہ رہی تھی۔ ”میں رسونتی ریڈیو زنگون سے بول رہی ہوں۔ بنکاک میں جو لوگ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ ان کے آدمی مجھ سے زنگون میں ملاقات کر سکتے ہیں۔“
میں نے تن سنگ اور دسنتی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ دونوں ابھی تک اسٹین گن والے کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کمرے میں ریڈیو آن تھا۔ انسٹنٹ ریکارڈنگ کے ذریعہ بنکاک ریڈیو سے رسونتی کا پیغام سنایا جا رہا تھا۔ اتنے میں دوسری کالی بلا نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ”ابھی ابھی پیغام ملا ہے کہ زنگون میں ہماری ایک کالی بلا رسونتی سے ملاقات کرنے والی ہے۔ اس ملاقات تک تن سنگ اور دسنتی کو زندہ رکھا جائے۔ ان کے زندہ رہنے تک ہماری کالی بلاؤں کی عمر بھی چند منٹ کے لیے بڑھ گئی ہے۔“
اس کی باتوں کے دوران میں نے ایک اور کالی بلا کی آواز سنی وہ ریڈیو بنکاک سے مجھے مخاطب کر رہا تھا۔ ”فرہاد! میں بھی سینے پر بم باندھے تمہیں مخاطب کرنے آ گیا ہوں۔ تم یا بنکاک کی پولیس والے مجھے چھیڑو گے تو میرے ساتھ یہ ریڈیو اسٹیشن تباہ ہو جائے گا۔ فرہاد! غور سے سنو۔ رسونتی نے ہمارے فیصلہ پر عمل کیا ہے، اسکے رشتہ دار اب سلامت رہیں گے۔ تمہاری روپوشی رومانہ کی موت بن جائے گی۔ اب بھی دو منٹ کا وقت ہے۔ مجھے بتا دو کہ تم کہاں ہو ورنہ تمہاری ضد تمہیں مہنگی پڑے گی۔ اب ایک منٹ ستاون سیکنڈ رہ گئے ہیں۔“
میں نے رومانہ کی خبر لی۔ ٹیکسی کا ریڈیو بھی آن تھا۔ کالی بلا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ”اب ایک منٹ پچپن سیکنڈ رہ گئے۔“
رومانہ اب اگلی سیٹ پر آ گئی تھی۔ ڈرائیور کو اشاروں کی زبان میں سمجھا رہی تھی کہ وہ کسی ایسے گھاٹ پر لے چلے جہاں کرائے پر موٹر بوٹ ملتی ہو۔

وہ اشارے کی زبان میں بولا۔ ”وہ گھاٹ بہت دور ہے۔“
رومانہ نے کہا۔ ”کوئی بات نہیں گاڑی کی رفتار بڑھاؤ۔“
رفتار بڑھ گئی۔ میں نے کہا۔ ”رومانہ! پیچھے دیکھو۔ تعاقب تو نہیں کیا جا رہا ہے؟“
وہ سر گھما کر دیکھنے لگی۔ دور تک کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی وہ ساحلی سڑک ویران تھی۔ ریڈیو سے آواز آ رہی تھی۔ ”ایک منٹ انچاس سیکنڈ۔ اٹھاون۔ ستاون۔ چھپن۔ پچپن۔۔۔!“
میں نے پریشان ہو کر کہا۔ ”رُومانہ! بڑے اعتماد سے چیلنج کے ساتھ وقت بتایا جا رہا ہے یقیناً موت قریب ہے۔ وہ مقامی ڈرائیور کالی بلا ہو سکتا ہے۔ اسے چھیڑے بغیر ٹیکسی سے چھلانگ لگاؤ۔“
رومانہ نے ایک جھٹکے سے دروازے کو کھولا۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے باہر کی طرف چھلانگ لگا دی۔ سڑک کے کنارے آ کر گری۔ پھر زمین پر لڑھکتی ہوئی ایک ناریل کے درخت سے ٹکرا کر رک گئی۔ بڑی سخت چوٹیں آئی تھیں۔ ایک پاؤں کا گھٹنا درد کی شدت سے چیخ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اٹھ نہ سکی۔ دوسری طرف ذرا دور جا کر ٹیکسی رُک گئی تھی۔ وہ مقامی ڈرائیور اپنی قمیص اتارتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ رومانہ نے دیکھا۔ اس کے سینے سے ایک بیلٹ بندھا ہوا تھا اور اس بیلٹ سے کوئی چیز منسلک تھی یقیناً وہ چھوٹا سا بم تھا۔ یہ دیکھتے ہی رومانہ نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر بڑے کرب سے کراہتے ہوئے لنگڑانے لگی کالی بلا تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔
میرے اندر کھلبلی سی پیدا ہوئی۔ رومانہ کو ایسی چوٹ آئی تھی کہ وہ جمناسٹک کے کرتب نہیں دکھا سکتی تھی۔ تیزی سے بھاگ کر کالی بلا سے دور نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر آخری منٹ کا آخری سیکنڈ پورا ہوا۔ پھر جیسے میری کھوپڑی میں زبردست دھماکہ ہوا ہو۔ جیسے رومانہ کی چیخ میری زندگی کی آخری چیخ بن گئی ہو۔ ایک دم سے میری آنکھ کھل گئی مگر اٹھنے کی سکت نہ رہی تھی۔ مجھ پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا تھا۔

رومانہ۔ رومانہ! تم کہاں ہو؟
میں نے موت کے بے شمار تماشے دیکھے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے بھی ایک دن فنا ہو جانا ہے مگر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ موت اتنی جلدی رومانہ کو لے گئی ہے۔ وہ خیال کی اسکرین پر بحری جہاز پر نظر آ رہی تھی، جب وہ لڑکا بن کر رہنا پسند کرتی تھی۔ پھر مجھے دکھائی دیا۔ وہ میری قربت کی آنچ میں پگھل کر لڑکی بن رہی تھی۔ جب اس کے باپ نے مجھے جہاز کے ایک کیبن میں قید کیا تھا تو وہ پہلی بار میری آغوش میں آئی تھی۔ اس پہلے دن سے آج آخری دن تک اس نے ایسا بھرپور پیار دیا تھا، ایسی وفاداری کا ثبوت دیا تھا کہ موت اسے میرے اندر نہیں مار سکتی تھی۔
مگر اس کی صورت تو اب کبھی نظر نہیں آئے گی۔ صدمہ کی شدت سے میرے دل میں درد پیدا ہوا۔ بڑا ہی ناقابلِ برداشت درد تھا۔ میں بستر سے لڑھک کر فرش پر گر پڑا۔ پختہ فرش پر مکے مارنے لگا۔ یہ جنونی حرکتیں تھیں۔ میں گھونسے مار رہا تھا اور دانت پیس پیس کر بول رہا تھا۔ ”میں دشمنوں سے کھیلنے والا احمق ہوں۔ میں نے کیوں نہ سوچا کہ جو ہستی مجھے چاہے گی، وہ کبھی نہ کبھی دشمنوں کے ہاتھوں ماری جائے گی۔ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں کسی سے محبت کروں۔ اس کے جذبات سے کھیلوں۔ پھر اسے کھلونے کی طرح ٹوٹ جانے کے لیے چھوڑ دوں۔“
میں نے ٹھنڈے فرش پر چہرے کو ٹیک دیا جیسے بچہ ماں کی گود میں سر رکھ کر دُکھڑا بیان کرتا ہے۔ ویسے ہی میں آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔ شمع بینی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہزار صدمات کے باوجود ذہنی انتشار دیر تک نہیں رہتا۔ دماغ ٹھہر ٹھہر کر مجھے سمجھاتے لگا۔ ”بس کرو۔ ہوش میں رہ سوچو، سمجھو اور عہد کرو کہ جو غلطی ہو چکی ہے، وہ آئندہ نہیں ہو گی۔“
”ہاں۔“ میں نے ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ ”آج میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا، اتنی بڑی دنیا میں تنہا رہوں گا۔ مجھے کسی سے محبت نہیں ہو گی کبھی کسی سے کوئی رشتہ قائم نہیں ہوگا۔ جو رشتے تھے، وہ سب آج ختم ہو چکے ہیں۔ آج سے، ابھی سے ایک نیا فرہاد جنم لے رہا ہے یہ فرہاد دنیا والوں کے لیے بالکل اجنبی رہے گا۔“
میرے ضمیر نے دماغ پر دستک دی۔ ”پرانے رشتوں کو منجدھار میں چھوڑنا انسانیت نہیں ہے۔“
ہاں۔ میری وجہ سے بے بی اور شرلاک پر بھی مصیبت آ سکتی تھی۔ کیا وہ کالی بلائیں انہیں بھی نشانہ بنائیں گی؟
میں پریشان ہو کر فرش پر بیٹھ گیا۔ رسونتی نے ایک کالی بلا کے فیصلے پر عمل کیا تھا، اس کے رشتے داروں کو زندگیوں کی ضمانت مل گئی تھی۔ اب رسونتی ہی ان کالی بلاؤں سے دوستانہ سمجھوتہ کر کے بے بی اور شرلاک کی بھی حفاظت کر سکتی تھی۔ میں نے اس سے دماغی رابطہ قائم کرنے کے لیے سوچا۔ اسی وقت اس کا لہجہ سنائی دیا۔
”میں تمہارے پاس ہوں فرہاد! مجھے افسوس ہے کہ رُومانہ بے موت ماری گئی۔ دراصل تم پرامید تھے کہ ہمیشہ کی طرح دشمنوں سے نجات حاصل کر لو گے۔ رومانہ پر آنچ نہیں آئے گی۔ میں یہی سمجھ رہی تھی مگر ان کالی بلاؤں نے خشکی، سمندری اور فضائی راستوں کی زبردست ناکہ بندی کی ہے۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں فرہاد! میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ صبر کرو اور بہت محتاط رہو۔“

میں نے پوچھا "تم اس وقت کہاں ہو؟"

"برمی حکومت کی پناہ میں ہوں۔ میری درخواست پر تیاجی اور دسنتی کو یہاں رنگون میرے پاس پہنچایا جا رہا ہے۔"

"بے نی اور شرلاک کا کیا ہوگا رسونتی؟"

وہ بولی "تم میرے رشتے داروں کے لیے دن رات جدوجہد کرتے رہے تھے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ بے نی شرلاک اور ان کے خاندان کو تباہ نہیں ہونے دوں گی۔ اس وقت میں ایک سرکاری عمارت میں ہوں۔ ایک کالی بلا ہمیشہ میرے قریب رہتی ہے اس کالی بلا کا کہنا ہے کہ جب تک فرہاد ہاتھ نہیں آئے گا اس وقت تک ایک نہ ایک بلا میرے پاس رہا کرے گی۔ یعنی جب تمہیں گرفتار کرکے میرے پاس پہنچا دیا جائے گا اور بڑے ممالک ہمارے متعلق کوئی دانشمندانہ فیصلہ کریں گے تو وہ کالی بلائیں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی۔"

اس کے بولنے کے دوران کمرے کا دروازہ کھلا۔ دوسری کالی بلا اندر آئی۔ اس نے کہا "رسونتی! ابھی ہمیں اطلاع ملی ہے کہ فرہاد ہمارے آدمیوں کے نرغے میں آگیا ہے۔ وہ ایک موٹر بوٹ میں سمندری راستے سے فرار ہو رہا تھا۔ اس احمق کو یہ نہیں معلوم تھا کہ کالی بلائیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ تم اس سے رابطہ قائم کرو۔ اسے سمجھاؤ کہ اپنا ریوالور پھینک کر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرے۔ ہم اسے مارنا نہیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔"

اس کی بکواس سن کر رسونتی پہلے حیران ہوئی تھی۔ پھر سمجھ گئی کہ وہ کسی دوسرے کو فرہاد سمجھ رہے ہیں۔ وہ بولی "میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ فرہاد نے اپنے دماغ کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ میں نے تمہارے فیصلے پر عمل کیا ہے اس لیے وہ ناراض ہے۔"

وہ ذرا چپ ہوئی تو میں نے کہا "کالی بلا سے کہو، جن لوگوں نے فرہاد کو گھیر رکھا ہے ان میں سے کسی کی آواز سنائی جائے۔ تم اس آواز والے کے ذریعے فرہاد کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرو گی۔"

رسونتی نے یہی کیا۔ اس کالی بلا نے ایک ٹرانسمیٹر آن کرکے اپنے ایک ساتھی سے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہم سب اسی پوزیشن میں ہیں۔ فرہاد کی طرف بڑھ نہیں سکتے۔ ہمارا ایک ساتھی بوٹ کو ڈرائیو کر رہا ہے اور وہ فرہاد کے ریوالور کی زد پر ہے۔ ہم سب موت کو گلے لگا سکتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ فرہاد بھی مر جائے گا۔ ہمیں بتایا جائے کہ ہم کیا کریں؟"

میں اس بولنے والے کالی بلا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ رسونتی کے پاس سے کالی بلا کی آواز موٹر بوٹ کے ٹرانسمیٹر پر سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "انتظار کرو۔ رسونتی ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے پاس آ رہی ہے۔ وہ فرہاد کو سمجھائے گی۔"

میں نے موٹر بوٹ میں دیکھا۔ ایک لانبے قد کا صحت مند جوان ہاتھ میں ریوالور لیے بوٹ ڈرائیور کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ ان سے پوچھ رہا تھا "تم لوگ فرہاد کو گرفتار کیوں کرنا چاہتے ہو؟ اور مجھے فرہاد کیوں سمجھ رہے ہو؟"

کالی بلا نے کہا "تم قریب آکر صرف اتنا یقین دلا دو کہ بہروپئے نہیں ہو۔ تم نے میک اپ نہیں کیا ہے۔"

میں اس ریوالور والے جوان کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ قریب جا کر اپنا چہرہ نہیں دکھانا چاہتا تھا کیونکہ وہ میک اپ میں تھا۔ اپنے ایک دشمن کو قتل کرنے کے بعد دو دن تک میک اپ میں خود کو چھپائے رکھا۔ اب اسی میک اپ میں سمندری راستے سے فرار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی زبان سے کہا "میں تم لوگوں کے قریب جانے کی حماقت نہیں کر سکتا۔ چلو میں اقرار کرتا ہوں کہ میں فرہاد ہوں۔"

ایک کالی بلا نے فوراً ہی ٹرانسمیٹر کو آن کرتے ہوئے کہا "فرہاد اپنی اصلیت کا اقرار کر رہا ہے۔ رسونتی ابھی تک نہیں پہنچی۔"

رسونتی نے اپنے پاس کھڑی ہوئی کالی بلا سے کہا "میں فرہاد کے دماغ میں ہوں۔ اسے ریوالور پھینکنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔"

کالی بلا نے ٹرانسمیٹر پر کہا "رسونتی ٹیلی پیتھی کے ذریعے فرہاد سے باتیں کر رہی ہے۔ تم بھی فرہاد کو یقین دلاؤ کہ ہم اسے مارنا نہیں چاہتے ہیں۔ ہم اس سے دوستی کرنے کے لیے اس کی شرائط مان لیں گے۔"

میں نے اس قاتل جوان کی زبان سے کہا "یہ ٹرانسمیٹر بند کرو۔ رومانہ میری زندگی تھی، وہ نہیں رہی تو اب میں بھی تمہارا دوست بن کر نہیں رہوں گا۔ آؤ ہم اپنی لاشوں کے ٹکڑے کرکے انہیں سمندر کی تہہ میں پہنچا دیں۔"

یہ کہتے ہی اس نے کالی بلا کے سینے پر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی بم کا دھماکہ سنائی دیا۔ یقیناً پرانے کپڑے کی طرح موٹر بوٹ کی دھجیاں اڑی ہوں گی۔ مجھے وہ تماشہ دکھانے کے لیے وہاں کوئی دماغ زندہ نہیں تھا۔ میں نے رسونتی سے کہا "تم نہ رہو۔ فرہاد کی موت پر ماتم کرو۔"

یک بیک وہ چیخ کر بولی "فرہاد! نہیں نہیں۔ فرہاد نہیں مر سکتے۔ نہیں مر سکتے۔۔۔!"

یہ کہتے ہی وہ دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ کالی بلا نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا ہوا؟ تم کیوں رو رہی ہو؟"

وہ چھاتی پیٹ کر بولی "وہ ضدی تھا۔ مجھ پر احسانات کرتا رہا۔ بلاتے کیسا ضدی تھا۔ مجھے اپنے کام آنے کا موقع نہیں دیا۔

یقین نہیں آ رہا ہے۔ نہیں نہیں تمہیں موت نہیں آ سکتی نہیں نہیں۔"

وہ جنونی انداز میں اپنا سر انکار میں ہلانے لگی۔ اپنے بال نوچنے لگی۔ کالی بلا نے ٹرانسمیٹر آن کرکے بوٹ والی بلاؤں سے رابطہ قائم کرنا چاہا۔ تب تصدیق ہوگئی کہ فرہاد کے ساتھ سب ہی فنا ہو چکے ہیں۔

اگرچہ بڑے بڑے ممالک کو میری موت کا یقین مشکل ہی سے آئے گا۔ اب سے پہلے بھی ایک بار دستاویزی فلم کے ذریعہ میری موت کی تصدیق ہوئی تھی۔ دوسری بار میری موت کا یقین نہیں آئے گا۔ لیکن یہ اطمینان مجھے تھا کہ کالی بلائیں یقین کر لیں گی۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعہ ان کے ساتھیوں نے مرنے سے پہلے یقین دلایا تھا کہ وہ فرہاد کے ساتھ مر رہے ہیں۔ مزید یہ کہ رسونتی کی ماتمی آہ و زاری سے بناوٹ نہیں جھلک رہی تھی۔ وہ روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

وہ دونوں کالی بلائیں اس پر جھک گئیں۔ اس کی نبض ٹٹولنے اور اس کی بیہوشی کو سمجھنے لگیں۔ رسونتی کو سانس روکنے میں مہارت حاصل تھی۔ بیہوشی کا ناٹک خوب کھیل رہی تھی۔ ان دونوں میں سے ایک ڈاکٹر کو بلانے کے لیے دوڑا۔ دوسرا سوچ رہا تھا کہ ہیڈ کوارٹر تک اس واقعہ کی اطلاع پہنچانا چاہیے۔ وہ ٹرانسمیٹر آن کرکے رابطہ قائم کرنے لگا۔ اس کی سوچ نے بتا دیا کہ وہ صرف واقعہ کی اطلاع دے گا۔ دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوگا۔ وہ فرہاد کی موت اور رسونتی کی بیہوشی کے باوجود محتاط اور سہمے ہوئے تھے۔ چند کالی بلاؤں کو ہیڈ کوارٹر سے باتیں کرنے کی اجازت دی گئی تھی، دوسری کالی بلائیں چپ رہنے کی پابند تھیں۔ وہ پیغامات سن سکتی تھیں۔ جواب نہیں دے سکتی تھیں۔

مختصر یہ کہ میں اور رسونتی ہیڈ کوارٹر کی کسی بلا تک نہیں پہنچ سکے۔ ڈاکٹر وہاں آیا۔ اس کے آنے سے پہلے ہی رسونتی ہوش میں آگئی۔ لیکن اس طرح کہ سکتے کی حالت میں چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ میں نے کہا "شکریہ رسونتی! بہت عمدہ پرفارمنس ہے۔ اب ذرا وہاں کے گورنر کے دماغ میں پہنچو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے۔"

برما کے گورنر سے رسونتی کی باتیں پہلے ہو چکی تھیں۔ اسی نے رسونتی کو سرکاری عمارت میں پناہ دی تھی۔ میں اس کے ذریعہ اس حاکم کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ تمام بڑے ممالک کے سفیر یکے بعد دیگرے ملاقات کے لیے آ رہے تھے۔ کوئی سفیر درخواست کر رہا تھا کہ رسونتی کو اس کے ملک میں پہنچایا جائے کوئی دھمکی دے رہا تھا کہ رسونتی اس کے ملک میں نہ پہنچائی گئی تو جنگ چھڑ جائے گی۔ ایسے ہی وقت اطلاع پہنچی کہ فرہاد موت کی نیند سو چکا ہے۔ ایک کالی بلا کہہ رہی تھی کہ جب تک ہیڈ کوارٹر سے کوئی آخری فیصلہ نہیں سنایا جائے گا، وہ کالی بلائیں رسونتی کے ساتھ سائے کی طرح لگی رہیں گی۔

میں نے کہا "رسونتی! چند گھنٹے بعد میری موت کی خبر عام ہوگی۔ بڑے ممالک کے سربراہوں کو بھی کسی حد تک یقین آ جائے گا تو سب کی توجہ صرف تم پر ہوگی اور وہ سب تمہیں زندہ رکھنے اور اپنے ملک میں تمہیں رکھنے کے لیے آپس میں کتوں کی طرح لڑیں گے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا جائے گا۔ تم پہلی فرصت میں بے نی اور شرلاک کی حفاظت کے لیے شرائط پیش کرو۔ یہ اچھا موقع ہے۔ تمام ممالک تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بے نی اور شرلاک کے محافظ بن جائیں گے۔"

"فرہاد! میں بڑے سہانے سپنے دیکھ رہی تھی۔ اپنی اس نئی مملکت میں راج کر رہی تھی، جسے میں قائم نہیں کر سکوں گی۔ تم بتاؤ کیا بازی ہار گئے ہو؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "ابھی میں اپنے اندر کی ضد کو کچل رہا ہوں۔ یہ ضد مجھے کسی کے آگے ہار ماننے نہیں دیتی۔ اس ضد کے ہاتھوں میں آتے دن اپنے دشمنوں کی تعداد بڑھاتا رہا۔ کبھی میں اپنی داستان لکھوں گا تو پڑھنے والے بور ہو جائیں گے کہ میری داستان میں یکسانیت پیدا ہوگئی ہے۔ میں مجبوباتیں پالتا ہوں اور دشمنوں کی ایک ٹیم سے نمٹ کر دوسرے نئے دشمن پیدا کر لیتا ہوں۔"

میں نے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ پھر ایک گہرا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا "سچ تو یہ ہے کہ میری زندگی گزارنے کے انداز میں جو یکسانیت پیدا ہوگئی ہے اس سے میں خود بیزار ہو گیا ہوں نئی مملکت حاصل کرنے والی بازی ابھی میرے ہاتھ میں ہے۔ اب میں مردہ فرہاد بن کر ایک ایک کالی بلا کو چن چن کر مار سکتا ہوں۔ رومانہ جیسی عزیز ہستی کو کھونے کے بعد اب کچھ ہارنے کے لیے نہیں رہا۔ بے نی اور شرلاک تمہاری حفاظت میں رہیں گے۔ جس طرح تم نے حالات کے مطابق دشمنوں سے سمجھوتہ کیا۔ سونیا بھی مصلحت اندیش ہے۔ وہ بھی اسی طرح دشمنوں کو شاید دوست بنا لے گی۔ اب میں تنہا ہوں، آزاد ہوں۔ دشمنوں کی دانست میں مردہ ہوں۔ ان کی نظروں میں زندہ بھی ہوا تو اب وہ مجھے بلیک میل نہیں کر سکیں گے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر تم سمجھ سکتی ہو کہ میں نے بازی نہیں ہاری۔ کچھ عرصہ مردہ بن کر کالی بلاؤں سے نمٹ کر پھر بڑے ممالک سے بازی جیت سکتا ہوں مگر اب جیتنا نہیں چاہتا۔"

رسونتی نے کہا "میں سمجھ رہی ہوں، رومانہ کی موت نے تمہیں بہت متاثر کیا ہے۔"

"ہاں۔ میں یہ کبھی نہیں بھولوں گا کہ بازی جیتنے کی ضد میں رومانہ کو ہار گیا۔ اتنا بڑا نقصان اٹھانے کے بعد اب میں زندگی گزارنے کا انداز بدل رہا ہوں۔ اب میں سوچوں گا کہ میں کسی نئے روپ میں زندگی کیسے گزار سکتا ہوں۔ ایسے کہ اب میرا کوئی دشمن نہ ہو۔ میں

چپ چاپ ایک پُرسکون زندگی گزاروں۔ میرے اندر جو انتقامی جذبات ہیں انہیں ہمیشہ کے لیے کچل ڈالوں۔ انسانوں کے اس جنگل میں پتہ نہیں کتنے مرد، عورتیں اور بچے اجنبی فرہاد کی زندگی میں آئیں گے کوئی فرہاد کو کبھی نہیں پہچان سکے گا۔ کوئی فرہاد کا دوست اور رشتہ دار نہیں بن سکے گا۔ اب میں رومانہ کی طرح کسی کی زندگی کو داؤ پر نہیں لگاؤں گا۔"

"آہ!" رسونتی نے کہا۔ "جب میں دشمنوں سے سمجھوتہ کر رہی ہوں تو تم چپ چاپ پُرسکون زندگی گزارنے کا فیصلہ کر رہے ہو۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم ایک علیحدہ ملک کے بجائے ایک چھوٹا سا گھر بناتے اور ہم دونوں وہاں چین سے زندگی بسر کرتے۔"

"رسونتی! میں اب بھی وہ گھر نہیں بناؤں گا، جہاں ایک بیوی اور بچے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا نا کہ کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔ کوئی رومانہ کی طرح نہیں مرے گی۔"

"فرہاد! آئندہ کیا ہوگا؟ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ تم یہ بتاؤ کہ اب کہاں جاؤ گے؟ کیا کرو گے؟"

"مجھے سوچنے دو، پھر بتاؤں گا۔"

رسونتی سے تھوڑی دیر بعد رابطہ ختم ہوگیا۔ میں دوسرا سگریٹ سلگا کر سوچنے لگا۔ اس دنیا میں بے شمار لوگ گمنامی کی پُرسکون زندگی گزارتے ہیں۔ شہرت حاصل کر کے مصیبتیں مول نہیں لیتے۔ اگر میں دوسروں کی نظروں میں آنے والا کوئی کام نہ کروں۔ اگر میں کسی کے سامنے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ نہ کروں تو نہ کوئی مجھے پہچانے گا اور نہ ہی کوئی میری ذات میں دلچسپی لے گا۔

انسان فطرتاً تجسس پسند ہے۔ وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں؟ جبکہ کچھ بھی سوچ رہے ہوں۔ اگر دوسروں سے زیادہ توقع نہ رکھیں، دوسروں کے محتاج نہ رہیں اپنے کام سے کام رکھیں تو ہمیں کبھی یہ سوچنا نہ پڑے کہ دوسرے ہمارے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ٹیلی پیتھی عذاب لاتی ہے۔ آئندہ میں کسی کے خیالات نہ پڑھوں۔ ایک عام شخص کی طرح اپنے حالات سے گزرتا رہوں۔ ہاں اگر کبھی ایسی مصیبت نازل ہو کہ نجات حاصل کرنے کے لیے بہت مجبور ہو کر ٹیلی پیتھی کا سہارا لینا پڑے تو میں مجبوراً صرف اسی حد تک خیال خوانی کروں گا کہ اپنی ذات کے نقصان سے بچ سکوں۔ اس کے بعد پھر ٹیلی پیتھی کو اپنے دماغ کے اسٹور روم میں مقفل کر دوں گا۔

اس فیصلے سے مجھے تقویت پہنچی۔ دماغ نے سمجھایا "مجھے ابھی خیال خوانی کو ترک کر دینا چاہیے۔ رسونتی اپنے وعدہ کے مطابق لیلیٰ اور شرلاک کی حفاظت کرتی رہے گی۔ میں ان کی فکر نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی خیالات پڑھوں گا۔ بے بی کو صدمہ ہوگا مگر یہ سوچ کر رفتہ رفتہ صبر کرے گی کہ مرنے والے واپس نہیں آتے۔ سونیا کو بھی ہو جائے گا۔ ویسے بھی اسے حمی کے پیار کا سہارا مل چکا ہے۔ کبھی وہ مصیبت میں گرفتار ہوگی تو دیکھا جائے گا۔"

اپنے فیصلے پر سختی سے عمل کرنے کے لیے میں نے سوچا کہ رسونتی سے بھی خیال خوانی کے ذریعے گفتگو نہیں کروں۔ ہاں وہ میرے دماغ میں آکر باتیں کرے تو یہ دوسری بات ہوگی۔ اسی وقت رسونتی کی آواز سنائی دیا "ٹھیک ہے فرہاد! پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے۔ میں تم سے باتیں کر لیا کروں گی۔ تم اپنے فیصلے پر عمل کر کے دیکھو۔ میری یہی تمنا ہے کہ اب تمہیں کوئی نہ پہچانے۔ تم دنیا کے لیے مر چکے ہو۔ صرف میرے لیے زندہ رہو گے۔ میں کبھی نہ کبھی تمہارے پاس ضرور آؤں گی۔"

میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم جب بھی آؤ! تمہارے پیچھے ہنگامے بھی آئیں گے۔"

"میں سوچ سمجھ کر تمہاری طرف قدم اٹھاؤں گی۔ چھوڑو یہ بہکی باتیں ہیں۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں سوچا کہ اب کیا کرو گے تم جہاں ہو وہ تمہاری مستقل پناہ گاہ نہیں بن سکتی۔"

"ہاں لی نا مجھے اس عمارت تک چھوڑ کر گئی ہے۔ سامی امانت کے طور پر لے گئی ہے۔ اگر میں آدھی رات تک لی نا کے پاس نہیں جاؤں گا تو وہ یہاں آ جائے گی۔"

"فرہاد! سامی تمہاری پہچان بن گئی ہے۔"

"سامی۔ میری وفادار سامی۔ میں نے سوچا تھا کہ کبھی سامی کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن وہ سچ مچ میری پہچان کا ذریعہ بن گئی تھی۔ وہ میرے ساتھ ہوگی تو میں ہزار بہروپ میں پہچان لیا جاؤں گا۔ تو کیا میں اس بے زبان جانور کا بھی ساتھ چھوڑ دوں؟ انسان اپنے کردار کی خوبیوں سے ہزاروں مثالیں پیش کرتا ہے مگر ایک جانور جیسی بے مثال وفاداری کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا: "رسونتی! میں نے انسانی رشتوں سے دور رہنے کا عہد کر لیا ہے مگر سامی سے دور رہوں گا تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا۔ خدا کرے کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ سامی کا ساتھ نہ چھوٹے۔"

"ساتھ نہیں چھوٹے گا تو تمہارے چہرے سے میک اپ چھڑا کر دشمن تمہیں پہچان لیں گے۔"

میں نے سامی کی چاہت میں کہا "کوئی ایسا میک اپ ہو جو کبھی نہ چھوٹے۔ یا پھر میں اپنا چہرہ بگاڑ لوں تاکہ پہچانے جانے کا اندیشہ ہی نہ رہے۔"

ایسا کہتے وقت میرے دماغ میں اچانک ایک تدبیر آئی۔ میں نے کہا "رسونتی! میں پلاسٹک سرجری کے ذریعے ہمیشہ کے لیے چہرہ تبدیل کروں گا۔"

"آں۔ یہ تمہیں کیا سوجھ رہی ہے۔ اتنے اچھے چہرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے ہو۔ میں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔"

"تم اس لیے ایسا کہہ رہی ہو کہ تم اس چہرے سے محبت کرتی ہو۔ اسے پوجتی ہو۔"

"ہاں۔ تمہاری صورت میرے ذہن میں نقش ہے۔"

"ذہن پر جو نقش ہو کبھی نہیں مٹتا۔ صورتیں بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ اگر میں پلاسٹک سرجری کے مراحل سے گزر جاؤں تو آئندہ کبھی میک اپ کرنے اور روپ بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"درست کہتے ہو۔ ساری عمر نئے چہرے کے ساتھ زندہ رہنا ہو تو پلاسٹک سرجری سے گزرنا ٹھیک ہے لیکن سرجری کے بعد بھی تم نے خیال خوانی کی تو فرہاد کی حیثیت سے پہچان لیے جاؤ گے۔ بہتر ہے پہلے خود کو تول لو کہ اپنے فیصلے پر اٹل رہ سکتے ہو یا نہیں؟"

"میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ میرا یہ ارادہ فولادی رہے گا یا نہیں یہ آنے والا وقت بتائے گا۔"

رسونتی نے کہا "فرہاد! کچھ لوگ ملنے آ رہے ہیں۔ ذرا دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔"

میں نے کہا "ان کی باتیں سننے کے لیے مجھے تمہارے دماغ میں پہنچنا ہوگا اور میں خیال خوانی سے پرہیز کرنے لگا ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم آنے والوں سے باتیں کرو اگر تمہیں کوئی الجھن یا پریشانی ہوگی تو مجھے بلا لینا۔ مجبوری کی حالت میں میں تمہاری سوچ تک پہنچ سکتا ہوں۔"

وہ میرے مشورے کو مان کر رخصت ہو گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نے پلاسٹک سرجری کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ اس کے اچھے برے پہلوؤں پر غور کرنے لگا۔ دشمنوں سے ساری عمر چھپے رہنے کے لیے یہی ایک صورت بہتر نظر آ رہی تھی۔ اور اس طرح سامی بھی میرے ساتھ رہ سکتی تھی۔ کافی دیر تک غور کرنے کے بعد ایسے ڈاکٹر کی تلاش کا مرحلہ آیا جو پلاسٹک سرجری کا ماہر ہو۔ اس مسئلہ پر تھوڑی دیر اور ذہن کھپانے کے بعد گنز پیپلز کا ڈاکٹر آرتھر یاد آیا۔ وہ مجھے بتا سکتا تھا کہ پلاسٹک سرجری کا ماہر سرجن کہاں مل سکتا ہے۔

پھر وہی خیال خوانی کی بات آئی۔ میں ڈاکٹر آرتھر کی سوچ پڑھ کر ہی معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ چونکہ یہ ایک اہم مسئلہ تھا اس لیے میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ رات کے دس بجنے والے تھے۔ ڈاکٹر آرتھر ایک شاندار آفس میں بیٹھا ہوا پروفیسر اور بٹر فلائی سے باتیں کر رہا تھا۔ گنز پیپلز کی امداد کے لیے شرلاک نے پچاس ہزار ڈالر اور میرے اجنبی مہربان نے ماسک مین کی طرف سے دو لاکھ ڈالر دیے تھے۔ اتنی کثیر رقم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ایک بہت بڑی انڈسٹری قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ عورتوں اور بچوں کے لیے کاٹیج انڈسٹری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اس سلسلے میں وہ اتنی رات تک اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے کاروبار اور آمدنی بڑھانے کی پلاننگ کر رہے تھے۔

بٹر فلائی نے میرے وعدہ کے مطابق میرا انتظار کیا ہوگا اور پھر مایوس ہو گئی ہوگی۔ وہ بھی سپر ماسٹر کے آدمیوں سے چھپتی پھر رہی تھی۔ میں نے ایک بار اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنا چہرہ تبدیل کرے۔ میں نے ڈاکٹر آرتھر کی سوچ کے ذریعے پلاسٹک سرجری کی بحث چھیڑ دی۔ ڈاکٹر نے وُومی کو عرف بٹر فلائی سے کہا "ارے ہاں یاد آیا۔ مسٹر فرہاد نے تمہیں صورت بدل کر رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ پُراسرار شخص کہاں گم ہو گیا ہے؟"

بٹر فلائی نے سرد آہ بھر کر کہا "وہ آگے چلنے کے بعد پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھتا ہے۔ پھر بھی اس کا بڑا احسان ہے اس نے گنز پیپلز کے مستقبل کو شاندار بنا دیا ہے۔ رہ گئی میری صورت بدلنے کی بات تو یہ ممکن نہیں ہے۔ سنا ہے پلاسٹک سرجری کے مرحلوں سے گزرنے کے لیے لاکھوں ڈالر لگتے ہیں۔"

ڈاکٹر آرتھر نے کہا "یہاں بنکاک میں ایک عالمی شہرت یافتہ ماہر سرجن ہے مگر بے حد عیاش اور لالچی ہے۔ یقیناً بڑی رقم کا مطالبہ کرتا ہوگا۔"

میں نے آرتھر کی سوچ میں کہا "ذرا معلوم کرنا چاہیے کہ پلاسٹک سرجری کے اخراجات کیا ہوتے ہیں؟"

میرے اکسانے پر اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ اس کے ذہن میں ایک جاپانی ڈاکٹر ہوماگاچی کا نام تھا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی ڈاکٹر ہوماگاچی کے سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ وہ آرتھر کا سوال سننے کے بعد جواب دے رہا تھا "سوری ڈاکٹر ہوماگاچی اگلے موسم بہار تک مصروف ہیں۔ فی الحال وہ کوئی کیس نہیں لیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ سیکرٹری جاپانی زبان میں سوچ رہا تھا "اونہہ! ڈاکٹر کو تو عیاشی سے ہی فرصت نہیں ملتی وہ کیس کیا لے گا؟ ایک سال میں زیادہ سے زیادہ دو چہروں کی سرجری کرتا ہے اور عیش کرتا ہے۔ اس وقت بھی کسی مقامی لڑکی کے ساتھ منہ کالا کر رہا ہے۔ اوہ! میں تو بھول ہی گیا۔ مادام سوبورا کا پیغام پہنچانا ہے۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دوسری طرف سے ڈاکٹر ہوماگاچی کی دہاڑتی ہوئی آواز سنی "سؤر کے بچے! کیا تم نہیں جانتے کہ اس وقت میں کوئی فون کال برداشت نہیں کرتا۔"

سیکرٹری نے ہکلاتے ہوئے کہا "ج ج... جناب! وہ مادام سوبورا کا ضروری پیغام ہے کہ...."

ڈاکٹر نے مادام کو ایک زبردست ننگی گالی دے کر ریسیور پٹخ دیا۔ وہ بہت زیادہ پیتے ہوتے تھا اور اپنی خواب گاہ میں ایک پینے والی کے ساتھ خود ایک گالی بنا ہوا تھا۔ ایسے وقت مجھے وہاں نہیں رہنا چاہیے تھا لیکن میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کے نشیلے ذہن کو بھڑکایا۔ اس نے غصہ میں لڑکی کی پٹائی شروع کردی۔ وہ خوف زدہ ہوکر چیختی ہوئی اپنا لباس سمیٹ کر وہاں سے بھاگ گئی۔ تب میں نے ڈاکٹر کے ذہن کو کریدنا شروع کر دیا۔

وہ نشہ میں بے حال ہوکر بستر پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ ایک ساحلی بنگلہ نمبر ایس نوری ٹوڈ میں ہے۔ وہ بنگلہ صرف عیاشی کے لیے مخصوص تھا۔ اس کا علم صرف اسکے سیکرٹری کو تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی جو مادام سوبورا کہلاتی تھی، وہ بھی اس بنگلہ کے متعلق نہیں جانتی تھی۔ میں فرش پر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ دنیا کا نقشہ اٹھا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ باتھ روم میں جاکر اسے گٹر میں بہا دیا۔ اس کے بعد فلیٹ سے نکل کر زینے کے پاس آیا۔ موٹے فیض عالم کی موٹی بیوی سے سامنا نہیں ہوا۔ یہ اچھا ہی ہوا۔ میں تیزی سے زینہ اتر کر عمارت سے باہر آگیا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ میں تنہا ڈاکٹر ہوما گاچی سے نمٹ نہیں سکوں گا۔ وہ یقیناً ٹیلی پیتھی کا شکار ہوگا۔ لیکن سرجری کے دوران جب میں ہوش و حواس میں نہیں رہوں گا تو وہ انتقاماً مجھے مار ڈالے گا۔ یا مجھے میرے دشمنوں کے حوالے کر دے گا۔

میں عمارت سے دور جارہا تھا۔ ایسے وقت رونق کام نہیں آسکتی تھی، کیونکہ وہ جاپانی زبان نہیں جانتی تھی۔ ڈاکٹر کو ٹریپ نہیں کرسکتی تھی۔ یوں بھی وہ بڑے ممالک کے درمیان تنازعہ کا باعث بنی رہے گی۔ دن رات مجھ پر توجہ نہیں دے سکے گی۔ پلاسٹک سرجری کا عمل کئی ماہ تک جاری رہنے والا تھا۔ مجھے ایک مستقل محافظ کی ضرورت تھی۔ ایسا محافظ جو دن رات ڈاکٹر کے سر پر مسلط رہے۔

میں تھوڑی دور جاکر رُک گیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟ میں کسی کو دوست یا رشتہ دار نہیں بنانا چاہتا تھا، مگر اب ایک قابل اعتماد ساتھی کی ضرورت پیش آگئی تھی، اور اس اجنبی شہر میں کوئی ایسا نہ تھا جس پر میں اعتماد کرسکتا۔ یعنی اسے ایسا رازدار بنا لیتا کہ وہ مجھے نئے روپ میں بھی پہچانتا رہے اور یہ مجھے منظور نہ تھا۔

دس منٹ بعد میں نے لی نا کی کار دیکھی۔ اس کار کو میں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ دور سے اسے دیکھتے ہی منہ پھیر کر کھڑا ہوگیا۔ کار گزر گئی آگے جاکر ریکس اسکوائر کی عمارت کے سامنے رک گئی۔ لی نا کار سے اتر کر مجھ سے ملنے میرے فلیٹ کی طرف جارہی تھی۔ میں نے اپنی ضرورت کے مطابق سوچ کے ذریعہ معلوم کیا کہ وہ سامی کو کار میں چھوڑ گئی ہے

میں تیز قدم اٹھاتا ہوا کار کی سمت بڑھنے لگا۔

ایک خیال آیا کہ میں لی نا کو رازدار بناؤں، مگر یہ خیال بے کار تھا۔ وہ لڑکی ڈاکٹر ہوما گاچی کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ میں نے کار کے قریب پہنچ کر عمارت کی جانب دیکھا۔ لی نا [illegible] نہیں آسکتی تھی۔ سامی مجھے دیکھتے ہی کار کے اندر اچھلنے لگی۔ میں نے دروازہ کھول کر اسے بازو میں اٹھایا۔ پھر دروازے کو بند کرکے [illegible] سے دوڑتا چلا گیا۔

تھوڑی دور جاکر میں رک گیا۔ راستہ بدل کر تیزی سے مختلف گلیوں کو عبور کرنے لگا۔ ایک گلی میں ایک کتا بھونکنے لگا۔ میں [illegible] گلی سے مڑکر دوسری گلی میں پہنچ گیا۔ لیکن اس کتے کے بھونکنے کا فائدہ ہوا۔ اچانک مجھے وہ ڈاگ ماسٹر یاد آگیا۔ جو بنکاک میں میرے باس کے خونخوار کتوں کو اپنے قابو میں رکھتا تھا۔ وہ میرا عقیدت مند تھا۔ میرا غلام بن کر رہنا چاہتا تھا۔ اس کے باس نے حکم دیا تھا کہ خونخوار کتے مجھ پر چھوڑے جائیں لیکن ڈاگ ماسٹر نے اس باس کو کتوں کا نشانہ بنا دیا تھا۔

ہاں، وہی ایک فرمانبردار شخص ایسا تھا جو غلامی کی حد تک میرا رازدار بن کر رہ سکتا تھا۔ میں فوراً ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں جارہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ وہ خوشی سے اچھل کر بولا۔ "آقا! یہ ... یہ آپ ہیں؟"

میں نے کہا۔ "ہاں، مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"حکم دیں آقا! آپ کے قدموں کی خاک کہاں ہے؟ میں جان دینے کے لیے پہنچ سکتا ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "تمہارے پاس ریوالور ہے؟"

اس نے بتایا کہ ریوالور ہے اور وہ اپنے باس کی کار تک پہنچ سکتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ "نیا باس کون ہے؟"

وہ بولا۔ "ابھی نئے باس کا انتخاب نہیں ہوا ہے۔"

"ڈاگ ماسٹر! یہ فیصلہ کرکے آؤ کہ اب مجھے چھوڑ کر"

"آقا! آپ یہ کہہ کر مجھے نئی زندگی دے رہے ہیں، ورنہ قدموں سے مجھے موت ہی لے جائے گی۔ لیکن یہاں سے میری [illegible] تقریباً پندرہ منٹ کے بعد ہوگی۔ میں اپنے تمام کپڑے جلا کر [illegible] تاکہ وہ کتے میری بُو نہ پاسکیں۔"

"شاباش! تمام احتیاطی تدابیر کے ساتھ آؤ۔ تم وہاں [illegible] تو میں ملاقات کی جگہ بتاؤں گا۔"

وہ وہاں سے روانگی کی تیاریاں کرنے لگا۔ میں سامی [illegible] میں اٹھائے مختلف گلیوں میں بھٹکتا ہوا ایک کشادہ سڑک پر [illegible] آدھی رات ہونے کو تھی مگر راستے روشن تھے۔ گاڑیاں خال خال [illegible] میں آتی جاتی نظر آرہی تھیں۔ دن رات کھلی رہنے والی دکانوں [illegible]

خرید و فروخت جاری تھی۔ میں کچھ کھانے اور وقت گزارنے کے لیے ایک کیفے میں داخل ہوگیا۔ کچھ لوگ کھاتے پیتے نظر آرہے تھے۔ رات کو دھندے کے لیے نکلنے والی عورتیں بھی تھیں۔ میں نے سینڈوچز اور کافی کا آرڈر دیا۔ سامی نے کچھ کھانے سے انکار کیا۔ اتنے میں ایک حسینہ نے قریب آکر مسکرا کر پوچھا۔ "کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "سوری! میرا ایک ساتھی آنے والا ہے۔"

وہ ناگواری سے ہونٹ سکیڑ کر مٹکتی ہوئی کاؤنٹر کے پاس چلی گئی۔ میں نے دماغ کی اسکرین پر ڈاگ ماسٹر کو دیکھا۔ وہ اپنے تمام میلے کپڑے جلا ڈالنے کے بعد ایک اٹیچی لے کر کار میں چل پڑا تھا۔ میں نے کہا۔ "سنو! میں ڈے اینڈ نائٹ شاپنگ سینٹر کے پاس کیفے وکٹوریا میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میری پہچان یہ ہے کہ میرے پاس ایک بلی ہے ویسے تم کیفے میں داخل ہوگئے تو میں خود ہی اٹھ کر تم سے مصافحہ کروں گا۔"

"آقا! میں آپ کے ہاتھوں کو چوم لوں گا۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ میں حُلیہ سے آقا نظر نہیں آتا ہوں۔ پھر کبھی غلام بن کر ہاتھوں کو چوم لینا۔ ابھی ہم دو دوستوں کی حیثیت سے ملیں گے۔"

وہ مایوس ہوکر بولا۔ "میں پہلی بار آپ کے سامنے آرہا ہوں۔ آپ کے سامنے گھٹنے ٹیکنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے میرے حق سے محروم کر رہے ہیں۔ آقا! میں آپ کی برابری نہیں کرسکتا۔ میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ کیفے کے باہر آپ کا منتظر رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہارا باہر ہی رہنا بہتر ہے۔"

میں نے تھوڑے سے سینڈوچز کھائے پھر کافی پینے لگا۔ عورتیں مجھے بار بار دیکھ رہی تھیں اور ادائیں دکھا رہی تھیں تاکہ میں مجبور ہوکر کسی ایک کو تنہائی دور کرنے بلاؤں۔ میں تنہا نہیں تھا۔ میرے ساتھ رُدمانہ کا غم تھا۔ دماغ کے کسی گوشہ میں کسی عورت کی خواہش نہیں تھی۔ اسی لیے لی نا جیسے حُسن و شباب کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ کافی پینے کے بعد میں نے بل ادا کیا۔ پھر سامی کو اٹھا کر باہر آگیا۔ کیفے کے سامنے ہی ایک کار کے پچھلے دروازے کے پاس ایک لمبا تڑنگا نہایت ہی بدصورت حبشی کھڑا ہوا تھا۔ اس کی صورت ایسی بھیانک تھی کہ کمزور دل کے لوگ نیم تاریکی میں اسے دیکھ کر ڈر جاتے۔

اس نے مجھے دیکھا۔ پھر سامی کو دیکھتے ہی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر فٹ پاتھ پر دو زانو ہوگیا۔ سر کو جھکا کر ایک ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔ میں بوکھلا کر تیزی سے چلتا ہوا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اچھا ہوا کہ آدھی رات کو یہ تماشہ دیکھنے والے زیادہ لوگ نہیں تھے۔ قریب ہی فٹ پاتھ پر سے گزرنے والے کچھ لوگ ٹھٹھک گئے تھے۔ وہ کمبخت اپنی غلامانہ ذہنیت سے باز نہیں آیا تھا۔ اس نے فٹ پاتھ سے اٹھ کر پچھلی سیٹ کے دروازے کو بند کیا۔ پھر ٹھٹھکنے والے لوگوں کی طرف دیکھ کر غرّایا۔ "گٹ اوے فرام ہیئر۔ بھوں۔ بھوں۔ بھوں۔"

مجھے ایسا ہی محسوس ہوا جیسے خونخوار کتا بھونک رہا ہو۔ اس کی صورت بھی ایسی بھیانک اور خونخوار قسم کی تھی کہ لوگ سہم کر پیچھے چلے گئے۔ اس نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کی۔ دوسرے ہی لمحہ ہم وہاں سے دور ہوتے جارہے تھے۔ میں نے کہا۔ "میں حالات سے مجبور ہوکر چھپتا پھر رہا ہوں۔ مگر تمہارا یہ غلاموں جیسا انداز دنیا والوں کو میری طرف متوجہ کرلے گا۔"

وہ انکساری سے بولا۔ "آقا! آپ میرے جذبات کو سمجھیں۔ میں اب تک آپ کو خیال خوانی میں پوجتا رہا ہوں۔ آپ کو سامنے دیکھ کر میری کیا حالت ہو رہی ہے۔ آپ ٹیلی پیتھی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ویسے آئندہ میں دنیا والوں کے سامنے محتاط رہوں گا۔"

میں نے اسے بتایا کہ ہم کس مہم پر جارہے ہیں اور اسے میرے ساتھ ایک طویل عرصہ تک روپوش رہ کر کس طرح کا رول ادا کرنا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا اور اچھی طرح سمجھنے کے لیے سوالات کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "تمہارے بہت سے سوالات کے جواب میں نہیں دے سکتا، کیونکہ پلاسٹک سرجری کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔ ابھی ہم ڈاکٹر سے معلومات حاصل کریں گے۔ ویسے ڈاگ ماسٹر تمہارا اپنا کیا نام ہے؟"

"ٹرنگورا۔ را۔" اس نے جواب دیا۔ "غلام کا نام ٹرنگورا۔ را ہے۔ میں جنوبی افریقہ کے ایک مقام کنگا میں پیدا ہوا۔ بچپن سے جوانی تک گھنے جنگلوں میں رہا۔ ایک بار ایک انگریز شکاری نے مجھے ننگے ہاتھوں ایک شیر سے لڑتے دیکھ کر اپنا ملازم رکھ لیا۔ میں نے انگریزی بولنا اور انگریزی کپڑے پہننا سیکھ لیا۔ وہ شکاری مجھے یوگنڈا لے گیا وہاں ایک انگریز عورت بہت حرامی تھی۔ مجھے اپنے ساتھ سونے کے لیے کہتی تھی اور خونخوار کتوں کو سدھاتی تھی ــــــ ایک بار میں اس عورت کو سیدھا کر رہا تھا کہ اس کا انگریز صاحب آپہنچا وہ گوری عورت کے ساتھ مجھ جیسے کالے کو برداشت نہ کرسکا۔ فوراً ہی ریوالور نکال کر مجھ پر فائر کیا۔ گولی میری ران میں لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسرا فائر کرتا، میں نے چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر اسے دبوچ لیا۔ میں جنگل کے درندوں کو دو ہاتھوں سے دبوچتا ہوں۔ انگریز بہادر کی گردن ایک ہی ہاتھ میں آگئی۔"

میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ٹرنگورا۔ را کی باتیں سُن رہا تھا۔ اسٹیئرنگ کو تھامنے والے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ واقعی اس کے دونوں ہاتھوں کے پنجے اتنے بڑے اور ایسے فولادی لگ رہے تھے کہ انسانی گردنوں کے لیے اس کا ایک ہی فولادی پنجہ کافی ہوتا ہوگا۔ وہ بول رہا تھا۔ "آدمی ہو یا جانور اسے ننگے ہاتھوں سے مسل مسل کر مارنے

میں بڑا مزہ آتا ہے۔ مجھے بھوک لگی ہو، تب بھی کسی کو ہلاک کرنے کی خوشی میں میں اور چوبیس گھنٹے بھوکا رہ سکتا ہوں۔"

میں نے کہا "یہ درندگی صرف جنگلوں میں بھلی لگتی ہے۔"

"آقا! جنگل کے درندوں نے سب مجھے سکھایا کہ میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا تو وہ مجھے چبا جائیں گے۔ مہذب دنیا میں آکر پتہ چلا کہ انسانوں کا جنگل سب سے خطرناک ہے۔ درندے بھوک سے مجبور ہوکر حملہ کرتے ہیں۔ انسان بھوک سے، غرور سے، رنگ و نسل کی برتری سے اور اقتدار کے لالچ سے مجبور ہوکر حملے کرتا ہے۔ اس لیے میں جواباً حملے کرتا ہوں۔ میں نے آج تک کسی کمزور کو نقصان نہیں پہنچایا۔"

میں نے کہا "شاباش! تم بہت اچھے ہو۔ ہاں وہ تمہاری ران میں گولی لگ گئی تھی پھر کیا ہوا؟"

"وہ انگریز عورت مجھے ہسپتال لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنا لانبا سا چاقو نکالا۔ پھر ران کا تھوڑا سا گوشت کاٹ کر گولی نکال لی . . ."

وہ سسکاری لے رہا تھا جیسے اپنا گوشت کاٹنے سے بھی مزہ آتا ہو۔ ہماری دنیا میں ایسے اذیت پسند لوگ ہوتے ہیں جو درندوں کی طرح اپنا گوشت بھی چبا لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کوئی جانور اپنا گوشت نہیں کاٹتا ہوگا۔ ایسا انسان ہی کر سکتا ہے بہرحال مجھے ایک اچھا وفادار درندہ ملا تھا۔ وہ اپنے متعلق مزید کچھ نہ بتا سکا کیونکہ ہم ڈاکٹر ہوماگاچی کے بنگلے کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ میں نے کہا "یہاں ہماری آمد کے آثار نہیں رہنے چاہئیں۔"

"سمجھ گیا آقا! میں اس کار کو بہت دور چھوڑ کر آؤں گا۔"

"ہاں پیدل واپس آنا، خواہ کتنی ہی دیر ہو جائے۔ اس بنگلے کا دروازہ تمہارے لیے کھلا رہے گا۔"

میں کار سے اتر گیا۔ وہ کار اپنے ساتھ لے گیا۔ بنگلے کے احاطے کا مین گیٹ کھلا ہوا تھا۔ بنگلے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا کیونکہ وہ لڑکی ڈاکٹر سے مار کھا کر اسی راستے سے بھاگی تھی۔ اس کے بھاگنے کے بعد ڈاکٹر اوندھے منہ بستر پر گر پڑا تھا۔ جب میں اس کی خواب گاہ میں پہنچا تو وہ اسی طرح نشہ کی حالت میں سو گیا تھا۔ میں نے اس بنگلے کے ایک ایک حصے میں سامری کے ساتھ پہنچ کر اطمینان حاصل کیا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ تمام کھڑکیاں بند تھیں۔ میں نے دروازوں کو بھی بند کر دیا۔ ٹرنگورا کے لیے صرف بیرونی دروازے کو کھلا چھوڑ دیا۔

پھر میں نے میک اپ سے نجات حاصل کی۔ غسل خانہ میں اچھی طرح منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے ڈاکٹر ہوماگاچی کو بستر سے اٹھا کر کاندھے پر لادا۔ پھر اسے باتھ روم کے ٹب میں لاکر بٹھا دیا۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی کے شاور کو کھول دیا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ابھی کچھ نشہ تھا۔ اسے میرا چہرہ دھندلا سا نظر آیا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ خواب میں فرہاد علی تیمور کو دیکھ رہا ہے۔

میں نے کہا "ڈاکٹر! ہوش میں آؤ۔ میں فرہاد ہوں اور سامنے کھڑا ہوا ہوں۔"

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ اپنی کھوپڑی پھر بادِ تھنگ ٹب سے نکلنے کے لیے اٹھنے لگا۔ میں اسے خواب گاہ میں لایا۔ وہ سر ہلا کر بولا "ہاں میں خواب میں نہیں ہوں۔ تم سچ مچ فرہاد ہو۔"

میں نے کہا "چلو آرام سے بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ ... کے ذریعہ میرے چہرے کو تبدیل کرنے میں کتنا وقت لگے گا؟"

وہ بین الاقوامی شہرت یافتہ ڈاکٹر تھا۔ شاید اس ... میری اہمیت اور شہرت کو بھول گیا۔ ناگواری سے بولا "... ہو۔ رات کے دو بج رہے ہیں۔ یہ میرے آرام کا وقت ہے۔"

"میری باتوں کا جواب دو، ورنہ پانی کے ٹب میں ... رہو گے۔"

"کیا یہ شریفوں کا طریقہ ہے؟"

"تم کتنے شریف اور انسان دوست ہو ڈاکٹر ... آدمی پلاسٹک سرجری کے لیے آتے تو تم اسے کیسے جھڑک ... تمہاری شرافت میں جانتا ہوں۔"

وہ غصے سے پلٹ کر بستر کے سرہانے والی میز ... پھر اس کی ایک دراز کو کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر ہاتھ ... دراز تک چلا گیا۔ اس نے پھر پہلی دراز کی طرف ہاتھ بڑھایا ہاتھ میز کی سطح پر چلا گیا۔ اس نے جھلا کر میز پر مکا مارا۔ میں نے ... ساری زندگی وہ دراز کھول کر ریوالور نہیں نکال سکو گے۔"

وہ بستر کے سرے پر بیٹھ کر بے بسی سے مجھے دیکھنے ...

"واقعی تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ کیا تم اپنی اس صلاحیت سے کوئی کام لینا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ میں اپنے چہرے میں تبدیلیاں لانا چاہتا ہوں"

وہ اٹھ کر میرے روبرو آیا۔ میرے چہرے کو غور سے ... بولا "اچھی صورت ہے خواہ مخواہ بدلنا چاہتے ہو۔ خود کو چھپانے کے لیے ماسک میک اپ کا سہارا کیوں نہیں لیتے؟"

"ماسک بھی پہچان لیا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ... نہ جا سکوں۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ جبراً سرجری کے مراحل سے گزر ..."

"ہاں۔ تم نے جبر کے باوجود کوئی بدمعاشی دکھائی ... ہاتھوں سے مرد گے۔"

"سرجری سے پہلے تمہیں ایسی دوائیں دی جائیں گی جن کے اثر سے تم پر غنودگی طاری ہوگی۔ ایسے وقت تمہاری حفاظت کون کرے گا؟"

خواب گاہ کا دروازہ کھلا۔ ٹرنگورا بتیسی دکھاتا ہوا اندر آیا۔ بھیانک سیاہ چہرے کے پس منظر میں سفید چمکتے ہوئے دانت ایسے لگ رہے تھے جیسے کچا چبا جانا چاہتے ہوں۔ ڈاکٹر نے سہمے ہوئے انداز میں تھوک نگل کر پوچھا "تم کون ہو؟"

وہ بولا "میں تمہاری موت ہوں۔ اپنے آقا کی غفلت کے دوران تمہاری ہر سانس کے ساتھ رہوں گا۔"

میں نے ٹرنگورا سے کہا "اس اوپر والے دراز میں ریوالور ہے اسے اپنے پاس رکھ لو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا "تم ابھی سے سرجری کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس کے لیے جو ضروری سامان ہے وہ تمام سامان تم ابھی ٹرنگورا کے ساتھ جا کر اپنے پرائیویٹ آپریشن تھیٹر سے لے آؤ گے۔ مجھے سرجری کے تمام مراحل تفصیل سے بتاؤ۔ پلاسٹک سرجری میں خواہ ایک دن لگے یا ایک سال، اس پوری مدت میں تم اس بنگلے سے باہر نہیں جا سکو گے۔ صبح اپنے سیکرٹری کو اتنی مدت تک چھٹی دے کر اپنے دوست احباب اور بیوی بچوں کو یہ یقین دلاؤ کہ تم بنکاک سے اچانک ہی باہر جا رہے ہو۔ اس لیے کسی سے ملاقات نہیں کر سکو گے۔ میں تمہارے کھانے پینے، سونے جاگنے کے اوقات مقرر کروں گا۔ تم میرے بتائے ہوئے ٹائم ٹیبل کے مطابق اس وقت زندگی گزارو گے، جب تک میں یہاں رہوں گا۔ اس کے بعد تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

ڈاکٹر نے کہا "میں آج تک کسی کا پابند نہیں رہا۔ اگر تم اچھی صورت بنوانا چاہتے ہو تو میرے مزاج کے مطابق میرا احترام کرو۔ مجھ پر پابندیاں عائد نہ کرو۔"

"جو باصلاحیت اور قابل اعتماد ہوتے ہیں میں ان کی عزت کرتا ہوں۔ تم بہت بڑے مکار ہو۔ چلو اٹھو ورنہ ٹیلی پیتھی تمہیں اٹھائے گی۔"

وہ مجھ سے بحث کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ بستر کے سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ چیختا ہوا فرش پر گر پڑا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر کراہنے لگا۔ "یہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ اب تم سمجھ گئے کہ دماغ کیسے پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا ہے۔ اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو تو بولو۔ میں تمہیں ذہنی اذیتوں کی انتہا تک پہنچا دوں۔"

ٹرنگورا نے کہا "آقا! آپ زحمت نہ کریں۔ مجھے حکم دیں۔ اسے سیدھا کر دوں گا۔"

میں نے کہا "ڈاکٹر ابھی سرجری کا سامان لانے تمہارے ساتھ باہر جائے گا۔ تمہارے ہاتھوں سے اسے جسمانی چوٹیں پہنچیں گی تو باہر اس کے ملنے والے شبہات میں مبتلا ہوں گے لہٰذا اسے ذہنی اذیتوں سے گزرنا چاہیے۔"

ڈاکٹر ہوماگاچی فرش پر پڑا ہماری باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس کی ضد اور اس کا غرور کام نہیں آئے گا۔ ابھی وہ اعلیٰ حکام تک اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ مجھے گرفتار نہیں کرا سکے گا۔ لہٰذا مصلحت سے کام لیتے ہوئے ابھی میرے حکم کی تعمیل کرے گا۔ بعد میں موقع ملتے ہی مجھ سے انتقام لے گا۔ میں نے پھر اسے ذہنی اذیت پہنچائی وہ فرش پر تڑپنے لگا۔ میں نے کہا "تم جب بھی دشمن بن کر سوچو گے، تمہاری یہی حالت ہوگی۔"

"میں . . . میں دشمن بن کر نہیں سوچ رہا ہوں۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں، میں دوست بن کر . . ."

اس کی بکواس ادھوری رہ گئی۔ میرے ایک ذہنی جھٹکے سے وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا "میں کسی کی زبان پر بھروسہ کر کے اسے دوست نہیں مانتا۔ میں تمہارے دماغ کے چور گوشوں میں موجود ہوں۔ یاد رکھو جب تک تم آزادی سے چلتے پھرتے رہو گے، میں ہر لمحہ تمہارے دماغ میں رہ کر تمہاری بدمعاشیوں کا حساب چکاتا رہوں گا۔ اور جب میں موجود نہیں رہوں گا تو ٹرنگورا تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر تمہارے سر پر مسلط رہا کرے گا۔ اب جاؤ، سرجری کے سارے انتظامات کرو۔ اس کے بعد میں تمہیں سونے اور آرام کرنے کا موقع دوں گا۔"

وہ جانے لگا۔ میں نے کہا "ایسے نہیں۔ پہلے آدمی کی طرح حلیہ بناؤ۔ اچھا سا لباس پہنو۔ مسکرا کر باتیں کرتے رہو۔ یہاں سے جانے اور واپس آنے تک ہشاش بشاش رہو۔ یہ نہ بھولنا کہ کسی وقت بھی تمہاری کھوپڑی میں زلزلہ پیدا ہو سکتا ہے۔"

اور وہ بلا چون و چرا میرے احکامات کی تعمیل کرنے لگا۔ آدھ گھنٹہ بعد وہ ایک جنٹلمین کی طرح ٹرنگورا کے ساتھ چلا گیا۔ ڈاکٹر ہوماگاچی بڑا ہی خبطی اور بد مزاج تھا۔ اس پر ایک لمحہ کے لیے بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے میں ہر لمحہ اس کے دماغ سے چپکا رہا۔ ٹرنگورا اس کی کار چلاتا رہا اور وہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا سرجری کے متعلق سوچ رہا تھا "اگر کسی حادثہ میں کسی کا چہرہ بگڑ جائے اور چہرے کی ہڈیوں کو نقصان پہنچے تو ہڈیوں کی مرمت میں اور ایک نئے چہرے کی تخلیق میں پورا سال گزر جاتا ہے۔ فرہاد کا کیس مختلف ہے۔ اس کے چہرے کی صرف جلد میں تبدیلیاں لانی ہوں گی۔ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ دو ہفتے لگیں گے اور دو ماہ کے اندر چہرے کی پلاسٹر پٹیاں کھول دی جائیں گی۔ دو ماہ کے دوران مجھے کبھی نہ کبھی اتنا موقع ضرور ملے گا کہ میں انٹیلی جنس والوں کو اطلاع دے سکوں۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی میں نے اس کا سر کار کے ڈیش بورڈ سے ٹکرا دیا۔ وہ حواس باختہ ہو کر بولا "ن۔ نہیں۔ میں کسی کو اطلاع نہیں دوں گا۔ ایسا میں نے عادت سے مجبور ہو کر سوچا تھا۔ رفتہ رفتہ غلط انداز میں سوچنے کی عادت ختم ہو جائے گی۔"

"رفتہ رفتہ تمہیں ذہنی جھٹکے ملتے رہیں گے تو جلد ہی سیدھے ہو جاؤ گے۔"

وہ اپنا سر سہلاتا رہا۔ چالیس منٹ کے بعد وہ ژنگورا۔را کے ساتھ اپنے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں پہنچا۔ میں نے ژنگورا۔را کی زبان سے کہا "رات کو میری صورت دیکھ کر ہسپتال والے سہم جائیں گے۔ میں یہاں کار میں بیٹھا رہوں گا۔ میرا آقا تمہارے ساتھ رہے گا ڈاکٹر! اب جاؤ۔"

ڈاکٹر ہوماگاچی ہسپتال میں داخل ہوا۔ رات کی ڈیوٹی انجام دینے والا اسٹاف اسے دیکھ کر سلام کرنے لگا۔ اس نے ایک خاص اسسٹنٹ کو بلا کر سرجری کے سامان اور دواؤں کی فہرست بتائی۔ پھر حکم دیا کہ وہ تمام چیزیں باہر کھڑی ہوئی کار کی ڈگی میں رکھ دی جائیں۔ پھر اس نے ایک مریضہ کو دیکھا، جس کے چہرے کے کئی پلاسٹر کھول دیئے گئے تھے۔ دوسرے دن باقی پلاسٹر کھلنے والے تھے اس نے چہرے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا "میں بنکاک سے باہر جانے والا ہوں۔ شاید کل نہ آسکوں۔ ڈاکٹر شیفرڈ تم اس چہرے کی باقی پٹیاں کھول دینا۔"

وہ ہدایات دے کر مریضہ کے کمرے سے باہر آیا۔ اس کے ذہن کے چور گوشہ میں یہ بات تھی کہ ہسپتال کا اسٹاف کسی طرح اس کی مجبوریوں کو سمجھے اور میرے شکنجہ سے کوئی اسے رہائی دلا دے۔

اس نے سوچ کے ذریعہ کہا "مسٹر فرہاد! میں ٹائلٹ میں جانا چاہتا ہوں۔ ایسی جگہ آپ کو میرے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔"

"کیوں نہیں رہنا چاہیے؟"

"بھئی یہ شرم کی بات ہے۔ ٹائلٹ میں آدمی اکیلا ہی جاتا ہے۔"

"تمہارے جیسے بے شرم اپنی خواب گاہ میں عورتوں سے نہیں شرماتے، مجھ سے ٹائلٹ میں کیوں شرماؤ گے۔"

اسے مجبوراً ٹائلٹ میں جانا پڑا۔ اس نے واپس آکر اپنے سیکرٹری کو فون کیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا کہ فرہاد جاپانی زبان جانتا ہے کوئی اشارے بازی نہیں چلے گی۔ اس نے سیکرٹری سے کہا "میری کچھ مصروفیات ایسی ہیں کہ میں دو ماہ تک غیر حاضر رہوں گا۔ اپنے پرائیویٹ بنگلے کے ٹیلیفون کا کنکشن کاٹ رہا ہوں لہٰذا تم بھی مجھ سے رابطہ نہ کرنا۔"

سیکرٹری نے پوچھا "اگر مادام نے کچھ پوچھا تو؟"

"تو کہہ دینا کہ میں بنکاک سے باہر گیا ہوں۔ اور کسی دن اس سے فون پر بات کروں گا۔ تمہاری ڈائری میں جتنے لوگوں سے اپوائنٹمنٹ ہیں، انہیں دو ماہ کے لیے ملتوی کر دو۔ دیٹس آل۔"

سیکرٹری کو ساری باتیں سمجھانے کے بعد وہ ہسپتال سے باہر اپنے خاص ماتحت ڈاکٹر سے رخصتی مصافحہ کر کے کار میں آکر بیٹھ گیا۔ اس بدمزاج ڈاکٹر کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اسے ذرا بھی ڈھیل دیتی تو میرے خلاف قانون کی پناہ میں پہنچ جاتا۔ اس لیے میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غافل نہیں رہا۔ چالیس منٹ بعد وہ اور ژنگورا۔را پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا "ڈاکٹر! یہ مرحلہ طے ہو گیا۔ اب بتاؤ کیا بنگلہ میں دو ماہ کا راشن موجود ہے؟"

اس نے جواب دیا "نہیں۔ کبھی کبھی راشن اور دواؤں کے لیے بنگلے سے باہر جانا ہوگا۔"

میں نے کہا "کوئی ضروری نہیں ہے۔ دوائیں لا کر فریج میں رکھی جا سکتی ہیں۔ راشن بھی اسٹاک کیا جا سکتا ہے۔ کھانے کی چیزیں سڑ گل جاتی ہیں وہ خریدی نہ جائیں۔ اس وقت ڈے اینڈ نائٹ شاپنگ سینٹر سے ضرورت کی تمام چیزیں خریدی جا سکتی ہیں۔ جاؤ یہ مرحلہ بھی طے کر کے آجاؤ۔"

وہ پھر چلے گئے۔ میں نے سامی کو سہلاتے ہوئے کہا "میری جان! تم آرام سے سو جاؤ۔ جب میں سونے جاؤں گا تو تم پہرہ دیتی رہو گی۔ ٹھیک ہے نا؟"

وہ ڈاکٹر کے بستر پر جا کر بیٹھ گئی۔ میں ڈاکٹر کے دماغ میں گیا۔ اب وہ میرے خلاف سوچنے سے پرہیز کر رہا تھا۔ کوئی سازشی سوچ پیدا ہوتی تو اسے فوراً ہی دماغ سے جھٹک دیتا تھا۔ میں اسے نہیں چھیڑا۔ اسے خود ہی اپنی مخالفانہ سوچ سے لڑنے کے لیے چھوڑ دیا۔ دکانوں میں خریداری کے دوران اس نے سوچا "ایک گھنٹہ سے فرہاد نے مجھے مخاطب نہیں کیا ہے۔ کیا وہ سو رہا ہے؟"

اس نے سوچ کے ذریعے آواز دی۔ مجھے پکارا۔ مگر میں خاموش رہا۔ تب اس کے اندر سازشی تحریک پیدا ہوئی۔ اس نے دکان سے انجکشن کرنے والی دوا خریدی جو جسم تک پہنچ کر آہستہ آہستہ زہر کی طرح پھیلتی تھی، اور دماغی طور پر ناکارہ بنا دیتی تھی۔ اس نے دوا خرید کر دوسری دواؤں کے ساتھ رکھ لی۔ جب وہ ژنگورا۔را کے ساتھ راشن اور دوائیں لے کر واپس آیا تو میں نے کہا "ڈاکٹر! سلو پوائزن والی دوا نکال کر ژنگورا۔را کو دے دو۔"

وہ ایک دم سے گھبرا گیا۔ جلدی سے وہ دوا نکال کر دیتے ہوئے بولا "مم... مجھے معاف کر دو۔ میں دراصل..."

میں نے اس کے دماغ کو کنٹرول میں لیا تو وہ باتیں بھول گیا۔ سامنے والی دیوار سے جا کر سر کو ٹکرا دیا۔ پھر میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ درد کی شدت سے کراہنے لگا۔ میں نے ایک دماغی جھٹکا پہنچایا تو

چیخنے لگا۔ معافی مانگنے اور قسمیں کھانے لگا کہ آئندہ وہ کبھی میری مخالفت میں نہیں سوچے گا۔

ژنگورا۔را نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا "میرا آقا دماغوں کی دنیا کا بادشاہ ہے۔ اس کے قہر سے ڈرو۔ توبہ کرو۔ قسمیں کھاؤ۔ دوسری غلطی نہ کرو۔ دوسری غلطی کے بعد زندہ رہنے کی غلطی نہیں کر سکو گے۔"

میں نے کہا "ڈاکٹر! جہاں کھڑے ہو وہیں فرش پر لیٹ جاؤ۔ میں تمہیں پانچ گھنٹے تک سونے کی اجازت دوں گا۔ اس کے بعد میں چار گھنٹے کی نیند حاصل کروں گا۔ یعنی نو گھنٹے کے بعد تم چاہو تو سرجری کا پہلا عمل شروع کر سکتے ہو۔"

وہ سہما ہوا تھا، فوراً ہی فرش پر لیٹ گیا۔ ذہنی جھٹکے کھانے کے باعث اس کا دماغ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میں نے اسے ٹرانس میں لے کر گہری نیند سلا دیا۔ ژنگورا۔را بھی میرے حکم کے مطابق دوسرے کمرے میں سونے چلا گیا۔ سامی بھی سو رہی تھی۔ تب رسونتی نے کہا "فرہاد! میں نے کئی بار تمہیں مخاطب کرنا چاہا۔ پھر یہ دیکھ کر چپ رہی کہ اس بدماغ ڈاکٹر کی نگرانی کر رہے ہو۔ مجھے مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے، اپنا حال سناؤ؟"

"ابھی تک خیریت ہے۔ پتاجی اور دسنتی میرے پاس پہنچ گئے ہیں۔ برمی حکومت میری وجہ سے بہت پریشان ہے۔ اس کی سرحدوں پر بڑی طاقتیں مورچہ بنا رہی ہیں۔ بڑے ممالک کے نمائندے کل صبح دس بجے فرداً فرداً مجھ سے ملاقات کریں گے۔ میں پہلے سے بتا دوں۔ ہر ایک کی خواہش یہ ہوگی کہ میں ان کے ملک میں پناہ لوں۔"

"تم کہاں رہنا چاہتی ہو؟"

"مستقل رہائش کے لیے میں اپنے دیس کو پسند کرتی ہوں۔"

میں نے کہا "ماسک مین بھی یہی چاہے گا کہ تم ہندوستان میں رہو۔ مگر سپر ماسٹر تمہیں حاصل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا۔"

"فرہاد! تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

"تمہیں اپنے ہی دیس میں رہنا چاہیے۔ اب میں بھی پاکستان واپس جاؤں گا۔"

"تم ہندوستان آجاؤ۔ اب تمہیں کوئی نہیں پہچانے گا۔ ہم وہاں اجنبی کی حیثیت سے ملیں گے۔ لوگوں کی دانست میں رفتہ رفتہ دوستی کریں گے۔ کوئی تم پر شبہ نہیں کرے گا۔"

"رسونتی! تقدیر کو منظور ہوگا تو ضرور تمہارے پاس آؤں گا۔ فی الحال میں ماضی کے تمام رشتے توڑ کر، دشمنوں کو بھول کر اور نئی دوستی کے جھنجھٹوں سے توبہ کر کے اپنے وطن میں کچھ عرصہ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"اپنے وطن سے سبھی پیار کرتے ہیں۔ میں تمہیں وہاں جانے سے نہیں روکوں گی۔ لیکن اپنی الجھنوں سے جب مجھے نجات مل جائے گی۔ تو تمہیں اپنے پاس ضرور بلاؤں گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "پہلے سے منصوبہ نہ بناؤ۔ نئی مملکت کے منصوبہ کی طرح ناکامی ہو سکتی ہے۔"

"فرہاد! میرا تمہارا خواب ضرور پورا ہوگا۔ میں ایک دن نئی مملکت ضرور قائم کروں گی۔"

"ہاں۔ تم کر سکتی ہو۔ مگر میں کہہ چکا ہوں کہ پرانے دشمن میرے لیے مر چکے ہیں، اور میں نئے دشمن نہیں بناؤں گا۔ بس اب یہی تمنا ہے کہ چپ چاپ گمنام زندگی گزاروں۔ بہت رات ہو چکی ہے، اب سو جاؤ۔ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔"

میں نے پتاجی اور دسنتی کو تمہاری موت کے بارے میں بتایا ہے وہ بہت دکھی ہیں۔ کل کے اخبارات میں بے بی شرلاک اور سونیا بھی تمہاری موت کی خبر پڑھیں گے۔ کسی کو یقین ہو یا نہ ہو، میں یہی تاثر دے رہی ہوں کہ اب تم اس دنیا میں نہیں رہے۔"

"شکریہ رسونتی! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

وہ سونے کے لیے چلی گئی۔ میں نے ڈاکٹر ہوماگاچی کی طرف دیکھا وہ فرش پر گہری نیند سو رہا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق اس کا دماغ اسے پانچ گھنٹے بعد بیدار کرنے والا تھا۔ میں نے اس کی جیب سے چابیاں نکالیں۔ سب سے پہلے آئرن سیف کو کھول کر دیکھا۔ اندر ایک خانے میں نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ دوسرے خانہ میں چرمی تھیلیاں بندھی ہوئی تھیں۔ انہیں کھول کر دیکھا۔ ان میں بیش قیمت ہیرے جواہرات تھے۔ تیسرے خانہ میں بہت سارے ٹیوبس رکھے ہوتے تھے ان میں فیس کریم تھی، چہرے کی جلد کو ملائم رکھنے کے لیے اس کریم سے مساج کیا جاتا تھا۔ ایسی چیزیں ٹھنڈی جگہ پر رکھی جاتی ہیں۔ ٹیوبس پر بھی یہی لکھا ہوا تھا۔ تجوری میں چھپا کر رکھنے کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی تھی۔

ڈاکٹر ہوماگاچی کے خوابیدہ ذہن کو کریدنے سے معلوم ہوا کہ ہر ٹیوب میں کریم بھری ہوئی ہے اور کریم کے درمیان ننھے ننھے قیمتی ہیرے چھپا کر رکھے گئے تھے۔ وہاں بیس عدد ٹیوبس تھے اور وہ تمام ٹیوبس اپنی بیوی مادام سوبورا کے ذریعہ جاپان اسمگل کرنے والا تھا۔ میں نے تجوری بند کر دی۔ پھر ایک آہنی الماری کھولی۔ اس میں فائلیں... خوبصورت دوشیزاؤں اور خوبرو مردوں کی بے شمار تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ کئی تصویروں کے خاکے بنے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر پلاسٹک سرجری سے پہلے ایسے ہی خاکے تیار کرتا تھا۔

میں ایک ایک فائل کھول کر تصویریں دیکھنے اور ان کی رپورٹ

پڑھنے لگا۔ ایک فائل میرے مطلب کا نکلا۔ اس میں ایک خوبرو پاکستانی جوان طارق محمود کی تصویر اور اس کی سرجری رپورٹ تھی۔ٹرین کے ایک حادثہ میں طارق محمود کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ طارق کی بیوی شہنانہ اسے ڈاکٹر ہوماگاچی کے پاس لائی تھی۔ شہنانہ اتنی حسین تھی کہ ڈاکٹر نے فوراً ہی وہ کیس لے لیا۔ بلکہ اسی بنگلہ میں پاکستانی میاں بیوی کو مہمان بناکر ٹھہرایا۔ رپورٹ کے مطابق سرجری کے ذریعہ طارق محمود کے چہرے کی مرمت ہوگئی تھی۔ پھر دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی پاکستان واپس چلے گئے۔

مجھے اس رپورٹ پر یقین نہیں آیا۔ کیونکہ اسی فائل میں شہنانہ کی تصویر تھی۔ اس کے حسن کو دیکھ کر یہ شبہ ہوتا تھا کہ ڈاکٹر ہوماگاچی جیسے ہوس پرست نے اس حسینہ کو فیس کے طور پر حاصل کیا ہوگا۔ میرے اندر تجسس پیدا ہوا کہ صحیح معلومات حاصل کروں۔ اگرچہ میں غیرضروری خیال خوانی سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ تاہم اب کسی نہ کسی طور پر خیال خوانی کرتا رہا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ایک عادت سی ہو گئی اور عادت سے آہستہ آہستہ ہی پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے۔

میں نے سوچا، خیال خوانی میری ایک انمول صلاحیت ہے۔ مجھے اس طرح خیالات پڑھنے چاہئیں کہ کسی کو خیالات پڑھے جانے کا علم نہ ہو۔ میں چپ چاپ اپنے فائدے کے لیے معلومات حاصل کروں۔ پھر جس کے خیالات پڑھوں اسے نظرانداز کردوں۔ میں نے شہنانہ کی تصویر دیکھی۔ اس کی کنول کٹورہ جیسی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکا اور اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اس وقت پاکستان میں چار بجکر پانچ منٹ ہوتے تھے۔ صبح ہونے والی تھی۔ شہناز گہری نیند سو رہی تھی۔ صبح کے سہانے خواب دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں ڈاکٹر ہوماگاچی کا نام لیا۔ خواب کی اسکرین پر ڈاکٹر نظر آنے لگا۔ وہ شہناز کا ہاتھ تھام کر اسے آغوش میں لینا چاہتا تھا لیکن وہ کترا کر نکل گئی۔ کہنے لگی "میری مرضی کے بغیر میرا شوہر بھی مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ تم کس کھیت کی مولی ہو۔"

وہ بولا "میں یہاں کا سب سے دولت مند ڈاکٹر ہوں۔ تمہاری ہر خواہش پوری کرسکتا ہوں۔"

اس نے تجوری کھول کر ہیرے جواہرات دکھائے۔ شہناز کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ وہ بولی "ابھی طارق کے چہرے کو مرمت کرنے میں مہینوں لگیں گے۔ مجھے کچھ روز سوچنے کی مہلت دو۔ میرا ضمیر مجھے اجازت دے گا تو میں تمہاری آغوش میں آجاؤں گی۔"

ڈاکٹر راضی ہوگیا۔ شہنانہ نے اس دن سے ادائیں دکھا دکھا کر ڈاکٹر کو للچا للچا کر نیم پاگل سا بنا دیا۔ جب وہ سرجری میں مصروف تھا۔ تب شہنانہ نے ایک ایئر ٹریول ایجنٹ کے پاس جاکر پاکستان واپس جانے کے لیے ایک فلائٹ میں سیٹ ریزرو کرائی۔ دوسری صبح چار بجے روانگی تھی۔ اسی شام سے اس نے ڈاکٹر کو للچانا اور شراب پلانا شروع کیا۔ رات دس بجے تک وہ ڈاکٹر کے ساتھ کار میں گھومتی رہی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھی اسے جام بنا کر دیتی رہی۔ ڈاکٹر اسے ایک بار چومنے کی خواہش کرتا تو وہ کہتی "ابھی صبر کرو۔ میں اپنے ضمیر کو کچلنے کی کوشش کررہی ہوں۔"

گیارہ بجے وہ بنگلے میں واپس آئے۔ طارق کی حالت بہت نازک تھی۔ مگر وہ دونوں خواب گاہ میں چلے گئے۔ ڈاکٹر نے نشہ کی ترنگ میں زبردستی شروع کی۔ مگر شہناز کی تیزی و طراری کے آگے ہار نے لگا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ غصہ میں اور زیادہ پیتا تھا۔ اور شراب کی خاصیت ہے کہ غصہ میں نشہ اور بڑھاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر نیم بے ہوشی کی حالت طاری ہوگئی۔ شہنانہ نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر جیب سے چابیاں نکال کر تجوری صاف کردی۔ ہیرے جواہرات کو میک اپ کے سامان میں چھپا کر رکھا۔ پھر تمام سامان کے ساتھ نوٹوں کی گڈیاں اٹیچی میں رکھ کر وہاں سے فرار ہوگئی۔

اس نے طارق کو چھوڑ دیا۔ ہیرے جواہرات نے میاں بیوی کے رشتے کو توڑ دیا۔ میں نے اس کی خوابیدہ سوچ سے پوچھا "طارق کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟"

اس کی سوچ نے کہا "پتہ نہیں کہاں مرگیا ہے۔ اسے اب تک واپس آجانا چاہیے تھا۔ میں پہلے بھی اسے چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑا آتا تھا۔ میں یہی سوچ کر اسے چھوڑ آئی تھی کہ وہ میرا دیوانہ ہے۔ اپنے علاج کے بعد واپس آجائے گا۔ دس ماہ گزر چکے ہیں اب تک نہیں آیا۔ شاید علاج مکمل نہیں ہوا ہے۔"

میں نے طارق محمود کی تصویر دیکھی۔ اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کی سوچ کو تلاش کیا مگر وہ اپنی تمام سوچوں کے ساتھ فنا ہوچکا تھا۔ میں نے ڈاکٹر ہوماگاچی کے خوابیدہ دماغ سے معلومات حاصل کیں۔ ڈاکٹر کے سر سے جب شراب کا نشہ اترا تو کھلی ہوئی خالی تجوری نے اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ وہ غصہ سے پاگل ہوگیا۔ اس نے شہنانہ کو آوازیں دیں۔ اس کمرے میں گیا جو شہناز کے لیے مخصوص تھا۔ اب وہاں شہناز کا سامان بھی نہ تھا۔ وہ غصہ سے طنطناتا ہوا اس کمرے میں گیا جہاں طارق زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر نے شہنانہ کو حاصل کرنے کی دھن میں اس کے علاج پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس وقت وہ شہناز کو پکار رہا تھا۔ پینے کے لیے دو گھونٹ پانی مانگ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے غصہ اور جھنجھلاہٹ میں اس کی گردن دبوچ لی۔ طارق پہلے زخموں سے چور تھا، بیمار تھا، کمزور تھا۔ اس نے زندہ رہنے کے لیے کمزور سی جدوجہد کی پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔

ڈاکٹر بڑبڑاتا رہا۔ اس کا گلا گھونٹتا رہا "سور کے بچے! تیری بیوی نے مجھے لوٹ لیا ہے۔ وہ چور کی اولاد بھاگ گئی ہے۔ میں تجھے

زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

بعد میں ڈاکٹر کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ وہ جنون کی حالت میں قاتل بن گیا تھا۔ تفتیش کرنے والے معلوم کرلیتے کہ گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ چوری کی رپورٹ میں وہ ہیرے جواہرات کا ذکر نہیں کرسکتا تھا۔ وہ سب اسمگل ہونے والا مال تھا۔ یوں بھی اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ وہ تھانے اور عدالت کے لیے کچھ وقت نکال سکتا۔ ایک تو پلاسٹک سرجری کا پیشہ تھا۔ دوسرے مادام سوبورا کے ذریعہ ہیروں کی اسمگلنگ کا دھندا تھا۔ اس نے قانونی الجھنوں سے بچنے کے لیے مردہ طارق کے چہرے سے پلاسٹر کی پٹیاں نوچ لیں۔ کار کے حادثہ میں چہرہ ایسا بگڑ گیا تھا کہ وہ پہچانا نہیں جاسکتا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی لاش کو کار کی ڈگی میں بند کیا۔ پھر دور جاکر اسے پھینک آیا۔

میں جس بنگلہ میں پلاسٹک سرجری کے لیے آیا تھا وہاں ڈکیتی اور قتل کا بہت بڑا ڈرامہ کھیلا جاچکا تھا۔ میں نے مقتول طارق محمود کی تصویر کو دیکھا۔ اب مقتول کی شخصیت کو دوبارہ زندہ رکھنا میرا کام تھا۔ اس الماری میں طارق محمود کا پاسپورٹ، ڈائری اور دوسرے کاغذات رکھے ہوئے تھے، جیسے میرے ہی لیے رکھے گئے ہوں۔ ڈاکٹر کو چاہیے تھا کہ وہ بحیثیت ایک قاتل ان تمام کاغذات کو ضائع کر دیتا۔ اپنے خلاف کوئی ثبوت نہ رکھتا۔ یہ تمام ثبوت سنبھال کر رکھنے کی یقیناً کوئی خاص وجہ ہوسکتی تھی۔

ڈاکٹر کے خوابیدہ ذہن نے مجھے بتایا کہ وہ کسی ایسے ضرورت مند شخص کی تلاش میں ہے جو طارق محمود کی طرح قد آور ہو اور اردو انگریزی بولنا جانتا ہو۔ وہ ایسے شخص کو اعتماد میں لے کر اور بھاری معاوضہ دے کر اسے پلاسٹک سرجری کے ذریعہ طارق محمود بنائے گا۔ اسے پاکستان روانہ کرے گا۔ شہناز تقریباً بائیس لاکھ ڈالر کے ہیرے لے گئی تھی۔ پاکستانی کرنسی کے مطابق تقریباً ڈھائی کروڑ روپے بنتے تھے۔ ڈاکٹر نقلی طارق کے ذریعہ وہ تمام مال واپس حاصل کرسکتا تھا، اور شہنانہ کو قتل کرا سکتا تھا۔

ڈاکٹر ہوماگاچی اور شہنانہ کے ٹکراؤ سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے والا فرہاد اپنی ظاہری شخصیت کو ختم کررہا تھا۔ دو ماہ بعد میں طارق محمود کہلاؤں گا اور اپنے وطن پاکستان کی مٹی کو چومنے جاؤں گا۔ ذرا یہ بھی دیکھ لوں کہ دنیا والے مجھے شرافت سے جینے دیتے ہیں یا نہیں؟

میں بستر کے سرہانے مریضوں کی طرح ٹیک لگائے بیٹھا تھا میرے سامنے تقریباً بیس فٹ کی دوری پر مخالف سمت کی دیوار پر قدِ آدم آئینہ لگا دیا گیا تھا۔ اس آئینے میں میں خود کو لیٹتے ہوئے اور بیٹھتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ مگر اپنی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ ابھی میری کوئی صورت نہیں تھی۔ ابھی میری کوئی پہچان نہیں تھی کیونکہ ابھی میرا تمام چہرہ پلاسٹر کی پٹیوں میں چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں دیکھنے کے لئے آزاد تھیں۔

اگر ہم اپنے آپ پر غور کریں تو یہ انکشاف ہوگا کہ اکثر ہمارے پاس اپنا چہرہ اور اپنی پہچان نہیں ہوتی۔ ہم دوسروں کی طرح بالوں کا اسٹائل بدلتے ہیں جہاں ہماری فطرت ہمیں مسکرانے کو کہتی ہے وہاں ہم رعب طاری کرنے والی سنجیدگی اختیار کرتے ہیں۔ ہم جو اندر سے ہیں، وہ باہر چہرے سے ظاہر نہیں کرتے تو پھر وہ چہرہ ہمارا کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ بناوٹی چہرہ ایک بہروپ ہوتا ہے اور ہم سب دانستہ یا نادانستہ بہروپیے بن کر زندگی گزارتے ہیں۔

میں نے چہرے کی پٹیوں پر ہاتھ رکھا۔ اتنا معلوم تھا کہ ان پٹیوں کے پیچھے فرہاد علی تیمور کا پیدائشی چہرہ نہیں رہا تھا۔ اب وہاں سے طارق محمود کا چہرہ طلوع ہونے والا تھا۔ تقریباً چھ ہفتے گزر گئے تھے۔ میں، ڈاکٹر ہوماگاچی، سامی اور میرا خود ساختہ غلام ژنگورا۔ را چھ ہفتے سے سب کے سب اس بنگلے کی چاردیواری میں محدود ہوگئے تھے۔ دن کو بند کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے پڑے رہتے تھے۔ رات کو کسی کمرے میں بتی نہیں جلائی جاتی تھی۔ البتہ تاریکی میں.... کھڑکیاں کھول دی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک آدھ بار باہر چہل قدمی کی اجازت مانگی۔ مگر ہم نے اسے کھڑکی سے باہر جھانکنے کا بھی موقع نہیں دیا۔

ڈاکٹر اب بید کی طرح سیدھا ہوگیا تھا۔ کیونکہ اس دوران اس کی کئی سازشیں ناکام ہوئی تھیں اور وہ ناقابلِ بیان ذہنی اذیتوں سے گزرنے کی سزائیں پا چکا تھا۔ ایک تو میری ٹیلی پیتھی نے اسے بےبس کر رکھا تھا۔ دوسرے ژنگورا۔ را کو دیکھ کر وہ خوف سے لرزنے لگتا تھا۔ تیسری سامی ایک عجوبہ تھی۔ ڈاکٹر کے تیور بدلتے تو وہ غرانے لگتی۔ ایک بار اس نے اچھل کر اس کے منہ پر پنجہ بھی مارا تھا۔ تب سے ڈاکٹر سمجھ گیا تھا کہ وہ ایسی پُراسرار ہستیوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے۔ جنہیں انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی۔

اس بنگلہ کے اندر ہماری ایک محدود دنیا تھی۔ اس سے باہر ساری دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ اس کی ہمیں پروا نہیں تھی۔ ڈاکٹر ہوماگاچی ژنگورا۔ را اور سامی کا رشتہ باہری دنیا سے ٹوٹ گیا تھا۔ صرف رسی ذتی سے میرا رابطہ کبھی کبھی قائم ہوجاتا تھا۔ ان چھ ہفتوں کے دوران جو کچھ ہوتا رہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسی ذتی کو حاصل کرنے کے لئے ماسک مین

اور سپر ماسٹر کے درمیان ٹھن گئی تھی۔

میری روپوشی کی دوسری صبح اخبارات نے میری موت کی خبر شائع کی تھی۔ ہفتہ یا دس دنوں تک اخبارات میں میرے زندہ اور مُردہ رہنے کی بحثیں جاری رہیں۔ پھر رفتہ رفتہ میرا ذکر ختم ہونے لگا۔ بڑے ممالک کے درمیان رس ونتی تنازعہ کا باعث بن گئی تھی اگرچہ وہ اعلان کر چکی تھی کہ ہندوستان میں رہائش اختیار کرے گی لیکن اس دلیس میں ماسک مین کا بول بالا تھا اور سپر ماسٹر کو وہاں رس ونتی کی رہائش منظور نہیں تھی۔

صورتِ حال یہ تھی کہ ایک ملک رس ونتی کو ہندوستان پہنچانا چاہتا تھا۔ دوسرا ملک اسے روک رہا تھا۔ رس ونتی خود بھی جا سکتی تھی۔ مگر کالی بلاؤں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ وہ بلائیں دن رات سوتے جاگتے ان کے ساتھ موجود رہتی تھیں۔ ہر چھ گھنٹے کے بعد ان کی ڈیوٹی بدلتی تھی اور کوئی دوسری بلا رس ونتی کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ رس ونتی باتھ روم وغیرہ میں تنہائی چاہتی تو کوئی عورت اپنے سینے سے وہی بم باندھے باتھ روم کے دروازے پر کھڑی ہو جاتی تھی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ اپنے پتا جی اور بہن کی سلامتی کے لئے رس ونتی ایک دن اسی طرح بے بسی سے قید ہو کر رہ جائے گی۔ میں اور رس ونتی ٹیلی پیتھی سے انہیں دہشت زدہ کر سکتے تھے، جو موت سے ڈرتے ہیں مگر وہ کالی بلائیں خود ہی موت کو اپنے سینے سے لگائے پھرتی تھیں۔ انہیں نقصان پہنچانے کا مطلب یہ ہوتا کہ رس ونتی بھی ان کے ساتھ بم کے پھٹنے سے فنا ہو جاتی۔

میرا خیال تھا کہ ان کالی بلاؤں کی پشت پر سپر ماسٹر ہے۔ بڑی طاقتوں میں وہی ایک ایسا تھا جس کے دماغ تک میں نہیں پہنچ سکا تھا۔ ویسے کالی بلاؤں کے مطالبات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سپر ماسٹر کی حمایت میں ہیں۔ ان کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ رس ونتی کسی بھی ایسے ملک میں نہ رہے جہاں ماسک مین کا اثر ہے۔ دوسرا مطالبہ تھا کہ رس ونتی امریکہ، انگلینڈ، فرانس، آسٹریلیا اور جاپان میں سے کسی ایک ملک میں رہے۔ یہ مطالبہ پورا ہوتے ہی کالی بلائیں اس کا پیچھا چھوڑ دیں گی۔

میں نے رس ونتی کو مشورہ دیا کہ وہ کالی بلاؤں کا مطالبہ مان لے۔ اس طرح ان سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ دوسرے کسی ملک میں بھی اس کی کڑی نگرانی کی جائے گی لیکن کالی بلاؤں کی طرح کوئی سایہ بن کر نہیں رہے گا کبھی وہ اپنی رہائش گاہ سے باہر جائے گی تو سرکاری باڈی گارڈز ہوں گے اور سیکرٹ ایجنٹ دُور ہی دُور سے اس کی نگرانی کریں گے۔

رس ونتی نے کہا۔ ”اگر میں ان کے مطالبات تسلیم کروں گی تو... ماسک مین کی پوری تنظیم اور اس کے حمایتی ممالک رکاوٹ بن جائیں گے۔“

”ہاں۔ یہ تو ہوگا۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ تم اعلانیہ مطالبات تسلیم نہ کرو۔ کسی کالی بلا سے کہو کہ وہ چپ چاپ تمہیں، تمہارے پتا جی کو اور وسنتی کو اغوا کر کے لندن پہنچا دیں۔ اس وقت تک تم یہی بیان دیتی رہو کہ تم اپنے خاندان کے ساتھ اپنے ہی دیس میں رہنا پسند کرتی ہو۔“

رس ونتی نے یہی کیا۔ کالی بلائیں خوش ہو گئیں۔ انہوں نے یقین دلایا کہ وہ جلد ہی اسے اور اس کے رشتے داروں کو لندن پہنچا دیں گی۔ مگر یہ اتنا آسان نہ تھا۔ ماسک مین کے سیکرٹ ایجنٹ بھی کافی فاصلے سے دُور رہ کر رس ونتی کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ آخر یہ طے پایا کہ رس ونتی روزانہ وقت بدل بدل کر تفریح کے لئے باہر جایا کرے گی۔ اس کے ساتھ اس کے رشتے دار بھی جایا کریں گے۔ مریم بھی ساتھ جایا کرتی تھی۔ ایک بڑی سی کار میں کالی بلائیں بھی ان کے ساتھ رہیں گی اور یہ معلوم کرتی رہیں گی کہ کس انداز میں ریڈ پاور کے لوگ نگرانی کر رہے ہیں۔ ان کے طریقۂ کار کو سمجھنے کے بعد اغوا کے منصوبے پر عمل کیا جائے گا۔

یہ تو راضی خوشی اغوا ہونے والی باتیں تھیں۔ رس ونتی کا یہ مطالبہ مان لیا گیا تھا کہ بے بی اور سنر لاک کے خاندان کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ دوسری طرف سپر ماسٹر سونیا پر مہربان تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ میری لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر میری موت کا یقین نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو گیا ہوں۔ اس سے پہلے جو سپر ماسٹر تھا، اس کے دور میں بھی میری موت کے ثبوت فراہم کئے گئے تھے۔ اس سپر ماسٹر نے مجھے مردہ سمجھ کر سونیا سے دشمنی کی تھی اور ایٹمی دھماکے کا ناقابلِ برداشت نقصان اٹھا کر سپر ماسٹر کے عہدے سے خارج کر دیا گیا تھا۔ موجودہ سپر ماسٹر ایسی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے سونیا کے ساتھ مہربانی سے پیش آ رہا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ فرہاد کی پہلے والی ظاہری شخصیت ختم ہو چکی ہے۔ میں ماضی سے رشتہ توڑ چکا ہوں۔ ابھی ماضی کے رشتوں کے متعلق جو بات کہہ چکا ہوں تو یہ محض اختتامیہ باتیں ہیں۔ سونیا وغیرہ کا ذکر ایسے وقت آئے گا جب خدانخواستہ اُن پر کوئی آنچ آئے گی۔ دوسری صورت میں میں ایک گمنام مسافر کی طرح زندگی کے راستے پر چلتا رہوں گا۔ اس نئے راستے پر میرے دو ہمسفر ہیں۔ ایک سامی دوسرا ژنگورا۔را۔ پتہ نہیں تقدیر ان دونوں کو کب تک میرا ہمسفر بنائے رکھے گی۔

ٹھیک چھ ہفتے بعد ڈاکٹر ہوما گاچی نے میرے چہرے پر سے آہستہ آہستہ پلاسٹر کو ادھیڑتے ہوئے کہا ”مسٹر فرہاد! آپ تھوڑی دیر میں خود کو طارق محمود کے روپ میں دیکھنے والے ہیں۔ آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اسے پورا کریں گے؟“

”میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔ شہناز تمہارے لاکھوں کے ہیرے جواہرات لے گئی ہے۔ میں وہ سارا مال اس سے چھین لوں گا اور اس مال کے ساتھ شہناز کو بھی تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔“

”تھینک یو۔ آپ واقعی زبان کے دھنی ہیں۔“

تھوڑی دیر میں میرا چہرہ پٹیوں سے آزاد ہو گیا۔ سامی اور ژنگورا۔را ایک ٹک مجھے دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر کسی لوشن سے میرے چہرے پر مساج کر رہا تھا۔ چند منٹ کے بعد میرے چہرے کو تولئے سے اچھی طرح پونچھنے کے بعد بولا ”اب آئینہ دیکھئے۔“

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آئینے کے سامنے پہنچ گیا۔ آئینے میں میرے روبرو طارق محمود کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنے چہرے کو جگہ جگہ سے چھو کر دیکھا۔ چہرے کی جلد جیسے قدرتی تھی۔ پلاسٹک سرجری کا کمال تھا۔ اب مجھے تلاش کرنے والے اینٹی میک اپ کیمرے کی آنکھ سے بھی دیکھتے تو انہیں فرہاد کہیں نظر نہ آتا۔ فرہاد میرے اندر چھپا ہوا تھا۔ دنیا کی کوئی بھی ایکسرے مشین مجھے اب باہر سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

میں نے آئینے کی طرف سے پلٹ کر کہا ”ڈاکٹر! تم واقعی باکمال آرٹسٹ ہو مگر تمہیں ایک کام اور کرنا ہوگا۔“

وہ عاجزی سے بولا ”ضرور کروں گا۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔“

میں نے کہا ”پاکستان جا کر شہناز سمیت تمام مال واپس لانا مجھ اکیلے کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ ژنگورا۔را بھی ساتھ جائے گا۔ لہٰذا اس کے چہرے کو بھی تھوڑا بدل دو۔ یہ نیگرو ہے۔ نیگرو ہی رہے گا مگر میں چاہتا ہوں کہ یہ دنیا کا سب سے خوبصورت نیگرو دکھائی دے۔“

ڈاکٹر نے پریشان ہو کر کہا ”اس کے لئے پھر ایک ڈیڑھ ماہ ضائع ہو جائیں گے۔ اس کے چہرے کو بدلنا کیا ضروری ہے؟“

”بہت ضروری ہے۔ یہ اپنے پرانے آقاؤں کو چھوڑ کر میرے پاس آیا ہے۔ یہ اپنی موجودہ شکل میں میرے ساتھ رہے گا تو دشمن مجھ پر شبہ کریں گے۔“

ڈاکٹر نے کہا ”مسٹر فرہاد! میں اس بنگلے میں قیدی کی حیثیت سے بیزار ہو گیا ہوں۔ کچھ روز اور قید رہا تو مر جاؤں گا۔“

”میں تمہیں اتنی جلدی مرنے نہیں دوں گا۔ آج سے تم میرے ساتھ باہر تفریح کے لئے جایا کرو گے۔ چلو اب ژنگورا۔را کے چہرے کے لئے خوبصورت سا ڈرائنگ بناؤ۔ تم جانتے ہو کہ میں بحث پسند نہیں کرتا۔“

میں سامی کو گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔ ڈاکٹر ہوما گاچی مجبور تھا سو وہ ایک بار پھر پلاسٹک سرجری کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ میں اپنے وعدے کے مطابق رات کے وقت ڈاکٹر کو ساتھ لے کر باہر جانے لگا۔ سامی بھی ساتھ رہتی تھی۔ ژنگورا۔را بنگلے میں رہتا تھا کیونکہ اس کے چہرے پر پلاسٹر کی پٹیاں چڑھی رہتی تھیں۔

دو ہفتے کے بعد رس ونتی نے اچانک مخاطب کیا ”یہ کالی بلائیں ہمیں یہاں سے لے جا رہی ہیں۔ فی الحال ہم محفوظ ہیں لیکن خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ ضرورت کے وقت میرے دماغ میں پہنچو گے۔ اب آ جاؤ۔ میں پریشان ہوں۔“

میں نے رس ونتی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ اپنے باپ، بہن اور مریم کے ساتھ تیز رفتار کار میں بیٹھی ایک میدان سے گزر رہی تھی۔ چاندنی رات میں دُور ایک طیارہ نظر آ رہا تھا۔ ایک کالی بلا کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ ان کی سوچ سے پتہ چلا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ کہیں سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے وارننگ دی جا رہی تھی۔ کہ رس ونتی کو طیارے کے پاس نہ پہنچایا جائے لیکن وہ کار طیارے کے پاس پہنچ کر رُک گئی تھی۔ رس ونتی اپنے لوگوں کے ساتھ کار سے نکل کر طیارے کی سیڑھیوں پر چڑھتی ہوئی اندر جا رہی تھی۔

پھر طیارے کے سامنے دُور سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ اسے روکنے کے لئے اچانک دو سمت سے کالی بلاؤں کی گاڑیاں نمودار ہوئیں اس کے ساتھ ہی فائرنگ کا تبادلہ شروع ہو گیا۔ طیارے کی سیڑھیاں ہٹا دی گئی تھیں۔ دروازے مقفل ہو گئے تھے اور طیارے کا انجن بیدار ہو گیا تھا دُور کاروں سے یوں فائرنگ ہو رہی تھی جیسے ٹینک ایک دوسرے پر آگ برسا رہے ہوں۔ پھر زوردار دھماکے ہوئے جیسے ہینڈ گرینیڈ استعمال کئے گئے ہوں۔ اتنی دیر میں طیارہ دوڑتا ہوا، زمین کو چھوڑتا ہوا، جلتی ہوئی کاروں پر سے پرواز کرتا ہوا فضا میں بلند ہوتا چلا گیا تھا۔

رس ونتی، وسنتی، مریم اور تن سنگ اپنی اپنی سیٹ پر پریشان حال بیٹھے ہوئے تھے۔ تن سنگ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا ”بڑھاپے میں یہ دن بھی دیکھنے تھے۔“

وسنتی بولی ”جانے بھی دیں۔ آخر ہم کب تک دشمنوں میں گھرے رہیں گے۔ کیا ہمیں کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔“

رس ونتی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر بڑے دکھ سے بولی۔ ”یہ ساری مصیبتیں ٹیلی پیتھی کی وجہ سے ہیں۔ کاش میں ایک معمولی عورت ہوتی۔“

میں نے اس کے دماغ میں کہا ”ہاں! میں بھی اکثر یہ سوچتا تھا کہ میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ اب یہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔ میں طارق محمود ہوں جو ٹیلی پیتھی نہیں جانتا۔“

وہ بولی ”طارق محمود بن جانے سے ٹیلی پیتھی کی صلاحیت نہ تو ختم ہو گی اور نہ ہی تم اس کے استعمال سے باز آ سکو گے۔ کوئی نہ کوئی ضرورت یا مجبوری تمہیں خیال خوانی پر اکسائے گی اور نئی مصیبتوں کو بلائے گی۔ ابھی مجھ سے بحث نہ کرنا۔ آنے والا وقت خود ہی تمہیں سمجھائے گا۔“

”میں بحث نہیں کروں گا۔ یقیناً آنے والا وقت بتائے گا کہ اگر میں خیال خوانی کو صرف اپنے بچاؤ کے لئے اس طرح استعمال کروں کہ دوسروں کو ٹیلی پیتھی کا علم نہ ہو تو مجھے یقین ہے کہ میرا یہ علم میرے لئے باعثِ زحمت نہیں باعثِ رحمت رہے گا۔“

”فرہاد! پہلے تم نے ایک بات کہی تھی۔ میں اس سے متفق ہوں۔ یعنی یہ کہ اب تمہیں نئے رشتے اور نئے دوست نہیں بنانے چاہئیں۔ ورنہ آج میں اپنے رشتوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوں۔

کل تم پر یہ مصیبت آسکتی ہے۔"

"اس کے لئے تو میں نے قسم کھائی ہے۔ اس دنیا میں میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔ سامی بے زبان جانور ہے اور ژنگرا۔را خود کو ایک غلام سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ تقدیر کبھی ان سے مجھے یا مجھے ان سے جدا کردے گی۔ یہ زندگی ملنے بچھڑنے کا کھیل ہے۔ یہ کھیل ہنستے ہنستے کھیلتے رہیں تو اچھا ہے۔"

"میں عورت ہوں، رشتوں سے بچھڑنے کا کھیل کبھی نہیں کھیل سکوں گی۔ تم مرد ہو، سنگدل ہو۔ ایسا کرلو گے۔"

میں خاموش رہا۔ مجھے دستی کی آواز سنائی دی۔ وہ رس دستی سے کہہ رہی تھی۔ "دیدی! آپ نے کہا کہ فرہاد جی کا دیہانت (انتقال) ہو گیا ہے۔ مگر آپ کو چپ دیکھ کر لگتا ہے۔ جیسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے فرہاد جی کی آتما (روح) سے باتیں کررہی ہیں۔ جانے بھی دیں۔ بے چارے بہت اچھے دیوتا سمان (جیسے) تھے۔"

میں نے رس دستی سے کہا۔ "مجھے اجازت دو۔ میں ڈاکٹر ہوماگاچی کے ساتھ باہر جارہا ہوں۔"

وہ اپنی بہن دستی سے باتیں کرنے لگی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کمرے میں آیا جو ژنگرا۔را کے لئے مخصوص تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ڈاکٹر ہوماگاچی کو گھور رہا تھا۔ تمام چہرہ پٹیوں سے چھپا ہوا تھا صرف آنکھیں گھورتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ڈاکٹر کے پیچھے سامی الماری کے اوپر بیٹھی ہوئی تھی۔ بے چارہ ڈاکٹر دونوں کے درمیان دہشت زدہ زندگی گزار رہا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔ "مسٹر فرہاد! آپ مجھے اپنی ہی نگرانی میں رکھا کریں۔ یہ ایک آگے سے ایک پیچھے سے۔ یہ دونوں ایسے گھورتے ہیں جیسے مجھ پر جھپٹنے ہی والے ہوں۔"

میں نے تسلی دی۔ "گھبراؤ نہیں۔ دو ماہ سے یہ تمہاری نگرانی کررہے ہیں۔ یہ میری اجازت کے بغیر تمہارے قریب نہیں آئیں گے۔ ہاں تم نے کوئی بدمعاشی کی تو یہ میری اجازت کے بغیر ہی تمہاری بوٹیاں نوچ لیں گے۔ آؤ۔ باہر گھوم کر آئیں۔"

"مسٹر فرہاد! میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے گہری نیند سلا دیتے ہیں۔ جب تک سوتا رہتا ہوں۔ ان خونخوار پہرے داروں سے نجات مل جاتی ہے۔ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ یہ میرے پاس موجود رہتے ہیں یا نہیں۔"

میں اس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اس کے بیڈروم میں آیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ پندرہ دن کے اندر ژنگرا۔را کی پٹیاں کھل جائیں گی۔ میں نے پوچھا۔ "ژنگرا۔را کے پاسپورٹ کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟"

وہ بولا۔ "مجھے باہر جانے دیں۔ میں ایک دن میں پاسپورٹ بنوا دوں گا۔"

"میں تمہارے ساتھ جاؤں تو کیا نقصان ہوگا؟"

"وہ آفیسر کسی اجنبی کی موجودگی میں یہ کام نہیں کرے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ پہلے ژنگرا۔را کے نئے چہرے کی تصویر اتاری جائے گی۔ پھر میں تمہیں اس آفیسر کے پاس جانے دوں گا۔ جسمانی طور پر میرا ساتھ ضروری نہیں ہے۔ میں تمہارے دماغ میں موجود رہوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد میں نے اُسے سُلا دیا۔ اس کے دماغ کو ہدایت دی کہ وہ صبح سات بجے بیدار ہوگا۔ ٹرانس میں لاکر جو ہدایات دی جاتی ہیں ان کے مطابق معمول عمل کرتا ہے۔ صبح سات بجے تک زلزلہ بھی آجاتا تو وہ بیدار نہ ہوتا۔ میں نے اس کی تجوری سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اپنے لباس کی مختلف جیبوں میں تقسیم کرلی۔ ژنگرا۔را کے پاس آکر کہا۔ "میں باہر جارہا ہوں۔ ڈاکٹر صبح سات بجے تک سوتا رہے گا اس لیے احتیاطاً تم اور سامی اس کے کمرے میں باری باری سوتے جاگتے رہنا۔"

وہ حکم کی تعمیل کے لئے اٹھ گیا۔ مگر سامی میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے اٹھا کر چومتے ہوئے کہا۔ "میری جان: تفریح سے زیادہ ڈیوٹی ضروری ہے۔ تمہیں ژنگرا۔را کے ساتھ رہ کر ڈاکٹر کی نگرانی کرنا ہے۔ میں جلد ہی واپس آؤں گا۔"

میں نے اسے دوبارہ فرش پر چھوڑ دیا۔ وہ ڈاکٹر کے بیڈروم میں چلی گئی۔ میرے باہر نکلنے کے بعد ژنگرا۔را نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ ڈاکٹر کی کار گیراج میں بند تھی۔ اسے میں استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ شہر میں بہت سے لوگ ڈاکٹر کی گاڑی کو پہچانتے تھے۔ میں پیدل چلتا ہوا سمندر کی ساحلی سڑک پر آگیا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ آسمان پر پورا چاند اپنی بھری جوانی کی آب و تاب دکھا رہا تھا۔ وہاں پورے چاند کی رات میں ساحل پر میلہ سا لگتا تھا۔ ملک کے اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے مرد عورتیں، بیرونی ممالک سے آنے والے سیاح وہاں یادگار رات گزارتے تھے۔ سرکاری طور پر تک قمقموں، ہیڈ لائیٹس اور سرچ لائیٹس وغیرہ کا معقول انتظام تھا۔ رنگ برنگی گشتی گاڑیوں میں دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر ہوماگاچی نے مجھے بتایا تھا کہ آج ساحل پر کوئی بوڑھا یا بچہ نظر نہیں آئے گا کیونکہ بچے جوانی کی سرمستیوں کو نہیں سمجھتے

سڑک کے کنارے کئی میل دور تک کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں سڑک کے کنارے چلتا رہا۔ کتنی ہی کاروں کے اندر سے سرگوشیاں سنائی دیں۔ سرگوشیوں میں کہیں کہیں دبی دبی ہنسی تھی

میں سڑک چھوڑ کر سمندر کی طرف بڑھ گیا۔ ساحلی ریت پر پہنچتے ہی کار کا دروازہ کھلا۔ پھر ایک مردانہ آواز نے ڈانٹ کر مجھے مخاطب کیا۔ "یو نان سنس! اِدھر آؤ تم نے یہ وہیل پنکچر کردیا ہے۔"

میں رُک کر اس کی طرف پلٹ گیا۔ کار کے اندر سے ایک آواز سنائی دی۔ "ڈیئر آجاؤ۔ دیکھو جھگڑا نہ کرنا۔"

مجھے للکارنے والا دُبلا پتلا ناٹے قد کا آدمی تھا اگر وہ شہ زور ہوتا، تب بھی میں جھگڑا نہ بڑھاتا۔ دنیا والوں کے سامنے ہیرو بننے کی خواہش بڑی مصیبتیں لاتی ہے۔ میں نے عاجزی سے کہا۔ "پہلوان! غصہ تھوک دو۔"

وہ سر اٹھا کر میرے قد اور ڈیل ڈول کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی محبوبہ کے سامنے شیخی دکھاتے ہوئے اس نے مقابل کو دیکھے بغیر للکارا تھا۔ اب دھوپس میں آگیا تھا۔ حالانکہ میں نے جواباً جھگڑنے والی بات نہیں کہی تھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "اچھا جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔ خبردار اِدھر نہ آنا۔۔۔"

میں پلٹ کر جانے لگا۔ وہ اپنی محبوبہ کے پاس پہنچ کر بولا۔ "تمہارے کہنے سے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ نہیں تو اسے ایک ہی ہاتھ میں تارے دکھا دیتا۔"

اس کی محبوبہ نے کہا۔ "تعجب ہے۔ ایسا پہاڑ جیسا آدمی اور بزدل! لعنت ہے ایسی بزدلی پر۔۔۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ اب یہ پرانی بات ہوچکی ہے کہ لوگ شرافت کو بزدلی سمجھتے ہیں۔ مجھے اس کی محبوبہ سے دلیری کا تمغہ حاصل نہیں کرنا تھا اس لئے آگے بڑھتا رہا۔ آگے دُور تک یوں لگ رہا تھا جیسے خالق کائنات نے اس دنیا کو صرف جوانوں کے لئے بنایا تھا۔ یا پھر اس دنیا کے عیاش بڑھاپے کے تقدس اور بچوں کی معصومیت کو قتل کرکے وہاں اپنی جنت آباد کررہے ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے۔ جوانی کو یاد نہیں رہتا کہ وہ بچپن سے چل کر آئی ہے۔ اور ایک دن بڑھاپے کی گود میں جا کر کھانستی رہے گی۔

چاندنی رات میں سمندر جوار بھاٹا کے جوش و خروش سے چنگھاڑ رہا تھا۔ ساحل پر موسیقی گونج رہی تھی۔ کتنے ہی حسین جوڑے میرے آگے پیچھے چل رہے تھے سمندر کی آتی جاتی لہروں کا کھیل دیکھ رہے تھے ہر ملک کے لباس کی رنگینیاں جھلک رہی تھیں اور ہر قوم کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔ اچانک مجھے ایک اجنبی بولی سنائی دی۔ کسی نے میرا بازو تھام لیا۔

وہ ایک صحت مند جوان تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی۔ دوسرے ہاتھ میں وہ میرے بازو کو تھام کر بول رہا تھا۔ اس کی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ میں اتنا سمجھ سکا کہ وہ بے حد پریشان ہے ذہنی انتشار میں مبتلا ہے۔ میں نے انگریزی میں کہا۔ "سوری مسٹر! میں تمہاری زبان نہیں سمجھ سکتا۔"

وہ انگریزی میں بولا۔ "میں دنیا کی دس معروف زبانیں بول سکتا ہوں۔ لو دو گھونٹ پی لو۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"ایں! شراب نہیں پیتے۔ اور شباب بھی ساتھ نہیں ہے۔ کیا میری طرح تم بھی جوان نہیں ہو؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ہی جوان ہیں ۔۔۔ مگر تنہا ہیں۔"

وہ نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بولا۔ "اے خبردار! مجھے جوان مت بولو۔ یہ جوانی میرے لئے ایک گالی بن گئی ہے۔ اِدھر آؤ۔ میں تمہیں بتاؤں کہ جوانی نے میرے منہ پر کیسا جوتا مارا ہے۔"

وہ مجھے بازو سے تھام کر کھینچتا ہوا ایک طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں بہت دولت مند ہوں۔ بڑے بڑے ٹریکٹر اور ویگن کاریں امپورٹ کرتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ میری بے انتہا دولت اور میری جوانی کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ مگر ایک وقت آیا کہ میں اچانک ہی بوڑھا ہوگیا۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں مذاق کرتے ہو۔ تم بوڑھے نہیں ہو۔ میری طرح جوان ہو۔"

"میں جوان نہیں ہوں۔ یہ جو جوانی تم دیکھ رہے ہو۔ یہ میں نے دولت سے خریدی ہے۔"

"تم بڑی عجیب اور دلچسپ باتیں کررہے ہو۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں، سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ تم کہو گے کہ میرے چہرے پر جھریاں نہیں ہیں۔ میری کمر جھکی ہوئی نہیں ہے۔ میری صحت اچھی ہے اور جو صحت مند ہوتے ہیں وہ بوڑھے نہیں ہوتے مگر میں ستر سال کا بوڑھا ہوں۔"

میں نے اس کی سنجیدگی دیکھ کر اسے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اچھی خوراک ہو بے فکری ہو تو صحت اچھی رہتی ہے کمر نہیں جھکتی۔ یہ دیکھو میں بالکل سیدھا کھڑا ہوں۔"

اس نے سینہ تان کر اکڑتے ہوئے اپنی کمر کو سیدھا کیا مگر نشے نے اسے پیچھے کی طرف گرا دیا۔ میں نے اسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وہ بولا۔ "دیکھ لیا نا۔ یہ بڑھاپا کیسے گرا دیتا ہے؟ مجھے نہ اٹھاؤ ٹھنڈی ریت پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں گا۔"

میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ "میرے چہرے کو اور میرے بدن کو چھو کر دیکھو۔ تمہیں بڑھاپے کی ایک شکن نظر نہیں آئے گی۔ جانتے ہو کیوں؟ میں نے ساٹھ ہزار ڈالر خرچ کرکے پلاسٹک سرجری کرائی ہے۔"

اس بار میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس بار یقین آگیا کہ اس نے دولت کے ذریعے یہ نمائشی جوانی خریدی ہے۔ وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "جب میری جوانی ڈھلنے لگی چہرے سے بڑھاپا جھلکنے لگا۔ حسین لڑکیاں مجھے چچا میاں اور بڑے میاں کہنے لگیں تو میرے جی میں آیا کہ میں خودکشی کرلوں۔ مجھے گوارا نہ تھا کہ میں بوڑھا کہلاؤں اور جوانی کے حسین لمحات مجھ سے چھن جائیں۔ ہم اپنی موت پر رونے کے قابل نہیں رہتے۔

مگر جوانی کی موت پر تمام بڑھاپا رُوتے گزرتا ہے۔ ہم آہیں بھر بھر کر جوانی کے دن یاد کرتے ہیں۔ مجھے یہ گوارا نہ تھا۔ میں نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنے چہرے اور اپنے جسم سے بڑھاپے کے تمام آثار مٹا دیئے۔ اب لڑکیاں مجھے ینگ مین خوبرُو نوجوان کہتی ہیں۔"

میں نے سر ہلا کر کہا "ہاں۔ ہاں میں بھی تمہیں ینگ مین سمجھ رہا تھا مگر تم نے مجھ جیسے اجنبی کو اپنی مصنوعی جوانی کا یہ راز کیوں بتا دیا؟"

"اس لئے کہ یہاں جوانی کے میلے میں ایک تم ہی اکیلے نظر آئے میں کسی کے سامنے اپنے دل کا غبار نکالنا چاہتا تھا۔ مجھے تمہارا شکر ادا کرنا چاہئے کہ تم میری بکواس سننے کے لئے اپنی جوانی کے قیمتی لمحات ضائع کر رہے ہو۔ کیا تم بالکل تنہا ہو؟"

میرے جواب دینے سے پہلے ایک دوشیزہ ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ میں نے باتوں کے دوران دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ کدھر سے آئی ہے۔ اچانک سامنے دیکھ کر یوں لگا جیسے وہ پری سمندر سے نکل کر سیدھی ہم سے ملنے آگئی ہو۔ اسی لمحے میں نے آنکھ بند کر لی۔ کیونکہ اسی لمحے اُس نے پاؤں سے ڈھیر ساری ریت ہمارے منہ پر اچھال دی تھی۔ ینگ مین کے بُڑبڑانے کی آواز سنائی دی۔ اس کی آنکھوں میں ریت پڑ گئی تھی میں نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ دوشیزہ اُس بوڑھے ینگ مین کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا رہی تھی۔ دوسرے لمحے اس نے جوڈو کا داؤ استعمال کیا۔ بوڑھا دور ریت پر جا گرا اور اپنی کمر پکڑ کر کراہ رہا تھا۔

پھر اس نے بجلی کی پھرتی سے میرے منہ پر ٹھوکر ماری۔ شاید پہلی بار اس کا وار خالی گیا۔ وہ جھلا گئی تھی۔ میں نے سر جھکا کر اٹھا لیا تھا۔ اس کی ٹھوکر میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ میں نے سوچا۔ اگر اس کی سوچ نہ پڑھی تو اس کے دوسرے حملے مجھ پر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یا تو سوچ پڑھنا تھا۔ یا پھر باقاعدہ مقابلے کے لئے اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونا تھا۔ میں ایک عورت کے مقابلے پر کھڑا ہو جاؤں، یہ مجھے گوارا نہ تھا۔ پہلے وہ خاموش تھی۔ پھر اجنبی زبان میں کچھ بولنے لگی۔

بوڑھے ینگ مین نے درد سے کراہتے ہوئے کہا "نیلما! وہ ہماری بولی نہیں سمجھتا ہے میرے دوست کو انگریزی میں گالیاں دو۔"

نیلما انگریزی میں گالیاں دیتی ہوئی بولی "تم اس بوڑھے حرامی کے حرامی دوست ہو۔ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

میں نے کہا "میری خوبصورت چڑیل! اپنی زبان کو قابو میں رکھو میں اس بوڑھے کا دوست نہیں ہوں۔ ہماری ملاقات ابھی ہوئی ہے۔ مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہیں غصہ کس بات پر آ رہا ہے؟"

اس نے جواب دینے کے بجائے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں نے ریت پر لیٹ کر کروٹ لی۔ وہ دھپ سے میرے بازو پر آکر گر پڑی۔ میں چاہتا تو اسے دبوچ کر بے بس کر دیتا لیکن اس کے مقدر میں ویسے ہی ناکام حملوں کی بے بسی تھی۔ میں نے مسکرا کر پوچھا "میری بجلی! اب تو بتاؤ کیوں بپک رہی ہو؟"

اس نے کراٹے کا ہاتھ دکھایا۔ میں نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے پیٹ میں گھٹنا مارنا چاہا۔ میں نے ٹانگ میں ٹانگ پھنسا لی۔ تب وہ مجھے حیرانی اور بے بسی سے۔۔۔ دیکھنے لگی، سوچنے لگی "یہ حیرت انگیز طور پر پھرتیلا ہے میرے ہر حملے سے پہلے بچاؤ کی تدبیر کر لیتا ہے۔ اس نے اب تک جوابی حملہ نہیں کیا۔"

وہ میرے شکنجے میں تھی۔ میں نے لیٹے ہی لیٹے اسے اچانک اٹھا کر دُور ریت پر پھینک دیا۔ بوڑھا ینگ مین تالیاں بجاتا ہوا قریب آ رہا تھا "نیلما! اب میں تمہاری رقم ادا کر دوں گا بلکہ دوگنی رقم دوں گا۔ شرط یہ ہے کہ جس طرح تم نے میری پٹائی کی تھی، اسی طرح اس جوان کی بھی پٹائی کر دو۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مجھے خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر ایک طرف تھوک کر حقارت سے بولی "اسے کیبن میں بھیج دو۔ زندہ واپس نہیں آئے گا۔"

وہ پلٹ کر سڑک کے کنارے جانے لگی۔ وہاں ایک بڑی سی ویگن ٹریلر کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ یعنی وہ ایک گشتی مکان تھا۔ سیاحت پسند سرمایہ دار ایسے ہی گشتی مکان میں رہ کر ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کرتے ہیں۔ بوڑھے ینگ مین نے کہا "وہ گشتی مکان میری ملکیت ہے۔ میرے دوست اس حرامزادی کا کچومر نکال دو، آج اس نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔"

میں نے کہا "یہ بہت غصے میں ہے میں ایک عورت سے خواہ مخواہ مار کیوں کھاؤں؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری پٹائی نہیں کر سکے گی۔ تم جیت جاؤ یا ہار جاؤ۔ میں ہر صورت میں تمہیں پانچ سو ڈالر دوں گا۔"

"پانچ سو ڈالر میں تمہیں دے سکتا ہوں۔ جاؤ مار کھاؤ کراٹے"

وہ پریشان ہو کر بولا "تم جو چاہو معاوضہ لے لو مگر اس کی پٹائی ضرور کرو۔ ورنہ یہ سوسائٹی میں میری نمائشی جوانی کا بھانڈا پھوڑتی رہے گی۔"

میں نے پوچھا "قصہ کیا ہے؟"

"آج صبح نیلما سے دوستی ہوئی۔ میں جوانی کے میلے میں دن گزارنے کے لئے اسے ساتھ لے آیا۔ یہاں آکر اس کے تیور بدل گئے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم ستر برس کے بوڑھے ہو۔ تم پر پلاسٹک جوانی چڑھی ہے۔ اندر سے بالکل کھوکھلے ہو۔ آہ! دوست کیا چھپاؤں۔ میں واقعی کھوکھلا ہوں۔ اونچی سوسائٹی میں جو دولت مند ہیں، ان کے سامنے میں اپنی جوانی کا بھرم رکھنا چاہتا ہوں مگر ایسا لگتا ہے کہ کسی دولت مند بوڑھے نے میرا پول کھولنے کے لئے نیلما کو پیچھے لگا دیا ہے۔"

میں نے پوچھا "یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ کسی نے نیلما کو تمہارے پاس بھیجا ہے؟"

"نیلما کی حرکتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بولی۔ اگر تو اپنی جوانی کا بھرم رکھنا چاہتا ہے تو میری زبان بند رکھنے کے لئے ہر ماہ دس ہزار ڈالر ادا کرنے پڑیں گے۔ ورنہ کلبوں میں تقریبات میں جہاں تو جائے گا میں تیری جوانی کو چیلنج کرنے پہنچ جاؤں گی۔"

"چلو۔ تو یہ تمہیں بلیک میل کر رہی ہے۔ ہر ماہ دس ہزار ڈالر بہت ہوتے ہیں بہتر ہے کہ تم خود ہی اپنے بڑھاپے کا اعلان کر دو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ایسا کروں گا تو جوان لڑکیاں مجھ بوڑھے سے دوستی نہیں کریں گی۔"

"وہ تم سے دس ہزار کا مطالبہ کر رہی ہے۔ میں ابھی واپس آ کر تم سے پانچ ہزار ڈالر لوں گا۔ بولو منظور ہے؟"

"نیلما میرا پیچھا چھوڑنے پر راضی ہو جائے تو میں تمہارا مطالبہ پورا کر دوں گا۔"

میں وہاں سے پلٹ کر گشتی مکان کی طرف جانے لگا۔ ریت پر آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے میں نے نیلما کی سوچ پڑھی۔ وہ کھڑکی کا پردہ ایک طرف سرکا کر مجھے آتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ مجھے مار مار کر میرا کچومر نکال دے گی۔ ناکامی کا بھی ذرا اندیشہ تھا۔ اس اندیشے کے تحت اس نے ایک بڑا سا چاقو بستر کے سرہانے چھپا رکھا تھا۔ گشتی مکان کے آگے اسے کھینچنے والا ٹرالر لگا ہوا تھا۔ پیچھے دروازہ تھا۔ میں دروازہ کھول کر داخل ہوا۔ دائیں ہاتھ کی طرف کچن تھا۔ بائیں ہاتھ کی طرف ضروری سامان کا اسٹور تھا۔ میں چار فٹ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد خاص کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ ابھی دروازہ بند تھا مگر میں نے دیکھ لیا کہ کمرے کے ایک طرف کھڑکی کے پاس چھ فٹ کا پلنگ تھا جسے فولڈ کر دینے سے وہ بیٹھنے کا صوفہ بن جاتا ہے دوسری طرف کھڑکی کے پاس لکھنے پڑھنے کے لئے میز کرسیاں تھیں جو ڈائننگ ٹیبل بھی بن جاتی تھی۔ شراب کا کیبنٹ، ٹی وی، ریڈیو گرام اور گلدان وغیرہ سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر خوبصورت پردے لگے ہوئے تھے۔ نیلما نے دروازے کا پردہ ہٹا دیا تھا۔ ذرا پیچھے ہٹ کر انتظار کر رہی تھی کہ میں دروازہ کھول کر اندر آنے ہی والا ہوں۔

میں دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے کھڑا رہا۔ اسے تجسس میں اور انتظار کی جھلاہٹ میں مبتلا کرتا رہا۔ وہ غصے سے بولی "یو بلڈی فول تم کہاں مر گئے؟ اندر آ جاؤ۔"

میں نے جواب نہ دیا۔ وہ دروازے سے کان لگا کر میری آہٹ سننے کے لئے آگے بڑھی۔ مجھے اسی وقت کا انتظار تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازے کو زور کا دھکا دیا۔ دروازہ اس کے منہ پر لگا۔ وہ چیختی ہوئی، لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گئی۔ میں اندر پہنچ گیا۔

اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ میں نے اندر پہنچتے ہی گھوم کر ایک لات اُس کی کمر پر جمائی۔ گالیاں حلق میں گھُٹ کر رہ گئیں۔ وہ تکلیف کی شدّت سے آگے کو جھکی۔ میں نے دوسری لات اس کے منہ پر ماری۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ کر فرش پہ ڈھیر ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ رہے تھے۔ اس کا ہاتھ بستر کے سرہانے پر تھا اور وہ تکیے کے نیچے سے چاقو نکالنے والی تھی مگر ابھی میری ٹھوکروں کی لذّت سے ذرا چکرا رہی تھی۔

میں نے کہا "تم نے باہر مجھ پر بار بار حملے کئے۔ میں عورتوں پر جوابی حملے نہیں کرتا۔ تم نے مجھے یہاں بلا کر مجبور کر دیا۔ اب میں تمہیں اتنا ماروں گا کہ تم حسین دوشیزہ کے بجائے چڑیل نظر آنے لگو گی بہتر ہے کہ مجھے اپنی ہسٹری بتا دو۔"

وہ اچانک اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ کھٹاک کی آواز کے ساتھ اُس کے ہاتھ میں چاقو کھُل گیا تھا۔ وہ میری طرف تھوک کر بولی "میری ہسٹری یہ ہے کہ مجھ پر حاوی ہونے والا کوئی مرد زندہ نہیں رہتا۔ اب تک میں دو بدمعاشوں کو خالی ہاتھوں سے جہنّم میں پہنچا چکی ہوں۔ تم پہلے شیطان ہو جس کے لئے میں چاقو کا سہارا لے رہی ہوں۔ کمینے بدمعاش اب یہاں سے تمہاری لاش باہر نکلے گی۔"

"کیا تم نے دنیا جہان کے بدمعاشوں کو مار ڈالنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟"

"ہاں۔ میں نے اسی مقصد کے لئے جوڈو کراٹے کا فن سیکھا ہے میں اس بوڑھے کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ یہاں سے مار کھا کر گیا تھا یقیناً اُس نے تم سے سودا کیا ہو گا۔ بتاؤ! وہ مجھے قتل کرنے کا کتنا معاوضہ دے گا؟"

"میں حسین لڑکیوں کو قتل نہیں کرتا۔ اپاہج بنا کر چھوڑ دیتا ہوں اس نیک کام کے مجھے پانچ ہزار ڈالر ملیں گے۔"

نیلما کے دماغ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کس انداز سے حملہ کرے گی۔ اچانک وہ دائیں بائیں چاقو لہراتی۔ رقص کے انداز میں بل کھاتی میرے سامنے آئی۔ پھر ایک دم سے گھوم گئی۔ جیسے واپس جانا چاہتی ہو۔ مگر یہ دھوکہ تھا۔ اس نے یکبارگی دوبارہ گھوم کر ٹھیک میرے سینے کی طرف چاقو سے حملہ کیا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر پھر اس کی کمر پر ایک لات رسید کی۔ وہ ڈگمگا کر گرنے والی تھی کہ میں نے چاقو والے ہاتھ کو تھام کر اپنی طرف کھینچ لیا

میں نے اس کی کلائی کو ذرا موڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ چاقو گر پڑا وہ یقیناً اچھے داؤ پیچ جانتی تھی۔ اگر ہم کسی ویرانے میں ہوتے تو میں ٹیلی پیتھی کے بغیر مقابلے میں رہ کر اسے داؤ پیچ آزمانے کا موقع دیتا میں نے کہا "ایک بات یاد رکھو کہ تم کوئی سپرمین کی بیٹی نہیں ہو۔ دنیا میں ایک سے ایک شہ زور پڑے ہیں۔ میری طرح کوئی اور مل گیا تو تمہارا بھُرتہ بنا دے گا۔"

وہ ضدی، سرکش، بے لگام گھوڑی کسی کے قابو میں آنا نہیں جانتی تھی۔ وہ پوری قوت سے خود کو چھڑانا چاہتی تھی۔ میں نے اچانک اُسے چھوڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک الٹا ہاتھ منہ پر رسید کیا گلابی گلابی ہونٹ لہو کی سرخی میں نہا گئے۔ کوئی اور ہوتا تو اب تک چکرا کر ڈھیر ہو جاتا۔ اس آفت کی پرکالا نے جوابی حملہ کیا۔ میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوسری طرف گھماتے ہی ایک کراٹے کا ہاتھ اس کی گردن پر مارا۔ اس کے حلق سے کراہ نکلی۔ بہت ہو چکا تھا۔ اب یہ کھیل ختم ہونا چاہئے تھا۔ میں نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ ہاتھوں سے، لاتوں سے محتاط رہ کر پٹائی کی۔ صنفِ نازک کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اپنے ہاتھ کے وزن میں بھی ذرا نزاکت رکھی۔ ذرا سی دیر میں وہ بے جان سی ہو کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

میں نے ایک ٹھوکر مار کر کہا "اٹھو!" وہ اٹھ نہ سکی۔ اس کے حلق سے بڑی دردناک کراہیں نکل رہی تھیں۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھایا اور اسے بستر پر پھینک دیا۔ وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں بھیگ رہی تھی۔ چہرے پر لہو پھیلا ہوا تھا۔

میں نے رسٹ واچ دیکھی۔ گھڑی کے کانٹے آدھی رات سے گزر رہے تھے۔ میں نے کھڑکی کا پردہ سرکا دیا۔ چاندنی اندر آگئی۔ باہر سمندر شور مچا رہا تھا۔ ریڈیو اور ریکارڈر سے ابھرنے والی موسیقی دُور تک لہرا رہی تھی اور بوڑھا ینگ مین سر جھکائے ریت پر بیٹھا ہوا تھا اور دھیرے دھیرے شکست خوردہ آواز میں گا رہا تھا۔

"ایک بوڑھا، ہزار ہا سال بوڑھے سمندر کے کنارے بیٹھا ہے
اور پوچھ رہا ہے۔
اے سمندر تیری جوانی کا راز کیا ہے؟
آدمی دھیرے دھیرے کائنات کو تسخیر کر رہا ہے۔
لیکن اپنے اندر اپنی جوانی کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتا۔
میں نے دولت کے سہارے اوپر کی جوانی خریدلی مگر اندر بڑھاپے کا کینسر مجھے کھا رہا ہے۔"

بوڑھے ینگ مین کو اب اپنے دائمی بڑھاپے کا یقین ہو گیا تھا میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر اس کے اندر کے کرب کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے سودا کیا تھا کہ میں معاوضہ لے کر نیلما کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گا۔ مگر اب اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ وہ دولت سے جوانی کو نہیں کاٹ سکتا۔ میں اور نیلما جوان تھے۔ سمجھوتہ جوانوں سے ہوتا ہے، بوڑھوں سے نہیں ہوتا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بازی ہار چکا ہے۔ اب اُسے نیلما کو ماہانہ دس ہزار ڈالر دینے ہوں گے ورنہ اس کی سوسائٹی میں اس کی کھوکھلی جوانی کا پول کھلتا رہے گا۔

وہ بڑبڑانے کے انداز میں کسی سُر تال کے بغیر گا رہا تھا۔

"اے سمندر! میں جوان ہوں مگر جوانوں کے میلے میں بوڑھا سمجھا جاتا ہوں۔
میں بوڑھا ہوں مگر دنیا کے بوڑھے مجھے مضحکہ خیز جوان سمجھتے ہیں۔
میں دوغلا ہوں۔
میرے بچوں اور آئندہ نسلوں کے دلوں میں میری بزرگی کا احترام نہیں رہے گا۔
انسان کی آخری عمر جو محترم ہوتی ہے، میں اس کا قاتل ہوں۔
میں نے خدا کی خدائی کا ایک طریقہ بدلنا چاہا۔
اور تماشہ بن گیا۔
کل سے ساری خدائی مجھ پر ہنسے گی۔"

اچانک ہی وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگا۔ مجھے شانوں پر نیلما کے ہاتھ محسوس ہوئے میں نے آہستگی سے کہا۔

"نیلما!"

"ہوں......" وہ کھوئی ہوئی تھی۔

"تم اس بوڑھے کو بلیک میل کیوں کر رہی ہو؟"

وہ میرے پیچھے دوزانو بیٹھی تھی۔ پھر گھٹنوں کے بل اٹھ کر میرے شانے پر سر رکھ کر بولی "اس حسین رات کی قسم! میں بلیک میلر نہیں ہوں اس بوڑھے کی بیوی کو آنٹی کہتی ہوں۔ آنٹی کا دُکھ مجھ سے دیکھا نہ گیا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اب تک ٹیڑھے کو سیدھا کیا جا رہا ہے میں بوڑھے کی کمر جھکا کر رہوں گی۔ میں نے اسے پریشان کرنے کے لئے دس ہزار ڈالر کا مطالبہ کیا ہے۔ میں جانتی ہوں۔ یہ ہر ماہ اتنی بڑی رقم ادا نہیں کر سکے گا۔"

میں نے پوچھا "اگر ادا کرے تو؟"

"تو میں وہ رقم آنٹی کو دے کر دوسری لڑکی کو اس کے پیچھے لگا دوں گی۔ وہ بھی دس ہزار ڈالر کا مطالبہ کرے گی۔ دیکھ لینا یہ جلد ہی جھوٹی نمائش سے باز آجائے گا۔"

میں نے کہا "ہم لوگوں کی یہ عادت ہے کہ دوسروں کو راہِ راست پر لانا چاہتے ہیں اور خود کو غلط راہ پر محسوس نہیں کرتے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اپنی طاقت کے غرور اور جوڈو کراٹے کی نمائش سے تمہیں بھی باز آجانا چاہئے۔"

میں اس کی طرف گھوم گیا۔ وہ میرے سینے میں منہ چھپا کر بولی "تم نے میرا غرور نہیں رکھا۔ اب اور شرمندہ نہ کرو۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔"

"اچھا۔ اب کبھی کسی کو چیلنج نہیں کروں گی۔ تم نے اب تک نام نہیں بتایا۔"

"مجھے طارق محمود کہتے ہیں۔ پاکستان سے آیا ہوں۔ دو ہفتے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

"جانے کی بات اب نہ کرو۔ کیا مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہو؟"

"تم اس قدر حسین ہو کہ تمہیں پانے والا اپنا راستہ بھول جائے گا مگر میں نہیں بھولتا۔ صبح ہونے سے پہلے ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔"

وہ غصّے سے الگ ہو کر بولی "دیکھو آج تک کسی نے مجھے ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کی۔ مگر آج تم نے مجھ پر ایسے ایسے ظلم کئے ہیں کہ سارا بدن پھوڑے کی طرح دُکھ رہا ہے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ تمہارے سوا کوئی مجھ پر حاوی نہیں ہو گا۔ تم اس ملک میں رہو گے۔ یا پھر میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"میں تمہیں دوست بنا سکتا ہوں مصیبت بن کر میرے ساتھ رہنے کا خواب نہ دیکھو۔"

"میں مُصیبت نہیں، راحت بن کر رہوں گی۔ تمہیں اتنی خوشیاں دوں گی، اتنی خوشیاں......"

"بس بس آگے نہ بولو۔ پہلے ہی بہت ساری خوشیوں نے مجھے زخمی کر رکھا ہے۔ میں جوانوں کے اس میلے میں رات گزار کر صبح گم ہو جاؤں گا۔"

اسے بڑی جلدی غصہ آجاتا تھا۔ ایک تو وہ حسین تھی، دوسرے قیامت کا بدن رکھتی تھی۔ یہ دو خوبیاں ہوں تو عورت فطرتاً مغرور ہو جاتی ہے۔ اس کی تیسری خوبی یہ تھی کہ اس نے کراٹے کے فن میں بلیک بیلٹ حاصل کیا تھا۔

وہ میرے بازو میں ناخن گاڑ کر بولی "میں کوئی بازاری عورت نہیں ہوں کہ تم چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔"

وہ میرے بالکل قریب تھی۔ میں نے پیشانی سے پیشانی پر ٹکر ماری۔ وہ پیچھے گئی۔ میں نے ایک ہاتھ رسید کرنا چاہا۔ اس نے ہاتھ روک کر جوابی حملہ کیا۔ میں نے اس کا ہاتھ روک لیا "نیلما! تم عورت ہو عورت ہی رہو۔ کسی بھی مرد پر ہاتھ اٹھا کر تم مرد نہیں بن سکتیں۔ سیدھی طرح بیٹھ کر باتیں کرو۔ ورنہ اس بار سچ مچ تمہارا بھرتہ بنا کر چلا جاؤں گا۔"

وہ دانت پیس کر بولی "میں مر جاؤں گی مگر تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ اگر جانا ہی تھا تو .... کیوں آئے؟"

"باہر ایک گواہ موجود ہے۔ تم نے مجھے یہاں بلایا تھا۔ اگر یہاں کسی مرد سے مقابلہ ہوتا تو میں اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر چلا جاتا۔ تم عورت ہو۔ اس لئے تمہیں توڑ پھوڑ کر بھی سلامت رکھا ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ کسی کو بدمعاش کہہ کر اس کی بدمعاشی سے بچ جاؤ گی۔"

"میں تمہارے جیسے بدمعاش پر تھوکتی ہوں۔"

میں نے فوراً ہی گردن ایک طرف جھکالی۔ اس کا تھوک میرے پیچھے کھڑکی کے باہر گیا۔ شامت کا مارا بوڑھا ینگ مین آرہا تھا تھوک اس کے منہ پر گیا۔ وہ دردناک آواز میں بولا "میں اسی قابل ہوں کہ مجھ پر تھوکا جائے۔ آہ! میں نے ہنس کی چال چلی، کوّا رہا نہ ہنس......"

اِدھر میں نے تھوک کا جواب تھپڑ سے دیا۔ وہ ایک دم سے مچل مچل کر حملے کرنے لگی۔

اب میں نے پے در پے حملے کئے۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو پُشت کی جانب موڑ کر بستر پر گرا دیا۔ پھر سر سے منہ پر ٹکر ماری تو وہ تکلیف کی شدت سے تڑپ اٹھی۔

میں نے پھر اس کے منہ پر ٹکر ماری۔ وہ بلبلانے لگی

میں نے دماغ کی اسکرین پر اس بوڑھے کو دیکھا۔ وہ تھرتھرا رہا تھا۔ ریت کو مٹھیوں میں بھینچ رہا تھا مگر اسے قرار نہیں آرہا تھا۔ وہ ریت پر اوندھے منہ گر پڑا۔ یوں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا جیسے خیالی ندی کے بہاؤ پر تیر رہا ہو۔ یہ حضرتِ انسان کیا ہے؟ زندگی کے آخری موڑ پر پول ہوتا ہے۔ اور ڈھول کی طرح بجنا چاہتا ہے اس نے اٹھ کر ریت پر گھٹنے ٹیک دیئے، دونوں ہاتھوں کے بل چوپایہ بن گیا۔ سر کو یوں جھٹکے دیئے جیسے کُتّا دونوں کان جھاڑ رہا ہے۔ پھر وہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل ریت پر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا، سکون تلاش کرنے لگا۔ کوئی مانے یا نہ مانے، تشنہ خواہشات کی انتہا تک پہنچ کر آدمی کُتّا بن جاتا ہے۔

وہ سوچ کر دہ بولی "طارق! میں غلطی پر تھی۔ مجھے تمہارے راستے کی دیوار نہیں بننا چاہئے۔ تم سشتہ در ہو، اپنی مرضی کے مالک ہو۔ میں تمہیں ہنستے بولتے رخصت کروں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا "شاباش! تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بولو کیا چاہتی ہو؟ میں تمہارے ملک سے جانے سے پہلے تمہاری کوئی خواہش پوری کر دوں گا۔"

"میری ایک ہی خواہش ہے کہ جانے سے پہلے میرے ساتھ ایک ملاقات اور کر لو۔"

"یہ کونسی بڑی بات ہے۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد میں یہیں سمندر کے کنارے رات کے دس بجے ملوں گا۔"

"تم اپنا پتہ بتا دو۔ میں وہاں آجاؤں گی۔"

"میرا کوئی پتہ ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں اس شرط پر ایک ہفتے بعد ملوں گا کہ تم میرا پیچھا نہیں کرو گی، مجھے تلاش نہیں کرو گی۔"

میں بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کر گشتی مکان سے نکل آیا۔ پیچھا چھڑانے سے یہ ظاہر ہوگا ہے کہ جیسے نیلما کوئی یونہی سی لڑکی ہو۔ حالانکہ اس کا حُسن و شباب مثالی تھا۔ ایک عرصے تک اس کا نشہ بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ چونکہ میں بھول لینے کا اصول اپنا چکا تھا۔ اس لئے اُس سے پیچھا چھڑا لیا تھا۔

مگر یہ دنیا والے آسانی سے پیچھا چھوڑنا نہیں چاہتے۔ میں نے ریت پر چلتے ہوئے دماغ کی اسکرین پر دیکھا۔ نیلما مجھے رخصت کر کے جلدی جلدی لباس پہن رہی تھی۔ گشتی مکان سے نکل کر دیکھنا چاہا

کہ میں کدھر جاتا ہوں۔ لباس پہننے کے دوران وہ کھڑکی سے مجھے دُور جاتا دیکھتی رہی۔ پھر دوڑ کر وہاں سے باہر آئی۔ آگے دو نوجوان جوڑے مستی میں رقص کر رہے تھے۔ لوگوں کی بھیڑ لگی تھی۔ سب کے سب تالیاں بجا بجا کر رقص کے لئے تال دے رہے تھے۔ میں اس بھیڑ میں گُم ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی لوگوں کی بھیڑ میں آئی۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے اِس بھیڑ کے دوسری طرف جانا چاہئے۔"

وہ دائیں طرف سے آگے بڑھی۔ میں بائیں طرف سے بڑھتا ہوا، ریت پر دَوڑ لگاتا ہوا گاڑیوں کے پیچھے سڑک پر پہنچ گیا۔ وہ مایوس ہو کر سڑک کی جانب آنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے دوسری طرف گھما دیا۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ دُور کوئی شخص تنہا جا رہا ہے۔ شاید وہی طارق ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "ہاں! یقیناً اِس میلے میں وہی تنہا ہے مجھے فاصلہ رکھ کر تعاقب کرنا چاہئے۔"

وہ کسی اجنبی کے پیچھے آہستہ آہستہ جانے لگی۔ دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اِتنی دُور سے اجنبی کے لباس کا رنگ واضح نہ تھا۔ اگر ہوتا بھی تو میں نیلما کے دماغ کو لباس اور رنگ کے متعلق سوچنے کا موقع نہ دیتا۔ میں اسے مغرب کی طرف بڑھاتا رہا اور خود مشرق کی سمت سڑک کے کنارے کنارے چلتا رہا۔ اس طرح ہمارے درمیان اتنا طویل فاصلہ قائم ہو گیا کہ وہ پلٹ کر آتی تو مجھ تک پہنچ نہ پاتی۔ میں اطمینان سے پونے چار بجے ڈاکٹر کے بنگلے تک پہنچ گیا۔

اس وقت بنگلے کے اندر سامی جاگ کر پہرہ دے رہی تھی۔ ژنگورا۔ را سو رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اسے کھلوانے کے لئے اس بے چارے کو نیند سے جگانا پڑتا۔ سامی میری آواز سن کر آ سکتی تھی، مگر دروازہ نہیں کھول سکتی تھی۔ میں نے سوچا تھوڑی دیر اور ژنگورا۔ را کو آرام سے سونے دیا جائے۔ میں باہر ہی بیٹھ کر ذرا آئندہ کے لئے منصوبے بناؤں گا۔

مجھے اس بوڑھے کا وہ گشتی مکان بہت پسند آیا تھا۔ میں نے خشکی کے راستے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کبھی نہیں کیا۔ اب جی میں آ رہا تھا کہ ایسے ایک گشتی مکان میں پہلے پاکستان تک سفر کروں۔ اگر یہ مہماتی سفر دلچسپ رہا تو پھر مشرقِ وسطیٰ سے یورپ تک کا بھی سفر جاری رکھوں گا۔ گشتی مکان خریدنے کے لئے ڈاکٹر ہوماگاچی کی تجوری میں کافی نقد رقم تھی۔ خشکی کے راستے سفر کرنے کے لئے مختلف سفارت خانوں سے خصوصی اجازت حاصل کرنا لازمی تھا اور یہ کام بھی تب ہی ہو سکتا تھا، جب ژنگورا۔ را کے نئے رُوپ میں اس کا پاسپورٹ بن جاتا۔

میری سوچ کے دوران رس وتی نے مجھے مخاطب کیا "ہیلو فرہاد! ذرا میرے پاس آ جاؤ۔ دیکھو کہ ہم کہاں پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے کہا "ذرا ٹھہرو۔ یہاں صبح کا اُجالا پھیلنے والا ہے۔ میں بنگلے کے اندر جا کر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں نے ژنگورا۔ را کو نیند سے جگایا۔ اس نے فوراً ہی آ کر دروازہ کھول دیا۔ سامی بھی آئی تھی۔ میں نے اسے گود میں لے کر ژنگورا۔ را سے کہا "دروازہ بند کر دو، اور ڈاکٹر کی نگرانی کرو۔ میں سونے جا رہا ہوں۔"

میں سامی کے ساتھ اپنے بیڈروم میں آیا۔ اُسے بستر پر بٹھایا۔ لباس اتارتے ہوئے رس وتی کو مخاطب کیا "ہیلو! میرا غسل کرنے کا ارادہ ہے۔ باتھ روم میں جا رہا ہوں۔ تمہاری سوچ سے پتہ چل رہا ہے تم لکڑیوں سے بنے ہوئے کسی کاٹیج میں ہو۔ دوسرے کمرے میں [illegible] رپتاجی سو رہے ہیں۔ اور سامنے والے کمرے میں دو انگریز مریم کے ساتھ [illegible] ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک انگریز ہندوستانی جانتا ہے۔ [illegible] ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔" وہ ایک کھڑکی کھولتی ہوئی بولی "دیکھو دُور تک ویرانی ہے۔ نہ کوئی مکان ہے نہ ہی کوئی انسان نظر [illegible] ہے۔ وہ انگریز کہہ رہے ہیں کہ یہ برِّ اعظم آسٹریلیا کا ایک دور افتادہ علاقہ ہے۔ یہاں سے وہ ہمیں لندن پہنچائیں گے۔ لیکن اس سے پہلے [illegible] نے ایک مشورہ دیا ہے کہتے ہیں کہ میں چاہوں تو اپنی نئی حکومت [illegible] قائم کر سکتی ہوں۔ اِس مقصد کے لئے وہ ایک خوبصورت سا جزیرہ [illegible] نام کر سکتے ہیں۔"

"وہ جزیرہ کہاں ہے؟"

"ہوائی جزائر کے قریب جہاں ۱۵ اعرض البلد اور ۵۰ طول [illegible] کے خطوط ملتے ہیں، وہاں وہ جزیرہ ہے۔"

اتنے میں ایک ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ رس وتی نے [illegible] "سپر ماسٹر کا خاص نمائندہ مجھ سے باتیں کرنے آ رہا ہے۔ میں نے [illegible] نہیں بلایا ہے۔ تم میرے دماغ میں رہ کر مجھے مشورے دیتے رہو۔"

میں سوچنے لگا۔ رس وتی کا کسی جزیرے میں قیام کرنا [illegible] ہے یا نہیں؟ اس جزیرے میں بظاہر اس کی حکومت ہوگی مگر وہ [illegible] کی کٹھ پُتلی حکومت ہوگی۔ میں نے رس وتی کو یہ بات سمجھائی۔ [illegible]

"فرہاد! میں بھاگ دوڑ سے بیزار ہو گئی ہوں۔ اب اپنے رشتے [illegible] ساتھ کہیں سکون سے رہنا چاہتی ہوں۔ تم ایسی شرائط بتاؤ کہ [illegible] سپر ماسٹر سے تسلیم کرانے کے بعد آزادی سے اس جزیرے میں [illegible]"

"یہ بات میں ابھی سے کہہ سکتا ہوں کہ تم وہاں بالکل آزاد [illegible] لیکن جزیرے کے باہر جانا چاہو گی تو شاید پابندیاں عائد کی جا [illegible]"

ہیلی کاپٹر کی آواز بند ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد [illegible] "بیٹی! سپر ماسٹر کا وہ خاص نمائندہ آ چکا ہے۔ کیا تم ابھی [illegible] کرو گی؟"

رس وتی اپنے کمرے سے نکل کر سامنے والے کمرے میں پہنچی۔ تمام انگریز احتراماً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہندی بولنے والے انگریز نے خاص نمائندے سے تعارف کرایا۔ وہ مصافحہ کرنا چاہتا تھا مگر رس وتی نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ پھر وہ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ نمائندے نے کہا "آج میں دنیا کی عظیم شخصیت سے ملنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ سپر ماسٹر نے آپ کے لئے خیر سگالی کا پیغام بھیجا ہے اور فرہاد علی تیمور کی بے وقت موت پر گہرے صدمے کا اظہار کیا ہے۔"

ایک فوٹو گرافر مختلف زاویوں سے ان کی تصویریں اتار رہا تھا۔ میں نے اس نمائندے کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ میری موت پر ظاہری صدمے کا اظہار کر رہا تھا۔ ورنہ دماغ میں یہ بات تھی کہ فرہاد موت کے بہانے پھر ایک بار روپوش ہو گیا ہے۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ سُپر ماسٹر میری لاش اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر کبھی میری موت کا یقین نہیں کرے گا۔

نمائندے نے کہا "یور ہائی نس! آپ اپنے دیس والوں کو آزما چکی ہیں۔ انہوں نے آپ کی بہن اور والد کو یرغمال بنا کر ایک عرصہ تک آپ کو پریشان کیا ہے۔ آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ آپ کی تمام پریشانیوں کے پیچھے ماسک مین کا ہاتھ رہا ہے۔"

ہندی جاننے والا انگریز ترجمانی کر رہا تھا۔ رس وتی نے سر ہلا کر کہا "ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ اسی لئے میں نے ایک کالی بلا سے چپ چاپ کہا تھا کہ ہمیں اُن کی حدود سے نکال کر لے جائیں۔"

نمائندے نے کہا "ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں کہ آپ نے ہم پر اعتماد کیا۔ موجودہ حالات کو ہم سب سمجھ رہے ہیں۔ آپ اس دنیا کے کسی بھی خطے میں جائیں گی تو دشمن آپ کو پہچان لیں گے۔ آپ فی الحال لندن میں قیام کرنا چاہتی ہیں۔ وہاں ہم بے شک آپ کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ آپ کے لئے مخالفوں سے لڑ سکتے ہیں لیکن ان ہنگاموں کے باعث آپ اپنی رہائش گاہ تک محدود ہو کر رہ جائیں گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا قیام ایسی جگہ ہو جہاں آپ تفریح کے لئے اور تقریبات میں شریک ہونے کے لئے بغیر کسی پابندی، بغیر کسی محافظ کے آزادی سے آتی جاتی رہیں۔"

رس وتی نے کہا "ہاں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے لئے ایسا ایک جزیرہ مخصوص کیا جا رہا ہے۔"

"وہ جزیرہ سرسبز و شاداب ہے۔ وہاں کے قدرتی مناظر سے آپ لطف اٹھائیں گی اگر کبھی جزیرے سے باہر کسی بھی ملک میں سیر و سیاحت کی غرض سے جانا چاہیں گی تو ماسک میک اپ کے ذریعے آپ کا چہرہ بدل دیا جائے گا۔ اس طرح آپ آزادی سے دوسرے ممالک کا سیر کر سکیں گی، کوئی دشمن آپ کو پہچان نہیں سکے گا۔"

رس وتی نے میری ہدایت کے مطابق سوال کیا "آپ کی حکومت ہم پر اتنی مہربان کیوں ہے؟"

"ہم آپ کے قابلِ اعتماد دوست بننا چاہتے ہیں۔ دوستی کا مقصد یہ ہے کہ ہم ٹیلی پیتھی کے ذریعے آئندہ کوئی نقصان اٹھانا نہیں چاہتے۔ آپ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائیں گی تو یہ آپ کی مہربانی ہوگی۔ ہم کبھی آپ کے مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں کہیں گے۔ یہ درست ہے کہ ہر دوستی کے پیچھے کوئی غرض چھپی ہوتی ہے۔ ہماری غرض یہی ہے کہ ہم آپ کے غصّہ سے محفوظ رہیں۔ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو آپ نشاندہی کریں ہم فوراً ہی اس کی تلافی کریں گے۔"

"کیا وہ جزیرہ آباد ہے؟"

"وہاں برائے نام آبادی ہے۔ پچھلے برس کی مردم شماری کے مطابق مردوں، عورتوں اور بچوں کی کل تعداد دو سو نوّے ہے۔ وہ مقامی بے ضرر لوگ ہیں۔ آپ کو ملکہ تسلیم کریں گے۔ جو آپ کا تابعدار نہ ہو، آپ اُسے موت کی سزا دے سکتی ہیں یا جزیرے سے باہر نکال سکتی ہیں وہ جزیرہ تقریباً سو میل کے رقبہ تک پھیلا ہے۔ آپ کی رضامندی حاصل ہوتے ہی وہاں آپ کے لیے شاندار محل تعمیر کیا جائے گا۔ سڑکیں بنوائی جائیں گی۔ وہاں آپ کے لیے ایک ہیلی کاپٹر اور ایک طیارہ مخصوص رہے گا۔ ایک مختصر سی مسلح فوج ہوگی، جو آپ کے احکامات کی پابند ہوگی۔ اس جزیرے میں آپ کی اجازت سے ہمارا صرف ایک سفارت خانہ ہوگا۔"

میں نے رس وتی سے کہا "تسلیم کر لو۔ ہم تنہائی میں اس موضوع پر بحث کریں گے۔"

وہ نمائندے سے بولی "آپ واقعی دوست بننے کا ثبوت دے رہے ہیں۔ میں آپ کی تمام باتیں تسلیم کرتی ہوں۔ آپ اپنے اعلیٰ حکام سے کہیں کہ رس وتی بھی دوستی کا حق ادا کرے گی۔"

وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ پھر نمائندے کی راہنمائی میں رس وتی کے سامنے فوجی انداز میں سلام پیش کرتے ہوئے کہا "قابلِ صد احترام ملکہ عالیہ! ہم اپنے اعلیٰ حکام اور اپنے ملک کے عوام کی جانب سے آپ کو سلام کرتے ہیں اور آپ کو اپنی دوستی، وفاداری اور آئندہ خدمات بجا لانے کا یقین دلاتے ہیں۔"

رس وتی نے ان کے روبرو کھڑے ہو کر جواب دیا "جب تک میری آزادی اور خودداری کو چھیڑا نہ جائے گا، اس وقت تک میں بھی دوستی کا حق ادا کرتی رہوں گی۔"

اس بار اُس نے نمائندے سے دوستانہ انداز میں مصافحہ کیا۔ پھر پوچھا "ہم جزیرے میں کب جائیں گے؟"

"ایک گھنٹہ بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور سہ پہر تین بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ وہاں ہندی اردو بولنے والے موجود ہوں۔"

"آپ کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔"

رس دنتی اُن سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں آئی۔ مریم سے کہا کہ اس کی بہن اور بتاجی کو جگاؤ اور سب لوگ سفر کی تیاری کریں۔ مریم کے جانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا: ”ہاں۔ اب بتاؤ کہ یہ سمجھوتہ کہاں تک درست ہے؟“

”رس دنتی! تم اپنے عزیزوں کے ساتھ کہیں ایک جگہ سکون سے رہنا چاہتی تھیں۔ تمہاری یہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔“

وہ بولی: ”میری خواہش کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سمجھوتے پر روشنی ڈالو۔“

میں نے کہا: ”یہ سمجھوتہ ہر حال میں ہونا ہی تھا۔ سینے پر بم باندھ کر مر جانے کا حوصلہ کرنے والے اور تمہیں وہاں تک پہنچانے والے تمہاری آخری سانس تک تمہارا پیچھا نہ چھوڑتے۔ اگر یہ سمجھوتہ نہ ہوتا، اگر تم لندن میں رہنے کی ضد کرتیں تو وہ ضد پوری کر دی جاتی مگر کالی بلائیں تمہارے ساتھ سائے کی طرح لگی رہتیں۔ میری عقل کہتی ہے کہ حالات کے مطابق یہ سمجھوتہ درست ہے۔“

”فرہاد! تم میرے اندر رہ کر محسوس کر سکتے ہو کہ میرے دماغ سے ایک بوجھ اُتر گیا ہے۔“

”ہاں! ان فکر و اندیشوں کا بوجھ اتر گیا ہے کہ تمہارے رشتہ داروں کا کیا ہوگا؟ اب کچھ نہیں ہوگا۔ سب آرام اور سکون سے رہیں گے۔ ابھی اُس جزیرے میں سپر ماسٹر کی فوج اور خدمت گار رہیں گے۔ وہ تمہارے حکم پر جانیں قربان کر دینے کے لئے تیار رہیں گے۔ تمہاری ذاتی آزادی اور خود داری کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ اب تمہارا کام یہ ہوگا کہ تم رفتہ رفتہ اُردو اور ہندی بولنے والوں کو اس جزیرے میں آباد کرو گی۔ انگریزی بولنے والوں میں سے جو ناپسندیدہ افراد ہوں، اُن پر الزامات ثابت کرنے کے بعد انہیں جزیرے سے نکال دیا کرنا۔ اس طرح سپر ماسٹر کو اعتراض کرنے کا موقع نہیں ملے گا اور تمہارے اعتماد کے لوگ تمہارے اطراف میں جمع ہوتے رہیں گے۔“

وہ خوش ہو کر بولی: ”میں ایسا ہی کروں گی۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے صرف تمہارے سہارے یہ سمجھوتہ کیا ہے۔“

”ہاں۔ یہ سوچ کر کہ وہاں تم پر مصیبت آئے گی یا تمہیں غلامی کا احساس ہوگا تو میں تم لوگوں کو اس جزیرے سے نکال لاؤں گا اور یہی ہوگا۔ تم اطمینان رکھو!“

میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بستر پر آگیا۔ وہ بولی: ”تم بہت تھکے ہوئے ہو۔ چلو آنکھیں بند کرو۔ میں تمہیں سُلاتی ہوں۔“

میں نے سامی کو چوم کر کہا: ”میری جان! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میری ایک جان اور ہے۔ جو کبھی دوستی کرتی ہے، کبھی ناراض ہو جاتی ہے، کبھی ارادہ کرتی ہے کہ اپنے دل سے مجھے نکال دے گی اور کبھی بڑے پیار سے تھپک کر گنگنا کر مجھے سُلانے آجاتی ہے۔ اچھا سامی! خدا حافظ۔“

رس دنتی نے مسکرا کر کہا: ”کر لی بکواس۔ بس اب آنکھیں بند کرو۔“

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے میرے دماغ کو ہدایت دی کہ میں پانچ گھنٹے تک آرام سے سوتا رہوں۔ اگر کوئی کمرے میں داخل ہو تو مقررہ وقت سے پہلے آنکھ کھل جائے۔ اس ہدایت کے بعد وہ گنگنانے لگی۔ ہائے کیسی میٹھی رس بھری آواز تھی۔ جیسے رس دنتی کا رس بھرا وجود سارا کا سارا پگھل کر میری رگوں میں بہہ رہا ہو۔ وہ میرے اندر بہتی رہی۔ جانے میں کب سو گیا۔ کچھ ہوش نہ رہا۔

●

اس جزیرے کا ائیرپورٹ دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ بڑے ہی شاہانہ انداز میں استقبال کیا گیا۔ مسلح فوج کے دستوں نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اکیس توپوں کی سلامی دی گئی۔ ایسے ہندوستانی جو سپر ماسٹر کے وفادار تھے، اس استقبالیہ میں موجود تھے۔ ایک فوجی جنرل نے سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے رس دنتی کو یقین دلایا کہ وہ سب اس کے وفادار رہیں گے۔

ایک ہندو پنڈت نے کہا: ”شری متی رس دنتی دیوی کے طفیل سے یہاں ہماری ایک نئی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ اس لیے یہاں سب سے پہلے ایک مندر تعمیر ہونا چاہیے۔“

رس دنتی نے کہا: ”یہ صرف میری نہیں فرہاد علی تیمور کی بھی مملکت ہے۔ اگرچہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ تاہم میرے شانہ بشانہ مذہب اسلام چلے گا۔ مندر کے ساتھ مسجد بھی تعمیر ہوگی۔ یہاں مسلمان بھی ہوں گے۔ جب مسلمانوں کا وفد میرے پاس آئے گا، تب میں دونوں مذاہب کو اُن کی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دیدوں گی۔ فی الحال میں بڑی مسرت کے ساتھ یہ اعلان کرتی ہوں کہ میری اس نئی مملکت کا نام ”سوپ نگر“ رہے گا۔“

تمام حاضرین سوپ نگر زندہ باد کے نعرے لگانے لگے...

رس دنتی نے کہا: ”میں ذہین آرٹسٹوں کو دعوت دیتی ہوں کہ میرے ملک کے پرچم کا ایسا ڈیزائن تیار کریں، جو فرہاد اور رس دنتی کے اشتراک کا مظہر ہو...“

پُرجوش تالیوں کے شور میں وہ تقریر کرتی رہی۔ دوسرے دن اس نے ہیلی کوپٹر میں بیٹھ کر پورے جزیرے کی سیر کی۔ اپنی مملکت کے قدرتی حُسن کو دیکھتی رہی۔ جب ہیلی کوپٹر زمین پر اترا تو اچانک رس دنتی کا سر چکرانے لگا۔ اس وقت میرا اس سے رابطہ نہیں تھا۔ بعد میں اس نے مجھے مخاطب کیا۔ اس وقت وہ ایک آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ پچھلی رات بھی ایک بار اُس کا سر چکرایا تھا۔ اور اب وہ خود کو بیمار سی محسوس کر رہی ہے۔ ایک تجربہ کار ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا ہے۔ دوسرے ڈاکٹر بھی جزیرے میں پہنچنے والے ہیں۔

شام تک دُوسرے ڈاکٹر بھی پہنچ گئے۔ رس دنتی کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا: ”یہاں ایکسرے

اور خون وغیرہ ٹیسٹ کرنے کا انتظام نہیں ہے۔ رس دنتی دیوی کو فوراً ہی سپر ماسٹر کے ملک میں پہنچایا جائے۔“

رس دنتی کو وہاں سے بحفاظت لیجانے کے انتظامات ہونے لگے۔ روانگی سے پہلے ڈاکٹروں نے کہا کہ اسے ایک گلاس دودھ پلایا جائے۔ رس دنتی کے کھانے پینے کی چیزوں کو ڈاکٹری معائنہ کرتے رہنے کے لئے ایک قابلِ اعتماد ڈاکٹر مقرر کیا گیا تھا لیکن ان حالات میں کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ باہر سے آنے والے ایک ڈاکٹر نے دوبارہ دودھ کا معائنہ کیا تو اس میں کسی ایسی دوا کی آمیزش پائی گئی۔ جس کے استعمال سے دماغی قوتیں مفلوج ہونے لگتی ہیں۔

فوراً ہی مسلح افراد کچن کی طرف دوڑتے ہوئے گئے۔ رس دنتی کے کھانوں کا معائنہ کرنے والا ڈاکٹر وہاں موجود تھا۔ ایک نے کہا: ”ڈاکٹر تمہارا معائنہ کیا ہوا دودھ زہریلا ہے۔ خود کو بے گناہ ثابت کرنے تک تم ہماری حراست میں رہو گے۔“

ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا: ”میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ دیکھو......“

اس نے اپنا گریبان کھول کر دکھایا۔ اس کے سینے سے ایک بیلٹ بندھا ہوا تھا وہ بولا: ”اپنے سپر ماسٹر سے کہنا کہ صرف اس کی کالی بلائیں خودکشی کرنا نہیں جانتی ہیں۔ ہم بھی جان پر کھیلنا جانتے ہیں میرے سینے پر جو بم بندھا ہوا ہے اس میں اتنی قوت ہے کہ اس کے پھٹنے سے یہ پورا بنگلہ تباہ ہو جائے گا۔ رس دنتی اس کے ملبے میں دب کر رہ جائے گی۔“

وہ ایک نئی بلا پیدا ہو گئی تھی۔ اب سے پہلے کتنی ہی کالی بلاؤں نے اپنی جان پر کھیل کر سپر ماسٹر کے لئے رس دنتی کو حاصل کیا تھا۔ اب ماسک مین کے لئے جان دینے والوں نے بھی وہی جان لیوا طریقہ اپنا لیا تھا اور ان میں سے وہ ایک شخص اپنی موت کو اپنے سینے سے لگا کر آگیا تھا۔ ایک مسلح افسر نے کہا: ”ڈاکٹر! تم ایک طویل عرصے سے ہمارے ملک کے وفادار رہے۔ سپر ماسٹر کو تم پر بڑا اعتماد تھا۔ اگر تم اب بھی غداری سے باز آجاؤ تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔“

وہ بولا: ”جان دینے والے معافی حاصل کرنے کے لئے اتنا خطرناک قدم نہیں اٹھاتے۔ میں بیس برس سے ماسک مین کا نمک خوار ہوں اور تمہارے ملک میں رہ کر سپر ماسٹر کا اعتماد حاصل کرتا رہا ہوں۔“

افسر نے پوچھا: ”کیا ماسک مین چاہتا ہے کہ رس دنتی دیوی کا دماغی توازن بگڑ جائے اور کوئی ملک اس کی ٹیلی پیتھی سے فائدہ نہ اٹھائے؟“

ڈاکٹر نے کہا: ”میں نہیں جانتا کہ ماسک مین کیا چاہتا ہے۔ مجھے صرف اتنا حکم دیا گیا تھا کہ میں اس وقت تک وہ دوا رس دنتی کے کھانے میں ملاتا رہوں۔ جب تک وہ بیمار رہ کر تم لوگوں کو تشویش میں مبتلا نہ کرے۔ بہرحال میں نے حکم کی تعمیل کی۔ میرا کام مکمل ہو گیا۔ اب مجھے خودکشی کر لینی چاہیئے۔ میں اس دروازے سے باہر جا رہا ہوں۔ اگر چاہتے ہو کہ یہ بنگلہ تباہ نہ ہو تو مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں یہاں سے بہت دُور جا کر خود کو موت کے حوالے کر دوں گا۔“

وہ گھوم کر کچن کے پچھلے دروازے سے باہر جانے لگا۔ مسلح افراد فاصلہ رکھتے ہوئے اس کے پیچھے جانے لگے۔ بنگلے کے باہر پہنچ کر تمام لوگ رُک گئے۔ ڈاکٹر سر جھکائے اپنی موت کی طرف چلا جا رہا تھا۔ دور بہت دور جب وہ گھنی جھاڑیوں کے پیچھے نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اچانک ہی دل ہلا دینے والے دھماکے کی آواز سنائی دی۔ جھاڑیوں کی شاخیں اور پتیاں کاغذ کے پُرزوں کی طرح فضا میں منتشر ہو کر وہاں کے منظر کو دُھندلا رہی تھیں۔

اب وہاں کے ذمے دار لوگ پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ سب ایک دوسرے کے گریبان کھول کر چیک کر رہے تھے کہ اُس جزیرے میں موت سے کھیلنے والا اور کوئی دشمن ہے یا نہیں؟ وہاں فوج کے ایک ایک سپاہی اور ایک ایک مقامی باشندے کو چیک کیا گیا۔ سینے پر بم باندھنے والا کوئی دشمن نظر نہیں آیا۔ میں واپس رس دنتی کے پاس گیا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ میری باتیں نہ سمجھ سکتی تھی اور نہ ہی جواب دے سکتی تھی۔ میں نے دنتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بہن کے لئے رو رہی تھی۔ تن سنگ بھی پریشان نظر آرہا تھا۔ میں ان کے لئے مُردہ تھا۔ انہیں تسلی نہیں دے سکتا تھا۔

میں نے ایک مسلح افسر کے پاس پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ ذمے دار افسران کے ہنگامی اجلاس میں شریک تھا۔ اور وہاں اس موضوع پر بحث ہو رہی تھی کہ رس دنتی کو کس طرح بحفاظت جزیرے سے باہر لے جایا جا سکتا ہے ایک بہت ہی قابل اور تجربے کار ڈاکٹر نے کہا: ”رس دنتی دیوی کی جان کا خطرہ نہیں ہے۔ البتہ علاج میں دیر ہوئی تو دماغ پر بُرا اثر پڑے گا۔“

ایک افسر نے کہا: ”ہماری کوشش یہی ہے۔ [illegible] جو یہاں دوسرا طیارہ پہنچنے ہی والا ہے۔ اس کی آمد پر ہی ہم کوئی اہم قدم اٹھا سکتے ہیں۔“

وہ لوگ کسی دوسرے طیارے کا انتظار کر رہے تھے۔ میں بھی انتظار ہی کر سکتا تھا۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے رس دنتی کے کسی بھی کام آنا ممکن نہ تھا۔ میں دماغی طور سے ڈاکٹر ہوما گاچی کے بنگلے میں واپس آگیا۔ مجھے خشکی کے راستے سفر کرنے کے لئے خصوصی اجازت نامے حاصل کرنے تھے۔ اس کے لئے میں کئی سفارت خانوں کے مخصوص فارم پُر کر چکا تھا۔ میں نے حسبِ معمول ڈاکٹر کو ژنگورا۔ را اور سامی کی نگرانی میں چھوڑا۔ ایک چھوٹے سے بریف کیس میں ضروری کاغذات اور نوٹوں کی گڈیاں رکھ کر بنگلے سے باہر آگیا۔

مجھے کچھ دُور پیدل چلنا پڑا۔ وہاں بڑے بڑے دولت مندوں... کے نگر تری بنگلے تھے ان کی اپنی قیمتی کاریں تھیں۔ اس لئے وہاں ٹیکسیاں شاذ و نادر ہی نظر آرہی تھیں۔ میں نے پیدل چلتے ہوئے رس دنتی کی خبر لی۔ وہ ہوش میں تھی۔ مگر باتیں کرنے اور سوچنے کے قابل نہیں تھی۔ میں نے اسے تسلی دی: ”رس دنتی! حوصلہ رکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم جلد ہی ٹھیک

ہو جائے گی۔"

اُس کی بہت ہی کمزور سی سوچ سنائی دی۔ "آہ! یہ میرے دماغ میں کیسی آواز گونج رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے، کوئی بول رہا ہے۔ اوہ بھگوان میرا سر۔ میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔"

میں چپ ہو گیا۔ اس کا دماغ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ اُسے اپنی کمزور سی سوچ بھی بھاری لگ رہی تھی۔ میری سوچ کی قوت کو اس کا دماغ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ان حالات میں انسان پر نیم بے ہوشی کی حالت طاری رہتی ہے۔ میں نے اس کے ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر معلومات حاصل کیں۔ معلوم ہوا کہ رس دنتی کا خون ٹیسٹ کیا جا رہا ہے۔ اس کے سینے اور دماغ کا ایکسرے بھی کیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں رپورٹ ظاہر ہو گی۔

مجھے تعجب ہے کہ اتنی جلدی رس دنتی کو جزیرے سے باہر لے جا کر رپورٹ کیسے حاصل کی جا رہی ہے۔ میں سیکورٹی آفیسر کے پاس پہنچا تو اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ جو دوسرا طیارہ جزیرے میں پہنچا تھا اُس میں ایکسرے مشین اور طبی لیبارٹری اور تمام ماہرین موجود تھے ۔۔۔ رس دنتی کا علاج اسی جزیرے میں ہو رہا تھا۔ دشمنوں کی ایک چال سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ رس دنتی کو دماغی مریضہ بنا کر سپر ماسٹر کو مجبور کرنا چاہتے تھے کہ رس دنتی کو وہ مجبوراً جزیرے سے نکالے اور کسی بڑے ملک میں اسے علاج کے لئے پہنچائے۔ تاکہ دشمن اس دماغی مریضہ کو اغوا کرنے کے مواقع حاصل کر سکیں۔

اس سیکورٹی آفیسر کی سوچ نے بتایا کہ وہ فوری طور پر رس دنتی کا علاج کرنا اور اس کی حفاظت کرنا چاہتے تھے۔ حفاظتی اقدامات کے لئے بڑے پیمانے پر بحری فوج اس جزیرے کو گھیر رہی تھی لیکن اس کے لئے وقت درکار تھا۔ اس وقت تک دشمنوں کو فریب دینا اور خوش فہمی میں مبتلا رکھنا ضروری تھا۔ اس دھوکا دہی کے لئے انہوں نے پہلے طیارے سے ایک دوسری رس دنتی کو جزیرے سے باہر پہنچا دیا تھا ۔۔۔ وہ دوسری رس دنتی کون تھی؟

وہ دسنتی تھی۔ بڑے بڑے افسران نے دسنتی اور تن سنگ کو سمجھایا تھا کہ رس دنتی اپنے رشتوں کے لئے بڑے مصائب سے گزر چکی ہے۔ اب اسے دشمنوں سے اسی طرح بچایا جا سکتا ہے کہ دسنتی اس کی جگہ بیمار بن کر اس جزیرے سے باہر دوسرے ملک میں جائے۔ جو لوگ دسنتی کو رس دنتی سمجھ کر اغوا کرنے آئیں گے ان سے سپر ماسٹر کے آدمی نمٹ لیں گے۔

دسنتی بہن کی حفاظت کے لئے راضی ہو گئی۔ دونوں جڑواں بہنیں تھیں۔ ایک جیسی صورت اور قد و قامت رکھتی تھیں۔ میں بنکاک میں ایک بار دسنتی کو دیکھ کر اُسے رس دنتی سمجھ بیٹھا تھا۔ بہرحال وہ لوگ دسنتی کو اسٹریچر پر ڈال کر طیارے میں لے گئے۔ اس ڈرامے کے مطابق بیمار بیٹی کے ساتھ باپ کا جانا لازمی تھا۔ اس لئے تن سنگ بھی اس طیارے میں دسنتی کے ساتھ چلا گیا۔ دشمن اچھی طرح جانتے تھے کہ جزیرے پر علاج کی سہولتیں پہنچائی نہیں جا سکتیں۔ رس دنتی کو مجبوراً جزیرے سے باہر لایا جائے گا۔ اور اس طرح وہ جزیرے سے باہر پرواز کرنے والے طیارے پر نظر رکھ سکیں۔ یہ اطمینان ہو جائے گا کہ ان کا منصوبہ کامیاب رہا ہے۔

میں نے دسنتی کی خبر لی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ طیارے میں آرام سے بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ وہ باپ بیٹی نہیں جانتے تھے کہ انہیں کس ملک میں پہنچایا جا رہا ہے۔ میں مطمئن تھا کہ سپر ماسٹر ان کی حفاظت کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا۔ میں ان کے پاس سے واپس آ گیا۔ خیال خوانی کے دوران میں پیدل چلتا ہوا سمندر کی ساحلی سڑک پر آ گیا تھا۔ وہاں صبح کے وقت اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ مقامی لوگوں کے علاوہ دیگر ممالک کے سیاح کیمروں سے تصویریں اتارتے نظر آ رہے تھے۔ مجھے ایک ٹیکسی مل گئی۔ میں ڈرائیور کو پاکستانی سفارت خانے کا پتہ بتا کر پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھ گیا۔ اب وہ تو بیس گھنٹے کی خیال خوانی نہیں رہی تھی۔ صرف رس دنتی کے سلسلے میں کبھی مصروفیت رہتی تھی اور ڈاکٹر ہوماگاچی کے چور خیالات کو پڑھنے اور اسے کنٹرول کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً ٹیلی پیتھی کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ پہلے بہت ساری ذمہ داریاں تھیں۔ اب میں اپنے ضمیر کے آگے کسی رشتہ دار اور دوست کے لیے جواب دہ نہیں تھا۔ اس لیے آزادی سے سوچ فکر کے بجائے حقیقی دنیا کی سیر کرتا تھا۔ میں دماغی طور پر حاضر رہ کر بنکاک شہر کے حسن کو دیکھتا ہوا سفارت خانے کے دفتر پہنچ گیا۔

وہاں بہت سے پاکستانی نظر آئے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ سب کے سب ایک دوسرے سے اردو زبان میں گفتگو کر رہے تھے مجھے یوں لگا جیسے پاکستان پہنچ گیا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ مجھے اپنا کام کس طرح ۔۔۔ ذہنی پہلوؤں سے معلومات حاصل کیں۔ مقصد یہ تھا کہ اپنے ہم وطنوں ۔۔۔۔۔۔ سے اس بہانے گفتگو کر سکوں۔ کچھ لوگ وہاں قیام کرنے کی مدت بڑھانا چاہتے تھے۔ ایک پاکستانی نے بنکاک کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی اور اب دلہن کو پاکستان لے جانے کا اجازت نامہ حاصل کرنے آیا تھا۔ ایک خاتون نے اتنی زیادہ شاپنگ کی تھی کہ ان کے پرس میں واپسی کا کرایہ تک نہیں رہا تھا مگر خاتون نے پاکستانی سفیر کے نام درخواست کا حوالہ دے کر التجا کی تھی کہ انہیں پاکستان واپس بھیجا جائے پاکستان پہنچ کر وہ تمام اخراجات ادا کر دیں گی۔ اپنی حد سے زیادہ شاپنگ والی بات چھپائی تھی۔ کیونکہ عورتوں والی کمزوری ظاہر ہوتی تھی۔ وہ ندامت سے بچنا چاہتی تھیں۔

سفارت خانے کے عملے میں کچھ لوگ بڑے آرام طلب تھے۔ اپنے پاکستانی بھائیوں سے شاہانہ رعب اور دبدبے سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے کاغذات میں ایسی غلطیاں نکال کر انہیں پریشان کر رہے تھے۔ جنہیں ذرا سی آسانی سے درست کیا جا سکتا تھا۔ میں چاہتا تو ایسے کلرکوں کے دماغوں

میں بیٹھ کر تمام لوگوں کے کاغذات درست کرا دیتا، کتنی ہی درخواستیں منظور کرا دیتا لیکن بعد میں عملے کے افراد یہ سوچنے لگتے کہ وہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ خواہ مخواہ ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ میرے لئے کوئی نئی مصیبت پیدا کر سکتا تھا۔

میں ایک ہیڈ کلرک کے کمرے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک پاکستانی سے کہہ رہا تھا: "دیکھو میاں! میں نے تمہارا کام کرا دیا ہے اب تم اسلام آباد پہنچتے ہی میرا سامان میرے گھر والوں تک پہنچا دینا۔"

اسلام آباد جانے والا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ میں ہیڈ کلرک کے لاشعور سے اس کی ذاتی زندگی کے حالات معلوم کر رہا تھا۔ جب وہ اسلام آباد جانے والا وہاں سے اٹھ کر باہر جانے لگا تو میں نے اندر پہنچ کر ہیڈ کلرک کو سلام کیا۔ وہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ غصے سے بولا "تم کس کی اجازت سے اندر آتے ہو؟"

میں نے کہا: "آپ بحیثیت مسلمان سلام کا جواب دیں۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔"

اس نے ہونٹ بھینچ کر مجھے دیکھا۔ پھر بدستور غصے سے بولا۔ "جواب نہیں ملے گا۔ تم لوگوں کو میں خوب سمجھتا ہوں۔ طرح طرح کے بہانے کر کے پریشان کرنے آ جاتے ہو۔ اُدھر کاؤنٹر پر جاؤ۔ جہاں سب کھڑے ہیں۔ تم یہاں کوئی گورنر نہیں لگے ہو۔ جاؤ یہاں سے ......"

میں نے سخت لہجے میں کہا: "یہ ایک اسلامی حکومت کا سفارت خانہ ہے۔ تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو سلام کا جواب دو۔ ورنہ میں تمہارے جیسے کافر کو اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا "تم۔ تم یہاں غنڈے بن کر آئے ہو۔ میں ابھی تمہیں حوالات میں بھیجوں گا۔"

اُس کے پیچھے ایک کمرے کا مرمتی دروازہ تھا۔ یعنی چوکھٹ کا اوپری اور نچلا حصہ خالی تھا۔ درمیان میں دو چھوٹے پٹ لگے ہوئے تھے۔ جو کھلنے کے بعد خود بند ہو جاتے ہیں۔ ایسے دروازوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے ننگی چوکھٹ کو انڈرویئر پہنایا گیا ہو۔ وہ کمرہ پاکستانی سفیر کے سیکرٹری کے لئے مخصوص تھا۔ ہیڈ کلرک غصے سے طنطناتا ہوا اُس کمرے میں گیا۔ اس کی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: "سر! ایک بدمعاش زبردستی دفتر میں گھس آیا ہے اور مجھے مارنے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

سیکرٹری کی آواز سنائی دی: "اگر اس نے تمہیں نہیں مارا تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ یو ایڈیٹ! باہر جا کر اسے سلام کا جواب دو۔ یا پھر اپنا استعفیٰ پیش کرو۔ گیٹ آؤٹ!"

میں نے فوراً ہی سیکرٹری کی سوچ میں کہا: "پتہ نہیں وہ کون ہے۔ اُسے اندر بلانا چاہئے۔"

ہیڈ کلرک سر جھکائے کمرے سے باہر جا رہا تھا۔ سیکرٹری نے کہا "اُن صاحب کو اندر بھیج دو۔"

اس نے باہر آ کر ناگواری سے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: "اندر تشریف لے جائیے۔"

میں نے انڈرویئر دروازے کو کھول کر داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ سیکرٹری نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اٹھ کر مصافحہ کیا پھر کہا: "تشریف رکھئے۔ ہمارے دفتر کے آدمی نے ایک غلطی کی۔ آپ بھی اعتراف کریں کہ بغیر اجازت آپ نے بھی دفتر میں داخل ہو کر غلطی کی ہے۔"

میں نے کہا: "میں اعتراف کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنا کوئی کام نکالنے کے لئے اپنی صلاحیت کے مطابق کوئی قدم اٹھاتا ہے میرے پاس ایک ایسی صلاحیت ہے جس کے سہارے میں بڑے بڑے افسران کو دوست بنا لیتا ہوں۔ آپ صاحب ایمان ہیں۔ میری سچائی کو پسند کریں گے۔ سچائی یہ ہے کہ میں اپنا کام نکالنے کے لئے آپ سے شناسائی پیدا کرنا چاہتا تھا۔"

سیکرٹری نے مسکرا کر پوچھا: "وہ بڑے افسران کو دوست بنانے والی صلاحیت کیا ہے؟"

میں نے جواب دیا: "میں ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر ماضی، حال اور مستقبل کے حالات بتا دیتا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا: "میں اتنا جانتا ہوں کہ انسان اپنی جد و جہد سے اپنی تقدیر بناتا ہے مگر میں آپ کو آزماؤں گا۔ اگر آپ نے صحیح حالات بتائے تو میں آپ کا کام کرا دوں گا ورنہ آپ کو باہر کاؤنٹر کے پاس جا کر قطار میں کھڑا ہونا پڑے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔ لائیے ہاتھ۔"

سیکرٹری نے اپنا دایاں ہاتھ پیش کیا۔ میں ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کے بہانے اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ بولا: "یہ پٹی تُلی باتیں سب ہی نجومی کہتے ہیں کہ ہاتھ دکھانے والا بچپن میں ایک بار سخت بیمار پڑا تھا۔ جوانی میں کسی سے محبت ہوئی تھی۔ بہت اونچی ملازمت ملنے والی ہے۔ دشمن دوست بن جائیں گے اور برسوں کی ایک آرزو پوری ہونے والی ہے۔ ایسی خرافات میں سننا نہیں چاہوں گا۔"

میں نے کہا: "آپ نو برس کے تھے۔ تب کسی نے آپ کو دریا میں ڈوبنے سے بچایا تھا۔"

وہ سر ہلا کر بولا: "ہاں میرے والد صاحب نے مجھے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ آگے بتائیں۔"

میں نے ہاتھ کی لکیروں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا: "آپ پندرہ برس کے تھے، تب آپ آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے ایک پلنگ کے نیچے چھپ گئے تھے۔ وہاں پہلے ہی ایک لڑکی چھپی ہوئی تھی۔ وہ آپ سے تقریباً چار برس بڑی تھی۔ اس نے اسی جگہ آپ کو بھی چار برس بڑا بنا دیا تھا۔"

سیکرٹری نے جلدی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ بڑی حیرانی سے مجھے دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا: "کیا علم نجوم گڑے مُردے اکھاڑ دیتا ہے؟ وہ بیچاری ایک سال بعد مر گئی تھی میرے پہلے گناہ کو

میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آج اس نجومی نے جان لیا۔ اوہ! میں نے ہاتھ دکھا کر بڑی غلطی کی ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا ہوا؟ کیا آپ ہاتھ نہیں دکھائیں گے؟ کیا میرا علم جھوٹا ہے؟"

"آں۔ نہیں۔ آپ واقعی ماہر نجومی ہیں۔ آپ یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ وہ بے چاری مر چکی ہے۔ آپ یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ یہ بات کسی تیسرے کو معلوم ہو گی تو بے چاری مرحومہ......"

میں نے بات کاٹ کر کہا "آپ اطمینان رکھیں۔ ہم کبھی ایک کا راز دوسرے کے سامنے زبان پر نہیں لاتے۔ لائیے ہاتھ......"

"نن۔ نہیں۔ ٹھیک ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اس صلاحیت کے ذریعے بڑے افسران کو کیسے دوست بنا لیتے ہیں۔ آپ اپنے کاغذات نکالیں۔"

میں نے پاسپورٹ، ویزا اور وہ درخواست سامنے رکھ دی جس میں خشکی کے راستے سفر کرنے کی اجازت مانگی گئی تھی۔ جب تک وہ کاغذات کا مطالعہ کرتا رہا۔ میں اس کے دماغ کی کتاب پڑھتا رہا۔ وہ ایک شریف آدمی تھا۔ وہ مرحومہ اسے بہت یاد آتی تھی۔ کوئی بھی شخص جوانی کی پہلی حسین ملاقات کو بھلا نہیں سکتا۔ اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جلد ہی شادی کر لے گا۔ اس کے ایک چچا کی لڑکی اور ایک پھوپھی کی لڑکی ان دنوں بنکاک آئی ہوئی تھیں۔ دونوں اسے پسند کرتی تھیں اور وہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ دونوں میں سے کون قابلِ اعتماد شریکِ حیات بن سکے گی۔

اب وہ میرے ذریعے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کاغذات پڑھنے کے بعد پوچھا "مسٹر طارق! آپ خشکی کے راستے کیوں سفر کرنا چاہتے ہیں؟"

میں نے جواب دیا "میں اپنی زندگی میں تھوڑا سا ایڈوینچر چاہتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ میں نے ابھی جس صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے اس کے ذریعے ہر ملک سے دولت کماتا ہوا گزرتا رہوں گا۔ تیسری بات یہ کہ میں ایک طویل سفر نامہ لکھنا چاہتا ہوں۔"

اس نے کہا "اس قسم کا اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں جن ممالک سے آپ گزرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام ممالک کے سفارت خانوں سے آپ کو رجوع کرنا ہو گا۔"

"میرے لئے واقعی دشواریاں پیش آئیں گی۔ مگر آپ اپنے تعلقات کی بنا پر یہاں بیٹھے ہی بیٹھے میری مشکل آسان کر سکتے ہیں۔"

وہ مجھے ٹالنے کے لئے کوئی بہانہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "دیکھئے، انکار کرنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ میں بھی آپ کی کوئی مشکل آسان کر سکتا ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے ہاتھ کی لکیروں کو آگے پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔ آپ موقع دیں تو میں آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں کہ آئندہ آپ کو اعلیٰ عہدے تک پہنچنے کے لئے یا ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟"

اس کے ذہن میں پھر وہ دو لڑکیاں گھومنے لگیں۔ اس نے کہا "ہاں۔ آپ میری ایک مشکل آسان کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

"آپ بتائیں گے تو پھر میرا کمال کیا ہو گا؟ آپ صرف اپنا ہاتھ دکھائیں۔"

"مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ باکمال آدمی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دو لڑکیاں آپ کو ہاتھ دکھائیں۔"

میں نے کہا "لڑکیاں ہاتھ دکھاتی ہیں تو مرد کو تماشے نظر آنے لگتے ہیں۔"

اس نے زور کا قہقہہ لگایا "جیسی میں اس طرح کا ہاتھ دکھانے والی بات نہیں کر رہا ہوں۔ وہ دونوں میری کزن ہیں۔ دونوں ہی حسین اور تعلیم یافتہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کے ہاتھ کی لکیریں پڑھ کر بتائیں۔ ان میں سے کون میری شریکِ حیات بننے کے قابل ہے۔"

"میں حاضر ہوں۔ آپ جب چاہیں گے ان دونوں کی پوری ہسٹری بتا دوں گا۔"

"خدا کے لئے ان کے سامنے صاف گوئی سے لکیریں نہ پڑھیں۔ آپ نے میرے منہ پر میرا وہ راز کہہ دیا جسے کوئی نہیں جانتا اور لڑکیاں تو یہ برداشت ہی نہیں کرتیں کہ کسی کو ان کی کمزوریاں معلوم ہو جائیں۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں ان کے سامنے پیشہ ور نجومیوں کی طرح انہیں خوش کرنے والی باتیں کہوں گا۔ بعد میں آپ کو حقیقت بتا دوں گا۔"

"ہاں یہی میں چاہتا ہوں۔ روزینہ میرے چچا کی لڑکی ہے وہ ایک گھنٹے بعد میرے لئے اپنے ہاتھوں سے لنچ تیار کر کے لائے گی۔ آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں۔ کھانے کے بعد آپ اس کے ہاتھ کی لکیریں پڑھیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میرا کام کب تک ہو جائے گا؟"

"ان شاء اللہ کل شام تک آپ کو اجازت نامہ مل جائے گا۔ لیکن آپ کے کاغذات میں کمی رہ گئی ہے۔ آپ نے بنکاک میں طویل قیام کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ ڈاکٹر ہوما کاچی کے زیرِ علاج رہے ہیں۔ لہٰذا ڈاکٹر ہوما کاچی کا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کریں۔ دوسری بات یہ کہ آپ جس گاڑی کے ذریعے خشکی کے راستے سفر کریں گے۔ اس گاڑی کے مکمل کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپی لے آئیں۔"

ڈاکٹر ہوما کاچی کا میڈیکل سرٹیفکیٹ میرے بریف کیس میں موجود تھا میں اسے کاغذات سے منسلک کرنا بھول گیا تھا۔ میں نے وہ سرٹیفکیٹ نکال کر سیکریٹری کے حوالے کیا پھر سیکریٹری فاروق احمد کا نام اور فون نمبر معلوم کر کے یہ وعدہ کیا کہ دو بجے تک میں لنچ کے لئے واپس آ جاؤں گا۔ باہر آ کر میں اس عمارت کے سامنے فٹ پاتھ پر کھڑا ہو گیا۔

ٹیکسی کا انتظار تھا اور میں بوڑھے ینگ مین کے دماغ کو پڑھ رہا تھا۔ وہ ایک بہت بڑی موٹر کمپنی کے شوروم میں موجود تھا۔ میں نے اس کے دماغ سے وہاں کا پتہ ذہن نشین کیا پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر شوروم تک پہنچ گیا۔

بوڑھے ینگ مین نے مجھے دیکھتے ہی گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ایئر کنڈیشنڈ دفتر میں لے آیا۔ وہاں تنہائی میں آہستگی سے بولا۔ "نیلما تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ میں جوانی میں تمہارے جیسا تھا۔ لڑکیاں مجھے ڈھونڈتی رہتی تھیں۔"

میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "نیلما کو گولی مارو۔ میں یہاں کچھ خریدنے آیا ہوں۔"

"کاش! میں اسے گولی مار سکتا۔ وہ کم بخت میرے پیچھے پڑ گئی ہے کہتی ہے کہ میں تمہارا پتہ ٹھکانہ جانتا ہوں اگر میں نے اسے تمہارے پاس نہ پہنچایا تو وہ میری اس بناسپتی جوانی کا پول کھول دے گی۔"

"اسے بکنے دو۔ تمہیں بھی یہ جوانی کا ڈھونگ نہیں رچانا چاہئے۔"

"ہاں۔ مجھے عقل آ گئی ہے۔ میں اپنے بڑھاپے کو تسلیم کر رہا ہوں مگر پتہ چلا ہے کہ نیلما میری بیوی کو آنٹی کہتی ہے۔ میری بیوی کی پُر زور سفارش ہے کہ میں نیلما کی خاطر تمہیں تلاش کروں۔ اچھا ہوا کہ تم خود آ گئے۔ میں ابھی نیلما کو فون کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے کہا "ٹھہرو! فون ذرا ٹھہر کر کرنا پہلے میرے کام کی باتیں کرو۔"

وہ ریسیور کو چھوڑ کر سیدھا بیٹھ گیا "بولو کیا خریدنے آئے ہو؟"

"مجھے وہ تمہاری کشتی گاڑی پسند ہے۔ اس کی قیمت لگاؤ۔ یا پھر کوئی دوسری کشتی گاڑی تیار ہو تو مجھے دکھاؤ۔"

اس نے پوچھا "نیلما کہہ رہی تھی کہ تم پاکستان واپس جانے والے ہو۔ کیا خشکی کے راستے جانے کا ارادہ ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بولا "یہاں سے برما تک راستہ ٹھیک ہے۔ برما سے آسام تک پہاڑی راستے ہیں۔ آسام میں بارش کی زیادتی سے راستے دلدلی ہو جاتے ہیں۔ اتنی بڑی اور وزنی کشتی گاڑی تمہارے لئے مصیبت بن جائے گی۔ بھئی آرام سے طیارے میں بیٹھو اور چند گھنٹوں میں اپنے وطن پہنچ جاؤ۔ بشرطیکہ نیلما تمہارا پیچھا چھوڑ دے۔"

میں نے کہا "نیلما تمہارے اعصاب پر سوار ہے۔ تم کشتی گاڑی کی بات کرو۔"

وہ بولا "آہ! کشتی گاڑی تمہارے اعصاب پر سوار ہے۔ میں اپنی گاڑی اپنی ضرورت کے لئے رکھتا ہوں۔ آؤ تمہیں دوسری گاڑی دکھاؤں۔"

ہم وہاں سے اٹھ کر شوروم میں آئے۔ اس نے ایک کشتی گاڑی دکھائی۔ وہ بالکل ینگ مین والی گاڑی جیسی تھی۔ صرف اندر کی سجاوٹ باقی تھی۔ میں نے قیمت پوچھی۔ اس نے کہا "تمہارے لئے بائیس ہزار ڈالر......"

میں نے پوچھا "اگر میں نیلما سے ملنے سے انکار کر دوں تو؟"

"بھئی ایسا غضب نہ کرنا۔ وہ اُلّو کی پٹھی مجھے بلیک میل کرے گی۔ اب تم سے کیا چھپاؤں، میں بڑھاپے کو تسلیم تو کرتا ہوں مگر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو پھر قیمت کم کرو۔ میں اس سے ملوں گا۔"

"یار تم بھی بلیک میل کرنے لگے۔ چلو بیس ہزار ڈالر دے دینا۔"

"اتنی قیمت پر میں صرف ایک بار نیلما سے ملوں گا۔"

ہم دفتر کی طرف جانے لگے وہ بولا "کیا مصیبت ہے؟ مجھے ایسی گاڑی سے پانچ ہزار ڈالر کا منافع ہوتا ہے۔ تم اس منافع کے ساتھ نیلما کو لے جاؤ۔ یعنی مجھے سترہ ہزار دے دو۔"

میں نے دفتر میں پہنچ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "چلو گاڑی کے کاغذات تیار کرو۔ اور میرے نام ایک ڈرائیونگ لائسنس جاری کرا دو۔"

"لائسنس کے لئے پچاس ڈالر لگیں گے۔"

میں بریف کیس کھول کر نوٹ گننے لگا۔ اگر میں چاہتا تو ینگ مین کے دماغ کو کنٹرول میں لے کر دو چار ہزار اس کے سامنے رکھ کر اس سے سترہ ہزار گنوا لیتا لیکن وہ سچ مچ اپنی قیمتِ خرید پر مجھے وہ گاڑی دے رہا تھا۔ اور وہ جو رقم میں اسے دے رہا تھا، وہ کون سی میری تھی؟ ڈاکٹر ہوما کاچی کی تجوری کام آ رہی تھی۔ میں نے سترہ ہزار پچاس ڈالر ینگ مین کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر مزید ایک ہزار دیتے ہوئے کہا "یہ میری کشتی گاڑی کو اندر سے ڈیکوریٹ کرنے کے لئے ہے۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر خوبصورت پردے، کشنز، ریڈیو، ٹی وی اور کھانے پینے کا تمام سامان اس میں موجود ہونا چاہئے۔ گاڑی کے فاضل پہیے اور مرمت کا تمام سامان بھی ہونا چاہئے۔ یہ سب کچھ کتنے دنوں میں ہو جائے گا؟"

"تین دن کے بعد تم مکمل گاڑی لے جا سکتے ہو۔"

میں نے گھڑی دیکھی۔ ایک بج کر پچیس منٹ ہو چکے تھے۔ دو بجے تک سیکریٹری فاروق احمد کے پاس پہنچنا تھا۔ میں نے ینگ مین سے نیلما کا فون نمبر معلوم کیا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا "میں نیلما سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ خشک لہجے میں بولی "مس صاحبہ کا موڈ ٹھیک نہیں ہے وہ کسی سے بات نہیں کریں گی۔"

"وہ طارق محمود سے بات کریں گی۔ میرا نام بتاؤ۔"

وہ عورت ریسیور رکھ کر نیلما کے بیڈ روم میں گئی۔ نیلما کے غصے سے سب ڈرتے تھے۔ وہ بھی ڈرتے ڈرتے بولی "مس صاحبہ! کسی طارق محمود کا فون

ہے۔ وہ آپ سے ......"

نیلما ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ عورت نے سمجھا کہ مس صاحبہ غصّے میں مارنے آئیں گی۔ وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی چیختی ہوئی بولی "بائی گاڈ مس صاحبہ! اب میں کبھی آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گی ......"

وہ بدحواسی میں بھاگنے کے دوران ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ سکتی، نیلما دوڑتے ہوئے اس پر سے چھلانگ لگا کر گزرتے ہوئے ٹیلی فون کے پاس پہنچی۔ پھر جلدی سے ریسیور اٹھا کر حیرت اور مسرّت سے چیختی ہوئی بولی "ہیلو طارق! یہ تم ہو؟"

میں نے کان میں انگلی ڈال کر کھجاتے ہوئے کہا "آہستہ بولو۔ کان کا پردہ پھٹ رہا ہے۔ میں طارق محمود ہوں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ایک ہفتے بعد تم سے اسی جگہ ملوں گا بشرطیکہ تم مجھے تلاش نہ کرو۔ مگر تم ینگ مین کو پریشان کر رہی ہو۔"

"میں اپنی غلطی مانتی ہوں۔ میں تمہاری شرط پر قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ تمہارے رخصت ہوتے ہی میں نے تمہارا تعاقب کرنا چاہا مگر تم نہیں ملے۔ تب سے مجھے یوں لگ رہا ہے کہ تم نہیں ملو گے تو میں مر جاؤں گی۔"

میں نے کہا "زیادہ نہ بولو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ابھی دو بجے مجھے پاکستانی سفیر کے سیکریٹری کے ساتھ لنچ کرنا ہے۔ ینگ مین سے ایک گاڑی خریدی ہے۔ تم اس کے دفتر آؤ۔ یہاں سے میری گاڑی کے مکمل کاغذات لے کر ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کراؤ۔ پھر یہ تمام چیزیں لے کر پاکستان کے سفارت خانے میں پہنچو۔ میں وہاں سیکریٹری فاروق احمد کے دفتر میں موجود رہوں گا۔"

اس نے پوچھا "یہ کیا چکّر ہے۔ تم دھوکہ تو نہیں دو گے؟"

"بکواس مت کرو۔"

میں ریسیور رکھ کر ینگ مین سے رخصت ہو گیا۔ فاروق احمد کے دفتر دس منٹ دیر سے پہنچا۔ وہاں روزینہ موجود تھی۔ اچھی خوبصورت اور اسمارٹ لڑکی تھی۔ میں نے کہا "میں دس منٹ لیٹ پہنچنے پر شرمندہ ہوں۔"

فاروق احمد نے کہا "کوئی بات نہیں۔ ان سے ملئے۔ یہ مس روزینہ میری کزن ہیں اور روزینہ یہ مسٹر طارق محمود ہیں۔ ان کا ذکر میں کر چکا ہوں۔"

پہلے رسمی باتیں ہوئیں۔ پھر روزینہ میز پر ہمارے لئے کھانے کی چیزیں رکھنے لگی۔ فاروق احمد سے مہذّب انداز میں لگاوٹ کی باتیں کہنے لگی۔ میں اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اس کے خیالات پڑھتا رہا۔ کھانے کے دوران دفتر کے چپراسی کو بلا کر کہا کہ نیلما نام کی کوئی لڑکی آئے تو اسے کسی کمرے میں بٹھا دیا جائے۔ روزینہ نے کہا "مسٹر طارق! یہ ہمارے فاروق صاحب آپ کی بڑی تعریفیں کر رہے تھے۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو کہوں کہ نجومی حضرات ہزار باتیں کہتے ہیں۔ اُن میں سے کبھی ایک بات درست ہو جاتی ہے۔"

میں نے کہا "وہ سڑک چھاپ نجومی ہوتے ہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں، وہ سو فیصد درست ہوتا ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولی "کوئی فرشتہ بھی آسمان سے اُتر کر تقدیر کا حال نہیں بتا سکتا۔"

"آپ فرشتوں کو جانتی ہوں گی۔ میں انسانوں کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی ذہانت اور صلاحیتیں دی ہیں کہ ہم بگڑی ہوئی تقدیر کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنی بگڑی کو بنا سکتے ہیں۔ جو بنانا نہیں جانتے۔ انہیں تقدیر بڑی پُراسرار لگتی ہے۔"

کھانے کے بعد روزینہ نے اپنا بایاں ہاتھ میرے سامنے بڑھایا۔ میں لکیروں کو غور سے سمجھنے کے بہانے ذرا دیر تک اس کی زندگی کے اہم واقعات معلوم کرتا رہا۔ وہ بولی "اللہ! آپ تو سسپنس میں مبتلا کر رہے ہیں۔ جلدی بولیں، مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

میں نے پوچھا "کہاں سے شروع کروں۔ بچپن سے یا جوانی سے؟"

"کہیں سے بھی شروع کریں۔ کچھ بولیں تو سہی۔"

میں نے کہا "آپ دل کی بہت اچھی ہیں۔ ہر ایک سے محبت کرتی ہیں۔"

"یہ بات مجھے خوش کرنے کے لئے ہے۔ سڑک چھاپ نجومی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔"

"آپ نے میری پوری بات نہیں سنی۔ میں کہہ رہا ہوں کہ آپ ہر ایک سے محبت کرتی ہیں کسی ایک سے نہیں کرتیں۔"

وہ اندر ہی اندر ذرا گھبرائی۔ کیونکہ وہ صرف فاروق احمد سے محبت نہیں کرتی تھی۔ اس سے پہلے کئی جوان اس کے آئیڈیل رہ چکے تھے۔ پہلا آئیڈیل کرکٹ کا ایک کھلاڑی تھا۔ کھلاڑی نے کچھ روز کھیل کر اسے چھوڑ دیا۔ پھر ایک فلمی ہیرو سے رومانس چلا۔ اس ہیرو کو ایک فلمی ہیروئن نے جیت لیا۔ اس کے بعد ایک صنعت کار کے بیٹے نے دولت کی چمک دکھائی۔ اُن ہی دنوں اچانک ہی فرہاد علی تیمور کی شہرت ہونے لگی۔ اس نے سوچا کہ ایک بار کسی نہ کسی طرح فرہاد سے ملاقات کرنا چاہئے اگر اس پر حسن کا جادو چل جائے تو ساری دنیا کی دولت اس کے قدموں میں ہو گی۔

فاروق احمد نے پاکستان میں اپنے چچا کو خط لکھا تھا۔ گھریلو باتیں لکھنے کے علاوہ اس نے خط میں فرہاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "بنکاک کے اعلیٰ حکام اور غیر ممالک کے سفیروں کی سرگرمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرہاد بنکاک میں ہے اور جلد ہی وہ خود کو ظاہر کرے گا۔"

یہ خط پڑھتے ہی صنعت کار کے بیٹے کو کچھ روز کے لئے ٹرخا کر بنکاک آ گئی۔ فرہاد کو دیکھنے اور پا لینے کی امید تھی مگر ایک دن اخبارات میں اس کی موت

کی خبر شائع ہوئی تو روزینہ مایوس ہو کر فاروق احمد کی طرف مائل ہو گئی۔ کیونکہ سرکاری حلقے میں یہ کہا جا رہا تھا کہ فاروق احمد ایک سال کے اندر سفیر بن کر کسی یورپی ملک میں جائے گا۔

یہ روزینہ کی ابتدائی جوانی کی مختصر سی ہسٹری تھی چونکہ اس کے دل میں چور تھا۔ اس لئے وہ میری زبان سے یہ سُن کر گھبرا گئی کہ وہ ہر ایک سے محبت کرتی ہے کسی ایک سے نہیں کرتی۔ اس نے تیور بدل کر ناگواری سے کہا "آپ گول مول باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں اس اعتماد سے گول مول باتیں کرتا ہوں کہ سمجھنے والے سمجھ لیتے ہیں۔"

ایسا کہتے وقت میں نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا تو وہ اپنا ہاتھ کھینچ کر بولی "یہ ہاتھ کی لکیریں کچھ نہیں کہتیں۔ سب بکواس ہے۔ میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔"

اتنے میں چپراسی نے آ کر بتایا کہ نیلما آ گئی ہے۔ میں نے فاروق احمد سے کہا "میں ابھی گاڑی کے کاغذات لے کر آتا ہوں۔"

ایک ویٹنگ روم میں بہت سے پاکستانی بیٹھے ہوئے تھے نیلما بھی وہیں تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ ایک دم سے دوڑتے ہوئے آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ بوسے کے لئے اپنا چہرہ میرے چہرے کے قریب لے آئی۔ میں نے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا "یہ پاکستانی سفارت خانہ ہے یہاں سرِعام بوسہ بازی ممنوع ہے۔ چلو وہ کاغذات نکالو۔"

اس نے ناگواری سے آس پاس دیکھا۔ پھر ہینڈ بیگ میں سے کاغذات نکال کر میرے حوالے کئے۔ میں نے اسے وہیں انتظار کرنے کے لئے کہا۔ پھر فاروق احمد کے پاس پہنچ گیا۔ روزینہ واپس جا رہی تھی۔ میں نے کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں فاروق احمد کے سامنے رکھ دیں۔ اُس نے ایک نظر کاغذات پر ڈالنے کے بعد کہا "انشاء اللہ کل شام تک آپ کا کام ہو جائے گا۔ چلیں اب حقیقت بتائیں۔ روزینہ جا چکی ہے۔"

ہماری دنیا میں کوئی آدمی عیب سے خالی نہیں ہے۔ ایک نہ ایک سی برائی ہر شخص میں ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ برائی نظر آتی ہو۔ میرے ضمیر نے اجازت نہیں دی کہ میں کسی کے بھی سامنے روزینہ کو بے آبرو کروں۔ میں نے کہا "فاروق صاحب! آپ کی روزینہ مستقل مزاج نہیں ہے۔ اس میں خود غرضی کچھ زیادہ ہی ہے۔ یہ آپ کی شریکِ حیات بننے کے لئے موزوں نہیں رہے گی۔"

فاروق احمد نے کہا "روزینہ نے بُری طرح پریشان ہو کر آپ سے ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ آپ یقیناً اس کے کسی راز تک پہنچ گئے تھے۔"

"دیکھئے فاروق صاحب! ہر شخص اپنی ذات کے خول میں چھپا رہتا ہے۔ مجھ کو اور آپ کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی کو بے نقاب کریں۔ حق بات یہ ہے کہ پہلے ہم خود کو بے نقاب کریں اور ہم نہیں کرتے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "آپ درست کہتے ہیں۔ میں آگے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ میرے لئے اتنا اشارہ کافی ہے کہ روزینہ میرے معیار کے مطابق نہیں ہے۔ اب میری پھوپھی کی لڑکی شہلا رہ گئی ہے۔"

میں نے کہا "آپ میری طرف سے آج ڈنر کی دعوت قبول کریں اور شہلا کو ساتھ لے آئیں۔ میں وہاں شہلا کا ہاتھ دیکھ لوں گا۔"

میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھا کر پرنسس ہوٹل کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر تین افراد کے ڈنر کے لئے میز ریزرو کرائی۔ اور کاؤنٹر کلرک کو یقین دلایا کہ ایک گھنٹے کے اندر ایڈوانس کی رقم ادا کر دوں گا۔ پھر میں فاروق احمد سے رخصت ہو کر نیلما کے پاس آیا۔ وہ اپنی ایک اسپورٹس کار لے کر آئی تھی۔ میں نے باہر آ کر اس خوبصورت سی ننھی سی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "میں ساڑھے سات بجے تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔ مجھے جہاں لے جانا چاہو لے چلو۔"

وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتی ہوئی بولی "ساڑھے سات بجے کے بعد کہاں جاؤ گے۔"

"آٹھ بجے ایک ڈنر میں شریک ہونا ہے۔ پھر دس گیارہ بجے تک گھر واپس جا کر سو جاؤں گا۔"

"میرے ہوتے ہوئے گھر جا کر سو جاؤ گے۔ کیسی غیر رومانی باتیں کرتے ہو؟"

"رومانس بے کار لوگوں کا مشغلہ ہے۔ میں اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق کام کرتا ہوں۔ آج میرے سونے کے لئے گیارہ بجے کا وقت مقرّر ہے۔ میں ٹھیک اسی وقت سو جاؤں گا۔"

وہ ناراض ہو کر بولی "اگر زلزلہ آ جائے تو وقت کی پابندی کیسے کرو گے؟"

"زلزلہ دو چار منٹ کے لئے آتا ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی مصلحت سمجھ کر دو چار منٹ بعد سو جاؤں گا۔"

وہ بڑے فخر سے بولی "یہاں جوڈو کراٹے کے اسکولوں میں مجھے بنکاک کا زلزلہ کہا جاتا ہے۔"

میں نے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا "اسکول کے بچوں نے ابھی اپنے ... باپ کو نہیں دیکھا ہے اس لئے ماں کو زلزلہ سمجھ بیٹھے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "یہ رشتہ مجھے دل و جان سے پسند ہے۔ اسے ہمیشہ قائم رہنا چاہئے۔"

میں نے سنجیدگی سے سمجھایا "نیلما! اگر تم ایک خوشگوار زندگی گزارنا چاہتی ہو تو آج کی ملاقات کے بعد مجھے بھول جاؤ۔"

"تمہارے لئے کہنا آسان ہے۔ میرے لئے بھولنا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ اسے میری محبت سمجھ لو یا ضد کہہ لو۔ میں بچپن سے جس چیز کو چاہتی ہوں اسے اپنا بنا کر رکھ لیتی ہوں اور تم میری جوانی کی پہلی اور آخری ضد ہو۔ تمہیں اپنے پاس رکھنے کے لئے مجھے اپنی زندگی کی قیمت بھی

ادا کرنا پڑے تو میں جان سے گزر جاؤں گی۔"

میں خاموشی سے سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ جھنجلا کر سوچنے لگی۔ "اس شخص کی خاموشی کتنی گہری ہے کیسا پُراعتماد ہے۔ گویا میں کوشش کر رہی ہوں مگر میں یہ موقعہ نہیں گنواؤں گی۔ آج یہ گُم ہو گا تو پھر کبھی نہیں ملے گا۔"

یہ سوچنے کے بعد اس نے کہا "طارق! اگر تم محبت سے حامل نہیں ہونا چاہتے تو اپنی بڑی سے بڑی قیمت بتاؤ۔ میرے باپ کے پاس اتنی دولت ہے کہ میں تمہیں یہاں کا بے تاج بادشاہ بنا سکتی ہوں۔ تم پاکستان میں ہی رہنا پسند کرو گے تو میں وہاں ایک عالیشان محل بنا کر تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم نے گشتی گاڑی خریدی ہے۔ اگر خشکی کے راستے سیاحت کا شوق ہے تو میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمہارے ساتھ چلوں گی۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے کان نہ کھاؤ۔ یا پھر دوسرے موضوع پر گفتگو کرو۔"

وہ چڑ گئی۔ مگر اب اپنا غصہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایک ہی رات میں اچھا خاصا تجربہ ہو چکا تھا کہ غصے۔ نفرت۔ جوڈو کراٹے اور طاقت سے وہ مجھے زیر نہیں کر سکے گی۔ وہ جبراً غصہ پی کر مسکرا رہی تھی ایک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے بولی "تم بیٹھو۔ میں گھر والوں کو بتا دوں کہ دیر سے آؤں گی۔"

وہ کار سے نکل کر ٹیلی فون بوتھ کے اندر چلی گئی۔ میں نے ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ جلایا اور اس کے کش لگاتا ہوا خیال خوانی کے ریسیور سے نیلما کی باتیں سننے لگا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے بار بار سر گھما کر سڑک کی جانب دیکھ رہی تھی۔ پھر مجھے کار میں بیٹھے دیکھ کر مطمئن ہو جاتی تھی۔ وہ واقعی ضدی تھی۔ ہر قیمت پر مجھے حاصل کرنا چاہتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ مسکراتی ہوئی آئی۔ کار میں بیٹھ کر بولی۔ "میرے ڈیڈی بہت آزاد خیال ہیں۔ انہوں نے شام تک گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی ہے۔"

کار آگے بڑھ گئی۔ میں نے کہا "تمہارے ڈیڈی صرف گھومنے پھرنے کی ہی نہیں، جوانوں کے میلے میں بھی رات گزارنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔"

وہ ذرا سٹپٹائی پھر بولی "وہ تو آنٹی نے میرے ڈیڈی سے کہہ دیا تھا کہ وہ رات میں آنٹی کے ساتھ گزاروں گی۔"

میں چپ رہا۔ وہ پیار محبت کی باتیں کرنے لگی پھر ایک اوپن ریسٹورانٹ میں بیٹھ کر ہم کافی کی ایک ایک پیالی پیتے ہوئے وقت گزارنے لگے۔ دراصل وہ ایک گھنٹہ گزار کر مجھے اپنی ایک منزل کی طرف لے جانا چاہتی تھی۔ کافی پینے کے بعد ہم پھر کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس نے گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ہم صدیوں پرانے کھنڈرات کی طرف جائیں گے۔ بڑی رومانٹک جگہ ہے۔ سیکڑوں سال پہلے شہزادے اور شہزادیاں وہاں محبت کے رنگین لمحات گزارا کرتے تھے۔ آج ہم محبت کی ان داستانوں کو دہرائیں گے۔"

میں نے کہا "کھنڈرات ہمیں بہت کچھ سکھاتے ہیں شکستہ عمارتوں کو دیکھ کر سبق ملتا ہے کہ دنیا میں کوئی ثابت و سالم نہیں رہتا۔ ایک دن ٹوٹ پھوٹ کر زمین بوس ہو جاتا ہے۔ جو اپنی طاقت، اقتدار اور اختیارات پر گھمنڈ کرتے ہیں۔ وہ اپنے وقت سے پہلے فنا ہو جاتے ہیں۔"

"میں محبت کی باتیں کر رہی ہوں۔ تم موت کا ذکر چھیڑ رہے ہو۔"

"موت کو یاد کرتے رہنا چاہئے۔ پتہ نہیں وہ ہم میں سے کس کے پاس پہلے آئے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "میں تو ابھی نہیں مروں گی اور نہ ہی تمہیں مرنے دوں گی۔"

شہر سے دور پُرانے زمانے کی شکستہ عمارتیں تھیں۔ ان کھنڈرات کے درمیان گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے پختہ سڑکیں بنائی گئی تھیں میں اسپورٹس کار میں بیٹھا اِدھر اُدھر سر اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ ان عمارتوں کے ڈیزائن اور اُن کی بلندیاں تھائی لینڈ کے عظیم الشان ماضی کی گونگی.... داستانیں سنا رہی تھیں۔ نیلما نے ایک جگہ کار روکنے کے بعد کہا "آؤ۔ میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے جاؤں جسے ہم بھول بھلیاں کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔"

میں نے کہا "باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ہو گا۔"

"ہے۔ ضرور ہے۔ ذرا بھٹکنے کے بعد راستہ مل جاتا ہے۔"

میں اپنا بریف کیس اٹھا کر کار سے اتر آیا۔ پھر اس کے ساتھ چلتا ہوا ایک شکستہ عمارت میں داخل ہوا۔ نیلما بتانے لگی کہ کس دور کے بادشاہ نے وہ عمارت تعمیر کرائی تھی۔ تاریخی داستانوں سے مجھے دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے اس عورت کی مکاریوں سے دلچسپی تھی۔ وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ایک دروازے تک لائی۔ وہ آہنی سلاخوں سے بنا ہوا دروازہ تھا۔ چوکھٹ سے ذرا دور نیلما نے ایک کل کو دبایا تو وہ دروازہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔

"آؤ۔ اندر چلیں۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر چوکھٹ کے پار لے گئی۔ اسی وقت دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر سے نیچے آ کر بند ہو گیا۔ وہ زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولی "اب یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔ اسے صرف باہر سے ہی کھولا جاتا ہے۔"

میں نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ ہم ایک تنگ سی راہداری میں تھے۔ وہ اتنی تنگ تھی کہ صرف دو شخص شانہ بشانہ وہاں سے گزر سکتے تھے۔ اس کی چھت کو میں ہاتھ اٹھا کر چھو سکتا تھا۔ نیلما میری گردن میں باہیں ڈال کر بولی "کیا سوچ رہے ہو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ ایسی ہی جگہ رکھنا چاہتی ہوں۔ جہاں سے تم کبھی باہر نہ جا سکو۔"

وہ پنجوں کے بل اٹھ کر، میرے قد کے برابر ہو کر میرے ہونٹوں تک پہنچنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "تمہارے ہونٹوں سے بُو آ رہی ہے موت کی بُو......"

یہ کہہ کر میں نے اسے دھکا دیا۔ وہ دیوار سے ٹک گئی۔ میں پلٹ کر آگے بڑھ گیا۔ تنگ سی راہداری میں میرے جوتوں کی آواز کھٹ کھٹ گونجنے لگی۔ وہ میرے پیچھے آتے ہوئے بولی "چھ سو سال پہلے شہنشاہ جانگو ماسا نے ایک چینی ماہر سے یہ بھول بھلیاں تعمیر کرائی تھیں۔ وہ خطرناک مجرموں کو موت کی سزا دینے کے لئے یہاں چھوڑ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کے حکم سے شیر کا کٹہرہ کھول دیا جاتا تھا۔"

نیلما کی آواز اور میرے جوتوں کی کھٹ پٹ گونج رہی تھی میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اوپر ایک چھوٹی سی آہنی جالی نظر آئی۔ جالی کے پار نیلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر جالی کو پکڑ کر ہلانا چاہا۔ وہ بہت مضبوط تھی۔ کوئی ہرکولیس بھی اُسے اس کی جگہ سے اکھاڑ نہیں سکتا تھا۔ میں آگے بڑھ گیا۔ نیلما جالی کی طرف منہ کر کے اونچی آواز میں بولی۔ "کٹہرے کا دروازہ کھول دو!"

چند سیکنڈ بعد ہی میں ٹھٹھک گیا۔ شیر کے دہاڑنے کی آواز گونج رہی تھی۔ نیلما نے کہا "یہاں ایسے وقت خطرناک مجرموں کو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑتا تھا۔ بھاگو، ورنہ شیر ہمیں چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر تیزی سے چلنے لگا۔ وہ نفسیاتی طریقوں سے میرے اعصاب کو کمزور بنانا چاہتی تھی جس طرح بلی چوہے کو مارنے سے پہلے کھیلتی ہے، اسی طرح وہ مجھ سے کھیل رہی تھی۔ تنگ سی راہداری کبھی دائیں اور کبھی بائیں گھوم رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ کیسا چکرا دینے والا راستہ تھا۔ شیر بدستور گرج رہا تھا۔ ہر لمحہ یوں لگتا تھا جیسے وہ دوسری راہداری سے گزر کر ہمارے قریب پہنچ رہا ہو۔

لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ مجھے دہشت زدہ کرنے اور بدحواسی میں مبتلا کرنے کے لئے مختلف آہنی جالیوں کے پاس سے شیر کی آواز کا کیسٹ سنایا جا رہا تھا۔ جب میں کسی جالی کے نیچے سے گزرتا تو وہاں کا کیسٹ بند کر دیا جاتا۔ تاکہ میں نفسیاتی چالوں کو نہ سمجھ سکوں ویسے یہ درست تھا کہ کسی زمانے میں وہاں مجرموں کے پیچھے سچ مچ شیر چھوڑے جاتے تھے۔ مجرم اپنی سلامتی کے لئے ان بھول بھلیوں میں بے تحاشہ بھاگتے رہتے تھے۔ ان کے آگے دو ہی راستے ہوتے تھے یا تو شیر انہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے۔ یا پھر وہ کسی طرح باہر نکلنے والے دوسرے دروازے تک پہنچ جاتے تھے۔ وہ دروازہ ایک بڑے اسٹیڈیم کے میدان میں کھلتا تھا۔

اسٹیڈیم کے ایک مرتفع تخت پر بادشاہِ وقت بیٹھتا تھا۔ اس کے آس پاس مصاحبین ہوتے تھے۔ باقی اسٹیڈیم شہریوں سے بھرا ہوتا تھا۔ وہ سب لوگ مجرموں کی موت کا تماشہ دیکھنے کے منتظر رہتے تھے جو مجرم شیروں سے بچ کر اسٹیڈیم تک پہنچ جاتے تھے۔ وہاں اسٹیڈیم کے میدان میں اپنے وقت کے ناقابلِ شکست پہلوان اور جنگجو سپاہی ہتھیاروں سے لیس کھڑے رہتے تھے۔ مجرموں کو ان سے مقابلہ کرنے کا موقعہ دیا جاتا تھا اور اس مقابلہ میں وہ یقیناً مارے جاتے تھے۔

میں بھول بھلیوں میں بھٹکتا ہوا دوسرے دروازے پر پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور دروازے کے اس پار کتنے ہی موجودہ دور کے پہلوان میدان میں میرے منتظر دکھائی دے رہے تھے۔ سب کے سب کراٹے کے عالمی لباس میں تھے۔ کسی کی کمر سے زرد، کسی کی کمر سے براؤن اور کسی کی کمر سے سیاہ بیلٹ بندھے ہوئے تھے۔ وہ سب تین قطاروں میں کھڑے اپنے استاد کے سامنے عبادتی ورزشوں میں مصروف تھے۔

ان کا استاد قد آور تھا۔ اس کا کسرتی بدن شام کی ڈھلتی دھوپ میں سونے کی طرح چمک رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے فولاد کو تراش کر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہو۔ نیلما نے ٹیلی فون بوتھ کے اندر جا کر اسی استاد کو کال کیا تھا۔ میں اس کے تمام منصوبے پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ استاد کا نام کوکالوئی تھا۔ کراٹے کی دنیا میں وہ پہلا ناقابلِ تسخیر نام تھا۔ یہ درست ہے کہ بڑے بڑے پہلوان، بڑے بڑے پہلوان سے چت نہیں ہوتے مگر ایک حسین عورت انہیں اوندھا کر دیتی ہے۔

کوکالوئی اپنی شاگرد نیلما کا دیوانہ تھا۔ وہ اس حسینہ کی خاطر میرے ہاتھ پاؤں توڑ کر مجھے اپاہج بنانے آیا تھا۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود میں وہاں چلا آیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے دیکھتے ہی ورزش ترک کر دی۔ کوکالوئی بڑی سفاکی سے مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ نیلما مجھ سے ذرا دور جاتے ہوئے بولی "طارق! میں نے تم سے کہا تھا۔ جو چیز مجھے پسند ہوتی ہے۔ میں ہر قیمت پر اسے پاس رکھ لیتی ہوں۔"

وہ کراٹے باز ساتھیوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے بولی "میں نے تمہیں غصہ دکھایا۔ اپنے پیچ استعمال کئے۔ پھر محبت کا آخری حربہ بھی آزما کر دیکھ لیا اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ تم جھکنا نہیں ٹوٹنا چاہتے ہو۔"

وہ اپنے استاد اور عاشق کوکالوئی کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر بولی "اور آج تم ٹوٹ جاؤ گے۔"

میں نے مسکرا کر پوچھا "کیا میں ٹوٹنے کے بعد تمہاری ملکیت بن جاؤں گا؟"

"ہاں۔ تمہیں اپاہج بنانے کے بعد میں ایک آہنی پنجرے میں تمہیں رکھوں گی۔ وہ پنجرہ میری خواب گاہ میں رہے گا۔ وہاں تم مجھے ماسٹر کوکالوئی کے ساتھ سوتے جاگتے دیکھتے رہو گے۔"

میں نے پوچھا "اگر میں اپاہج نہ بن سکا تو؟"

"تو پھر تمہاری لاش گرائی جائے گی۔ تمہارے مُردہ جسم میں مسالہ بھر کر شیشے کے شوکیس میں ممی بنا کر اپنی خواب گاہ میں رکھوں گی جگہ

تمہیں رکھوں گی۔ منزور رکھوں گی۔ میری زندگی کی آخری سانس تک تم میری نظروں کے سامنے رہو گے۔ زندہ یا مُردہ ۔۔۔۔؟

میں نے ماسٹر کو کالوئی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "ماسٹر! کراٹے بازی کے کچھ آداب، کچھ اصول ہوتے ہیں۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ کبھی کسی پر حملہ نہ کیا جائے۔ کوئی حملہ آور ہو تو حتی الامکان اپنا بچاؤ کیا جائے۔ بحالتِ مجبوری حملے کا جواب حملے سے دیا جاسکتا ہے۔ میں نے نہ تو حملہ کیا ہے اور نہ ہی بالواسطہ کوئی نقصان تمہیں پہنچایا ہے۔"

ماسٹر لوئی نے سنجیدگی سے کہا: "تم نے ایک رات نیلما کو زخمی کیا تھا۔"

"نیلما نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر مجھ پر بار بار حملے کئے۔ میں نے بار بار سمجھایا۔ مگر یہ اذیت پسند لڑکی مجھ سے کچھ اور چاہتی تھی۔ میں نے اس کی چاہت پوری کردی۔"

نیلما نے کچھ میری طرف تھوک کر گالیاں دینے لگی۔ ماسٹر لوئی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا: "میں ابتدا سے تمہیں سمجھاتا آرہا ہوں کہ کراٹے سیکھنے کے لئے غصّے کو کچل دینا ضروری ہے مگر تمہاری یہ کمزوری نہیں جاتی۔ تم خاموش رہو۔ مجھے باتیں کرنے دو۔"

وہ مجھ سے بولا: "نیلما نے تمہارے لڑنے کے انداز کی بڑی بڑی تعریفیں کی ہیں۔ تم نمونے کے طور پر اپنا انداز دکھاؤ۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

میں بریف کیس کو زمین پر رکھ کر آگے بڑھ گیا۔ ماسٹر لوئی نے اپنے ایک شاگرد کو میرے مقابلے پر آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے سامنے جھک کر سلام کیا۔ میں نے بھی ایک کراٹے باز کی طرح جواباً جھک کر سلام کیا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ دوستانہ مقابلہ ہے۔

پھر اس نے چیخ مارتے ہوئے کراٹے کا پوز بنایا۔ تیر کی طرح مجھ پر جھپٹ کر حملے کئے۔ کراٹے کے ایک ہاتھ دو ہاتھ میں نے روکے۔ اس نے گھوم کر لات چلائی۔ میں نے ایک لات سے روکا۔ اس نے دوبارہ گھوم کر لات چلائی۔ میں تمام حملوں کو روکتا رہا۔ پھر ماسٹر لوئی کی آواز سنائی دی: "ہالٹ۔"

حملے رک گئے۔ وہ ماسٹر لوئی کے اشارے پر واپس چلا گیا۔ دوسرا چیخ مار کر میدان میں آیا۔ وہ فلائنگ کِک مارنا چاہتا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کس انداز میں فلائی کرے گا۔ جیسے ہی وہ کِک مارنے کے لئے اڑتا ہوا آیا۔ میں نے جھک کر بڑی پھرتی سے اس کے سیاہ بیلٹ میں ہاتھ ڈالا۔ دوسرے ہاتھ میں اس کی گردن تھام کر اسے اسی انداز میں اپنے سر سے اونچا کئے اٹھائے رکھا۔ وہ ہاتھ پاؤں جھٹک رہا تھا۔ میں اسے بآسانی زمین پر دے مارتا لیکن میں نے بڑی آہستگی سے زمین پر کھڑا کر دیا۔ ماسٹر کی آواز سنائی دی: "ہالٹ۔"

وہ دوسرا واپس چلا گیا۔ ماسٹر لوئی اب بڑی محبت سے مجھے دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ اس نے سر ہلا کر کہا: "بہت پھرتیلے ہو۔ انداز... بہت خوبصورت ہے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں توڑنے کے بعد مجھے افسوس ہوگا۔"

میں نے کہا: "میری تمہاری دشمنی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ ایک نامعقول وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تم نیلما کا دل جیتنے کے لئے مجھے شکست دینا چاہتے ہو۔"

وہ بولا: "ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ دو پہلوان جب اکھاڑے میں اترتے ہیں تو وہ ذاتی طور پر ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوتے۔ صرف انعام کی بھاری رقم جیتنے اور خود کو برتر ثابت کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ لڑائی کے دوران دونوں کو غصہ آجاتا ہے۔ وہ مقابلے خطرناک جان لیوا انجام کا سبب بن جاتا ہے۔"

اس نے کن انکھیوں سے نیلما کو دیکھا۔ پھر مجھ سے کہا: "اس مقابلے میں نیلما انعام کے طور پر ملے گی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "یہ انعام میرے لئے باسی ہوچکا۔"

وہ اپنی عادت کے مطابق تھوکنا چاہتی تھی۔ میں نے ذرا سی کے لئے اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کے تھوک کو اس طرح باہر نکلنے جیسے سوڈا واٹر گیس بوتل سے نکل کر بوتل کے اطراف میں پھیل جاتا۔ تھوک اس کے لبوں اور باچھوں سے نکل کر ٹھوڑی پر پھیلتا ہوا گلے کی طرف بہنے لگا۔

وہ غصّے سے پاگل ہوگئی۔ مجھ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ ماسٹر کو کالوئی نے اسے پکڑ لیا۔ نیلما کا دماغ میری ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر دوسرا ہاتھ ماسٹر لوئی کے منہ پر رسید کر دیا۔ چند ساعتوں کے لئے سنّاٹا چھا گیا۔ تمام شاگردوں نے نیلما کے خلاف حملے کے لئے پوز بنالیا۔ کیونکہ وہ ماسٹر کی توہین برداشت نہیں کرسکتے تھے۔

ماسٹر لوئی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر شاگردوں سے کہا: "تم سب نیلما کے مزاج کو سمجھتے ہو۔ لہٰذا کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔ میں اسے سمجھتا ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی نیلما نے گھوم کر ماسٹر کی بائیں پسلی میں لات ماری۔ ماسٹر ایک قدم پیچھے گیا پھر تعجب سے بولا: "کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟"

"پاگل تم ہو۔ پاگل تمہارا باپ ہے۔ یہ سالا طارق اتنی دیر سے میری توہین کر رہا ہے اور تم تماشہ دیکھ رہے ہو۔"

وہ بولا: "اچھا تم چپ چاپ کھڑی رہو۔ میں ابھی تمہاری توہین کا بدلہ لیتا ہوں۔"

وہ بولی: "تم کیا بدلہ لوگے؟ تم سالے ماسٹر نہیں ہیجڑے ہو۔ میں تنہا تمہاری پٹائی کرسکتی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے پھر حملہ کیا۔ ماسٹر نے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے بچا کر محض سبق سکھانے کے لئے جوابی حملہ کیا۔ لیکن وہ محض نیلما نہیں تھی اس کے دماغ میں میں تھا۔ میں مقابل کے جوابی حملوں کو سمجھ سکتا تھا۔ پہلے نیلما بڑی صفائی سے بچ گئی۔ ماسٹر لوئی نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر اس نے ایک حملہ کیا۔ دوسرا حملہ کیا۔ پھر تیسرا کیا۔ نیلما بچتی چلی گئی۔

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے بولی: "تم اس طارق کے مقابلے میں جیت کر انعام کے طور پر مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ہیجڑے کہیں کے۔ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ عورت کو جیتنے کے لئے پہلوانوں سے لڑنا نہیں پڑتا۔ بلکہ عورت کو اپنے قابو میں کرنا پڑتا ہے۔ یاد رکھو میں اسی کے آگے جھک سکتی ہوں جو مجھے جھکانا جانتا ہو۔"

ماسٹر لوئی نے اچانک ایک ہاتھ رسید کیا۔ نیلما کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ میں اس کے دماغ سے نکل گیا تھا تاکہ اس کی اذیت پسندانہ خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ ماسٹر نے اسے دو چار ہاتھ میں ہی زمین پر گرا دیا تھا۔ وہ درد سے تڑپ رہی تھی اور لذّت حاصل کرنے کے انداز میں سسک رہی تھی۔

میں نے کہا: "ماسٹر! تمہیں نیلما کی باتوں اور حرکتوں سے سمجھ لینا چاہئے کہ تشدّد پسند کرنے والی عورتیں ظلم سہنے کے بعد ہی قابو میں آتی ہیں۔ تم مجھے نہیں نیلما کو شکست دے کر اس کا بھوم نکال کر اسے جیت سکتے ہو۔"

یہ کہتے ہی میں نیلما کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ واقعی مار کھا کر بڑے مزے سے کراہ رہی تھی۔ تھوڑا اور ظلم سہنا چاہتی تھی۔ اس لئے زمین پر سے اٹھ کر مجھے گالیاں دینا چاہتی تھی۔ تاکہ میں اس رات کی طرح ظلم کروں۔ میں نے اس کی کھوپڑی ماسٹر لوئی کی طرف گھما دی۔ وہ ماسٹر کو گالیاں دیتی ہوئی حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ پھر مار کھا کر پیچھے ہٹ گئی۔

مقابلے کی رفتار سست پڑ گئی تھی۔ کیونکہ ماسٹر کو کالوئی کے فولادی ہاتھ نیلما کو تھکا دیتے تھے۔ وہ سنبھل سنبھل کر ظلم سہنا چاہتی تھی۔ اب میں ماسٹر لوئی کے دماغ میں تھا۔ اس کی سوچ میں اسے سمجھا رہا تھا: "میں اب تک نیلما کے مزاج کو سمجھتے ہوئے یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ لات جوتے کھانے کے بعد آغوش میں آتی ہے آج اس پر ثابت کردوں گا کہ میں طارق سے زیادہ زبردست ہوں۔"

ماسٹر لوئی کی سوچ نے کہا: "میں زبردست بنوں گا تو یہ مر جائے گی۔ مجھے ہلکے ہلکے ہاتھ جمانا چاہئے۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر اپنے ہاتھ دکھانے لگا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد نیلما نڈھال ہو کر ماسٹر سے لپٹ گئی۔ اس کی گردن میں باہیں ڈال کر اس کے سینے پر سر رکھ کر چند لمحوں تک روتی رہی۔ پھر اپنا لہو آلود چہرہ اس کے ہونٹوں کی طرف بڑھا دیا۔ ماسٹر ہچکچایا۔ کیونکہ اس کے شاگرد دیکھ رہے تھے۔ پھر اس نے نیلما کو دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔ وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔

تمام شاگرد مسکرا کر میرے سامنے ذرا سر جھکا کر دوستانہ سلام پیش کرنے لگے۔ میں نے بھی جواباً سر جھکا کر سلام کیا۔ پھر پلٹ کر دیکھا ماسٹر کو کالوئی، نیلما کو بازوؤں میں اٹھائے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے بھول بھلیوں میں جا رہا تھا۔ جہاں کبھی شیر دھاڑتے تھے اور اندر آنے والے کو باہر جانے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔

میں بڑے ہی دوستانہ انداز میں دشمنوں سے رخصت ہو کر موت کے اسٹیڈیم سے واپس آگیا۔ واپس شہر پہنچتے ہی میں نے پرنس ہوٹل میں کھانے کی میز ریزرو کرنے کے لئے پیشگی رقم جمع کی۔ اس وقت سات بجنے والے تھے۔ میں ایک گھنٹہ گزارنے کے لئے ہوٹل کے سامنے گارڈن میں آکر بیٹھ گیا۔ میرے پاؤں تلے سبز گھاس دور تک قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ رنگ برنگے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ اونچے طبقے کے لوگ اِدھر اُدھر میزوں کے اطراف بیٹھے وہسکی اور بیئر سے شغل کر رہے تھے۔ خوشبوؤں میں بسی ہوئی حسینائیں بھی رنگا رنگ قیمتی ملبوسات میں نظر آرہی تھیں۔ ایک باوردی بیرا میرے پاس آکر ادب سے کھڑا ہوگیا۔ میں نے ایک کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا تو اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا پھر چلا گیا۔ وہاں لوگ کولڈ ڈرنک کی جگہ بھی بیئر پیتے تھے۔

اس کے جانے کے بعد میں نے رسں دنتی کی خبر لی۔ اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک منتشر کیا۔ مجھے احساس ہوا کہ میری سوچ کی لہروں میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوئی۔ تب یاد آیا کہ پہلے بھی ایسا ہوچکا ہے۔ رسں دنتی کے بے ہوش دماغ تک پہنچنے سے پہلے میری سوچ برائے نام لڑکھڑاتی تھی پھر اپنی منزل تک پہنچ جاتی تھی۔ میں نے دیکھا۔ وہ ہوش میں تھی۔ آنکھیں کھول کر آس پاس دیکھ رہی تھی۔ مگر اپنے ماحول کو سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پتہ چلا کہ وہ خود کو بھی نہیں پہچان رہی ہے۔

کبھی یہ ڈرامہ میرے ساتھ ہوچکا تھا۔ ایک بار میری یادداشت گم ہوگئی تھی۔ رسں دنتی کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ میں نے اسے ہولے سے مخاطب کیا: "رسں دنتی! میں فرہاد بول رہا ہوں..... رسں دنتی!"

وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر اپنے سر کو تھام کر سوچنے لگی: "یہ میرے سر میں کیا ہو رہا ہے؟ جیسے کوئی میرے اندر بول رہا ہو۔ وہ ڈاکٹر بھی مجھے رسں دنتی کہہ رہا تھا۔ میرے اندر بھی وہی نام گونج رہا ہے۔ کیا میرا نام رسں دنتی ہے؟"

میں نے کہا: "ہاں۔ تمہارا نام رسں دنتی ہے۔ وہ دوا بڑی مہلک تھی۔ تم بچ گئیں مگر دماغی طور سے مفلوج ہوگئیں۔ پریشان نہ ہو۔ رفتہ رفتہ نارمل ہوجاؤ گی۔"

وہ چپ چاپ بستر پر پڑی چھت کو گھور رہی تھی۔ ایک ہندوستانی نرس نے پوچھا "دیوی جی! آپ کچھ کھانا پسند کریں گی؟"

رس ونتی نے پوچھا "دیوی جی؟ کون دیوی جی؟ کبھی مجھے... رس ونتی کہا جاتا ہے، کبھی دیوی جی اور کبھی یورہائی نس کہا جاتا ہے آخر میرا نام کیا ہے؟ میں کون ہوں؟ کہاں سے آئی ہوں؟"

نرس اسے سمجھانے لگی "آپ کا نام رس ونتی ہے۔ میں احتراماً آپ کو دیوی جی کہتی ہوں۔ دوسرے انگریز بھی احتراماً یورہائی نس کہتے ہیں۔ آپ کو رفتہ رفتہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ابھی آپ کے دماغ پر زور نہیں ڈالنا چاہئے۔ میں آپ کے لئے دودھ لاتی ہوں"

نرس چلی گئی۔ رس ونتی نے آنکھیں بند کرلیں میرے دماغ میں خیال آیا کہ سوچ کے ذریعے اس سے باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔ ورنہ وہ الجھن محسوس کرتی رہے گی۔ فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ ڈاکٹر دواؤں اور نفسیاتی طریقۂ علاج کے ذریعے اس کی یادداشت واپس لے آئیں گے۔

میں نے رس ونتی کو چھوڑ کر دستی کی خبر لی۔ ان کا طیارہ اس جزیرے سے مغرب کی سمت پرواز کرتا ہوا جاپان کے راستے ہانگ کانگ پہنچ گیا تھا۔ وہاں دو چار گھنٹے قیام کا ارادہ تھا۔ کیونکہ طیارے کو ایندھن کی ضرورت تھی اور طیارے میں موجود رہنے والے محافظ دستی کا حلیہ بدلنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے یہ کہا گیا تھا کہ ہانگ کانگ کے ایئرپورٹ پر پہلے ہی ایک ہندوستانی لڑکی کا انتظام کیا گیا تھا۔ طیارہ جیسے ہی وہاں پہنچا۔ اس لڑکی کو طیارے کے اندر پہنچا دیا گیا۔ دستی کے چہرے پر میک اپ کے ذریعے ہلکی سی تبدیلی لائی گئی۔ وہ لڑکی دستی کی جگہ آکر بیٹھ گئی۔ دستی طیارے سے باہر آگئی۔ باہر اس کے لئے ایک گاڑی موجود تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر کولون کی بندرگاہ تک پہنچ گئی جب میں اس کے دماغ میں پہنچا تو وہ ایک بڑی سی کشتی کے کیبن میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک چینی میک اپ مین بڑی مہارت سے اس کے چہرے کو ایک نئے چہرے میں ڈھال رہا تھا۔

میں نے دستی کی سوچ میں پوچھا "آخر یہ چکر کب تک چلتا رہے گا؟ یہ بھاگتے رہنے اور چھپتے رہنے والا ڈرامہ کہاں جا کر ختم ہوگا؟"

وہ سرد آہ بھر کر سوچنے لگی "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے پاؤں میں کیسے چکر پڑ گئے ہیں۔ مگر اب میری سمجھ میں آگیا ہے کہ مجھے بھی اپنے طور پر ہاتھ پاؤں مارنا چاہئے۔ میں جلد ہی اس ڈرامے کو ختم کروں گی۔ اس مقصد کے لئے میں تمام راستے پتاجی سے ضد کرتی رہی کہ وہ دیدی (رس ونتی) کے پاس واپس چلے جائیں۔ پتاجی خود پریشان ہیں کہ انہیں کس بیٹی کے ساتھ رہنا ہے۔ دل اور دماغ کا فیصلہ ہے کہ بیمار بیٹی کو باپ کی ضرورت ہے۔ مجھ کو سپر ماسٹر کے محافظوں کے سہارے چھوڑا جا سکتا ہے۔ میں تعلیم یافتہ ہوں۔ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا خوب جانتی ہوں"

دستی کی سوچ نے بتایا کہ وہ اب تنہا رہے گی۔ تن سنگ رس ونتی کے پاس جا رہا ہے۔ سپر ماسٹر کے آدمی تن سنگ کو کسی دوسرے راستے کے ذریعے رس ونتی کے پاس بھیجیں گے وہ لڑکی جو دستی کی جگہ بیٹھی ہے اسے ہانگ کانگ کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں بھیجا جائے گا۔ دشمن کو یہ فریب دینے کے لئے کہ رس ونتی کا علاج کیا جا رہا ہے۔ اور دستی میک اپ کے بعد ایک نیا روپ اختیار کرے گی تو دوبارہ طیارے میں واپس آکر سفر جاری رکھے گی۔ دستی کو برما کے شہر رنگون میں پہنچا دیا جائے گا۔ اسی رنگون شہر سے رس ونتی کو کالی بلائیں لے گئی تھیں۔ دشمن یہ سوچ نہیں سکتے تھے کہ رس ونتی یا دستی دوبارہ اسی شہر میں آکر قیام کرے گی۔ سپر ماسٹر کے آدمیوں کا خیال تھا کہ وہ رنگون میں محفوظ رہے گی۔

میں دماغی طور پر پرنس ہوٹل کے گارڈن میں حاضر ہوگیا۔ بیرا میرے سامنے کولڈ ڈرنک رکھ کر جا چکا تھا میں بوتل سے ایک گھونٹ پیتے ہوئے سوچنے لگا۔ دستی تنہا رہنے کے لئے جو بھی قدم اٹھا رہی ہے اس کا نتیجہ تھوڑی دیر بعد معلوم ہو جائے گا۔ لیکن ایک بات عجیب تھی کہ دستی کا تکیہ کلام تھا "جلنے بھی دیں" اور وہ دستی دشمنوں کو فریب دینے اور رس ونتی کا رول ادا کرنے کے لئے اپنا تکیہ کلام بھول گئی تھی اور یہ بات خلافِ فطرت تھی۔

مجھے شبہ ہوا کہ وہ دستی نہیں، رس ونتی ہے اور جس دماغ کو میں رس ونتی سمجھ رہا ہوں، وہ دستی ہے۔

مگر کیسے؟ کیا صرف تکیہ کلام کی ایک بھول سے اتنی بڑی تبدیلی کا شبہ کیا جا سکتا ہے؟

سب سے اہم بات یہ تھی کہ اگر رس ونتی دماغی مریضہ نہ ہوتی تو مجھ سے قدم قدم پر مشورے مانگتی رہتی۔ چونکہ وہ دستی تھی۔ اس لئے خیال خوانی کے ذریعے مجھ سے مشورے طلب نہیں کرسکتی تھی۔

وہ دستی ہی ہو سکتی تھی لیکن ایک تکیہ کلام کی بھول ایسی تھی جو کھٹک رہی تھی۔ حقیقت کیا ہے؟ یہ تن سنگ سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا تھا کیونکہ وہ باپ تھا۔ کون سی بیٹی کہاں ہے؟ یہ وہ اچھی طرح جانتا ہوگا۔ میں اس کی سوچ کے ذریعے معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس یوگا کے ماہر کے دماغ میں پرائی سوچ کی لہریں پہنچتے ہی اس کو ہلکا سا جھٹکا لگتا تھا اور وہ سمجھ لیتا تھا کہ رس ونتی یا فرہاد سوچ کے ذریعے رابطہ قائم کرنے آگئے ہیں۔

یعنی میں ان کے لئے اور ساری دنیا کے لئے مر چکا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اپنی زندگی کا ثبوت نہیں دینا چاہتا تھا۔ سوچ کے مطابق رس ونتی دماغی مریضہ تھی۔ اگر وہ واقعی رس ونتی تھی تو میں جیسے تن سنگ کے دماغ میں رس ونتی بن کر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والی بیٹی دماغی طور پر مفلوج ہے۔ یہ اس کے دماغ میں آنے والا فرہاد ہی ہو سکتا ہے۔

ایک دستی ہی تھی جس کے دماغ میں میں چپ چاپ پہنچ کر معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ (بشرطیکہ وہ دستی ہی ہو)

میں دستی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنی دیدی رس ونتی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ میرے دل نے کہا "نہیں فرہاد! یہ دستی ہے۔ رس ونتی بلا مزاج نہیں دھوکہ نہیں دے گی۔ یہ خام خیالی دل سے نکال دو"

دستی کا میک اپ جاری تھا۔ کبھی وہ رس ونتی کے متعلق اور کبھی منصوبہ کے متعلق سوچ رہی تھی۔ منصوبہ یہ تھا کہ وہاں سے رنگون پہنچنے کے بعد وہ سپر ماسٹر کے آدمیوں کو دھوکا دے کر کہیں بھاگ جائے گی۔ اپنے طور پر روپوش رہنے کی کوشش کرے گی۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ پُراسرار طریقے سے روپوش ہونے پر سب اسے رس ونتی ہی سمجھیں گے۔ سپر ماسٹر بھی یہی چاہتا تھا کہ اصل رس ونتی کا کامیاب علاج ہونے تک دشمن دستی کو ہی رس ونتی سمجھتے رہیں۔

دستی کے دل میں یہ جذبہ تھا کہ وہ اپنی دیدی کی سلامتی کی خاطر دشمنوں کے ہتھے چڑھ جائے گی۔ انہیں بے وقوف بناتے کی کوشش کرے گی۔ دشمن اس کی ٹیلی پیتھی کو آزمانا چاہیں گے تو اس سے پہلے ہی وہ کسی بہانے اپنی جان دے دے گی۔ اپنی موت سے انہیں یقین دلائے گی کہ رس ونتی مر چکی ہے۔

دستی کو جذبات میں آکر ایسا منصوبہ نہیں بنانا چاہئے تھا منصوبے کا پہلا حصہ ٹھیک ہی تھا کہ دشمن اسے رس ونتی سمجھتے رہیں مگر اپنی جان دینے والا دوسرا حصہ غلط تھا۔ میں نے سوچا جب ایسا موقع آئے گا تو میں دستی کو جان پر کھیلنے سے باز رکھوں گا۔ اگر رس ونتی اپنے ہوش و حواس میں رہتی تو اپنی بہن کی حفاظت کرلیتی۔ اب یہ فرض میرا تھا۔

میں کولڈ ڈرنک کا بل ادا کرکے وہاں سے اٹھ گیا۔ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں اپنی ریزرو کی ہوئی میز تک پہنچنے کا وقت ہو چکا تھا۔ خیال خوانی سے پتہ چلا کہ فاروق احمد بھی شہلا کے ساتھ گھر سے نکل چکا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ دونوں میرے پاس پہنچنے ہی والے ہیں۔

میں نے ڈائننگ ہال کی میز کے پاس بیٹھتے ہوئے ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر ایک کش لگانے کے بعد فاروق احمد کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا شہلا سے باتیں کر رہا تھا۔ جواباً شہلا کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ ... اور میں اس لڑکی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ فاروق احمد کی شخصیت سے بے حد متاثر تھی۔ کیونکہ وہ اعلیٰ سرکاری عہدہ پر فائز تھا اور کسی ملک کا سفیر بن سکتا تھا۔ شہلا کو لالچی یا غرض کی بندی نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ دنیا کی ہر لڑکی ایسے ہی شوہر کے خواب دیکھتی ہیں جو خوب کماتا ہو اور اسے سوسائٹی میں اونچا مقام دے سکتا ہو۔

شہلا کی خوبی یا شرافت یہ تھی کہ اس نے خود کو فاروق احمد کی امانت سمجھ کر کبھی کسی دوسرے شخص کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اپنی دوشیزگی کو سلامت رکھا تھا۔ آج کل زمانہ یہ بڑی بات ہے کہ کوئی لڑکی اپنی عزت کے سرمائے کو سنبھال کر رکھے۔ شہلا نے ایسا ہی کیا تھا اس لیے وہ فاروق احمد کی حقدار تھی۔ آٹھ بج کر دس منٹ پر وہ دونوں ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔ میں انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سیدھے میرے پاس چلے آئے۔ میں نے فاروق احمد سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں آپ کے لنچ میں دس منٹ لیٹ پہنچا تھا۔ آپ نے بھی دس منٹ دیر سے آکر بدلہ لے لیا"

فاروق احمد نے ہنستے ہوئے شہلا کا تعارف کرایا۔ شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ فاروق صاحب تمام راستے آپ کی تعریفیں کرتے آئے ہیں"

میں نے کہا "تعریف اس خدا کی ہے جس نے مجھے تعریف کے قابل بنایا۔ تشریف رکھیں"

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ میز پر مینو رکھا ہوا تھا۔ میں نے بیٹھتے ہوئے مینو کو شہلا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آپ اپنی پسند کے کھانے کا آرڈر دیں"

وہ بولی "میں کیا جانوں کہ آپ کیا کھانا پسند کریں گے؟"

"میں وہی کھاؤں گا، جو فاروق صاحب کھائیں گے۔ لہٰذا کھانے کے انتخاب میں آپ فاروق صاحب سے مدد لیں"

ان دونوں نے آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کھانے کا انتخاب کیا۔ پھر بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔ جب بیرا چلا گیا تو فاروق احمد نے پوچھا "کیا خیال ہے مسٹر طارق! کھانا آنے تک آپ شہلا کا ہاتھ دیکھیں گے۔ میرا مطلب ہے ہاتھ کی لکیریں"

میں نے شہلا کو دیکھا۔ وہ میری طرف ہاتھ بڑھا کر بولی "لیجئے! ذرا میں بھی آپ کا کمال دیکھوں"

میں نے ہاتھ کی لکیروں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "آپ بچپن میں چور تھیں۔ کھٹی چیزیں مثلاً اچار اور املی وغیرہ چرا کر کھایا کرتی تھیں"

وہ ہنستی ہوئی بولی "بالکل درست ہے"

میں نے کہا "آپ کی ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ آپ کو اپنے کئے ہوئے فیصلوں پر اعتماد نہیں رہتا۔ مثلاً آپ کسی دکان میں جا کر کپڑے خریدنا چاہتی ہیں۔ یہ آپ اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ آپ کے جسم پر گلابی لباس خوب کھِلے گا لیکن کوئی عورت کہہ دے کہ گلابی نہیں نیلا رنگ خریدو تو آپ کا فیصلہ بدل جائے گا۔ آپ نیلے رنگ کا کپڑا خرید لیں گی۔

یہ آپ کے فیصلے کی کمزوری ہے۔"

شہلا حیرانی سے اپنے نیلے لباس کو دیکھنے لگی۔ گھر سے چلتے وقت وہ گلابی لباس پہننا چاہتی تھی مگر روزینہ کی ماں نے نیلے رنگ کا لباس پہننے کا مشورہ دیا تو وہ ویسا ہی لباس پہن کر آگئی۔ فاروق احمد نے پوچھا "شہلا خاموش کیوں ہو؟ بتاؤ کیا مسٹر طارق درست کہہ رہے ہیں؟"

شہلا نے حیرانی سے وہی بات بتائی کہ وہ گلابی لباس پہن کر آنا چاہتی تھی۔ ممانی جان (روزینہ کی ماں) نے نیلا لباس پہننے کا مشورہ دیا۔

میں نے کہا "بچپن میں ایسی غلطی ہو تو اسے بھولپن کہتے ہیں۔ جوانی میں اسے خود اعتمادی کی کمزوری کہا جاتا ہے۔ اگر آپ کو شادی کے بعد آپ کے شوہر کے خلاف کسی نے بہکایا تو آپ آسانی سے بہک جائیں گی۔"

اس نے سر کو جھکا لیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے شوہر کے خلاف کوئی نہیں بہکا سکتا۔ چونکہ ابھی شوہر والی نہیں تھی۔ اس لئے فاروق احمد کے سامنے کچھ کہتے ہوئے شرما رہی تھی۔ میں نے کہا "آپ میں یہ خوبی ہے کہ جس کمزوری پر قابو پانا چاہتی ہیں۔ اس کمزوری کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتی ہیں۔ آپ ارادے کی کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کریں پھر جو آپ کا جیون ساتھی ہوگا، وہ آپ کو پاکر خود کو خوش نصیب سمجھے گا۔"

وہ خوش ہوگئی۔ فاروق احمد بھی مسکرا رہا تھا۔ میں نے کہا "آپ کو اپنی پسند کا جیون ساتھی ملے گا۔ ایک کالی بلّی آپ کا راستہ کاٹ رہی تھی مگر وہ جیون ساتھی اس کالی بلّی کو راستے سے ہٹا دے گا۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر شہلا نے نظریں جھکا لیں۔ بیرا ہمارے سامنے سوپ کی ٹرے لاکر رکھ رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد شہلا نے ایک پلیٹ میں سوپ ڈال کر میری طرف بڑھایا۔ دوسری پلیٹ فاروق احمد کے سامنے رکھ دی۔ میں نے کہا "فاروق صاحب! دوپہر کو روزینہ نے کھانے کی پلیٹ پہلے آپ کی طرف بڑھائی تھی حالانکہ میں مہمان تھا۔ میزبانی کے آداب یہ ہیں کہ پہلے مہمان کو اوّلیت دی جائے مگر وہ صرف آپ کو جیت لینے کی دھن میں رہتی ہے۔ تہذیبی اقدار کی پروا نہیں کرتی۔ حالانکہ عورت وہ ہے جو تہذیبی آداب کے ساتھ شوہر، گھر اور معاشرے کی ذمّے داریاں انصافاً نبھاتی ہے۔"

فاروق احمد نے بڑی محبت سے شہلا کو دیکھا۔ وہ خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔ یقیناً وہ ایسی خوشیوں کی حقدار تھی۔

اس رات کھانا بڑا لذیذ اور ہماری صحبت بڑی پُر تکلف رہی۔ شہلا اور فاروق احمد مجھ سے ایسے بے تکلف ہوتے چلے گئے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ فاروق احمد نے کہا "کل برما کے سفارت خانے سے آپ کو اجازت نامہ مل جائے گا۔ بھارت والے ہم سے ذرا بدکتے ہیں ان کی سوچ یہ ہوگی کہ ایک پاکستانی ان کے دیس میں خشکی کے راستے سفر کرے گا۔ کہیں وہ پاکستانی جاسوس نہ ہو۔ میں نے یقین دلایا ہے کہ وہ آپ کی گشتی گاڑی اور تمام سامان کی تلاشی لے سکتے ہیں۔ آپ کے خلاف کوئی ثبوت مل جائے تو اجازت نامہ منسوخ کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں پرسوں تک انہیں راضی کر لوں گا۔"

فاروق احمد بڑے ہی دوستانہ انداز میں میری مشکلات حل کر رہا تھا۔ دو چار روز میں مجھے سفر کی سہولتیں حاصل ہونے والی تھیں۔ رات کے دس بجے ہم ہوٹل سے باہر آئے۔ فاروق احمد نے پیش کش کی کہ میں جہاں جانا چاہوں وہ مجھے اپنی گاڑی میں پہنچا دے گا۔

میں نے بہانہ کیا "آپ میری اس گرل فرینڈ کو جانتے ہیں۔ وہ ابھی یہاں آنے والی ہے۔ ورنہ میں آپ کو ضرور زحمت دیتا۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ پھر شہلا کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے ہوٹل کے احاطے سے باہر آکر ایک ٹیکسی لی۔ ڈرائیور کو سمندر کے کنارے پر لگژری بنگلوز کی طرف جانے کے لئے کہا۔ پھر آرام سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنی سوچ کی لہروں کو دسنتی کے دماغ تک پہنچایا۔ میری سوچ کی لہروں میں پھر وہی ہلکی سی لغزش پیدا ہوئی۔ مگر میں دسنتی کے دماغ تک پہنچ گیا۔

وہاں قصّہ کچھ اور ہوگیا تھا۔ دسنتی کی جگہ لینے والی ایک لڑکی اور تن سنگ کو طیّارے سے نکال کر ایک پرائیوٹ ہسپتال پہنچانے کی بات تھی۔ اس کے بعد تن سنگ کو دوسرے طیّارے سے رس دنتی کے پاس پہنچایا جاتا۔ جب وہ لوگ ہندوستانی لڑکی کو اسٹریچر پر ڈال کر اسے بیمار رس دنتی بنا کر ایئر پورٹ سے لے جا رہے تھے تو اچانک دشمنوں نے حملہ کر دیا۔ اِدھر اُدھر اسٹین گنوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ اسٹریچر لے جانے والے لڑکی کو چھوڑ کر پناہ لینے کے لئے بھاگے۔ حملہ آوروں نے فوراً آگے بڑھ کر اسٹریچر کو اٹھا لیا۔ انہیں یقین تھا کہ اسٹریچر پر رس دنتی لیٹی ہوئی ہے اور وہ بے ہوش ہے۔ انہوں نے کمبل ہٹا کر صورت دیکھنے تک کی مہلت نہ ملی۔ دوسری طرف سپر ماسٹر کے محافظ نہیں چاہتے تھے کہ بھید کھل جائے۔ انہوں نے اسٹریچر لے جانے والوں پر ہینڈ گرینیڈ پھینکے۔ بڑے زبردست دھماکے ہوئے۔ ہر طرف غبار پھیل گیا۔ جب وہ غبار چھٹا تو اسٹریچر لے جانے والوں کے ساتھ اس کے بھی چیتھڑے اڑ چکے تھے۔

پتہ نہیں بے چاری کون تھی؟ کہاں سے کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ اب اس کی لاش کو پہچاننے والا اور اس کے لئے رونے والا کوئی نہ تھا۔ سپر ماسٹر کے محافظوں کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اب وہ رس دنتی کی لاش سمجھی جاتی لیکن رس دنتی اور دسنتی کے لئے ایک زبردست المیہ آیا۔ اس حملے میں بوڑھا تنگ سنگ مارا گیا۔ میرے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ اتنی حفاظت اور کڑی نگرانی کے باوجود وہ مارا جائے گا۔

یہ باتیں مجھے دسنتی کی سوچ سے معلوم ہوئیں۔ جب میں اس کے

دماغ میں پہنچا تو وہ کشتی کے بند کیبن میں تنہا تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اسے اپنے باپ کی موت کی اطلاع مل گئی تھی۔ یہ المناک خبر سنتے ہی وہ تڑپ کر کشتی سے نکل کر باپ کی لاش تک پہنچنا چاہتی تھی۔ مگر محافظوں نے مجبور ہو کر اسے کیبن میں بند کر دیا اور کشتی کو کھلے سمندر کی طرف چھوڑ دیا تاکہ دوسری کشتیوں والے دسنتی کی چیخ و پکار نہ سن سکیں۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں دسنتی کو کس طرح تسلیاں دوں۔ ایک تو رس دنتی یادداشت کھو بیٹھی تھی۔ بہن کا وہ رشتہ ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ دماغ مفلوج ہونے کے بعد وہ دسنتی کی بارڈ مددگار نہیں ہو سکتی تھی۔ بوڑھا باپ کسی کام نہ آتا مگر ایک ٹوٹی پھوٹی چھت کی طرح سر پر موجود تھا۔ اب وہ بھی نہ رہا۔ اتنی بڑی دنیا میں ایسی اچانک تنہائی نے دسنتی کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

اسے ایک بہت بڑے اور مضبوط سہارے کی ضرورت تھی جس پر وہ اعتماد کر کے نئے سرے سے زندگی گزار سکے۔ میرے دل میں آیا کہ میں خود کو اس پر ظاہر کر دوں۔ ایک فرہاد ہی کا نام اسے سہارا دے سکتا تھا اور اس کے صدمات کو کم کر سکتا تھا لیکن میں نے فوراً ہی ہمدردی کے ایسے جذبے کو کچل دیا۔ میں کسی اور طرح بھی ہمدردی کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے پیدائشی چہرے کو اس لئے تبدیل نہیں کیا تھا کہ کسی جذباتی موڑ پر خود کو ظاہر کرنے کی حماقت کروں۔ پچھلی دوستیوں اور رشتوں نے مجھے بڑے صدمے پہنچائے تھے۔ خوب سبق سکھایا تھا کہ آئندہ دور ہی سے ہمدردی کر کے گزر جاؤ۔

میں نے دسنتی کی سوچ میں ایک سرد آہ بھر کر کہا "اب کیا ہوا؟ میں اکیلی رہ گئی۔ اکیلی ہی رہوں گی۔ اب تو سارا جیون روتی رہوں گی۔ اب بھی پتاجی واپس نہیں آئیں گے۔"

اس کی سوچ نے کہا "ہاں! کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ مگر میں کیا کروں؟ ان کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ مجھے کوئی بھی تسلیاں نہیں دے سکتا تھا۔ بس روتے رہنے سے ہی شاید سکون مل جائے۔ شاید روتے روتے میں بھی مر جاؤں۔ مجھے رونا چاہئے۔ موت کا سکون حاصل کرنے کے لئے میں روتی رہوں گی۔ خوب روتی رہوں گی۔"

وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ ایسے وقت تسلّیاں کام نہیں آتیں کسی بھی ہمدردی کا رومال آنسو نہیں پونچھ سکتا۔ یہی مناسب تھا کہ اسے جی بھر کر رونے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ میں نے لگژری بنگلوز کے علاقے میں سمندر کی ساحلی سڑک پر ٹیکسی رکوا دی۔ کرائے کی رقم ادا کی۔ پھر بریف کیس اٹھا کر سڑک کے کنارے پیدل چلنے لگا رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ ایسے وقت دنیا کے کسی حصّے میں بھی بالکل عیاش لوگ گھر سے نکلتے ہیں۔ یا پھر جیب پر بدمعاش بڑے بڑے شکار پھانسنے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ تھوڑی دور جانے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ایک کار آہستہ آہستہ میرے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ میں چپ چاپ اپنی رفتار سے چلتا ہوا دوسرے راستے پر مڑ گیا۔ وہ کار اچانک تیزی سے چلتی ہوئی میرے قریب سے گزر گئی۔ ذرا دیر کے لئے میرے اطراف خوشبو ہی خوشبو پھیل گئی۔ اس کار کے اندر خوشبو میں بسی ہوئی عورتیں تھیں۔

کار ذرا آگے جا کر رک گئی۔ ایک عورت دروازہ کھول کر سڑک کے کنارے کھڑی ہوگئی۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچا، وہ مسکرائی میں جواباً مسکراتا ہوا اس کے سامنے سے گزرنے لگا۔

وہ ہاتھ بڑھا کر راستہ روکتی ہوئی بولی "ٹھہرو۔ کون ہو تم؟ اتنی رات کو تنہا کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے کہا "میں ایک غیر ملکی ہوں قریب ہی ایک بنگلے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر دوسری عورت نکلتے ہوئے بولی۔ "غیر ملکیوں کے کام آنا ہمارا فرض ہے۔ آؤ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

میں نے جھک کر دیکھا۔ کار کے اندر مزید دو عورتیں تھیں ایک اسٹیئرنگ سیٹ پر، دوسری پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ میں نے کہا۔ "معاف کرنا۔ مجھے عورتوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ میں پیدل ہی چلا جاؤں گا۔"

ایک نے پرس میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے پیدل ہی چلے جانا۔ مگر جیب میں اور بریف کیس میں جو کچھ ہے وہ نکال کر رکھ دو۔"

میں نے سہم کر کہا "دے..... دیکھو گولی نہ چلانا۔ میں اپنی ساری پونجی تم لوگوں کو دے دوں گا۔"

میں نے بریف کیس کھولا۔ وہ دونوں میرے قریب آگئی تھیں نوٹوں کی گڈّیاں دیکھ کر خوش ہوگئی تھیں۔ میں چاہتا تو بڑی آسانی سے پستول چھین کر ان کی پٹائی کر سکتا تھا۔ مگر عورتوں پر ہاتھ اٹھانا اچھا نہ لگا۔ بے چاریاں رات کے وقت تنہا مسافروں کو لوٹا کرتی تھیں۔ آج کے بعد شاید وہ خود ہی لوٹ کھسوٹ سے توبہ کر لیتیں۔ میں نے کہا۔ "یہ کاغذات میرے لئے اہم ہیں۔ تم یہ نقد رقم اٹھا لو۔"

ایک حسینہ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے ساری گڈّیاں سمیٹ لیں۔ میں ان کے ارادوں کو پڑھ چکا تھا۔ وہ صرف دھمکیاں دینے کے لئے پستول رکھتی تھیں۔ شکار آسانی سے پھنس جائے تو اسے لوٹ کر فرار ہو جاتی تھیں۔ میرے ساتھ بھی یہی کیا۔ مال سمیٹ کر وہ کار میں بیٹھ گئیں۔ دوسرے ہی لمحے کار اسٹارٹ ہوئی۔ پھر مجھ سے دور ہوتی چلی گئی اب میں بھی دماغی طور سے کار کے اندر موجود تھا۔

ایک حسینہ نے پچھلی سیٹ سے اگلی سیٹ والی کو کہا "شینا! تم سارا مال چھین کر بیٹھ گئی ہو۔ کچھ ادھر بھی دو۔"

میں نے شینا کی زبان سے کہا "یہ تمہارے باپ کا مال ہے جو

مانگ رہی ہو؟"

میں پچھلی سیٹ والی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر شینا کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔

[illegible] ڈرائیو کرنے والی نے غصّے سے کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم آپس میں لڑیں گے تو یہ گینگ ٹوٹ جائیگا۔"

شینا طمانچے کا جواب دینے کے لیے پچھلی سیٹ والی سے الجھ گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے بال پکڑ کر نوچ رہی تھیں۔ اور ننگی ننگی گالیاں دے رہی تھیں۔ پستول والی نے کہا "ہم پانچ برس سے متحد ہو کر مالدار مسافروں کو لوٹ رہی ہیں۔ ڈاکے ڈالنے والے مرد ہماری مثالیں پیش کرتے ہیں۔ پولیس والے آج تک ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ لیکن تم دونوں آج ہمیں حوالات میں پہنچا کر رہو گی۔"

شینا نے پستول والی کے منہ پر تھوک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑنے والیاں تین ہو گئیں۔ میں نے ڈرائیو کرنے والی چوتھی حسینہ کے دماغ کو کنٹرول میں لیا۔ اس نے جھک کر سیٹ کے نیچے سے نوٹوں کی گڈیاں اٹھائیں اور انہیں کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔ پھر وہ کار اسٹارٹ کر کے تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی بولی "حرامزادیو! تم سب لڑتی رہو اور مرتی رہو۔ اسی لئے تو عورتوں نے آج تک ڈکیتی میں اپنا نام پیدا نہیں کیا۔ میں اڈے میں پہنچ کر تم سب سے نمٹ لوں گی۔"

میں نے اس کے دماغ کو آہستگی سے آزاد چھوڑ دیا۔ وہ تعجّب سے سوچنے لگی "اوہ میں تو ڈرائیو کر رہی ہوں۔ میں نے کب گاڑی اسٹارٹ کی؟ اوہ ان کے جھگڑوں نے مجھے اپ سیٹ (بدحواس) کر دیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ میں ان لڑنے والی کتیوں کو ویرانے کی طرف لے جا رہی ہوں۔ مجھے ڈرائیو کرتے رہنا چاہئے......"

وہ سوچتی رہی۔ کار کے اندر جھگڑے ہوتے رہے۔ میں سڑک کے اس حصّے میں پہنچ گیا جہاں نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھیں میں نے انہیں سمیٹ کر دوبارہ بریف کیس میں رکھا۔ پندرہ منٹ کے بعد میں ڈاکٹر ہوماگاچی کے بنگلے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ ژنگورا۔ را نے دروازہ کھولا۔ میں نے اندر پہنچ کر دروازے کو بند کر دیا۔ سامی آ کر میرے قدموں سے لپٹنے لگی [illegible] تھا۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہی تھی۔ میں اسے اٹھا کر چومنے لگا۔

ڈاکٹر ہوماگاچی خاموشی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اسے اچھی طرح اپنی بے بسی کا یقین ہو گیا تھا۔ اس لئے مجبور قیدی کی طرح اس دن کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ژنگورا۔ را کے چہرے سے پٹیاں کھلیں گی۔ ہم اس کے بنگلے سے جائیں گے اور وہ آزاد ہو جائے گا۔ میں نے کہا "ڈاکٹر بہت رات ہو چکی ہے اب تمھیں سو جانا چاہیئے۔"

وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ میں نے ژنگورا۔ را سے کہا "تم بھی سو جاؤ۔ میں تمھیں صبح پانچ بجے جگاؤں گا۔ پھر خود آرام کروں گا۔"

وہ چلا گیا۔ ڈاکٹر اپنے بستر پر لیٹ گیا تھا، آنکھیں بند [illegible] میں نے دس منٹ کے اندر اُسے گہری نیند سلا دیا۔ اب وہ [illegible] بجے سے پہلے بیدار نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اسی کمرے میں [illegible] سے دل بہلانے لگا۔ میں نے زنانہ ڈاکوؤں کی خبر لی۔ ان کا [illegible] جھگڑا کسی طرح ختم ہو گیا تھا اور اب وہ کار کے اندر نوٹوں کی [illegible] تلاش کر رہی تھیں۔ پھر سب نے شینا کو الزام دیا۔ اپنا شبہ [illegible] کہ جھگڑے کے دوران شینا نے نوٹوں کی گڈیاں کہیں سڑک کے کنارے پھینک دی ہیں تاکہ بعد میں جا کر اس ویران راستے سے ساری دولت جمع کر لے جائے۔

شینا نے کہا "میں تو جھگڑے میں الجھی ہوئی تھی۔ [illegible] کرنے والی جولی کے قدموں کے پاس گڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔"

جولی نے غصّے سے کہا "مجھے الزام نہ دو۔ میں تمھاری طرح لالچی اور کمینی نہیں ہوں۔"

دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں۔ پچھلی سیٹ پر [illegible] والیوں نے بیچ بچاؤ کرتے ہوئے کہا "وہ ساری گڈیاں اگلی [illegible] کے نیچے تم دونوں کے قدموں کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔ تم میں سے ایک نے وہ دولت چھپائی ہے۔"

ایک اور حسینہ نے کہا "چلو ہم واپس چل کر اس ویران راستے [illegible] تلاش کریں۔ اگر وہ گڈیاں دائیں طرف پڑی ہوں گی تو جولی نے [illegible] اسٹیئرنگ سیٹ کی طرف سے پھینکا ہے، اگر بائیں طرف سڑک کے [illegible] ملیں تو وہ شینا کا جرم ہوگا۔"

سب نے راضی ہو کر کار واپس موڑ لی۔ کار کی رفتار بہت سُست رکھی گئی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں راستہ صاف نظر آ [illegible] وہ چاروں عورتیں سر اونچا کیے ونڈ اسکرین کے پار الّو کی طرح [illegible] پھیلا کر سڑک کو دیکھ رہی تھیں، گڈیاں تلاش کر رہی تھیں۔ ان کی [illegible] بتا رہی تھیں کہ وہ دولت نہ ملی تو جولی شینا کی پٹائی کرے گی [illegible] جولی کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ پچھلی سیٹ والی حسینائیں سوچ [illegible] تھیں کہ بلا سے ڈاکے ڈالنے والا وہ گینگ ٹوٹ جائے مگر وہ دو [illegible] مل کر شینا اور جولی کی اچھی طرح مرمّت کریں گی اور ان کے بدن [illegible] کپڑے نوچ کر لے جائیں گی۔

بہرحال ابھی ان کے درمیان جو زبردست جنگ چھڑ [illegible] والی تھی اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے ان پر [illegible] بھیج دی۔

سامی آنکھیں بند کیے میری گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ [illegible] بستر پر ڈاکٹر گہری نیند سو رہا تھا۔ میرا بھی جی چاہتا تھا کہ آرام سے بستر پر ہاتھ پاؤں پھیلا کر سو جاؤں۔

میں نے گھڑی دیکھی ایک بج کر دس منٹ ہو رہے تھے

اتنی دیر تک روتے رہنے کے بعد تھک گئی ہوگی۔ شاید سو گئی ہوگی۔ بیچاری دنیا میں تنہا رہ گئی تھی۔ اب اس کی خبر رکھنا اور اس کی حفاظت کرتے رہنا میرا فرض تھا۔ میں نے اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک نشر کیا۔ اس بار کوئی لغزش نہ ہوئی۔ سوچ کی لہریں سیدھی وسنتی کے دماغ تک پہنچ گئیں۔

مگر یہ کیا؟ وسنتی کا دماغ بے حد کمزور لگ رہا تھا۔ وہ سو رہی تھی سوچ کی لہریں اتنی کمزور تھیں کہ کوئی خواب نہیں بن رہا تھا۔ جب ایسی کمزوری ہو تو بے ہوشی کی طرح نیند آتی ہے۔ دماغ اس قابل نہیں رہتا کہ کوئی دھندلا سا ہی خواب دکھا سکے۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے پہلے وہ بالکل نارمل تھی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ رس ونتی کی طرح اس کے دماغ کو بھی دانستہ کمزور بنایا گیا ہے۔"

میں نے اس کے دماغ میں سوچ کی لہروں کو ابھارا، اسے نرمی سے مخاطب کیا "وسنتی! وسنتی......!"

اس کا دماغ جیسے انگڑائی کے انداز میں بیدار ہوا۔ دماغ کی اسکرین پر خواب کا منظر دھندلایا۔ وسنتی کو دھندلا دھندلا سا کسی کا سراپا نظر آیا۔ اس کی سوچ نے پوچھا "تم کون ہو؟"

میں نے جواب دیا "میں سپنا ہوں۔ تم کون ہو؟"

وہ بولی۔ "میں نہیں جانتی میں کون ہوں۔ کوئی مجھے رسونتی کوئی دیوی جی اور کوئی یوراہائی نس کہتا ہے۔ ایک ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ میں اپنی پچھلی زندگی کو بھول گئی ہوں۔ وہ شاید میرا علاج کر رہا ہے۔"

میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ جو اپنی پچھلی زندگی کو بھول گئی تھی وہ رس ونتی تھی اور میں نے اپنی سوچ کی لہریں وسنتی کے دماغ میں پہنچائی تھیں۔ مجھے وسنتی کے دماغ میں ہی پہنچنا چاہیے تھا جبکہ میں رس ونتی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ شاید مجھ سے کوئی بھول ہو گئی تھی۔ میں نے دوبارہ وسنتی کے لب و لہجے کو اچھی طرح یاد کیا، پھر وسنتی کے دماغ میں پہنچا۔ تعجب کی بات تھی میں دوسری بار بھی اسی رس ونتی کے دماغ میں پہنچا جو اپنی یادداشت گم کر چکی تھی۔

ٹیلی پیتھی کے ذریعے سوچ کی لہریں کبھی غلط رہنمائی نہیں کرتیں۔ یہ ثابت ہو گیا کہ جسے میں اب تک رس ونتی سمجھ رہا تھا وہ وسنتی تھی۔

رس ونتی کے کھانے پینے کی چیزوں میں دماغ کو مفلوج بنانے والی دوا ملائی گئی تھی۔ ان کھانے پینے کی چیزوں کو وسنتی نے استعمال کیا تھا۔ کیسے استعمال کیا تھا؟ کیوں استعمال کیا تھا؟ میں نے وسنتی کو اس کے دماغ کی اسکرین پر خواب دکھایا۔ اس کے سامنے اپنا اور رس ونتی کا ایک تصوراتی سراپا پیش کیا مگر اس کے خواب میں ہمارے چہرے دھندلے اور ناقابل شناخت تھے کیونکہ اس کا دماغ ہم سب کو بھول چکا تھا۔ سب کچھ بھول جانے کے بعد وسنتی یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ رس ونتی کے بجائے وہ دشمنوں کا نشانہ کیسے بن گئی؟

ویسے یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ رس ونتی ہوش و حواس میں ہے۔ وہ تن سنگھ کے ساتھ سفر کرتی ہوئی خود کو وسنتی ظاہر کرتی ہوئی ہانگ کانگ پہنچی تھی۔ وہاں باپ کی موت کے بعد وسنتی کے ایک بین میں تنہا رہ گئی تھی۔ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچی کہ وہ مجھ سے بھی اپنی اصلیت کو چھپا رہی تھی۔

میں اس کا محاسبہ کرنے کے لیے اس کے دماغ میں پہنچا۔ وہ یوگا جاننے والی نیند کی حالت میں بھی میری سوچ کی لہروں سے چونک جاتی تھی، مگر اُس وقت گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "میں کیا ہوں؟ رس ونتی یا وسنتی؟"

اس کی خوابیدہ سوچ نے کہا "آہ، کاش میں وسنتی ہوتی۔ اس ٹیلی پیتھی نے تو میرا جینا حرام کر دیا ہے۔"

"مگر میں وسنتی کا رول کیوں ادا کر رہی ہوں؟"

"آں ہاں۔ میں وسنتی بنی پھر رہی ہوں۔ یہ پتا جی کا آئیڈیا ہے۔ جب کالی بلاؤں سے پیچھا چھوٹ گیا اور ہم جزیرے کی طرف سفر کرنے کے لیے طیارے میں سوار ہوتے تب ہمیں آزادی سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ پتا جی نے چپکے سے مجھ سے کہا "بیٹی! میں نے اور وسنتی نے فیصلہ کیا ہے کہ تمھیں دوبارہ دنیا والوں سے چھپایا جائے۔ موقع ملتے ہی وسنتی تمھاری جگہ لے لے گی۔ وہ رس ونتی بن کر ان محافظوں سے رابطہ رکھے گی اور تم خود کو وسنتی ظاہر کرتی رہو گی۔ کبھی ٹیلی پیتھی کے مظاہرے کا موقع آیا تو خیال خوانی کے ذریعے راہنمائی کرو گی۔"

میں نے پتا جی سے کہا "مخالف گروہ کے لوگ وسنتی کو رس ونتی سمجھ کر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

پتا جی نے جواب دیا "تم دونوں میری دو آنکھیں ہو، کسی کو بھی نقصان پہنچے گا تو مجھے تکلیف ہوگی لیکن اس حال سے فائدہ یہ ہوگا کہ وسنتی کسی مصیبت میں گرفتار ہوگی تو تم محفوظ رہ کر اُسے مصیبتوں سے نجات دلا سکو گی۔ تمھارا روپوش رہنا نہایت ضروری ہے۔"

پتا جی بڑی دانشمندی سے مشورے دے رہے تھے۔ دراصل میں بھی یہی چاہتی تھی کہ کسی طرح ایک بار پھر دنیا والوں کی نظروں سے چھپ جاؤں پھر فرہاد کی طرح آزاد رہ کر دور ہی سے اپنے دشمنوں کی حفاظت کروں گی۔ اسی لیے میں نے [illegible]"

[illegible] کے عالم میں بولتے بولتے چپ ہو گئی [illegible] نیند کا گہرا نشہ طاری تھا۔ اس لئے دماغ کے اسکرین پر خواب دھندلا پڑ جاتا تھا۔ سوچیں ابھرتے ابھرتے پھر دب جاتی تھیں۔ میں نے پھر ایک بار اس کی سوچ کو بھڑکایا۔ وہ بولی "جزیرے میں ہمارا شاہانہ استقبال کیا گیا تھا۔ وہاں میں نے تقریر کی تھی۔ لیکن بنگلہ میں پہنچ کر جب ہم باپ بیٹیوں کو تنہائی نصیب ہوئی تو میں نے اور وسنتی نے ایک کمرے میں جا کر ایک دوسرے کا لباس پہن لیا۔ جب ہم کمرے سے باہر آئے تو پتا جی بھی سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے کہ رس ونتی اور

ونستی اب تک وہی ہیں یا بدل گئی ہیں۔ میں نے سوچ کے ذریعے انہیں حقیقت بتا دی۔"

وہ خوابیدہ سوچ پھر تھم گئی۔ میں نے پھر اکسایا، وہ بولی "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہماری خوراک کا طبی معائنہ کرنے والا ڈاکٹر دشمنوں کا آدمی ہوگا۔ میز پر ہمارے لیے جو کھانے چُنے جاتے تھے وہ ہم سب مل کر کھاتے تھے۔ ان کھانوں میں مضر رساں دوا کی آمیزش نہیں تھی۔ اس دودھ میں وہ دوا ملائی جاتی تھی جو میں سونے سے پہلے پیا کرتی تھی۔ ونستی میرا دل ادا کرنے کے لیے میری خوابگاہ میں سونے گئی تھی اسے میرے حصے کا دودھ پینا پڑا، آہ! مجھے افسوس ہے وہ اس طرح دشمنوں کا نشانہ بنی ہے کہ میں اس کے کسی کام نہیں آسکتی۔"

میں چپ چاپ سُن رہا تھا۔ اس کی سوچ تھم تھم کر ابھر رہی تھی "میں خود کو تسلیاں دینے لگی کہ ونستی کے لیے زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہیڈ ماسٹر اسے رس ونتی سمجھ کر دنیا کے تجربہ کار ڈاکٹروں سے علاج کرواتا رہے گا۔ ہانگ کانگ پہنچنے تک میں نے محسوس کیا کہ پتا جی دوسری بیٹی کے لیے بہت پریشان ہیں۔ میں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ بیمار بیٹی کے پاس واپس جائیں۔ میں تنہا رہ کر بھی تنہا نہیں رہوں گی خیال خوانی کے ذریعے ان لوگوں کے قریب آجایا کروں گی مگر ہماری تقدیر میں تباہیاں لکھی ہیں۔ پتا جی اتنی دور جا چکے ہیں کہ ٹیلی پیتھی مجھے وہاں تک نہیں پہنچا سکتی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "آج میں بڑی گہری نیند سو رہی ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ دماغ میرے قابو میں نہیں ہے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔"

اس کی سوچ بڑبڑانے لگی "میں گہری نیند سو رہی ہوں مگر کیسے؟ ہاں، یاد آیا۔ میں پتا جی کی موت کی خبر سن کر کشتی کے کیبن سے نکلنا چاہتی تھی مگر محافظوں نے مجھے کیبن میں بند کر دیا۔ بہت دیر بعد پتہ چلا کہ کشتی اب سمندر کے ساحل پر نہیں ہے۔ دُور [illegible] مجھے اس بحری جہاز میں پہنچانا چاہتے تھے۔ اور میں چیخ رہی تھی کہ میں پتا جی کے کریا کرم (مرنے والے کی آخری رسم) میں شریک ہونا چاہتی ہوں۔ مگر دو محافظوں نے مجھے سختی سے پکڑ لیا۔ تیسرے محافظ کے ہاتھ میں انجیکشن دینے والی سوئی تھی۔ وہ سوئی میرے بازو میں کھُب گئی۔ پھر میں نہیں جانتی کہ کیا ہوا۔ شاید میں بے ہوشی کی حد تک نیند میں مبتلا ہو گئی ہوں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں نے فرہاد کو بھی دھوکہ دیا کہ میں ونستی ہوں، اگر وہ اچانک میرے دماغ میں پہنچے تو میری سانس کو ہلکا سا جھٹکا پہنچے گا اور وہ پہچان لے گا کہ میں یوگا جاننے والی رس ونتی ہوں۔"

اس کی اپنی سوچ کہنے لگی "نہیں۔ میں فرہاد کو یہ موقع نہیں دیے رہتی ہوں کہ وہ خود [illegible] دماغی رابطہ قائم کرنے کے لیے میری طرف آئے۔ جب وہ پچھلی رات سو رہا تھا تب میں نے بڑی خاموشی سے اس کے تحت الشعور میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ وہ اپنی مصروفیات میں رس ونتی اور اس کے خاندان کو بھولا رہے گا۔ میں خود اس کے [illegible] میں پہنچ کر جب رس ونتی کی یاد دلاتی ہوں تو اس کی سوچ [illegible] طرف پرواز کرتی ہے اور میں اس پرواز کو ونستی کے [illegible] کی طرف موڑ دیتی ہوں۔ جب وہ ونستی کے دماغ میں پہنچنا چاہتا ہے تو میں اس کی سوچ کا رُخ اپنی طرف پھیر لیتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے فرہاد نے دو بار اپنی سوچ کی لہروں میں لغزش محسوس کی مگر وہ یوگا کے کمال کو سمجھ نہیں سکتا کہ میں کتنی صفائی سے اس کی سوچ کی لہروں کا اسٹیشن بدل دیا کرتی ہوں۔"

میں اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے سوچنے لگا۔ اسے [illegible] رد کرنے میں ایسی مہارت حاصل ہے کہ وہ میری لاعلمی میں میرے تحت الشعور کو اپنے تابع کر لیتی ہے یعنی پچھلے کئی گھنٹوں سے میں رس ونتی سے اسی وقت رابطہ قائم کرتا ہوں جب وہ چاہتی ہے اور جہاں چاہتی ہے وہاں میری سوچ کی لہروں کو پہنچا دیتی ہے لیکن وہ اتنی ہیرا پھیری کیوں کر رہی ہے؟

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میرا دعویٰ ہے کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ فرہاد پر بھروسا کرتی ہوں پھر ونستی بن کر اس سے کیوں چھپ رہی ہوں؟"

وہ قدرے مایوس ہو کر بولی "اس ہرجائی سے چھپ کر رہنا ہی بہتر ہے۔ میں اس کی سوچ کو ونستی کی طرف بھٹکاتی رہوں گی۔ پتہ نہیں اس بیچاری کی یادداشت کتنے عرصے کے لیے گم ہوگئی ہے یا نہیں۔ کون جانتا ہے۔ فرہاد ایک دن مایوس ہو جائے گا کہ ونستی کی یادداشت واپس نہیں آئے گی۔ پھر وہ اپنی دنیا میں گم ہو رہے گا۔ رفتہ رفتہ مجھے بھول جائے گا۔"

میں نے پوچھا "اگر وہ نہ بھولے۔ اگر ونستی کی یادداشت واپس آجائے تو؟"

اس کی سوچ نے کہا "تو فرہاد کو معلوم ہو جائے گا کہ [illegible] میں ہوں لیکن اس وقت تک میں خود کو مُردہ ثابت کر دوں گی۔ اپنے دماغ کے دروازے بند کر دوں گی۔ فرہاد کی سوچ [illegible] کبھی مجھے تلاش نہیں کر سکے گی۔"

میں نے کہا "میں ایک طویل عرصے سے جانتی ہوں کہ فرہاد [illegible] ہے۔ میں سینکڑوں بار اس سے دور رہنے کی کوشش کر چکی ہوں [illegible] کبھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ خود کو مُردہ ثابت کرنے کے بعد [illegible]

میں کامیاب ہو جاؤں گی۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "آہ! میں جانتی ہوں کہ میں فرہاد پر [illegible] ہوں۔ سونیا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ موت نے رُدمانہ سے چھین لیا۔ اب میں بھی اس کی دنیا سے گم ہو رہی ہوں۔ اس کی کتنی ہی محبوبائیں تھیں تو میں بھی تھی۔ اب کوئی نہیں ہے [illegible] نہیں رہوں گی۔"

"ہوں ہونہہ۔" اس کی سوچ نے کہا "وہ کبھی تنہا نہیں رہے گا [illegible] حسینوں کا میلہ رہے گا۔ ایک جائے گی تو دوسری آئے گی۔ [illegible] ہے کہ میں اب اس کی زندگی میں کبھی نہیں آؤں گی۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی وہ ہولے سے کسمسائی۔ چونکہ میں اس [illegible] میں تھا اس لیے میں اس کی جسمانی کیفیات کو سمجھ سکتا تھا۔ [illegible] محسوس کیا کہ کوئی اس کے بدن کو ہاتھ لگا رہا ہے۔ کیا کوئی [illegible] ت کا دشمن پہنچ گیا ہے؟"

[illegible] سمانی میری گود میں تھی۔ میں بے چینی سے کرسی پر سیدھا [illegible] رس ونتی اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ میں نے اس کے [illegible] فوراً ہی دوبارہ پہنچ کر اس کے لبوں کو حرکت دی۔ سخت [illegible] میں پوچھا "کون ہے؟ کون مجھے ہاتھ لگا رہا ہے؟"

کسی نے جواب نہیں دیا مگر میں رس ونتی کے اندر رہ کر محسوس [illegible] کسی نے اس کے ایک بازو کو سختی سے پکڑا ہے۔ کون ہے وہ؟

وہ جو کوئی بھی تھا، جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ پھر [illegible] نتی نے گہری نیند کے باوجود سسکاری لی۔ اس کے بازو [illegible] وئی چبھوئی گئی تھی۔ دوسرے ہی لمحہ اس کے دماغ کی اسکرین [illegible] لانٹ گیا۔ خواب مٹ گیا۔ اس کی کمزور سوچیں زخمی پرندے [illegible] پھڑپھڑا کر بے دم ہو گئیں۔

وہ جو کوئی بھی تھا۔ وہ رس ونتی کی عزت کا دشمن نہیں تھا۔ [illegible] ن کے ذریعے محض اس کے ذہن کو کُند بنا رہا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ [illegible] زت سلامت تھی مگر دماغی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ [illegible] دماغوں سے کھیلنے والی اپنے دماغ کو ہارتی جا رہی تھی۔

کاش! [illegible] وہ اپنی تباہی کی خود ذمہ دار تھی۔ اگر وہ مجھ سے دماغی کھیل [illegible] ہوئے خود کو ونستی ظاہر نہ کرتی۔ کم از کم مجھے اپنی اصلیت بتا دیتی [illegible] احتیاطاً اس کے آس پاس رہنے والوں کے خیالات پڑھ لیتا۔ پہلے [illegible] کی سازشوں سے واقف ہو جاتا۔ رس ونتی انگریزی سیکھ رہی تھی۔ سمجھ [illegible] روانی سے بولنے والوں کے لب و لہجہ کو ابھی گرفت میں نہیں لے [illegible] تھی۔ ان کی مخصوص محاوراتی زبان اس کے پلے نہیں پڑتی تھی۔ اس [illegible] سازش کا شکار ہو گئی۔

انجکشن کے بعد جب سے اس کا دماغ اندھیروں میں ڈوبا تھا تب سے میں بار بار اس کے دماغ تک پہنچتا تھا۔ اتنا سمجھ میں آتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ مگر دماغ سے ہوش و حواس کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ رشتہ کوئی سا بھی ہو، ٹوٹنے کے لئے ہوتا ہے۔ اگر انسان اسے نہ توڑے تو موت توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ تقریباً سولہ گھنٹے تک موت رس ونتی کو توڑ دینے کی کوشش کرتی رہی مگر وہ بڑی سخت جان تھی۔ پوری ایک رات گذارنے کے بعد صبح نو بجے اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ نقاہت سے آنکھیں کھولے دیدے گھما کر دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ لکڑیوں سے بنا ہوا چھوٹا سا کمرہ نظر آ رہا تھا جو نہایت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ وہ جس بستر پر لیٹی ہوئی تھی وہ بہت ہی آرام دہ تھا اور دائیں طرف کبھی اٹھ رہا تھا کبھی بائیں طرف جھک رہا تھا۔ جیسے کسی بچے کو جھولے میں جھلایا جا رہا ہو۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بحری جہاز کے کیبن میں ہے۔

وہ نہیں سمجھ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی مٹھی بند کر رہی تھی اور کھول رہی تھی۔ خود کو محسوس کر رہی تھی کہ اس کا کوئی وجود ہے مگر وہ کون ہے؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں افسوس کرنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ایک طرف ونستی دوسری طرف رس ونتی۔ دونوں ہی بہنیں اپنی یادداشت کھو چکی تھیں۔ باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا تھا۔ دو بہنوں کے درمیان جو لہو کا رشتہ تھا، وہ انہیں یاد نہیں آ سکتا تھا۔ وہ زندہ تھیں مگر ایک دوسرے کے لئے مر چکی تھیں۔

ایک نرس نے اسے ہوش میں آتے دیکھا تو فوراً ہی قریب آکر اس کی نبض دیکھنے لگی۔ پھر اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بولی "تھینکس گاڈ۔ تم آخر ہوش میں آگئیں۔ آرام سے لیٹی رہو۔ میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "دیکھو اٹھنا نہیں ...."

وہ کیبن سے باہر آکر ڈاکٹر کی طرف جانے لگی۔ میں بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ڈاکٹر جہاز کے میڈیکل چیمبر میں بیٹھا دو آدمیوں سے باتیں کر رہا تھا نرس نے آکر اطلاع دی "ڈاکٹر! کیبن نمبر دس کی مریضہ ہوش میں آگئی ہے۔"

ڈاکٹر کے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں شخص اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

ایک نے بے تابی سے کہا "جلدی چلیں ڈاکٹر! اب شاید وہ بتا سکے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟"

میں اس بے تابی سے بولنے والے کی کھوپڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ سب ڈاکٹر کے ساتھ تیزی سے چلتے ہوئے رس ونتی کے پاس جا رہے تھے۔ میں اس شخص کے دماغ کو کرید رہا تھا۔ وہ ماسک مین کی تنظیم کا ایک باس نکلا۔ اس باس کو پچھلی رات اطلاع ملی تھی کہ ایک ساڑھی والی کو ایک اسٹریچر پر لاد کر بحری جہاز میں پہنچایا گیا ہے۔ وہ جہاز ہانگ کانگ سے سوئز کنال تک جا رہا ہے۔ بحری جہاز کا کپتان اور ڈاکٹر بے ہوش مریضہ کو لے جانا نہیں چاہتے تھے لیکن ٹیلیفون کال کے ذریعہ کسی اہم شخصیت نے انہیں جہاز میں مریضہ کو قبول

کرنے پر مجبور کر دیا۔

ماسک مین تنظیم کے باس کو یہ رپورٹ ملی تو وہ اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر بحری جہاز تک پہنچ گیا۔ اگر وہ جہاز ساحل پر ہوتا تو وہ باس رس ونتی کو ہانگ کانگ واپس لے جاتا لیکن وہ جہاز سمندر میں بہت دور نکل آیا تھا۔ جہاز میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رس ونتی پر طویل بے ہوشی طاری ہے۔ باس نے کیبن نمبر دس میں پہنچ کر رس ونتی کے چہرے سے میک اپ کو صاف کیا تو اس کی اصلی صورت ظاہر ہو گئی۔ اب وہ تذبذب میں تھا کہ وہ رس ونتی ہے یا وسنتی؟

باس نے کیپٹن سے پوچھا "اس لڑکی کو یہاں پہنچانے والے کہاں گئے؟"

کیپٹن نے جواب دیا "چند قلی اس کا اسٹریچر اٹھا کر لائے تھے۔ اس لڑکی کے ساتھ ایک ہندوستانی آدمی بھی تھا۔ اس نے سفر کرنے کے لئے ٹکٹ خریدا ہوا تھا لیکن جہاز چلنے کے بعد علم ہوا کہ لڑکی تنہا رہ گئی ہے۔ وہ آدمی اسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

تنظیم کے باس نے بحری جہاز کا ٹکٹ دیکھا۔ اس ٹکٹ کے مطابق رس ونتی کو ہندوستان بھیجا جا رہا تھا۔ وہ تذبذب میں رہا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔ رس ونتی بے ہوش پڑی تھی۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ وہ کسی وقت بھی ہوش میں آ سکتی ہے۔ تنظیم کے باس نے ماسک مین تک یہ اطلاع پہنچائی۔ وہاں سے کہا گیا کہ یہ سپر ماسٹر کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا رس ونتی کے ہوش میں آنے کا انتظار کیا جائے۔ اگر اس کی دماغی حالت درست ہو گی تو اس کے ذریعہ بہت سی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔

سولہ گھنٹے کے بعد وہ ہوش میں آ گئی تھی۔ تنظیم کے باس اپنے باڈی گارڈ اور ڈاکٹر کے ساتھ اس کیبن میں پہنچ گیا تھا اور رس ونتی سے طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا اور جوابات سے مایوس ہو رہا تھا۔ آخر اس نے وہ تمام رپورٹ ماسک مین تک پہنچائی۔ وہ براہِ راست ماسک مین سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن میں وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔

ماسک مین کے خیالات کچھ اور تھے۔ اس کے منصوبہ کے مطابق جزیرے میں جو سازش کی گئی تھی یعنی رس ونتی کے کھانے پینے کی چیزوں میں جو دوا ملائی گئی تھی، وہ دماغ کے لئے اتنی نقصان دہ تھی کہ اس دوا کو استعمال کرنے والی رس ونتی (اصل میں وسنتی) کبھی اپنے آپ کو آئندہ نہیں پہچان سکتی تھی۔ یہ ماسک مین کی چال تھی۔ اسے یقین نہیں تھا کہ فرہاد مر چکا ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جائے گا۔ فی الحال ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی رس ونتی کے دماغ سے خیال خوانی کی صلاحیتوں کو ہمیشہ کے لئے مٹایا جا سکتا تھا تاکہ سپر ماسٹر اسے اپنے مفاد کے لئے استعمال نہ کر سکے چنانچہ وہ رس ونتی (یعنی وسنتی) اس سازش کا شکار ہو کر اپنی یادداشت کھو چکی تھی۔

اب ماسک مین یقین کی حد تک یہ سوچ رہا تھا کہ بحری جہاز میں جو لڑکی لائی گئی ہے وہ وسنتی ہے۔ سپر ماسٹر نے انہیں فریب دینے کے لئے وہی چال چلی ہے جس طرح ماسک مین نے اُدھر ایک بہن کی یادداشت مٹا دی۔ اسی طرح سپر ماسٹر نے دوسری بہن کی یادداشت مٹا کر اسے بحری جہاز میں لاوارث چھوڑ دیا ہے تاکہ دوسرے لوگ اس معمہ کو حل کرتے رہیں کہ جہاز میں پائی جانے والی لڑکی وسنتی ہے یا رس ونتی؟

ماسک مین نے اپنی تنظیم کے باس کو حکم دیا کہ وہ رس ونتی کے ساتھ بحری جہاز میں سفر کرے اور ہندوستان میں جو ان کی تنظیم ہے وہاں پہنچ کر رس ونتی کو وہاں کے باس کے حوالے کر دے۔ اس طرح وہ سپر ماسٹر پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ لوگ احمق بن رہے ہیں اور بحری جہاز میں چھوڑی ہوئی لڑکی کا معمہ حل کر رہے ہیں۔

یوں دیکھا جائے تو میری داستان سے ٹیلی پیتھی جاننے والی رس ونتی کا باب ختم ہو رہا تھا۔ دنیا کی دو خطرناک تنظیموں کو اب رس ونتی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی لیکن میرا رشتہ میری دلچسپی بہرحال قائم تھی۔ اسے لاوارث کی طرح چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ ایسی بے یاری و مددگاری میں ہی اس کا یار اور مددگار تھا۔ مگر اب میری داستان میں وہ حسین دلنشین ہو گی لیکن ٹیلی پیتھی سے خالی ہو گی۔

✿

ژنگورا۔ را کے چہرے سے پٹیاں کھل گئی تھیں۔

وہ بڑی حیرانی سے آئینہ کو دیکھ رہا تھا اور خود کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ پہلے بھی سیاہ فام تھا، اب بھی وہ صورت سے ہی نظر آ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بھی وہی تھیں۔ وہ آنکھیں ایسی تھیں کہ اس کے مزاج کے ساتھ ساتھ تیور بدلتی تھیں۔ کالی رات میں کالا چہرہ چھپ جاتا تھا۔ صرف سفید دانت چمکتے اور سفید ڈیلے کسی بھوت کی طرح گھورتے دکھائی دیتے تھے۔ کمزور دل کے لوگ دیکھ کر گھبرا جاتے تھے۔

وہ آئینہ کے سامنے اپنے چہرے کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہا تھا۔ پہلے اس کی ناک چپٹی اور پھیلی ہوئی تھی، اب اونچی ہو گئی تھی جس سے نتھنوں کا پھیلاؤ کم نظر آتا تھا۔ پہلے موٹے موٹے ہونٹ بہت لٹکے ہوئے سے تھے، اب وہ اپنی جگہ بڑی خوبصورتی سے تراشے ہوئے تھے۔ پھیلے ہوئے جبڑے چہرے کی ہڈیوں کی مناسبت سے موزوں ہو گئے۔ وہ اب بھی کالا تھا مگر حبشی کم لگتا تھا، سیکسی زیادہ نظر آتا تھا۔ سب ہی لوگ گوری چمڑی والیوں پر جان دیتے ہیں۔ جنس زدہ اور جذباتی عورتیں کالے رنگ اور سفاک چہروں پر ... ژنگورا۔ را پہلے ہی سفاک تھا۔ اب ڈاکٹر ہوما گاچی نے اس میں بڑی جنسی کشش پیدا کر دی تھی۔ اس کے نئے چہرے کو دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ اس کے روبرو آتے ہی دل والیوں کے سینے دھڑکنے لگا کریں گے۔

وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر خوشی سے کھل رہا تھا پھر وہ پلٹ کر میرے سامنے آیا۔ اس کے بعد گھٹنے ٹیک کر بولا "آقا۔ آپ کا غلام کیا لگ رہا ہے؟"

میں نے تعریف کی "بہت خوبصورت۔ کسی افریقی فلم کے ہیرو لگ رہے ہو۔ یہ جو تم بار بار خود کو غلام کہتے ہو تو بہتر ہے کہ آج سے تمہارا نام ہی غلام رہے۔ ژنگورا۔ را جیسا نام تمہارے پچھلے آقاؤں کو شبہات میں مبتلا کرے گا۔"

ڈاکٹر ہوما گاچی تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بیچارہ چودہ ہفتوں سے اپنے بنگلے میں قیدی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اور اب مرنے کی حد تک بیزار ہو گیا تھا۔ میں نے پوچھا "کیوں ڈاکٹر! اس غلام کا نام غلام کیسا رہے گا؟"

وہ جھنجھلا کر بولا "اس کا نام غلام رہے یا کالا شیطان۔ مجھے کیا لینا ہے؟ خدا کے لئے اب تو آپ مجھے آزاد کر دیں۔"

"ڈاکٹر! تم نے کہا تھا کہ غلام کا نیا چہرہ مکمل ہوتے ہی تم ایک دن میں اس کا انٹرنیشنل پاسپورٹ بنوا دو گے۔ تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ میں کل تمہیں ہمیشہ کے لئے آزاد کر دوں گا۔"

"کل میں آزاد ہو جاؤں گا۔" وہ آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا "اوہ خدایا۔ میں تین ماہ دو ہفتے، یعنی چودہ ہفتوں سے یہاں قید ہوں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ کل میں آزاد ہو جاؤں گا۔"

"بڑبڑانے میں وقت ضائع کرو گے تو آزادی کا کل کبھی نہیں آئے گا۔"

وہ بولا "مسٹر فرہاد! آپ نے مجھے یہاں ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا۔ آپ نے میری تجوری خالی کر دی۔ میں کیسے یقین کروں کہ آپ مجھے زندہ چھوڑ کر جائیں گے؟"

"یقین نہ کرنے کی وجہ بتاؤ؟"

"آپ سوچیں گے کہ مجھے زندہ چھوڑ کر جانے سے میں لاکھوں ڈالر کے ہیروں کی چوری کی رپورٹ درج کراؤں گا۔"

میں نے جواب دیا "تم کبھی چوری کی رپورٹ درج نہیں کراؤ گے کیونکہ وہ اسمگل کئے ہوئے ہیرے تھے۔"

وہ کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے، آپ ٹھیک سمجھ رہے ہیں۔ مگر میں آپ کے اس نئے چہرے، نئے بہروپ کا راز دار ہوں۔ آپ کے دل میں یہ اندیشہ رہے گا کہ میں یہ راز دوسروں کو بتا دوں گا۔"

"نہیں بتا سکو گے۔ میں یہاں سے جانے کے بعد بھی تمہارے دماغ میں موجود رہوں گا۔ تمہیں بھی اپنی سلامتی عزیز ہے۔ تمہیں بھی اتنی عقل ہے کہ کبھی مجھے غافل پا کر کسی کے سامنے میرا راز اگلو گے تو وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

"نہیں، میری زبان تک یہ راز کبھی نہیں آئے گا۔"

"تو پھر اٹھو، غلام کے ساتھ شہر جاؤ۔ پاسپورٹ وغیرہ کے لئے اس کی تصویریں اتر واؤ۔ تمام کاغذات پر اس کا نام غلام احمد رہے گا۔ اس بنگلہ سے نکلنے کے بعد یہ یاد رکھنا کہ جب تک تم یہ کاغذات مکمل کر کے واپس نہیں آؤ گے میں تمہارے دماغ میں موجود رہوں گا۔ تمہاری ذرا سی چالاکی تمہاری جان کی دشمن بن جائے گی۔"

وہ چپ چاپ سر جھکا کر غلام کے ساتھ بنگلہ سے باہر گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد اس نے گیراج کھول کر اپنی کار نکالی۔ غلام نے اس کی صفائی کی۔ ڈاکٹر نے اس کے انجن کو چیک کیا۔ پھر وہ دونوں کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں کھڑکی کی طرف سے پلٹ آیا۔ سامی بنگلے کے اندر اِدھر سے اُدھر بھاگ پھر رہی تھی۔ میں ایک ایزی چیئر پر بیٹھ کر ڈاکٹر کی نگرانی کرنے لگا۔

تین ماہ دو ہفتے کچھ کم نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر کی طرح میں بھی وہاں رہتے رہتے بیزار ہو گیا تھا۔ ہوما گاچی کے کسی عزیز اور شناسا کو اس بنگلے کا علم نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر کی بیوی بھی نہیں جانتی تھی کہ اس بنگلے کو ڈاکٹر نے کرائے پر حاصل کیا ہے۔ بنگلے کا مالک بھی ڈاکٹر کو کرایہ دار کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ ہوما گاچی کے سیکرٹری نے اسے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ ایک فرضی کرایہ دار کا نام لکھا گیا تھا۔ کیونکہ ہوما گاچی پلاسٹک سرجری میں عالمی شہرت کا مالک تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک عیاش ڈاکٹر سمجھا جائے۔ بدنامی سے دور رہنے کے لئے اس نے اپنے سیکرٹری کو اپنا راز دار بنا لیا تھا۔

ڈاکٹر ہوما گاچی کی بیوی یا پولیس والے اس سیکرٹری کے ذریعہ ہی بنگلہ تک پہنچ سکتے تھے۔ اب سیکرٹری کا قصہ یہ تھا کہ ڈاکٹر نے اسے دو ماہ بعد واپس آنے کو کہا تھا۔ دو ماہ کے بعد سیکرٹری نے مزید ایک ہفتہ اس کا انتظار کیا، جب ڈاکٹر واپس نہیں آیا، اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تو اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے اس کی بیوی سے ملے گا۔ وہ بھی اس کی گمشدگی سے پریشان تھی۔ لیکن اس بنگلہ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس سے پہلے کہ سیکرٹری معلومات کا ذریعہ بنتا میں نے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔

ڈاکٹر ہوما گاچی اس وقت غلام کے ساتھ شہر جاتے ہوئے بڑی پریشانی سے سوچ رہا تھا "اتنا عرصہ ہو گیا ہے، میرے سیکرٹری نے میری خبر نہیں لی۔ وہ تو میرا وفادار اور راز دار ملازم ہے، وہ مجھ سے غافل نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ کہاں مر گیا ہے؟ کیا فرہاد نے اسے مار ڈالا ہے؟"

ڈاکٹر اس سے پہلے اسی انداز میں سوچتا رہا تھا اور میں اس کی سوچ کے ذریعہ اسے مطمئن کرتا رہا تھا کہ اس کا سیکرٹری زندہ ہے۔ اور فرہاد نے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ اس کا راستہ روک رکھا ہے۔ ڈاکٹر

اپنے سیکرٹری کے سلسلے میں میرے خلاف زیادہ نہیں سوچتا تھا۔ اسے فوراً ہی خیال آجاتا تھا کہ میں اس کے دماغ میں موجود رہتا ہوں وہ جسمانی اور دماغی طور پر قیدی بن کر رہا تھا۔ دہشت، فکر اور پریشانی ایسی تھی کہ چہرے سے بیمار نظر آنے لگا تھا۔ بظاہر بڑا بے چارہ سا لگتا تھا۔ اگر میرے خلاف ذرا سی بھی سوچنے کی گنجائش ہوتی تو سب سے پہلے میرے قتل کا منصوبہ بنا ڈالتا۔

بہرحال وہ خیال خوانی کی مٹھی سے نکل نہیں سکتا تھا۔ اس کی طرف سے کسی سازش کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس دوران فاروق احمد سے کافی ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ بڑا گہرا دوست بن گیا تھا۔ وہ ذاتی طور پر مختلف سفارتخانوں سے رابطہ قائم کر کے میرے لئے بنکاک سے پاکستان تک جانے کا اجازت نامہ حاصل کر چکا تھا۔ اب میں گشتی گاڑی میں خشکی کے راستے سفر کر سکتا تھا۔

اور میری وہ گشتی گاڑی تو دیکھنے کی چیز بن گئی تھی۔ اس گاڑی کے دو حصے تھے۔ اگلا حصہ ڈرائیونگ کیبن کہلاتا تھا۔ اس کیبن میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی کو چلایا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ [illegible] کیبن کہلاتا تھا وہ رہائش کے لیے مخصوص تھا۔ اس کا اندرونی حصہ ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کی طرح سجا ہوا تھا۔ دروازے اور کھڑکیوں پر ہلکے آسمانی رنگ کے پردے لگائے گئے تھے۔ فوم کا ایک ملائم لچکدار بستر تھا۔ اس پر سونے والے ہر کروٹ میں لچک لچک جاتے تھے۔ اس بستر کو فولڈ کرنے کے بعد دو صوفہ بن جاتا تھا۔ بیٹری سے آن ہونے والے ٹی وی، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ تھے۔ اس کیبن کے فرش پر بڑا ہی خوبصورت اور دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ سفر کی صعوبتوں کے دوران وہاں گھر کا مکمل آرام مل سکتا تھا۔

گشتی گاڑی کے باہر ڈرائیونگ کیبن کا رنگ سفید اور ٹریلر کیبن کا رنگ نارنجی تھا۔ دور سے وہ گاڑی خطرے کا نشان نظر آتی تھی۔ چھت کے اگلے حصہ پر ایک انٹینا لگا ہوا تھا۔ اوپر کیریئر پر گاڑی کے فاضل [illegible] ضروری پرزے، مرمت کرنے کے آلات، کدال، بیلچہ دو کلہاڑیاں اور دوسرے ضروری سامان رکھے ہوئے تھے۔ اسٹور میں کھانے پینے کا سامان اسٹاک کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ گھر اور سفر کی ضروریات کی ہر چیز موجود تھی۔

کاغذات گاڑی کے مکمل ہو چکے تھے، لائسنس حاصل ہو چکا تھا۔ شہر کے باہر ہائی وے کے چیک پوسٹ کے دفتر کے سامنے ہماری وہ گشتی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ سفر کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ صرف غلام کا پاسپورٹ حاصل کرنا باقی رہ گیا تھا۔ رشوت کہاں نہیں چلتی؟ دنیا کے جس حصہ میں بھی دولت کا حصول ایمان بن گیا ہو۔ وہاں رشوت کا لین دین ہوتا ہے۔ بنکاک بھی ایک ایسا شہر ہے، جہاں رقم کے ذریعہ ایک دن میں انٹرنیشنل پاسپورٹ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

غلام کا پاسپورٹ دوسرے دن شام کو مل گیا۔

رات کو کھانے کے دوران ڈاکٹر ہوما گاچی نے پوچھا "مسٹر فرہاد! سب ہی کام ہو چکا ہے، اب آپ کب جائیں گے؟"

"کل صبح سورج نکلنے سے پہلے ہم روانہ ہو جائیں گے۔ میں تمہارا بےحد مشکور ہوں کہ تم نے مجھے اور غلام کو قابل [illegible] ہمارے مسائل حل کر دیئے ہیں۔"

وہ جبراً مسکرا کر بولا "یہ تو میرا فرض تھا [illegible] پورا کر دیا۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جو حالات کے جوتے کھا کر فرض ادا کرتے ہیں۔"

وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ کھانے کے بعد غلام میری خاموش [illegible] کے مطابق تیزاب کی بوتل لے کر باہر گیا۔ پھر گیراج سے کار [illegible] لگا۔ میں نے ڈاکٹر کے دماغ پر قبضہ جما لیا، اسے کٹھ پتلی بنا لیا۔ وہ بنگلہ سے نکل کر باہر گیا۔ پھر کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ غلام نے کار اسٹارٹ کی۔ بنگلہ سے نکلا، پھر کار کی رفتار بڑھاتا ہوا سمندر کے ساحل کی طرف جانے لگا۔

اس نے پوچھا "آقا! کیا خیال ہے؟ سمندر کے کنارے کنارے اس ڈاکٹر کو لے جاؤں، وہاں ویرانی ہے۔ کوئی نہیں دیکھے گا۔"

میں نے ڈاکٹر کی زبان سے کہا "ٹھیک ہے ابھی طرف [illegible] میرا حساب کتاب ایسی ہی جگہ ہونا چاہئے۔"

غلام نے خوش ہو کر کہا "آج صبح سے میرے ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی تھی۔ ایک عرصہ سے میں نے کسی کا گلا نہیں دبایا تھا۔ میری یہ آرزو پوری ہو گی۔ یہ تیزاب کی بوتل کس کام آئے گی؟"

ڈاکٹر نے کہا "میرا گلا گھونٹنے کے بعد تیزاب سے میرا [illegible] بگاڑ دینا۔ تاکہ کوئی مجھے ڈاکٹر ہوما گاچی کی حیثیت سے پہچان [illegible] ٹیلی پیتھی ایک ایسا ہتھیار بھی ہے، جس کے سامنے مجرم [illegible] سزا خود اپنی زبان سے سناتے ہیں۔ وہ کار [illegible] دیران ساحل پر پہنچ کر رک گئی۔ ڈاکٹر دروازہ کھول کر کار [illegible] میں نے اس کے دماغ کو آزاد کر دیا۔ وہ ایک دم سے گھبرا کر [illegible] دیکھتا ہوا ریت پر لڑکھڑا کر گر پڑا۔

"میں — میں تو اپنے بنگلے میں تھا ... میں یہاں [illegible] پہنچ گیا؟"

پھر اس کے دماغ نے کہا "میں سمجھ گیا ... یہ [illegible] بدمعاشی ہے۔"

وہ سہم کر غلام کو دیکھنے لگا۔ رات اندھیری تھی [illegible] محسوس ہو رہا تھا۔ آسمان پر ستارے مسکرا رہے تھے۔ ان ستاروں کی روشنی میں غلام ایک دیوہیکل بھوت نظر آ رہا تھا۔ اس کے سارے وجود میں صرف دو دیدے اور دانت چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے جیسے موت اپنے کالے وجود سے جھانک رہی ہو۔

وہ ریت پر گرا ہوا تھا۔ خوف و دہشت سے اٹھنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ ریت پر پیچھے کی طرف گھسٹتے ہوئے بولا "کیا مجھے مارنا چاہتے ہو۔ میں نے تم لوگوں کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی، جو بولتے رہے وہ کرتا رہا۔ اب بھی ایک ادنیٰ خادم بن کر رہوں گا مسٹر فرہاد! آپ مجھے جوتا بنا کر پہن لیں مگر زندہ رکھیں۔"

میں نے غلام کی زبان سے کہا "ڈاکٹر! بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل لیتی ہے۔ بڑی طاقت چھوٹی طاقت کو کچل دیتی ہے۔ یاد کرو اب سے لگ بھگ پانچ ماہ پہلے تم شہناز کی عزت سے کھیلنا چاہتے تھے۔ تم نے اسے عام عورتوں کی طرح احمق اور کمزور سمجھا تھا لیکن شہناز تم سے زیادہ چالاک اور شہ زور ثابت ہوئی۔ تمہاری تجوری کا مال سمیٹ کر فرار ہو گئی۔"

ڈاکٹر لرزتے ہوئے اٹھنے لگا میں نے کہا "تم اتنے کمینے ہو کہ تم نے شہناز کی سزا اس کے شوہر طارق محمود کو دی۔ وہ بے چارہ زخموں سے چور تمہارے رحم و کرم پر پڑا تھا جیسے آج تم میرے رحم و کرم پر ہو۔"

"تم — مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ بہت عظیم ہیں۔ مجھ پر تھوک کر مجھے معاف کر دیجئے۔"

"کیا تم نے بے گناہ طارق محمود کو معاف کیا تھا؟ تمہیں شہناز نے لوٹا تھا۔ اور تم نے اس کے شوہر کا گلا گھونٹ کر مار دیا تھا۔ کیا تم نے میرے چہرے پر طارق کا چہرہ بناتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ کبھی وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے۔ وہی طارق فرہاد کے روپ میں زندہ ہو رہا ہے اور وہ بھی تمہارا گلا اسی طرح گھونٹ دے گا۔ کیا تم نے یہ نہیں سوچا تھا؟"

ہوما گاچی پلٹ کر بھاگنے لگا لیکن بھاگ کر کہاں جا سکتا تھا غلام افریقی جنگلوں کا شہزادہ تھا۔ ایک چیتے کی طرح پھر تیلا۔ اس نے چھلانگ لگا کر اسے دبوچ لیا۔ پُرخطر جنگلات میں پلنے والا یہ فن جانتا تھا کہ شکار کو کس طرح دبوچا جاتا ہے؟ اس طرح کہ اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔ البتہ سمندر کی لہریں سر پٹخ پٹخ کر شور مچا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد غلام کار ڈرائیو کرتا ہوا واپس آ رہا تھا۔ تقریباً چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سامنے دور سے ایک ٹرک آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے کہا۔

"غلام! اپنی کار اس ٹرک سے ٹکرا دو۔ لیکن اس طرح کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

اس نے کہا "آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔ ابھی لیجئے۔"

اس نے دائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ کو سنبھالا۔ بائیں ہاتھ سے دروازے کو ذرا سا کھولتا ہوا تھامے رکھا۔ اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ ٹرک تیز رفتاری سے اپنی سائیڈ پر آ رہا تھا اور تاکیدی ہارن دے رہا تھا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ حادثہ کا امکان نہیں تھا کیونکہ دونوں اپنی اپنی سائیڈ پر ڈرائیو کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کراس کر کے نکلنے والے تھے۔ تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر غلام نے کار کے اسٹیرنگ کو ٹرک کی سمت موڑتے ہی دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔

ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ غلام سڑک کے کنارے گرنے کے بعد تھوڑی دور تک لڑھکتا گیا۔ پھر اٹھ کر دوڑ لگانے لگا۔ وہ جائے حادثہ سے بہت دور ہوتا جا رہا تھا۔

⁂

ہماری گشتی گاڑی کی باقاعدہ چیکنگ ہو چکی تھی۔ ویسے بھی وہ تین دنوں سے چیک پوسٹ کے دفتر کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے وہاں کے افسر کو گاڑی کی چابی دے دی تھی تاکہ وہ جب چاہے اطمینان سے چیک کرتا رہے۔ روانگی کے وقت فاروق احمد میرے ساتھ تھا۔ ہم اسی کی کار میں بیٹھ کر ہائی وے کے چیک پوسٹ تک آئے تھے۔

سامی اکثر میری گود میں رہتی تھی۔ ایک بار فاروق احمد نے پچکار کر اسے اپنی گود میں بلایا تو اس نے "میاؤں" کہہ کر منہ پھیر لیا۔ کم بخت میرے سوا کسی کا سایہ تک برداشت نہیں کرتی تھی۔ جب ہم فاروق احمد کی کار سے باہر آئے تو وہ میرے بازوؤں میں تھی اور غلام کے ہاتھوں میں میرا بریف کیس تھا جس کے چور خانہ میں اندازاً آٹھ لاکھ ڈالر کے ہیرے چھپے ہوئے تھے۔ اگرچہ چیک پوسٹ کے افسر سے اچھی واقفیت ہو چکی تھی۔ مگر وہ بڑا ہی فرض شناس تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بریف کیس کو کھول کر ضرور دیکھے گا۔

غلام میری ہدایت کے مطابق بریف کیس لے کر اس افسر کے دفتر کی طرف جانے لگا۔ میں نے فاروق احمد سے کہا "میرے بریف کیس میں پانچ ہزار ڈالر ہیں۔ شاید وہ افسر تھائی لینڈ سے باہر اتنی بڑی رقم لے جانے نہیں دے گا۔"

فاروق احمد نے کہا "میں جا کر کوشش کرتا ہوں۔ شاید وہ آپ کو اجازت دے دے۔"

وہ بھی دفتر کی طرف چلا گیا۔ میں یہی چاہتا تھا۔ اس کے جاتے ہی تنہائی نصیب ہوئی تو میں اس افسر کے ذہن میں پہنچ گیا۔ غلام بریف کیس کو اس کی میز پر رکھ کر ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ افسر چائے پینے اور کسی محترمہ سے گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔ فاروق احمد نے وہاں پہنچ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی صرف ایک بریف کیس کی چیکنگ رہ گئی ہے۔ جلدی سے چھٹی کر دو۔ میرے دوستوں کو لمبے سفر پہ جانا ہے۔"

افسر نے بریف کیس کو کھسکا کر اپنے سامنے رکھا۔ پھر اسے کھول

کر دیکھنے لگا۔ اوپر میرے ضروری کاغذات رکھے ہوئے تھے میرے اور غلام کے پاسپورٹ وغیرہ بھی تھے۔ وہ نوٹوں کی گڈیاں اٹھاتے ہوئے بولا" یہ کتنے ہیں؟"

غلام نے جواب دیا" پانچ ہزار"

افسر نے غلام کو دیکھا۔ پھر فاروق احمد سے کہا" یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں قانوناً دو ہزار سے زیادہ کی اجازت نہیں دوں گا"

" آپ چاہیں تو چھوٹ دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ یہاں سے لے کر پاکستان تک ایک طویل سفر کریں گے۔ اس لحاظ سے تو یہ رقم بھی تھوڑی ہے"

ان کے درمیان تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اگر وہ افسر رشوت خور ہوتا تو مان جاتا۔ فاروق احمد اسے قائل نہ کر سکا۔ افسر نے تین ہزار ڈالر سرکاری کھاتے میں لکھ دیئے، ہمیں صرف دو ہزار ڈالر لے جانے کی اجازت دی۔ پھر اس نے بریف کیس سے تمام سامان نکال کر خالی کیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ایسے وقت اس کا دماغ پوری طرح میری مٹھی میں تھا میں نے اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ بریف کیس کی تہہ کے نیچے ایک اور تہہ ہے۔ اس نے اچھی طرح کھنگال کر اسے میز پر رکھ دیا۔ غلام آگے بڑھ کر اپنا تمام سامان سمیٹ کر بریف کیس میں رکھنے لگا۔

میں چاہتا تو اپنے تین ہزار ڈالر بھی بچا لیتا۔ لیکن وہ جتنی رقم دیکھ چکا تھا اس کے متعلق وہ بعد میں ضرور سوچتا۔ چونکہ اس نے چور خانہ میں چھپے ہوئے ہیرے نہیں دیکھے تھے، اس لئے ان کے متعلق سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ افسر نے اپنا فرض ادا کرنے کے بعد مجھ سے ملاقات کی۔ بڑی خوش اخلاقی سے چائے پلائی۔ وہ بڑا اصول پسند تھا اپنا فرض ادا کرنے کے بعد اخلاقیات کا مظاہرہ کرتا تھا۔

صبح ۹ بجے فاروق احمد وغیرہ سے ہم نے مصافحہ کرنے کے بعد سفر کا آغاز کیا۔ میں ڈرائیونگ کیبن میں آ کر بیٹھ گیا۔ غلام نے کہا" آقا! یہ کام میرا ہے۔ آپ آرام سے سفر کریں، میں گاڑی چلاؤں گا"

میں نے کہا" ہم دونوں ہی باری باری ڈرائیو کریں گے اور باری باری آرام کریں گے۔ ابھی تم ٹریلر کیبن میں آرام کر سکتے ہو"

وہ آرام کرنے کے بجائے میرے برابر بیٹھ گیا۔ سامی اس کی گود میں چلی گئی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر گاڑی اسٹارٹ کی اور ہمارے سفر کا آغاز ہو گیا۔

وہاں کا موسم عجیب تھا۔ دن بہت گرم تھا، رات بہت سرد رہتی تھی۔ دو گھنٹے بعد غلام نے میری جگہ لے لی۔ میں سامی کو لے کر ٹریلر کیبن میں چلا گیا۔ دھوپ اچھی خاصی تیز ہو گئی تھی، میں نے پردے ہٹا کر کھڑکیوں کے پٹ کھول دیئے تاکہ تازہ ہوا ملتی رہے۔ پھر میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ بڑا آرام دہ کیبن تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے اپنا ایک گھر بنا لیا ہے۔ ایسا گھر جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے میرے پاؤں تلے سے ہر ملک اور ہر شہر کی زمین کھسکتی رہی ویسا ہی میں نے ایک کھسکتا ہوا مکان بنا لیا تھا۔

میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ میرا مکان آگے جا رہا تھا مناظر پیچھے گزرتے جا رہے تھے۔ ہم ساحلی راستہ پر شمال کی سمت سفر کر رہے تھے۔ ہمارے ایک طرف سمندر تھا۔ کبھی کبھی سمندر نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ پھر وہ راستہ گھوم پھر کر اسی سمندر کے قریب سے گزرنے لگتا تھا۔ میں نے آہستہ سے اٹھ کر چولہے ہانڈی کا کام سنبھال لیا۔ خانہ بدوشی میں یہ کام بھی مجھے کرنا پڑا۔ راستے میں کوئی ایسا ہوٹل نظر نہیں آیا جہاں ہم کچھ کھا پی کر گزارہ کر لیتے۔ دو بجے گاڑی روک دی۔ کھانے کا وقفہ تھا۔ غلام نے میرے ہاتھ کا کھاتے وقت ایسا منہ بنایا جیسے زبردستی حلق سے لقمہ اتار رہا ہو۔ اس نے عاجزی سے کہا۔

" آقا! کھانا پکانا اور آپ کی ہر طرح خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ آئندہ میں پکایا کروں گا"

شام ہوتے ہوتے ہم ٹادے نام کی ایک بستی میں پہنچ گئے۔ رات کا اندھیرا پھیلنے والا تھا اور اب سفر کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے وہ رات ہم نے ٹادے میں گزاری۔ بستی کے مرد، عورتیں اور بچے ہمیں دیکھنے آ رہے تھے۔ ان کے جسموں پر برائے نام لباس تھا۔ تھے۔ مرد عورتوں نے کپڑوں کی دھجیاں کمر سے نیچے باندھ رکھی تھیں۔ بوڑھی یا ادھیڑ عمر کی عورتوں کے سینے ننگے تھے۔ جوان لڑکیاں بالشت دو بالشت کے کمبریا درختوں کے پتوں سے جوانی کی بلندیوں اور غریبی کی پستی کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ میں نے بنکاک کا وہ شہر دیکھا جہاں اتنی دولت تھی کہ کتوں کو بھی کھانا مل جاتا تھا اور یہ اتنی غریب کی یہ بستی تھی جہاں انسان کتوں سے بدتر زندگی گزار رہے تھے۔

ہم بستی والوں کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے اور نہ ہی وہ ہماری سمجھ رہے تھے۔ ہماری سمجھ میں یہ آیا کہ ہپیوں کی جماعتیں اس بستی سے اکثر گزرتی رہتی تھیں اور بستی کے ننگے بھوکے لوگ ان سے کھانے کی چیزیں مانگتے رہتے تھے۔ میں نے سفر کا آغاز کرتے وقت سوچا تھا کہ میں ایسے لوگوں کی ضروریات پوری کر سکتا ہوں۔ گشتی گاڑی کے اسٹور روم میں کھانے پینے کا جتنا سامان تھا۔ اس کا آدھا حصہ میں نے ان لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ مگر ضرورت مند پھر بھی رہ گئے۔ لڑکیوں کی حرکتوں سے ظاہر ہوا کہ وہ کھانے کپڑے کے عوض ساتھ رات گزار سکتی ہیں لیکن میں نے یہ سودا نہیں کیا۔

بستی میں ایک بنیے کی دکان تھی۔ وہ لوٹی چھوٹی انگریزی بولتا تھا۔ میں نے اس کی دکان پر پہنچ کر نوٹوں کی ایک چھوٹی سی گڈی

دکھاتے ہوئے کہا" تم لوگوں میں راشن تقسیم کرتے رہو اور مجھ سے رقم لیتے رہو۔ آج میری جیب اور تمہاری دکان دونوں کو خالی ہونا چاہئے"

بستی میں جیسے عید اور شب برات آ گئی، مرد، عورتیں اور بچے سب ہی ہنستے بولتے نظر آ رہے تھے۔ وہ سب میرے پاس آ کر ہاتھ جوڑ کر سلام کرتے تھے۔ پھر راشن لینے کے لئے قطار میں کھڑے ہو جاتے تھے دکان والا بنیا بہت کنجوس تھا، مجھ سے بولا" اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ جیسا کوئی دیالو (ہمدرد) مسافر یہاں سے گزرے گا تو میں اور زیادہ راشن اسٹاک کر لیتا۔ شہر سے کپڑے بھی خرید کر لے آتا۔ یہاں کپڑے کی دکان نہیں ہے۔ بھوکے رہنے والے بھلا کپڑے کیا خریدیں گے"

میں نے کہا" تمہارے گھر میں جتنے کپڑے ہیں، ان میں سے اپنی ضرورت کے لئے صرف ایک ایک جوڑا رکھ کر تمام نئے پرانے لباس لے آؤ" مجھ سے منہ مانگی قیمت مل رہی تھی۔ اس لئے وہ بستر کی چادریں اور تکیے کے غلاف بھی لے آیا۔ بستی کا سردار بھی اچھی خوشحال زندگی گزارتا تھا۔ میں نے اس کے گھر سے بھی کپڑے خرید لئے۔ میرے اور غلام کے کئی جوڑے، گشتی گاڑی کی کھڑکیوں، دروازوں کے پردے اور بستر کی چادریں بھی آ گئیں۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس رات مجھے کیسی ایمان افروز مسرتیں حاصل ہو رہی تھیں۔ ٹیلی پیتھی کی مصروفیات نے مجھے دکھ کے سوا کچھ نہیں دیا تھا۔ اس رات کی مصروفیات سے مجھے سچی اور کھری خوشیاں نصیب ہو رہی تھیں۔

یوں تو تمام گھروں میں اندھیرا رہا کرتا تھا مگر اس رات کتنے ہی گھروں سے جلتی ہوئی مشعلیں باہر آئیں مشعل بردار مرد اور عورتوں نے ہماری گشتی گاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کچھ لوگوں نے لکڑی کے تختے بچھا کر اونچی سی مسند بنائی، اس پر سبز پتے بچھائے میں گشتی گاڑی کے باہر غلام کے ساتھ کھڑا ہوا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا اچانک رات کی خاموشی جھنجھنا اٹھی۔ درختوں کے سائے میں رکھے ہوئے بڑے بڑے ڈھول بج رہے تھے۔ ایک منٹ کے بعد ہی بہت سی سریلی آوازیں فضا میں لہراتی ہوئی کانوں میں رس گھولنے لگیں۔ ہم نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایسا لگا جیسے تاروں بھرے آسمان سے آوازوں کا رس ٹپک رہا ہے۔ پھر چاروں طرف درختوں کے پیچھے سے کتنی ہی کنواریاں ٹھنکتے جگاتی ہوئی نمودار ہوئیں۔ آج انہیں کسی حد تک تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے ملے تھے۔ ان کے گلے میں رنگ برنگے پھولوں کے ہار تھے، ہاتھوں میں گجرے اور کانوں میں ننھے پھولوں کی بالیاں تھیں۔ وہ ایک آواز میں گاتی گنگناتی ہوئی ہمارے قریب آئیں۔ مجھے اور غلام کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دو حسین لڑکیوں نے میرے ہاتھ تھام لئے دو نے غلام کو پکڑ لیا۔ وہ خوشی سے کھل گیا تھا۔ سیاہ چہرے پر سفید بتیسی بہار دکھا رہی تھی۔

وہ لڑکیاں رقص کے انداز میں آگے بڑھتی ہوئی ہمیں اپنے ساتھ آگے بڑھاتی ہوئی مسند تک لے گئیں۔ بستی کے سردار نے مجھے مسند پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، میں وہاں بیٹھ گیا۔ میں نے اور رس وتی نے ایک علیحدہ مملکت کا منصوبہ بنایا تھا۔ اگر وہ مملکت قائم ہو جاتی اور میں اپنے شاہی دربار میں تختِ طاؤس لا کر اس پر بیٹھ جاتا تب بھی مجھے وہ عزت، مرتبہ اور شاہانہ عظمت نصیب نہ ہوتی جو اس گھاس پھوس کے تخت پر نصیب ہو رہی تھی۔ اس لمحہ گیان حاصل ہوا کہ دنیا ایک چھوٹی اور حقیر سی چیز ہے۔ اس دنیا کو کتنے ہی حکمراں فتح کرتے آئے ہیں۔ انسانوں کے دلوں کو جیتنا اور ان پر حکومت سب سے بڑا کمال ہے۔ اس مسند پر پہنچ کر میں اس کمال کو پہنچا تھا۔ اس لمحہ میرا یہ فخر بجا تھا کہ میں نے انسانوں کے دلوں کو فتح کیا ہے۔

ہمارے سامنے مٹی کی ہانڈیاں لا کر رکھی گئیں۔ ان میں دیسی شراب تھی۔ غلام نے میری طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔ میں اسے سچ مچ غلام نہیں سمجھتا تھا۔ اسے آزادی تھی کہ وہ جو چاہے کرے۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے ایک ہانڈی کو اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ سردار نے مجھے بھی کہا۔ میں نے اشارے سے سمجھایا کہ میں شراب کو کبھی منہ نہیں لگاتا۔ پھر وہ اپنی زبان میں کہنے لگا۔ دکان والے بنیے نے مفہوم پیش کیا

" سردار کہتا ہے کہ ان میں سے جتنی لڑکیاں پسند ہوں آپ اپنے ساتھ لے جائیں۔ نہ لے جانا چاہیں تو ایک رات کے لئے یا ایک لمحہ کے لئے انہیں اپنے ساتھ رکھ کر ٹھوکر مار دیں۔ ان کا مان بڑھ جائے گا"

میں نے اپنے کان پکڑ کر توبہ کرتے ہوئے کہا" خدا کے لئے مجھے آسمان پر نہ چڑھاؤ۔ میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ محض انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت کیا ہے۔ میں گناہگار ضرور ہوں مگر یہاں کسی نوجوان لڑکی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ تم لوگ خوشیاں منا رہے ہو۔ میں تمہاری خوشیوں میں شریک رہوں گا"

میں محض دکھاوے کے لئے پارسا نہیں بن رہا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ میں شاید کبھی پارسا نہ بن سکوں۔ لیکن اس رات حسین لڑکیوں کے جھرمٹ میں بھی میرا دل بے لوث نیکیاں کر کے وہاں سے گزر جانا چاہتا تھا۔ وہ لوگ خوشیاں منا رہے تھے، ناچ رہے تھے، گا رہے تھے ناچنے والی لڑکیاں مجھے حسرت سے دیکھتی رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہوس سے دیکھ رہی ہوں، ہو سکتا ہے کہ یہ سوچ کر دیکھ رہی ہوں کہ اگر میری لونڈی بن کر رہنے کا بھی موقع مل جائے تو انہیں ہمیشہ میرے پاس تین وقت کی روٹیاں کھانے کو مل سکتی ہیں۔ افسوس کہ میں ان کی حسرتیں پوری نہیں کر سکتا تھا۔

آدھی رات سے کچھ پہلے میں اس محفل سے اٹھ گیا۔ بستی والے۔۔ میرا دل بہلانا چاہتے تھے۔ لیکن میں یہ کہہ کر چلا آیا کہ صبح ہوتے ہی میں وہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس لئے سونا ضروری ہے، غلام اس جشن میں شریک رہا۔ میں گشتی گاڑی میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد سو گیا۔ وہاں کسی [illegible] کوئی [illegible] نہیں تھا۔ ساری بستی والے ہمارے محافظ تھے۔ اس لئے میں بے فکری سے سوتا رہا۔ ویسے حسب

معمول دماغ کو ہدایت کر دی تھی کہ کوئی گشتی گاڑی میں قدم رکھے تو میری آنکھ فوراً کھل جائے۔

صبح پانچ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ ٹھنڈا سویرا تھا۔ کھڑکی کے باہر ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ جشن منانے والے اپنے اپنے گھروں میں جا کر سو گئے تھے۔ گھاس پھوس سے سجی ہوئی مسند ویران تھی۔ مشعلیں بجھی ہوئی تھیں اور درختوں کے سائے میں بڑے بڑے ڈھول خاموش تھے میں بستر سے اٹھ کر ٹرالر کیبن سے باہر آیا۔ سامی اور غلام نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے ڈرائیونگ کیبن میں دیکھا، وہ خالی تھا۔ میں نے ہولے سے سیٹی بجائی۔ سیٹی کی آواز سنتے ہی سامی گشتی گاڑی کے نیچے سے نکل کر آئی۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر جھکتے ہوئے دیکھا۔ گاڑی کے پیچھے شراب کی ایک ... ٹوٹی پڑی تھی۔

میں نے سامی کو اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ پھر سردار کے مکان کی طرف جاتے ہوئے غلام کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو اس کا سر گاڑی کے نچلے حصے سے ٹکرا گیا۔ وہ پھر چاروں شانے چت ہو گیا۔ اس نے دیدے گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ نیند کا خمار ٹوٹ گیا۔ سمجھ میں آ گیا کہ وہ ایک دوشیزہ کے ساتھ گاڑی کے نیچے پڑا ہوا ہے۔ صبح ہو چکی ہے اور شاید آقا نے ابھی اسے اس حال میں نہیں دیکھا ہے۔ وہ جلدی سے لڑھکتا ہوا نیچے سے نکلا، کپڑے پہنے پھر اس لڑکی کی ٹانگیں پکڑ کر اسے بھی گھسیٹتے ہوئے وہاں سے نکالنے لگا۔

میں نے سردار کے ہاں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا۔ اتنی دیر میں خبر پھیل گئی کہ ہم وہاں سے جا رہے ہیں۔ جب میں گاڑی کے پاس واپس آیا تو مرد عورتوں اور بچوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی، وہ سب اداس تھے۔ سب جانتے تھے کہ عید ایک ہی دن کے لئے آتی ہے۔ کل سے پھر فاقے ہوں گے۔ کنواریوں کے تن پر پھر بالشت بھر کے کپڑے ہوں گے۔ وہ جوانی کی بھری بہار میں خزاں کے دن گزاریں گی۔ میں وہاں کے جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کے لئے مزید کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں ہنرمند لوگ نہیں تھے کہ میں ان کے لئے کاٹیج انڈسٹری قائم کر دیتا۔ میں نے دو سنجیدہ اور ذمہ دار نوجوانوں کو پانچ سو ڈالر دیئے تاکہ وہ بستی والوں میں وہ رقم انصافاً تقسیم کر دیں تاکہ وہ ایک دو روز اور فاقوں سے نجات حاصل کر لیں۔

میں نے ٹرالر کیبن کو باہر سے بند کیا۔ پھر سامی کے ساتھ ڈرائیونگ کیبن میں آ کر غلام کے پاس بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ بہت سی روتی آنکھیں ہمیں الوداع کہہ رہی تھیں۔ وہ بے اختیار گاڑی کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ بچے دوڑ رہے تھے گاڑی کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ بہت آگے بڑھ گئی، وہ بہت پیچھے رہ گئے۔

دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ ونڈ اسکرین کے پار ہمیں دور تک پہنچانے والا راستہ مہربان بانہوں کی طرح کھلتا جا رہا تھا۔ غلام نہایت اطمینان سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ہم بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہے تھے۔ ساٹھ میل تک سفر کرنے کے بعد غلام نے گاڑی روک دی۔ پٹرول ختم ہو رہا تھا۔ ہم سب گاڑی سے نیچے آ گئے۔ چھت کے اوپر کیریئر میں دوسرے سامان کے ساتھ پٹرول کے کئی ٹن بھرے ہوئے تھے۔ غلام گاڑی کی ٹنکی میں پٹرول ڈالنے لگا۔ میں ٹرالر کیبن کے دروازے کے پاس جاتے ہوئے سامی کو پچکار کر بولا۔ "میری جان تم میرے بستر پر جا کر آرام کرو اب میں ڈرائیو کروں گا۔"

میں نے دروازہ کھول کر اسے اندر جانے دیا۔ پھر چاروں طرف ہرے بھرے جنگل کو دیکھتے ہوئے غلام سے باتیں کرنے لگا۔ اچانک ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے کے ساتھ کچن اور اسٹور روم تھا۔ اس کے درمیان دوسرا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کھلے ہوئے دروازے سے میرا ... نظر آ رہا تھا۔ سامی بستر کے نیچے جھانکتی ہوئی غرا رہی تھی۔ وہ غصے سے قالین پر دایاں پنجہ مار مار کر غرا رہی تھی۔ کوئی پلنگ کے نیچے تھا، بلکہ تھی۔ اس کی ڈری ڈری سہمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے کہا "سامی! وہ تمہارے ڈر سے باہر نہیں نکلے گی میرے پاس آ جاؤ۔"

سامی پیچھے ہٹ گئی، مگر غراتی رہی۔ اپنے شکار کو معاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "آ جاؤ۔ ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

وہ پلٹ کر آ گئی۔ پھر میں نے اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ سہمے ہوئے انداز میں بستر کے نیچے سے سر نکال کر مجھے اور سامی کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے سامی کو اپنی گرفت میں رکھ کر اس لڑکی کو اشارے سے کہا۔

"آؤ۔۔۔ باہر آ جاؤ۔"

وہ پلنگ کے نیچے سے قالین پر ناگن کی طرح رینگتی ہوئی اندر والے ... کے پاس پہنچ کر بیٹھ گئی۔ غلام نے کہا "ارے یہ تو اسی بستی کی لڑکی ہے یہ ہماری گاڑی میں کیسے پہنچ گئی۔"

ہم نے اس سے سوال کیا، مگر بے سود، وہ ہماری زبان نہیں سمجھتی تھی، ہمیں رحم طلب نظروں سے دیکھتی رہی۔ میں نے کہا "یہ بہت چالاک ہے میرے خیال میں یہ ہماری گاڑی میں پچھلی رات ہوئی تھی، تمام بستی والے جشن منا رہے تھے، ہم ان کے ناچ گانوں سے لطف اٹھا رہے تھے، اس لڑکی نے سمجھ لیا تھا کہ میں کسی کو ... نہیں لے جاؤں گا، اس لئے چپ چاپ پلنگ کے نیچے جا کر ... گئی تھی۔"

غلام نے کہا "آپ حکم دیں، میں اسے اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہوں۔"

"یہ اکیلی جنگل میں کہاں جائے گی، اس کی بستی تو ساٹھ میل پیچھے رہ گئی ہے۔"

غلام نے کہا "یہی سوچ کر تو یہ آئی ہے کہ ہم اس پر ترس کھا کر ساتھ لے جائیں گے۔"

میں نے کہا "ہم اگلی کسی بستی تک اس سے ہمدردی کریں گے یقیناً بھوک اور ننگے پن سے گھبرا کر ہمارے ساتھ آئی ہے، ہم کسی جگہ کسی کے گھر میں اس کا ٹھکانہ بنا دیں گے۔ ابھی اسے رہنے دو۔"

میں باتیں کرتا ہوا ڈرائیونگ کیبن میں آ کر بیٹھ گیا۔ غلام کو حکم دیا کہ وہ لڑکی کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور دوپہر کا کھانا تیار کرے وہ سامی کو لے کر ٹرالر کیبن میں چلا گیا۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ہماری گاڑی میں چھوٹے سیل کا ٹیلیفون لگا ہوا تھا۔ ہم فون کے ذریعہ ڈرائیونگ کیبن سے ٹرالر کیبن میں اپنے ساتھی کو کال کر سکتے تھے۔ اور ضروری باتیں کر سکتے تھے۔ دن کے دو بجے فون کی گھنٹی سنائی دی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر سنا، غلام کہہ رہا تھا "آقا! کھانا تیار ہے۔۔۔ تشریف لے آئیں۔"

میں نے ایک درخت کے سائے میں سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ انجن بند کر کے گاڑی کے پچھلے حصہ میں آ گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر کھانے کی چھوٹی سی میز پر آیا تو وہاں مشرقی طرز کا کھانا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ہم پچھلی بستی سے دو چار مرغیاں لے آئے تھے، میز پر دال بھات (ابلا ہوا چاول)، اور مرغ کا سالن رکھا ہوا تھا۔ غلام نے کہا "آقا! رینا نے کھانا تیار کیا ہے، مجھے تو بے حد لذیذ لگا ہے آپ کو پسند نہ آئے تو میں آملیٹ تیار کر دوں گا۔"

"اچھا۔ اس کا نام رینا ہے۔" میں نے کھانا شروع کیا۔ رینا بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ میں نے لقمہ چباتے ہوئے خوش ہو کر کہا "واہ مزہ آ گیا، یہ تو بالکل ہمارے گھر جیسا پکوان ہے۔"

وہ میری بات نہ سمجھ سکی مگر اندازہ لگا لیا کہ کھانا پسند آیا ہے خوش ہو کر ننھی بچی کی طرح تالیاں بجانے لگی۔ یہ لڑکیاں کیسی کیسی اداؤں کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتی ہیں۔ اس لمحہ وہ بہت اچھی لگی۔ شاید اس کے پکوان اور سلیقے نے متاثر کیا تھا۔ غلام نے کہا "آقا! ہمیں ایک پکانے والی کی ضرورت ہے، یہ بہت اچھی ہے، بہت سے کام کر لیتی ہے، کیوں نہ اسے رکھ لیا جائے۔"

میں نے سختی سے کہا "نہیں۔ اس گاڑی میں اور کسی کی گنجائش نہیں رہا کرے گی۔ خواہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ رشتے پیدا ہوں گے۔ بدگمانیاں بڑھیں گی۔ ہم اسے کسی اگلی بستی میں چھوڑ دیں گے۔"

میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ رینا برتن دھونے اور کچن صاف ... چلی گئی۔ چاول کھانے کے بعد غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ میں بستر پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ نیند کا غلبہ تھا۔ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ کب ... آنکھ کھلی تو گاڑی چل رہی تھی، رینا بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی میرے پاؤں داب رہی تھی۔ میرے اندر سر سے پاؤں تک جیسے بجلی سی دوڑ گئی۔ میں نے فوراً ہی ٹانگیں سمیٹ کر کہا "دور ہٹو، اٹھ جاؤ یہاں سے۔"

وہ بات نہ سمجھ سکی، میرے تیور دیکھ کر مایوسی سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے سمجھایا۔ وہ اٹھ کر دور کھڑی ہو گئی میرے سامنے عاجزی سے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ مجھے عجیب سا لگا۔ میں نے سرہانے رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا۔ کریڈل کو ناک کیا۔ دوسری طرف سے غلام کی آواز سنائی دی "فرمایئے آقا۔"

میں نے کہا "رینا کو بلا کر ڈرائیونگ کیبن میں بٹھاؤ۔"

"آقا! کیسے بٹھاؤں؟ اس کے بدن پر برائے نام لباس ہے کسی گاڑی والے نے ہمیں دیکھ لیا تو یہی سمجھے گا کہ ہم اسے بھگا کر لے جا رہے ہیں۔ اگلی کسی آبادی تک اسے چھپائے رکھنا بہتر ہے۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ معقول بات کہہ رہا تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے رینا کو دیکھا۔ وہ سانولی سلونی لڑکی ہماری زبان بھی نہیں جانتی تھی۔ جنگلوں میں گشت کرنے والی پولیس کی کوئی جماعت ہمارے متعلق شبہ میں مبتلا ہو سکتی تھی۔

وہ سمجھ گئی کہ میں اس کی موجودگی پسند نہیں کرتا ہوں۔ اس نے دل برداشتہ ہو کر سر کو جھکا لیا۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازہ کھول کر کچن کی طرف چلی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ میں اس کی زبان کی سوچ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہی تھی۔ اچھا ہے کہ اسے زیادہ ہمدردی نہ ملے، وہ مایوس ہو کر پیچھا چھوڑ دے گی۔ میرے پاس دو جوڑے لباس ... گئے تھے۔ اگر میں اسے پہنا دیتا تو وہ کارٹون نظر آتی۔ یہ بات چھپ نہ سکتی کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

میرے سوچنے کے دوران گاڑی رک گئی۔ مجھے کسی کار کا ہارن سنائی دیا۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ہماری گاڑی کے سامنے ایک لانبی سی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا ڈرائیور غلام کو اشارے سے کہہ رہا تھا کہ گشتی گاڑی پیچھے لے آئے، میں نے باہر جانے کے لئے دروازہ کھولا۔ رینا فرش پر بیٹھی آئل اسٹو کو صاف کر رہی تھی۔ اس میں یہ بڑی خوبی تھی کہ کبھی خاموش بیٹھتی نہیں تھی۔ کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کام کرتے کرتے رک گئی۔ نظریں جھکا کر میرے قدموں کو تکنے لگی۔

میں نے کہا "اندر آ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہیں یہاں دیکھ لے۔"

وہ میرا اشارہ سمجھ کر اندر آ گئی۔ میں نے دروازے کو باہر سے بند کیا۔ پھر ٹرالر کیبن سے باہر آ کر اس بیرونی دروازے کو بھی بند کر دیا۔ غلام کار کے پاس پہنچ کر انہیں سمجھا رہا تھا کہ گشتی گاڑی کو پیچھے موڑنا مشکل ہو گا بہتر ہو گا کہ وہ اپنی کار کو پیچھے ہٹا لیں۔ میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ وہ ... سیدھی شمال کی طرف جانا چاہتی تھی، ہماری گاڑی نے اس راستے پر

جنوب کی طرف مڑتے ہوئے ان کا راستہ روک لیا تھا۔ ایک شخص نے کار سے باہر آکر غصّہ میں غلام سے کہا ”اے مسٹر! کیا تم نہیں جانتے کہ یہ سارلو اسٹیٹ ہے، شہزادی ایدنانہ کا راستہ کاٹنے والوں کی گردنیں اڑا دی جاتی ہیں۔“

میں نے قریب پہنچ کر دیکھا، کار کی پچھلی سیٹ پر ایک معمولی ناک نقشہ والی لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی سختی تھی۔ رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں جسم پر قیمتی لباس تھا۔ گلے اور کانوں کے زیورات میں بیش قیمت ہیرے جگمگا رہے تھے۔ اس کے وہاں بیٹھنے اور وہاں سے مجھے دیکھنے کے انداز میں شاہانہ رعب اور دبدبہ تھا۔ میں نے غلام سے کہا ”بیشک ہماری گاڑی کو پیچھے موڑنے میں دشواری ہوگی لیکن یہاں ایک شہزادی کے غرور کا معاملہ ہے، وہ پیچھے نہیں ہٹے گی، لہٰذا ہمیں ہٹنا ہوگا۔“

وہ شخص جو انگریزی بول رہا تھا اسے شہزادی ایدنانہ نے مخاطب کرکے اپنی مقامی زبان میں کچھ کہنے لگی۔ میں نے اس آدمی کی کھوپڑی میں پہنچ کر اس کے لاشعور کو ترجمہ پیش کرنے پر مجبور کیا۔ شہزادی ایدنانہ کہہ رہی تھی ”ان مسافروں کو ڈاک بنگلے لے چلو، میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔“

وہ شخص شہزادی ایدنانہ کا سیکریٹری تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ ہم کون ہیں؟ اور کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے اسے جواب دیا اور سوچتا رہا کہ اس مغرور شہزادی کے دماغ میں کونسی ترکیب آئی ہے؟ اور اس ترکیب [illegible] سیکریٹری [illegible] جانتا تھا کہ شہزادی کے دماغ میں کیا ہے؟ اس نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

”مسٹر طارق! تین گھنٹے بعد رات کی تاریکی پھیل جائے گی۔ آگے جنگل ہی جنگل ہے۔ رات گزارنے کے لئے آپ کو کوئی بستی نہیں ملے گی۔ میری خواہش ہے کہ آج رات آپ ہمارے مہمان رہیں۔“

ایک اجنبی دوسرے اجنبی کو کبھی مہمان نہیں بناتا۔ سیکریٹری تو شہزادی کے حکم کا پابند تھا اور شہزادی کو کوئی تدبیر مجبور کر رہی تھی ہماری مجبوری یہ تھی کہ رات ہونے کے بعد آگے ہمیں قیام کے لئے کوئی بستی ملنے والی نہیں تھی، میں نے پوچھا ”یہ جنگلات کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں؟“

”یہ برما کے سرحدی جنگلات ہیں شہزادی ایدنانہ تین دن کے بعد اس اسٹیٹ کی مالکہ بننے والی ہیں۔“

”برما کا شہر مولمین کتنی دور ہے؟“

”یہاں سے ساڑھے چار سو میل دور ہے۔ آپ پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جائیں گے تو آدھی رات کے بعد وہاں پہنچیں گے۔ لیکن رات کو ان جنگلات سے گزرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔“

”پھر تو آپ کی پیشکش قبول کرنا ہوگی۔“

وہ خوش ہو کر بولا ”ہمارے پیچھے آئیے، یہاں سے ایک [illegible] کے فاصلہ پر ڈاک بنگلہ ہے، ہم تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنے کے بعد آگے بڑھیں گے۔“

میں ڈرائیونگ کیبن میں آکر بیٹھ گیا۔ غلام نے گاڑی پیچھے لی تھی، شہزادی کی کار آگے بڑھی تو میں نے غلام سے کہا ”اس کار کے پیچھے چلو۔“

وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بولا ”آقا! آپ نے راستہ [illegible] دیا ہے؟“

”ہاں شہزادی کسی خاص مقصد کے تحت ہمیں اپنا مہمان بنا رہی ہے۔ ہمیں محتاط رہنا ہوگا، کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے انہیں غصّہ آجائے۔“

”لیکن ان کا مہمان بننا کیا ضروری ہے؟“

”یہ شہزادی چاہتی ہے، اگر میں انکار کرتا تو شاید یہ لوگ ہمیں اپنی اسٹیٹ سے گزرنے نہیں دیتے۔ پانی میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں کرنا چاہئے۔“

ہم ڈاک بنگلہ تک پہنچ گئے۔ شہزادی ایدنانہ ایک آراستہ کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اس کمرے میں بلایا گیا۔ غلام ساتھ کمرے میں جانا چاہتا تھا مگر اسے روک دیا گیا میں نے غلام سے کہا ”یہاں آس پاس جھونپڑیاں نظر آرہی ہیں۔ تم ربنا کے لئے کچھ لباس خریدو، اسے پہننے کے لئے دو۔ میں ابھی آجاؤں گا۔“

یہ کہہ کر میں کمرے میں داخل ہوا شہزادی ایدنانہ ایک آرام دہ صوفہ پر سینہ تانے گردن اکڑائے بیٹھی تھی۔ سیکریٹری نے مجھے دوسرے صوفہ پر بیٹھنے کے لئے کہا ”مسٹر طارق! یہاں تشریف رکھیں، کیا آپ شہزادی کے کسی کام آنا پسند کریں گے؟“

”ضرور۔ کام کیا ہے؟“

”شہزادی کو ایک مسئلہ درپیش ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہوگیا تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔“

”آپ مسئلہ بتائیں۔“

اس نے اجنبی زبان میں شہزادی سے کچھ کہا۔ جواباً شہزادی نے کچھ کہا۔ پھر وہ بولا ”شہزادی ایدنانہ انگریزی نہیں جانتی ہیں۔ یہ خود بیان نہیں کر سکتیں۔ بات یہ ہے کہ ایدنانہ کا باپ سارلو رنگون والا [illegible] برس پہلے مر چکا ہے، ہم جس جنگل میں بیٹھے ہیں، اس کے سو میل [illegible] مالک سارلو رنگون والا تھا۔ یہاں سے ٹیک کی لکڑیاں بیرونی ممالک [illegible] ہیں۔ اس جنگل کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار ڈالر ہے۔ سارلو مرنے سے [illegible] لاکھ ڈالر نقد چھوڑ کر گیا ہے۔ اس دولت اور جائیداد کے تین [illegible] ایک شہزادی ایدنانہ اور اس کے دو سوتیلے بھائی۔ بڑے بھائی [illegible] چھوٹے بھائی کا نام مارلو ہے۔“

میں نے پوچھا ”کیا جائیداد کا جھگڑا پانچ برس سے چل رہا ہے؟“

”نہیں۔ یہ جھگڑا پچھلے دو ماہ سے شروع ہوا ہے، یعنی جب سے ایدنانہ شادی کے قابل ہوئی ہے، میرا مطلب ہے جب سے یہ بالغ ہوئی ہے۔“

میں نے شہزادی پر نظر ڈالی، مجھے وہ کچھ زیادہ ہی بالغ نظر آئی۔ سیکریٹری نے کہا ”سارلو رنگون والا کی وصیت کے مطابق ان وارثوں کو بیس لاکھ ڈالر اس وقت ملیں گے جب ایدنانہ کی شادی ہو جائے گی۔“

میں نے سر ہلا کر کہا ”اچھا سمجھ گیا، ایدنانہ کے بالغ ہونے میں پانچ برس لگ گئے۔“

”جی ہاں۔ قصہ یوں ہے کہ سارلو رنگون والا نے ایدنانہ کی ماں کو بانجھ سمجھ کر تورلا کی ماں سے شادی کی تھی۔“

میں نے پوچھا ”جب وہ ایدنانہ کی ماں تھی تو بانجھ کیسے ہوئی؟“

”بھئی ایدنانہ کی پیدائش سے پہلے کی بات کر رہا ہوں کہ وہ بانجھ تھی۔ تورلا کی ماں بیوہ تھی مگر بڑی حسین، بڑی طرح دار تھی جب سارلو نے بیاہ کر لایا تو تورلا دو برس کا تھا، ایک برس بعد مارلو پیدا ہوا۔“

”ایدنانہ کی ماں کہاں گئی؟“

”وہ اپنے میکے جا کر رہنے لگی تھی۔ سارلو کبھی کبھی اس سے ملنے جایا کرتا تھا۔ چھ برس بعد اس پہلی بیوی سے ایدنانہ پیدا ہوئی۔ اس حساب سے ایدنانہ اور مارلو اپنی ماؤں کی طرف سے سوتیلے ہیں مگر باپ کی طرف سے سگے ہیں اور ایدنانہ اور تورلا ماں اور باپ دونوں کی طرف سے سوتیلے ہیں اور ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔“

میں نے کہا ”بہرحال! ایدنانہ سب سے چھوٹی ہے۔ اس کے بالغ ہونے کے لئے دونوں سوتیلے بھائیوں کو پانچ برس تک انتظار کرنا پڑا۔ آپ یہ بتائیں کہ میں اس سلسلہ میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”ابھی بتاتا ہوں۔ یہاں سے دس میل کے فاصلے پر سارلو رنگون والا کا تعمیر کیا ہوا ایک قلعہ ہے۔ مرنے والے کی وصیت کے مطابق ایدنانہ کو شادی کے ابتدائی تین دن اور تین راتیں اپنے شوہر کے ساتھ اس قلعہ میں گزارنے ہوں گے۔ صرف نکاح نامہ قابل قبول نہ ہوگا۔ قلعہ میں اس کے دونوں سوتیلے بھائی، ایک خاندانی وکیل، وہاں کی ایک گورنس تورلا اور مارلو کی ماں رہیں گے۔ وہ سب تصدیق کریں گے کہ ایدنانہ اپنے شوہر کے ساتھ تین دن اور تین راتیں گزار رہی ہے، تب وہ دوسری وصیت کھولی جائے گی اور بتایا جائے گا کہ وہ بیس لاکھ ڈالر ان وارثوں میں کس طرح تقسیم کئے جائیں گے۔“

میں نے پوچھا ”آپ دوسری وصیت کی بات کر رہے ہیں، پہلی وصیت کیا ہے؟“

”پہلی وصیت کے مطابق ان لوگوں کو ماہانہ اخراجات ملتے ہیں۔ ایدنانہ اور مارلو کو ایک ایک ہزار ڈالر ملتے ہیں کیونکہ وہ سارلو کی اپنی اولاد ہیں۔ تورلا سوتیلا بیٹا ہے، اس لئے اس کو اور اس کی ماں کو ماہانہ پانچ سو ڈالر دیئے جاتے ہیں۔“

”آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتایا جا رہا ہے؟“

”میں ابھی بتا رہا ہوں۔ دو ماہ پہلے ایدنانہ نے شادی کی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ وصیت کے مطابق اپنے شوہر کے ساتھ تین دن اور تین راتیں یعنی بہتّر گھنٹے اس قلعہ میں گزارتی کسی نے پہلی ہی رات اس کے شوہر کو ختم کر دیا۔“

”اوہ۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا ”بیس لاکھ ڈالر میں سب سے بڑا حصّہ ایدنانہ اور مارلو کو ملے گا۔ اگر کوئی لالچی رشتے دار قاتل ہے تو وہ ایدنانہ اور مارلو کو قتل کرے گا۔ ایدنانہ کے شوہر کو قتل کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“

اس نے جواب دیا ”پہلی وصیت کے مطابق ایدنانہ نے اگر بالغ ہونے کے بعد ایک سال کے اندر شادی نہ کی تو بیس لاکھ ڈالر میں سے اسے حصّہ نہیں ملے گا۔ کوئی ایدنانہ کو قتل کرنے کے بجائے اسے اس کے حقوق سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ کوئی چاہتا ہے کہ وہ قلعہ کے اندر ازدواجی زندگی کے بہتّر گھنٹے نہ گزار سکے۔ وصیت پر عمل نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قاتل نے سہاگ کی پہلی رات اس کے شوہر کو غائب کر دیا۔“

”غائب کرنے کا مطلب کیا ہوا؟“

”ایدنانہ کے شوہر کی لاش نہیں مل سکی، اسے ہم غائب کرنا ہی کہیں گے۔“

”اچھا پھر کیا ہوا؟“ میں سگریٹ سلگانے لگا۔ ایدنانہ نے سگریٹ کو گھور کر دیکھا۔ شاید اسے سگریٹ نوشی پسند نہیں تھی۔ مگر وہ برداشت کر رہی تھی۔

”پھر ایک ماہ بعد ایدنانہ نے دوسری شادی کی۔ وصیت کا تقاضا پورا کرنا تھا۔ قاتل نے بھی اپنے تقاضے پورے کر دیئے، وہ دوسرا شوہر بھی غائب کر دیا گیا یعنی قتل کر دیا گیا۔“

”کیا قانون کے محافظ اس قاتل کو گرفتار نہیں کر سکے؟“

”نہیں۔ دونوں قتل ثابت نہیں ہو سکے، مقتول شوہروں کی لاشیں نہیں مل سکیں۔ یہاں سے قریبی پولیس اسٹیشن پچاس میل کے فاصلہ پر ہے تھانے کے انچارج نے یہ کہہ کر اس کیس سے منہ موڑ لیا کہ دونوں شوہر کہیں بھاگ گئے ہیں۔ یا انہیں ڈرا دھمکا کر کہیں بھگا دیا گیا ہے۔“

میں نے کہا ”ہو سکتا ہے کہ وہ سچ مچ بھاگ گئے ہوں۔“

”شہزادی ایدنانہ جیسی دولت مند بیوی کو کوئی احمق بھی چھوڑ کر بھاگ سکے گا۔ وہ دونوں شوہر آپ کی طرح ہٹے کٹے اور قد آور تھے، بڑے جیدار تھے۔ کوئی انہیں ڈرا دھمکا کر بھگا نہیں سکتا تھا

ہمیں یقین ہے کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "اچھا تو اب یہ شہزادی تیسری شادی کرے گی"

"کرے گی نہیں، کر چکی ہے۔ لیکن اب یہ اپنے شوہر کو چھپا کر رکھنا چاہتی ہے۔ اس کا نام اور اس کی صورت بھی کسی کو بتانا نہیں چاہتی ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے قلعہ میں بہتر گھنٹے گزارنے کے لئے شوہر کو اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔"

"ہاں وہ اپنے ساتھ لے جائے گی لیکن نقلی شوہر کو....."

"نقلی شوہر؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "یعنی وہ قاتل کے سامنے اپنے شوہر کے بجائے کسی کرائے کے شوہر کو چارہ بنائے گی؟"

"ہاں کسی کو چارہ بنانا ہی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن آپ شہزادی کی پریشانیوں کو سمجھتے ہوئے خود فیصلہ کریں کہ ان حالات میں یہ شہزادی نہیں ایک معمولی مجبور لڑکی ہے۔ دشمنوں میں گھری ہوئی ہے۔ نہ باپ کی دولت حاصل کر سکتی ہے، نہ سہاگ کی ایک رات اپنے کسی شوہر کے ساتھ گزار سکتی ہے۔ آپ کو دیکھ کر شہزادی کے ذہن ہی تدبیر آئی ہے کہ وہ آپ کو کرائے کا شوہر بنا لے؟"

"میں ــ میں کرائے کا شوہر؟" میں نے شہزادی ایدنانہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ پہلی بار ہولے سے مسکرائی۔ ہیرے جڑے ہوئے زیورات کی چمک دمک میں وہ مسکراہٹ بڑی خاموشی سے دعوت دے رہی تھی کہ میں سہاگ کی پہلی رات گزارنے کا خطرہ مول لے لوں۔

سکرٹری نے کہا۔ "آپ کو اس کام کے لئے بھرپور معاوضہ دیا جائے گا۔ اگر آپ کسی معاوضے کے محتاج نہیں ہیں تو انسانیت کے ناطے آپ شہزادی کا یہ مسئلہ حل کر دیں۔ آپ کو ایک ریوالور دیا جائے گا تاکہ آپ وہاں اپنی حفاظت کر سکیں۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ آپ میرے لئے حفاظتی انتظامات کریں گے۔ لیکن کرائے کا شوہر بنانے کے لئے میرا انتخاب کیوں کیا گیا؟"

اس نے جواب دیا۔ "پہلے کسی کو کرائے کا شوہر بنانے کا خیال آتا تو شہزادی ایدنانہ شہر مولمین سے کسی ضرورت مند نوجوان کو کرائے پر لے آتی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو دیکھ کر ایدنانہ کے دماغ میں یہ بات آئی۔ شہزادی کے دل کی بات میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے آپ کا انتخاب کیوں کیا ہے، یا آپ پر اعتماد کیوں کر رہی ہیں۔"

میں تذبذب میں پڑ گیا۔ میری زندگی میں بے شمار اہم اور خطرناک واقعات پیش آئے۔ لیکن موجودہ معاملہ کا تعلق سراغرسانی سے تھا۔ قلعہ میں پہنچتے ہی کوئی قاتل میرا منتظر ہوتا۔ مجھے اپنی حفاظت کے علاوہ ایک قاتل کو بے نقاب کرنا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا قلعہ میں رہنے والے انگریزی یا ہندوستانی جانتے ہیں؟"

"نہیں۔ صرف میں اور وہاں کا ایک خاندانی وکیل انگریزی جانتے ہیں۔ آنجہانی سارلو کا پورا خاندان اس جنگل میں رہتا آیا ہے۔ ان کے پاس اتنی دولت اور عیش و آرام ہے کہ کسی نے پرائی زبان سیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔"

میں سوچ میں پڑ گیا کہ وہاں ٹیلی پیتھی زیادہ کام نہیں آئے گی۔ وہ شخص جو انگریزی جانتے ہیں، ان کے ہی دماغوں سے میں دوسروں کی باتیں سمجھ سکوں گا اور شاید ان کے ہی ذریعہ کسی قاتل تک پہنچ سکوں گا۔ لیکن اتنی دردسری مول لینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مجھے ... میں بیٹھ کر اپنی راہ پر چلنا چاہئے۔

شہزادی ایدنانہ نے شاید میرے چہرے پہ تذبذب کو پڑھ لیا تھا۔ وہ اپنے صوفہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی میرے سامنے آ گئی۔ میں بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں کے ... تھے۔ ہمارے درمیان دو بالشت کا فاصلہ تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر لے جا کر ہیرے کے جگمگاتے ہوئے نیکلس کو کھولا، پھر ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ کو تھام لیا۔ اس قیمتی ہار کو میری ... پر رکھ کر بولنے لگی۔

سکرٹری نے کہا۔ "یہ بول رہی ہے کہ یہ نیکلس کے علاوہ ... ہونے والی اپنی جائیداد میں سے حصہ بھی دے سکتی ہے۔ آپ کی ہر مطالبہ پورا کر سکتی ہے۔ آپ اسے منجدھار میں چھوڑ کر نہ جائیں۔"

میں نے دیکھا۔ وہ بہت فکر مند تھی۔ بڑی التجا سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس لمحہ ایک شہزادی کا غرور فنا ہو گیا تھا۔ جو گر ... ہوا ہو اسے گرانا مردانگی نہیں ہے۔ میں نے مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "او کے، میں تیار ہوں۔"

وہ خوش ہو کر پلٹ گئی۔ سکرٹری سے کچھ کہنے لگی۔ سکرٹری نے اپنا بیگ کھول کر کاغذات نکالے، پھر انہیں میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "کل مولمین شہر کی عدالت میں ایدنانہ کا نکاح ہوا تھا۔ یہ نکاح نامہ ہے۔ تیسرے شوہر کا نام کارل فرینک ہے۔ یعنی اب یہ آپ کا نام ہے۔"

"یہ کارل فرینک کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں۔ میں نے صرف عدالت میں اسے شہزادی کے ساتھ دیکھا تھا۔ پھر وہ کہیں روپوش ہو گیا۔ ایدنانہ اپنے سائے کو بھی تیسرے شوہر کا پتہ نہیں بتائے گی۔ قلعہ میں رہنے والا کوئی شخص کارل فرینک کو نہیں پہچانتا نہیں ہے۔ وہ آپ ہی کو ایدنانہ کا تیسرا شوہر سمجھیں گے۔"

میں نے پوچھا۔ "میرے ساتھیوں کا کیا بنے گا؟"

"وہ یہاں ڈاک بنگلہ میں رہیں گے۔ آپ کی گاڑی بھی یہیں رہے گی۔ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کے ساتھیوں کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا۔"

سکرٹری کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ حقیقتاً پوری دیانتداری سے غلام اور رینا کا خیال رکھے گا۔ اس کے باوجود میں نے ... دماغی رابطہ قائم کیا۔ اسے حکم دیا کہ وہ میری واپسی تک محتاط رہے۔ میں تین قاتل سہاگ راتیں گزارنے کے بعد ... آؤں گا۔"

دن کا اجالا سمٹ اپنے پرسمیٹ رہا تھا، رات اپنی زلفیں کھول رہی تھی۔ نیم تاریکی میں وہ قلعہ دور سے یوں نظر آ رہا تھا جیسے کوئی جن بوتل سے آزاد ہو کر اکڑوں بیٹھ گیا ہو۔ کار کی اگلی سیٹ پر سکرٹری ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور پچھلی سیٹ پر میں شہزادی ایدنانہ کے ساتھ ذرا فاصلہ رکھے ہوئے تھا۔ وہ خود ہی سمٹی ہوئی تھی۔ حالانکہ اسے بیوی کا رول ادا کرنا چاہئے تھا۔ شاید بیوی بن کر شرما رہی تھی۔ لیکن شرمانے کی کوئی ادا نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے ایک آوارہ سیاح اور خود کو شہزادی سمجھ کر فاصلہ رکھے ہوئے تھی۔

کار قلعہ کے دروازے کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور ہارن بجانے لگا۔ وہ دروازہ تقریباً پچیس فٹ اونچا اور پندرہ فٹ چوڑا ہوگا۔ اسے دیکھ کر قلعہ کے مکینوں کا رعب اور دبدبہ طاری ہوتا تھا۔ یہ خیال آتا تھا کہ وہاں رہنے والے پتہ نہیں کتنے اونچے کتنے مغرور ہوں گے۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے ہوں گے۔ وہ دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ اندر دور تک ایک سرسبز و شاداب باغ نظر آ رہا تھا۔ کار آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی قلعہ کے احاطے میں داخل ہوئی۔ باغ کے درمیانی راستے سے ہوتی ہوئی پرانے طرز کے پورٹیکو میں پہنچ کر رک گئی۔ سکرٹری نے اتر کر شہزادی کے لئے دروازہ کھولا۔ مجھے خود دروازہ کھول کر کار سے باہر آنا پڑا۔ پہلی بار احساس ہوا کہ کرائے کا آدمی ہوں۔

اسی وقت قلعہ کا اندرونی دروازہ کھلا۔ ایک حسین عورت نظر آئی۔ شہزادی ایدنانہ نے خود کو میری بیوی ظاہر کرنے کے لئے جلدی سے آگے بڑھ کر میرے بازو میں اپنا بازو ڈال لیا۔ مجھ سے لگ کر آگے بڑھنے لگی۔ سکرٹری نے آہستہ سے کہا۔

"یہ یہاں کی گورنس ہے۔ اس کا نام مس وش ہے۔ آنجہانی سارلو کی منہ چڑھی ملازمہ تھی۔ پہلی وصیت کے مطابق اسے یہاں کی اہم ہستی سمجھا جاتا ہے۔"

گورنس مس وش اگر سارلو کے زمانہ سے تھی تو اچھی خاصی عمر والی ہوگی لیکن شہزادی ایدنانہ کی ہم عمر لگ رہی تھی۔ اس کے بھڑکیلے لباس کو دیکھ کر کوئی اسے ملازمہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کا لباس گردن سے کمر تک ایسا چست تھا کہ بغلی کمر کا خم نگاہوں کی مٹھی میں آ جاتا تھا۔ اکثر عورتیں نگاہوں کو دعوت دینے کے لئے ہی ایسا لباس پہنتی ہیں۔

اس نے ہمارے سامنے آ کر دوبارہ سر جھکایا۔ استقبالیہ سلام عرض کر رہی تھی۔ ایدنانہ اپنی زبان میں کچھ کہنے لگی۔ سکرٹری کی سوچ نے ترجمانی کی کہ وہ اپنے شوہر کی حیثیت سے میرا تعارف کرا رہی ہے۔ گورنس مس وش نے ذرا جھک کر ہاتھ کے اشارے سے اندر آنے کے لئے کہا۔ پھر ہم سے فاصلہ رکھ کر ہمارے ساتھ قلعہ کے بڑے ہال میں داخل ہوئی۔ وہ مجھے کن انکھیوں سے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی تیز نظریں لباس پھاڑ کر مجھے اندر سے ٹٹول رہی ہوں۔ اتنی سی دیر میں میرے دماغ نے کہا۔ "خبردار یہ خطرناک عورت ہے۔"

اتنے بڑے قلعہ میں اس وقت اور کوئی نظر نہیں آیا۔ شہزادی ایدنانہ کا موڈ بگڑ گیا کہ دوسرے رشتے دار اس کے نئے شوہر کا استقبال کرنے نہیں آئے تھے۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی مجھے اپنے ساتھ لیتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے تک آئی۔ ہم سے پہلے ملازم سامان لے کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہ کمرہ خواب گاہ کے طور پر بڑی خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ یہ وہ خواب گاہ تھی جہاں ایدنانہ اب تک سہاگ رات نہیں منا سکی تھی۔ اس خواب گاہ کو ایسے سجایا گیا تھا جیسے بقرعید سے پہلے بکرے کو سجایا جاتا ہے۔ دو بکرے قربان ہو چکے تھے، اب تیسرا لایا گیا تھا۔ میں اس خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

گورنس مس وش اور سکرٹری چلے گئے۔ ملازم بھی سامان رکھ کر رخصت ہو گئے۔ ایدنانہ نے خواب گاہ کو اندر سے بند کر دیا۔ میں اس قربان گاہ کا تفصیلی جائزہ لینے لگا۔ شمال کی سمت خواب گاہ سے ملحقہ ایک بالکونی تھی۔ وہاں بیٹھ کر باغیچہ کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہاں سے چھلانگ لگائی جا سکتی تھی کیونکہ وہ صرف چھ فٹ اونچی بالکونی تھی۔ جنوب کی سمت باتھ روم اور اسٹور روم تھے۔ اس خواب گاہ کے مشرق میں ایک اور دروازہ تھا۔ اسے کھولنے پر ایک اور کمرہ نظر آیا۔ وہ بیک وقت لائبریری اور ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

ایدنانہ خاموش کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ روشنی میں وہ بڑی بھرپور بڑی پراسرار نظر آ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "یہ خواب گاہ کھلی بالکونی کے ساتھ ہے، یہاں سے قاتل بآسانی آ سکتا ہے۔"

وہ میرا منہ تک رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ بھینس کے سامنے بین بجا رہا ہوں۔ میں نے اشاروں کی بین الاقوامی زبان میں اسے سمجھایا۔ وہ اپنی رسٹ واچ دکھاتی ہوئی بولی اور جواباً اشارہ میں مجھے بتانے لگی کہ آٹھ بجے کھانا ہے، نو بجے خواب گاہ میں واپسی ہے۔ آدھ گھنٹہ ہم بالکونی میں بیٹھیں گے، دس بجے ہم خواب گاہ ... اندر جا کر ... جائیں گے۔ میں نے مطمئن ہو کر اشاروں کی زبان میں کہا۔ "میں کارل فرینک تمہارا شوہر، تم ایدنانہ۔" میں اس کی طرف انگلی بڑھا کر بولا۔ "تم بیوی۔"

وہ اپنے سینے پر انگلی رکھ کر بولی۔ "ایدنانہ۔ بیوی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر اشاروں میں پوچھا۔ "بیوی کو تم لوگ کیا کہتے ہو؟"

وہ پھر اپنے سینے پر انگلی رکھ کر بولی۔ "بیوی ــــ جوجو۔"

میں سمجھ گیا ان کی زبان میں بیوی کو جوجو کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر پوچھا۔ "شوہر کو کیا کہا جاتا ہے ـ میں تمہارا شوہر ہوں ـــ"

وہ میرے سینے پر انگلی رکھ کر بولی۔ "ستور۔"

میں نے جھینپ کر کہا۔ "ستور نہیں شوہر ــ شوہر۔"

وہ اپنا تلفظ درست کرتے ہوئے بولی۔ "شو ــ ہر، شو ـ ہر

جاجا..."

یعنی بیوی کو جوجو اور شوہر کو جاجا کہا جاتا تھا۔ گویا کھٹکنے والی بات تھی جاجا۔ مگر میں دوسرے شوہروں کی طرح بھاگنے نہیں آیا تھا۔ میں نے اس کے شانہ پر ہاتھ رکھا۔ وہ بڑی آہستگی سے بڑی نزاکت سے بل کھا کر کترا گئی۔ میں نے اپنی جیب سے ہیروں کا ہار نکالا۔ اشاروں سے سمجھایا کہ میں اسے پہنانا چاہتا ہوں۔ وہ انکار میں سر ہلانے اور سمجھانے لگی کہ وہ ہار مجھے معاوضہ کے طور پر دے چکی ہے۔

گونگے اشاروں سے اپنا مفہوم ادا کرنے میں بڑی دیر لگتی ہے۔ میں نے کسی طرح سمجھا ہی دیا کہ جو کچھ میں نے معاوضہ کے طور پر حاصل کیا ہے۔ اب اسے جاجا کی حیثیت سے اپنی جوجو کو پہنانا میرا فرض ہے۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ میں اس کے قریب آ کر اس کی گردن کی طرف جھک کر اسے ہار پہنانے لگا، بڑی چکنی گردن تھی، دھیمے دھیمے پھڑک رہی تھی، دل کی طوفانی دھڑکنیں پورے بدن کو لرزا رہی تھیں۔

دو شوہروں کی محبت سے محروم رہ جانے والی "جوجو" تھر تھر کانپ رہی تھی، پھر وہ ایک دم سے تڑپ کر الگ ہو گئی۔ جیسے وحشت زدہ ہرنی جذبوں کے صحرا سے [illegible] ہو، ویسے ہی وہ ہانپ رہی تھی، اچانک وہ پلٹ کر بھاگتی باتھ روم میں گھس گئی، اس کا دروازہ ایک دھڑاکے سے بند ہو گیا۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا۔ اندر شاور سے پانی گرنے کا شور سنائی دے رہا تھا

٭

ٹھیک آٹھ بجے میں اور ایدنانہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔ ڈائننگ ہال کا شاہانہ اہتمام مثالی تھا۔ چھت پر مومی شمعوں کا فانوس جگمگا رہا تھا۔ لانبی سی میز پر پُرتکلف کھانے کی ڈشیں چنی گئی تھیں۔ میز کے اطراف ایدنانہ کے بہت سے رشتے دار بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے، وہ لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے، ہمیں دیکھتے ہی سب چپ ہو گئے، ایدنانہ میری طرف اشارہ کرتے ہوئے میرا تعارف کرانے لگی۔

سب لوگوں نے باری باری مجھے دیکھ کر سر ہلایا۔ جیسے مجھے وہ ایدنانہ کا شوہر تسلیم کر رہے ہوں۔

ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں کہا "میں یہاں کا خاندانی پلیڈر (وکیل) ہوں میرا نام کریگ پیٹن ہے۔ تم شاید انگریزی سمجھ لیتے ہو گے؟"

میں نے مسکرا کر کہا "میں انگریزی ہی سمجھتا ہوں، شہزادی ایدنانہ کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔"

ہم اپنی اپنی کرسی پر بیٹھنے لگے، وہ بولا "تعجب ہے، آپ دونوں ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے پھر میاں بیوی کیسے بن گئے؟"

میں نے جواب دیا "ہمارے دل کی زبان ایک ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پھر بھی آپ دونوں میاں بیوی کے رشتے تک کیسے پہنچ گئے؟"

میں نے کہا "شہزادی ایدنانہ نے مجھ پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں اس کا جواب آپ میری جوجو سے طلب کریں۔"

وہ ایدنانہ سے اس کی زبان میں باتیں کرنے لگا۔ میں نے اس کے رشتہ داروں کو... باری باری دیکھا۔ لانبی میز کے ایک سرے پر گورنس مے وش بڑی شانِ بے نیازی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ میز کے دوسرے سرے پر ایک بوڑھی خاتون نظر آئیں۔ خاتون کو ماما وانڈہ کہتے تھے۔ وہ ایدنانہ کی سوتیلی ماں اور تورلا اور مارلو کی سگی ماں تھی۔ وہ ماں کو ماما کہتے تھے۔ وانڈہ اس کا نام تھا، اس لئے ماما وانڈہ کہلاتی تھی۔ اس نے مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھا۔

میرے بائیں طرف ایدنانہ بیٹھی ہوئی تھی اور دائیں طرف اس کا سوتیلا بھائی مارلو تھا۔ مارلو باپ کی طرف سے سگا اور ماں کی طرف سے سوتیلا بھائی تھا۔ وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا اور دوسروں کو ہنسا رہا تھا یا اپنی باتوں سے انہیں جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیتا تھا۔ وکیل کریگ پیٹن کی سوچ نے بتایا کہ وہ مجھ پر اور ایدنانہ پر طنز کر رہا ہے۔ ایدنانہ کبھی کبھی گھور کر اسے دیکھتی تھی۔

میرے ٹھیک سامنے میز کے دوسری طرف تورلا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ماں اور باپ دونوں طرف سے ایدنانہ کا سوتیلا بھائی تھا۔ تورلا اور مارلو دونوں بھائی قد اور جسامت میں ایک جیسے تھے۔ دونوں ہی سخت مزاج اور چڑچڑے نظر آتے تھے۔ البتہ مارلو اپنے چڑچڑے پن کو مزاح میں بدل کر دوسروں کو طنز کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔

بہرحال اس پُراسرار قاتل تک پہنچنے کے لئے جو لوگ میرے سامنے تھے، ان کی فہرست یہ ہے۔ ماما وانڈہ۔ گورنس مے وش، تورلا، مارلو، وکیل کریگ پیٹن، میں نے اپنی اس فہرست میں شہزادی ایدنانہ کا نام بھی شامل کیا کیونکہ بعض اوقات مظلوم نظر آنے والی ہستی بھی مکار قاتل ثابت ہوتی ہے۔ ویسے وہ بہتر گھنٹے میرے ساتھ رہنے والی تھی۔ اس کی کسی چال کو سمجھنا نسبتاً آسان ہوتا۔ میں نے ایدنانہ کے سیکرٹری کو شامل نہیں کیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ رات کو قلعہ سے باہر چلا جاتا ہے، ڈاک بنگلہ میں سوتا ہے، دن کو ایدنانہ کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتا ہے۔

کھانے کے دوران میں وکیل کریگ کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ وہاں جو لوگ اپنی مادری زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ کریگ کا لاشعور ان کا انگریزی ترجمہ پیش کر رہا تھا۔ اس وقت میں ان کی گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔ تورلا نے اپنی سوتیلی بہن ایدنانہ کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "اس بار ایدنانہ نے ایسے شخص کو شوہر بنایا ہے جو ہماری زبان بالکل نہیں سمجھتا ہمارے درمیان یہ گدھا لگ رہا ہے۔"

ایدنانہ نفرت سے بولی "ٹھیک اسی طرح یہ تمہیں گدھا سمجھ رہا ہو گا۔ کیونکہ تمہاری بولی اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

مارلو نے طنز کیا "بولی کے لحاظ سے یہ تمہیں بھی گدھی سمجھ رہا ہو گا بہتر گھنٹے کی گدھی...."

ایدنانہ نے غصہ سے چمچہ پھینک کر مارا، چمچہ مارلو کے منہ پر لگا وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کرسی پیچھے کی طرف الٹ گئی۔ وہ ایدنانہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے آہستگی سے اپنی ایک ٹانگ بڑھا دی وہ الجھ کر اوندھے منہ فرش پر گر پڑا پھر وہ جلدی سے ہڑبڑا کر اٹھا۔ میں نے پیچھے ہاتھ بڑھا کر اپنی کرسی اس پر اچھال دی۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا، پھر ایک بار گر پڑا۔ چاروں شانے چت ہو گیا، کرسی اس کے اوپر تھی۔ میں نے فوراً ہی پلٹ کر کرسی پر اپنے پاؤں کا دباؤ اس طرح ڈالا کہ کرسی کی پشت کا ایک سرا مارلو کے گلے پر آ گیا۔ یوں جیسے کرسی اس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا، وہ تڑپ رہا تھا۔ ماما وانڈہ چیختی چلاتی آئی۔ مجھے اپنے بوڑھے ہاتھوں سے مارنے لگی۔ میں نے اس کے بیٹے کو چھوڑ دیا

مارلو [illegible] اپنے گلے کو سہلاتے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ماما وانڈہ مجھے گالیاں دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی ایدنانہ۔ تیرا یہ تیسرا شوہر میرے ہاتھوں قتل ہو گا۔"

تورلا بڑی سفاکی سے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا "یہ تیسرا شوہر سچ مچ گدھا ہے۔ ہاتھ آئے ہوئے شکار کو زندہ چھوڑ دیا۔ بھئی جائیداد کے حقداروں کو کسی بہانے ختم ہوتے رہنا چاہئے۔"

ماما وانڈہ چیخ کر بولی "تورلا! کیا تو مارلو کو قتل ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔ شرم کر اس نے تیرے بھائی کو مار ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اور تو تماشہ دیکھ رہا ہے۔"

تورلا نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "ماما اسے معاف کر دو۔ کیونکہ ایدنانہ کے شوہروں کی زندگی چند گھنٹوں کی ہوتی ہے۔"

میں نے ان کی باتوں سے انجان بنتے ہوئے کہا "تم سب اچھی طرح دیکھ لو جو میری جوجو کو آنکھ بھی دکھائے گا اس کا حشر مارلو جیسا ہو گا۔ سمجھے۔"

ایدنانہ خوش ہو کر میرے بازو سے لگ گئی۔ مے وش اپنی جگہ بیٹھی دانت پر دانت جمائے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے میرا وہ گلا گھونٹنے والی بے رحمی اسے پسند آئی ہو۔ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں مگر چہرے پر بلا کی سختی تھی۔ بولی۔

"سارلو نے مرنے سے پہلے کتے کے بچے پیدا کئے ہیں۔ ہمیشہ آپس میں بھونکتے لڑتے اور کاٹتے رہتے ہیں۔"

مے وش نے سارلو اور اس کے پورے خاندان کو بہت بڑی گالی دی تھی۔ لیکن اس ملازمہ کو جواباً کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ہاں ماما وانڈہ نے کہا "تو ہو گی کتیا، حرامزادی! اپنا ننگا پن بھول گئی؟ وہ ماسک وہ زنجیریں.... وہ چابک...."

مے وش ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر غصہ کی شدت سے کہہ نہ سکی، پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

میں وکیل کریگ سے کہنا چاہتا تھا کہ ماما وانڈہ سے کہو اپنا فقرہ پورا کرے یہ ماسک، زنجیریں اور چابک کا مطلب کیا ہوا؟ لیکن میرے پوچھنے کا مطلب یہ ہوتا کہ میں ان کی زبان سمجھ رہا ہوں۔

وہ وکیل خود ہی بڑبڑانے لگا۔ میری معلومات کے مطابق مے وش اذیت پسند عورت ہے اور آنجہانی سارلو اذیت ناک مرد تھا۔ ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ ایسے مرد اور عورتوں کے درمیان زنجیروں اور چابکوں کا غیر مہذب کھیل کھیلا جاتا ہے، مے وش سارلو کی منہ چڑھی ملازمہ تھی۔ وصیت میں درج ہے کہ مے وش باعزت طریقہ سے قلعہ میں رہا کرے گی، اپنے معاملات میں خود مختار رہے گی، اسے نہ تو ملازمہ سمجھا جائے اور نہ ہی خاندان کا کوئی فرد اس سے گستاخی کرے، ورنہ مے وش ہتک عزت کا دعویٰ کر کے اپنے مخالف کو ملنے والی جائیداد کے حصہ میں سے پانچ فیصد کی کمی کرا سکتی ہے۔

اب سمجھ میں آیا کہ مے وش کیوں اتنی خود سر اور تند مزاج تھی۔ اس خاندان کے لوگ اس کی گالیاں سن کر بھی خاموش رہتے تھے۔ اپنے حصے کی جائیداد میں پانچ فیصد کی کمی نہیں کرانا چاہتے تھے۔ ڈائننگ ہال کا ماحول ذرا پُرسکون ہو گیا تھا۔ مارلو ٹھنڈا پڑ گیا تھا، اپنی ماں کے پاس جا کر بیٹھ گیا تھا۔ مارلو کی خاموشی اپنے نام کی مناسبت سے کہہ رہی تھی جتنا چاہے مارلو۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اس خاموش سمندر کے اندر انتقام کا بھیانک سمندر چھپا ہوا ہو گا۔

ماما وانڈہ نے دوبارہ کھانا شروع کرتے ہوئے وکیل کریگ سے کہا "آج کی رات فیصلہ کن ہے۔ ایدنانہ کو آج سہاگ رات گزار لینا چاہئے اور اگر یہ ناکام ہوئی تو مسٹر کریگ آپ بتائیں کہ ایدنانہ کتنی شادیاں کرتی رہے گی؟ ہم کب تک دوسری وصیت کے کھلنے کا انتظار کرتے رہیں گے؟"

کریگ نے جواب دیا "میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ پہلی وصیت کے مطابق ایدنانہ کو ایک سال کے اندر سہاگن بن جانا چاہئے، خواہ اس کے لئے وہ سال بھر میں ہزاروں شادیاں کرتی رہے۔ اگر آپ سب یہ چاہتے ہیں کہ دوسری وصیت کل ہی کھول دی جائے تو پھر سب مل کر ایدنانہ کے موجودہ شوہر کی حفاظت کریں۔ اس بات کا موقعہ دیا جائے کہ یہ دونوں ازدواجی تعلقات قائم کر لیں۔"

ازدواجی تعلقات کو بڑی اہمیت دی جا رہی تھی۔ وہاں سب کو یقین تھا کہ میں چند گھنٹوں کا مہمان ہوں۔ میں بھی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ وہاں کریگ پیٹن کے سوا کسی کے خیالات نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اگر

یہ ممکن ہوتا تو اب تک دماغوں کی سرنگ سے گزرتا ہوا قاتل تک پہنچ جاتا۔ موجودہ حالات میں وہ قاتل کہیں سے بھی چھپ کر مجھ پر حملہ کر سکتا تھا خصوصاً خواب گاہ کا وہ بالکونی والا حصّہ ایسا تھا جہاں سے قاتل میرے پاس پہنچ سکتا تھا۔

ایدنانہ کا مشورہ تھا کہ ہم خواب گاہ کے مشرقی کمرے میں بند ہو کر رات گزار لیں گے لیکن وہ کمرہ ساری رات سونے اور آرام کرنے کے لئے موزوں نہیں تھا، چاروں طرف سے بند تھا۔ وہاں گھٹن کا احساس ہوتا خواب گاہ میں رہ کر صبح کرنے کے لئے لازمی تھا کہ بالکونی والے حصّے کو بند کر دیا جاتا اور آنی جلدی وہاں دیوار چن کر قاتل کا راستہ روکا نہیں جا سکتا تھا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد میں نے کریگ سے پوچھا: "آنجہانی سارلو کی وصیت میں یہ پابندی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایدنانہ کو اپنے شوہر کے ساتھ یہاں بہتر گھنٹے گزارنا چاہئیں۔"

کریگ نے جواب دیا: "ایدنانہ بچپن سے مغرور اور ضدّی ہے وہ کسی رشتے دار کو خاطر میں نہیں لاتی۔ کسی کے آگے جھکنا نہیں چاہتی۔ پھر کسی کو شوہر بنا کر اپنی ذات پر کیسے مسلط کر سکتی تھی۔ سارلو کو یقین تھا کہ اسے جائیداد کا بڑا حصہ مل جائے گا تو یہ کبھی شادی نہیں کرے گی۔"

اچانک میرے دماغ میں خیال پیدا ہوا کہ ایدنانہ ہی اپنے پہلے دو شوہروں کی قاتل ہے۔ وصیت سے مجبور ہو کر شادی کرتی ہے پھر اس سے پہلے کہ شوہر اس پر مسلط ہو، وہ اسے ختم کر دیتی ہے، یہ ایک اہم نکتہ تھا، لیکن کمزور تھا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتی رہتی، تو ایک سال بعد جائیداد سے محروم ہو جاتی۔ اب تو جائیداد کے حصول کے لئے صرف آٹھ ماہ رہ گئے تھے۔ اگر وہ ایسی حماقت کرتی رہتی تو ساری جائیداد سوتیلے بھائیوں کو مل جاتی۔

اس لحاظ سے یہ نکتہ کمزور ہو گیا تھا۔ پھر یہ کہ خواب گاہ میں نیکلس پہناتے وقت اس کے جذبات مچل رہے تھے۔ وہ ایسی بھری ہوئی تھی کہ کسی بھی لمحہ اپنا غرور ہار جانے کو تیار تھی، وکیل کریگ کہہ رہا تھا۔

"آنجہانی سارلو نے اسی لئے یہ پابندی عاید کی ہے جب تک وہ سہاگن نہیں بنے گی، اس وقت تک جائیداد اور بیس لاکھ ڈالر نقد کی رقم تقسیم نہیں ہوگی۔"

میں نے کہا: "کورٹ میرج کے بعد وہ سہاگن بن ہی چکی ہے اگر وہ کسی قاتل کی وجہ سے سہاگ رات نہ گزار سکے تو اس میں ایدنانہ کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے ایدنانہ کو دیکھا، وہ سر جھکائے کافی پینے میں مصروف تھی، ہماری باتیں نہیں سمجھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہم ڈائننگ ہال سے باہر آ گئے۔ دوسرے کمرے میں تورلا اور مارلو کسی بات پر جھگڑا کر رہے تھے۔ ماما واندہ دونوں بیٹوں کے درمیان بیٹھی گلاس بڑھاتے ہوئے بول رہی تھی۔

"تم ساری زندگی لڑتے جھگڑتے بسر ہو گے، بے شک تم دونوں سوتیلے ہو۔ لیکن مارلو میں تیری ماں ہوں۔ کیا تو یہ سوچ کر تورلا کی عزت نہیں کر سکتا کہ تورلا کو میں نے جنم دیا ہے؟"

مارلو نے کہا: "ماما! تو یہ بھول گئی کہ تھوڑی دیر پہلے یہ مجھے کھاتے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ تو میرے باپ کی بیوی رہی ہے، میں تیری عزت کرتا ہوں۔ مگر یہ نہیں بھول سکتا کہ تو نے تورلا کی صورت میں حرام کے پلّے کو جنم دیا ہے۔"

تورلا نے غصّے سے اپنے گلاس کی ساری بیئر مارلو کے منہ پر پھینک دی۔ مارلو نے گلاس پھینک کر مارا۔ پھر اس سے پہلے کہ دونوں کتوں کی طرف لپٹ پڑتے، ماں ان کے درمیان آ گئی۔ مے وش ٹھیک کہتی تھی کہ سارلو کی اولادیں کتّوں کی طرح لڑتی ہیں۔ ماما واندہ نے گرج کر دونوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

وکیل کریگ نے شراب کی بوتل اٹھا کر جام بناتے ہوئے مجھ سے پوچھا: "مسٹر کارل! آپ کونسی پیتے ہیں؟"

میں نے جواب دیا: "میں سونے سے پہلے ڈیزل پیتا ہوں یا گریس چاٹتا ہوں۔"

وہ ہنسنے لگا۔ میں نے یقین دلایا: "مسٹر کریگ! میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ ڈیزل یا گریس نہ ہو تو مجھے نیند نہیں آتی۔"

وہ دوسروں کے سامنے میری باتوں کا ترجمہ کرنے لگا، وہ قہقہے لگانے لگے، ایدنانہ نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ وکیل سے پوچھا: "کیا شوہر سنجیدہ ہے؟"

کریگ نے یہی بات مجھ سے پوچھی، میں نے کہا: "ہاں۔ ایک گیلن ڈیزل آئل سے کام چل جائے گا۔"

تورلا نے ہنستے ہوئے کہا: "اس مسخرے کی خواہش میں پوری کروں گا۔ ہمارے گیراج میں ڈیزل کا ایک بھرا ہوا ٹن موجود ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے چلا گیا، میں نے کریگ سے کہا: "سارلو خاندان کے پانچ افراد ہیں۔ ایدنانہ کے شوہر کی حیثیت سے میں چھٹا ہوں۔ تم ساتویں فرد ہو، باقی تین بے ضرر ملازم ہیں۔ کیا ان کے علاوہ بھی کوئی اس قلعہ میں موجود ہے؟"

"نہیں مسٹر کارل! آج شام چھ بجے سے قلعہ کا بڑا دروازہ بہتّر گھنٹے کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ ایدنانہ کا سیکریٹری کسی ضرورت سے آئے گا تو اس کے لئے دروازہ کھولا جائے گا۔ یا اگر تم قتل کر دیئے گئے تو پولیس والوں کے لئے وہ دروازہ کھلے گا۔ ویسے ہمارے علاوہ کوئی آٹھواں شخص اس قلعہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

میں نے کہا: "یہ زندگی اور موت کا کھیل دلچسپ بھی ہے اور خطرناک بھی، میں دیکھوں گا کہ میری جان کا دشمن کون ہے۔"

مے وش ہاتھ میں ایک شمعدان اٹھائے اس کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ مجھ سے نظریں ملتے ہی رک گئی۔ مارلو نے مسکرا کر پوچھا۔

"مے وش تمہارا کیا خیال ہے، ہمارا یہ تیسرا بہنوئی صبح تک زندہ رہے گا؟"

مے وش نے پہلے ایدنانہ کو دیکھا، پھر مجھے دیکھا، اس کے پیچھے راہداری کا اندھیرا تھا۔ آگے شمع کی... اس کی پھیلی ہوئی وحشت زدہ آنکھوں میں جگمگا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے قلعہ کی تاریکی سے موت جھانک رہی ہو، وہ چیختی ہوئی، کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی: "کوئی مجھ سے شرط لگائے، ایدنانہ کا یہ مرد نہیں رہے گا۔ قاتل کا آخری وقت آ گیا ہے۔"

ماما واندہ چیخ کر بولی: "اگر تو زندہ رہ جائے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ پہلے دو قتل تو نے کئے ہیں اور تیسرے کو مارنے کے بجائے خود اس پر مرتی رہے۔"

مے وش نے ایک گہری سانس کھینچ کر مجھے دیکھا، پھر ماما واندہ کو دیکھ کر فرش پر تھوک دیا، وہاں سے پلٹ کر چلی گئی۔ ماما واندہ گالیاں دینے لگی۔

"حرامزادی! سارلو کی زندگی میں بھی میری توہین کرتی تھی، میں بوڑھی ہو گئی تھی تا۔ آگ لگ جائے اس کی جوانی کو..."

میں ایدنانہ کے ساتھ اس کمرے سے باہر آ گیا۔ راہداری میں اندھیرا تھا۔ آگے ایک ملازم شمعدان اٹھائے ہمارے آگے چلنے لگا۔ پتھروں کی کس حال دیواروں پر ہمارے حرکت کرتے ہوئے سائے بھوتوں کی طرح تھرکتے ہوئے ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ ہماری خواب گاہ کے دروازے پر تورلا ایک بھوت کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ اس نے مسکرا کر دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے ہم سے کچھ کہا۔ اگر کریگ وہاں ہوتا تو میں اس کے دماغ سے ترجمہ سن لیتا۔ تورلا نے جب جھک کر فرش پر سے ٹن کا ڈبہ اٹھایا تو سمجھ میں آیا کہ میری خواہش کے مطابق میرا مذاق اڑانے کے لئے ڈیزل آئل لے کر آیا ہے۔ میں نے مسکرا کر "تھینک یو" کہتے ہوئے وہ ڈبہ لے لیا۔

ایدنانہ جھنجلا کر پاؤں پٹختی ہوئی خواب گاہ میں چلی گئی۔ میں نے تورلا سے کہا: "تجھے شرم نہیں آتی یہاں کھڑا ہوا ہے۔ میں تیری بہن کا جاجا ہوں۔ چل یہاں سے جا جا جا۔"

اس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر مٹھی بند کی۔ پھر کھولی۔ وہ مجھے دکھا رہا تھا کہ اس کے ہاتھ کے پنجے کتنے چوڑے اور انگلیاں کیسی فولادی ہیں، پھر اس نے دور ایدنانہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔ وہ ظاہر کر رہا تھا کہ ایدنانہ اس کی ہے، میری نہیں ہو سکتی۔ اس طرح سے وہ چیلنج کرنے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔

یہ نیا انکشاف ہوا کہ وہ ایدنانہ پر اپنا حق سمجھتا ہے۔ تورلا اور ایدنانہ ایک باپ سے نہیں تھے، مائیں بھی الگ الگ تھیں۔ میں نے اس پہلو سے غور نہیں کیا تھا کہ ان دونوں میں ازدواجی رشتہ ہو سکتا ہے۔

میں نے خواب گاہ میں داخل ہو کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ ایدنانہ ڈیزل آئل کے ڈبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زور زور سے کچھ کہہ رہی تھی۔ شاید اتنی خوبصورت اور رنگین خواب گاہ میں ڈیزل آئل لانے کی وجہ سے غصّہ دکھا رہی تھی۔

میں نے اشارے سے سمجھایا کہ ہم وہ رات اس مشرقی کمرے میں نہیں بلکہ اس خواب گاہ میں گزاریں گے۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے انکار کرنے لگی۔ یہ بتانے لگی کہ ہم دونوں الگ الگ کمرے میں سوئیں گے۔ میں مشرقی کمرے میں اور وہ خواب گاہ میں رہ کر صبح کریں گے، یہ جتا کر وہ لباس بدلنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ بالکونی میں چند کرسیاں درمیانی میز اور پھولوں کے گلدان رکھے ہوئے تھے۔ میں نے وہاں سے ایک ایک چیز اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دی۔ بالکونی کا قالین بھی ہٹا دیا۔ باہر باغیچہ میں اندھیرا تھا۔ اچانک وہاں ہلکی سی روشنی محسوس ہوئی۔ وہ بالکونی باغیچہ کی زمین سے چھ فٹ اونچی تھی، وہ وہاں سے صاف نظر آئی۔

وہ مے وش تھی۔ باغیچہ کی کھلی ہوا میں موم شمع کی لو تیزی سے تھرتھرا رہی تھی، اس کی روشنی مے وش کے چہرے پر ادھر سے ادھر ناچ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بھوکی شیرنی کی طرح مجھے تک رہی تھیں جیسے وہ مقناطیس بن کر مجھے اپنی طرف کھینچ لینا چاہتی ہوں۔ پھر اس کا ہاتھ بلاؤز کے گریبان پر پہنچا، ایک دم سے شمع کی لو بھڑک کر بجھ گئی۔ وہاں اب تاریکی چھا گئی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے باوجود تصوّر کی آنکھوں میں دنیا گول گول گھوم رہی تھی۔

دوسرے کمرے سے ایدنانہ کی آواز سنائی دی۔ وہ بالکونی کے سامان کو دیکھتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی۔ یقیناً پوچھ رہی ہوگی کہ میں نے وہ سامان ادھر سے اٹھا کر ادھر کیوں رکھ دیا۔ میں نے بالکونی سے پلٹ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے اشارے سے سمجھایا۔

"ذرا ٹھہرو، میں ابھی بتاتا ہوں۔"

وہ مجھے گھورنے لگی۔ میں ڈیزل آئل کا ڈبہ اٹھا کر ... بالکونی میں گیا۔ پھر ڈبے کو کھول کر وہاں کے فرش پر ڈیزل آئل ... انڈیلتا ہوا چاروں طرف پھیلاتا ہوا خواب گاہ میں واپس آ گیا۔ ایدنانہ شاید مجھے پاگل سمجھ کر بڑبڑا رہی تھی۔ میں نے ہاتھ پاؤں کی حرکتوں سے سمجھایا کہ اب جو بھی قاتل بالکونی کے راستے سے آئے گا، وہ ایک بار پھسلنے کے بعد دوبارہ اٹھ نہیں سکے گا۔ جتنی بار اٹھنا چاہے گا اتنی بار گرتا رہے گا۔

اس نے ایک دم سے اٹھ کر تعریفی نظروں سے مجھے دیکھا، وہ باریک نائٹی پہنے ہوئے تھی۔ نائٹی ایسی گھیر دار تھی کہ بدن کہیں چھپ رہا تھا اور کہیں سے جھانک رہا تھا۔ میں ڈیزل کا ٹن ایک طرف رکھ کر ہاتھ دھونے کے لئے باتھ روم میں چلا گیا۔ جب میں واپس آیا تو خواب گاہ کا فانوس بجھا ہوا تھا

صرف ایک موی شمع ایک کونے میں روشن تھی۔ وہ ننھی سی روشنی اتنی بڑی خوابگاہ کو بہت ہی پُراسرار اور رومان پرور بنا رہی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ شہزادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ خود پُراسرار بن گئی۔

میں نے آواز دی: ایدنانہ — اید — نا — نہ —

جواب نہیں ملا۔ مجھے خطرے کا احساس ہوا۔ میں فوراً ہی ریوالور نکال کر دیوار سے لگ گیا۔ جب میں باتھ روم میں تھا، تب کسی نے ایدنانہ کو قابو میں کرکے فانوس کو بجھایا ہوگا۔ مگر خوابگاہ میں کوئی کیسے آ سکتا تھا؟ دروازہ اندر سے بند کیا گیا تھا۔ بالکونی کے راستے کو میں نے بند کر دیا تھا۔ وہاں داخل ہونے کا کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا۔ میں دیوار سے لگ کر ایک طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ مشرقی کمرے کے دروازے پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اس کے پیچھے سے گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔ یوں لگا کہ کسی نے ایدنانہ کے منہ کو دبا رکھا ہے۔

میں نے ریوالور کا رُخ پردے کی طرف رکھتے ہوئے للکارا: "میرے ہاتھ میں ریوالور ہے، مجھے ایدنانہ کی پروا نہیں ہے، میں اپنے دشمن کو بے نقاب کرنے کے لئے اندھا دھند فائرنگ کرتا ہوا اس کمرے میں پہنچ جاؤں گا، اپنی خیریت چاہتے ہو تو سامنے آجاؤ۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی، پھر پردے میں حرکت ہوئی۔ پھر ایدنانہ کا ہاتھ پردے سے باہر آیا۔ اس کے منہ سے "اوں اوں" کی آواز نکل رہی تھی۔ وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے دوسرا ہاتھ آگے بڑھا کر پردے کو ذرا ہٹایا۔ اسی لمحہ کسی کی زبردست ٹھوکر میرے سینے پر پڑی ریوالور میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا ایک کارنر کی میز پر جا کر گرا۔ وہاں رکھی ہوئی اکلوتی موی شمع بجھ گئی۔

اندھیرا — گھور اندھیرا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں پوری حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے وہاں سے کھسک گیا، جہاں گرا تھا۔ اسی وقت کارنر میز پر کھٹکا سنائی دیا۔ حملہ آور نے اندازے سے ٹھوکر ماری ہوگی اور اس کی لات میز سے ٹکرائی ہوگی کیونکہ اس کی کراہ سنائی دی تھی، میں نے آواز کی سمت ایک لات ماری، میرا نشانہ خالی نہیں گیا۔ کوئی آہنی سی چیز بالکونی کے ننگے فرش پر جا کر گری۔ اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ دشمن کے ہاتھ سے چاقو نکل کر اُدھر گیا ہے، اطمینان ہو گیا کہ وہ بھی اب نہتا ہے۔

وہ مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ ہم ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرنے لگے، زور لگاتے ہوئے اِدھر سے اُدھر ہونے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ننگا ہے اور سر سے گردن تک ماسک پہنے ہوئے ہے، ماما وانده کی بات یاد آئی۔

• ماسک — زنجیریں — اور چابک ...!

ان میں سے ایک ماسک والا آکر مجھ سے ٹکرایا تھا۔ اچانک اس نے میرے سر پر ٹکر ماری۔ میری گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ پھر اس نے دوسری ٹکر ماری لیکن اس سے پہلے ہی میں نے سر جھکا لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ناک میرے سر سے ٹکرائی، وہ بلبلا کر رہ گیا۔

اسی وقت ایک ٹارچ کی روشنی ہوئی۔ روشنی میرے پیچھے سے آئی اور اس کے چہرے پر پڑی۔ میں نے ایک گھونسہ اس کی ناک پر جڑ دیا۔ وہ زخمی درندے کی طرح غرّانے لگا، میں دوسرا گھونسہ بھی اس کی ناک پر جمانا چاہتا تھا۔ اگر ٹیلی پیتھی کام آ سکتی تو میں اس کی طرف سے ہونے والے حملوں کو پہلے ہی سمجھ لیتا۔ وہاں صرف طاقت اور حاضر دماغی کام آ سکتی تھی۔ وہ بلاشبہ طاقتور اور پھرتیلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ناک پر دو زبردست مکّے کھانے کے بعد بھی سنبھل سکتا ہے۔ اچانک اس نے میرا ہاتھ تھام کر ایک جھٹکے سے دوسری طرف گھما دیا۔ مجھے اس کی طرف دوبارہ پلٹنے کا موقع نہیں ملا۔ اس نے فوراً ہی پیچھے سے میرے ایک ہاتھ کو گرفت میں لے کر دوسرا ہاتھ میری ٹانگوں کے درمیان لے جا کر مجھے اپنے شانوں پر اٹھا لیا۔

میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا، اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے تڑپنے لگا اور ایسا ممکن نہ تھا۔ اگر وہ کپڑے پہنے ہوتا تو میں اس کے کمر بند یا لنگوٹ میں ہاتھ ڈال کر اسے اس خطرناک داؤ کو آزمانے سے باز رکھتا۔

وہ مجھے اٹھائے ہوئے گول گھوم رہا تھا۔ اب ٹارچ کی روشنی ہم پر نہیں تھی کیونکہ ایدنانہ چیختی ہوئی بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کا اندھیرا میرے لئے سازگار رہا۔ میرا مخالف یہ اندازہ نہ کر سکا کہ مجھے گول چکر دینے کے بعد کدھر پھینک رہا ہے، اس نے پھینک دیا۔ میں تاریک فضا میں اڑتا ہوا ملائم بستر پر آگرا۔

میری کمر کی ہڈی دکھ رہی تھی۔ اگر وہ مجھے پختہ فرش پر پٹختا تو ہڈی ٹوٹ ہی جاتی، میں نے کراہ کر کروٹ بدلتے ہوئے دیکھا۔ ایدنانہ دروازے کو پیٹ رہی تھی، اپنی زبان میں آوازیں دے رہی تھی۔ اس دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر ہماری طرف ٹارچ کی روشنی پھینکی وہ ماسک پوش مجھے اندھیرے میں ڈھونڈ رہا تھا۔ روشنی ہوتے ہی میں بستر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ تیزی سے آ رہا تھا۔ اس کی تیزی بتاتی تھی کہ لڑنے والا فلائنگ کک کے لئے پر تول رہا ہے۔ میرے لڑنے کا یہ تجربہ غلط نہیں تھا۔ وہ فلائنگ کک کے لئے اڑتا ہوا آیا۔ میں نے جھک کر اس کے پیٹ کے نیچے ایک گھونسہ رکھ دیا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ وہ فرش پر گر کر دونوں ہاتھ ٹانگوں کے درمیان رکھ کر بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

ٹارچ پھر بجھ گئی۔ پھر گہری تاریکی چھا گئی۔ ایدنانہ کے دروازہ پیٹنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں وہ میرے سامنے فرش پر تڑپ رہا تھا۔ میں نے اندازے سے ٹھوکر ماری۔ شاید وہ دوسری طرف سرک گیا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دو چار ٹھوکریں ماریں لیکن وہ نشانہ نہ بن سکا۔ اسی وقت باہر سے دروازہ

کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے خوابگاہ روشن ہو گئی تینوں ملازم تین شمعدان اٹھائے اندر آئے ان کے ساتھ ماما وانده تھی۔

اس عورت نے مجھے حیرانی سے دیکھا جیسے میرے زندہ سلامت رہ جانے کی توقع نہیں تھی۔ میں نے اس سے نظریں پھیر کر اپنے دشمن کو دیکھا۔ وہ نہیں تھا۔ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں دوڑتا ہوا مشرقی کمرے میں گیا کیونکہ وہ بالکونی کے راستے فرار ہوتا تو پھسلنے کے بعد اٹھ سکتا تھا۔ خوابگاہ کا دروازہ باہر سے بند تھا جو ابھی کھولا گیا تھا لہٰذا وہ مشرقی کمرے کی طرف ہی جا سکتا تھا لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اس کمرے میں کوئی دوسرا دروازہ باہر نکلنے کے لیے نہیں تھا۔ کھڑکیوں پر لوہے کی جالیاں تھیں، پھر وہ کہاں غائب ہو گیا؟

خوابگاہ کی روشنی اس کمرے تک پہنچ رہی تھی۔ ایدنانہ ٹارچ اور میرا ریوالور لے کر آ گئی۔ میں نے پوچھا۔ "وہ شیطان کہاں چلا گیا؟"

وہ میرا منہ تکنے لگی۔ ماما وانده بڑبڑاتی ہوئی آئی۔ مجھے یاد آیا کہ میں ان کی بولی نہیں سمجھتا اور نہ یہ عورت میری باتیں سمجھ سکے گی میں نے کہا۔ "وہ تمہارا وکیل، پلیڈر کریگ ہیٹن کہاں ہے؟ سمجھتی ہو آئی جسٹ وانٹ ڈیٹ فیلو کریگ ہیٹن۔ وہ تم لوگوں کی الٹی سیدھی بولی مجھے سمجھا دے گا۔ کریگ ہیٹن کو جلدی بلاؤ۔"

آخری بکواس کے بعد ایدنانہ کی سمجھ میں آیا۔ اس نے سر ہلا کر مجھ سے پوچھا۔ "کریگ ہیٹن؟"

"ہاں، کریگ ہیٹن۔ تعجب ہے اس فیملی میں تین مرد ہیں لیکن یہاں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے معلوم ہوتا ہے سب اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر سو رہے ہیں۔"

میری باتوں کے دوران ایدنانہ نے ایک ملازم کے سامنے کریگ ہیٹن کا نام لے کر کچھ کہا۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ میں ایدنانہ کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر اس مشرقی کمرے کے ایک ایک حصے کو دیکھنے لگا۔ وہ دشمن کوئی بھوت نہیں تھا کہ غائب ہو جاتا اس کمرے ہی میں وہ چھپ سکتا تھا مگر وہ چھپا ہوا نہیں تھا لہٰذا ایک ہی خیال آتا تھا کہ اس کمرے سے نکل بھاگنے کے لیے کوئی خفیہ دروازہ ہے۔

فرش پر قالین جوں کا توں بچھا ہوا تھا۔ اگر کوئی زمین دوز راستہ ہوتا تو قالین کہیں سے بے ترتیب اور الٹا ہوا ہوتا۔ بھاگنے والے کو زیادہ سے زیادہ ایک منٹ کی مہلت ملی تھی۔ میں نے دیوار پر روشنی پھینکتے ہوئے دیکھا بھاگنے والا عجلت اور بدحواسی میں دیوار کی ایک تصویر کو ترچھا چھوڑ گیا تھا۔ اگر وہ تصویر کو سیدھا کر دیتا تو... مجھے وہ آہنی کل نظر نہ آتی۔

میں نے آگے بڑھ کر اشاروں کی زبان میں پوچھا۔ "اس آہنی کل کا مطلب کیا ہوا؟"

وہ لاعلمی ظاہر کرنے لگی۔ ماما وانده اس تصویر کے پیچھے دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ میں نے اس آہنی کل کو ہاتھ لگایا پھر اسے اِدھر اُدھر ہلایا لیکن کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اتنے میں کریگ ہیٹن آ گیا۔ ایدنانہ اور ماما وانده اسے تمام واقعہ سنانے لگیں۔ میں نے آہنی کل کو باہر کی طرف کھینچنے کے لیے ایک جھٹکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ تصویر سے دو فٹ کے فاصلے پر گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ ایدنانہ سہم کر مجھ سے لپٹ گئی۔ دیوار کا ایک حصہ ایک طرف سرک رہا تھا۔ اس دیوار کے پیچھے سے ایک تاریک برآمدہ نمودار ہو رہا تھا اور ٹارچ کی روشنی میں وہاں کی تاریکی چھٹ رہی تھی۔

میں نے کریگ ہیٹن سے پوچھا۔ "مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا گیا کہ اس کمرے میں چور دروازہ ہے؟"

کریگ نے یہی سوال ایدنانہ اور ماما وانده سے کیا۔ وہ دونوں قسمیں کھانے لگیں کہ انھوں نے آج ہی اس خفیہ دروازے کو دیکھا ہے۔ میں نے پوچھا۔ "کیا یہ خوابگاہ اور مشرقی کمرہ ایدنانہ کے لیے مخصوص رہتا ہے؟"

"نہیں، جب بہتر گھنٹے اس قلعہ میں گزارنے آتی ہے تو یہ کمرہ اور وہ خوابگاہ سہاگ رات گزارنے کے لیے ایدنانہ کے نام کیے جاتے ہیں۔ پانچ برس پہلے قلعہ کا یہ حصہ آنجہانی سارلو کے لیے مخصوص تھا۔"

میں نے وکیل کریگ ہیٹن کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم اب تک کہاں تھے؟"

"میں اپنے کمرے میں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے شہزادی ایدنانہ کے چیخنے اور دروازہ پیٹنے کی آوازیں اپنے کمرے سے سنی تھیں۔"

"کیا یہ تمہارا فرض نہیں تھا کہ تم فوراً ہی مدد کے لیے آتے۔ کیا یہ کہ بلانے پر یہاں آئے ہو۔"

اس نے مجھ سے کہا۔ "مسٹر کارل! قتل اور خون خرابے کے معاملے میں کوئی ہیرو ٹانگ اڑا سکتا ہے۔ میں وکیل ہوں۔ جب جرم ہو جاتا ہے، کیس بن جاتا ہے اور مجھے بلایا جاتا ہے تب میں آتا ہوں۔ دنیا کے سارے وکیل، بیرسٹر یہی کرتے ہیں۔"

میں نے اسے گھور کر کہا۔ "ماما وانده سے پوچھو۔ اس کے دونوں بیٹے کہاں ہیں؟"

اس نے پوچھا۔ ماما وانده نے جواب دیا۔ "میرے بچے اپنے اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔"

کریگ نے مجھ سے کہا۔ "پتہ نہیں وہ اپنے کمرے میں موجود بھی ہیں یا نہیں؟ بہتر ہے کہ ہم اس خفیہ راستے کو دیکھیں، آگے یقیناً تہہ خانہ ہوگا۔ شاید تمہارا دشمن وہاں چھپا ہوا ہو۔"

ماما وانده نے کہا۔ "میں ایسی جگہ نہیں جا سکتی پرانی یادیں میرا کلیجہ چھلنی کر دیتی ہیں۔"

کرگیگ نے پوچھا "پرانی یادوں کا مطلب کیا ہوا؟ کیا تم تہہ خانے کے بارے میں پہلے سے جانتی ہو؟"

وہ گہری سنجیدگی سے سر ہلا کر بولی "ہاں مگر یہ خفیہ راستہ میرے لیے نیا ہے۔ جب سارلو زندہ تھا تو مجھے کچن کے ایک خفیہ راستے سے وہاں لے گیا تھا۔ مجھے وہاں جاتے ہوئے وحشت ہوتی ہے۔ میں نہیں جاؤں گی۔"

"میں بحیثیت وکیل کہتا ہوں کہ وہاں ہم سب کو گواہ کے طور پر جانا چاہیے۔ وہ پراسرار تہہ خانہ پتہ نہیں کیا چیز ہوگا۔ کسی کا بھی تنہا جانا مناسب نہیں ہے۔"

ایدنانہ نے بھی اس عورت کو سمجھایا۔ آخر وہ راضی ہو گئی۔ ہم سب اس چور دروازے سے گزر کر تنگ راہداری میں پہنچے۔ وہاں دیوار میں ویسی ہی آہنی کل لگی ہوئی تھی جسے کھینچنے سے چور دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ ہم ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھے۔ راہداری تنگ تھی بیک وقت دو آدمی شانہ بشانہ گزر کر جا سکتے تھے۔ میں اور ایدنانہ آگے تھے۔ واندہ اور کریگ ہمارے پیچھے آ رہے تھے۔ ذرا آگے جا کر ایک زینہ نیچے کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ وہاں ہم ٹھٹک گئے۔ دور کہیں سے زنجیر بجنے کی آواز سنائی دی۔

"ماسک، زنجیریں، چابک۔۔۔" یہ بات ماما واندہ نے مے وش سے کہی تھی۔ ہم نے ماما واندہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اسی وقت بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی ننگے پاؤں تھا۔ تہہ خانے کے سناٹے میں پاؤں کی دھپ دھپ پھیلی جا رہی تھی۔ میں تیزی سے زینے اترنے لگا۔ میرے بائیں ہاتھ میں ٹارچ اور دائیں ہاتھ میں ریوالور تھا۔ بھاگنے والا نظر آتے ہی میں اس کی ٹانگ پر گولی مار سکتا تھا۔ وہ نظر نہیں آیا۔ ہم زینے سے اتر کر ایک وسیع تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ وہاں کئی موم بتیاں روشن تھیں۔ دیواروں پر بڑی بڑی ننگی تصویریں تھیں۔ بعض تصویروں میں مرد کو عورت پر درندوں جیسا ظلم کرتے دکھایا گیا تھا اور کچھ تصویریں ایسی تھیں کہ عورت مرد پر ظلم کر رہی تھی۔ پھر ہم نے ایک جیتا جاگتا ظلم دیکھا۔ مے وش چاروں شانے چت ننگے فرش پر پڑی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ پاؤں زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور ایک چمڑے کا چابک اس کے سینے پر رکھا تھا۔

ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ اس کے خوبصورت جسم پر چابک کے کتنے ہی آڑے ترچھے نشانات بنے ہوئے تھے۔ لہو کی دھاریں کہیں تازہ تھیں، کہیں خشک ہو چکی تھیں۔ اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ ہم اسے دیکھ رہے تھے۔ اب وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ظلم و تشدد کی انتہا نے اسے مار ڈالا تھا۔

⁂

وہاں سے قریبی تھانہ پچاس میل کے فاصلے پر تھا۔ ہمارے مشورے کے مطابق ایدنانہ نے ایک ملازم کو ڈاک بنگلے بھیجا تاکہ اس کا سیکرٹری تمام حالات سے باخبر ہو کر تھانے کے انچارج کو ساتھ لے آئے۔ تہہ خانے سے باہر آتے ہی سب سے پہلے میں نے تولا کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ دوسری دستک پر دروازہ کھل گیا۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر دیکھا اس کے بستر پر ایک شکن تک نہ تھی۔ کریگ نے میری طرف سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ سو رہا تھا۔ ایدنانہ کی خوابگاہ میں ہونے والے شور کو سن نہ سکا۔

میں نے کریگ کو بستر دکھایا "مسٹر کریگ! یہ جاگ رہا تھا اور اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ اگر یہ سو رہا ہوتا تو بستر کی چادر پر ذرا سی شکن ضرور ہوتی۔ شراب کی بوتل بھری ہوئی ہے اس نے ابھی پیگ بنایا ہے اور ایش ٹرے خالی ہے۔ سگریٹ بھی ابھی اس نے سلگایا ہے۔ کیا ان باتوں سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کمرے میں نہیں تھا۔ ابھی ذرا پہلے یہ یہاں آیا ہے۔"

کریگ نے تولا سے یہ حقائق بیان کیے، وہ بولا "میں کہہ چکا ہوں کہ میں گہری نیند سو رہا تھا ایک خواب نے پریشان کیا تو آنکھ کھل گئی۔ میں نے بستر سے اٹھ کر چادر درست کی۔ نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے شراب کی یہ بوتل کھول لی سگریٹ بھی ابھی سلگایا ہے۔"

ماما واندہ نے نفرت سے کہا "وہ حرامزادی اذیت پسند تھی۔ قاتل نے اذیت پہنچا دی۔ اس کا یہی انجام ہونا تھا۔ اس لیے میرے بیٹے پر شبہ نہ کرو۔"

میں نے وہاں سے مارلو کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا "ماما واندہ سے پوچھو کہ سارلو اسے تہہ خانے میں کیوں لے گیا؟"

کریگ نے پوچھا تو ماما واندہ نے جواب دیا "مجھے معلوم ہوتا سارلو درندہ اور ظالم ہے تو میں اس سے شادی نہ کرتی۔ شادی کے دس سال بعد وہ مجھے کچن کے راستے تہہ خانے میں لے گیا۔ مجھ سے وہی کھیل کھیلنا چاہتا تھا مگر میں ایک ہی چابک کھا کر بھاگ گئی۔ اس کے بعد پھر اس نے مجھے کبھی مجبور نہیں کیا۔ وہ ہر دو چار ماہ بعد ظلم کرنے کے لیے کسی عورت کو پکڑ لاتا تھا۔ اس کی زندگی میں عورت مے وش تھی۔ اس حرامزادی نے سارلو کو جیت لیا تھا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے حسد اور جلاپے نے قتل کیا ہو؟"

"ہاں، میں نے ان کمزور اور بوڑھے ہاتھوں سے اسے [illegible] اور اسے چابک سے مارا۔ میں ہی ماسک پہن کر ایدنانہ کے اس شوہر [illegible] کرنے گئی تھی۔"

میں نے چونک کر سوچا۔ ماما واندہ کو کیسے معلوم ہوا کہ حملہ کرنے والا ماسک پہنے ہوئے تھا۔ میں نے کریگ کے ذریعے وضاحت چاہی تو وہ بولی کہ ایدنانہ نے اسے بتایا تھا۔ ہم نے

مارلو کے کمرے کے پاس پہنچ کر دستک دی، جب دو چار مرتبہ دستک کے بعد دروازہ نہ کھلا تو ہم نے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ اندر سے مارلو کے دھاڑنے کی آواز آئی "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کسی کی نیند خراب کرنا کہاں کی شرافت ہے؟ چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔"

ماما واندہ نے کہا "بیٹے! وہ حرامزادی قتل کر دی گئی ہے۔ یہ وکیل اور ایدنانہ کا شوہر تم سے سوالات کرنا چاہتے ہیں۔"

اندر سے آواز آئی "ماما! میں کسی کے آگے کسی بات کا جواب دہ نہیں ہوں۔ جب پولیس والے آئیں گے تو وہ مجھ سے بیان لے سکیں گے تم سب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

مجھے اس نوجوان پر بڑا غصہ آیا۔ کاش کہ میں ان دونوں بھائیوں کی سوچیں پڑھ سکتا۔ ایک بار میں نے اجنبی میزبان کے گونگے ملازم کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا۔ اس گونگے کے تصور کو دیکھا تھا۔ چونکہ کوئی مخصوص زبان نہیں تھی اس لیے میں اپنی سوچ کے ذریعے اپنی مطلوبہ معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یہی پوزیشن اس قلعے میں تھی میں یہاں اجنبی بولی بولنے والوں کے تصورات کو کسی حد تک پڑھ سکتا تھا مگر انہیں اپنی مطلوبہ معلومات کی طرف موڑ نہیں سکتا تھا۔ اس کے لیے ان کی زبان کو سمجھنا ضروری تھا۔

اس دوران میں نے ماما واندہ، تولا، مارلو، اور ایدنانہ کی آنکھوں میں وقفہ وقفہ کے بعد جھانک کر دیکھا تھا۔ ہر ایک کے تصور میں ماسک، زنجیریں، چابک، تہہ خانہ، چور دروازہ اور کچھ کاغذات تھے۔ شاید وہ وصیت کے متعلق زیادہ سوچتے تھے لیکن ان سب کے تصورات میں کوئی ربط نہیں تھا۔ ایسا ربط جو ان میں سے کسی کو قاتل ثابت کر دیتا۔ میں نے کریگ کے ذریعے ماما واندہ سے سوال کیا "ماما واندہ کو تہہ خانے کے بارے میں پہلے سے علم تھا کیا اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو اس کے بارے میں بتایا تھا؟"

واندہ کا جواب ملا "ہاں، جب بیٹے جوان ہو گئے تو میں نے بتایا تھا لیکن اس سے پہلے ہی سارلو نے کچن کے چور دروازے کو توڑ کر اپنے ہاتھوں سے وہاں ٹھوس دیوار چن دی تھی۔ وہ رازوں کو یہ کام خود کرتا تھا کسی ملازم کو بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔ اس کے بعد یہ مے وش یہاں گورنس بن کر آئی تھی۔ ابھی جس خوابگاہ میں ایدنانہ رہتی ہے وہاں سارلو تنہا رہتا تھا۔ بیٹے کے لیے دوسری خوابگاہ تھی مجھے شبہ تھا کہ سارلو اور مے وش کے ناجائز تعلقات تھے کیونکہ وہ رفتہ رفتہ سر چڑھی ملازمہ بنتی جا رہی تھی۔ میں ماسک، زنجیروں اور چابک کا حوالہ دے کر اس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتی تھی مگر وہ بہت گہری تھی۔ اس نے کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ سارلو کی خوابگاہ کے مشرقی کمرے میں بھی ایک چور دروازہ ہے۔"

میں نے کہا "مسٹر کریگ! خواہ مخواہ نیند حرام کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پولیس والے خود ہی سمجھ لیں گے میں سونے جا رہا ہوں۔"

میں نے ایدنانہ کے ساتھ خوابگاہ میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ مے وش کی لاش پولیس والوں کے انتظار میں وہیں تہہ خانے میں پڑی تھی۔ مشرقی کمرے کا وہ دروازہ جو ہماری خوابگاہ میں کھلتا تھا اسے میں نے مقفل کر دیا۔ ایدنانہ کچھ گھبرائی ہوئی پریشان سی تھی میں نے اسے کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے پوچھا "پریشان کیوں ہو؟"

وہ میری زبان کیا سمجھتی؟ کسمسا کر الگ ہو گئی۔ میں نے اشاروں سے پوچھا۔ اس نے باتھ روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سمجھایا کہ وہاں سے بھی کوئی دشمن نکل کر آ سکتا ہے۔ اس کا شبہ درست ہو سکتا تھا میں نے آگے بڑھ کر باتھ روم کے دروازے کی چٹخنی باہر سے لگا دی۔ پھر ایدنانہ کے قریب آ کر اس کی کمر پر ہاتھ ڈالا۔ وہ گھوم کر دور نکل گئی۔ میں نے اشاروں میں پوچھا "اب کیا ہوا؟"

اس نے انگلی اٹھا کر اسٹور روم کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بیزار ہو کر کہا "پلنگ کے نیچے بھی دیکھ لو شاید کوئی دشمن چھپا ہو۔"

وہ میری جھنجھلاہٹ پر مسکرانے لگی۔ میں اسٹور روم کی طرف گیا۔ اسی وقت موم بتیاں بجھ گئیں۔ میں نے پلٹ کر دیکھا ایدنانہ نے انہیں بجھایا تھا۔ صرف ایک شمع روشن تھی۔ اس وسیع و عریض خوابگاہ میں ایک شمع کی روشنی کافی نہیں تھی۔ اس روشنی میں ایدنانہ کا وجود کچھ نمایاں تھا، کچھ مٹا مٹا سا تھا۔ میں نے اسٹور روم کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ اسی لمحے ایدنانہ کا وجود بالکل ہی مٹ گیا آخری شمع بھی بجھ گئی۔

میں نے پریشان ہو کر کہا "یہ کیا حماقت ہے۔ یہ تاریکی پہلے ہی میرے لیے مصیبت بن گئی تھی تم نے اندھیرا کیوں کر دیا؟"

یہ محض میری بڑبڑاہٹ تھی کیونکہ وہ میری بات نہ سمجھ سکتی تھی۔ نہ ہی اب اندھیرے میں اشاروں سے کچھ سمجھایا جا سکتا تھا۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ ایدنانہ بھی اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر مجھے ہلاک کر سکتی ہے اگرچہ اس کے قاتل بننے کا کوئی معقول جواز نہ تھا پھر بھی مجھے ہوشیار رہنا چاہیے تھا۔ ایسا ممکن تھا کہ ایدنانہ اس اندھیرے میں مشرقی کمرے کا دروازہ کھول دیتی۔ قاتل کو دوبارہ خوابگاہ میں پہنچنے کا موقع دیتی۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود اس کا اپنا نقصان تھا۔ وہ [illegible] وصیت کے مطابق ملنے والی دولت سے محروم ہو جاتی۔ اس کے باوجود میں اسے شبہ سے بالاتر نہیں سمجھتا تھا۔

میں نے اندازے سے مشرقی کمرے کی سمت بڑھنا شروع کیا۔ اگر ایدنانہ ادھر جاتی تو میں اسے پکڑ لیتا۔ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے

کے بعد میں بیٹھ گیا۔ گھٹنوں کے بل چلنے لگا تاکہ ناگہانی حملوں سے محفوظ رہ سکوں۔ میں نے بیٹھے ہی بیٹھے ادھر ادھر دونوں ہاتھ پھیلا کر اندھوں کی طرح ٹٹولنا شروع کیا۔ ایک جگہ میرا ہاتھ ٹکرایا۔ میں نے گھوم کر دونوں ہاتھوں سے محسوس کیا۔ اس کے چکنے چکنے پاؤں تھے وہ کھڑی ہوئی تھی جیسے تنہائی کا ٹھوس وجود ہو۔ وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹارچ ایدنانہ کے پاس تھی جسے اس نے فرش پر کہیں چھوڑ دیا تھا۔ آخر ایک جگہ ٹکرا کر میں بستر پر گرا۔ ایدنانہ نے ہلکی سی چیخ ماری پھر ہنسنے لگی۔ اس سمے رات بڑی ٹھنڈی اور خوشگوار ہو رہی تھی۔ باغیچے کے پھولوں کی خوشبو بالکونی کے راستے ہم تک پہنچ رہی تھی۔ اور ہماری سانسوں میں سما رہی تھی۔

تب بالکونی کے فرش پر دھپ کی آواز سنائی دی۔ ایدنانہ سہم کر آنے والے کو دیکھنا چاہتی تھی مگر میرے سائے سے نکل نہ سکی۔۔۔ بالکونی تک پہنچنے والے کی غراہٹ سنائی دی۔ ایدنانہ کچھ بڑبڑائی اور میں نے اس کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگا دی۔ بالکونی سے پھر غراہٹ سنائی دی "غاؤں، غاؤں، غاؤں" ایک بلا غرا رہا تھا اور ڈینرل آئل پر پھسل رہا تھا۔

بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں قدم جمانے کے باوجود پھسلنا پڑتا ہے۔ بالکونی کی سطح بڑی ہی چکنی تھی۔ بلا سنبھلنے کے باوجود پھسل رہا تھا۔ ایدنانہ نے پھر کچھ کہا۔ میں جواب میں "غاؤں غاؤں" غرایا۔ وہ سہم کر لپٹ گئی۔ بلا پھسلتے پھسلتے ٹھہر گیا تھا۔ پنجے گاڑ دینے کے بعد سنبھلنے اور پھر ٹھہر جانے کا موقع مل جاتا ہے۔ چند لمحوں کے لیے ماحول پر سکتہ سا طاری ہو گیا پھر وہ پنجوں کے بل چکناہٹ پر سے چھلانگ لگا کر باہر نکل گیا۔

⭘

میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بجے تھے۔ ایدنانہ میرے سینے میں منہ چھپائے گہری نیند سو گئی تھی۔ میں نے بڑی آہستگی سے اسے الگ کیا۔ اس وقت چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی بالکونی کے راستے آ کر خوابگاہ کو دھیمے دھیمے اجاگر کر رہی تھی۔ میں نے وہاں سے اٹھ کر ٹارچ کو تلاش کیا پھر اسے ایک جگہ فرش سے اٹھا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ٹیلی پیتھی کو آزمانا شروع کیا۔

سب سے پہلے میں نے تورلا کی آنکھوں کو تصور میں دیکھا۔ مارلو اور ماماوانڈہ کی آنکھیں بھی میری یادداشت میں محفوظ تھیں۔ ان آنکھوں کے دیکھنے، مکاری سے مسکرانے اور حقارت ظاہر کرنے کے جو انداز تھے وہ مجھے یاد تھے۔ انسان کے پورے وجود میں آنکھیں بڑی چغلخور ہوتی ہیں۔ دماغ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آنکھیں بتا دیتی ہیں بشرطیکہ کوئی آنکھوں کی زبان سمجھ سکے۔

میں ان لوگوں کی مادری زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ آنکھوں کی زبان سمجھنے لگا۔ ان ماں بیٹوں کے دماغوں میں خوابوں کا سلسلہ تھا لیکن بڑے گڈمڈ خواب تھے۔ دماغ کی سکرین پر جو تصویریں تھیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ میں نے باری باری ان کے دماغوں میں می دش کا نام لیا تو وہ خواب میں می دش کی لاش دیکھنے لگے۔ میں نے سوچا تھا شاید تورلا اور مارلو اپنے خواب میں اپنے ہاتھوں سے می دش کو قتل کرتے ہوئے دیکھیں گے لیکن وہ ایک ماسک پوش کو دیکھ رہے تھے جو ہاتھ میں چابک لیے لاش کے پاس کھڑا ہوا تھا۔

چہرہ ماسک کے پیچھے چھپا ہوا تھا اس کے قاتل کو پہچاننا مشکل تھا۔ وہ تورلا یا مارلو ہو سکتا تھا۔ خواب میں ان کی سوچ ... تھی شاید وہ خواب کے عالم میں اعتراف کر رہے ہوں کہ ماسک پہننے والے وہ خود ہیں۔ میں سمجھ نہیں سکتا تھا کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔

ہاں۔ میں نے ماماوانڈہ کے خواب میں دو بار سارلو کا نام لیا تو اس نے مرنے والے شوہر کو دیکھا۔ وہ سارلو ماسک پہن رہا تھا۔ می دش کو زنجیروں سے باندھ رہا تھا پھر اسے چابک سے مار رہا تھا۔ می دش کا خوبصورت بدن لہو میں بھیگ رہا تھا۔ پھر ماماوانڈہ نے دیکھا اس کا شوہر لہو میں بھیگے ہوئے بدن سے درندوں جیسا سلوک کر رہا ہے۔

اس خواب کا تجزیہ مشکل تھا۔ یہ سوچا نہیں جا سکتا تھا کہ سارلو زندہ ہے اور تہہ خانے میں اب بھی وہی شرمناک کھیل کھیلتا ہے۔ ماماوانڈہ کے خواب سے یہی سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ اس وقت کے واقعات دیکھ رہی ہے، جب سارلو زندہ تھا۔

میرا سر دکھنے لگا۔ میں نے ایک سگریٹ سلگا کر اس کے کئی گہرے کش لگائے۔ دماغ نے تازہ دم ہو کر کہا "قاتل دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔ تورلا یا مارلو۔ اور ماماوانڈہ کسی ایک بیٹے کے جرم میں شریک ہے۔ تینوں ماں بیٹے می دش سے خار کھاتے تھے اور وہی تینوں ماں بیٹے ایدنانہ کے کسی شوہر کو زندہ نہیں رکھنا چاہتے ہیں۔ ایدنانہ بہت گھنٹے تک سہاگن بنے رہنے میں ناکام ہو گی تو اس سوتیلی لڑکی کے حصے کی تمام جائیداد ان ماں بیٹوں کے حصے میں آ جائے گی۔

ایسی باتیں میرا دماغ سوچ رہا تھا۔ اور ایسی باتیں سب ہی سوچ سکتے تھے کیونکہ وکیل کریگ بیٹن ان معاملات میں ملوث نہیں تھا میں اس کے چور خیالات پڑھ چکا تھا۔ وہ جائیداد میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا لیکن اس کی ذہنیت مجرمانہ نہیں تھی ویسے پولیس والے ایدنانہ پر بھی شبہ کر سکتے تھے لیکن قتل کی کسی وجہ پر روشنی نہیں ڈال سکتے تھے۔ ایدنانہ می دش کو قتل کر کے دولت یا اپنا کوئی مفاد حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے ایدنانہ کی طرف دیکھا۔ وہ میری طرف کروٹ لیے سو رہی تھی۔ چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پھینکی۔ میں نے اس کی آنکھوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا بلکہ اس کے وجود میں سما کر اسے دیکھا تھا لہٰذا میں اس کے خواب تک پہنچ گیا۔ وہ اس کے سہاگ کی پہلی رات تھی۔ بڑے ہی خوبصورت اور کٹھن مرحلے سے گزر کر سو رہی تھی اس لیے خواب میں بھی اسی مرحلے سے گزر رہی تھی۔

میں نے اس کے خواب میں می دش کا نام لیا۔ دماغ کی اسکرین پر می دش ابھر آئی۔ ایدنانہ غصے کی حالت میں می دش سے کہہ رہی تھی می دش بھی کچھ کہنے لگی جواب میں ایدنانہ نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ تھوکتے ہی می دش مر گئی۔ زنجیروں سے بندھی ہوئی اس کی لاش نظر آ رہی تھی اور ایدنانہ خوش ہو کر میرے گلے میں بانہیں ڈال کر مجھ سے لپٹ رہی تھی۔

میں نے خواب کا تجزیہ یہ کیا کہ می دش اذیت پسندی کے لیے مجھے پسند کر رہی تھی۔ ایدنانہ نے یہ بات محسوس کر لی می دش سے نفرت کرنے لگی کہ وہ میرے شوہر کو چھین لینا چاہتی ہے۔ اس نے سوچا کہ می دش مر جائے تو اچھا ہو۔ جو لوگ کمزور ہوتے ہیں دشمن کو ہلاک نہیں کر سکتے۔ وہ ایسے ہی خواب دیکھتے ہیں جیسا کہ ایدنانہ نے دیکھا اس کمزور سہاگن کا تھوک ایک ہتھیار بن گیا تھا۔۔۔ تھوکتے ہی می دش مر گئی۔

حقیقتاً دیکھا جائے تو می دش کا قاتل کوئی مرد ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ کوئی عورت اسے آسانی سے زنجیریں پہنا کر ہلاک نہیں کر سکتی تھی یہ بھی ہو سکتا ہے مجھ پر حملہ کرنے والا اور اسے قتل کرنے والا ایک ہی شخص ہو۔ تورلا یا مارلو۔۔۔!

ماماوانڈہ اپنے دونوں بیٹوں سے بڑے بڑے کام لے سکتی تھی شہزادی ایدنانہ کا کوئی مرد ساتھی نہ تھا۔ دو شوہر قتل ہو چکے تھے چونکہ ان کی لاشیں نہیں ملی تھیں اس لیے یہ کہنا چاہیے کہ وہ لاپتہ تھے اور وہ دونوں ایدنانہ کے آلہ کار یا ساتھی نہیں بن سکتے تھے۔ ایسا ہی نوجوانوں میں سے کوئی شوہر بن کر رہتا۔ ایدنانہ کے دشمنوں سے نمٹ کر ایدنانہ کی جوانی اور دولت سے مالامال ہوتا۔

ان معاملات میں اتنی دیر سر کھپانے کے بعد شبہات کا مرکز تورلا اور مارلو ہی بنتے تھے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر پلنگ کے ایک سرے پر لیٹ گیا۔ وہ شاہانہ انداز کا پلنگ وسیع و عریض تھا۔۔۔ ایدنانہ پلنگ کے دوسرے سرے پر محوِ خواب تھی۔ میں نے دماغ کو ہدایت دی کہ کوئی کمرے میں داخل ہو یا ایدنانہ کروٹ بھی بدلے تو میری آنکھ کھل جائے۔ اس کے بعد میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

گہری نیند کے دوران دو بار میری آنکھ کھلی۔ کیونکہ ایدنانہ نے دو بار ادھر سے ادھر کروٹ بدلی تھی۔ تیسری بار پتہ چلا کہ صبح ہونے والی ہے۔

کسی نے خواہ مخواہ اتنی صبح دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ ایدنانہ جھلا کر کچھ بولنے لگی۔ جواب میں دوسری طرف سے بولیاں سنائی دیں۔ وہ میرے سائے میں پڑی تھی اور دروازے کی طرف منہ کیے غصے میں کچھ بول رہی تھی۔ باہر سے وکیل کریگ بیٹن نے مجھے مخاطب کیا۔ "مسٹر کابل! شہر سے انسپکٹر دوسا تشریف لائے ہیں۔ می دش کی لاش کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں اور تہہ خانے تک پہنچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ دروازہ کھول دیجئے۔"

وہ غسل کرنے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی تو میں نے خوابگاہ کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر دوسا نے مجھے گھونسہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں باکسر ہوں تمہاری ناک توڑ دوں گا۔ اس قلعہ میں ایک لاش کہیں پڑی ہے اور تم رنگ رلیاں منا رہے ہو۔"

اس کی باتوں کے دوران ماماوانڈہ، تورلا اور مارلو سب کے سب بڑبڑاتے ہوئے خوابگاہ میں داخل ہو گئے تھے۔

انسپکٹر دوسا بدمزاج نہیں تھا مگر اپنی انسپکٹری کا رعب جمانے کے لیے سخت لہجے میں بول رہا تھا اس نے کہا۔ "میرا وقت بہت قیمتی ہے مجھے فوراً وہ لاش دکھائی جائے۔"

میں نے آگے جا کر مشرقی کمرے کے دروازے کو کھولا۔ انسپکٹر نے پوچھا۔ "پرنسس ایدنانہ کہاں ہے؟"

میں نے شرارت سے آنکھ مار کر جواب دیا۔ "باتھ روم میں۔۔۔!"

اس نے گھور کر مجھے دیکھا پھر مشرقی کمرے میں گھس کر پوچھا "کہاں ہے تہہ خانہ؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "تہہ خانہ زمین کے نیچے ہوا کرتا ہے۔ تم اس کمرے میں تلاش نہ کرو۔"

"وہ گرج کر بولا۔ "میں جانتا ہوں، جانتا ہوں۔ مذاق اڑانے کے انداز میں بات کرو گے تو ہاں خبردار، میں باکسر ہوں سمجھے۔"

وہ دیوار کے پاس جا کھڑا ہوا اسے معلوم نہیں تھا کہ تہہ خانے کا راستہ اسی دیوار سے شروع ہوتا ہے جیسے ہی میں نے آہنی کل کو پکڑ کر کھینچا اور دروازے نے گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک طرف سرکنا شروع کیا۔ انسپکٹر چیخ مار کر اچھل پڑا جیسے دیوار اس پر گر رہی ہو وہ وہاں سے بھاگ کر وکیل کریگ بیٹن سے لپٹ گیا تھا۔ کریگ نے کہا۔ "تہہ خانے کا دروازہ کھل چکا ہے۔"

وہ جلدی سے الگ ہو کر اپنی وردی درست کرتے ہوئے گردن اکڑا کر بولا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ میں ڈرپوک ہوں، میں باکسر ہوں۔ دراصل ہم پولیس والوں کو محتاط رہنا سکھایا گیا ہے۔"

میں چور دروازے سے گزر کر راہداری میں پہنچ گیا۔ انسپکٹر نے پہلے دو سپاہیوں کو آگے کیا پھر ان کے پیچھے ہو گیا۔ اس کے

تورلا نے ایک لقمہ چباتے ہوئے کہا "کتا بھونکتا ہو تو آدمی کو چپ رہنا چاہیے۔"

"کتا تو ہے تیرا باپ ہے۔" مارلو غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تورلا بھی مقابلے پر آ گیا۔ میں، وکیل اور سیکرٹری ان کے درمیان آنا نہیں چاہتے تھے۔ انسپکٹر دوسا اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس سے پہلے ہی دونوں ایک دوسرے سے الجھ گئے تھے۔ تورلا تابڑ توڑ گھونسے مار رہا تھا۔ مارلو نے سنبھل کر حملہ کیا تو تورلا بچ گیا۔ وہ گھونسہ انسپکٹر کے منہ پر پڑا وہ لڑکھڑا کر میری طرف آیا۔ میں نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا "یہ نہ بھولو کہ تم باکسر ہو۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ریوالور نکال کر بولا "خبردار! لڑائی جھگڑا بند کرو، ورنہ میں باکسر ہوں ایک ایک کی ناک توڑ دوں گا۔"

ریوالور دیکھ کر تورلا پیچھے ہٹ گیا۔ مارلو کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ آستین سے لہو پونچھتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ ماما وانڈہ نے اسے آواز دی۔ وہ دروازے کے پاس سے پلٹ کر بولا "تم میری ماں نہیں ہو۔ تم نے میرے دشمن کو پیدا کیا ہے یہ میرے ہاتھوں ہی سے مرے گا۔"

یہ کہتے ہی وہ ایک دھماکے سے دروازے کو بند کرتا ہوا چلا گیا۔ چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر انسپکٹر دوسا نے پوچھا "تورلا! کیا یہ درست ہے کہ تم مے وش کی اذیت پسندی سے دلچسپی رکھتے تھے؟"

تورلا نے ایدنانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے زندگی میں صرف ایدنانہ کو چاہا ہے، آج بھی چاہتا ہوں کہ ایدنانہ میری بن جائے۔"

ایدنانہ نفرت سے بولی "اور اسی لیے تم میرے شوہروں کو قتل کرتے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری گندی آغوش میں چلی آؤں گی۔ ذلیل کمینے تو تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تیرے کتنے باپ تھے۔"

ماما وانڈہ چیخ کر بولی "تو مجھے گالی دے رہی ہے میں تیری زبان کھینچ لوں گی۔"

ایدنانہ نے غصے سے کہا "کٹنی بڑھیا اس سے پہلے ہی تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے۔ یہ تو ہے کہ تورلا کو شہہ دیتی ہے تو چاہتی ہے کہ تیرا یہ لاوارث بیٹا مجھ سے شادی کرنے کے بعد اس خاندان کا اہم فرد بن جائے مجھے بیوی بنا کر میرے باپ کی دولت پر عیش کرے۔ تیرا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا۔ میں نے سوچ سمجھ کر تیسرے شوہر کا انتخاب کیا ہے یاد رکھ تورلا کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک چھناکے کی آواز سنائی دی ——— کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا تھا۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی سچویشن کو سمجھتا، ٹھائیں سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ تورلا کرسی پر سیدھا بیٹھا ہوا تھا میز پر اوندھا ہو گیا۔ گولی اس کی پیشانی پر لگی تھی۔ ماما وانڈہ کی چیخ سے پہلے باہر بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

میں تصور میں مارلو کی آنکھیں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں کے راستے اس کے گونگے تصور کو چھو رہا تھا۔ میں اس کی بولتی ہوئی سوچ نہیں پڑھ سکتا تھا مگر بھاگتی ہوئی سوچ کو سمجھ سکتا تھا۔ مارلو جہاں رہا تھا۔ باغیچہ کے کسی گوشے میں گھاس پر لیٹا ہوا تھا جب کہ ابھی ... قاتل کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

مجھے یقین ہو گیا کہ مارلو قاتل نہیں ہے لیکن وہ بری طرح پھنسنے والا تھا کیونکہ قلعے کے اندر وہی ایک مرد ایسا تھا جو جائے واردات سے دور ہم سب کی نظروں سے اوجھل تھا۔ کسی اور پر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ تو صرف میری ٹیلی پیتھی نے مجھے ابھی سمجھایا تھا کہ اس خاندان کے افراد میں سے کوئی قاتل نہیں ہے۔ باہر کا کوئی آدمی اس قلعہ میں کہیں چھپا ہوا ہے۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ سب لوگ اپنی کرسیاں چھوڑ کر اٹھ رہے تھے۔ ماما وانڈہ دھاڑیں مار کر رو رہی تھی۔ اسے بیٹے کی لاش کے قریب جانے سے روکا جا رہا تھا۔ مجھے افسوس ہوا، جو ایدنانہ کا دعویدار تھا، شہ زور تھا اور قاتل سمجھا جا رہا تھا، وہ خود قتل ہو گیا تھا۔ اس سے جو نفرت تھی، اتنی ہی ہمدردی ہو گئی۔ بیچارہ نہ جانے کیوں مارا گیا۔

اس قتل کے سلسلے میں جو شور و غل ہونا تھا اور جو قانونی سوالات ہونے تھے، وہ ہوتے ہی رہے۔ ان کے بعد مارلو کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ ماما وانڈہ پر دوہرے صدمات کا اثر تھا۔ ایک بیٹا قتل ہو گیا تھا۔ دوسرا بیٹا قتل کے الزام میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس بیچاری پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ میں نے کہا "انسپکٹر! تم اپنے اطمینان کے لیے مارلو کو حراست میں رکھو مگر ابھی اسے قلعے سے باہر نہ لے جاؤ۔ میں پھر ایک بار یقین سے کہتا ہوں کہ یہ بے گناہ ہے۔"

انسپکٹر نے کہا "میں تم سے زیادہ قانون اور مجرموں کو سمجھتا ہوں۔ یہ مارلو ابھی چیلنج کر کے گیا تھا کہ تورلا اس کے ہاتھوں سے مرے گا۔"

میں نے کہا "اگر تم قانون اور مجرم کو سمجھتے تو فائرنگ ہوتے ہی قاتل کا تعاقب کرتے لیکن تم ریوالور رکھنے کے باوجود اس کمرے سے نہیں نکلے۔ تمہارے نہتے سپاہی بزدل ہیں قاتل کو آسانی سے فرار کا موقع مل گیا۔"

وہ بولا "میں جانتا تھا کہ قاتل مارلو ہی ہے، اسی لیے میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔"

میں نے کہا "اور مارلو وہاں گھاس پر لیٹا رہا تا کہ آپ لوگ جا کر اسے گرفتار کر لیں۔ کیا یہ اتنا احمق ہے کہ ایک وکیل اور پولیس کے سامنے تورلا کو دھمکی دینے کے بعد قتل کر دے۔ انسپکٹر ذرا غور کرو۔ اس کی دھمکی سے کسی قاتل نے فائدہ اٹھایا ہے۔"

ایدنانہ ہماری باتیں نہیں سمجھ رہی تھی۔ سیکرٹری نے اسے سمجھایا تو حیرانی سے میرے بارے میں بولی "یہ کارل خواہ مخواہ مارلو کی حمایت کر رہا ہے؟ بھلا مارلو کے سوا اور کون یہاں قاتل ہو سکتا ہے؟"

سیکرٹری نے کہا "مسٹر کارل کو شبہ ہے کہ قاتل قلعہ کے باہر سے آیا اور یہاں کہیں چھپا رہتا ہے۔"

وہ بولی "یہ فضول سا شبہ ہے قلعہ کا بڑا دروازہ ہم سب کے متفقہ فیصلے کے بعد کھلتا ہے۔ اٹھارہ گھنٹے کے دوران ماما وانڈہ کے سامنے صبح دروازہ صرف ایک بار کھولا گیا تا کہ تم اور انسپکٹر یہاں آ سکو۔ کیا ماما وانڈہ نے کسی اور کو یہاں داخل ہوتے دیکھا تھا؟"

"ماما وانڈہ نے کسی اور کو نہیں دیکھا تھا۔" میں نے کہا "ماما وانڈہ اور دیگر یہ نہیں جانتے تھے کہ خواب گاہ کے مشرقی کمرے میں تہہ خانے کا دروازہ ہے اسی طرح یہاں کوئی یہ بھی نہ جانتا ہو کہ قلعہ میں گھس آنے کا کوئی چور دروازہ ہے۔ اور اگر قلعہ کا چور دروازہ نہیں ہے تو مے وش کی لاش کس راستے سے غائب کی گئی؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ لاش قلعہ کے حدود میں کہیں دفن کر دی گئی ہو۔"

میں نے پوچھا "کیسے دفن کی گئی جب کہ اس لاش کو باہر لے جانے کا راستہ صرف ہماری خواب گاہ سے گزرتا ہے؟ آپ لوگ جس پہلو سے بھی غور کریں تمام بحث اس بات پر آ کر ختم ہو گی کہ ایک اور چور دروازہ ہے جسے قاتل ہماری لاعلمی میں استعمال کر رہا ہے۔"

میری باتوں میں اتنا وزن تھا کہ سب سوچنے لگے اور مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ اتنی بحث کے دوران ماما وانڈہ اور مارلو کو پتہ چل گیا کہ میں ان کی حمایت میں لڑ رہا ہوں۔ مارلو شکریے کے انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ ماما وانڈہ کی آنسو بھری آنکھیں التجا کر رہی تھیں کہ میں اس کے بیٹے کو قتل کے الزام سے بچا لوں۔

میں نے کہا "مسٹر کریگ ہیٹن اور انسپکٹر دوسا! آپ دونوں قانون کو سمجھتے ہیں اور برتتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ جب تک مے وش کی لاش غائب کرنے والا راز معلوم نہیں ہو گا، اس وقت تک مارلو کو مکمل طور پر قاتل نہیں کہا جا سکتا۔ انسپکٹر کو ابھی صرف تورلا کی لاش کے سلسلے میں کارروائی کرنی چاہیے اس قلعہ میں مارلو کی موجودگی لازمی ہے۔ ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ کوئی قاتل بے گناہ مارلو کو قاتل کیوں ثابت کرنا چاہتا ہے؟"

انسپکٹر دوسا میرا مشورہ کبھی نہ مانتا۔ وہ اپنے اعلیٰ افسران کو اپنا کارنامہ دکھانے کے لیے مارلو کو قاتل کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے قائل کرنا شروع کیا۔ میں ایک سگریٹ سلگا کر پی رہا تھا اور چپ چاپ انسپکٹر کی سوچ میں دلائل پیش کر رہا تھا۔ اس کے اندر یہ خیال پیدا کر رہا تھا کہ مارلو قلعہ کے اندر ہی رہے گا۔ لاکھوں کی جائیداد کا حقدار جائیداد چھوڑ کر نہیں بھاگے گا۔ اسے مے وش کی گمشدہ لاش اور چور دروازے کے اسرار کو سمجھنا چاہیے۔

انسپکٹر بڑی دیر تک کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد بولا "اس کی ضمانت کون دے گا کہ ہتھکڑیاں کھولنے کے بعد مارلو یہاں سے فرار نہیں ہو گا۔"

ماما وانڈہ نے پیش کش کی کہ وہ بیٹے کی جگہ حراست میں رہ سکتی ہے۔ انسپکٹر نے انکار کر دیا۔ میں نے وکیل کریگ ہیٹن سے درخواست کی وہ بولا "سوری! اس خاندان کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے۔ کوئی شریف آدمی یہاں کسی کی ضمانت نہیں لے گا۔"

سیکرٹری نے ایدنانہ کو مارلو کی ضمانت کے سلسلے میں سمجھایا ——— وہ خلاف توقع راضی ہو گئی۔ اس نے اور ماما وانڈہ نے اپنی زبان میں لکھ کر دیا کہ اگر مارلو فرار ہو گا تو وہ قانون کے سامنے جوابدہ ہوں گے اور بڑے سے بڑا جرمانہ ادا کریں گے۔ اس کے بعد مارلو کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں مارلو نے اپنی زبان میں شکریہ ادا کیا اور پہلی بار دوستانہ انداز میں مجھ سے مصافحہ کیا۔

شام تک بڑی مصروفیت رہی۔ قتل کے سلسلے میں سب کے بیانات قلمبند کیے گئے۔ قلعے کے باہر کچھ اور سپاہی موجود تھے۔ تورلا کی لاش ان کی تحویل میں دے دی گئی تا کہ کسی قریبی شہر کے ہسپتال میں پوسٹ مارٹم کے بعد اسے دفن کرنے کی اجازت حاصل کی جائے۔ دوپہر کو کھانے کی میز پر کوئی نہیں آیا۔ ایدنانہ مجھ سے کھنچی کھنچی سی رہی۔ میں نے جو مارلو کی حمایت کی تھی وہ اسے ناگوار گزری تھی۔ وہ دوپہر کو اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ میں نے کچن میں جا کر کچھ کھایا پھر مارلو کے ساتھ شام تک قلعے کے ایک حصے کا غور سے جائزہ لیتا رہا۔ لیکن وہ چور دروازہ کہیں نظر نہیں آیا۔

شام کو وکیل کریگ ہیٹن نے اچانک اعلان کیا کہ وہ دوسری وصیت پڑھ کر سنائے گا۔ کیونکہ شہزادی ایدنانہ قانونی طور پر، اور خاندانی رسم کے مطابق سہاگن بن چکی ہے۔

چھ بجے اندھیرا پھیل جاتا تھا۔ قلعہ کے آباد کمروں میں فانوس روشن ہو جاتے تھے۔ ڈرائینگ روم میں تمام لوگ جمع ہو گئے سب ہی وصیت سننے کے لیے بے چین تھے۔ صرف ماما وانڈہ بیٹے کے لیے رو رہی تھی۔ مارلو کی ضد پر ڈرائینگ روم میں آئی تھی۔ وکیل کریگ ہیٹن کے سامنے سینٹر ٹیبل پر مومی شمعدان رکھی ہوئی تھی۔ میز پر ایک فائل رکھا ہوا تھا۔ وہ فائل کو کھولتے ہوئے پڑھنے لگا۔ وہاں گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ سب توجہ سے سن رہے تھے۔

وصیت کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ اگر ایدنانہ کی بلوغت کا ایک سال گزر چکا ہو اور اس نے شادی نہ کی ہو تو اسے خاندان کے افراد کے ساتھ نہ بٹھایا جائے ——— اور بیس لاکھ ڈالر کی رقم میں سے جو اس کا حصہ ہے وہ مارلو کے نام منتقل کر دیا جائے۔ یہ سن کر ایدنانہ نے گھور کر مارلو کو دیکھا۔ یہ سوچا جا سکتا ہے کہ مارلو اپنی سوتیلی بہن کا حصہ ہڑپ کرنے کے لیے اس کے شوہروں کو سہاگ رات گزارنے سے پہلے غائب کر دیا کرتا ہے۔

وصیت میں آگے لکھا تھا کہ گورلس مے وش نے تن من سے سلر لو

کی خدمت کی ہے اگر وہ ایڈنانہ کے سہاگن بننے تک بقیدِ حیات رہے تو اسے (مے ڈش کو) ایک لاکھ ڈالر دیئے جائیں۔ اگر وہ مر چکی ہو تو اس کا حصہ بھی مارلو کو ملے گا۔ یہ سنتے ہی سب کی نظریں مارلو پر ٹھہر گئیں۔ مے ڈش قتل ہو چکی تھی اب اس کا حصہ بھی مارلو کو ملنے والا تھا۔

ماما وانڈہ کے نام بھی ایک لاکھ ڈالر لکھے گئے تھے شرط یہ تھی کہ اگر ماما وانڈہ زندہ نہ رہی تو وہ ایک لاکھ ڈالر بھی مارلو سے ملیں گے وصیت سے ظاہر ہوتا تھا کہ مارلو اپنے باپ کا لاڈلا بیٹا ہے، لیکن باپ کا وہ لاڈلا اب بیٹے کو مجرم اور قاتل کی حیثیت سے ملزم بنا یا تھا۔

وکیل کرنگ ہیٹن اور نورلا کے نام پچیس پچیس ہزار ڈالر لکھے گئے تھے۔ نورلا اگر زندہ نہ رہے تو اس کی رقم اس کی ماں وانڈہ کو ملے گی اس کے بعد ایڈنانہ کا ذکر آیا۔ اس کے لیے ڈھائی لاکھ ڈالر مخصوص کئے گئے تھے۔

"صرف ڈھائی لاکھ؟" ایڈنانہ چیختی ہوئی غصے سے اٹھ گئی۔ "کیا میں سارلو کی نہیں، کسی بھکاری کی اولاد ہوں۔ میں اتنی معمولی سی رقم نہیں لوں گی۔"

کرنگ ہیٹن نے کہا۔ "وصیت کے مطابق رقم کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تمہیں بے شک ہے۔ فی الحال آرام سے بیٹھ کر سن لو۔"

میں نے ایڈنانہ کا ہاتھ پکڑ کر اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ غصے سے کسمساتی ہوئی بیٹھ گئی۔ وصیت کے آخر میں مارلو کا ذکر تھا۔ مارلو کے نام پندرہ لاکھ ڈالر لکھے گئے تھے۔ ایڈنانہ ایک گہری سانس لے کر رک گئی جیسے سانس رک گئی ہو۔ بیس لاکھ ڈالر نقد میں سے تین حصے مارلو کے نام تھے جو چھوٹے حصے کی رقم دوسروں میں تقسیم کی گئی تھی وہ دوسروں کی موت کی صورت میں وہ رقمیں بھی مارلو کو مل جاتیں یعنی پوری وصیت پر مارلو چھایا ہوا تھا۔

وصیت کا اختتام قابلِ غور تھا۔ آنجہانی سارلو نے لکھا تھا۔ اگر ایڈنانہ سہاگن بن جائے تو وہ جائداد کی آمدنی میں سے ہر ماہ دس ہزار ڈالر ایڈنانہ کو دیا کرے گا۔ اگر مارلو کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ ثابت ہو جائے کہ مارلو کی موت طبعی ہے یا خودکشی، حادثاتی یا قاتلانہ موت ہے اور اس میں سوتیلی بہن کی سازش کا دخل نہیں ہے۔ قانونی طور سے ایڈنانہ کا دامن پاک ہے تو مارلو کے حصے میں جانے والی تمام رقم ایڈنانہ کے نام منتقل ہو جائے گی۔

ایڈنانہ کی آنکھیں حیرانی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ تصور میں مارلو کے پندرہ لاکھ کی وصیت دیکھ رہی تھی۔ انسپکٹر دوسلا نے وکیل سے سوال کیا۔ "کیا یہ وصیت پہلی بار پڑھ کر سنائی گئی ہے؟"

کرنگ ہیٹن نے کہا۔ "ہاں، یہ وصیت بینک کے لاکر میں رہتی ہے۔ میں اس قلعہ میں تیسری بار بہتر گھنٹے گزارنے آیا ہوں۔ بینک کے لاکر سے یہ وصیت نکال کر لایا ہوں۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کی لاعلمی میں آپ کے سوٹ کیس یا بریف کیس سے یہ وصیت نکال کر پڑھ لی گئی ہو؟"

کرنگ ہیٹن نے جواب دیا۔ "ایسا ہو سکتا ہے لیکن [illegible] نہیں ہوا کیونکہ میرے سوٹ کیس کی چابی میری جیب [illegible] اگر یہاں کا کوئی فرد دوسری چابی سے سوٹ کیس کھول [illegible] کھولتا اور پڑھتا تو مجھے پتہ چل جاتا کیونکہ میں وصیت [illegible] پر ہلکا سا پاؤڈر چھڑک کر رکھتا ہوں۔ بظاہر وہ پاؤڈر محسوس [illegible] لیکن میں محدب شیشے سے انگلیوں کے نشانات دیکھ سکتا [illegible] کسی کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے۔"

وکیل کرنگ ہیٹن کی احتیاطی تدابیر سے یقین [illegible] پہلی بار اس خاندان کے لوگوں کے سامنے پڑھی گئی۔ اس سے پہلے [illegible] وصیت کے مضمون کو نہیں جانتا تھا۔ مارلو اور ایڈنانہ پریشان [illegible] سکتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ کہ وہ وصیت کی انگریزی زبان پڑھ [illegible] سکتے تھے۔ بفرضِ محال اگر کسی نے پڑھ کر سنایا ہو گا تو [illegible] ہے کہ مارلو نے پورے بیس لاکھ ڈالر پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے [illegible] کے دو شوہروں کو غائب کیا۔ پچھلی رات مجھ پر قاتلانہ حملہ [illegible] کو ہلاک کیا کیونکہ رقم کے حصے میں سے جو دعویدار زندہ نہ [illegible] مارلو کو مل جاتا۔ صرف نورلا کے متعلق میں جانتا تھا کہ مارلو نے [illegible] نہیں کیا ہے۔

اسی طرح ایڈنانہ کے متعلق سوچا جا سکتا ہے کہ وہ وصیت [illegible] مضمون پہلے سن چکی تھی اور بیس لاکھ ڈالر پانے والوں [illegible] رہی تھی یا کرا رہی تھی لیکن یہ سب کچھ وہ پہلی شادی کے [illegible] سکتی تھی۔ تین شادیوں کا ڈرامہ کھیلنے کی قطعی ضرورت [illegible] نہیں پڑتی تھی کہ وہ پہلے دو شوہروں کو خود ہی [illegible] ہٹاتی [illegible] وصیت کے مطابق اسے مارلو کے پندرہ لاکھ [illegible] ملتے لیکن مارلو طبعی موت مرے لہٰذا ایڈنانہ کسی طرح [illegible] پہنچانے والی دشمنی نہیں کر سکتی تھی۔

مختلف پہلوؤں سے سوچنے کے بعد یہی سمجھ [illegible] اور ایڈنانہ کسی کے خلاف سازش نہیں کر رہے ہیں۔ میں [illegible]
[illegible] میں جا رہا [illegible]
گھنٹے کے بعد کھانے کے وقت آجاؤں گا۔"

سیکرٹری نے ایڈنانہ کو اس کی زبان میں میری بات [illegible] مارلو نے بھی سنا۔ میں ڈرائنگ روم سے باہر آ گیا۔ لیکن باغیچے کے بجائے اپنی پچھلی رات والی خواب گاہ میں آ گیا۔ پہلے [illegible] اندر سے بند کیا پھر تکیے کے نیچے سے ٹارچ نکال کر ایک [illegible] کے مشرقی کمرے میں پہنچ گیا۔ اب یہ بات واضح ہو رہی تھی [illegible] کرانے کا قاتل ہو گا اور اسی قلعہ کی حدود میں کہیں چھپا ہو گا۔ [illegible]

کہ آج رات پھر مجھ پر حملہ کرے۔ اس سے پہلے ہی میں تہہ خانے میں جا کر بیٹھنا چاہتا تھا۔ پچھلی رات حملہ کرنے والا تہہ خانے میں جا کر غائب ہوا تھا۔ آج رات پھر وہاں سے ابھر سکتا تھا۔

میں نے اس چور دروازے سے گزرنے کے بعد اسے دوبارہ بند کر دیا۔ راہداری کے اندھیرے میں ٹارچ روشن کی، پھر دبے پاؤں زینے سے اترنے لگا۔ تہہ خانے میں روشنی تھی۔ پچھلی رات کی طرح کسی نے وہاں موم بتیاں روشن کی تھیں۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی نظر نہیں آیا۔ چابک اور زنجیریں فرش پر پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف بڑا سا پلنگ تھا۔ سارلو اپنے شکار کو اذیتیں پہنچانے کے بعد اس کے ساتھ اس پلنگ پر راتیں گزارتا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔ چھپنے کی جگہ ایک ہی تھی۔ میں فرش پر لیٹ کر پلنگ کے نیچے پہنچ گیا۔

آدھ گھنٹے بعد میں نے ایڈنانہ کے سیکرٹری کے دماغ میں جھانک کر دیکھا، وہ باغیچے میں مجھے تلاش کر رہا تھا۔ وکیل کرنگ ہیٹن کی سوچ نے مجھے بتایا کہ سب لوگ کھانے کی میز پر پہنچ گئے ہیں اور وہاں میری کمی محسوس کی جا رہی ہے سیکرٹری نے ڈائننگ ہال میں پہنچ کر بتایا کہ کارل فرینک باغیچہ میں کہیں نہیں ہیں وہ شاید شہزادی ایڈنانہ کی خواب گاہ میں ہے کیونکہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ کئی بار دستک دینے کے باوجود جواب نہیں ملا۔

یہ سنتے ہی مارلو اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "یقیناً اس پر حملہ کیا گیا ہے۔ وہ قاتل اسے زندہ یا مردہ تہہ خانے میں لے گیا ہو گا۔"

ایڈنانہ اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میری خواب گاہ کا دروازہ کسی طرح کھولا جائے۔ مجھ سے بڑی بھول ہوئی کہ میں نے کارل کو تنہا چھوڑ دیا۔ ویسے اس کے پاس ریوالور ہے اور وہ دلیر ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی زندہ ہو گا۔ وہ دروازہ کسی طرح کھولا جائے۔"

سب کے سب تیزی سے چلتے ہوئے اس خوابگاہ کے دروازے تک آئے اور اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ بہت مضبوط دروازہ تھا۔ اس کے اطراف لوہے کی پتریاں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں مارلو کے سوا کوئی ایسا شہ زور نہیں تھا۔ جو دروازے کو توڑنے کی کوشش کرتا۔ مارلو نے کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آدھ گھنٹہ اور گزر گیا وہ لوگ مایوس ہو کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ میں ان کی گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔ مارلو نے کہا۔ "ہم بھی عجیب بدحواس لوگ ہیں یہ بھول گئے کہ بالکونی کے راستے خواب گاہ میں پہنچا جا سکتا ہے۔"

ایڈنانہ نے کہا۔ "بالکونی کے فرش پر ڈیزل آئل گرا ہوا ہے۔ ہاں، مگر پھسلنے کے باوجود خوابگاہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

اس نے فوراً ایک ملازم کو حکم دیا کہ وہ بالکونی کے راستے اندر جائے اور خوابگاہ کا دروازہ کھولے۔ ملازم باغیچہ کی طرف گیا اور وہ سب پھر ایک بار خوابگاہ کے دروازے پر آ گئے۔ بالکونی پر پہنچنے والا ملازم یقیناً پھسلتا رہا ہو گا۔ مختصر یہ کہ اس نے کسی طرح خوابگاہ میں پہنچ کر دروازے کو کھول دیا۔ سب کے سب اندر آئے۔ مگر دوسرا مسئلہ پیش آیا۔ میں نے مشرقی کمرے کا دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا تھا۔ وہ دوسری طرف سے اسے کھول نہیں سکتے تھے۔

ایسے ہی وقت میں میں نے تہہ خانے میں ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ پلنگ کے قریب ہی دیوار ایک طرف سرک رہی تھی۔ پھر وہ دیوار ٹھہر گئی کسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اطمینان کی سانس لی، کیونکہ وہ انگریزی میں بول رہا تھا۔ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں، ژوردو! ہمارا خیال درست ہے اوپر مشرقی کمرے کے پاس شور سنائی دے رہا ہے۔ شاید وہ لوگ دروازہ پیٹ رہے ہیں۔"

ژوردو کی آواز سنائی دی۔ "لیکن اس مشرقی کمرے کا دروازہ اندر سے کیسے بند ہو سکتا ہے مسٹر چارلی! کوئی تہہ خانے میں آنے والا ہی اس دروازے کو اندر سے بند کر سکتا ہے اگر وہ دروازہ واقعی بند ہے تو پھر یہاں کوئی موجود ہے۔ پلنگ کے نیچے دیکھو۔"

میں پلنگ کے نیچے لڑھکتا ہوا اور ذرا دور ہو گیا۔ چارلی کا دماغ میری گرفت میں تھا۔ اس نے دور سے جھک کر پلنگ کے نیچے دیکھا۔ موم شمع کی روشنی مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ میں اس کے دماغ میں کہہ رہا تھا۔ "کوئی نہیں ہے پلنگ کے نیچے مجھے صاف نظر آ رہا ہے، کوئی نہیں ہے۔"

وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد کیا تو اس نے سوچا۔ "اونہہ۔ کیا میں نے ٹھیک سے نہیں دیکھا ہے؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ٹھیک سے ہی دیکھا ہے۔ چلو پھر دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ پھر جھکنے لگا پھر اس کا دماغ میری مٹھی میں رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد سیدھا ہو گیا اس کے دماغ کو میں نے ڈھیل دے دی۔ وہ جھلا کر سوچنے لگا۔ "دو بار دیکھ چکا ہوں اور کتنی بار دیکھوں۔ میری کھوپڑی خراب ہو گئی ہے۔"

یہ سوچنے کے بعد وہ بولا۔ "ژوردو آجاؤ کوئی نہیں ہے۔"

میں ژوردو کے دماغ میں پہنچ گیا کیونکہ وہ بہت محتاط تھے۔ ژوردو نے بھی احتیاطاً جھک کر پلنگ کے نیچے دیکھا۔ میں نے اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ وہ ایک ہی بار دیکھ کر مطمئن ہو گیا کیونکہ اس کے ساتھی نے پہلے ہی تصدیق کر دی تھی۔ وہ بولا۔ "یہاں کوئی نہیں ہے اور اوپر دروازہ بند ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دروازہ ادھر سے کیسے بند ہوا؟"

چارلی نے اس کے بازو کو تھام کر کہا۔ "ٹھہرو، سنو، وہاں شاور کی آواز آ رہی ہے۔ ہمارے لیے پیغام ہے، آؤ چلیں۔"

وہ دونوں تہہ خانے سے واپس گئے۔ دیوار ہلکی گڑگڑاہٹ کے ساتھ اپنی جگہ واپس آ گئی۔ دیوار کے اس پار بھی تہہ خانے کے خفیہ کمرے تھے

وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچے۔ اس کمرے کی ایک دیوار پانی سے بھیگی ہوئی تھی۔ پانی فرش پر پہنچ کر ایک نالی میں بہتا ہوا کمرے سے باہر چلا جاتا تھا۔ پتہ چلا کہ اس چھوٹے سے کمرے کے اوپر ایدنانہ کی خوابگاہ کا باتھ روم ہے۔ اس باتھ روم کے واش بیسن کا پانی وہاں تہہ خانے کے اس چھوٹے سے کمرے میں آ کر گرتا ہے۔ صرف پانی ہی نہیں گرتا تھا بلکہ واش بیسن پر جھک کر کچھ بولا جائے تو پائپ کے ذریعے آواز نیچے پہنچ جاتی تھی۔

ایدنانہ کی آواز نیچے پہنچ رہی تھی۔ میں ژدرو اور چارلی کے دماغوں کے ذریعے اس کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ وہ بول رہی تھی "ژدرو! چارلی! وہاں نیچے کون ہے؟"

چارلی نے جواب دیا "ہم دونوں یہاں موجود ہیں۔"

ایدنانہ نے پوچھا "کارل فرینک کو کہاں لے جا کر رکھا ہے؟"

"کارل فرینک یعنی تمہارا تیسرا شوہر؟" چارلی نے حیرانی سے کہا۔ "ہم تو ہم نے کارل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ کیا وہ قلعہ میں موجود نہیں ہے؟"

"قلعہ میں نہیں ہے، میں کیسے یقین کروں کہ ژدرو نے اس پر حملہ نہیں کیا ہے؟ وہ بھلا آپ ہی آپ کہاں غائب ہو جائے گا۔ تہہ خانے کے ہال میں دیکھو کہیں وہ کوئی چال تو نہیں چل رہا ہے؟"

"ہم تہہ خانے کے ہال میں جا کر دیکھ چکے ہیں۔ ایک پلنگ ہی ... ایسی جگہ ہے جس کے نیچے دیکھا جا سکتا ہے، اور پلنگ کے نیچے کوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر مشرقی کمرے میں جا کر دیکھو اگر وہ چھپا ہو تو اسے زندہ نہ چھوڑو، وہ ہمارے لیے خطرہ بن گیا ہے۔ اسے قابو میں کرنے کے بعد مشرقی کمرے کا دروازہ کھول دینا۔ میں آؤں گی۔"

وہ دونوں حکم کی تعمیل کے لیے پھر میری طرف آئے۔ میں ایک ایک سیکنڈ میں دونوں کے دماغوں میں باری باری چھلانگیں لگا رہا تھا تاکہ کوئی پلنگ کے نیچے جھانکنا چاہے تو میں اسے کنٹرول کر سکوں۔ یہ احتیاط کام آئی۔ چارلی وہاں سے گزرتا ہوا جھک کر پلنگ کے نیچے دیکھتا گیا۔ حسب دستور اس کے دماغ پر ٹیلی پیتھی کا پردہ پڑا رہا پھر وہ زینے پر چڑھتے ہوئے مشرقی کمرے میں پہنچ گئے۔

میں چپ کے نیچے سے نکل کر اس چور دروازے کے پار چلا گیا۔ اس چور دروازے کو کھولنے کے لیے آہنی کل صرف ایک طرف لگی ہوئی تھی یعنی تہہ خانے کے بڑے ہال کی طرف سے اس دروازے کو کھولا نہیں جا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود وہ چور دروازہ نظر نہیں آیا تھا۔ بہرحال میں نے چارلی کے ذریعے معلومات حاصل کیں۔ ان لوگوں نے مشرقی کمرے میں مجھے تلاش کرنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔ ایدنانہ نے اندر آ کر کہا "میں نے دردِ سر کا بہانہ کر کے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر دیا ہے ادھر کوئی نہیں آئے گا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دروازے اندر سے کیسے بند ہو گئے تھے۔ چلو میں تہہ خانے میں جا کر خود دیکھوں گی پھر مجھے اطمینان ہوگا۔"

وہ چارلی اور ژدرو کے ساتھ اوپر والے چور دروازے سے گزر کر تنگ راہداری میں آئی پھر سیڑھیوں پر سے اترتے ہوئے بولی "اگر تم دونوں نے نہیں چھیڑا وہ خود غائب ہو گیا میری خواب گاہ کے بند دروازے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی طرف آیا ہے۔"

وہ تینوں تہہ خانے کے بڑے ہال میں آئے۔ میں نے انسپکٹر روبر کی سوچ میں کہا "وہ ایدنانہ دردِ سر کا بہانہ کر کے اپنی خواب گاہ کا دروازہ بند کر چکی ہے اس سے پہلے اس کے شوہر کارل نے شاید دروازہ بند کیا تھا۔ دونوں میاں بیوی شاید کسی اور سازش میں مصروف ہیں۔ میں مارلو کو ساتھ لے کر بالکونی کے راستے وہاں جاؤں تو انہیں کسی سازش کے دوران گرفتار کر سکتا ہوں۔

وہ فوراً ہی قائل ہو گیا۔ ادھر ایدنانہ جھک کر پلنگ کے نیچے دیکھ رہی تھی۔ میں نے شرارتیں شروع کر دیں ژدرو کے دماغ میں پہنچ کر ایدنانہ کے پیچھے کمر کے نیچے ایک لات ماری۔ وہ چیخ کر اوندھے منہ فرش پر گر پڑی۔ اپنی بے عزتی کے احساس سے فوراً ہی گالیاں دیتی ہوئی اٹھی ژدرو کا گریبان پکڑ کر اسے نوچنا کھسوٹنا... چاہتی تھی۔ ژدرو نے اسے بازوؤں میں جکڑ کر چومنے اور کاٹنے لگا۔ ایک درندے کی طرح ہنستے ہوئے کہنے لگا "میری جان! تمہارے حکم سے میں نے تیرے شوہر کو ختم کر دیا۔ اب اس عورت کی جگہ تمہیں لینا چاہیے۔ اب میں تمہیں زنجیروں سے جکڑ کر چابک سے ماروں گا۔ بڑا مزہ آئے گا۔"

چارلی نے ریوالور کی نال ژدرو کی گردن پر رکھ کر کہا "میری بیوی کو چھوڑ دو۔ اس پر صرف میرا حق ہے۔"

ژدرو نے غراتے ہوئے کہا "چارلی! ریوالور جیب میں رکھ لو۔ مجھ سے دشمنی مہنگی پڑے گی۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ایدنانہ کا پہلا شوہر میں ہوں۔"

چارلی نے کہا "تم ظالم اور سفاک بھیڑیے ہو۔ تم مے وش جیسی عورت کے قابل تھے اس لیے ایدنانہ نے تمہیں چھوڑ کر مجھ سے شادی کی۔ میں اس کا دوسرا شوہر ہوں یہ مجھے پسند کرتی ہے۔"

ژدرو نے اچانک ہی جھک کر اس کے پیٹ میں کہنی ماری۔ وہ تکلیف کی شدت سے جھکا۔ ژدرو نے اس کے ریوالور والے ہاتھ کو پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اسے اٹھا لیا۔ اپنے سر سے اوپر لے جا کر اسے گھماتے ہوئے دینے لگا "پچھلی رات یہی خطرناک داؤ اس نے مجھ پر استعمال کیا تھا۔ چارلی ہاتھ پاؤں جھٹکتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ ژدرو نے اسے فرش پر دے مارا۔ چارلی نے زور کی چیخ ماری۔ پھر تکلیف کی شدت سے کراہنے لگا۔ شاید ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچا تھا۔ وہ دوبارہ اٹھ نہ سکا۔ اس ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر ایدنانہ نے ریوالور فرش پر سے اٹھا لیا پھر

ژدرو کا نشانہ لیتے ہوئے بولی "میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ کارل فرینک انسپکٹر کو سمجھا رہا تھا کہ اس قلعہ میں کوئی کرائے کا قاتل چھپا ہوا ہے۔ میں تم دونوں کو گولی مار کر اپنا دامن بچاؤں گی۔ قانون کے محافظ یہی سوچیں گے کہ مارلو نے تم دونوں کو کرائے پر حاصل کیا تھا کیونکہ تورلا کے قتل کا الزام اسی کے سر ہے۔"

چارلی نے فرش پر کراہتے ہوئے کہا "ایدنانہ! یہ کیا کر رہی ہو تم مجھے کیوں مارو گی جبکہ میں تمہارا وفادار رہا ہوں۔"

وہ بولی "کتوں کو وفادار ہونا ہی چاہیے مگر وہ کاٹنے لگیں تو گولی مار دینا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ تم دونوں زندہ رہ کر میرے خلاف کوئی بیان دو، میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دوں گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے چور دیوار سے نکل کر فائر کیا ایدنانہ کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر ژدرو کے قدموں کے پاس جا کر گرا۔ میں نے کہا "ژدرو! ریوالور کو ہاتھ نہ لگانا اسے ٹھوکر مار کر میرے پاس پہنچا دو۔"

وہ ضدی اور منہ زور کبھی میرے حکم کی تعمیل نہ کرتا لیکن ٹیلی پیتھی نے اسے مجبور کر دیا۔ اس کی ایک ٹھوکر سے ریوالور میرے پاس آ گیا۔ میں نے اسے اٹھا کر کہا "ایدنانہ! افسوس کہ ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔ ژدرو! اس سے پوچھو کہ یہ دو شوہروں کو گولی مارتے وقت تیسرے کو کیوں بھول رہی تھی۔ سہاگ رات منانے والا اصلی شوہر تو میں ہوں۔"

ژدرو مقامی زبان میں ایدنانہ کو میری بات سمجھانے لگا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے دیکھا، انسپکٹر روسا، مارلو، کریگ پیٹن اور ماماویلڈ تہہ خانے کے زینے تک پہنچ کر رک گئے تھے اور چپ چاپ ہماری باتیں سن رہے تھے۔ ایدنانہ مجھ سے التجا کرنے لگی "کارل! میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ میں ایک ہی رات میں تن من دھن سے تمہاری ہو گئی ہوں۔ ان دونوں کو مار ڈالو میں ساری عمر تمہاری کنیز بن کر رہوں گی۔"

میں نے ژدرو سے کہا "اس سے کہو کہ یہ جو سازشی ڈرامہ کھیلتی چلی آ رہی ہے پہلے اس کی تفصیل بتائے۔"

ژدرو نے کہا "اس کی تفصیل میں بتاتا ہوں۔"

میں نے انکار میں سر ہلایا "نہیں ایدنانہ اپنی زبان سے بولے گی۔ اور تم انگریزی میں ترجمہ سناؤ گے۔"

تھوڑی دیر تک کشمکش کرنے کے بعد ایدنانہ بولنے لگی۔ "یہ سارا کھیل مے وش نے شروع کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اس نے کہا اگر شوہر کے نام پر کسی کو حاکم نہیں بنانا چاہتی ہو تو کرائے کا شوہر حاصل کرو۔ تم میرے مشورے پر عمل کرو گی تو میں تمہیں مارلو کے حصے کی دولت بھی دلا دوں گی۔"

میں نے سوال کیا "مشورہ کیا تھا؟"

ہمارے سوال و جواب ژدرو کے ذریعے جاری تھے۔ ایدنانہ نے جواب دیا "میں ابھی بتاتی ہوں۔ پہلے مے وش کی ہسٹری سن لو۔ میرے باپ کے مرنے کے بعد وہ ایک ظالم مرد کی کمی محسوس کر رہی تھی۔ سارلو خاندان کے تمام افراد یہاں سے پچیس میل دور ایک کوٹھی میں رہتے ہیں۔ میں مولین شہر میں رہتی تھی۔ اس قلعہ میں صرف مے وش ملازموں کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ پہلی وصیت کے مطابق جب تک یہ قلعہ مارلو کے نام منتقل نہ ہوتا اس وقت تک مے وش کو یہاں کی ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔ پچھلے تین ماہ میں ہم یہ تیسری بار بستر گھنٹے گزارنے یہاں آتے ہیں۔"

"اچھا۔ میں سمجھ گیا۔ تمہارے باپ کے مرنے کے بعد پانچ سال کے دوران مے وش یہاں اذیت پسندی کا کھیل کھیلتی رہی ہے۔"

وہ بولی "ہاں یہ ژدرو اس کا کھلاڑی تھا۔ مے وش نے کہا کہ میں اس سے شادی کروں۔ وہ شوہر بن کر آئے گا مگر مے وش کا مرد بن کر رہے گا۔ وہ سہاگ کی پہلی رات تہہ خانے میں آ کر چھپ جائے گا۔ میں اپنے سوتیلے بھائیوں کو الزام دوں گی کہ ان میں سے کسی نے میرے شوہر کو قتل کر کے لاش چھپا دی ہے۔"

میں نے پوچھا "ژدرو کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بستر گھنٹے کے لیے قلعے سے باہر چلا جاتا پھر جب سارلو خاندان کے لوگ چلے جاتے تو وہ عیاشی کے لیے مے وش کے پاس واپس آ جاتا۔"

"صرف عیاشی کی بات نہیں تھی۔ ژدرو دشمن زور قاتل ہے۔ تورلا کو قتل کرنے کے لیے بستر گھنٹے کے دوران اس کا یہاں چھپ کر رہنا ضروری تھا۔"

"تورلا کو تو صرف پچیس ہزار ڈالر ملنے والے تھے جبکہ مارلو پندرہ لاکھ ڈالر حاصل کر رہا ہے۔ پھر مارلو کے قتل کا منصوبہ کیوں نہیں بنایا گیا؟"

"میں ابھی بتاتی ہوں۔ پہلے یہ سن لو کہ میرے باپ نے ایک بار مے وش سے کہا تھا کہ کوئی بھی وصیت کو وقت سے پہلے کھول کر نہیں پڑھ سکتا ان کاغذات پر وکیل نے پاؤڈر چھڑک دیا ہے کوئی پڑھنا چاہے گا تو کاغذات پر اس کی انگلیوں کے نشانات رہ جائیں گے۔ ہم وصیت میں لکھی ہوئی تفصیلات معلوم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم انگریزی پڑھنا نہیں جانتے۔ ژدرو بھی انگریزی بولتا اور سمجھتا ہے مگر پڑھ نہیں سکتا۔ تب مجبوراً مجھے انگریزی پڑھنے والے چارلی سے شادی کرنی پڑی۔

"آہ۔ ہائے ہائے میں مر گیا۔" چارلی فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔

ایدنانہ کہنے لگی۔ "میری زندگی میں دوسری بار سہاگ رات آئی۔ اس رات مے وش نے وکیل کریگ پیٹن کے کمرے میں جو شراب کی بوتل رکھوائی اس میں خواب آور دوا گھلی ہوئی تھی۔ اس رات کریگ پیٹن گہری نیند سویا۔ مے وش نے دوسری ... چابی سے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا پھر

سوٹ کیس کھول کر وہ فائل میری خواب گاہ میں لے آئی۔ وہاں چارلی نے ہمیں وصیت پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد ہم نے موم کے پر سے وصیت کے کاغذات کو صاف کیا۔ اس پر دوسرا پاؤڈر چھڑک دیا۔ مے وش نے اسے واپس کریگ کے سوٹ کیس میں پہنچا دیا۔"

میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اچھا اس طرح تمہیں معلوم ہو گیا کہ مارلو کو کسی سازش کے تحت نقصان پہنچے گا تو تمہیں اس کے حصے کی رقم نہیں ملے گی؟"

"ہاں۔ تورلا اور مارلو ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے اور لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہ مے وش کا منصوبہ تھا کہ تورلا کو ایسے وقت قتل کیا جائے جب مارلو پر سارا الزام آ سکے۔ قانون کی طرف سے مارلو کو موت کی سزا ملے گی تو وصیت کے مطابق یہی فیصلہ ہو گا کہ میں نے کوئی سازش نہیں کی۔ لہٰذا ساری دولت اور جائداد مجھے ملے گی۔"

میں نے کہا۔ "مے وش کیوں قتل کی گئی؟"

وہ بولی۔ "میرے اور مے وش کے درمیان تحریری معاہدہ ہوا تھا کہ مے وش میرے لیے دولت اور جائداد حاصل کرنے کے راستے ہموار کرے گی جب تورلا قتل ہو جائے گا اور مارلو پھانسی پر چڑھ جائے گا تو میں مے وش کو ساری دولت میں سے دس لاکھ ڈالر دوں گی اور یہ قلعہ اس کے نام لکھ دوں گی۔"

میں نے کہا۔ "وہ تحریری معاہدہ کہاں ہے؟"

ایذانا نے عاجزی سے کہا۔ "معاہدہ کہیں بھی ہو تمہیں اس سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ تم پولیس والے نہیں ہو میرے شوہر ہو۔ میرے کام آؤ۔ سوالات نہ کرو۔"

"اگر تم مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤ گی تو شوہر بن کر تمہارے کام آؤں گا۔"

وہ بولی۔ "مے وش کے مرنے کے بعد وہ معاہدہ بیکار ہو چکا تھا۔ تورلا اور چارلی نے اس معاہدے کو لاش کے ساتھ ہی دفن کر دیا۔"

"کہاں دفن کیا گیا ہے؟"

"اس تہ خانے کے دوسرے کمرے کے پیچھے کچی زمین ہے وہیں۔"

میں نے بلند آواز سے کہا۔ "اوپر زینے پر میں نے کچھ آہٹیں سنی تھیں اگر مارلو اور انسپکٹر دوسا موجود ہیں تو یہاں آئیں اور دوسرے کمرے کے پیچھے جا کر لاش اور اس معاہدے کو برآمد کریں۔"

زینے پر قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ایذانا نے چیخ کر کہا۔ "نہیں میں سازشی نہیں ہوں قاتل نہیں ہوں۔ انسپکٹر مجھے بچاؤ......"

وہ مجھ سے مایوس ہو کر انسپکٹر دوسا کے پاس گئی پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "یہ میرا تیسرا شوہر قاتلوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ مجھے بچاؤ۔"

مارلو نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی

میں نے کہا۔ "انسپکٹر! میں کرائے کا تیسرا شوہر ہوں، اس سے پوچھو، کارل فرینک کون ہے جس کے ساتھ تیسرا نکاح نامہ تیار کیا گیا تھا۔"

انسپکٹر اس سے سوالات کرنے لگا۔ ژدرو نے اچانک ہی مجھ پر چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی میرے ایک ریوالور سے گولی چل گئی۔ وہ مجھ پر فرش پر گر پڑا۔ گولی اس کی ران میں پیوست ہوئی تھی۔ انسپکٹر اور مارلو میرے پاس سے گزرتے ہوئے دوسرے چور دروازے کے پار دوسرے کمرے کے پیچھے چلے گئے۔ ماما واندہ بڑبڑا رہی تھی۔ شہزادی ایذانا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پلنگ کے پاس گئی پھر اس کے سرے پر بیٹھ گئی۔

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ دوسرے کمرے کے پیچھے کچی زمین پر کدال چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے وہ کدال ایذانا کے سینے پر چل رہی ہو۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سینے کو تھام لیا پھر سسکیاں لینے لگی۔

انسان خزانوں کی تلاش میں دُور دُور بھٹکتا ہے۔ اس زمین کی تہہ میں اترتا ہے حتیٰ کہ دوسروں کی قبریں بھی کھود کر خزانے تلاش کرتا ہے۔ ماہ وش کی قبر کھودنے کے بعد اس کی لاش مل گئی تھی اور اس کی لاش کے ساتھ وہ کاغذات بھی برآمد ہوئے جن میں ماہ وش اور شہزادی ایذانا کے درمیان کیا ہوا معاہدہ تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں تھیں۔ اس بات کا مکمل ثبوت تھا کہ شہزادی ایذانا، ماہ وش کے ساتھ مل کر اپنے سوتیلے بھائی مارلو کے خلاف سازشیں کر رہی تھی اور دوسروں کو قتل کر کے ان کے الزامات مارلو پر عائد کر کے اس بیچارے کو پھانسی کے تختے تک پہنچانا چاہتی تھی۔

ساری سازشیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ انسپکٹر دوسا نے اسے ہتھکڑی پہنا دی۔ اب میرا کام ختم ہو چکا تھا۔ تیسرا شوہر بننے کا رول میں ادا کر چکا تھا۔ شہزادی ایذانا نے مجھے یعنی کہ اپنے تیسرے شوہر کو بڑی سنجیدگی اور حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ تیسرا شوہر ہی اسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دے گا۔

اگرچہ میرا کام ختم ہو چکا تھا لیکن قانونی گتھیاں باقی رہ گئی تھیں یعنی یہ اتنا بڑا اور اہم کیس تھا کہ مجھے چشم دید گواہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہونا ضروری تھا۔ مارلو میرا بہت ہی عقیدت مند بن گیا تھا۔ وہ خوشامدیں کرنے لگا کہ میں کچھ عرصے اس کے پاس مہمان کی حیثیت سے رہوں۔

ماما واندہ اپنی ممتا مجھ پر نچھاور کر رہی تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا میں نے اس کے بیٹے کو خطرناک سازشوں سے بچایا تھا اور اب

مارلو کی ساری دولت اور جائداد مارلو کو ملنے والی تھی۔ یہ ماں بیٹے کہ دونوں ماں بیٹے میرے قدموں میں بچھے جا رہے تھے۔ ہم سب اس قلعے کو چھوڑ کر مولمین شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

قافلہ یوں چلا کہ سب سے آگے ایذانا کی ایئر کنڈیشنڈ کار تھی جس میں وہ پچھلی سیٹ پر ہتھکڑی پہنے انسپکٹر دوسا کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اگلی سیٹ پر ماما واندہ اور وکیل کریگ بیٹھن بیٹھے ہوئے تھے۔ کریگ بیٹھن کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کار کے پیچھے پولیس والوں کی جیپ کار تھی جس میں سپاہی بیٹھے ہوئے تھے سب سے پیچھے ہماری گشتی گاڑی تھی۔ غلام مجھے زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ اور بار بار کہہ رہا تھا کہ اب وہ آئندہ کسی مہم میں مجھے تنہا جانے نہیں دے گا۔

مارلو میرے ساتھ گشتی گاڑی کے کیبن میں آ کر بیٹھ گیا تھا اسے وہ گاڑی بہت پسند آئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ اب وہ میرے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں ساری عمر اس کے ساتھ رہوں۔ تیسری بات یہ تھی کہ وہاں ریناموجود تھی۔ وہی جو تاوے نامی بستی سے زبردستی ہماری ہمسفر بن گئی تھی پہلاں وہ ہماری گشتی گاڑی میں چھپ گئی تھی۔ تقریباً ساٹھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں پتہ چلا تھا کہ وہ ہماری گاڑی میں موجود ہے۔ بہرحال میں یہ سوچ کر اسے ساتھ لے آیا تھا کہ اگلی کسی بستی میں اسے کسی اچھے گھر میں پہنچا دوں گا۔

میں نے محسوس کیا کہ مارلو بار بار اسے دیکھ رہا ہے اور اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔ بلاشبہ رینا ایک اچھی لڑکی تھی۔ خوبصورت تھی اور پرکشش بھی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے لباس میں اگرچہ مضحکہ خیز لگ رہی تھی مگر وہ جو کشش ہوتی ہے، ہر لباس میں ہوتی ہے۔ مارلو اس کے متعلق کرید کرید کر سوالات کرنے لگا۔

ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے مارلو کی باتیں سمجھنے میں بڑی دقت پیش آئی تھی۔ میں نے اشاروں کی زبان سے سمجھایا۔

"بھئی یہ تمہارے ہی علاقے سے ذرا دور تاوے کی بستی میں رہتی تھی۔ اگر تم وہ زبان جانتے ہو تو خود ہی سارے سوالات کر لو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں خاطر خواہ جواب مل جائے وہ جیسے اسی لڑکی کی تلاش میں تھا۔ میری طرف سے ڈھیل ملتے ہی گشتی گاڑی کے عقب میں رینا کے پاس چلا گیا۔

ہم تقریباً آٹھ گھنٹے کے بعد مولمین شہر پہنچ گئے۔ وہاں عدالتی کارروائیاں ہوتی رہیں۔ ہم ہوٹل میں آ کر ایک کمرہ کرائے پر حاصل کر کے وہاں ٹھہر گئے۔ ہماری گشتی گاڑی شہر کی بیرونی پولیس چوکی پر روک دی گئی تھی کیونکہ اتنی بھاری بھرکم گاڑی کو شہر کی معروف شاہراہوں سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ پولیس چوکی کے افسر نے ہمیں شہر کا نقشہ دکھاتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ گشتی گاڑی لے کر ہمیں کس راستے سے گزرنا چاہیے۔

ویسے خشکی کے راستے سفر کرنیوالوں کو کسی بھی شہر میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ لیکن ہمارے ساتھ معاملہ کچھ اور تھا اور ہمیں ایذانا کے مقدمے کے سلسلے میں وہاں رہنے کے لیے خصوصی اجازت مل گئی تھی۔ اس بڑے شہر میں اچھی خاصی تفریح ہوتی رہی۔ مقدمہ بھی چلتا رہا۔ پیشیاں بھی ہوتی رہیں۔ کبھی میں بیزار ہو جاتا تو مارلو مجھے برما کے سب سے بڑے اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے شہر رنگون لے جاتا تھا اور جہاں جاتا تھا وہاں رینا کو ساتھ لے جاتا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ رینا کسی بڑے گھر میں ملازمہ کی حیثیت سے رہ جائے تاکہ اسے دو وقت کی روٹی ملتی رہے۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ مارلو اس پر تن من دھن سے عاشق ہو گیا تھا۔

رینا کا حال بھی بدل گیا تھا اور چال بھی بدل گئی تھی۔ اس کے جسم پر اب قیمتی ملبوسات ہوتے تھے۔ اونچی ایڑی کے سینڈل اور ہیرے جواہرات کی چمک دمک والے زیورات نے اس کی شخصیت کو زمین سے آسمان بنا دیا تھا۔ اب وہ کہیں کسی وقت کے فاقے کرنے والی دیہاتی لڑکی نظر نہیں آتی تھی مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری گشتی گاڑی میں بیٹھ کر آنے کے بعد اس کی تقدیر بدل گئی ہے اور مستقبل توقع سے زیادہ سنور گیا ہے۔

مقدمے کی صورت یہ تھی کہ ایذانا اور اس کے دو سابقہ شوہروں نے اقرارِ جرم کر لیا تھا۔ ان میں مسٹر ژدرو جو کہ پہلے شوہر کی حیثیت سے قلعے میں گیا تھا۔ وہ دراصل عملی طور پر قاتل تھا۔ قتل وہی کرتا تھا۔ سازشیں ایذانا اور مے وش کی ہوا کرتی تھیں۔ مسٹر چارلی کو دوسری بار محض اس لیے شوہر بنایا گیا تھا۔ کہ وہ دوسری وصیت کو پڑھ سکے کیونکہ ایذانا اور ماہ وش وصیت کی انگریزی زبان نہیں سمجھتی تھیں۔ بہرحال مسٹر چارلی کو دس سال قید بامشقت اور ایذانا کو عمر قید کی سزا سنائی گئی اور مسٹر ژدرو کے لیے سزائے موت لکھ دی گئی۔

جس روز انہیں سزا سنائی گئی۔ اس روز مارلو نے خوش ہو کر اپنی اور رینا کی شادی کا اعلان کیا۔ ماما واندہ اپنے بیٹے کی خوشی میں خوش تھی۔ اس لیے اس نے بھی رینا کو بہو کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اس روز رینا نے میرے پاس آ کر عقیدت سے پہلے مجھے دیکھا پھر میرے قدموں پر جھک کر میرے پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے

چھو کر کچھ کہنے لگی۔ میں اس کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا مگر اس کی عقیدت اور احسان مندی سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب کسی کے قدموں میں نہ جھکا کرو بیبے۔ خدا نے مجھے توفیق دی تو میں نے تمہیں بلندی پر پہنچایا اب اسی بلندی پر رہو۔"

مارلو اور ماما وانده نے مجھ سے التجا کی کہ میں ان کی شادی تک اور وہاں قیام کروں لیکن ان کی شادی اپنے خاندانی رسم و رواج کے مطابق ان کے علاقے میں ہونے والی تھی۔ جو وہاں سے تقریباً ۲۰۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ اور اب میں وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے معذرت چاہی اور انہیں بتایا کہ میرا آگے جانا کتنا ضروری ہے۔ بہرحال روانگی سے قبل مارلو نے میرے لیے تمام سفری سامان خرید کر گشتی گاڑی میں رکھوایا۔ پھر ایک سادے چیک پر دستخط کرنے کے بعد میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جتنی رقم چاہو بینک سے نکال لو اور یہاں سے لے جاؤ۔"

میں نے صرف پانچ ہزار ڈالر کی رقم لکھی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "بس یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ رقم بھی میرے لیے غیر ضروری ہے لیکن ناگہانی ضروریات کے لیے رکھ لیتا ہوں۔"

جب ہم وہاں سے روانہ ہوتے تو ماما وانده نے آگے بڑھ کر مجھے بہت ہی خوبصورت سا چھوٹا سا صندوقچہ دیا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں بیش قیمت جواہرات سے مزین ایک گلے کا ہار جگمگا رہا تھا۔ میں نے اسے بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے؟"

ماما وانده نے مسکرا کر جو کچھ کہا وہ میں نے ایک پولیس انسپکٹر کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا۔ بوڑھی ماما کہہ رہی تھی۔ "بیٹے آج تم کنوارے ہو۔ کل تمہاری بھی کوئی شریک حیات ہو گی۔ اس وقت یہ ہار اسے پہنا دینا میں تمہیں یاد آ جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے پنجوں کے بل اٹھ کر میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ میں اس کی طرف جھک گیا۔ وہ میری پیشانی پر بوسہ لینے کے بعد رونے لگی۔ ایک وقت تھا جب وہ بوڑھی عورت میری بدترین دشمن تھی۔ مجھے ایک آنکھ سے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے مارلو کی جان بچائی۔ اسے اس کے باپ کی ساری دولت اور جائیداد دلائی تو میں اچانک اس کا اپنا ہو گیا۔ اس دنیا میں اگر ہم کسی کے لیے کچھ نہ کریں تو غیر ہو جاتے ہیں بلکہ دشمن سمجھے جاتے ہیں اور اگر کسی کے لیے کچھ کر گزریں تو پھر ہم سے بہتر ان کے لیے کوئی نہیں ہوتا۔ آج وہی ماما وانده میرے لیے ایسے رو رہی تھی جیسے سگا بیٹا بچھڑ رہا ہو۔

سے روانہ ہوئے تھے

چھ ... تھے۔ اس سے پہلے میں ... میں بیٹھ کر مارلو ... کے ساتھ دوبار رنگون جا چکا تھا۔ بار اس شہر کو دیکھنے کی کوئی خاص تمنا نہیں تھی۔ ... وہاں سے پورا اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے سابقہ ... کی سرحد تک پہنچنا چاہتا تھا۔

دوپہر کو پھر گرمی کا احساس بڑھنے لگا۔ حالانکہ ... جنگلات تھے۔ اونچے اونچے درخت خاموش کھڑے ... کبھی کبھی ہوا کے جھونکوں سے ان میں زندگی کے آثار ... تھے۔ میں آرام دہ بستر پر سامی کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ ... سینے پر بیٹھی ہوئی عجیب عجیب تماشے دکھا رہی تھی ... خوش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بہت دنوں ... کو تنہائی نصیب ہوئی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے ...

"میری جان یہ تم نے نئے نخرے کہاں سے سیکھ ... کیا بات ہے؟"

اس نے سر جھکا کر میاؤں کہا پھر میرے سینے سے بستر کے گدے پر پہنچی اور وہاں ادھر سے ادھر لوٹنے لگی ... دونوں بازو اٹھائے لیٹا ہوا تھا میرے بدن پر صرف بنیان ... وہ لوٹ پوٹ کر میرے دائیں بغل کی طرف پہنچی تو ... چاٹنے لگی۔ اچانک مجھے جھرجھری سی محسوس ہوئی۔ گدگدی ... احساس ہوا تو میں اچھل پڑا۔ تب اس نے ذرا دور جا کر میاؤں ... جیسے پوچھ رہی ہو اب بتاؤ کیسے گدگدی کی میں نے ...

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کمال ہے تم نے تو شرارتیں ... لی ہیں۔ چلو آؤ میرے پاس لیٹ جاؤ۔ میں نے پیٹ ... ہے۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

وہ ایک شانِ بے نیازی سے چلتی ہوئی میرے ... آ کر بیٹھ گئی۔ اسی وقت دور کہیں جنگل سے مجھے فائرنگ ... سنائی دی۔ میں نے کہنی کے بل اٹھ کر کھڑکی کے پار دیکھا۔ ... پھر ہتھیاروں کی آواز گونجتی ہوئی ہماری طرف آئی۔ اسی ... میرے سرہانے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا ...

"کیا بات ہے غلام کیا تم نے بھی فائرنگ کی آواز سنی ..."

"جی ہاں آقا! میں نے اسی لیے فون کیا ہے۔ کہا ... ایک طرف روک دوں یا رفتار بڑھا دوں؟"

میں نے کہا۔ "بہتر ہے کہ رفتار بڑھا دو۔ پتہ نہیں ... فائرنگ ہو رہی ہے اور کہاں فائرنگ ہو رہی ہے۔ ہمیں ... معاملات میں الجھنا نہیں چاہیے۔ خواہ مخواہ ہمارے سفر ... دن ضائع ہو جاتے ہیں۔"

ہم سکون سے سفر کر رہے تھے۔ اب اچانک سستی پھیل ... لی تھی۔ غلام نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔ سڑک کے کنارے ... بڑے بڑے درخت تیزی سے گزر ... جانک ... رہا تھا۔ تب قریب ... ایک ... سامنے والے درخت کو چھو کر گزر گئی۔ میں کھڑ ... پاس ... ہٹ گیا۔ سامی بھی دبک کر بیٹھ گئی تھی۔

پھر میں نے سر کو ذرا آگے بڑھا کر دیکھا۔ کھڑکی کے باہر ... درخت تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔ ان درختوں کے پیچھے ایک شخص نظر آیا جو تیزی سے دوڑ رہا تھا اور ہاتھ ہلا ہلا کر ہم سے کہہ رہا تھا کہ ہم گاڑی روک دیں اور اسے اپنے ہاں پناہ دیں۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ کریڈل پر دستک دی تو دوسری طرف سے غلام نے پوچھا۔ "حکم آقا؟"

میں نے کہا۔ "ذرا اپنے بائیں طرف دیکھو ایک شخص دوڑ رہا ہے اور ہمارے پاس پناہ مانگ رہا ہے۔ ذرا محتاط ہو کر دیکھو کہ اس کا تعاقب کرنے والے کہاں ہیں اور کتنی دور ہیں۔ یہ بیچارہ بھاگنے والا بالکل نہتا ہے۔ یہ ہمارے لیے خطرہ نہیں ہو سکتا۔"

غلام ڈرائیونگ کیبن میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ میں ٹرائلر ... میں محتاط تھا پھر فون پر اس کی آواز سنائی دی۔ "آقا۔ اس کا تعاقب کرنے والے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اب آپ حکم دیں کہ مجھے رکنا چاہیے؟"

میں نے کہا۔ "میں یہاں سے اٹھ کر پچھلا دروازہ کھولنے جا رہا ہوں۔ تم گاڑی کی رفتار سست کرو۔ وہ بھاگتا ہوا ہمارے پاس آئے گا تو میں اسے ٹرالر کیبن کے اندر بلا لوں گا۔"

ہمارے پاس رائفلیں نہیں تھیں۔ ورنہ ہم جوابی فائرنگ ... کرنے کے بعد اس بیچارے کو حفاظت سے اپنے پاس بلا لیتے۔ ... نے گشتی گاڑی کے پچھلے دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ وہ بیچارہ بھاگتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ گاڑی کی رفتار سست ہو رہی تھی۔ اب وہ دوڑتے دوڑتے سڑک کے کنارے آ گیا تھا۔ وہ بے تحاشہ بھاگتا ہوا دونوں ہاتھ اٹھا کر ہمیں مدد کے لیے پکارتا ہوا ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔ افسوس کہ میں گاڑی سے اتر کر اس کی طرف نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ادھر ادھر سے آنے والی گولیاں مجھے بھی ہلاک کر سکتی تھیں۔

کوئی ضروری نہیں ہے کہ فرہاد علی تیمور سہارا دینے والے کو ... موت جس کا مقدر بن جاتی ہے اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ... ٹھائیں کی ایک آواز کے ساتھ ہی بھاگنے والے نے ... ہماری ... پھر لڑکھڑا کر بیچ سڑک پر گر پڑا۔ ہماری گشتی گاڑی رک گئی تھی۔ لیکن مجھ میں اور غلام میں اتنی جرات نہیں تھی کہ جنگل کی طرف سے ہونے والی فائرنگ کو سمجھتے ہوئے بھی نہتے باہر نکل پڑیں۔ ہم اپنی اپنی جگہ دبکے ہوئے تھے۔ وہ گولی کھا کر گرنے والا اب سڑک پر گھسٹتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے فون کے ذریعے غلام سے کہا۔

"غلام گاڑی کو پیچھے لے جاؤ۔ عقب میں آئینے میں دیکھتے رہو کہ وہ شخص سڑک کے کس حصے پر پڑا ہوا ہے۔ اس کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس زخمی شخص کو بچا لیں۔"

غلام نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ پھر گاڑی کو اسٹارٹ کرنے کے بعد آہستہ آہستہ پیچھے لے جانے لگا۔ وہ زخمی قریب آتا جا رہا تھا۔ جب گاڑی بالکل قریب پہنچ گئی تو غلام نے اسے روک دیا۔ وہ شخص سڑک پر ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا گشتی گاڑی کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ صرف دو گز کا فاصلہ تھا۔ اس دو گز کے فاصلے کو طے کرنے کے دوران دوسری گولی نے اسے چاٹ لیا۔

پچھلے دروازے کے ساتھ دو پائیدان تھے۔ جس پر چڑھ کر ہم گشتی گاڑی میں داخل ہوتے تھے۔ وہ شخص دوسری گولی کھانے کے بعد اس پائیدان پر اوندھے منہ گر پڑا۔ ذرا دیر کے لیے بالکل سناٹا چھا گیا۔ میں دروازے کی آڑ سے دیکھ رہا تھا۔ دور دور تک قاتل نظر نہیں آ رہے تھے۔ گھنے درختوں کے جھنڈ میں کہیں چھپے ہوئے تھے۔ میں دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ایک ہاتھ باہر نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہمت ذرا ہمت سے کام لو میرے ہاتھ کو تھام لو میں تمہیں اندر گھسیٹ لوں گا۔"

اس کے بدن میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ ابھی اس میں جان باقی تھی۔ اس نے تھر تھر کانپتے ہوئے سر کو اٹھا کر مجھے بڑی بے بسی سے دیکھا۔ اس دوران اس کا ایک ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں جا رہا تھا۔ پھر وہ ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس میں ایک لفافہ تھا۔ وہ بدستور کانپتے ہوئے کہا۔ "تم ۔۔۔ میری بہن ۔۔۔ میری ۔۔۔ ۔۔۔"

اس کا لفافے والا ہاتھ آگے بڑھا پھر دروازے تک آ کر کٹے ہوئے شہتیر کی طرح میرے سامنے گر پڑا۔ میں نے لپک کر اس لفافے کو تھام لیا۔ اس کے ہاتھ سے لفافے کو لیتے وقت میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔ اپنی زندگی سے بہت دور جا چکا ہے اس نے دو چار الفاظ انگریزی زبان میں ادا کیے تھے۔ میں نے اس کے دماغ تک پہنچ کر دیکھا۔ تو اب اس کا کوئی دماغ نہیں تھا۔ وہ واقعی مر چکا تھا۔

مجھے بہت افسوس ہوا اسی کو کہتے ہیں کہ ٹوٹی کہاں کمند؟ دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا۔ وہ میری پناہ میں پہنچتے پہنچتے مر گیا

تھا۔ اور میں اسے بچا نہیں سکا تھا۔ بہرحال اب مجھے سوچنا تھا کہ کیا کیا جائے؟

ظاہر ہے کہ میں اس کی لاش کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں نہیں لیجا سکتا تھا۔ خواہ مخواہ ایک قتل کے کیس میں ملوث ہو جاتا۔ میں نے گشتی گاڑی کے فرش پر لیٹ کر دور تک دیکھا۔ قاتل ابھی تک نظر نہیں آ رہے تھے۔ درختوں کے جھنڈ میں کہیں چھپے ہوتے تھے۔ میں نے دروازے کے باہر ہاتھ بڑھا کر اس شخص کی لاش کو زینے کے پائیدان کے نیچے لڑھکا دیا۔ مجبوری تھی ایسے وقت ایک لاش کا بھی احترام نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے پچھلے دروازے کو اندر سے لاک کر لینے کے بعد غلام سے فون پر رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔" اب گاڑی کو تیزی سے آگے بڑھاؤ۔ وہ آدمی مر چکا ہے۔ ہمیں یہاں سے فوراً ہی بہت دور نکل جانا چاہیئے۔ ورنہ خواہ مخواہ ایک قتل کے کیس میں ملوث ہو جائیں گے۔ کم آن، ہری اپ۔"

غلام نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک میں ٹرائلر کیبن کے بستر پر بیٹھا ان حالات پر غور کرتا رہا۔ مجھے اس شخص کے مرنے کا بے حد افسوس تھا۔ بہرحال وہ مر چکا تھا اور اپنی ایک امانت میرے حوالے کر چکا تھا۔ وہ لفافہ اب تک میرے ہاتھ میں تھا اور وہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اس میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا تو اس کے ساتھ ہی ایک لڑکی کی تصویر برآمد ہوئی۔ میں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اس تہہ کیے ہوئے کاغذ کو کھول کر پڑھنے لگا۔ وہ ایک ٹیلی گرام تھا اور لندن سے آیا تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔

" ایزا بیلا منگل سترہ تاریخ کو تین بجے کی فلائیٹ سے رنگون ایئرپورٹ پر پہنچ رہی ہے۔ رامیشور کے پاس ایزا بیلا کی تصویر ہے تصویر اس سے حاصل کرو اور ایزا بیلا کا استقبال کرو۔"

ٹیلی گرام بھیجنے والے کا نام جے جے تھا اور رنگون میں جس شخص کو یہ ٹیلی گرام بھیجا گیا تھا۔ اس کا نام ایلین تھا اور وہ رنگون کے رنکبسن اسٹریٹ کے مکان نمبر چھ میں رہتا تھا۔ میں رنگون پہنچنے کے بعد اس ایلین نامی شخص سے ملاقات کر سکتا تھا۔ فی الحال اس ٹیلی گرام پر میں غور کرنے لگا۔ کیونکہ آج ہی منگل کا دن تھا اور سترہ تاریخ تھی۔ گھڑی بتا رہی تھی کہ تین بج چکے ہیں اور رنگون کے ایئرپورٹ پر ایزا بیلا پہنچ چکی ہوگی۔ اس کا استقبال کون کریگا؟

میں نے اس لڑکی کی تصویر کو دیکھا۔ کیا یہ وہی ایزا بیلا تھی؟ اس لڑکی کے بال خوبصورتی سے تراشے ہوئے تھے۔ اس نے اسکرٹ اور بلاؤز پہن رکھا تھا۔ بالکل ماڈرن قسم کی کوئی ہندوستانی لڑکی تھی اس کا نام ایزا بیلا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا تو پیچھے لکھا ہوا تھا" آشا بیلا"

آشا بیلا خالص ہندوستانی نام تھا۔ میری سمجھ میں آیا کہ ٹیلی گرام بھیجنے والے نے آشا بیلا کے نام کو بگاڑ کر ایزا بیلا کر دیا ہے۔ اور یہی تصویر والی لڑکی آج رنگون پہنچ گئی ہوگی۔ اور یہ لڑکی اس مرنے والے کی بہن ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ٹیلیگرام میں لکھا ہوا تھا کہ ایزا بیلا کی تصویر رامیشور کے پاس ہے تو اس سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ اس مرنے والے کا نام ہی رامیشور ہے۔

کسی سنجیدہ جاسوس کی طرح ان گتھیوں کو سلجھانے سے بہتر یہ تھا کہ میں تصویر والی کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ تک پہنچ جاتا۔ مجھے آسانی سے معلوم ہو جاتا کہ وہ رنگون پہنچ گئی ہے یا اب تک لندن میں بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے سامی کی طرف دیکھا۔ پھر اس سے کہا۔

" دیکھو میں بالکل خاموشی چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔"

سامی نے میاؤں کہتے ہوئے تصویر پر ایک پنجہ مارا۔ تصویر میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ میں نے اسے دوبارہ اٹھانا چاہا تو سامی نے اسے اپنے منہ میں دبوچ لیا۔ میں نے پوچھا۔

" یہ کیا شرارت ہے، چلو تصویر مجھے واپس کرو۔"

اس نے تصویر کو بستر کے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر وہ اچھل کر دوڑتی ہوئی گشتی گاڑی کے پچھلے دروازے کی طرف گئی۔ میں اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ دوبارہ دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ مجھے ایک پنجہ مار کر واپس پچھلے دروازے کی طرف جانے لگی۔ پلٹ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگی۔ شاید وہ چاہتی تھی کہ میں اس کے ساتھ پچھلے دروازے کی طرف جاؤں۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر ٹیڈل پر دستک دی۔ دوسری طرف سے غلام نے پوچھا۔ میں نے کہا۔" سامی مجھے پچھلے دروازے کی طرف جانے کے لیے کہہ رہی ہے۔ یقیناً کوئی بات ہے۔ ہم تو بہت دور آ گئے ہیں۔ گاڑی روک دو اور پچھلے دروازے کی طرف آؤ۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ گاڑی رک گئی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر پچھلے دروازے کی طرف گیا۔ سامی وہاں پہلے ہی کھڑی تھی۔ میں نے دروازے کو کھولا تو وہ باہر نکل کر پائیدان پر آ گئی۔ پھر اِدھر اُدھر پنجے مارنے لگی۔

تب میں نے حیرانی سے دیکھا کہ اس پائیدان پر مقتول کے خون کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے اور وہ ہمیں سمجھا رہی تھی کہ دھبے صاف ہو جانے چاہئیں۔

میں نے سامی کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر سینے سے لگا کر چومنے لگا۔ غلام وہاں پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔" پانی سے اچھی طرح صاف کرو۔ لہو کا ایک چھینٹا بھی یہاں نہیں ہونا چاہیئے۔ ورنہ بُری طرح پھنس جائیں گے۔"

دس منٹ کے اندر وہاں کی صفائی ہو گئی۔ لہو کے تمام دھبے مٹا دیے گئے۔ پھر غلام ڈرائیونگ کیبن میں چلا گیا۔ میں نے پچھلے دروازے کو لاک کیا۔ سامی کو اٹھاتے ہوئے ٹرائلر کیبن کی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ میں اس لڑکی کی تصویر تھی۔ میں نے سامی سے کہا۔

" دیکھو اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا میں خیال خوانی کے ذریعے اس لڑکی کے پاس پہنچ رہا ہوں۔ تم چپ چاپ اس بستر پر جا کر بیٹھ جاؤ۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ بڑے ناز و انداز سے چلتی ہوئی بستر کے قریب پہنچی پھر اچھل کر وہاں بیٹھ گئی۔ میں نے لڑکی کی تصویر کو غور سے دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ آنکھیں جو دل کی چھپی ہوئی باتوں کی چغلی کھاتی ہیں۔ دماغ میں چھپے ہوئے غم اور خوشی کے جذبوں کو چوری چوری ظاہر کرتی ہیں۔ میں اپنی آنکھوں کے ذریعے اس لڑکی کے دماغ تک پہنچ گیا۔

وہ لڑکی جس کا نام آشا بیلا یا ایزا بیلا تھا بہرحال جو کچھ بھی اس کا نام تھا۔ وہ تصویر والی لڑکی اب میری خیال خوانی کی مٹھی میں تھی۔ میں نے دیکھا وہ سانس لے رہی ہے۔ بہت آہستہ آہستہ سانس لے رہی ہے۔ ابھی اس کی زندگی باقی تھی لیکن وہ اپنی زندگی کو نہیں سمجھ رہی تھی کیونکہ ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ اس کا دماغ اندھیرے میں گم تھا۔

میں نے گھڑی دیکھی اس وقت چار بج رہے تھے۔ ایزا بیلا کو یا تو طیارے میں ہونا چاہیئے تھا (بشرطیکہ طیارہ لیٹ ہو) یا پھر وہ ایئرپورٹ پر ہوتی۔ یا ایئرپورٹ سے نکل کر کسی ہوٹل میں قیام کرتی۔ یا پھر کسی عزیز کے ہاں پہنچی ہوتی۔ وہ جہاں کہیں بھی تھی اس وقت بے ہوش تھی۔

مجھے چشمِ تصور میں وہ مقتول نظر آیا جو میری گشتی گاڑی کے پائیدان پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ زندگی کی آخری سانسیں سمیٹ کر کہہ رہا تھا۔" میری۔ بہن — مے۔ ری . . . . ."

وہ شخص اپنی کسی بہن کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کی جیب سے ملنے والی تصویر بتا رہی تھی کہ ایزا بیلا یا آشا بیلا اس کی بہن ہے اور اس کی بہن پر کوئی افتاد آ پڑی ہے۔ جس کے لیے وہ پریشان تھا۔ اور سمجھ رہا تھا کہ اس کی بہن کو بہت زیادہ خطرہ لاحق ہے۔ اس کے گڑگڑانے کا انداز یہی بتا رہا تھا کہ اس کی بہن کی حفاظت کی جائے۔ اس وقت پتہ نہیں میں رنگون سے کتنی دور تھا؟ اور آشا بیلا کہاں ہوگی؟ اگر وہ رامیشور کی بہن تھی یا نہ تھی بہرحال میں اس کی کوئی حفاظت نہیں کر سکتا تھا اور اس کے خوابیدہ دماغ سے یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کس جگہ بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔

انسان بے ہوشی کے عالم میں خواب نہیں دیکھ سکتا کیونکہ سوچنے اور خواب دیکھنے کا تعلق دماغی توانائی سے ہے۔ جب دماغ کمزور ہو جاتا ہے یا انسان دماغی طور پر بہت زیادہ تھک جانے کے بعد سو جاتا ہے تو تھکن زدہ نیند کے دوران خواب نظر نہیں آتے اس لیے کہ دماغ اس قابل نہیں رہتا کہ کچھ سوچ سکے اور الٹی سیدھی سوچوں کا مجموعہ ہی خواب کہلاتا ہے اس لڑکی کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کا دماغ کہیں گم تھا۔ زندگی باقی تھی اور وہ نہ کچھ سوچ سکتی تھی۔ نہ میں اسے سوچنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ میں نے بارہا تجربہ کیا ہے بے ہوش ہونے والے کسی بھی شخص کو جبراً سوچنے پر مجبور کیا جائے۔ تو اس کے دماغ میں اپنی سوچ کی لہریں ابھرتی ہیں مگر وہ بہت ہی کمزور اور ناقابلِ فہم ہوتی ہیں۔

تھوڑی سی دیر میں عجیب تجسس آمیز واقعات پیش آئے تھے پہلے تو ایک دہشت زدہ شخص بھاگتا ہوا دکھائی دیا جس پر نامعلوم افراد گولیاں چلا رہے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے اپنی پناہ میں لوں گا تو سارا تجسس ختم ہو جائے گا اور میں اس کی جان بچا لوں گا۔ پھر یہ قصہ ختم ہو جائے گا لیکن وہ شخص میرے پاس پہنچتے پہنچتے مر گیا۔ اس کے پاس سے جو تصویر ملی اسے دیکھ کر یہ توقع ہوئی کہ شاید میں اس راز کو سمجھ سکوں کہ مرنے والا کون تھا اور اس کا تعاقب کون لوگ کر رہے تھے۔ اب تصویر والی بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ یہ گتھی سلجھنے کے بجائے اور الجھ گئی تھی۔

پتہ نہیں وہ کب سے بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ میں بار بار اس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ پھر ایک بار پتہ چلا کہ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی ہے۔ اس وقت وہ تکلیف کی شدت سے کراہ رہی تھی۔ پھر نیم بے ہوشی کی حالت میں اس کا ایک ہاتھ اپنے سر کی پشت پر پہنچا۔ پتہ چلا کہ وہاں سخت چوٹ آئی ہے۔ چوٹ آئی تھی یا کسی نے سختی سے ضرب لگائی تھی؟ بہرحال وہ پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد ہی یہ باتیں سوچ اور سمجھ سکتی تھی۔

میں انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھولنے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک چپ چاپ لیٹی رہی۔ جیسے اپنے گھر کے آرام دہ بستر پر پڑی ہو۔ پھر اسے اچانک احساس ہوا کہ زمین سخت ہے اور اس کے چاروں طرف ہلکی سی روشنی ہے اور گہری سی تاریکی ہے اور وہ روشنی اور تاریکی کے اس سنگم پر کہیں پڑی ہوئی ہے۔ وہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگی۔ ہاتھ بڑھا کر آس پاس کی جگہ کو ٹٹولنے لگی

تب اسے پتہ چلا کہ وہ کسی زینے کے ایک پائیدان پر پڑی ہوئی ہے۔ اس کا جسم سمٹا ہوا ہے اور ٹانگیں گھٹنے کی طرف سے مڑی ہوئی ہیں۔

وہ گھبرا گئی۔ پتہ نہیں وہ زینہ کتنی دور پستی کی طرف گیا ہوگا اگر وہ ذرا بھی حرکت کرے گی تو لڑکھتی ہوئی نامعلوم پستی میں پہنچ جائے گی۔ اس نے سنبھل کر آس پاس ٹٹولتے ہوئے زینے کی ایک ریلنگ کو تھام لیا پھر اس کے سہارے آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پہلے تو اس نے اپنے متعلق سوچا کہ وہ کون ہے اور اس جگہ کیسے پہنچ گئی ہے؟ وہ دماغ پر زور ڈال کر سوچنے لگی۔

' میں کون ہوں — میں کون ہوں۔ یہ کون سی جگہ ہے۔ میں یہاں کیسے پہنچ گئی؟

یہ سوچنے کے دوران پہلے اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر سر کو اوپر کی طرف اٹھایا۔ وہ زینہ اونچائی پر ذرا دور تک گیا تھا۔ اس کی بلندی پر ایک روشندان تھا۔ جہاں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اسی روشنی نے اس تاریک زینے کو اور اس پاس کے ماحول کو کسی قدر روشن رکھا تھا۔ پھر اس نے نظریں جھکا کر نیچے دیکھا۔ روشندان سے آنے والی روشنی سیدھی نچلے زینے پر پہنچ رہی تھی۔ وہاں دیکھتے ہی اس لڑکی کا کلیجہ دھک سے رہ گیا زینے کے نچلے سرے پر ایک اور لڑکی نظر آ رہی تھی۔ وہ اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کے لباس سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ عورت یا لڑکی ہے۔ اسے دیکھتے ہی پہلے تو وہ سہم گئی تھی کہ پتہ نہیں وہ کیوں اس انداز میں پڑی ہوئی ہے پھر اس نے ہمت کرتے ہوئے اسے آواز دی۔" اے کون ہو تم... سنو! میری آواز سن رہی ہو نا؟ مجھے بتاؤ تم کون ہو اور میں یہاں کیسے آئی ہوں؟"

اسے جواب نہیں ملا۔ مارے دہشت کے آشا بیلا کا بُرا حال تھا۔ ایک تو وہ دوسری لڑکی جواب نہیں دے رہی تھی۔ دوسری بات یہ کہ آشا بیلا خود کو نہیں پہچان رہی تھی۔ بار بار اپنا نام اور پتہ سوچ رہی تھی کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں سے آئی ہے؟ اس نے پھر نیچے فرش پر پڑی ہوئی لڑکی کو دیکھا اور بیٹھے بیٹھے ایک پائیدان نیچے اتر گئی۔

" اے سنتی ہو۔ دیکھو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ تم جواب کیوں نہیں دیتیں؟"

وہ ایک پائیدان اور نیچے اتر گئی۔ آہستہ آہستہ فرش کے قریب اس لڑکی تک پہنچتی گئی۔ کیونکہ اسے پہنچنا ہی تھا۔ کچھ تو معلوم کرنا ہی تھا کہ وہ کون سی جگہ ہے اور اس جگہ وہ ایک اجنبی لڑکی کے ساتھ کیسے موجود ہے؟

فاصلہ سمٹ گیا۔ اب اس کے اور اجنبی لڑکی کے درمیان صرف ایک پائیدان اور ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ اتنے قریب آنے کے بعد اس نے دیکھا کہ لڑکی ہندوستانی تھی۔ کیونکہ اس نے ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ اور اوندھے منہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ جبکہ آشا بیلا یا ایزا بیلا بلاؤز اور اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کی مناسبت سے بلاؤز اور اسکرٹ والی کو جو کہ اب ہوش میں تھی اس کا نام ایزا بیلا ہونا چاہیے تھا اور جیسا کہ رامیشور اپنی بہن کے لیے میرے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔ تو اس ساڑھی والی کا نام آشا بیلا ہونا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں اب حقیقت کیا تھی۔ جس لڑکی کے دماغ میں میں پہنچا ہوا تھا فی الحال میں اسی کو آشا بیلا کہوں گا کیونکہ اس کی تصویر کے پیچھے یہی نام لکھا ہوا تھا۔

آشا بیلا رینگتے ہوئے اس ساڑھی والی کے قریب پہنچ گئی — اور اس کے بازو کو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ اسے دائیں طرف بھی ذرا زور لگایا تو ساڑھی والی ایک کروٹ ہو کر چاروں شانے چت ہو گئی۔ اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ اسے دیکھتے ہی آشا بیلا دہشت سے چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ یہ سمجھ میں آ گیا کہ اس کی اجنبی ساتھی مردہ ہے۔

ساڑھی والی کے سینے پر اور شانوں کے پاس فرش پر بیش قیمت موتی بکھرے ہوئے تھے۔ کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا۔ گلا گھونٹنے کے دوران خاصی جدوجہد ہوتی رہی ہوگی۔ جس کے نتیجے میں موتیوں کا وہ ہار ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ آشا بیلا دم سادھے وہ منظر دیکھتی رہی اور خوف سے تھر تھر کانپتی رہی۔ بار بار یہ سوچنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ کون ہے؟ اور اب اسے کہاں جانا چاہیے؟ کسے مدد کے لیے پکارنا چاہیے؟ جب وہ اپنا نام نہیں جانتی تھی تو پھر وہ کسی مددگار کو کس نام سے پکارتی؟

ذرا دیر بعد اسے ساڑھی والی کے قریب ایک پرس پڑا ہوا نظر آیا۔ اس نے اس پرس کو اٹھا لیا۔ اسے کھول کر دیکھنا چاہا۔ لیکن وہاں روشنی کافی نہیں تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ کس کا پرس ہے اور اس میں رکھی ہوئی چیزیں کس سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مرنے والی سے یا آشا بیلا سے؟

اس نے پرس کو مضبوطی سے تھام لیا۔ وہاں سے اٹھ کر زینے پر چڑھنے لگی۔ انسان ہو یا جانور وہ فطرتاً روشنی کی طرف بڑھتا ہے اور اوپر ہی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس کے پاؤں کانپ رہے تھے زینے کے ایک ایک پائیدان پر قدم رکھتے وقت وہ ڈگمگا رہی تھی کئی بار وہ گری مگر ریلنگ کو پکڑ کر سنبھل گئی۔ بڑی مشکلوں سے ہانپتی کانپتی وہ زینے کے اوپر پہنچی اور دائیں طرف ایک دروازہ کھلا ہوا نظر آیا۔ دروازہ شاید کبھی کھلا نہ رہتا لیکن اسے بند کرنے

والی کنڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ شاید اس ساڑھی والی نے وہاں داخل ہوتے وقت اپنے قاتلوں سے جھگڑا کیا ہوگا۔ دیوار سے وہ یا قاتل اس طرح ٹکرائے ہوں گے کہ دروازے کی کنڈی ٹوٹ گئی ہوگی۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا آشا کو وہاں سے باہر نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔

باہر نکلنے کے بعد اسے ایک تنگ سی گلی نظر آئی۔ گلی کے اطراف اونچے اونچے پرانے طرز کے مکانات بنے ہوئے تھے۔ گلی دور تک ویران تھی۔ دو چار بچے ذرا فاصلے پر کھیلتے ہوئے نظر آ رہے تھے آشا بیلا نے سوچا کہ اسے اس جگہ کا نام معلوم کرنا چاہیے۔

لیکن میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" نہیں — مجھے یہ حماقت نہیں کرنا چاہیے۔ جس مکان سے میں نکل کر آئی ہوں وہاں ایک قتل ہو چکا ہے۔ اگر میں کسی بچے سے یوں باتیں کروں گی اور بعد میں صورت سے پہچانی جاؤں گی تو خواہ مخواہ ایک قتل کے کیس میں ملوث ہو جاؤں گی۔ مجھے یہاں سے چپ چاپ چلے جانا چاہیے۔"

وہ بچوں کو مخاطب کیے بغیر دوسری طرف جانے لگی۔ میں اس کے دماغ میں بیٹھا ہوا اسے آس پاس دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ تاکہ اس گلی کی کوئی شناخت رہے۔ اس مکان کا نمبر اس نے پڑھا نمبر چھ تھا۔ ٹیلی گرام میں رسکن اسٹریٹ کے ایک مکان کا نمبر چھ لکھا ہوا تھا۔ جب وہ آگے بڑھتی ہوئی گلی کے سرے پر پہنچی تو اس بات کی تصدیق ہو گئی وہاں رسکن اسٹریٹ کے نام کا ایک چھوٹا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔

گلی سے نکلتے ہی بہت بڑی شاہراہ نظر آئی۔ بہت سی گاڑیاں ادھر سے ادھر دوڑ رہی تھیں۔ وہیں بس اسٹاپ بھی تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر آ کر کھڑی ہو گئی اور سوچنے لگی کہ اب کیا کرے؟ میں خود سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے کہاں جانا چاہیے ایک قتل ہو چکا تھا۔ سب سے ضروری بات یہ تھی کہ وہ خود کو پہچانے اپنے آپ کو پہچاننے کے بعد ہی یہ گتھی بھی سلجھ جاتی کہ وہ اجنبی لڑکی کون تھی جو قتل کر دی گئی؟

پہلے میں نے سوچا تھا کہ اس لڑکی کے دماغ میں پہنچنے کے بعد ساری معلومات حاصل کر لوں گا۔ جب دماغ میں پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ پھر میں نے سوچا جب وہ ہوش میں آئے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا مگر تجسس باقی ہی رہنا تھا لہٰذا جب وہ ہوش میں آئی تو پتہ چلا کہ وہ اپنے آپ کو بھول چکی ہے۔ اس نے کئی بار خود کو پہچاننے کے لیے اپنے ذہن پر زور ڈالا۔ میں نے بھی کوشش کی۔ اس کے لاشعور میں چھپی ہوئی یادوں کو ٹٹولنا اور کریدنا چاہا۔ لیکن لاشعور کے خانے میں وہ یادیں اس قدر کمزور ہو گئی تھیں کہ میری سوچ کی لہریں انہیں اجاگر نہیں کر سکیں۔

وہ آہستہ آہستہ فٹ پاتھ پر چلتی رہی اور سوچتی رہی اب وہ پرس ہی ایسی چیز تھی۔ جس کھولنے کے بعد شاید کچھ معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں لیکن سڑک کے کنارے پرس کھولنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" مجھے کسی قریبی ریسٹورنٹ میں جا کر چائے پینا چاہیے۔ وہاں بیٹھ کر میں اطمینان سے پرس کی تلاشی لے سکتی ہوں اور اس پرس میں کم از کم اتنی رقم تو ضرور ہوگی کہ میں چائے یا کافی کا بل ادا کر سکوں۔"

اس نے ایک فٹ پاتھ سے دوسرے فٹ پاتھ کی طرف دیکھا۔ یہاں سے وہاں تک کوئی ریسٹورنٹ نظر نہیں آیا۔ حد نظر تک کچھ سرکاری عمارتیں نظر آئیں۔ پبلک لائبریری اور آرٹ گیلری جیسی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہی۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بھیک مانگتا ہوا نظر آیا تھا۔ اس نے آشا بیلا کی طرف بھی اپنا ہاتھ پھیلایا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔" یہ اچھا موقع ہے اسے خیرات دینے کے بہانے پرس کھول کر کسی حد تک یہ تو دیکھا جا سکتا ہے کہ اس میں رقم کتنی ہے"؟

میری سوچ کے مطابق آشا بیلا نے پرس کو کھولنا شروع کیا اسی وقت اس کے ہاتھوں پر جیسے کوئی باز جھپٹ پڑا ہو۔ اس نے گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ بھیک مانگنے والا اس کا پرس چھین کر بھاگا جا رہا ہے۔

" ہیلپ — ہیلپ —" آشا بیلا نے چیخنا شروع کیا۔ پھر اس کے پیچھے بھاگنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے وہ اچکا پاس والی گلی میں گھس گیا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر دوسرے راہ گیر ٹھہر گئے تھے اور اس کے قریب پہنچ رہے تھے۔ ایک آدھ نے حالات کو سمجھ لیا کہ وہ چیخنے چلانے والی لوٹ لی گئی ہے آشا بیلا اس گلی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ دو آدمی دوڑتے ہوئے اس گلی میں چلے گئے۔

وہ ہانپ رہی تھی۔ آس پاس جمع ہونے والے لوگوں کو پریشان ہو کر دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ لوگ اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ پوچھ رہے تھے کہ اس کے پرس میں کیا تھا۔ کتنی رقم تھی؟

یہ سوالات بھی مصیبت بن گئے۔ کیونکہ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ پرس میں کیا کیا تھا۔ اور کتنی رقم تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔" بس رقم معمولی سی تھی لیکن اس پرس میں میرے اہم کاغذات تھے۔ وہ پرس مجھے ملنا چاہیے۔ ورنہ میں پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤں گی"۔

ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے اس کا بازو تھام کر ایک طرف

کھینچتے ہوئے لوگوں سے کہا۔" دور ہٹو۔ سب دور چلے جاؤ۔ اس لڑکی کو پریشان نہ کرو۔ میں اس کی پریشانیاں دور کروں گی۔ تم لوگوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ چور کدھر گیا ہے اور اس کے پیچھے جانے والے کہاں تک اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ مگر تم لوگوں کی تو عادت ہے جہاں خوبصورت لڑکی دیکھی وہاں بھیڑ لگا دی"۔

وہ عورت اسے ایک عمارت کے سائے میں لے آئی۔ لوگ دور کھڑے ہوتے تھے اور کچھ لوگ اپنی اپنی راہ پر جا رہے تھے اس عورت نے نرمی سے پوچھا۔" بیٹی تمہارا نام کیا ہے"؟

آشا بیلا ایک دم سے بوکھلا گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا نام بتائے یا اس عورت کو یہ حقیقت بتا دے کہ وہ اپنا نام تک بھول چکی ہے۔ لیکن یہ ایک مضحکہ خیز بات ہوتی۔ شاید وہ یقین نہ کرتی میں نے اسے زیادہ سوچنے نہیں دیا اس کے دماغ کے ذریعے کہلوایا "جی میرا نام آشا بیلا ہے"۔

یہ نام اپنی زبان سے ادا کرتے وقت آشا بیلا کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ نام اس کا جانا پہچانا ہے۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگی کہ یہ نام اس کی زبان سے کیسے ادا ہو گیا؟ دوسری طرف وہ ادھیڑ عمر کی عورت اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولی "تمہارا لباس انگریزوں جیسا ہے۔ تم انگریز یعنی کہ عیسائی نظر آتی ہو لیکن یہ نام تو ہندوستانی ہے۔ کیا تم ہندوستانی بولی سمجھتی ہو"؟

"آں؟ ——— ہندوستانی بولی؟ وہ کیسی ہوتی ہے"؟

آشا بیلا کے سوال پر اس عورت نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر کہا۔" اچھا دیکھو میں اس وقت وہی ہندوستانی زبان بول رہی ہوں تمہارا نام کیا ہے"؟

ہندوستانی زبان سن کر آشا بیلا کے ذہن میں جیسے روشنی کی ایک کرن پھوٹی۔ اور پھر تاریکی چھا گئی۔ یہ سمجھ میں آگیا کہ وہ ہندوستانی زبان جانتی ہے۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں میں تمہاری زبان سمجھ رہی ہوں۔ تم میرا نام پوچھ رہی ہو۔ میرا نام وہی ہے جو میں تمہیں بتا چکی ہوں"۔

اتنے میں ایک پولیس انسپکٹر موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہاں آیا پھر فٹ پاتھ کے کنارے گاڑی روکتے ہوئے معذرت سے بولا۔" مجھے افسوس ہے کہ وہ چور پکڑا نہیں جا سکا۔ میں بھی اس کے تعاقب میں گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کدھر نکل گیا۔ اس سامنے والی گلی کے بعد بہت سی پُرپیچ گلیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہم نے اسے کھو دیا ہے۔ ویسے آپ اطمینان رکھیں اپنا پتہ ہمیں نوٹ کرا دیں۔ ہم جلد ہی اسے گرفتار کر کے آپ کو اطلاع دیں گے"۔

آشا بیلا پھر پریشان ہو کر سوچنے لگی کہ کیا پتہ بتائے؟ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی رہائش اسی شہر میں ہے۔ یا وہ کہیں باہر سے اس شہر میں آئی ہے۔ اسے پریشان دیکھ کر ادھیڑ عمر کی عورت نے جلدی سے کہا۔" انسپکٹر پتہ نوٹ کرو میں تمہیں بتاتی ہوں"۔

وہ عورت آگے بڑھ کر انسپکٹر کے قریب پہنچ گئی اور اسے اپنا پتہ بتانے لگی۔ انسپکٹر ایک نوٹ بک میں لکھتا جا رہا تھا۔ آشا بیلا نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ وہ دنیا والوں کی نظروں میں مذاق نہیں بننا چاہتی تھی۔ اگر کسی کو بھی پتہ چل جاتا کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے۔ تو لوگ اسے تماشہ بنا لیتے۔

پولیس انسپکٹر رخصت ہو گیا۔ اس عورت نے واپس آ کر کہا۔ "بیٹی گھبراؤ نہیں میں سمجھ گئی ہوں کہ تم کیوں اس قدر پریشان ہو۔ آؤ میرے ساتھ چلو میں تمہیں پناہ دوں گی"۔

وہ آشا بیلا کا ہاتھ تھام کر فٹ پاتھ پر آگے بڑھنے لگی۔ فٹ پاتھ کے کنارے جگہ جگہ خوبصورت کاریں کھڑی ہوئی تھیں اس عورت نے ایک کار کے قریب پہنچ کر اس کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔" آؤ بیٹھو یہ میری گاڑی ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر لے چلتی ہوں۔ وہاں اطمینان سے باتیں ہوں گی"۔

وہ اس عورت کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی میں آشا بیلا کے دماغ سے واپس آگیا۔ فی الحال اسے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ عورت جو اس سے ہمدردی سے پیش آ رہی تھی میں نے اس کے دماغ کو کرید کر دیکھ لیا تھا۔ اس ادھیڑ عمر کی عورت کا نام مس سلور تھا یعنی وہ بوڑھی ہو چکی تھی لیکن غیر شادی شدہ تھی اس لیے مس کہلاتی تھی۔ اس نے آشا بیلا کی پریشانیاں دیکھ کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ لڑکی گھر سے بھاگ کر آئی ہے۔ اور پولیس والوں کو اپنا صحیح نام اور پتہ نہیں بتانا چاہتی ہے۔ مس سلور ایسی ہی لڑکیوں کی تلاش میں رہتی تھی۔ وہ بہت بڑی ایکسپورٹر تھی اور اپنے ہاں دنیا بھر کی حسین لڑکیوں کو جمع کرتی تھی اور منہ مانگی قیمت وصول کر کے انہیں بیرونی ممالک بھیج دیا کرتی تھی۔ وہ جرائم کی دنیا میں حسین لڑکیوں کی سب سے بڑی اور کامیاب ایکسپورٹر کہلاتی تھی۔

میں نے آشا بیلا کو فی الحال مس سلور کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ آشا بیلا کو کہیں آرام سے بیٹھنے... لیٹنے اور کھانے پینے کی ضرورت تھی اسے کہیں رہائشی آرام و سکون ملتا تو شاید اسے پچھلی کچھ باتیں یاد آ جاتیں۔

غلام نے گاڑی روک دی تھی۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا ہم کسی چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئے تھے۔ غلام نے ڈرائیونگ کیبن سے باہر آ کر مجھ سے کہا۔" آقا! یہاں کچھ ناشتہ کیا جائے اور چائے پی جائے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کیا خیال ہے آپ کا؟

ضرور میں بھی چائے پیوں گا۔ چلو میں باہر آ رہا ہوں"۔

یہ کہہ کر میں نے سامی... کو اٹھایا اور پھر گشتی گاڑی سے بستی کے بچے گاڑی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے [...]گیا۔ بوڑھے مرد اور عورتیں بھی ہمیں حیرانی سے دیکھ رہے تھے [...] ایک چھوٹا سا چائے خانہ تھا۔ غلام نے وہاں پہنچ کر [...] کا رُکوا دیا۔ رنگون وہاں سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر [...] غلام ۲۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی چلاتا تھا۔ اس [...] ہم دو گھنٹے کے اندر رنگون پہنچنے والے تھے۔ میں [...] چاہتا تھا کہ جلد از جلد آشا بیلا تک پہنچ جاؤں۔

چائے پینے کے بعد میں گشتی گاڑی کی طرف جانے لگا۔ [...] نے مجھے مخاطب کیا۔" آقا! یہ شخص ہم سے لفٹ مانگ رہا [...] کہتا ہے کہ صرف پانچ میل تک جانا ہے۔ آگے ایک چھوٹی سی بستی ہے وہاں اس کے ماں باپ رہتے ہیں۔ اگر [...] ہو تو میں اپنے پاس بٹھا لوں۔ میں نے پلٹ کر... [...] شخص کو دیکھا پھر اجازت دیتا ہوا گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

پھر ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ ہماری گشتی گاڑی بستی سے [...]نے لگی۔ میں نے آشا بیلا کی خبر لی۔ وہ مس سلور کے ایک [...] پہنچ گئی تھی۔ وہاں اسے پُرتکلف کھانے کھلائے [...] تھے اور اب وہ کھانے کے بعد آرام سے ایک ایزی چیئر پر [...] ہوئی تھی۔ مس سلور نے اس کے بعد اس سے کوئی سوال [...] کیا تھا۔ شاید اسے اچھی طرح کھلا پلا کر اپنے کاروبار کے لیے [...] کرنا چاہتی تھی۔

میں ٹھہر ٹھہر کر مس سلور کی بھی خبر لیتا رہا۔ اور سامی کیسا تھ [...] رہا۔ گشتی گاڑی اپنی مخصوص رفتار کیساتھ فاصلے طے [...] جا رہی تھی پھر فون کی گھنٹی سنائی دی۔ میں نے ریسیور اٹھا [...] پوچھا۔

"کیا بات ہے غلام"؟

غلام کی آواز آئی۔" آقا! ہمدردی مہنگی پڑ رہی ہے۔ یہ [...] تو کچھ اور ہی نکلا۔ اس نے ایک ریوالور میری پسلی سے لگا [...] ہے۔ انگریزی صحیح طریقے سے بول نہیں سکتا۔ مگر اٹک [...] کر کہہ رہا ہے کہ آگے جہاں یہ کہے گاڑی روک دی جائے۔ [...] وہاں اس کے بہت سے ساتھی ہمیں لوٹنے کے لیے [...] انتظار کر رہے ہوں گے"۔

[...] مسکراتے کہا۔" بہت خوب۔ یہ دنیا والے نیکی کرنے والوں [...] کر کے دریا میں ڈالنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ بیچارے [...] کرنے والوں کو ہی اٹھا کر دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ بہر حال [...] سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ بختنگی کے راستے پتہ نہیں کتنے عرصے تک ہمارا سفر جاری رہے گا۔ ہمیں آئندہ توبہ کر لینا چاہیئے کہ کسی کو اس طرح لفٹ نہ دی جائے۔ تم اس سے باتیں کرو تاکہ وہ تھوڑی بہت انگریزی بولنے پر مجبور ہو جائے"۔

غلام نے اس سے پوچھا" تم ہم سے کیا چاہتے ہو"؟

وہ پہلے تو خاموش رہا۔ غلام کو سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ غلط زبان میں کہنے لگا۔

"آئی نات انگلش یو اسٹاپ وین آئی سے"۔

میں اس کے انگریزی الفاظ اور اس کے لہجے کو نقل کرتے ہوئے اس کے دماغ میں دہرانے لگا۔ پھر میں نے غلام سے کہا۔" تم ایک سے دس تک گنتے رہو۔ دس کے بعد تم اس سے ریوالور چھین لینا۔ میں اس کے دماغ میں رہوں گا"۔

میں پھر اجنبی لٹیرے کے دماغ میں پہنچ گیا اور وہی الفاظ بار بار دہرانے لگا۔ پھر میں نے ویسے ہی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔

"آئی ایم لکنگ تھرو دی ونڈ اسکرین......"

وہ میرے الفاظ کے مطابق ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ میں نے اس کے دماغ کی اسکرین پر دیکھا۔ غلام اس کے ریوالور والے ہاتھ کی کلائی تھام چکا تھا اور اس سے ریوالور چھین چکا تھا۔ میں فوراً ہی اٹھ کر دوڑتا ہوا پچھلے دروازے سے باہر آیا۔ اسے کھول کر گشتی گاڑی سے باہر نکل کر دوڑتا ہوا ڈرائیونگ کیبن کے دروازے پر پہنچ گیا۔ جدھر وہ اجنبی لٹیرا بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے دروازہ کھول کر اسے باہر کھینچ لیا۔ ارادہ تھا کہ اس کی پٹائی کروں گا لیکن وہ پہلے ہی تکلیف سے تڑپ رہا تھا۔ پتہ چلا کہ غلام نے اس کے ہاتھ کی کلائی کو اسٹیئرنگ وہیل میں پھنسا کر توڑ دیا تھا۔ وہ ڈرائیونگ کیبن سے باہر آ کر بولا۔" آقا مجھے تو گلا گھونٹ کر مارنے میں لطف آتا ہے۔ کیا آپ کی اجازت ہے"؟

"نہیں" میں نے کہا۔" اس سے معلوم کرو کہ آگے کتنے آدمی ہمیں گھیرنے والے ہیں اور وہ کن ہتھیاروں سے مسلح ہوں گے"؟

غلام اس سے اشاروں کی زبان میں پوچھنے لگا۔ پتہ چلا کہ ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دس آدمی ہمیں گھیر لیں گے۔ جن میں سے دو کے پاس رائفلیں ہوں گی۔ باقی اپنے ہاتھوں میں چاقو اور درانتی وغیرہ لیے ہوں گے۔ غلام نے کہا۔" ہمیں واپس اسی بستی میں جا کر رپورٹ لکھوانا چاہیئے"۔

میں نے کہا۔" نہیں ہم پچھلی بستی میں پولیس اسٹیشن کی حالت دیکھ چکے ہیں۔ وہاں صرف چار سپاہی تھے جن کی وردی بھی ٹھکانے کی نہ تھی۔ اور تھانے کا جو انچارج تھا اس کے پاس

ایک ریوالور بھی نہیں تھا۔ وہ ہاتھ میں ڈنڈا لیے گھوم رہا تھا۔ وہ بھلا ہماری کیا مدد کر سکتا ہے"۔

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے اس اجنبی لٹیرے کو ایک لات مار کر کہا۔ "جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ"۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن میں نے اسے ادھر نہیں جانے دیا۔ جدھر اس کے ساتھی اس کے منتظر تھے۔ وہ دوسری طرف بھاگتا چلا گیا پھر میں نے غلام سے کہا۔ "تم ڈرائیو کرو میں گاڑی کی چھت پر رہوں گا"۔

غلام نے وہ ریوالور مجھے دیدیا۔ میں گنتی گاڑی کی چھت پر چلا آیا۔ وہاں میں نے سامان ذرا ادھر ادھر ہٹا کر اپنے لیٹنے کے لیے جگہ بنائی۔ اتنی دیر میں غلام نے گاڑی سٹارٹ کی تو میں چھت پر اوندھے منہ لیٹ گیا۔ اب میں سامنے کی طرف گزرنے والے راستے کو دیکھ سکتا تھا۔ غلام نے کہا۔ "آقا! میں سامنے اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا ہوں وہ بآسانی مجھ پر فائر کر سکتے ہیں"۔

میں نے جواب دیا۔ "پرواہ نہ کرو میں یہاں سے تمہاری حفاظت کروں گا وہ تم پر فائر نہیں کر سکیں گے"۔

غلام نے مطمئن ہو کر گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ ہم تیزی سے وہ فاصلہ طے کرنے لگے جہاں دشمن ہمارے منتظر تھے میں نے دور ہی سے انہیں دیکھ لیا۔ وہ پانچ پانچ کی تعداد میں سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے غلام سے کہا۔ "اب اسٹیرنگ سیٹ کے نیچے بیٹھ جاؤ تاکہ وہ تمہیں دیکھ نہ سکیں"۔

غلام نے حیرانی سے کہا۔ "آقا! گاڑی تیز رفتاری سے جا رہی ہے۔ میں نیچے بیٹھ کر ڈرائیو کیسے کر سکتا ہوں؟"

میں نے کہا۔ "میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو، گاڑی کو مجھ پر چھوڑ دو"۔

حکم کی تعمیل کی گئی۔ میں فوراً غلام کے دماغ میں پہنچ گیا اب صورتحال یہ تھی کہ میں غلام کے دماغ میں تھا اور میری آنکھیں چھت پر تھیں جو راستہ دیکھ سکتی تھیں اور دماغ غلام کے ہاتھوں کے ذریعے اسٹیرنگ کو کنٹرول کر سکتا تھا۔

ہمیں گھیرنے والے دور کھڑے حیرانی سے دیکھ رہے تھے کہ گاڑی بغیر ڈرائیور کے کیسے دوڑی چلی آ رہی ہے؟ ونڈ اسکرین کے آر پار نہ تو انہیں ڈرائیور دکھائی دے رہا ہوگا اور نہ ہی وہ ساتھی جو گھیر کر ہمیں ان کے پاس لا رہا تھا۔ آگے ڈرائیونگ سیٹ تھی مگر بالکل خالی تھی۔ جیسے کوئی بھوت اس گاڑی کو چلا رہا ہو۔

ایسے ہی واقعات کو بھوتوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے غلام کے صرف دو ہاتھ وہیل کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ اور میں اس کے دماغ کے ذریعے اور چھت پر آنکھوں سے دیکھتے ہوئے غلام کے ان ہاتھوں کو ہدایت دے رہا ہوں کہ کس طرح گاڑی کو [illegible] رکھ کر تیز رفتاری سے آگے بڑھاتے رہنا چاہیے۔

ہماری گاڑی ان کے قریب پہنچتی جا رہی تھی [illegible] لمحے ان کے پاس سے گزرنے والی تھی۔ میں نے دیکھا [illegible] رائفل سیدھی کیے گاڑی کے ٹائر پر فائر کرنے کا ارادہ کر [illegible] میں نے ریوالور سے گولی چلائی اس کے ہاتھ سے رائفل [illegible] گر پڑی۔ دوسری طرف دوسرا رائفل والا موجود تھا [illegible] کی طرف بھی ایک فائر کیا۔ وہ اچھل کر سڑک کے نیچے [illegible] دیر میں ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی ان کے قریب سے [illegible] نکل گئی۔

میں نے غلام سے کہا۔ "اب تم اپنی سیٹ پر [illegible] میں تمہارے دماغ سے جا رہا ہوں"۔

وہ میری ہدایت کے مطابق اپنی سیٹ پر واپس آ گیا [illegible] چھت پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں وہ دونوں رائفل [illegible] سنبھل گئے تھے اور گاڑی کے پہیوں پر فائرنگ کر رہے تھے۔ میں نے ان کی طرف پے در پے فائر کیے چونکہ وہ [illegible] کھڑے ہوئے تھے۔ اس لیے انہیں پناہ لینے کے لیے [illegible] بھاگنا پڑا۔ ہمیں اتنی ہی مہلت کافی تھی۔ اتنی دیر میں گاڑی ان کی شوٹنگ رینج سے باہر نکل چکی تھی۔

تقریباً دو تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد غلام نے گاڑی روک دی۔ میں چھت پر سے نیچے اتر آیا۔ اصولاً اب گاڑی ڈرائیو کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ غلام شروع ہی سے ڈرائیو کر رہا تھا لیکن مجھے خیالوں کی دنیا میں آشا بیلا کیسا تھ رہنا [illegible] اس لیے میں پھر ٹرائلر کیبن میں آ کر بیٹھ گیا۔

آشا بیلا ایک کمرے میں بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ وہ ہزاروں بار اپنے ذہن پر زور ڈال کر اپنے متعلق [illegible] چکی تھی لیکن اسے یاد نہ آیا۔ وہ ٹہلنے کے دوران کھڑکی کے پاس آئی۔ وہاں اس نے دوسرے کمروں میں دوسری نوجوان اور حسین لڑکیوں کو دیکھا۔ بار بار انہیں دیکھنے کے [illegible] سب سے پہلا خیال اس کے دماغ میں آیا۔ وہ یہ تھا کہ [illegible] لڑکیاں ایک دوسرے کو نہیں جانتی ہیں۔ جس کی وجہ یہ تھی [illegible] سب ایکسپورٹ کا سامان تھیں اور مختلف علاقوں سے [illegible]

آشا بیلا نے کھڑکی کے قریب سے گزرنے والی ایک [illegible] مخاطب کیا۔ "سنو تم کون ہو؟ اور یہاں پر اتنی ساری [illegible] کرتی ہیں؟ کیا مس سلور سے تم لوگوں کی دوستی یا رشتہ د[illegible]"

وہ لڑکی ہنسنے لگی پھر بولی۔ "ہاں عالمی رشتہ د[illegible] جس طرح لڑکیاں میکے سے رخصت ہوتی ہیں۔ اسی طرح [illegible]

[illegible] سے رخصت ہو کر بیرونی ممالک چلے جائیں گے"۔

[illegible] "لیکن تم سب بیرونی ممالک کیوں جاؤ گی؟"

وہ بولی۔ "یہاں سب ہی حالات کی ماری ہیں۔ کچھ ایسی [illegible] گھر سے بھاگ کر آئی تھیں۔ کچھ ایسی ہیں جو محبت کا فریب [illegible] میں نے بھی ایک نوجوان سے محبت کی تھی۔ اس [illegible] سے کہا کہ وہ یورپ جا رہا ہے۔ اگر میں مس سلور کے [illegible] جاؤں تو وہ مجھے بھی اس کے ساتھ یورپ بھیج دیں گی۔ [illegible] کے مشورے پر یہاں آئی تو مس سلور مجھے چھ ماہ سے [illegible] بھیج رہی ہیں اور نہ جانے کب تک مجھے یہاں رہنا پڑیگا۔ [illegible] جانتی ہوں کہ کوئی میرا اونچا دام لگائے گا تو مجھے یہاں [illegible] بھیج دیا جائے گا"۔

آشا بیلا نے حیرانی سے اور پریشانی سے پوچھا۔ "اونچا [illegible] لگانے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا۔ کیا میں کسی غلط جگہ آ گئی ہوں؟"

"جب آ ہی گئی ہو تو صحیح کیا اور غلط کیا۔ اب دانشمندی یہی [illegible] جو کچھ تم سے کہا جائے اس پر سر جھکا کر عمل کر لینا۔ ورنہ [illegible] ت ماری جاؤ گی"۔

آشا بیلا نے کھڑکی کے پاس سے ہٹتے ہوئے کہا۔ "نہیں [illegible] یہاں ایک لمحہ بھی ٹھہر نہیں سکتی۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی"۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس [illegible] دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دور اس لڑکی کا قہقہہ سنائی دے رہا [illegible] وہ کمرے سے نکل کر دوڑتی ہوئی دوسری طرف جانے لگی جہاں [illegible] دروازہ تھا۔ اسے کھولنے کے بعد ہی باہر جانے کا راستہ [illegible] تا تھا۔ لیکن وہ دروازہ بند تھا اور باہر مسلح پہرے دار [illegible] تھے۔

وہ دروازے کو پیٹتے ہوئے چلانے لگی۔ "دروازہ کھولو [illegible] باہر جانا چاہتی ہوں۔ دروازہ کھولو۔۔۔۔۔"

دوسری طرف سے کسی نے کہا۔ "لڑکی واپس اپنے کمرے [illegible] جاؤ"۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ دروازہ کھولو۔ ورنہ میں شور مچا دوں گی"۔

"بکواس مت کرو۔ واپس چلی جاؤ"۔

لیکن وہ واپس جانے کے لیے وہاں تک دوڑتی ہوئی نہیں [illegible] تھی پھر اچانک اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ جیسے ہی وہ [illegible] دروازے کو اپنے ہاتھوں سے پیٹنے کے لیے بڑھی [illegible] ویسے ہی اسے بجلی کا جھٹکا لگا تھا اور وہ چیختی ہوئی دور [illegible] گئی تھی۔ تب اس کی سمجھ میں آیا کہ اب اس آہنی دروازے [illegible] کرنٹ دوڑایا جا رہا ہے۔

[illegible] زمین پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے لیے اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ پھر دماغ کام کرنے لگا۔ وہ سمجھ گئی کہ اسے بجلی کا جھٹکا پہنچایا گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں اسے بتایا "جلدبازی سے نقصان پہنچے گا۔ تمہیں صبر و تحمل سے مس سلور کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے۔ میں دیکھوں گی کہ اسے بیوقوف بنا کر کس طرح یہاں سے نکل سکتی ہوں"۔

میری سوچ نے اسے حوصلہ دیا تو وہ اٹھ کر واپس اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ میں نے اس مسلح پہرے دار کی آواز کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھا۔ جو آہنی گیٹ کے دوسری طرف سے بول رہا تھا۔ ویسے میں چاہتا تو اس کے دماغ کو کنٹرول میں لے کر آشا بیلا کو وہاں سے آزاد کرا سکتا تھا۔ لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد آشا بیلا [illegible] بڑے شہر میں بھٹکتی پھرتی۔ دوسروں کی نظروں میں آتی رہتی کہ وہ اپنا ماضی بھول جانے والی لڑکی ہے جو تن تنہا شہر میں بھٹک رہی ہے۔ مس سلور کی طرح اسے قدم قدم پر غنڈے بدمعاش مل سکتے تھے۔ بہتر یہی تھا کہ وہ مس سلور کے ہاں پناہ لیتی اور جو حالات پیش آتے ان سے رفتہ رفتہ نمٹا جاتا۔

وہ کمرے میں واپس آ کر ایک صوفے میں دھنس گئی۔ اگر کوئی شخص پردیس میں پہنچ کر بالکل ہی لٹ جائے اور اس کا کوئی عزیز وہاں نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی انسانی ہمدردی کرنے والا ہو تو اس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن یہ آشا بیلا کی انتہائی بدنصیبی تھی کہ اس کے پاس نہ تو رہنے کا ٹھکانہ تھا نہ ہی ایک وقت کے کھانے کا سہارا تھا۔ نہ کوئی ساز و سامان تھا۔ نہ ہی اسے کوئی جاننے پہچاننے والا تھا۔ بدقسمتی کی انتہا یہ تھی کہ وہ خود کو نہیں پہچان رہی تھی۔ ایسے میں آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا لگ رہا تھا۔ کیونکہ روشنی ہو نظر آتا ہو اور راستہ سمجھ میں نہ آتا ہو تو وہ روشنی اندھیرے سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

میں نے مس سلور کی خبر لی۔ وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی اپنی رہائش گاہ کی طرف آ رہی تھی۔ اس کی ساتھ والی سیٹ پر ایک شخص پولیس کی وردی میں بیٹھا ہوا تھا۔ تین خطرناک قسم کے غنڈے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مس سلور اپنے ساتھ بیٹھنے والے سے کہہ رہی تھی۔ "لڑکی بالکل کوری ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شادی شدہ نہیں ہے اور گھر سے بھاگ کر آئی ہے اسے ذرا سی دھمکی دی جائیگی تو وہ قابو میں آ جائے گی"۔

اس کے ساتھ بیٹھنے والے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مس

سلور تم تو وہ عورت ہو جو کتے کی دم کو بھی سیدھا کر دیتی ہے۔ وہ لڑکی کس کھیت کی مولی ہے"۔

وہ فخر یہ انداز میں مسکرانے لگی۔ اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ اندھیرا پھیلنے ہی والا تھا۔ راستے کے کنارے نصب شدہ سنگ میل سے پتہ چلا کہ ابھی ہم رنگون شہر سے تیس میل دور ہیں۔ ادھر وہ مس سلور اپنی رہائش گاہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے لیے آہنی گیٹ کھولا جا رہا تھا۔

مسلح دربان نے اسے رپورٹ دی کہ آشا بیلا وہاں سے بھاگنا چاہتی تھی۔ اسے بجلی کا جھٹکا پہنچایا گیا ہے۔ مس سلور فاتحانہ انداز میں مسکراتی ہوئی اپنے آدمیوں کے ساتھ آشا بیلا کے کمرے میں پہنچی۔ آشا بیلا اس کے ساتھ بدمعاش قسم کے پہلوانوں کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ مس سلور نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم یہاں سے بھاگنا چاہتی تھیں"؟

"ہاں مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم بہت بڑی دلالہ ہو۔ مجھے یہاں سے جانے دو"۔

اس نے نفرت سے کہا۔ "اگر میں دلالہ ہوں تو تم کون سی اچھی لڑکی ہو۔ کیا تم گھر سے بھاگ کر نہیں آئی ہو؟ یہ پولیس افیسر ہیں۔ ابھی تمہارا بیان لیں گے۔ اگر تم اپنا پتہ ٹھکانہ نہیں بتاؤ گی تو تمہیں یا جیل بھیج دیں گے یا پھر میرے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جائیں گے"۔

آشا بیلا نے چیخ کر کہا۔ "میں گھر سے بھاگ کر نہیں آئی ہوں، مجھے الزام نہ دو"۔

مس سلور نے کہا۔ "اگر بھاگ کر نہیں آئی ہو تو پھر اپنا صحیح نام پتہ اور ٹھکانہ بتاؤ"؟

آشا بیلا ذرا دیر کے لیے الجھ گئی پھر اس نے سوچا کہ اب اپنی حقیقت بتا دینا چاہیے۔ خواہ یہ لوگ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں۔ اس نے کہا۔

"میں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں گھر سے بھاگ کر نہیں آئی ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو بھول چکی ہوں۔ میں نے اپنا ایک فرضی نام بتایا ہے۔ پتہ نہیں آشا بیلا فرضی نام ہے یا اصلی نام ہے لیکن میں اپنے آپ کو اور اپنی پچھلی زندگی کو بالکل بھول چکی ہوں"۔

اس کی بات سن کر سب ہنسنے لگے۔ انسپکٹر نے کہا۔ "تم ہم سب کو کوئی دلچسپ کہانی سنا کر بے وقوف بنانا چاہتی ہو مگر ہم ایسے احمق نہیں ہیں کہ تمہاری یادداشت کھونے والی کہانی کو سچ سمجھ لیں"۔

آشا بیلا نے عاجزی سے کہا۔ "افیسر! اگر آپ واقعی قانون کے محافظ ہیں تو میری بات کا یقین کریں اور اگر... تو مجھے اپنی حفاظت میں کسی دارالامان میں پہنچا دیں۔ قانون کا تقاضہ یہی ہے"۔

مس سلور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہم تم سے زیادہ قانون کو سمجھتے ہیں۔ افیسر ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ تم اس کمرے میں تنہا رہ کر اس کی اصلیت اس سے اگلوا سکتے ہو"۔

یہ کہنے کے بعد وہ تینوں بدمعاشوں کے ساتھ باہر چلی گئی۔ پولیس افیسر نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "میں بحری پولیس کا ایک افسر ہوں۔ مس سلور کی مدد سے لڑکیاں سمندر پار بھیجتی ہیں۔ تمہاری تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ بہتر ہے کہ سیدھی طرح میرے بازوؤں میں آ جاؤ تاکہ میں تمہیں باہر جانے کا پاسپورٹ دے سکوں"۔

وہ سہم کر پیچھے ہٹنے لگی۔ شکار دام میں آنے کی ... ضرور ہے۔ چاروں طرف ٹھوس دیواریں تھیں۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ دروازے کی طرف جانے کے راستے پر وہ افیسر کھڑا تھا۔ اور اب آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر چوہے اور بلی کا کھیل شروع ہو گیا۔ ایک بھاگنے لگی۔ دوسرا پکڑنے لگا مگر وہ بھاگ کر کہاں جا سکتی تھی۔ آخر اس نے اسے پکڑ لیا لیکن وہ پکڑنا اسے مہنگا پڑا۔ اچانک اس کے منہ پر ایک ہاتھ پڑا۔ افیسر کے منہ سے کراہ نکلی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ... پھر وہ حیرانی سے آشا بیلا کو دیکھنے لگا۔ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تو اسے اپنے ہاتھ پر خون کے دھبے نظر آئے۔ وہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ آشا بیلا اتنا سخت ہاتھ جما سکتی ہے۔ وہ خود حیران تھی کہ اس کے ہاتھ میں اتنی قوت کہاں سے آ گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "انسان اگر حوصلہ کرے تو وہ پہاڑوں کو ... کر رکھ دیتا ہے۔ مجھے یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ میں عورت ہوں ... اب ثابت ہو ہی چکا ہے کہ میرا ہاتھ کوئی معمولی نہیں ہے ... پر پڑ جاتے وہ پناہ مانگے گا"۔

اسے حوصلہ دینے کے بعد میں نے اس افیسر کی سوچ ... وہ اب اس پر جھپٹنا چاہتا تھا۔ میں فوراً ہی آشا بیلا کے ... پہنچ گیا۔ جیسے ہی اس نے جھپٹ کر اسے پکڑنا چاہا آشا بیلا اچھل کر ایک طرف ہو گئی۔ وہ اوندھے منہ میز ... پر گرا ... جلدی سے اٹھنے لگا۔ اٹھنے کے دوران اس کے منہ پر ... ٹھوکر پڑی۔ وہ پھر تلملا گیا۔ سنبھلنے سے پہلے آشا بیلا نے ... کے سر کے بالوں کو پکڑ کر دوبارہ میز ... سے ٹکرایا پھر مسلسل اس کے سر کو ٹکراتی چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد میں مس سلور کے دماغ میں پہنچا۔ وہ ... ہال میں ایک اونچی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے دور تک کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر وہاں رہنے والی لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ تین بدمعاش مس سلور کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے تھے۔ اور مس سلور ایک ایک لڑکی کا ... کر بتاتی جا رہی تھی کہ جن کے نام لیے جا رہے ہیں انہیں ... بھیجنے کے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں جن کے نام نہیں لیے ... وہ ابھی اور کچھ روز یہاں رہ کر اپنی باری کا انتظار کریں ... سب بتانے کے بعد اس نے کہا۔ "آج ایک نئی لڑکی آئی ہے جسے تم لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ کچھ ضدی سی لگتی ہے لیکن ابھی اس کا حشر تم لوگوں کے سامنے ہوگا۔ اگر وہ سیدھی طرح قابو میں نہیں آئے گی تو یاد ہے کہ یہاں سومنا نے بھی ایسی ہی ضد کی تھی"۔

... نے دور بیٹھی ہوئی ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ... ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا نام سومنا تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ مس سلور نے کہا۔ "سومنا تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم ایک ... کے قابو میں نہیں آئی تھیں تو یہاں میرے تین باڈی گارڈز نے تمہارا کیا حشر کیا تھا۔ آج اس لڑکی آشا بیلا کے ساتھ بھی وہی تماشہ ہوگا"۔

اس کی بات ختم ہوتے ہی ہال کا دروازہ کھلا اور وہ ... افیسر لڑکھڑاتا ہوا ہال کے اندر آ کر گر پڑا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مس سلور ایکدم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور حیرانی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دروازے پر آشا بیلا اپنی کمر پر دونوں ہاتھ رکھے تن کر کھڑی ہوئی تھی۔

پھر اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ خاموشی سے یہ ظاہر کیا کہ وہ بھاگنے کے لیے نہیں آئی ہے بلکہ مقابلے کیلئے آئی ہے۔ ان میں سے ایک بدمعاش نے اپنی بیلٹ سے چاقو نکالا اسے کڑکڑاتی ہوئی آواز کے ساتھ کھولا۔ مس سلور نے اس سے کہا۔ "تمہارا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے دل کا نشانہ نہ لینا۔ میں اس لڑکی کو مارنا نہیں چاہتی۔ بس اسے ذرا زخمی کر دو پھر میں پوچھوں گی کہ اس میں اتنی قوت کہاں سے آئی کہ یہ اپنے سے دگنے ڈیل ڈول کے آدمی کو مارتی ہوئی یہاں تک لے آئی ہے"۔

"مادام کا حکم سر آنکھوں پر ابھی تماشہ دیکھیں یہ زخمی چڑیا کی طرح پھڑپھڑانے لگی"۔

میں چاقو والے کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا نشانہ شاید کبھی خطا نہ ہوتا ہو گا لیکن میری وجہ سے اس کا ہاتھ بہک گیا۔ چاقو سنسناتا ہوا آشا بیلا کی طرف گیا۔ اور اس کے سر کے اوپر لکڑی کے دروازے میں پیوست ہو گیا۔

آشا بیلا نے فوراً ہی پلٹ کر چاقو کے دستے کو تھام کر اسے لکڑی کے دروازے سے باہر نکال لیا۔ پھر تن کر بولی۔ "آؤ پہلے کون مرنا چاہتا ہے"؟

اس کا انداز ایسا تھا کہ پورے ہال میں سنسنی پھیل گئی۔ وہ کیسی شہہ زور ہے۔ اس کا ثبوت وہ افیسر تھا۔ جو نیم مردہ حالت میں فرش پر پڑا ہوا تھا لیکن وہ تین بدمعاش قسم کے پہلوان ایک عورت سے خائف نہیں ہونا چاہتے تھے۔ دوسرا بدمعاش چاقو نکال کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔

تمام لڑکیاں سہم کر ایک طرف چلی گئی تھیں۔ مس سلور اور دو بدمعاش خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ان کا ساتھی آشا بیلا کو گرا کر ذبح کر ڈالے گا لیکن دوسرے ہی لمحے انہیں اپنے ساتھی کی کراہ سنائی دی۔ آشا بیلا اس کے ایک بازو پر چاقو کا وار کرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ پینترے بازی میں اس نے اپنے مقابل کو دھوکہ دیا تھا اور کامیاب رہی تھی۔ جس بدمعاش کا چاقو آشا بیلا کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"تم اپنا چاقو مجھے دو۔ میں اس لڑکی کو ایک ہی حملے میں گرا دوں گا"۔

لیکن وہ زخمی ہونے والا اپنی شکست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ جھومتا ہوا اس پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اتنے میں مس سلور نے للکار کر حکم دیا۔ "بس رک جاؤ۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ یہ لڑکی اندر سے بڑی خطرناک ہے۔ یہ چاقو چھری سے قابو میں نہیں آئے گی"۔

مس سلور نے اپنے پرس میں سے اپنا پستول نکال لیا تھا اور آشا بیلا کو نشانے پر رکھتے ہوئے آگے بڑھ کر بولی۔ "لڑکی! چاقو پھینک دو میں بہت سنگدل ہوں۔ میں نے کسی پر ترس کھانا نہیں سیکھا ہے"۔

میں نے آشا بیلا کی سوچ میں کہا۔ "مجھے مس سلور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا چاہیے۔ جیسے ہی اس کی نظر بہکے گی میں اس پر جھپٹ پڑونگی"۔

مس سلور نے سختی سے کہا۔ "میں آخری وارننگ دے رہی ہوں، چاقو پھینک دو"۔

آشا بیلا نے چاقو کو ایک طرف پھینکنے کے بجائے اسے بلندی پر اچھال دیا۔ اسی وقت میں نے مس سلور کی نظریں بہکا دیں۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر بلند ہونے والے چاقو کو دیکھا۔ تب میں آشا بیلا کے پاس پہنچ گیا۔ اس میں جو بجلی کی سی پھرتی پیدا ہوئی اسے دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ کیونکہ جب تک چاقو

نیچے آ کر زمین پر گرتا اس وقت تک آشا بیلا پستول... جھپٹ کر دور چلی گئی تھی اور اب سارے دشمن اس کے پستول کی زد میں تھے۔

آشا بیلا دشمنوں کو بے بس کرنے کے بعد حیرانی سے سوچ رہی تھی کہ آخر اس میں اتنی پھرتی کہاں سے آ گئی ہے اور وہ کس طرح بالکل پیشہ ور لڑاکوں کے انداز میں پینترے بدل کر مقابلہ کر رہی ہے اور اس نے کس بُری طرح اس آفیسر کو زخمی کیا ہے۔ "کیا۔ کیا میں ماضی میں کوئی اچھی فائٹر رہ چکی ہوں؟ کیا میں جوڈو کراٹے وغیرہ جانتی ہوں؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ابھی مجھے یہ باتیں نہیں سوچنا چاہیئے۔ دشمن کوئی بھی چال چل سکتے ہیں۔ چالاکی دکھا سکتے ہیں۔ مجھے ان سے محتاط رہنا چاہیئے۔"

مس سلور کا حاکمانہ انداز بالکل ختم ہو گیا۔ وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "شاباش آشا بیلا! میں تمہاری دلیری سے بہت خوش ہوں۔ میں تمہاری قدر کرتی ہوں اور آج سے میں تمہیں اپنی بیٹی بناتی ہوں۔ آؤ دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔"

اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آشا بیلا نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کہیں لومڑی کی کہانی سنی ہے۔ تم بھی کچھ ویسی ہی لگتی ہو۔ میں تم پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔"

مس سلور نے کہا۔ "میں تمہیں بیٹی کہہ چکی ہوں۔ اگر تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرنا چاہتیں تو نہ سہی۔ تم جو کچھ کہو گی وہی ہو گا۔ اگر یہاں سے جانا چاہو گی تو تمہارے لیے یہاں کے دروازے کھل جائیں گے۔ رہنا چاہو گی تو میں تمہاری ماں بن کر رہوں گی۔"

"مجھے ماں اور بیٹی کے رشتہ پر بھی یقین نہیں ہے۔ ہاں تم میرے ساتھ رہو گی اور ہمیشہ میرے پستول کی زد پر رہو گی۔ میں تنہائی میں نہتی تمہارے لیے کافی ہوں۔ اپنے ان چمچوں سے کہو کہ وہ اس رہائش گاہ سے اور اس کے احاطے سے باہر نکل جائیں۔ اگر یہاں کوئی بھی مرد نظر آیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آفیسر کو اٹھا کر باہر... لے جائیں۔ آشا بیلا نے کہا۔ "ایسے نہیں یہاں سے چند لڑکیاں ان کے ساتھ جائیں گی اور انہیں باہر تک چھوڑ کر آئیں گی۔"

مس سلور نے چند لڑکیوں سے کہا کہ وہ ان بدمعاشوں کو باہر چھوڑ آئیں۔ آشا بیلا نے دھمکی دیتے ہوئے ان لڑکیوں سے کہا۔ "دیکھو واپس آ کر مجھ سے جھوٹ نہ کہنا۔ اگر یہ اس رہائش گاہ میں کہیں چھپے رہے اور تم نے یہ بات مجھ سے چھپائی تو میں تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی اور اگر ان آدمیوں نے تم لوگوں کو سچ بولنے سے روکا۔ تو یہاں یہ مس سلور میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گی۔ اب جاؤ۔"

ان تین بدمعاشوں نے زخمی آفیسر کو اٹھایا، پھر تیزی سے اس کے ساتھ ہال سے باہر نکل گئے۔ آشا بیلا نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے مس سلور کو حکم دیا کہ وہ اس کے سامنے ... پر دوسری کرسی پر بیٹھ جائے۔ اور اپنی جگہ سے حرکت نہ ...

میں آشا بیلا کو چھوڑ کر ان بدمعاشوں کے پاس پہنچ ... وہ باہر جانے کے بعد ان لڑکیوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ آشا بیلا کی حمایت نہ کریں اور انہیں اسی رہائش گاہ میں ... کا موقعہ دیں۔ تب وہ لوگ کسی طرح آشا بیلا سے پستول چھین کر اسے اپنے قابو میں کر لیں گے مگر لڑکیوں نے انکار کر دیا۔

ایک بدمعاش نے دھمکی دی۔ "اگر تم انکار کرو گی تو ... یہیں ختم کر ڈالیں گے۔"

ایک لڑکی نے جواب دیا۔ "ہمیں تمہارے ہاتھوں بھی مرنا ہو گا اور اگر تمہارا ساتھ دیں گے تو آشا بیلا کے ہاتھوں سے موت آئے گی۔ ہماری موت ہر حال میں یقینی ہے۔ پھر کیوں نہ ہم اپنے جیسی ایک لڑکی کا ساتھ دیں جو دلیری کا ثبوت دے رہی ہے۔ ہم تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دیں گے اور اگر تم زیادتی کرو گے تو ہم یہاں چیخنا شروع کر دیں گے۔"

ان بدمعاشوں کی مالکہ مس سلور کی زندگی خطرے میں تھی۔ لڑکیوں کے انکار پر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ انہوں نے آہنی دروازے کو کھلوایا اور باہر چلے گئے۔ جس لڑکی نے دلیری سے انکار کیا تھا اس نے کہا۔

"تم لوگ اس گیٹ کو کھول کر دوبارہ آ سکتے ہو۔ اس لیے اب اسے اندر سے بند کیا جائے گا۔ بند کرنے کے بعد گیٹ میں کرنٹ نہ دوڑایا جائے ورنہ تمہاری مالکہ اپنی جان سے جائے گی۔"

گیٹ بند کر دیا گیا۔ لڑکیوں نے اسے اندر سے بھی لاک کر دیا۔ اس کے بعد وہ آشا بیلا کی طرف واپس جانے لگیں۔ اس کوٹھی کے احاطے کی چہار دیواری پر اس طرح تار کانٹے بچھائے گئے تھے کہ کوئی دیوار پھاند کر نہیں آ سکتا تھا۔ پھر بھی دشمنوں سے خطرہ تھا کیونکہ تار کانٹوں میں بھی کرنٹ دوڑانے والے وہی لوگ تھے۔ وہ لوگ ان تار کانٹوں کو چپکے چپکے کاٹ کر ایک طرف ہٹا کر رات کسی وقت بھی اندر آ سکتے تھے۔

میں نے آشا بیلا کی زبان سے ایک سوال کیا۔ "کیوں مس سلور جب تم اس کوٹھی کے اندر رہتی ہو اور باہر اگر مسلح دربانوں پر اعتماد نہ کرنا چاہو تو تم کیسے اس کوٹھی میں رہ کر اپنی حفاظت کرتی ہو؟"

یہ سوال کرنے کے بعد میں مس سلور کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ غلط جواب دینا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے اسے گڑبڑا دیا۔ اس نے دل کی سوچ میں کہا۔ "مجھے غلط جواب نہیں دینا چاہیئے۔ اگر اسے ذرا بھی شبہ ہو گا تو یہ بہت ضدی لڑکی ہے جو کہتی ہے وہ کر ڈالتی ہے۔ یہ تو مجھے ٹھائیں سے مار ڈالے گی۔"

اس نے مجبوراً جواب دیا۔ "جب میں یہاں ہوتی ہوں میرے اپنے بیڈ روم میں بجلی کا وہ کنکشن ہے جہاں سے میں چہار دیواری کے تار کانٹوں میں کرنٹ دوڑا دیتی ہوں۔ باہر مسلح دربانی موجود ہو یا نہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمام رات محفوظ رہتی ہوں۔"

آشا بیلا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پستول سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اٹھو اپنے بیڈ روم میں چلو اور ان تار کانٹوں میں کرنٹ دوڑانے والا سوئچ آن کر دو۔ چلو جلدی کرو۔"

وہ مجبوراً وہاں سے اٹھ کر پستول کے آگے آگے چلنے لگی۔ ہال کے باہر واپس آنے والی لڑکیاں مل گئیں۔ انہوں نے یقین دلایا کہ وہ بدمعاش باہر جا چکے ہیں اور انہوں نے آہنی دروازے کو اندر سے لاک کر دیا ہے۔ پھر وہ سب مل کر مس سلور کو دھکیلتی ہوئی اس کے بیڈ روم میں لے گئیں۔ وہاں اس نے وہ سوئچ آن کر دیا۔ جس کے بعد تار کانٹوں میں کرنٹ دوڑنے لگا۔

وہاں سے مطمئن ہونے کے بعد آشا بیلا نے کہا۔ "اب کھانے پینے کا انتظام کرو۔ اس کے بعد ہم یہ سوچیں گے کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ ہماری منزل کیا ہو گی؟ تم سب یا تو گھر سے بھاگی ہوئی ہو یا مجبوری کی حالت میں گھر چھوڑ کر آئی ہو۔ تم سب کو ابھی فیصلہ کرنا ہے کہ واپس جاؤ گی یا پھر کوئی دوسری راہ اختیار کرو گی۔"

مجھے مجبوراً آشا بیلا سے دماغی رابطہ ختم کرنا پڑا۔ کیونکہ ہماری گاڑی رنگون کے چیک پوسٹ پر پہنچ گئی تھی۔ غلام نے دفتر کے قریب ہی ایک طرف گاڑی کھڑی کر دی تھی۔ میں ضروری کاغذات لے کر باہر آیا۔ خیال تھا کہ جلد ہی قانونی کارروائی مکمل ہونے کے بعد ہمیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی لیکن دفتر میں پتہ چلا کہ ان کا افسر سات بجے کے بعد شہر چلا جاتا ہے۔ رات کو آنے والی وہ گاڑیاں جن میں غیر ملکی موجود ہوتے ہیں انہیں روک دیا جاتا ہے۔ کوئی بہت ہی اہم ضرورت ہو اور شہر میں داخل ہونا ضروری ہو تو پھر فون کے ذریعے افسر سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے۔

میں نے وہاں ایک اسسٹنٹ سے درخواست کی کہ مجھے ٹیلیفون پر افسر سے دو باتیں کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

اس قسم کے لوگ بھلا کسی کی درخواست پر.... کب پگھلتے ہیں۔ وہ مسلسل انکار کرتا رہا کہ اس وقت افسر کو ڈسٹرب نہیں کیا جا سکتا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ ایسے نہیں مانے گا تو سگریٹ سلگانے کے بہانے اس کے دماغ کو اپنے کنٹرول میں لینے لگا۔ مجھے اس بات کی بے چینی تھی کہ کسی طرح آشا بیلا تک پہنچ جاؤں۔

چیک پوسٹ پر ڈیوٹی دینے والا اسسٹنٹ آفیسر سوچ رہا تھا۔ "اپنا صاحب تو فار گیٹ می ناٹ نامی کلب میں رات گزارے گا۔ بھلا ایسے سیاحوں کی کال پر وہ کب آنے والا ہے۔ لیکن مجھے اس سیاح کا دل رکھنے کے لیے اس کی رہائش گاہ میں فون کرنا چاہیئے۔ میں اس آدمی سے کچھ رقم ہتھیا لوں گا اور رہائش گاہ سے خبر ملے گی کہ صاحب گھر میں نہیں ہیں۔ تب یہ مایوس ہو کر ساری رات یہاں چیک پوسٹ پر گزارے گا۔"

میں نے اس کے خیالات پڑھنے کے بعد اس کی سوچ میں پوچھا۔ "فار گیٹ می ناٹ کلب کا فون نمبر کیا ہے؟ اُسے یاد ہے یا نہیں اسے دہرانا چاہیئے۔"

وہ اس کلب کا فون نمبر دہرانے لگا۔ اس وقت وہ ریسیور اٹھا کر رہائش گاہ کا نمبر ڈائل کرنا چاہ رہا۔ میں نے اس کی سوچ میں کلب کا نمبر گھما دیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی پھر کسی کی آواز آئی۔ "ہیلو۔"

اسسٹنٹ آفیسر نے ہیلو کہتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مسٹر کرامت بیگ تشریف رکھتے ہیں؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہولڈ اون کریں میں انہیں بلاتا ہوں۔"

اسسٹنٹ ہولڈ اون کیے انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے آفیسر کرامت بیگ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو کون بول رہا ہے؟"

اسسٹنٹ نے کہا۔ "جناب! میں آپ کا اسسٹنٹ ہوں۔ یہاں دو سیاح بنکاک سے آئے ہیں اور شہر میں داخل ہونے کی اجازت چاہتے ہیں جبکہ گاڑی کو صبح سے پہلے چیک نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف سے کرامت بیگ نے دہاڑ کر کہا۔ "تمہیں کس نے کہا تھا۔ فون کرنے کے لیے؟ میں تمہیں منع کر چکا تھا۔"

اسسٹنٹ نے کہا۔ "جناب! آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کلب میں رات گزاریں گے۔ میں نے رہائش گاہ میں فون کیا ہے تاکہ آپ رہائش گاہ میں فون پر نہ ملیں لیکن آپ تو اپنے گھر میں ہیں۔"

دوسری طرف سے پھر دہاڑنے کی آواز سنائی دی۔ "تم گدھے ہو۔ میں اسی کلب سے باتیں کر رہا ہوں۔ جس کا ذکر کر چکا ہوں۔ تم نے کلب کا نمبر ملایا ہے اور مجھ سے کہہ رہے ہو کہ وہاں بیٹھے مجھ سے رہائش گاہ کے فون پر باتیں کر رہے ہو۔ کیا تم نے بہت زیادہ پی لی ہے؟"

اسسٹنٹ بوکھلا کر اپنا سر کھجانے لگا۔ پھر بولا۔ "سوری سر

شاید میں غلطی سے کلب کا نمبر ڈائل کر گیا ہوں۔ ویری ویری سوری۔ میں ان سیاحوں کو کیا جواب دوں؟"

جواب میں وہاں ریسیور رکھ دیا گیا۔ اسسٹنٹ نے اپنا ریسیور رکھتے ہوئے مجھ سے کہا "سوری مسٹر! صاحب سخت ناراض ہیں۔"

میں سگریٹ کا کش لگاتا ہوا سخت ناراض ہونے والے صاحب کے دماغ تک پہنچ چکا تھا۔ وہ شراب کا جام اٹھاتے ایک میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جہاں ایک بری لڑکی مسکرا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر شراب کے گھونٹ لینے کے بعد بولا۔

"یہ لوگ آرام کے وقت بھی پریشان کرتے ہیں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ آنے والے سیاح مالدار اسامی ہوں اور ان سے بھاری رقم مل سکے۔ کیوں نہ انہیں اس کلب میں بلا لیا جائے۔ یہیں معاملہ طے ہو جائے گا۔"

یہ سوچ کر اس نے بری لڑکی سے کہا "تم ذرا بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر دوبارہ کاؤنٹر پر آیا۔ پھر کاؤنٹر مین سے بولا کہ چیک پوسٹ کا نمبر ملائے وہ بات کرنا چاہتا ہے۔ کاؤنٹر مین نے اس کی ہدایت کے مطابق وہاں کا نمبر ملایا پھر ریسیور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

میں اطمینان سے سگریٹ پیتے ہوئے اس اسسٹنٹ سے باتیں کر رہا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اسسٹنٹ نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ پھر اپنے آفیسر کی آواز سنتے ہی کرسی پر سیدھا بیٹھتے ہوئے بولا۔ "یس سر۔ جی جناب۔ ہاں جی ٹھیک ہے۔ ہاں میں بھیج دوں گا۔ ایک سپاہی کے ساتھ۔ جی ہاں ایک سپاہی کے ساتھ بھیج دوں گا۔ اچھا ہاں یہ تو معلوم کرنا ہی ہوگا۔ ذرا ٹھہریے میں ابھی بتاتا ہوں۔

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے پوچھا "کیوں مسٹر اگر تمہیں شہر جانے کی اجازت دیدی جائے تو کچھ رقم خرچ کر سکو گے؟"

میں نے کہا "ہاں ضرور کروں گا میرا شہر جانا ضروری ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "کتنی رقم ہے؟"

میں نے پوچھا۔ "کتنی رقم چاہیے؟"

اس نے کہا "ٹھہرو۔۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔"

وہ پھر فون پر باتیں کرنے لگا اپنے آفیسر سے پوچھنے لگا۔ اس کے بعد پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ایک ہزار ڈالر دے سکو گے؟"

میں نے کہا "یہ تو بہت ہیں اپنے آفیسر سے کہو میں پانچ سو دے سکتا ہوں۔"

وہ پھر فون پر باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کی بحث کے بعد وہ پانچ سو ڈالر پر راضی ہو گیا۔ اسسٹنٹ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر میری اور غلام کی جامہ تلاشی لی تاکہ ہم کوئی ہتھیار لے کر شہر نہ لے جائیں۔ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ راستے میں ہم نے اس شخص سے چھینا تھا۔ اسے ہم نے اپنے تحفظ کے لیے استعمال کرنے کے بعد راستے ہی میں پھینک دیا تھا۔ کیونکہ ایسے ہتھیار چیک پوسٹ پر مصیبت بن جاتے ہیں پھر بھلا ٹیلی پیتھی کا مجھے کبھی ایسے ہتھیاروں کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

میں نے گشتی گاڑی کو لاک کیا۔ سامی کو گود میں اٹھایا۔ غلام کے ساتھ آ کر پولیس کی جیپ کار میں بیٹھ گیا۔ شہر کی طرف سفر کے وقت میں نے آشا بیلا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ تمام لڑکیوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ اور باتیں کر رہی تھی۔ تمام لڑکیاں باری باری اپنا فیصلہ سنا رہی تھیں۔ کہ اب آئندہ وہ کہاں جانا چاہتی ہیں اور کیا کرنا چاہتی ہیں۔ ان میں بہت سی لڑکیاں ایسی تھیں جو اپنے گھر واپس جانا چاہتی تھیں۔ کچھ ایسی تھیں جو دلہن بن کر اپنے والدین یا رشتہ داروں کو منہ نہیں دکھانا چاہتی تھیں کچھ ایسی تھیں جو محبت کی چوٹ کھائی ہوئی تھیں۔ اب ان کا دل بھر گیا تھا۔ نہ انہیں رشتے داروں سے ملنے کی خوشی تھی نہ کوئی نئے رشتے بنانا چاہتی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ بس اس علاقے سے کہیں دور چلی جائیں تاکہ کوئی اپنا نہ ہو اور وہ کسی کو صورت نہ دکھا سکیں۔ ایسی بھی تھیں جو اپنا سب کچھ لٹانے کے بعد اب دولت حاصل کرنے کے لیے مزید برائی کے راستے پر چلنے کے لیے تیار تھیں۔

ایک لڑکی نے کہا۔ "آشا بیلا تم سب کی باتیں سن رہی ہو اپنا فیصلہ بھی تو سناؤ۔"

وہ فیصلہ کیا سناتی؟ تھوڑی دیر تک چپ رہی پھر ہچکچاتی ہوئی بولی "میں اپنی بات بولوں گی تو شاید تم میں سے کسی کو یقین نہیں آئے گا۔"

کتنی ہی لڑکیوں نے کہا "ایسی کیا بات ہے کہ ہم تم پر یقین نہ کریں۔ تمہاری وجہ سے ہمیں آزادی حاصل ہوئی ہے۔ ہمیں معلوم ہے جو کچھ تم کہو گی وہ جھوٹ نہیں ہوگا۔ سچ سچ کہو۔"

وہ اپنی کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں اپنی یادداشت کھو چکی ہوں۔"

سب نے حیرانی سے اور تقریباً بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ بولی "میں نے کہا تھا نا کہ تم لوگوں کو یقین نہیں آئے گا۔"

ایک لڑکی نے کہا۔ "واہ یقین کیوں نہیں آئے گا۔ تم ہماری باتوں کا جواب دو سا بھی ہم یقین کریں گے سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ

تمہیں کب اس بات کا احساس ہوا کہ تم اپنی یادداشت کھو چکی ہو؟"

آشا بیلا کچھ سوچتے ہوئے بولی "آج یہی کوئی چار یا پانچ بجے کے درمیان میں نے اپنے آپ کو اجنبی محسوس کیا۔ میں نے ذہن پر زور ڈال کر سوچا کہ میرا نام کیا ہے۔ مگر میں اپنا نام یاد نہیں کر سکی۔ اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کا چہرہ بھی میری آنکھوں کے سامنے نہیں پھرتا۔ میں نے پتہ ٹھکانہ بھی یاد کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔"

ایک اور لڑکی نے سوال کیا۔ "جب تم نے پہلی بار اپنے آپکو اجنبی محسوس کیا تو اس وقت تم کہاں تھیں؟"

یہ بہت اہم سوال تھا اگر آشا بیلا اس کا صحیح جواب دیتی تو پھر یہ بتانا پڑتا کہ وہ اجنبی لڑکی کون تھی۔ جو قتل کر دی گئی جو قتل کا معاملہ سب پر ظاہر ہو جاتا پھر کسی برے وقت میں انہی لڑکیوں میں سے کوئی دشمن بن کر اسے قتل کے کیس میں پھانسنے کی کوشش کرنے لگتی۔

وہ جلدی سے بات بناتے ہوئے بولی "میں اس وقت شاید بے ہوش تھی یا گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک خالی کمرے میں پایا۔ میں فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اس کمرے میں کوئی سامان نہ تھا۔ وہاں میں نے اپنے آپ کو پہلی بار اجنبی محسوس کیا۔ بہت دیر تک جب میں خود کو نہیں پہچان سکی تو اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمروں میں جھانکنا چاہا لیکن دوسرے دو کمرے مقفل تھے۔ وہ مکان ویران پڑا ہوا تھا۔ میں تیزی سے چلتی ہوئی گلی میں آئی دور تک دیکھا۔ وہ گلی میرے لیے انجانی تھی۔ میں وہاں سے نکل کر ایک سڑک پر آئی پھر۔۔ پتہ نہیں کہ میں کہاں کہاں بھٹکتی رہی۔ اور جہاں جاتی رہی اس جگہ کو پہچاننے کی کوشش کرتی رہی لیکن مجھے کچھ یاد نہ آیا۔ تب ایک شخص میرا پرس چھین کر بھاگ گیا۔ اسی وقت مس سلور سے ملاقات ہوئی۔ اور یہ مجھے بیٹی بنا کر بہلا پھسلا کر یہاں لے آئی۔"

مس سلور ایک قیدی کی طرح ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی دوسری تمام لڑکیاں آشا بیلا کی باتیں توجہ سے سن رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ آپس میں باتیں کرنے لگیں اور اس کی گمشدہ یادداشت پر تبصرے کرنے لگیں پھر ایک لڑکی نے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے کیوں نہ ہم کل صبح آشا بیلا کو ساتھ لے کر پورے شہر میں گھومتے پھریں۔ اسے رنگون شہر کی ایک ایک جگہ دکھائی جائے۔ ایک ایک محلے میں پہنچایا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی جگہ کو دیکھ کر اسے اپنا ماضی یاد آجائے۔"

سب نے اس تجویز کو پسند کیا۔ وہ دوسری صبح ایک ٹیم بنا کر سارے شہر میں گھومنے کا پروگرام بنانے لگیں۔ لیکن اس سے پہلے یہ سوچنا ضروری تھا کہ مس سلور کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ ویسے ان کا فرض تھا کہ وہ اس عورت کو قانون کے حوالے کر دیتیں لیکن یہ بات پولیس والوں تک پہنچتی تو ان لڑکیوں کے بھی بیانات لیے جاتے اور یہ کچا چٹھا کھل جاتا کہ کتنی لڑکیاں گھر سے بھاگ کر آئی ہیں اور کتنی ایسی ہیں جو کسی نہ کسی گناہ یا جرم میں ملوث ہو چکی ہیں۔ کوئی اپنا بھید نہیں کھولنا چاہتا۔ اس لیے وہ کوئی آخری فیصلہ کرنے تک مس سلور کو قیدی بنا کر رکھے ہوئے تھیں۔

میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر دماغی طور سے جیپ کار میں حاضر ہو گیا۔ میرے اطراف رنگون شہر رات کے وقت جگمگا رہا تھا۔ ہم ایک کشادہ سڑک سے گزرتے ہوئے کلب کے احاطے میں داخل ہو رہے تھے۔ ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے سپاہی انگریزی نہیں جانتے تھے۔ پارکنگ ایریا میں گاڑی رکنے کے بعد ایک سپاہی نے اشاروں کی زبان میں سمجھایا کہ ہم اسی گاڑی میں بیٹھے رہیں۔ وہ اپنے آفیسر کو بلانے جا رہا ہے۔

آفیسر کاؤنٹر کے پاس کھڑا ہوا کلب کا بل دیکھ رہا تھا کلب کا سیکرٹری اس سے کہہ رہا تھا "مسٹر بیگ! آپ کا ادھار بہت زیادہ ہو گیا ہے آپ ذرا یہ بل دیکھ کر اندازہ لگائیں پورے تین ہزار ڈالر آپ پر واجب ہیں اسے جلد از جلد ادا کر دینا چاہیے۔"

آفیسر نے ہنستے ہوئے بل اس کی طرف بڑھا دیا۔ پھر کہا۔ "تین ہزار ڈالر میرے لیے کچھ نہیں ہیں۔ میں ابھی تمہیں کم از کم پانچ سو ڈالر دے دوں گا۔ اور باقی کی دو ایک دن میں ادائیگی ہو جائے گی۔"

اتنے میں وہ سپاہی وہاں پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی آفیسر اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ ہم اسی طرح جیپ کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آفیسر نے ہمارے قریب آ کر پوچھا۔ "اچھا تو تم دونوں وہی غیر ملکی ہو؟"

"جی ہاں ہم وہی مسافر ہیں یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے یہاں تک آنے کی اجازت دے دی۔ ہم شہر میں رات گزارنا چاہتے ہیں۔ کل دن کے وقت آپ جب بھی ہماری گاڑی چیک کرنے کے لیے بلائیں گے ہم حاضر ہو جائیں گے۔"

یہ کہہ کر میں نے غلام کو اشارہ کیا کہ وہ بریف کیس کھول کر اس کا حساب چکا دے۔ غلام نے بریف کیس کھولنے کے بعد پانچ سو ڈالر گنے اور آفیسر کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔ آفیسر نے کہا "ٹھیک ہے پانچ سو ڈالر پر بات طے ہو گئی تھی۔ لیکن مجھے کچھ زیادہ کی ضرورت ہے۔ اس وقت تم مجھے کچھ اور رقم دے دو اس کے بدلے تم جو کام یہاں مجھ سے لینا چاہو گے میں تمہارا وہ کام کر دوں گا۔"

میں نے کہا "میں یہاں اس شہر میں کچھ روز رہنا چاہتا ہوں اور قانون کے مطابق مجھے صرف چوبیس گھنٹے یہاں رہنا چاہیے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"اس وقت مجھے اور پانچ سو ڈالر دے دو۔ کل صبح میں تمہارے لیے اجازت نامہ حاصل کرلوں گا۔ تم یہاں کم از کم ایک ہفتہ رہ سکو گے۔"

میں نے پھر غلام کو اشارہ کیا۔ غلام نے مزید پانچ سو ڈالر گن کر اسے دے دیے۔ میں نے کہا۔ "آفیسر میرا یہ ساتھی شراب پینے کا عادی ہے۔ میں اس معاملے میں بڑا کورا ہوں۔ بہرحال اگر ہو سکے تو میرے ساتھی کو کلب میں لے جائیں۔ یہ دو چار پیگ پینے کے بعد واپس چلا آئے گا۔"

غلام نے خوش ہو کر سیاہ چہرے کے پس منظر سے سفید دانتوں کی نمائش کی پھر بولا۔ "آفیسر! میری جیب میں بھی کافی رقم ہے۔ آج میں تمہیں اپنی جیب سے پلاؤں گا۔ بولو مجھے لے چلتے ہو کلب میں؟"

آفیسر نے خوش ہو کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ پھر غلام کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ ساتھ کلب کی عمارت کے اندر لے گیا۔ میں جیپ کار سے اتر کر بریف کیس ہاتھ میں لیے وہاں کے لان میں آیا۔ ادھر اُدھر بہت سی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

غلام اس آفیسر کے ساتھ کاؤنٹر تک پہنچ گیا تھا۔ اب وہاں سیکرٹری نہیں تھا۔ بارمین نے کہا کہ وہ اپنے دفتر میں مل سکتا ہے۔ انہوں نے بارمین سے وھسکی کا ایک ایک پیگ طلب کیا۔ غلام نے دو پیگ کی قیمت ادا کی۔ پھر دونوں نے جام ٹکرا کر اسے دو چار گھونٹ میں خالی کر دیا۔ پھر وہ دونوں وہاں سے کلب کے دفتر میں گئے۔ سیکرٹری وہاں موجود تھا۔ آفیسر نے جیب سے رقم نکال کر گنتے ہوئے کہا۔ "میں وعدے کے مطابق ابھی پانچ سو ڈالر ادا کر رہا ہوں یہ لو۔"

سیکرٹری نے کہا۔ "مسٹر بیگ آپ کے پاس تو کافی رقم ہے۔ اگر آپ تمام بل ادا کر دیں تو آپ کے سر سے بوجھ اُتر جائے گا اور یہاں تو آپ کو ادھار ملتا ہی رہتا ہے۔"

آفیسر نے کچھ دیر سوچا پھر مزید چار سو ڈالر نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس صرف ایک ہزار ڈالر ہیں بلکہ تھے۔ نو سو تمہیں دے دیے۔ سو ڈالر میرے پاس رہنے دو۔ باقی بعد میں ادا کروں گا۔"

سیکرٹری نے نو سو ڈالر اس سے لے کر اپنی میز کی اوپری دراز میں رکھے۔ اسی وقت میں نے آفیسر کے دماغ میں بیٹھ کر اسے ٹائلٹ جانے کی ضرورت محسوس کرائی۔ اس نے غلام سے کہا۔ "مسٹر تم یہاں بیٹھو۔ سیکرٹری وصولی کی رسید بنا رہا ہے۔ میں ابھی ٹائلٹ سے واپس آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں سیکرٹری کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر میں نے سیکرٹری کی زبان سے غلام کو مخاطب کیا۔ میز کی اوپری دراز کھول کر نو سو ڈالر نکالتے ہوئے کہا۔ "غلام میں فرہاد بول رہا ہوں۔ یہ لو رقم اپنی جیب میں چھپا لو۔ میں نے اسی مقصد کے لیے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔ بس اب زیادہ سے زیادہ ایک پیگ پینے کے بعد واپس چلے آنا۔"

غلام نے وہ رقم جیب میں رکھ لی جس وقت میں نے سیکرٹری کے دماغ کو گرفت میں لیا تھا اس وقت وہ میز پر جھکا ہوا وصولی کی رسید لکھ رہا تھا۔ میں نے پھر اسے اسی پوزیشن میں پہنچا دیا اور اس کے دماغ سے نکل آیا۔ اس کے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا سا لگا۔ وہ سر کو جھٹک کر سوچنے لگا جیسے وہ ایک ساعت کے لیے دماغی طور پر غیر حاضر ہو گیا ہو۔ اس نے کچھ ایسا ہی محسوس کیا مگر پوزیشن وہی تھی۔ سامنے رسید بک رکھی ہوئی تھی... وہ میز پر جھکا ہوا اور قلم کو رسید بک کے ایک صفحے پر رکھے ہوئے اسی طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے ایک ساعت بھی نہ گزری ہو پھر وہ رسید لکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد آفیسر ٹائلٹ سے واپس آیا۔ اس نے سیکرٹری سے رسید لی پھر غلام کے ساتھ بار میں آ کر بیٹھ گیا۔ غلام نے دو پیگ کا آرڈر دیا جب وہ پیگ ان کے سامنے آ گیا تو میں آفیسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر میں نے آفیسر کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے آفیسر کی زبان سے کہا۔ "غلام یہ لو یہ باقی سو ڈالر بھی اپنے پاس رکھ لو۔ اور اب آفیسر کے لیے دو چار پیگ کا آرڈر دینے کے بعد میرے پاس واپس آ جاؤ بلکہ ایسا کرو کہ اس کی جیب میں کچھ اور رقم ہے......"

میں نے اس کی جیب ٹٹولی۔ بیس ڈالر اور نکل آئے۔ میں نے کہا۔ "یہ بیس ڈالر بھی رکھ لو اور چلتے وقت اسے یہ رقم دے کر اس پر احسان کر دینا۔"

غلام نے وہ رقم لے کر بھی اپنے پاس رکھ لی۔ میں نے آفیسر کے دماغ کو آزاد کر دیا۔ وہ چونک کر غلام کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آس پاس دیکھا۔ غلام نے پوچھا۔ "ویل آفیسر کیا بات ہے؟"

اس نے جھینپ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں بس ایسا لگتا ہے کچھ نشہ ہو گیا ہے۔ ابھی میں نے یہ محسوس کیا کہ میں جیسے ایک ساعت کے لیے دماغی طور پر غیر حاضر ہو گیا ہوں۔ یہ نشہ کچھ ایسے ہی تماشے دکھاتا ہے۔ ہی۔ ہی۔ ہی......"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔ غلام نے اپنا پیگ خالی کرنے کے بعد اپنی جیب سے بیس ڈالر نکالتے ہوئے کہا۔ "آفیسر میرا آقا باہر میرا منتظر ہے۔ مجھے جانا چاہیے۔ آپ میری طرف سے یہ بیس ڈالر رکھیں اور آج کا بل اس رقم سے ادا کر دیں۔ کل صبح آپ سے چیک پوسٹ پر ملاقات ہوگی۔"

یہ کہہ کر اس نے مصافحہ کیا۔ بیس ڈالر میز پر رکھے پھر اس سے رخصت ہو کر میرے پاس آ گیا۔ میں نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یہاں کسی ٹیکسی والے سے بات کرو۔ کہ وہ ہمیں کسی مسلمان کے ہوٹل تک پہنچا دے۔ رات کا کھانا ہم وہیں کھائیں گے۔ میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ تم ٹیکسی کا بل ادا کرنا اور کھانے کا آرڈر دینا جب تک میں تمہیں مخاطب نہ کروں مجھے مخاطب نہ کرنا۔"

ہم دونوں کلب کے احاطے سے باہر آ گئے۔ وہاں فٹ پاتھ کے کنارے بہت سی ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ہم بیٹھ گئے۔ غلام نے ٹیکسی ڈرائیور سے بات طے کر لی کہ وہ ہمیں کسی مسلمان کے ہوٹل تک پہنچا دے۔ جب ٹیکسی وہاں سے روانہ ہوئی تو میں نے اس بدمعاش کے دماغ کو ٹٹولا جو آشا بیلا سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا اور جس کا چاقو آشا بیلا کے قبضے میں آ گیا تھا۔ اس کا نام کانچا تھا۔

کانچا اپنے حلقے میں بہت ہی زبردست، ضدی اور ناقابل شکست غنڈہ سمجھا جاتا تھا۔ پھر بھلا وہ آشا بیلا سے شکست کھانے کے بعد کس طرح چین سے بیٹھ سکتا تھا۔ اس وقت وہ ایک بہت ہی خوبصورتی سے آراستہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ تھے اور وہ اچھے خوش پوشش اور بظاہر مہذب انسان تھے لیکن ان تمام مہذب اور دولت مند لوگوں کا تعلق مس سلور سے تھا کیونکہ وہ ان کی ضرورت کے مطابق اچھے سے اچھا مال سپلائی کرتی تھی۔ کانچا نے انہیں بتایا تھا کہ مس سلور اس وقت آشا بیلا نامی ایک لڑکی کی قید میں ہے اور ہم اس کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کر سکتے جو کچھ ہمیں کرنا ہے وہ ہم اپنی طاقت اور بدمعاشی کے بل پر کر سکتے ہیں۔

ایک دولت مند نے کانچا سے سوال کیا۔ "تم مجھے بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ مس سلور کو کسی نہ کسی طرح فوراً وہاں سے رہائی دلانا چاہیے۔"

کانچا نے کہا۔ "آپ صرف اس وقت کا انتظار کریں۔ جب بات بڑھ جائے اور معاملہ پولیس والوں تک پہنچ جائے۔ آپ اپنی دولت اور رسوخ سے ہماری پشت پناہی کر سکتے ہیں۔ ہم آدھی رات گزرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم نے تمام انتظامات کر لیے ہیں۔ اس علاقے کی بجلی کی سپلائی آدھی رات کے بعد بند کر دی جائے گی۔ ٹیلی فون کے تار کاٹ دیے جائیں گے۔ اس طرح مس سلور کی رہائش گاہ کے احاطے میں داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو گی۔"

میں ان کے پاس سے واپس آ گیا۔ ہماری ٹیکسی ایک مسلم ہوٹل کے سامنے پہنچ کر رک گئی تھی۔ وہاں بڑی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ دکان کی پیشانی پر بہت بڑا سائن بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔ ملک کرم دین ہوٹل ایک پنجابی کا یہ ہوٹل دور دور تک مشہور تھا۔ باہر سے آنے والے مسلمان یہیں آ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔ ہم نے ٹیکسی والے کو رخصت کیا اور ہوٹل کے اندر آ کر ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔

ایک طویل مدت کے بعد میں نے وہاں نہاری اور روٹیاں کھائیں۔ مزہ آ گیا۔ غلام نے بھی زندگی میں پہلی بار ایسی ڈش کو منہ لگایا تھا۔ اسے بھی یہ ڈش بہت پسند آئی۔ وہ خوب چٹخارے لے لے کر کھاتا رہا۔ کھانے کے بعد میں نے چائے کا آرڈر دیا۔ پھر خاموش ہو کر ان بدمعاشوں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ لوگ اب وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ کانچا اپنے ایک اسسٹنٹ کے ساتھ ایک گلی سے گزر رہا تھا اور برمی زبان میں اس سے باتیں کر رہا تھا۔ چونکہ وہ انگریزی بھی جانتا تھا۔ اس لیے میں اس کے دماغ کے چور خانے سے اس کی باتوں کا انگریزی ترجمہ سن رہا تھا۔

ہماری میز پر چائے سے بھری ہوئی پیالیاں آ گئیں۔ میں نے چائے کا ایک گھونٹ لینے کے بعد دیکھا۔ کانچا وہاں کے ایک بڑے بجلی گھر تک پہنچ گیا تھا۔ اور وہاں کے ایک آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ باتیں یہی تھیں کہ جس علاقے میں مس سلور کی رہائش گاہ ہے۔ وہاں کی بجلی ٹھیک بارہ بجے بند کر دی جائے گی۔ یہ سلسلہ دس منٹ تک جاری رہے گا۔ انجینئر نے کہا۔ "اگر ہم اس سے زیادہ بجلی کی سپلائی بند کریں گے تو وہاں اور بھی بڑے بڑے بارسوخ لوگ موجود ہیں۔ ان کی شکایتیں موصول ہوں گی لہٰذا تمہیں جو کچھ کرنا ہے وہ دس منٹ کے اندر کر گزرنا۔"

کانچا نے کہا۔ "میرے لیے دس منٹ کافی ہیں۔ ہم اتنی دیر میں سارے تار کاٹ ڈالیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم اپنی گھڑیاں ملا لیں۔"

وہ دونوں اپنی گھڑی میں ایک ہی وقت ملانے لگے۔ اس وقت گیارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی گھڑیوں میں یہی وقت رکھا۔ میں نے بھی اپنی گھڑی میں ٹھیک یہی وقت دیکھا میری گھڑی درست چل رہی تھی۔ میں چائے پینے کے بعد ایک سگریٹ سلگا کر اس کے کش لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کانچا اپنے ساتھی کے ساتھ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر جا رہا تھا۔ اس وقت میں نے اس کے دماغ کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ اور پھر اس کی گھڑی کے کانٹے کو الٹا چلا دیا یعنی جو وقت ہوا تھا اس سے اس کی گھڑی کو پندرہ منٹ پیچھے کر دیا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ اپنے ان ساتھیوں کے پاس پہنچا جو آدھی رات کے بعد اس کی مہم میں شریک ہونے والے تھے۔ میں پھر کانچا کے دماغ میں

گھس کر بیٹھ گیا کیونکہ وہ ان سب کی گھڑیوں سے اپنی گھڑی کے مطابق وقت ملانے والا تھا۔ اس نے کہا یا دوسرے لفظوں میں میں نے اس کی زبان سے کہا۔

"ساتھیو! افسر سے ساری باتیں طے ہو چکی ہیں۔ وہ ٹھیک بارہ بجے وہاں کی بجلی بند کر دے گا۔ تم سب میری گھڑی کے مطابق وقت ملاؤ۔"

وہ لوگ اپنی اپنی کلائیوں سے گھڑیاں اتار کر وقت ملانے لگے۔ ایک نے کہا۔ "استاد تمہاری گھڑی تو پندرہ منٹ پیچھے ہے۔ صحیح وقت ہماری گھڑیوں میں ہے۔"

میں نے کانچا کی زبان سے کہا۔ "میں بجلی گھر کے افسر سے وقت ملا کر آ رہا ہوں۔ میری گھڑی کے مطابق مہم کا آغاز ہو گا لہٰذا صحیح اور غلط وقت کے سلسلے میں بحث نہ کرو۔"

ان سب نے خاموشی سے کانچا کی گھڑی سے وقت ملایا۔ پھر انہیں اپنی اپنی کلائیوں میں پہن لیا۔ کانچا نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا۔ "تم دونوں ابھی مس سلور کی کوٹھی کے پاس پہنچ جاؤ۔ اور وہاں کی نگرانی کرتے رہو۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ لڑکی پولیس والوں سے رابطہ قائم کر سکتی ہے اور نہیں بھی کر سکتی ہے مس سلور انہیں اس کا موقعہ نہیں دے گی۔ انہیں ضرور سمجھائے گی کہ پولیس والوں سے رابطہ قائم کرنے میں ان لڑکیوں کا بھی نقصان ہے بہرحال تم دونوں وہاں اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ کوئی پولیس والا وہاں نہ پہنچے۔"

کانچا کے حکم کے مطابق وہ دونوں وہاں سے چل پڑے۔ راستے میں میں نے ایک شخص کو ٹریپ کیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اسے ٹائلٹ جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ لہٰذا وہ آگے چلے اور وہ تھوڑی دیر بعد اس کے پیچھے مس سلور کی کوٹھی تک پہنچ جائے گا۔ اس کا ساتھی آگے بڑھ گیا اور وہ پیچھے رہ کر ہماری طرف آنے لگا۔

غلام میری خیال خوانی کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے چپ چاپ کھانے کا بل ادا کیا۔ پھر میں اس کے ساتھ خاموشی سے چلتا ہوا ہوٹل کے باہر آ گیا۔ میری خیال خوانی کے مطابق وہ شخص سیدھا اسی ہوٹل کی طرف چلا آ رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ یوں کہنا چاہیے کہ میں اس کے دماغ میں رہ کر اپنے ہی قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "غلام میں فرہاد بول رہا ہوں۔ تم آگے جاؤ اور کسی ٹیکسی والے کو انگیج کرو۔ ہم مس سلور کی رہائش گاہ تک جائیں گے اور میں فرہاد صاحب کا تابعِ فرمان ہوں۔ میں آپ لوگوں کو وہاں تک پہنچاؤں گا۔"

قریب ہی ایک ٹیکسی اسٹینڈ تھا۔ غلام اس طرف جانے لگا۔ میری ہدایت کے مطابق وہ شخص بھی اس طرف بڑھ گیا۔ کیونکہ وہی ٹیکسی ڈرائیور کو اس علاقے کا نام بتا سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ پانچ منٹ کے بعد ہم تینوں ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے تھے اور مس سلور کی رہائش گاہ کی طرف سفر کر رہے تھے۔ اس دوران میں نے آشا بیلا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی مس سلور بھی وہاں ایک طرف کرسی پر قیدی کی حیثیت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑکیاں اسی موضوع پر بحث کر رہی تھیں کہ یادداشت کیسے گم ہو جاتی ہے اور جب ایسا حادثہ پیش آ جائے تو یادداشت کو کیسے واپس لایا جا سکتا ہے۔ ایک لڑکی نے کہا۔

"فی الحال تو وہی طریقہ ہے جس پر ہم سب متفق ہیں وہ یہ کہ ہم سب آشا بیلا کو اپنے ساتھ باہر لے جائیں اور اس شہر کے گلی کوچوں میں اسے گھماتے رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی جانی پہچانی جگہ دیکھ کر اسے کچھ یاد آ جائے۔"

آشا بیلا نے کہا۔ "میرے اندر ایک عجیب سی بے چینی ہے۔ جب تک میں اپنے آپ کو پہچان نہیں لوں گی اور مجھے میرا ماضی اور میرے عزیز و اقارب یاد نہیں آئیں گے۔ اس وقت تک یہ بے چینی دور نہیں ہو گی۔ بہتر ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے باہر چلیں۔"

کئی لڑکیاں وہاں سے باہر جانے کے لیے مچل رہی تھیں کیونکہ کافی عرصہ تک وہ قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارتی رہی تھیں۔ اب آشا بیلا کی یادداشت واپس لانے کے بہانے ہی انہیں تفریح کا موقع ہاتھ آ سکتا تھا۔ آشا بیلا نے کہا۔ "ٹھیک ہے ہم باہر جائیں گے لیکن مس سلور کی کار میں چھ لڑکیوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ باقی لڑکیاں یہاں رہیں گی۔ ہم مس سلور کو..... رسیوں سے ..... باندھ کر جائیں گے اور یہاں رہنے والی لڑکیاں اس کی نگرانی کریں گی۔"

جب ہماری گاڑی مس سلور کی رہائش گاہ کے قریب پہنچی اس وقت آشا بیلا اور اس کی ساتھی لڑکیاں مس سلور کو رسیوں سے باندھ چکی تھیں اور گیراج میں پہنچ کر گاڑی اسٹارٹ کر رہی تھیں ظاہر ہے کہ وہ بیرونی آہنی گیٹ کو بھی کھولنے والی تھیں۔ ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دے کر وہاں سے رخصت کیا۔ پھر ہماری رہنمائی کرنے والے شخص نے غلام سے کہا۔ "آؤ مجھے ذرا دور لے چلو۔ میں بیہوش ہونا چاہتا ہوں۔"

غلام سمجھ گیا کہ وہ شخص میرے اشارے پر یہ بات کہہ رہا ہے۔ وہ اسے وہاں سے دور لے گیا۔ ایک گلی میں لے جانے کے بعد غلام نے آس پاس دیکھا۔ چاروں طرف ویرانی اور سناٹا تھا۔ اس نے اس شخص کا گلا دبوچ لیا۔ میں نے اس کی زبان سے کہا۔ "ایسے

کیا کرتے ہو۔ مجھے جان سے نہ مارنا۔ کچھ ایسا ہاتھ دکھاؤ کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔"

غلام نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ ایک ہاتھ ایسا اس کی گردن پر جمایا کہ وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ اس نے جھک کر بیہوش پڑے رہنے والے کی نبض ٹٹولی پھر وہاں سے میرے پاس چلا آیا۔ وہاں ان لڑکیوں نے اس سوئچ کو آف کر دیا تھا جس کے ذریعے تار کا نٹوں میں بجلی کی لہر دوڑائی جاتی تھی۔ اس کے بعد دو لڑکیوں نے آ کر بڑے آہنی گیٹ کو کھول دیا۔ اس وقت تک میں اور غلام اس کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ گیٹ کھلتے ہی وہ لڑکیاں چونک گئیں۔ ان کے پیچھے گیراج سے وہ کار نکل رہی تھی جس میں چھ لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ گیٹ بند کیا جاتا ہم دوڑ کر اندر آ گئے۔ ان میں سے ایک لڑکی چیختی ہوئی دوڑتی ہوئی کار کی طرف جانے لگی۔ وہ وہاں پہنچنے کے دوران چیختی جا رہی تھی۔ آشا بیلا کو مخاطب کر رہی تھی اور اسے بتا رہی تھی کہ دو اجنبی ..... احاطے کے اندر گھس آئے ہیں۔

غلام نے آہنی گیٹ کو اندر سے بند کر دیا۔ دوسری طرف آشا بیلا کار سے اتر کر میری طرف آ رہی تھی۔ آنے کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی فوج کا جرنل آ رہا ہو۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کے پیچھے لڑکیوں کی فوج تھی۔ پھر وہ میرے سامنے آ کر ٹھٹھک گئی۔ چند لمحوں تک ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ بلاشبہ اس قدر حسین تھی کہ اس کے ہاتھ میں پستول ضروری نہیں تھا۔ مرنے والے اس حسینہ کی بے رخی سے ہی مر سکتے تھے۔

اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "کون ہو تم؟ اور زبردستی یہاں کیوں گھس آتے ہو؟ فوراً جواب دو ورنہ گولی مار دوں گی۔"

میں نے شدید حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تم۔ تم وہی ہو۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی اس کا غصہ کافور ہو گیا۔ وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی ایک ساتھی لڑکی نے پوچھا۔ "کیا تم اسے جانتے ہو؟ اگر جانتے ہو تو اس کا نام بتاؤ؟"

میں نے جواب دیا۔ "اس حسینہ کا نام ایزا بیلا یا آشا بیلا ہے۔"

دوسری لڑکی نے کہا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟ تم دو نام بتا رہے ہو حالانکہ ان میں سے ایک نام درست معلوم ہوتا ہے۔ تم ان ناموں کی وضاحت کرو۔"

میں نے کہا۔ "میرے پاس اس حسینہ کی ایک تصویر ہے اس کے پیچھے آشا بیلا لکھا ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ٹیلی گرام ہے جو لندن سے آیا ہے اور اس میں کسی ایزا بیلا کا ذکر ہے۔ اگر کہو تو وہ میں تم لوگوں کو دکھا دوں۔"

یہ کہہ کر میں اپنی جیب سے اس تصویر اور ٹیلی گرام والے لفافے کو نکالنا چاہتا تھا۔ آشا بیلا نے ڈانٹ کر کہا۔ "خبردار اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔ اگر ذرا بھی حرکت کی تو گولی مار دوں گی۔ یہاں میرے سامنے کوئی چالاکی نہیں چلے گی۔"

میں نے اس کے حکم کے مطابق دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ ایک لڑکی نے آگے بڑھ کر میری جیبوں کو ٹٹولا۔ پھر ایک لفافہ نکال کر اسے کھولتے ہوئے آشا بیلا کے پاس پہنچ گئی۔ پھر اس میں سے وہ تصویر نکال کر اسے دکھانے لگی۔ سب ہی اس تصویر کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے کیونکہ وہ سچ مچ آشا بیلا کی ہی تصویر تھی۔ اور اس کے پیچھے اس کا نام لکھا ہوا تھا۔

میں چاہتا تو پلک جھپکتے ہی آشا بیلا سے اس کا پستول چھین سکتا تھا۔ لیکن وہ وہاں بڑی دلیر اور مار دھاڑ والی ہیروئن بنی ہوئی تھی جو جوڈو کراٹے کا تماشہ دکھا رہی تھی اور پستول کے سہارے دشمنوں کو بھگا چکی تھی۔ میں اس کا بھرم رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے پستول کو اسی کے پاس رہنے دیا۔

آشا بیلا نے مجھے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں وہ اپنائیت تھی جو اپنوں کو پا لینے کے بعد ہوتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کے ماضی سے تعلق رکھتا ہوں اور شاید اس کے عزیز یا دوست احباب میں سے کوئی شخص ہوں۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کون ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں ایک سیاح ہوں۔ میرا نام طارق محمود ہے اور وہ جو جبشی کھڑا ہوا ہے وہ میرا ہمسفر ہے۔ ہم دونوں خشکی کے راستے پاکستان جا رہے ہیں۔"

آشا بیلا نے کہا۔ "اس تصویر اور ٹیلی گرام سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم مجھے بہت قریب سے جانتے ہو۔ بتاؤ کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں؟"

میں نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تعجب ہے کہ تم مجھ سے اپنے متعلق یوں پوچھ رہی ہو جیسے کہ تمہیں کچھ یاد نہ ہو۔"

کئی لڑکیوں نے ایک ساتھ کہا کہ واقعی آشا بیلا کو کچھ یاد نہیں ہے۔ وہ اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ یہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے۔ اس پر میں نے مزید تعجب کا اظہار کیا۔ پھر اس سے پوچھا۔ "کیا یہاں کھڑے ہی کھڑے باتیں ہوں گی۔ بہتر ہوتا کہ ہم اندر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے کسی عزیز کو یہاں ڈھونڈ نکالوں۔"

آشا بیلا نے کہا۔ "اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہیں اس کوٹھی کے احاطے میں برداشت کر رہی ہوں اور ہمارے حالات ایسے ہیں

ان میں سے کوئی بھی اجنبی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے تم ہمارے دشمنوں میں سے کوئی ہو اور کہیں سے میری یہ تصویر ٹیلیگرام حاصل کرنے کے بعد یہاں ہمیں پھانسنے کے لیے آئے ہو۔"

"میں ایک وقت میں اتنی ساری لڑکیوں کو نہیں پھانس سکتا۔ آج تک کسی نے ایسا ریکارڈ قائم نہیں کیا۔"

ایک لڑکی نے کہا۔ "اے مسٹر! آشا بیلا کا یہ مطلب نہیں ہے۔ ہم سب یہاں دشمنوں میں گھرے ہوتے ہیں۔ اس لیے تمہیں بھی دشمن ہی سمجھیں گے پہلے یہ ثابت کرو کہ تم آشا بیلا کو کیسے جانتے ہو اور یہ تصویر دوستی کی تم نے کہاں سے حاصل کی ہے؟"

میں نے انہیں بتایا کہ ہم گشتی گاڑی میں مولمین شہر سے رنگون آ رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص دہشت زدہ ہو کر بھاگتا چلا آ رہا تھا اور دشمن کہیں سے اس پر گولیاں برسا رہے تھے۔ وہ ہماری گشتی گاڑی کے قریب آ کر رک گیا۔ اور اس نے اپنی کسی بہن کا حوالہ دیتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن موت نے اسے کچھ کہنے کی مہلت نہیں دی۔ اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھایا۔ میں نے اسے لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا اس کے بعد وہ مر چکا تھا۔ یہ وہی لفافہ ہے جو اس وقت ان لڑکیوں کے ہاتھ میں تھا۔

آشا بیلا نے بے یقینی سے کہا۔ "تمہاری اس فلمی انداز کی کہانی پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

میں نے کہا۔ "یقین کرنا یا نہ کرنا تم لوگوں کے اختیار میں ہے"

ایک لڑکی نے پوچھا۔ "چلو اگر ہم یہ درست تسلیم کریں تب بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ آشا بیلا اسی کوٹھی میں تمہیں ملے گی؟"

اس لڑکی نے بڑا ہی دانشمندانہ سوال کیا تھا۔ اس کا جواب میرے پاس پہلے سے موجود تھا۔ میں نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ ہم رنگون شہر کی سیر کر رہے تھے۔ اس علاقے سے گزر ہوا تو ہم نے بہت سے لوگوں کو اس کوٹھی کے اطراف مشتبہ حالت میں پایا۔ ایک گلی میں دو آدمی کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ ابھی رات کو بارہ بجے یہاں کی بجلی چلی جائے گی۔ اس کے بعد وہ لوگ اس احاطے کے تار کانٹوں کو کاٹ کر اندر داخل ہو جائیں گے۔"

تمام لڑکیاں سہمے ہوئے انداز میں آشا بیلا کو دیکھنے لگیں کیونکہ وہی مار دھاڑ والی ہیروئن تھی۔ اور وہی ان بدمعاشوں سے... ان کی حفاظت کر سکتی تھی۔ میں نے کہا۔ "ان دو آدمیوں کی باتیں سننے کے بعد میں اس کوٹھی کے آہنی گیٹ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں جو دو آدمی پہرہ دے رہے تھے ان میں سے ایک کو میرے ساتھی نے مار کر بے ہوش کر دیا ہے۔ تب ہی ہم آزادی سے اس دروازے تک پہنچ سکے تھے۔"

اب وہ سب مجھے توجہ اور امداد طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے انہیں مزید یقین دلانے کے لیے کہا۔ "اس وقت بارہ بجنے میں بیس منٹ ہیں۔ بیس منٹ کے بعد یہاں کی بجلی چلی جائے گی اور دشمن یہاں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت تم لوگوں کو میری باتوں کی سچائی کا یقین ہو جائے گا"

ایک سہمی ہوئی لڑکی نے کہا۔ "ہمیں اندر جا کر تمام دروازوں کو بند کر لینا چاہیے۔"

میں نے کہا۔ "بجلی کے تار کاٹ کر آنے والے دروازوں کو توڑ سکتے ہیں۔ یہ ایک پستول بھی انہیں سے نہیں روک سکے گا۔ بہتر ہے کہ ہم سب چھت پر رہیں اور وہاں چھپ کر آنے والوں کو مارنے سے زیادہ بھگانے کی کوشش کریں۔"

میری تدبیر انہیں پسند آئی کیونکہ اور کوئی راستہ نہیں دے رہا تھا وہ سب بھاگتی ہوئی کوٹھی کی چھت پر جانے لگیں۔ آشا بیلا اور دو چار لڑکیوں نے مجھے پستولوں کی زد پر رکھا۔ ان میں سے ایک لڑکی نے کوٹھی کے اندر پہنچ کر سوئچ آن کر دیا جس کے ذریعے تار کانٹوں میں بجلی کی لہر دوڑائی جا سکتی تھی۔ بعد میں اور غلام ان کے ساتھ کوٹھی کی چھت پر آ گئے۔ آشا بیلا نے سخت لہجے میں دھمکی دی۔ "دیکھو اگر تمہاری بات جھوٹ ہوئی اور آدھی رات کے وقت بجلی نہ گئی تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

ہمیں چھت کے ایک گوشے میں کھڑے رہنے کے لیے کہا گیا۔ تمام لڑکیاں ہم سے دور ادھر ادھر ٹہلتی رہیں۔ آشا بیلا کے لیے ایک کرسی لائی گئی تھی۔ وہ اس کرسی پر بیٹھ کر پستول کا رخ ہماری طرف کیے اس انتظار میں رہی کہ بجلی جاتی ہے یا نہیں۔ ٹھیک بارہ بجے میری پیشین گوئی کے مطابق اس علاقے میں چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔

چھت پر کھڑی ہوئی لڑکیاں سہم گئی تھیں۔ ایک کے حلق سے چیخ بھی نکل گئی تھی۔ میں نے کانچا کے دماغ میں جا کر دیکھا وہ حیران تھا کہ پندرہ منٹ پہلے بجلی کیسے چلی گئی؟ اس کی گھڑی پندرہ منٹ پیچھے تھی۔ اس کوٹھی کے چاروں طرف اس کے آدمی پھیلے ہوتے تھے۔ اس کے ایک ساتھی نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ گھڑی کے وقت میں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تمہاری گھڑی پندرہ منٹ پیچھے ہے"

کانچا نے کہا۔ "میں نہیں مانتا۔ میں نے بجلی گھر کی گھڑی سے وقت ملایا تھا۔ اس وقت میں سمجھتا ہوں ٹیکنیکل خرابی کے باعث بجلی گئی ہے۔ اور وہ آفیسر

مطابق بارہ بجے پھر یہاں کی بجلی غائب کرے گا۔"

اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اس وقت بھی بجلی غائب ہے کیوں نہ ہم موقع سے فائدہ اٹھائیں اور ایک طرف سے تار کانٹوں کو کاٹ کر الگ کر دیں۔"

کانچا نے کہا۔ "یہ خطرناک بات ہو گی۔ اگر اچانک بجلی آ گئی تو تار کاٹنے والے کا کیا حشر ہو گا؟"

اس بات پر وہ سب سوچنے لگے۔ اپنے اپنے طور پر فیصلے کرنے لگے۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ایک شخص خطرہ مول لے کر دیوار پر چڑھے گا۔ اور ایک طرف سے تار کانٹے کو کاٹنے کی کوشش کرے گا۔ میں نے معلوم کر لیا کہ وہ شخص دیوار کے کس حصے کی طرف جائے گا۔ میں نے اسی طرف دیکھتے ہوئے آشا بیلا سے کہا۔ "ادھر آؤ اور اس دیوار کی طرف دیکھو۔ مجھے کوئی سایہ سا نظر آ رہا ہے۔ کسی کے پاس ٹارچ ہے؟"

جدھر میں نے اشارہ کیا تھا۔ ادھر ایک لڑکی نے ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ آشا بیلا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دیکھا وہاں ایک شخص دیوار پر چڑھا ہوا تار کانٹے کو اوزار سے کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آشا بیلا نے فوراً ہی ادھر گولی چلا دی۔ اس آدمی کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ دیوار کے دوسری طرف لڑھک گیا۔ اسے گولی نہیں لگی تھی وہ بدحواس ہو کر گر پڑا تھا۔

آشا بیلا نے میری طرف اب اعتماد سے دیکھا۔ اندھیرے میں اس کی نگاہیں سمجھ میں نہیں آ سکتی تھیں۔ لیکن میں سوچ کے ذریعے اس کے بدلے ہوئے مزاج کو سمجھ سکتا تھا۔ اب وہ مجھ پر اعتماد کر رہی تھی۔ میں نے اسے چھوڑ کر کانچا کی طرف توجہ دی۔ اس آدمی کے گرنے کے بعد وہ جھلاہٹ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ آدمیوں سے کہہ رہا تھا کہ اس کی گھڑی یا تو غلط ہو سکتی ہے یا کسی وجہ سے لیٹ ہو گئی ہے۔ لہٰذا مزید خطرہ مول لینا چاہیے۔ اس نے چار آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ادھر ادھر سے دیواروں پر چڑھ کر تاروں کو کاٹنے کی فوراً کوشش کریں۔

اس کے ساتھیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ میں کانچا کے دماغ سے نکل کر اس بجلی گھر کے آفیسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر وہ میری ہدایت کے مطابق عمل کرنے لگا۔ ادھر جیسے ہی کانچا کے آدمیوں نے دیواروں پر چڑھ کر تار کاٹنے کی کوشش کی۔ آفیسر نے مین سوئچ آن کر دیا۔ میں نے آفیسر کے دماغ سے نکل کر دیکھا تو دیوار پر چڑھنے والے چیخیں مار کر دوسری طرف گر رہے تھے۔ اور وہ علاقہ دوبارہ روشن ہو گیا تھا۔ تار کانٹوں میں بجلی کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

روشنی میں کوٹھی کے احاطے کے باہر کانچا نظر آیا۔ وہ ایک گلی میں جیپ کار کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی اپنے ان ساتھیوں کو سنبھال رہے تھے۔ جو بجلی کے جھٹکے کھا کر گر پڑے تھے۔ وہ انہیں اٹھا کر جیپ میں لا کر ڈال رہے تھے۔ کانچا ان سے کہہ رہا تھا۔ "جلدی کرو یہ چیخیں سن کر سارے محلے والے جمع ہو جائیں گے۔ پولیس والے بھی آ سکتے ہیں۔"

پانچ منٹ کے اندر ہی وہ لوگ جیپ کار میں بیٹھ کر وہاں سے بھاگ گئے۔ تمام لڑکیاں خوش ہو کر تالیاں بجانے لگیں۔ پھر ہم سب چھت سے اتر کر کوٹھی میں واپس آئے۔ وہاں ایک کمرے میں مس سلور کرسی پر بندھی ہوئی بیٹھی تھی اور خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کیونکہ اس کے سامنے میز پر سامی بیٹھی ہوئی غرا رہی تھی۔ مس سلور نے ہمیں دیکھتے ہی کہا —

"فار گاڈ سیک۔ اس بلی کو یہاں سے لے جاؤ۔ یہ دشمنوں کی طرح مجھ پر غرا رہی ہے ایسا لگتا ہے جیسے میرا خون پی جائے گی۔"

آشا بیلا نے سامی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "آہا کتنی پیاری بلی ہے۔"

سامی نے اس کے ہاتھ پر پنجہ مارا۔ آشا بیلا بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ میرے پاس کسی حسین عورت کو برداشت نہیں کرتی کیونکہ یہ میری بیوی ہے"۔

تمام لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ ایک نے پوچھا۔ "یہ بلی کیا تمہاری بیوی ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں یہی میری بیوی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی ہیں۔ یہ میرے ساتھ رہتی ہے، کھاتی ہے پیتی ہے اور میرے پاس سوتی ہے۔"

میری اس بات پر تمام لڑکیاں مسکرا کر ہنسنے لگیں۔ تھوڑی دیر تک ہم ہنستے ہنساتے رہے پھر گرما گرم کافی آ گئی۔ تمام لڑکیوں نے اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔ چند لڑکیاں کوٹھی کے باہر برآمدے میں اور کوٹھی کے پیچھے دائیں بائیں، دو دو چار چار کی تعداد میں پہرے دار کی حیثیت سے کھڑی ہو گئی تھیں۔ پہرہ دینے کے لیے ڈیوٹی کے اوقات مقرر کر لیے گئے تھے تاکہ کوئی بھی خطرہ محسوس ہو تو ہمیں اطلاع دی جا سکے۔

کافی پینے کے دوران آشا بیلا نے مجھ سے کہا۔ "مسٹر طارق! جب تم نے... رامیشور کا قصہ سنایا کہ وہ تمہاری گشتی گاڑی تک پہنچتے پہنچتے مر گیا تھا۔ اور انجان دشمن اس پر فائرنگ کر رہے تھے اور... رامیشور کے ہاتھ سے تم نے میری تصویر حاصل

کی تھی۔ تو یہ سب باتیں مجھے قصہ کہانیوں جیسی لگیں۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا لیکن اب میں تم پر یقین کرتی ہوں۔"

میں نے پوچھا "اب یقین کرنے کی وجہ؟"

"یہی کہ تمہاری پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ ٹھیک بارہ بجے بجلی چلی گئی تھی۔ اگر تم نہ ہوتے تو دشمن ہمیں دھوکا دے کر ہم پر غالب آجاتے۔"

میں نے کافی کا آخری گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد کہا۔ "جو واقعات میرے سامنے گزر چکے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ رامیشور تمہارا بھائی تھا۔ کیا تم ذہن پر زور ڈال کر ایسا کوئی نام یا ایسے نام والے کو یاد کر سکتی ہو؟"

وہ سر جھکا کر پوری توجہ سے سوچنے لگی۔ رامیشور کا نام یاد کرتے ہوتے کتنی ہی خیالی تصویریں اس کے تصور میں ابھرتی چلی گئیں۔ لیکن وہ رامیشور اسے یاد نہیں آ رہا تھا جو میری گشتی گاڑی کے پہیے یا انجن پر مر گیا تھا۔ میں نے کہا۔

"دیکھو نیل کرام کے مطابق ایزا بیلا یہاں پہنچنے والی تھی۔ تم ہماری... زبان بول لیتی ہو۔ اگر تم انگریز ہوتیں تو اتنی روانی سے یہ زبان نہ بول سکتیں۔ ایزا بیلا انگریزی روانی سے بول سکتی ہے مگر تمہاری زبان نہیں بول سکتی۔ بولے گی بھی تو اس میں اجنبیت پائی جائے گی...."

میں بات ادھوری چھوڑ کر سوچنے لگا میرے اندازے کے مطابق اس لڑکی کا نام ایزا بیلا ہو سکتا تھا جو قتل کر دی گئی تھی۔ بس ایک ہی بات میرے خیال کی نفی کرتی تھی اور وہ یہ کہ قتل ہونے والی ساڑھی پہنے ہوئے تھی اور لندن سے آنے والی ایک انگریز لڑکی ایزا بیلا ساڑھی نہیں پہن سکتی تھی۔ البتہ یہ سوچا جا سکتا تھا کہ بہت سی انگریز عورتیں شوقیہ مشرقی لباس پہن لیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایزا بیلا نے بھی شوقیہ وہ ساڑھی پہن لی ہو۔

میں آشا بیلا کے سامنے یہ ظاہر نہیں کر سکتا تھا کہ میں اس مقتولہ کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ جتنا کہ وہ جانتی ہے۔ میں نے اشارتاً کہا۔ "لندن سے آنے والی ایزا بیلا یقیناً یہاں پہنچ گئی ہے اور کہیں گم ہو گئی ہے۔"

آشا بیلا نے ذرا چونک کر ذرا گھبرا کر مجھے دیکھا پھر سنبھل کر بولی "تو پھر رامیشور کے پاس اسی گم ہونے والی ایزا بیلا کی تصویر ہونی چاہیے تھی لیکن اس کی جیب سے میری تصویر نکلی ہے اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"فی الحال تمہارے سلسلے میں کسی بات کا مطلب سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ تمہاری یادداشت کا واپس آنا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے ہمیں یہاں سے باہر نکلنا ہو گا۔ تم پورے رنگون شہر کی سیر کرو گی اور کسی جانے پہچانے علاقے کو پہچان سکو گی تب بات بن سکے گی۔"

"میں اپنے آپ کو پہچاننے کے لیے بڑی بے چین... اف کیا بتاؤں کہ تھکن سے بدن ٹوٹ رہا ہے۔ میں یہاں... بے ہوش ہو گئی تھی۔ جب ہوش میں آئی تو مس سلور... پڑ گئی۔ اس وقت سے اب تک آرام کرنے کا موقع نہیں... اب رات جیسے جیسے گزر رہی ہے۔ ویسے ہی تھکن بڑھ رہی ہے اور نیند آ رہی ہے۔ بہتر ہو گا کہ ہم صبح یہاں سے... ویسے بھی مس سلور ابھی ہمارے لیے پرابلم بنی ہوئی ہے۔"

وہ واقعی تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ میں نے کہا... "ابھی آرام کرنا بہتر ہے۔ ویسے مس سلور کوئی پرابلم نہیں... جب ہم یہاں سے باہر جائیں گے تو میرا ساتھی غلام اس کو سنبھال لے گا۔ تم اس کی طرف سے بے فکر رہو۔ اور اب آرام سے سو جاؤ۔"

وہ مجھے احسانمندی سے دیکھتے ہوئے وہاں سے گئی۔ میں نے غلام کو بلا کر کہا۔

"دیکھو میں تین گھنٹے تک سوتا رہوں گا۔ اس وقت... بجنے والے ہیں۔ میں پانچ بجے بیدار ہو جاؤں گا۔ پھر... سے آٹھ بجے تک تم اپنی نیند پوری کر لینا۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔ یہاں کچھ لڑکیاں تمہارے ساتھ جاگیں گی۔ اور وہ اس کوٹھی کے چاروں طرف گھومتی رہیں گی... اس احاطے میں داخل نہ ہو سکے۔ تم ذرا ہوشیار رہنا۔"

میں اسے ہدایات دیگر ساتھی کے ساتھ ایک کمرے... آ کر ایک بستر پر لیٹ گیا حسبِ دستور میں نے اپنے... ہدایت دی اور تین گھنٹے کے لیے آنکھیں بند کر کے گہری... سو گیا۔ تین گھنٹے کے لیے میں اس دنیا کی اچھائیوں اور... سے دور ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ خود کو ذہین کہنے والا... سونے کے دوران بدی سے محفوظ رہتا ہے اور جاگنے... بدی سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کی ذہانت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آشا بیلا مقناطیس تھی اور... کے لیے اس کی مقناطیسی شعاعوں سے محفوظ ہو گیا تھا... ہوتے ذہن سے میں نے کئی بار دلچسپی لیتے ہوتے اس کے... سوچا پھر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ وہ خود کو... پہچانتی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ... کی دم دم پیتی ہے۔ اسے ہاتھ لگانا مناسب نہ تھا۔

ٹھیک پانچ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دماغی...

دیکھا۔ غلام چند لڑکیوں کے درمیان چھت پر بیٹھا ہوا اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ایک لوہے کی سلاخ کو دونوں ہاتھوں سے موڑ رہا تھا۔ لڑکیاں حیران ہو کر اسے دیکھ رہی تھیں کم بخت سیاہ فام تھا مگر لڑکیوں کے سامنے گلفام بن رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ "بہت ہیرو بن چکے اب واپس آ جاؤ۔"

وہ واپس آ گیا۔ میں نے اس سے کہا۔ "تمہیں تین گھنٹے تک سونے کی اجازت ہے۔ اس کے بعد گشتی گاڑی میں واپس چلے جانا وہاں آفیسر کو تمام کاغذات دکھانے کے بعد اسے رشوت دے کر مجبور کر دینا کہ ہم یہاں ایک ہفتے تک قیام کریں گے۔"

جس بستر کو میں نے چھوڑا تھا۔ غلام اس پر جا کر لیٹ گیا۔ ایک منٹ کے اندر ہی میں نے خیال خوانی کی لوریاں سنا کر اسے سلا دیا۔ آشا بیلا اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ میں مس سلور کے کمرے میں گیا۔ وہ اسی طرح کرسی پر بندھی ہوئی سو گئی تھی۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

اچانک بیداری نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ وہ خود کو بندھا ہوا پا کر سمجھ گئی کہ آشا بیلا کی قید میں ہے۔ میں نے اسے مسکرا کر دیکھا تو وہ جبراً مسکرانے لگی پھر آہستگی سے بولی "نوجوان تم کون ہو۔ اور آشا بیلا کی حمایت کیوں کر رہے ہو۔ مجھے اپنے متعلق کچھ بتاؤ۔ میں آشا بیلا سے زیادہ تمہاری دوست ثابت ہوں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "اے بوڑھی دوشیزہ مجھے تم سے یا آشا بیلا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں ایک لٹیرا ہوں۔ تم مجھے اپنے خفیہ تجوری کا پتہ بتاؤ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہاں کتنی دولت اور تمہارے کتنے اہم کاغذات رکھے ہوتے ہیں۔"

"میں تمہیں اتنی دولت دوں گی جتنی کہ تجوری میں بھی نہیں ہو گی۔ تم تجوری کا خیال چھوڑ دو۔ میرا ساتھ دو۔ عیش ہی عیش کرو گے۔"

میں جواب دینے کے بجائے اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اور اس سے معلومات حاصل کرنے لگا۔ اس کی تجوری اسی کے کمرے میں تھی۔ وہ ایک آہنی الماری تھی جسے کھولنے کے بعد پتہ چلتا تھا کہ وہاں اس کے کپڑے لٹکے ہوتے ہیں لیکن کپڑے لٹکانے والی الماری کی دیوار کے پیچھے اس کی وہ خفیہ تجوری تھی جو نمبروں کی خاص ترتیب سے کھولی جاتی تھی۔ میں نے وہ نمبر اس کے ذہن سے چرا لیے پھر مسکرا کر بولا۔ "ٹھیک ہے تم مجھے اپنی تجوری کا پتہ نہیں بتاؤ گی۔ لیکن میں ابھی تمہاری آنکھوں کے سامنے اس تجوری کو کھولوں گا۔ یہ دیکھو......"

میں اس کے پاس سے چلتا ہوا الماری کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے کھولا تو مس سلور مطمئن تھی۔ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میں مایوس ہو جاؤں گا۔ میں نے اس کی الماری کے کپڑوں کو ادھر ادھر ہٹا کر کہا۔

"یہاں تو صرف کپڑے ہیں۔ اب بھی بتا دو کہ تجوری کہاں ہے؟"

وہ بولی "تجوری یہاں نہیں ہے۔ میری دوسری رہائش گاہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔ تم مجھے وہاں لے چلو۔ وہاں تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔"

میں نے اس کے دماغ میں بیٹھ کر جبراً اگلوایا۔ "میں یہ نہیں بتاؤں گی کہ وہ جو کپڑے لٹک رہے ہیں۔ ان کے پیچھے خفیہ تجوری کی دیوار ہے اور میں نے اس کا نمبر چار چھ آٹھ سات ترتیب نہیں دیا ہے۔ وہ ان نمبروں سے نہیں کھلے گی۔"

اتنا کہتے ہی میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ وہ چونک کر سوچنے لگی کہ ابھی وہ کیا کہہ رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شکریہ تم نے اپنی باتوں کی روانی میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عورت کو اپنی زبانِ قابو میں رکھنا چاہیے۔ زیادہ بولنے والی عورتیں اسی طرح اپنے راز اگل دیتی ہیں۔"

وہ گھبرا کر بولی "نہیں نہیں۔ میں نے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ میں تو کچھ اور ہی بڑبڑا رہی تھی۔"

اس کے یہ کہنے کے دوران میں نے ان خاص نمبروں کی ترتیب سے اس تجوری کے پٹ کو کھول دیا۔ وہ بے اختیار چیخنے لگی۔ نہیں تم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ تم اسے بند کر دو۔ ایک بار میری بات مان لو۔ اس تجوری میں جتنی رقم ہے میں اس سے دگنی رقم تمہیں دوں گی۔ اسے بند کر دو۔ فار گاڈ سیک ـــ اسے بند کر دو۔"

میں تجوری کا منہ کھول چکا تھا اور وہاں کی ایک ایک چیز کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اس لیے التجا نہیں کر رہی تھی کہ اس تجوری میں بیش بہا خزانہ موجود تھا۔ نہیں بلکہ اس کی گھبراہٹ اور گڑگڑاہٹ محض اس لیے تھی کہ اس میں اس کے کیے ہوئے جرائم کے تحریری اور تصویری ثبوت بھی موجود تھے اور اس نے اب تک جتنی لڑکیوں کو دوسرے ملکوں میں بھیجا تھا۔ ان سب کے ریکارڈز موجود تھے۔ اور جو لڑکیاں باہر بھیجی جانے والی تھیں۔ ان کے بھی مکمل کاغذات وہاں رکھے ہوتے تھے۔

وہ گڑگڑا رہی تھی اور التجائیں کر رہی تھی۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر ایک زور کا طمانچہ رسید کیا۔ وہ ایکدم سے چپ ہو گئی۔ میں نے کہا۔ "تم نے اب تک بے شمار لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی ہیں۔ کتنوں کے گھر اجاڑے ہیں اور دولت سمیٹتی رہی ہو۔ تمہیں کسی صورت سے معاف نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

میں واپس تجوری کے پاس آ گیا۔ وہاں بہت سے بلیک

بیلنگ کے کاغذات اور تصویریں دیکھنے کے دوران میں نے خیال خوانی کے ذریعے آشا بیلا کو نیند سے بیدار کیا۔ اور اس کی سوچ میں یہ بات بٹھا دی کہ اسے ابھی مس سلور کے کمرے میں پہنچنا چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جمائی لیتی ہوئی اس کمرے میں آگئی۔ میں نے اسے بتایا کہ تجوری کے اندر سے کیسا کیسا مواد نکل رہا ہے۔ وہ نفرت سے مس سلور کی طرف دیکھتے ہوئے حیرانی سے تمام کاغذات پڑھنے لگی۔ تصویریں ایسی شرمناک تھیں کہ میری موجودگی میں انہیں دیکھتے ہوئے جھجکنے لگی۔ پھر اس نے تمام لڑکیوں کو اس کمرے میں بلایا اور ان سے کہا کہ یہاں جس جس کی تصویریں موجود ہیں وہ آئیں اور خود اپنے ہاتھوں سے انہیں جلا ڈالیں تاکہ اس چڑیل کے پاس بلیک میلنگ کا کوئی مواد باقی نہ رہے۔

مس سلور کے خلاف جو تحریری اور تصویری ثبوت تھے۔ میں انہیں لے کر اس کمرے سے باہر آگیا کیونکہ وہاں میری موجودگی میں لڑکیاں جھجک رہی تھیں۔ شرما رہی تھیں۔ ایک گھنٹے بعد میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈائننگ روم میں آیا۔ وہاں تمام لڑکیاں جمع ہو گئی تھیں۔ کچھ ناشتہ کر رہی تھیں۔ کچھ باتیں کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں آشا بیلا بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے کسی لڑکی سے ساڑھی مانگ کر پہن لی تھی۔ اس سے پہلے میں نے اسے بلاؤز اور اسکرٹ میں دیکھا تھا۔ اس لباس میں بھی وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ اور اس مشرقی لباس میں بھی قیامت لگ رہی تھی۔ میں یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس سے متاثر ہو رہا ہوں۔ لہٰذا میں اس کی طرف دیکھنے سے پرہیز کرتا رہا۔ ناشتہ کرنے کے دوران آشا بیلا نے مجھ سے کہا۔ "مسٹر طارق اگر تم نہ ہوتے تو ہم کبھی اس تجوری تک نہ پہنچ سکتے۔ تم نے مس سلور کی بہت بڑی کمزوری ہمارے ہاتھوں میں دے دی ہے اور ان لڑکیوں کے ساتھ بھی بڑے احسانات کیے ہیں۔ اب انہیں کوئی بلیک میل نہیں کر سکے گا۔"

میں نے کہا۔ "ہاں بلیک میلنگ کی تمام تحریریں اور تصویریں مٹائی جا چکی ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ یہ لڑکیاں اب اپنے اپنے گھر چلی جائیں جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ انہیں مس سلور کی تجوری میں سے حاصل ہونے والی دولت میں سے کچھ حصہ دے دیا جائے۔ تاکہ یہ اپنے طور پر کہیں زندگی گزار سکیں۔"

آشا بیلا نے کہا۔ "میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ مس سلور کی اس کوٹھی میں ہم زیادہ عرصہ نہیں رہ سکتے۔ کل رات تمہاری وجہ سے دشمن ہم پر غالب نہیں آسکے مگر تم کب تک ہمارا ساتھ دو گے۔ لہٰذا ہر لڑکی کو اپنے اپنے ٹھکانے پر واپس چلا جانا چاہیے۔"

ناشتہ کرنے کے بعد مس سلور کی دولت تقسیم کی گئی۔ تمام لڑکیوں کے حصے میں اچھی خاصی رقم آئی۔ پھر یہ طے پایا کہ تمام لڑکیاں ہمارے ساتھ یہاں سے باہر جائیں۔ پھر جو رنگون شہر کی رہنے والیاں ہیں۔ وہ ٹیکسی وغیرہ میں بیٹھ کر اپنے گھروں تک پہنچ جائیں گی اور باقی لڑکیاں دور دراز کے علاقوں میں چلی جائیں گی۔ اس کے بعد صرف میں آشا بیلا اور غلام رہ جائیں گے۔ غلام کو میں نے ساڑھے آٹھ بجے نیند سے بیدار کیا۔ اسے سمجھا دیا کہ چیک پوسٹ کی طرف جائے۔ گشتی گاڑی چیک کرائے اور آفیسر کو رشوت دے کر ایک ہفتہ قیام کرنے کا اجازت نامہ حاصل کر لے۔

مس سلور کرسی پر بندھی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم آزاد ہو۔ جہاں چاہو جا سکتی ہو۔ ہمارے خلاف سازش کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تمہاری کمزوریاں ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہم تمہیں چین سے جینے نہیں دیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم سے دشمنی کا خیال اپنے دماغ سے نکال دو۔"

آشا بیلا نے پوچھا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کے آدمی احاطے کے باہر موجود ہوں۔ ہم کس طرح باہر نکلیں گے؟"

میں نے جواب دیا۔ "گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ ابھی دن کا وقت ہے۔ ان کی بدمعاشیاں کام نہیں آئیں گی۔ دوسری بات یہ کہ مس سلور آگے جا کر دروازہ کھولے گی۔ باہر اس کے آدمی موجود ہوں گے تو یہ انہیں اپنی زندگی کا واسطہ دیکر... ان کو بدمعاشیوں سے باز رکھے گی کیوں مس سلور ٹھیک ہے نا؟"

وہ سر جھکا کر کوٹھی کے باہر گئی۔ پھر احاطے کے آہنی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس وقت تک میں نے کاپنجا کے دماغ میں جھانک کر دیکھ لیا۔ وہ اور اس کے آدمی آہنی گیٹ کے باہر کھڑے ہوتے تھے اور اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ کوئی بھی اس کوٹھی سے ضرورت کے تحت باہر نکلے گا تو اسے پکڑ لیا جائیگا اور اس کے ذریعے مس سلور تک پہنچا جائے گا۔ اب مس سلور خود ان کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے آہنی دروازے کو کھول دیا۔

تمام لڑکیاں کھڑکیوں اور دروازوں سے پھاٹک کے آہنی گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں ان سے الگ دماغ کی اسکرین پر کاپنجا اور مس سلور کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "کاپنجا میں بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں میرے کیے ہوئے جرائم کے تمام ثبوت وہاں آشا بیلا اور اس کے ایک مرد ساتھی کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ جب تک وہ ثبوت ان سے حاصل نہیں کیے جائیں گے۔ اس وقت تک میں ان کی محکوم بنی رہوں گی۔"

کاپنجا نے پوچھا۔ "آشا بیلا کا وہ حمایتی کون ہے؟"

"پتہ نہیں وہ کون شخص ہے۔ مجھے تو کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ میں اس کے سامنے تجوری کے نمبر وغیرہ بڑبڑانے لگی تھی۔"

کاپنجا نے کہا۔ "مادام آپ فکر نہ کریں۔ میں اس جادوگر کی دھجیاں ایک کر دوں گا۔ آپ باہر آ چکی ہیں۔ اب اندر نہ جائیں ہم مسلح ہیں۔ ابھی چاروں طرف سے گھیر کر انہیں بھون کر رکھ دیں گے۔"

مس سلور نے کہا۔ "تمہارے پاس طاقت ہے مگر عقل نہیں ہے۔ تم یہاں ہنگامہ کرنا چاہتے ہو۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ تم ان پر غالب آجاؤ۔ میں اس لڑکی آشا بیلا کے لڑنے کا انداز بھی دیکھ چکی ہوں اور اس کے حمایتی کی مکاریاں بھی سمجھ رہی ہوں۔ اگر تم انہیں گھیرنے میں اور ہلاک کرنے میں ناکام ہو گئے۔ تو معاملہ محلے والوں سے پولیس والوں تک پہنچے گا۔ پھر میرے جرائم کے وہ ثبوت عدالت تک پہنچ جائیں گے۔ نہیں ایسی حماقت نہ کرو۔ بہتر ہے کہ انہیں یہاں سے نکل جانے دو۔ اور چھپ چھپ کر آشا بیلا اور اس کے حمایتی کا تعاقب کرو۔ کہیں بھی موقع غنیمت دیکھ کر ان کا محاصرہ کرو۔ تب بات بنے گی۔ ہاں جلد بازی سے میں جیل چلی جاؤں گی۔"

وہ کاپنجا اور اپنے دوسرے چمچوں کو وہاں سے دور لے گئی۔ سڑک کے کنارے ان کی ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ مس سلور نے کہا۔ "میں اب کسی ہوٹل میں جا کر قیام کروں گی اور کچھ دیر آرام کروں گی۔ مجھ سے بعد میں رابطہ قائم کرنا۔ میرے لیے ایک ٹیکسی منگواؤ اور تم ان دونوں کا تعاقب کرتے رہو۔ بہرحال میں وہ تمام کاغذات اور میری تصویریں مجھے واپس ملنی چاہئیں۔"

دس منٹ کے بعد راستہ صاف ہو گیا۔ وہ لوگ چلے گئے تھے۔ میں نے آشا بیلا اور دوسری لڑکیوں کی تسلی کے لیے غلام کو باہر بھیجا تاکہ وہ دیکھ آئے۔ غلام نے واپس آکر بتایا۔ اب وہاں کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ میں کاپنجا اور اس کے ساتھیوں کو جانتا تھا کہ وہ چھپ کر ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔ بہرحال ہم سب احاطے سے باہر آگئے۔

کچھ دور ٹیکسی اسٹینڈ پر پہنچ کر تمام لڑکیاں یکے بعد دیگرے ہم سے رخصت ہو گئیں۔ سب نے اپنی اپنی منزل کا تعین کر لیا تھا۔ مس سلور کے خلاف جو ثبوت ہمارے پاس تھے وہ میرے بریف کیس میں رکھے ہوتے تھے۔ میں نے وہ بریف کیس غلام کو دے دیا۔ کچھ نقد رقم اپنے پاس رکھ لی۔ آشا بیلا کے پاس بھی کافی رقم تھی۔ پھر غلام ہم سے رخصت ہو کر سامی کے ساتھ چیک پوسٹ کی طرف چلا گیا۔

ہم دونوں اتنے بڑے رنگون شہر میں اکیلے رہ گئے تھے۔ میں ایک مسافر تھا اور وہ چند گھنٹوں کے لیے یا چند دنوں کے لیے میری ہمسفر بن گئی تھی۔ میں اس شہر کے لیے اجنبی تھا اور اس کے لیے بھی یہ شہر بالکل انجانا تھا۔ جب تک اس کی یادداشت واپس نہ آتی وہ اس شہر کو نہ پہچانتی۔ اس وقت تک وہ میرے سہارے کی محتاج تھی۔

اس نے جھکی جھکی نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "تقدیر مجھے کس موڑ پر لے آئی ہے۔ میں تمہیں نہیں جانتی اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ خود کو بھی نہیں پہچانتی۔ اتنی بڑی دنیا میں صرف تم ہی ایک شخص ہو کہ میں بہرحال تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔ اب بتاؤ کہ ہم کدھر سے سفر شروع کریں؟"

میں نے وہاں ایک لیسے ٹیکسی ڈرائیور کا انتخاب کیا جو انگریزی اچھی طرح جانتا تھا۔ میں نے اس سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ تمام دن کے لیے ٹیکسی ہمارے لیے ریزرو رکھے۔ اور اس کا معقول کرایہ ہم سے لے لے۔ ڈرائیور نے فی گھنٹہ چھ ڈالر لینے کی بات کی۔ میں آشا بیلا کے ساتھ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ... پر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ پھر رنگون شہر ہمارے سامنے پھیلتا چلا گیا۔

میں سوچنے لگا کہ کیا دیکھوں؟ رنگون کو یا اس رنگین اداؤں والی کو جو میرے شانہ بشانہ بڑے ہی شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا انداز بڑا ہی دلربا تھا۔ گردن اکڑی ہوئی تھی گلابی گلابی چہرہ دھوپ کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔ ریشمی بال کھڑکی سے آنے والی ہواؤں کی زد میں اڑ رہے تھے۔ اور میری طرف اس کے پسینے کی مہک پہنچا رہے تھے۔ اس ٹیکسی کا ماحول عجیب رومان پرور ہو گیا تھا اور میں رنگون شہر کو بھولتا جا رہا تھا۔

ہماری ٹیکسی مختلف علاقوں سے گزرتی رہی۔ کہیں آشا بیلا کسی علاقے کو دلچسپی سے دیکھنے لگتی۔ تو میں ٹیکسی والے کو رکنے کے لیے کہتا۔ پھر ہم ٹیکسی سے اتر کر پیدل اس علاقے میں ادھر سے ادھر جاتے۔ بالآخر مایوسی ہوتی کیونکہ آشا بیلا کسی بھی علاقے کو نہیں پہچان رہی تھی۔

کاپنجا کی آنکھیں دور ہی دور سے ہماری نگرانی کرتی آ رہی تھیں۔ میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ صرف انجان بنا ہوا تھا۔ دن کے ایک بجے ہم ایک اوپن ریسٹورنٹ میں آکر کچھ کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ آشا بیلا تھکے ہوتے انداز میں بیٹھ گئی۔ میں نے اس سے کہا۔ "تم ہندوستانی کھانے کا

آ رہا ہوں۔ میں ابھی ٹائلٹ سے واپس آرہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں ٹائلٹ کے اندر چلا گیا ——————
وہاں پہنچ کر میں نے کانچا کی خبرلی۔ وہ ایک جیپ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے چار ساتھی بھی گاڑی میں بیٹھے ہوتے تھے۔ اور ان کی گاڑی ریسٹورنٹ سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھی۔ وہ انتظار کر رہے تھے کہ ہم وہاں سے اٹھیں گے تو وہ ہمارا تعاقب شروع کردیں گے۔

وہ خواہ مخواہ مصیبت بن کر ہمارے پیچھے پڑے ہوتے تھے۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا۔ میں نے کانچا کے دماغ سے دیکھا۔ پتہ چلا کہ جس راستے کے کنارے وہ کھڑے ہوتے ہیں اس راستے سے گزرنے والے ٹریفک کو روکا جا رہا ہے۔ کانچا نے ایک کانسٹیبل سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وزیرِ ٹرانسپورٹ کی سواری وہاں سے گزرنے والی ہے۔ کانچا سے بھی کہا جا رہا تھا کہ وہ اپنی جیپ کار کسی دوسری سڑک پر لے جائے۔

یہ معلومات حاصل کرتے ہی میں کانچا کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب وہ میرے دماغ کی ہدایت کے مطابق گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ وہاں سے جیپ کار چلاتے ہوئے وہ اس طرف جانے لگا۔ جدھر سے وزیرِ ٹرانسپورٹ کی گاڑی آرہی تھی۔ کئی کانسٹیبلوں نے زور زور سے سیٹیاں بجائیں۔ اسے اشارے کیے کہ وہ راستہ چھوڑ دے۔ ایک انسپکٹر موٹر سائیکل اسٹارٹ کرکے اس کی جیپ کا تعاقب کرنے لگا۔ میں نے جیپ کی رفتار بڑھادی۔ سامنے سے آنے والی وزیرِ ٹرانسپورٹ کی گاڑی کی رفتار کم ——— ہو گئی تھی اور سامنے آنے والی جیپ کار سے بچنا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے اس کا موقع نہیں دیا۔ کانچا نے میرے حکم کے مطابق اپنی جیپ کار لے جا کر وزیرِ ٹرانسپورٹ کی گاڑی سے ٹکرادی۔

ایک زوردار دھماکے کی آواز دور دور تک گونجتی چلی گئی۔ کانچا بری طرح زخمی ہوا تھا۔ اس حادثے کے بعد وہ اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے فرار نہ ہو سکا۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ اب اس کے متعلق کچھ معلوم کرنا فضول تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ اب پولیس کی حراست میں رہے گا۔ پھر شاید یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے گا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوگا۔ فی الحال اس سے ہمارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔

میں ٹائلٹ سے نکل کر باہر آیا۔ اس مرحلے سے گزرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا۔ میں نے سوچا آشا بیلا پوچھے گی تو کہہ دوں گا کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا تھا۔ میں ریسٹورنٹ سے باہر آیا۔ جہاں بہت سی میزیں دور دور تک بچھی ہوئی تھیں اور لوگ ان کے اطراف بیٹھے ہوتے تھے۔ جس میز کے پاس میں آشا بیلا کو چھوڑ کر گیا تھا۔ وہاں کی وہ کرسی خالی تھی — آشا بیلا نظر نہیں آرہی تھی۔

میری نظروں نے اسے اِدھر اُدھر ڈھونڈا۔ پھر وہ نظر آگئی۔ وہ ریسٹورنٹ کے اندر ہی تھی اور کاؤنٹر کے پاس سے واپس آرہی تھی۔ جب وہ میرے قریب آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر بے حد سہمے ہوئے انداز میں بولی "کوئی مجھے یہاں پہچانتا ہے۔ اس نے ابھی مجھے فون پر بلایا تھا۔ میں یہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ تمہارے جانے کے بعد ایک بیرا میرے پاس آیا۔ اس نے پوچھا "کیا میرا نام آشا بیلا ہے؟" میں نے ہاں کہہ کر سر ہلایا۔ اس نے کہا کہ میرے نام کی ایک کال ہے میں کاؤنٹر کے پاس جا کر وہ کال ریسیو کروں"۔

اس کی باتیں دلچسپی سے سنتے ہوئے میں اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ بول رہی تھی "جب میں نے کاؤنٹر کے پاس پہنچ کر ریسیور لے کر ہیلو کہا تو دوسری طرف سے کسی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا "آشا بیلا کیا تم مجھے میری آواز سے پہچان سکتی ہو؟"

میں نے آشا بیلا سے پوچھا "کیا تم نے اسے پہچان لیا؟"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ وہ مجھے دھمکیاں دے رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ میں نے ہوش میں آنے کے بعد اس ویران مکان میں دیکھا ہے۔ اس کا ذکر کسی سے نہ کروں ورنہ میں پھانسی کے تختے تک پہنچ جاؤں گی"۔

میں نے حیرانی سے پوچھا "پھانسی کا تختہ؟"

وہ روانی میں بولتی جارہی تھی۔ میرے سوال پر چونک گئی کہ اسے پھانسی کے تختے کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ میں اس سے پوچھ لوں گا کہ کس سلسلے میں اسے پھانسی کی سزا ہو سکتی ہے۔ وہ پریشان ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "آشا بیلا شاید تم کچھ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ دیکھو مجھے اپنا بہترین دوست سمجھو۔ میں کوئی خود غرض اور لالچی انسان نہیں ہوں۔ میں ہر حال میں تمہارے کام آؤں گا۔ کیا بات ہے مجھے بتاؤ؟"

وہ پہلے تو ہچکچانے لگی پھر ندامت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی "میں جن حالات سے گزرتی ہوئی یہاں تمہارے پاس پہنچی ہوں۔ ان کا تذکرہ میں یہاں کھلی جگہ نہیں کرسکتی۔ اگر کسی نے سن لیا تو میں واقعی پھانسی کے تختے تک پہنچ جاؤں گی"۔

میں نے حیرانی سے پوچھا "ایسی کیا بات ہے کہ قانون تمہیں سزائے موت سنا سکتا ہے؟"

"بس کچھ ایسی ہی بات ہے۔ میں نے کہا نا کہ میں یہاں نہیں بول سکتی"۔

ہمارے سامنے کھانا آگیا۔ جب بیرا میز پر کھانا چن کر چلا گیا تو میں نے کہا "اچھی بات ہے پریشان ہونا چھوڑ دو۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ چلو کھانا شروع کردو۔ اس کے بعد ہم کسی ایسی جگہ جائیں گے جہاں تنہائی میں تم اپنے حالات بیان کرسکو"۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کھانا شروع کردیا۔ میں نے پوچھا۔ "وہ شخص اور کیا کہہ رہا تھا؟" تم دھیمی آواز میں مجھے بتاؤ"۔

وہ آہستگی سے بولی "وہ کہہ رہا تھا کہ میں اپنی انگلیوں کے نشانات وہاں چھوڑ آئی ہوں۔ پولیس والے ضرور ان نشانات تک پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا جب تک میں زبان بند رکھوں گی کوئی مجھ پر شبہ نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی میرے فنگر پرنٹ یعنی میری انگلیوں کے نشانات طلب کرے گا"۔

میں نے انجان بنتے ہوئے دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔ "جب تم ہوش میں آئی تھیں کیا وہاں کسی کا قتل ہو گیا تھا؟"

اس نے گھبرا کر سر اٹھاتے ہوئے مجھے دیکھا۔ میں نے اسے ایک طرح پچکارتے ہوئے آہستگی سے کہا "گھبراؤ نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ مجھے بتاؤ کیا واقعی کسی کا قتل ہو گیا تھا؟"

اس نے اقرار کرتے ہوئے سر ہلایا۔ میں نے پوچھا "کیا وہ قتل تمہارے ہاتھوں سے ہوا تھا؟"

وہ گھبرا کر "نہیں نہیں" کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ میں نے کہا "اطمینان رکھو تم بے قصور ہو۔ تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اتنا تو پتہ چل گیا ہے کہ یہاں تمہیں جاننے والے موجود ہیں۔ بلکہ جس نے بھی تمہیں فون پر بلایا تھا وہ تمہارے نام سے واقف تھا"۔

وہ بولی۔ "ہاں یہ معلوم ہو گیا کہ اس شہر میں مجھے جاننے والے لوگ ہیں مگر وہ دوست نہیں ہیں۔ دوست ہوتے تو کبھی اس انداز میں دھمکیاں نہ دیتے"۔

میں نے پوچھا "وہ اور کیا کہہ رہا تھا؟"

اس نے سر اٹھا کر پھر مجھے دیکھا اور آہستگی سے بولی "وہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں اور اس کے پاس آ جاؤں"۔

"اس نے تمہیں کہاں بلایا ہے؟"

"وہ صرف مجھے تمہارا ساتھ چھوڑنے اور اپنے پاس آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ میں نے جب یہ کہا کہ میں تم پر اعتماد کرتی ہوں اور جب تک میرا کوئی رشتہ دار یا شناسا نہیں ملے گا میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی تو میرا یہ جواب سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا تھا"۔

"آشا بیلا مجھے تمہاری زبان سے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ تم مجھ پر اس حد تک بھروسہ کرتی ہو مگر اب میری ایک بات پر ضرور عمل کرنا۔ آئندہ کبھی وہ شخص تم سے رابطہ قائم کرے تو تم اس کی بات مان لینا۔ اس پر یہی ظاہر کرنا کہ تم میرا ساتھ چھوڑ رہی ہو اور اس کی طرف آنے پر راضی ہو ———"

وہ میری بات کاٹ کر بولی "نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا میں کسی کو جانے پہچانے اور اس پر اعتماد کیے بغیر اس کی طرف نہیں جاسکتی"۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہ سب کچھ صرف دشمنوں کے خلاف چالیں چلنے کے لیے کہہ رہا ہوں ہم اسی طرح دوستوں اور دشمنوں تک پہنچ سکتے ہیں اور تمہارے خلاف قتل کا اگر کوئی الزام ہے تو دشمنوں کو اپنی گرفت میں لے کر اس الزام کو ختم کرسکتے ہیں"۔

اس نے کھانا چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھی جھکی جھکی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "پتہ نہیں کیوں میں تم پر آنکھیں بند کرکے بھی اعتماد کرسکتی ہوں۔ اور تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتی۔ فار گاڈ سیک ——— جب تک مجھے میری منزل نہ ملے مجھے ایسی چالیں چلنے کے لیے نہ کہو جو مجھے تم سے جدا کردیں"۔

وہ بے حد خوفزدہ تھی۔ اس کا خوف بجا تھا۔ ایک تو مس سلور نے اس سے دشمنی کی تھی۔ دوسری طرف کسی اجنبی نے فون پر دھمکیاں دی تھیں۔ تیسری طرف قانون اسے قاتل ٹھہرانے والا تھا۔ پھر یہ کہ اس کے لیے اس شہر کے لوگ بلکہ ساری دنیا کے لوگ جیسے نقاب پہنے ہوتے تھے۔ نقاب کے پیچھے چھپے ہوئے چہرے نظر نہیں آتے۔ اسی طرح آشا بیلا کو کوئی شناسا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

ہم سے سو گز کے فاصلے پر ابھی تک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ وہاں کانچا نے جو حادثہ کیا تھا پولیس والے اسے گرفتار کرنے کے بعد اس کے ساتھیوں کو پولیس کار میں بٹھا رہے تھے۔ اور بھیڑ کو دور دور تک ہٹا رہے تھے۔ میں نے آشا بیلا سے کہا۔ "ادھر دیکھو وہاں کتنی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ شخص جو بہت دیر سے ہمارا پیچھا کر رہا تھا وہ گرفتار ہو گیا ہے۔ پولیس والے اپنی گاڑی میں اسے لے کر ادھر سے گزرنے ہی والے ہیں۔ تم پہچاننے کی کوشش کرو۔ کیا تم اس شخص کو پہچان سکتی ہو؟"

آشا بیلا کرسی پر گھوم کر سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔ . . پولیس کی

گاڑی کا پنجا اور اس کے ساتھیوں کو بٹھاتے ہوئے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ آشا بیلا نے حیرانی سے کہا ”ہاں ارے یہ تو وہی آدمی ہے۔ جس سے پچھلی رات میں نے چاقو چھین لیا تھا“۔

میں نے انجان بن کر پوچھا ”تم نے اس آدمی کے ہاتھ سے چاقو کیسے چھین لیا تھا؟“

وہ ذرا فخریہ انداز میں بولی ”میں جوڈو کراٹے جانتی ہوں یہ بات مجھے پہلے نہیں معلوم تھی۔ لیکن جب ان بدمعاشوں سے مقابلے کا موقع آیا تو اچانک ہی میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے لگی۔ اس کے بعد ہی مجھے پتہ چلا کہ میں جوڈو کراٹے جانتی ہوں اور اب سے پہلے بھی اچھی طرح دشمنوں کا مقابلہ کر چکی ہوں“۔

میں نے خوش ہو کر کہا ”یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم عام عورتوں کی طرح کمزور نہیں ہو۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود بھی دشمنوں سے ڈرتی ہو۔ اور میری بتائی ہوئی چال پر عمل نہیں کرنا چاہتی ہو۔ اب تو تمہیں مطمئن ہو کر وہی کرنا چاہیے جو میں کہہ رہا ہوں۔ ایک تو تم جوڈو کراٹے جانتی ہو دوسری بات یہ کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ سائے کی طرح رہوں گا۔ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے“۔

وہ دور پولیس کی گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھ کر بولی ”ہاں مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری بدنصیبی کے باوجود میں نصیب والی ہوں میرے ساتھ پے در پے ایسے حادثے پیش آ رہے ہیں جو مجھے تباہ کر دینا چاہتے ہیں لیکن میرا مقدر مجھے بچا رہا ہے۔ تم نے مس سلور کی کوٹھی میں آ کر میری مدد کی ہے۔ یہاں پولیس والے اس بدمعاش کو اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ مجھے اب حوصلہ ہو رہا ہے“۔

میں نے اسے مسکرا کر تعریفی نظروں سے دیکھا۔ وہ بھی مسکرانے لگی میں نے کھانے کا بل ادا کیا۔ پھر ہم وہاں سے اٹھ کر۔۔۔۔۔۔ اپنی ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا ”ہم دوپہر تک کتنے ہی علاقوں کی سیر کر چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تفریح گاہوں کی طرف چلیں۔ ہو سکتا ہے کہ ادھر سے کبھی تمہارا گزر ہوا ہو اور تم وہ جگہ پہچان لو“۔

آشا بیلا راضی ہو گئی۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ وہ ہمیں تفریح گاہوں میں لے چلے۔ آشا بیلا نے مجھ سے پوچھا ”تم خشکی کے راستے سفر کیوں کر رہے ہو؟“

”میں بین الاقوامی سفر کا تجربہ کر رہا ہوں۔ اگر یہ تجربہ دلچسپ رہا تو میں یورپ کی طرف اپنی گشتی گاڑی لے کر جاؤں گا“۔

اس نے پوچھا ”تو پھر یہ تجربہ کیسا رہا؟“

میں نے اس کی طرف شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ تجربہ تو بہت ہی خوبصورت ثابت ہو رہا ہے“۔

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے کہا ”کیسے تجسس بھرے اور خوبصورت ڈھنگوں جیسے حالات پیش آ رہے ہیں۔ مجھے تمہاری جیسی ایک حسین لڑکی مل گئی ہے جو راستہ بھول گئی ہے۔ جس کے پیچھے دشمن لگے ہوئے ہیں قانون بھی دھمکیاں دے رہا ہے اور میں ایک فلمی ہیرو بن کر اس کی مدد کرتا ہوا اس کے ساتھ انجانی منزلوں کی طرف اڑا جا رہا ہوں“۔

وہ مسکرانے لگی۔ میں نے کہا ”یہ ابھی مسکرا رہی ہے۔ لیکن جب یہ تجسس اور اسرار ختم ہو گا کہ تم کون ہو تو اس وقت ہو گا کہ تم کسی ریاست کی شہزادی یا کسی ملک کی ملکہ عالیہ ہو۔ مسکراہٹ معدوم ہو جائے گی اور تم ایک شان بے نیازی سے اپنی مسند پر بیٹھ کر مجھے دیکھو گی۔ پھر کہو گی کہ اس گائیڈ نے بہت ساتھ دیا تھا۔ میری رہنمائی کی تھی۔ اسے کچھ انعام دے کر رخصت کر دو“۔

آشا بیلا نے بڑی بڑی آنکھوں سے گھور کر مجھے دیکھا بولی ”میں ایسی بے حس اور بے مروت نہیں کہ اپنا ساتھ دینے والے کو اپنا گائیڈ سمجھ کر اسے معاوضہ ادا کر کے بھول جاؤں“۔

میں نے اس کی طرف ذرا سا جھک کر پوچھا ”تو اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے کبھی نہیں بھولو گی؟“

اس نے جھینپ کر جلدی سے سر کو جھکا لیا۔ اس کے شرمانے کی اداؤں میں بڑی دلکشی تھی۔ دل اس کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ میں نے اسے بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا ”میں بھی تمہیں کبھی نہیں بھولوں گا۔ لیکن کسی دن تمہارا ساتھ چھوڑ کر جاؤں گا“۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا مجھے سوالیہ نظروں سے اور شکایت آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا ”میں ایک مسافر ہوں۔ میرا کام پچھلے راستوں کو چھوڑ کر اگلے راستوں پر چلنا ہے۔ میں اس وقت تک تمہارا ساتھ دوں گا۔ جب تک کہ تمہاری منزل تمہیں نہیں مل جائے گی۔ اس کے بعد مجھے تو جانا ہی جانا ہے یہ میری مجبوری ہے“۔

اس کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھ کر سوچنے لگی۔ وہ میرے سامنے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی مگر اس کی سوچ کہہ رہی تھی ”میں بھول گئی تھی کہ مسافر سے پیار نہیں کرنا چاہیے۔ وہ آج ہے کل چلا جائے گا۔ بے شک اس وقت تک میرا ساتھ دے گا جب تک کہ مجھے میرے اپنے نہ مل جائیں۔ لیکن — لیکن پتہ نہیں میرے دل کو کیا ہو

رہی مجھے اپنوں سے زیادہ اپنا لگ رہا ہے۔ یہ چلا جائے گا تو ایک بار پھر میں اجنبی لوگوں کی دنیا میں پہنچ جاؤں گی۔ جو اپنے ہوں گے، اس اجنبی کے بغیر وہ سب اجنبی لگیں گے“۔

اس کی سوچ نے حوصلہ دیا تو میں نے اس کے ایک ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ گورا گورا گلابی گلابی سا ہاتھ میرے ہاتھوں میں ایک سہمی ہوئی چڑیا کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس کے جذبوں کی عکاسی کر رہا تھا۔ اگر جذبے میری مخالفت کرتے تو وہ ہاتھ چھڑا لیتی۔ مگر وہ اس ہاتھ کو پیش لفظ بنا کر اپنے سارے وجود کو میری مٹھی میں دے دینا چاہتی تھی لیکن اس کے لیے وہ سوچ رہی تھی۔ سمجھ رہی تھی۔ فیصلے کر رہی تھی۔ میں اس کے فیصلوں میں رکاوٹ بننا نہیں چاہتا تھا اسے حاصل تھا کہ وہ سوچ سمجھ کر میری طرف قدم بڑھائے۔

میں نے اس کی ہتھیلی کی پشت کو ہولے ہولے سہلاتے کہا ”یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ یہاں مسافر ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں مگر جب تک ملتے رہتے ہیں اس وقت تک ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور ایک کا سہارا دوسرے کو ملتا رہتا ہے۔ یہی اس دنیا کا دستور ہے۔ جب تک ہم مل رہے ہیں، ملنے کی باتیں سوچو۔ بچھڑنے کے بعد کی بھی بات ایک ایسی بات ہوتی ہے جو صرف یاد کرنے کے لیے رہ جاتی ہے“۔

وہ جواباً کچھ نہ کہہ سکی۔ ہماری ٹیکسی ایک گارڈن کے بڑے پھاٹک پر پہنچ کر رک گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہماری طرف گھوم کر کہا ”جناب یہ اس شہر کا بہت بڑا گارڈن ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ یہاں تفریح کے لیے بڑے بڑے سرمایہ دار اپنی بیویوں یا محبوباؤں کے ساتھ آتے ہیں“۔

اس کی بات سن کر میں نے آشا بیلا کو دیکھا۔ وہ بیوی نہیں تھی۔ شاید محبوبہ بننے والی تھی۔ اس نے پوچھا ”تو اس جنگل میں جا کر ہم کیا کریں گے؟“

ڈرائیور نے کہا ”یہاں تفریح کا بہت سامان ہے۔ یہاں کے جنگل میں شیر چیتے اور دوسرے خطرناک درندے آزادانہ گھومتے رہتے ہیں اور تفریح کرنے والے اپنی کاروں میں یا منی ٹرین میں بیٹھ کر اس جنگل کی سیر کرتے ہیں“۔

اس کی بات سن کر مجھے یاد آیا کہ کینیا میں ایسا ہی ایک جنگل ہے جو سیکڑوں میل تک پھیلا ہوا ہے۔ وہاں جانور اور خطرناک درندے آزادانہ گھومتے ہیں اور انسان گاڑیوں میں بند ہو کر اس جنگل کی سیر کرتے ہوئے ان درندوں کو دیکھتے ہیں میری معلومات کے مطابق رنگون شہر میں ایسا کوئی تفریحی جنگل نہیں تھا۔ شاید حال ہی میں افریقی جنگل کی نقالی کرتے ہوئے تفریح کی غرض سے مصنوعی جنگل بنایا گیا تھا۔

آشا بیلا کی نگاہوں نے مجھ سے پوچھا ”کیا خیال ہے تمہارا؟“

میں نے اس سے آہستگی سے کہا۔ ”جس نے تمہیں فون کیا تھا وہ یقیناً ہمارا تعاقب کر رہا ہو گا۔ آدمیوں کے اس بھرے جنگل میں ہم اس تعاقب کرنے والے کو دیکھ نہیں سکتے۔ چلو جانوروں کے اس جنگل میں جائیں۔ شاید وہ آدمی ہمیں تعاقب کرتا ہوا نظر آ جائے۔ ہمیں اسے پکڑنا ہے اور اس سے معلوم کرنا ہے کہ وہ کس حیثیت سے تمہیں جانتا ہے“۔

وہ قائل ہو کر میرے ساتھ ٹیکسی سے باہر آ گئی۔ ڈرائیور نے کہا ”جناب یہ کم از کم چار گھنٹے کی تفریح ہو گی۔ اس وقت تک میں انتظار نہیں کر سکوں گا۔ بہتر ہے کہ میری چھٹی کر دیں“۔

آشا بیلا نے اپنا پرس کھول کر اسے کچھ نوٹ گن کر دیے کچھ انعام بھی دیا۔ پھر ہم وہاں سے پلٹ کر گارڈن کے پھاٹک کی طرف جانے لگے۔ وہاں پھاٹک کے قریب پہنچتے ہی آشا بیلا ایک دم سے ٹھٹھک گئی۔ پھاٹک پر دربان کی حیثیت سے ایک جنگلی آدمی نیزہ لیے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ صرف درختوں کے پتوں سے اپنے بدن کو ڈھانپ رکھا تھا۔

میں نے آشا بیلا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

وہ اس جنگلی کی طرف انگلی اٹھا کر آہستگی سے بولی ”میں اسے دیکھتے ہی ایک دم سے چونک گئی ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ میں اسے پہلے بھی دیکھ چکی ہوں بلکہ یہاں پہلے بھی آ چکی ہوں“۔

میں نے خوش ہو کر کہا ”یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تمہارا ذہن تمہیں کچھ اشارے دے رہا ہے۔ آؤ آگے بڑھیں۔ شاید تمہیں کچھ اور یاد آ جائے“۔

جب ہم پھاٹک سے داخل ہونے لگے۔ تو جنگلی کا روپ اختیار کرنے والا دربان جھک جھک کر ہمیں سلام کرنے لگا۔ گارڈن کے اندر پہنچتے ہی ہمیں یوں لگا کہ جیسے ہم افریقہ کی کسی دیہاتی بستی میں چلے آئے ہیں۔ وہاں دور دور پر پھوس کی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ چھوٹے دیہاتی ہوٹلوں کی طرح ہوٹلوں کے باہر لکڑیوں کے بنچ یا بید کی کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ منی ٹرین کا بکنگ آفس بھی پھوس کی جھونپڑیوں سے بنایا گیا تھا۔ وہاں بڑے بڑے رئیس زادے اور زادیاں نظر آ رہے تھے۔ وہ واقعی مہنگی

تفریح بھی۔ غریبوں کا گزر ممکن نہیں تھا۔ ہم نے بکنگ آفس میں جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جنگلوں میں جانے کے لیے جو مخصوص جیپ کاریں ہوتی ہیں وہ ریزرو ہو چکی ہیں اور ٹرین کے جو اسپیشل کمپارٹمنٹ ہوتے ہیں۔ وہ بھی ریزرو ہو چکے ہیں۔ ہمیں دوسرے دن کے لیے بکنگ کرانی ہوگی۔

آشا بیلا وہاں کے ماحول کو دور دور تک خوابیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ابھی سو کر اٹھی ہو اور جاتے پہچانے ماحول کو از سر نو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے اس سے کہا "شاباش یہ اچھی بات ہے۔ آہستہ آہستہ ذہن کو اس ماحول کے مطابق ڈھالتی رہو اور سوچتی رہو۔ تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور یاد آئے گا۔"

وہ اچانک ہی بے اختیار میرے بازو کو تھام کر بولی "مجھے کچھ یاد آ رہا ہے۔ وہ جو ایک ریسٹورنٹ کا بورڈ لگا ہوا ہے اس ریسٹورنٹ کے پیچھے ایک پھونس کی جھونپڑی ہے۔ وہاں ایک ... یعنی افریقی جنگل کی ایک جادوگرنی رہتی ہے اور وہ معقول رقم لے کر لوگوں کو قسمت کا حال بتاتی ہے۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "آؤ ہم وہاں چل کر دیکھ لیتے ہیں کہ کہاں تک تمہارا یہ خیال درست ہے۔"

ہم دونوں وہاں سے تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے اس ریسٹورنٹ کے پیچھے گئے۔ دور ہی سے ایک جھونپڑی نظر آئی۔ جس کی پیشانی پر وچ ڈاکٹر کا بڑا سا سائن بورڈ لگا ہوا تھا۔ آشا بیلا خوشی سے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دباتے ہوئے بولی۔ "میری یادداشت واپس آ رہی ہے۔ دیکھو میری یادداشت صحیح صحیح واپس آ رہی ہے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ درست نکلا۔"

میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ تم کبھی اس وچ ڈاکٹر کے پاس بھی گئی ہو۔ آؤ ہم وہاں بھی چلتے ہیں۔ شاید وہاں پہنچ کر تمہیں کچھ اور باتیں یاد آ جائیں۔"

وہ خوشی خوشی میرے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی جھونپڑی کے دروازے تک گئی۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی تھے، مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں۔ ہم وہاں پہنچے تو ایک بڑے ہال میں وہ جادوگرنی اپنے بہت سے جادو کے آلات لیے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ آلات کیا تھے انسانی ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں تھیں۔ اور انسانی کھوپڑیاں تھیں۔ مٹی کے پتلے بنے ہوئے تھے۔ ہال میں بڑے بڑے دولتمند اپنی اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ جس وقت ہم وہاں پہنچے تو ایک مرد اور ایک عورت جادوگرنی کے سامنے ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھے ہوئے تھے اور جادوگرنی ان سے کہہ رہی تھی۔ "آج کا دن تم میاں بیوی کے لیے منحوس ہے۔ تم دونوں کو گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔

کہیں نہ کہیں حادثے کا امکان ہے۔ بہتر ہے کہ آج کا باقی دن دونوں گھر کی چہار دیواری میں گزارو اور ہو سکتا ہے کہ کل تک تمہیں کوئی خوشخبری سننے کو ملے۔ کہیں سے زیادہ دولت کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

یہ باتیں سن کر دونوں میاں بیوی پریشان ہو گئے۔ مرد نے کہا "ٹھیک ہے ہم ابھی گھر واپس چلے جائیں گے۔ ہم نے جنگل کی سیر کرنے کے لیے منی ٹرین کا بہت مہنگا ٹکٹ لیا تھا۔ لیکن ہم اسے واپس کر دیں گے۔

ہم بڑے اچھے وقت پر یہاں پہنچے تھے۔ ہمیں اس ٹکٹ کی ضرورت تھی۔ میں نے فوراً ہی جادوگرنی کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔ اس وچ ڈاکٹر نے میری سوچ کے مطابق کہا۔ تم اپنا ٹکٹ لے کر اس ہال کے دروازے پر جاؤ۔ وہاں تمہیں اس ٹکٹ کا خریدار مل جائے گا۔"

وہ دونوں میاں بیوی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے وچ ڈاکٹر کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ چونک کر سوچ رہی تھی۔ ابھی میں نے کیا کہہ دیا ہے۔ اس ہال کے دروازے پر کون خریدار اسے مل سکتا ہے۔ اس تجسس کے تحت اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تو مجھ سے نظریں ٹکرا گئیں۔ وہ دونوں میاں بیوی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازے پر پہنچ گئے تھے میں نے اس شخص کو مخاطب کیا۔ "مسٹر میں ابھی اس وچ ڈاکٹر کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے ٹکٹ کی ضرورت ہے۔ بولو کتنی رقم نکال کر دوں؟"

آشا بیلا نے اپنا پرس کھولا پھر اس کی بتائی ہوئی رقم ادا کر کے ٹکٹ کو اپنے پرس میں رکھ لیا۔ وہ دونوں میاں بیوی وہاں سے چلے گئے۔ وہ وچ ڈاکٹر ابھی تک ہماری جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے آگے اور دو شخص آ کر دوزانو ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اس نے ان لوگوں سے ہٹ جانے کے لیے کہا پھر میری طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی طرف مجھے بلانے لگی۔

میں آشا بیلا کا ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑے رعب و دبدبے سے بولی۔ "بیٹھ جاؤ۔"

میں اور آشا بیلا اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر وہ میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ گھور کر دیکھنے لگی۔ میں بھی اسے پلک جھپکائے بغیر دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا۔ کہ وہ ہپناٹائز کرنا جانتی ہے اور اس کے ذریعے اپنے پاس آنے والوں کو اتنا متاثر کر دیتی ہے کہ جو بات وہ کہتی ہے۔ آنے والے اسے مان کر واپس چلے جاتے ہیں۔

میں نے اسے ہپناٹائز کرنے والے انداز میں نہیں دیکھا۔ تاہم شمع بینی کے ذریعے میری آنکھوں میں اتنی گہرائی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ آنکھیں ذرا دیر ایک ٹک دیکھ لینے کے بعد دوسری آنکھوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھیں۔ وہ وچ ڈاکٹر میری نظر بازی سے ایک دم گڑبڑائی۔ جلدی سے دوسری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "کیا جانتے ہو؟ کیا پوچھنے آئے ہو؟"

یہ پوچھتے ہوئے وہ آشا بیلا کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے کہا "میں اس لڑکی کے متعلق پوچھنے آیا ہوں۔ اس کا نام آشا بیلا ہے۔ کیا یہ پہلے کبھی تمہارے پاس آئی تھی؟"

اس نے جواب دیا۔ "میرے پاس سیکڑوں ہزاروں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ میں یہ یاد نہیں رکھ سکتی کہ کون کس وقت آیا تھا۔ ہاں مگر یہ عورت انتہائی خوبصورت ہے۔ اس کا چہرہ میری نظروں میں رہ گیا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق یہ آج سے چار یا پانچ ماہ پہلے ایک بھاری بھرکم شخص کے ساتھ یہاں آئی تھی اور اب مجھے اچھی طرح یاد آ رہا ہے۔ مجھے اپنی یادداشت پر فخر ہے۔ اس شخص کا نام جے جوالا تھا۔"

یہ نام سنتے ہی میں چونک گیا۔ کیونکہ رامیشور کے دیے ہوئے لفافے سے جو ٹیلی گرام برآمد ہوا تھا۔ اس میں ٹیلی گرام دینے والے کا نام جے جے لکھا ہوا تھا اب معلوم ہوا کہ اس کا پورا نام جے جوالا ہے۔

میں نے آشا بیلا کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ ایک طرف خلا میں گھورتی ہوئی جے جوالا کی صورت یاد کر رہی تھی۔ اس کے دماغ کی اسکرین پر ایک شخص کا خاکہ ابھر رہا تھا۔ لیکن وہ دھندلا سا تھا۔ چہرہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ بہت ہی قد آور اور ڈیل ڈول میں پہاڑ جیسا تھا۔ یقیناً وہ تصور میں جے جوالا کو دیکھ رہی ہو گی۔

میں نے اس وچ ڈاکٹر کی فیس ادا کرنا چاہی۔ وہ لینے سے انکار کرتے ہوئے بولی۔ "مسٹر میں تم سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہوں۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام اب کچھ بھی ہو۔ تمہیں اس سے دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ مجھ سے مل کر تم اپنا وقت ضائع کرو گی۔ میں تمہارے ہتھکنڈے سمجھ گیا ہوں کہ کس طرح تم یہاں بیٹھ کر کمائی کر رہی ہو۔ بس اب مجھے چپ چاپ چلا جانے دو۔"

وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں آشا بیلا کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ آشا بیلا نے کہا۔ "مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے۔ جادوگرنی کے سامنے ابھی جہاں تم بیٹھے ہوئے تھے

وہاں مجھے ایسا لگا کہ کبھی کوئی شخص میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا وہ قد میں بہت اونچا تھا اور بہت ہی بھاری بھرکم یعنی موٹا تازہ آدمی تھا۔ لیکن مجھے یہ یاد نہیں آ رہا ہے کہ وہ کون تھا۔ لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ واقعی اس کا نام جے جوالا ہو گا۔"

میں نے اس کے شانے کو تھپتھپا کر کہا۔ "یہ بات اطمینان بخش ہے کہ رفتہ رفتہ تم بہت سی باتیں یاد کرتی جا رہی ہو۔ انشاءاللہ جلد ہی اپنے آپ کو پہچاننے لگو گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہاں سے اعلان ہونے لگا کہ منی ٹرین پندرہ منٹ کے بعد روانہ ہونے والی ہے۔ مسافر اپنی اپنی سیٹ پر پہنچ جائیں۔ میں نے آشا بیلا سے کہا۔ "اب پھر تمہاری آزمائش ہے۔ سوچ کر بتاؤ کہ منی ٹرین کا اسٹیشن کدھر ہے ہم اسی طرف جائیں گے۔"

وہ سوچتے ہوئے ایک طرف بڑھنے لگی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہاں اونچی نیچی مصنوعی پہاڑیاں، ٹیلے اور بڑی بڑی چٹانیں رکھی ہوئی تھیں گھنی جھاڑیاں بھی اگائی گئی تھیں۔ ہمیں ادھر سے ادھر۔ ان جھاڑیوں اور ٹیلوں سے کترا کر گزرنا پڑتا تھا۔ وہاں اور بھی بہت سے مہذب لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ گھوم رہے تھے لیکن لیے جنگلی بھی موجود تھے جنہوں نے اپنے جسموں پر رنگوں سے نقش و نگار بنائے ہوئے تھے۔ اور ہاتھوں میں نیزے لیے ہوئے تھے۔ وہ اچانک ہی کبھی کسی جھاڑی یا ٹیلے کے پیچھے سے نکل کر سامنے پہنچ کر نیزے لہراتے ہوئے ناچنے لگتے تھے۔ وہاں تفریح کرنے والے پہلے تو ڈر جاتے پھر قہقہے لگانے لگتے تھے۔ بہرحال جب ہم ایک پہاڑی کے پیچھے پہنچے تو ایک ہل اسٹیشن نظر آیا جہاں ایک منی ٹرین روانگی کے لیے تیار کھڑی تھی۔

میں نے خوش ہو کر کہا۔ "واہ تم نے تو کمال کر دیا۔ بالکل صحیح جگہ پہنچا دیا۔ اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ اسی جگہ تمہاری یادداشت واپس آ جائے گی۔"

ہل اسٹیشن پر اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ کتنے ہی ملکوں کی عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ نظر آ رہی تھیں۔ ان کا لباس ان کے زیورات اور ان کی سج دھج دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ سب کی سب انتہائی دولت مند ہیں اور مہنگی تفریح کے لیے وہاں آتے ہوتے ہیں۔ تنہا سفر کرنے والوں کے لیے الگ کمپارٹمنٹ تھے۔ ہر ایک کے لیے ایک ایک سیٹ ریزرو کی جاتی تھی اور جو لوگ اپنی بیویوں یا دوستوں کے ساتھ آتے تھے ان کے لیے اسپیشل کیبن ریزرو کیے جاتے تھے۔

میں نے جو ٹکٹ اس آدمی سے حاصل کیا تھا۔ اس کے مطابق میرے اور آشا بیلا کے لیے سترہ نمبر کا کیبن مخصوص تھا۔ وہ کیبن چھوٹا سا تھا مگر خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک چھوٹا سا بستر تھا۔ دوسری طرف کھڑکی کے سامنے دو کرسیاں تھیں جن کے درمیان کھانے کے لیے ایک میز رکھی ہوئی تھی وہاں بیٹھ کر گزرتے ہوئے مناظر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ آشا بیلا نے کہا۔ "یہاں کی ہر چیز جانی پہچانی لگ رہی ہے۔ یقیناً میں نے پہلے بھی اسی ٹرین میں سفر کیا ہے۔ اور اس سفر میں بھی جیسے تم میرے ہمسفر رہے تھے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں تو نہیں تھا۔ ہاں کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ شاید تمہارا کوئی آئیڈیل چاہنے والا یا تمہارا شوہر تمہارا ایسا کوئی ساتھی ضرور ہوگا۔ یاد کرنے کی کوشش کرتی رہو۔"

"شوہر۔ محبوب؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی۔ جیسے مجھے شوہر یا محبوب کے روپ میں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ زیر لب بڑی آہستگی سے بولی۔ "مجھے یقین نہیں آتا کہ اب سے پہلے میں کسی کے اتنے قریب رہی ہوں۔ جتنا کہ تمہارے قریب آ گئی ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میرا کوئی ساتھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں کوئی دوسرا رشتہ دار ہو سکتا ہے۔"

مجھے اس کی باتوں سے ذرا اطمینان ہوا کہ واقعی اس کا کوئی دوسرا رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ یہاں سفر کرنے والا اس کا کوئی محبوب یا شوہر ہو۔

وہ میرے رو برو کھڑی ہوئی تھی۔ سر سے پاؤں تک ایک سانس لیتا ہوا مجسمۂ غضب ڈھا رہا تھا۔ ساڑھی میں اس کے بدن کی خوبصورتی اتنے خوبصورت انداز میں اجاگر ہو رہی تھی کہ اسے دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ اچانک ہی ٹرین ایک ہلکے جھٹکے سے آگے بڑھی تو وہ مجھ سے ٹکرا گئی۔

جیسے جیسے ٹرین آگے بڑھتی گئی جنگل ہرا ہوتا گیا۔ وہ ٹرین جنگل میں منگل منانے کے لیے ہی چلائی گئی تھی۔ لیکن منگل منانے سے پہلے ہی وہ ایک جھٹکے سے الگ ہو گئی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ زور زور سے سانس لے رہی تھی۔ جیسے جذبوں کی ہلچل میں ہانپ رہی ہو۔ وہ مجھ سے دور ہوتے ہوئے پیچھے کی طرف ہٹتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر مجھ سے کہنے لگی۔ "میں بہت آگے بڑھ رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ تم سے دور رہنا چاہتی ہوں مگر نہیں رہ سکتی۔ پہلے وعدہ کرو کہ میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑو گے۔"

میں نے کہا۔ "تم بے حد حسین ہو۔ تمہیں سانسوں کے قریب پا کر ابھی پتہ چلا کہ بے مثال بھی ہو۔ تمہارے لیے کوئی بھی جھوٹی قسمیں کھا سکتا ہے۔ تمہیں حاصل کرنے کے لیے جھوٹے وعدے کر سکتا ہے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں تمہیں چاہتا ہوں لیکن ہمیشہ ساتھی بن کر نہیں رہ سکتا۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں ایک مسافر ہوں اور میری گشتی گاڑی چیک پوسٹ پر کھڑی ہوئی ہے۔ تمہارا کام ختم ہوتے ہی تمہیں منزل پر پہنچاتے ہی میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

وہ منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ کھڑکی کے باہر گزرتے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگی۔ بظاہر وہ چپ تھی لیکن اس کے اندر آندھی چل رہی تھی۔ وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اور اپنے آپ کو سمجھا رہی تھی کہ ایک پردیسی کا پیار اسے بڑا مہنگا پڑے گا۔ اسے سمجھنا چاہیے اور اس پردیسی سے دور ہی دور رہنا چاہیے۔

لیکن قریب ہو کر دور ہونا آسان نہیں تھا۔ وہ کیبن ایک بند کمرے کی طرح تھا۔ میں تھا اور وہ تھی اور منہ زور جذبے تھے۔ ان جذبوں سے پیچھا چھڑانا تقریباً ناممکن تھا کیونکہ مجھ سے زیادہ وہ بھٹکی ہوئی تھی۔ اتنی بڑی دنیا میں اس کا کوئی نہیں تھا اور وہ صرف مجھے ہی اپنا سمجھ کر شاید پہلی بار اپنے آپ کو نچھاور کر دینا چاہتی تھی۔

وہ اچانک اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں جاؤں گی۔"

میں نے پوچھا۔ "کہاں جاؤ گی؟"

"بس یونہی کیبن سے باہر جاؤں گی۔ یہاں کہیں ریسٹورنٹ ہوگا وہاں بیٹھ کر کافی پیوں گی۔"

"چلو میں بھی چلتا ہوں۔"

"نہیں۔ مجھے جانے دو۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

"بہتر ہے کہ تم یہیں رہو۔ میں باہر چلا جاتا ہوں۔"

"نہیں۔ میں جاؤں گی۔ یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے میرا راستہ نہ روکو۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ آگے بڑھی۔ مجھ سے کتراتی ہوئی دروازے کی طرف گئی۔ پھر اسے کھول کر باہر نکلنا چاہتی تھی مگر لڑکھڑا کر واپس میری طرف آ گئی۔ میں نے اسے پکڑ لیا۔ ورنہ وہ فرش پر گر پڑتی۔ اسے سہارا دینے کے لیے میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تو ایک شخص ہاتھ میں ریوالور لیے کھڑا تھا۔ وہ دروازے سے ٹیک لگائے ہوتے تھا تاکہ باہر سے

کوئی اندر نہ آ سکے۔ اس نے بڑی سفاکی سے مگر آہستگی سے کہا۔ "خبردار! ذرا بھی آواز نہ نکلے۔ اگر کسی نے شور مچایا تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

آشا بیلا مجھ سے چپک گئی تھی۔ میں نے اس انجانے دشمن کو دیکھا اس کا سر صاف تھا مونچھیں دونوں باچھوں کی طرف سے لٹک رہی تھیں۔ چہرے پر چاقوؤں سے حاصل ہونے والے کئی زخموں کے نشان تھے۔ وہ صورت شکل سے ہی قاتل اور درندہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا تھا۔

میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پتہ چلا کہ وہ ہر حال میں آشا بیلا کو قتل کر کے یہاں سے بھاگنا چاہتا تھا۔ آشا بیلا کی زندگی سے اسے نقصان پہنچنے والا تھا۔ آشا بیلا نے سہم کر پوچھا۔ "کیا تم وہی ہو جس نے ریسٹورنٹ میں مجھے فون کیا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں میں وہی ہوں۔ تم نے کل سے مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔ میں نے آشا بیلا کا نام لے کر آج ریسٹورنٹ میں تمہیں فون کیا تھا۔ تو تم نے وہ کال اٹینڈ کی۔ مجھ سے فون پر باتیں کیں۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ تم وہی ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ افسوس تمہارے دھوکے میں میں نے دوسری عورت کو قتل کر دیا۔"

آشا بیلا نے پوچھا۔ "کیا وہ عورت جو زینے کے نیچے پڑی ہوئی تھی۔ اسے تم نے ہلاک کیا تھا؟"

"ہاں آشا بیلا کو قتل کرنے کے بعد مجھے پانچ سو ڈالر معاوضے کے طور پر ملنے والے تھے۔ مگر کل رات پتہ چلا کہ میں نے جسے قتل کیا ہے اس کا نام آشا بیلا نہیں بلکہ ایزا بیلا تھا۔ اس ملتے جلتے نام نے مجھے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن وہاں ریسٹورنٹ میں آشا بیلا کے نام سے فون کرنے پر جب تم نے فون اٹینڈ کیا تو اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ تم ہی میرا شکار ہو اور اب میں وہ پانچ سو ڈالر حاصل کرنے کے لیے تمہارا کام تمام کرنے آیا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کا رخ آشا بیلا کی طرف کر دیا وہ کسی قسم کی چھوٹ نہیں دینا چاہتا تھا۔ کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہر حال میں آشا بیلا کی موت اس کے لیے لازمی تھی۔ اُسی وقت میں نے اس کے دماغ کو ایک ہلکا سا جھٹکا پہنچایا۔ وہ ذرا سا لرز گیا۔ اسی وقت میں نے اس کے ریوالور والے ہاتھ پر ایک ٹھوکر ماری۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکلا پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ تو وہ میری طرف کھنچتا چلا آیا۔ میں نے اس کے پیٹ پر ایک گھٹنا مارا۔ وہ درد کی شدت سے جھک گیا۔ دوسری بار میں نے اس کے منہ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ وہ الٹ کر بستر کی طرف چلا گیا۔ زیادہ

ہنگامہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر فرش پر سے اس کا ریوالور اٹھا لیا۔

وہ بستر کے پاس گرنے کے فوراً بعد ہی اٹھ رہا تھا۔ لیکن میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ میں نے کہا۔ "بیٹے چپ چاپ فرش پر بیٹھے رہو۔ اور جو سوال کرتا ہوں اس کا صحیح جواب دیتے رہو۔ ورنہ ایک گولی تمہاری کھوپڑی میں اتر جائے گی۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آشا بیلا کو قتل کرنے کے لیے کون تمہیں معاوضہ دے رہا ہے؟"

پہلے تو وہ پس و پیش میں رہا۔ پھر ریوالور کو دیکھ کر اسے اپنی موت نظر آئی۔ اس نے جواب دیا۔ "جے جوالا۔ اس کا نام جے جوالا ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ آج رات لندن کی فلائیٹ سے یہاں دس بجے پہنچنے والا ہے۔ وہ آشا بیلا کی لاش کی تصویریں دیکھنے کے بعد معاوضہ ادا کرے گا۔"

میں نے دوسرا سوال کیا۔ "وہ اس بے گناہ کو قتل کیوں کرانا چاہتا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ ہم صرف معاوضہ لے کر کام کرتے ہیں۔ کسی سے اس کا مقصد نہیں پوچھتے۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ کیسے معلوم ہوا کہ ایزا بیلا قتل کی گئی ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "جس مکان میں اسے قتل کیا گیا تھا وہاں گلی میں کچھ بچے گیند کھیل رہے تھے۔ ان کی گیند اس مکان کے ٹوٹے ہوئے دروازے سے گزر کر اندر چلی گئی۔ بچے جب اس گیند کو لینے گئے تو انہوں نے اس مردہ عورت کو دیکھا پھر باہر آ کر شور مچانے لگے۔ معاملہ پولیس تک پہنچ گیا۔ پولیس والوں نے تحقیقات شروع کی۔ تو ایک ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ وہ لڑکی ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں تک آئی تھی۔ اس نے رینکن اسٹریٹ کے مکان نمبر چھ تک پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا۔ پولیس والے سمجھ گئے کہ وہ اپنا تمام لگیج ایئرپورٹ کے لاکر میں رکھ کر گئی ہوگی۔ ایئرپورٹ پر پہنچ کر تحقیقات کی گئی۔ اس کے لاکر کو کھولا گیا۔ اس کے سامان کی تلاشی لی گئی۔ پتہ چلا کہ وہ لندن سے آئی تھی اور اس کا نام ایزا بیلا تھا۔"

اس بار آشا بیلا نے سوال کیا۔ "تم نے مجھے فون پر کہا تھا کہ وہاں میری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟"

وہ شخص جواب میں "ہاں" کہنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اس کی سوچ پڑھی۔ بات درست نہیں تھی۔ میری خیال خوانی نے اسے سچ بولنے پر مجبور کیا۔ تو وہ بولا۔ "نہیں۔ تمہاری انگلیوں کے نشان

وہاں ضرور رہے ہوں گے۔ لیکن پہلے وہ گیند کھیلنے والے بچے اس مکان میں آئے تھے۔ پھر محلے والے آتے جاتے رہے اور اس لڑکی کی لاش دیکھتے رہے۔ پھر پولیس والے آتے۔ اتنے لوگوں کے آنے جانے میں تمہاری انگلیوں کے یا دوسرے نقطوں میں تمہاری موجودگی کے نشانات وہاں سے مٹ چکے تھے۔"

آشا بیلا نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔ "شکر ہے اب مجھ پر الزام عائد نہ ہو سکے گا۔"

میں نے اس غنڈے سے پھر ایک سوال کیا۔ "مجھے بتاؤ کہ تم نے ایزا بیلا کو آشا بیلا کیسے سمجھ لیا؟ اور وہاں اسے کس طرح ہلاک کیا۔ مجھے پوری کہانی تفصیل سے سناؤ۔"

وہ کہنے لگا۔ "میرے پاس آشا بیلا کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ جن لوگوں سے قتل کا سودا ہوا تھا۔ وہ بمبئی سے جولا لندن میں بیٹھا ہوا ہے۔ جو کہ آج رات کو یہاں پہنچے گا۔ وہ وقت پر آشا بیلا کی تصویر فراہم نہ کر سکا۔ ہمیں اس کا حلیہ بتایا گیا اور کہا گیا کہ پہلے اس لڑکی سے اس کا نام معلوم کیا جائے۔ جب وہ خود بتائے گی کہ اس کا نام آشا بیلا ہے۔ تب اس پر قاتلانہ حملہ کیا جائے پھر دوسری بات یہ کہ ہمیں ویکسن اسٹریٹ کے مکان نمبر چھ کا پتہ دیا گیا تھا۔ اور یہ کہا گیا تھا کہ آشا بیلا تقریباً چار بجے شام کو اس مکان میں آئے گی۔

میں نے آشا بیلا کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "تمہیں کچھ یاد آرہا ہے کہ تم اس مکان میں چار بجے شام کو کیوں جانیوالی تھیں؟"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے۔"

میں نے اس قاتل سے پوچھا۔ "اچھا تم بتاؤ اس کے بعد کیا ہوا؟"

وہ پھر کہنے لگا۔ "میں چار بجے سے پہلے ہی اس مکان میں پہنچا تو اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ میں زینے کے نیچے جا کر چھپ گیا۔ تھوڑی دیر بعد . . . ایک لڑکی ساڑھی پہنے ہوئے ہاتھ میں پرس لیے ہوئے اس مکان میں داخل ہوئی۔ میں زینے کے نیچے سے نکل آیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی ٹھٹھک گئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ وہ ذرا انگریزی لہجے میں شاید لڑا کر بول رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام ایزا بیلا ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ اپنے نام کو بگاڑ کر بول رہی ہے۔ آشا بیلا کے بجائے ایزا بیلا کہہ رہی ہے لیکن وہ ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ میں اسے انگریز نہیں سمجھ سکتا تھا کیونکہ اسنے ہندوستانی عورتوں کی طرح چوٹی گوندھی ہوئی تھی۔ اور زبان بھی صاف طریقے سے بول رہی تھی صرف نام ذرا غلط بتا رہی تھی۔ یعنی وہ نام غلط بھی نہیں تھا۔ ایزا بیلا سکو آشا بیلا ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ اور پھر میں نے سوچا کہ اس وقت چار بجے شام کو وہاں صرف آشا بیلا ہی آنے والی تھی —— کسی دوسری عورت کے آنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔"

"اچھا تو تم نے اسے آشا بیلا سمجھ کر اس پر قاتلانہ حملہ کیا؟"

"ہاں میں نے اس پر حملہ کیا۔ وہ بڑی زور دار تھی۔ آسانی سے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ لڑنے جھگڑنے کے دوران وہ بار بار دروازے سے ٹکراتی رہی جس کے نتیجے میں دروازے کی کنڈی بھی ٹوٹ گئی۔ بالآخر میں نے اس پر قابو پا ہی لیا۔ اور اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا۔ جب میں زینے پر چڑھتا ہوا واپس اس مکان سے جا رہا تھا۔ تب میں نے دیکھا کہ آشا بیلا اس مکان کی طرف آرہی تھی۔ اس وقت یہ بلاؤز اور اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ اور دیسی عیسائی لگ رہی تھی۔ اور کسی صورت سے اسے ہندوستانی آشا بیلا نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ جب یہ مکان میں داخل ہوئی تو مجھے دیکھتے ہی ٹھٹھک گئی۔ وہاں سے میں قتل کرنے کے بعد فوراً ہی نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ ایک جھٹکے سے کھینچا۔ یہ لڑکھڑاتی ہوئی زینے کے اوپری قدمچے پر آئی۔ میں نے پیچھے سے اس کے سر پر زوردار ضرب لگائی۔ یہ کراہتی ہوئی زینے پر گری پھر لڑکھڑاتی ہوئی درمیانی زینے پر پہنچ کر تھم گئی۔ میں نے چند سیکنڈ تک اسے دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ میں وہاں سے نکل کر بھاگ گیا۔"

میں نے پوچھا۔ "اب تمہارا کیا خیال ہے۔ یہاں سے زندہ سلامت بھاگ کر جا سکتے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہم قتل کرتے ہیں اس لیے کسی دن قتل بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ کھیل ہمارے لیے پرانا ہے۔ ویسے میں سمجھتا ہوں کہ تم مجھے قتل کرنے کی حماقت نہیں کرو گے تمہارے جیسے شہری قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیا نہیں کرتے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ لیکن ایک شرط ہے کہ تم اس کیبن سے نکل کر اس ٹرین میں نہیں رہو گے۔ اگلے کسی اسٹیشن پر اتر جاؤ گے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔ "اب کیا دیکھتے ہو؟ دروازہ کھولو اور باہر نکل جاؤ۔"

آشا بیلا نے کہا۔ "طارق یہ تم کیا کر رہے ہو۔ اسے یونہی چھوڑ رہے ہو۔ یہ میری جان کا دشمن ہے۔ یہاں سے زندہ

جائے گا تو پھر کسی موقعہ پر مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

میں نے کہا۔ "یہ اگر آئندہ ہمارے راستے میں آئے گا تو زندہ نہیں بچے گا۔ اسے جانے دو۔ تم فکر نہ کرو۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ آشا بیلا کو میرا یہ طریقہ کار پسند نہیں آیا۔ وہ اعتراض کر رہی تھی۔ میں نے اسے ریوالور دیتے ہوئے کہا۔ دروازہ اندر سے بند کرو۔ میں ذرا ٹائلٹ سے ہو کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں ٹائلٹ کے اندر چلا گیا مقصد یہ تھا کہ وہاں خاموش رہ کر اس قاتل کے دماغ کو اپنے کنٹرول میں لے سکوں۔

وہ کیبن میں چپ چاپ کھڑی ہوئی ٹائلٹ کے دروازے کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ میں نے اچانک کتنی پھرتی دکھائی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس قاتل کو مار پیٹ کر اس سے اس کا ریوالور چھین لیا تھا۔ کیونکہ وہ خود کو جوڈو کراٹے جاننے والی فائٹر سمجھتی تھی۔ اس لیے سوچ رہی تھی کہ وہ ایسی پھرتی کیوں نہ دکھا سکی۔ دوسری طرف وہ قاتل باہر جانے کے بعد یہ سوچ رہا تھا کہ اچانک وہ کیسے غافل ہو گیا تھا اور میں نے اس کی غفلت سے کیسے فائدہ اٹھا لیا تھا؟

وہ اب اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں یہ خواہش پیدا کی کہ اسے چلتی ہوئی ٹرین سے باہر چھلانگ لگانی چاہیے۔ اس کی سوچ نے کہا۔ "یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ یہ ٹرین مصنوعی جنگل سے گزر رہی ہے۔ لیکن یہاں کے درندے مصنوعی نہیں ہیں۔ یہ شیر یا چیتے پالتو ہیں پھر بھی یہ مجھ جیسے تنہا آدمی کو دیکھ کر ضرور حملہ کر دیں گے۔ دوسری بات یہ کہ جب یہ ٹرین چل پڑتی ہے تو اس کے دروازے خود ہی آپ لاک ہو جاتے ہیں۔ تاکہ کوئی مسافر نہ تو اپنا سر باہر نکال سکے۔ اور نہ ہی کسی بھی ضرورت کے تحت دروازہ کھول کر اتر سکے۔ اس ٹرین کے آخری کمپارٹمنٹ کا آخری ڈبہ گارڈ کے لیے مخصوص ہے۔ اس آخری ڈبے کا پچھلا دروازہ کھولنا یا بند کرنا گارڈ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اس دروازے کی چابی بھی گارڈ کے پاس ہی رہتی ہے۔"

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اس کے دماغ پر سوار ہو گیا۔ اب وہ۔ وہ نہیں تھا۔ میں تھا۔ اور میں ایک کمپارٹمنٹ سے دوسرے کمپارٹمنٹ کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے اندر ہی اندر راستہ بنا ہوا تھا۔ بالآخر میں گارڈ کے ڈبے میں پہنچا تو وہاں چار سپاہی بھی موجود تھے۔ وہ کسی ناگہانی مصیبت کے وقت گارڈ کی مدد کرنے کے لیے وہاں ڈیوٹی پر رہا کرتے تھے۔

انہوں نے وہاں مجھے دیکھ کر میری موجودگی پر اعتراض کیا۔ میں نے کہا۔ "میں سگریٹ پینا چاہتا ہوں اور میرے پاس ماچس نہیں ہے۔ پلیز یہ سگریٹ سلگا دو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

میں نے جیب سے سگریٹ نکالا۔ سپاہی نے آگے بڑھ کر جیب سے ماچس نکالی۔ پھر ایک ہاتھ سے اسے میری طرف بڑھایا۔ میں نے ماچس لینے کے بجائے اس کی کلائی تھام کر ایک طرف جھٹکا دیا۔ تو وہ دوسری طرف گھوم گیا۔ میں نے اس کی رائفل پر ہاتھ رکھا۔ اور پیچھے سے ایک لات ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دوسرے سپاہیوں پر جا گرا رائفل میرے ہاتھ میں آگئی۔

پہلے تو وہ لوگ حیرانی سے مجھے تکتے رہے۔ پھر اپنی رائفل سنبھالنا چاہتے تھے لیکن اس سے پہلے ہی میں نے انہیں نشانے پر رکھ لیا۔ اور دھمکی دی۔ "خبردار اگر کسی نے اپنی رائفل اٹھائی تو میں فائر کر دوں گا۔"

پھر میں نے گارڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چلو دروازہ فوراً کھول دو۔"

گارڈ ہچکچانے لگا۔ وہ سپاہیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سپاہی بے بس ہو گئے تھے۔ میں نے کہا۔ "دروازہ کھولو ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

گارڈ کو مجبور ہو کر دروازہ کھولنا پڑا۔ پچھلا دروازہ کھل گیا۔ میں دوڑتا ہوا اس دروازے کی طرف گیا۔ اور وہاں سے پلٹ کر میں نے ایک بار انہیں دیکھا۔ پھر ان کی رائفل ایک طرف اچھال دی۔ دوسرے ہی لمحے پلٹ کر میں نے اس دروازے سے ٹرین کے باہر چھلانگ لگا دی۔

وہ اس وقت چیخ رہے تھے۔ کھلے ہوئے دروازے سے باہر جھانک کر مجھے دیکھ رہے تھے اور میں ریلوے لائن کے کنارے پڑا ہوا تھا۔ تب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں وہاں نہیں تھا۔ اب وہ ریلوے لائن کے کنارے پڑا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر اپنے آس پاس دیکھا پھر جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے دور ٹرین بھاگتی جا رہی تھی۔ اگرچہ منی ٹرین کی رفتار زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ پھر بھی وہ ٹرین بہت دور نکل گئی تھی۔ وہ ٹرین کی طرف دوڑنے لگا۔

میں گارڈ کے ڈبے میں ایک سپاہی کے دماغ میں پہنچا وہ فون کال کے ذریعے انجن ڈرائیور سے کہہ رہا تھا کہ رفتار سست کرے۔ ایک مسافر گارڈ کے ڈبے سے باہر جنگل میں چلا گیا ہے۔

اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے اور اب وہ پھر واپس دوڑتا آرہا ہے۔ دوسری طرف سے انجن ڈرائیور نے پوچھا "اس پاگل مسافر کے لیے گارڈ نے دروازہ کیوں کھولا تھا؟"

جواب میں اس نے کہا "تفصیل بعد میں بتائی جائے گی۔ اس نیم پاگل آدمی کی زندگی خطرے میں ہے۔ گاڑی کی رفتار سست کرو۔"

گاڑی کی رفتار سست ہونے لگی۔ میں پھر اس قاتل کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب وہ ۔ وہ نہیں تھا۔ میں تھا۔ اب میں ٹرین کی طرف دوڑنے کے بجائے اس کی دوسری سمت پلٹ کر بھاگنے لگا۔ یعنی جنگل کی طرف جانے لگا۔ گارڈ کے ڈبے سے سپاہی چیخ رہے تھے اور مجھے اپنی طرف بلا رہے تھے۔ لیکن میں بھاگتا چلا گیا۔ گھنے درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے دیکھنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ایک منٹ کے بعد ہی اچانک ایک چیتے سے سامنا ہوا۔ وہ درندہ غرا کر اس پر جھپٹ رہا تھا۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا صرف اس کی سوچ پڑھتا رہا۔ وہ ایکدم سے گھبرا گیا۔ پہلے تو اس نے خود کو ریلوے لائن کے کنارے پڑا ہوا پایا تھا۔ پھر وہ ٹرین کے پیچھے دوڑتا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر غافل ہو گیا تھا۔ دوسری بار پھر ہوش میں آنے کے بعد اب ایک چیتے کو اپنے اوپر پایا تھا۔ وہ چیتا اسے بری طرح بھنبھوڑ رہا تھا۔ اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح ایسے وقت دلیری دکھائی جاتی ہے اور اپنی حفاظت کی جاتی ہے۔

پھر چیتے نے اپنے دانتوں کے درمیان اس کی گردن دبوچ لی۔ میں اس کے دماغ سے واپس آگیا۔ ٹرین میں سفر کرنے والے عیاش پسند دولت مند اپنی اپنی محبوباؤں کے ساتھ یا تو بستر پر پڑے ہوں گے یا کھڑکی کے پاس بیٹھے شراب کے گھونٹ پیتے ہوئے باہر چلتے پھرتے درندوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اور یہ سوچتے بھی نہیں ہوں گے کہ کبھی یہ درندے ان کے عیش کدے میں گھس آئیں۔ تو ان کا کیا حشر ہو گا۔ بہرحال ایک تو اس عیش کدے سے نکل کر درندے کے منہ میں پہنچ چکا تھا۔ اب دوسرے دن اخبارات میں مختلف قیاس آرائیوں کے ساتھ اس نیم پاگل کے متعلق خبریں شائع ہوں گی۔ میرا کام ہو چکا تھا۔

کیبن میں آشا بیلا اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں چپ چاپ کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر ہم دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے سامنے والی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد آہستگی سے بولی۔ "میں غلطی پر تھی۔ مجھے تنہا اس کیبن سے جانا چاہیے تھا بلکہ میں اکیلی اس دنیا میں کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ کیوں نہ میں صاف لفظوں میں کہہ دوں کہ میں تمہارے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔ آہ میں کس قدر مجبور ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔ اور رونے لگی۔ میں تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس گیا۔ اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا "بیلا تم مجبور نہیں ہو میں ارادہ کر چکا ہوں کہ تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دوں گا۔ تمہاری تمام مجبوریاں دور ہو جائیں گی۔ آنسو پونچھ لو۔ میں باہر ریسٹورنٹ میں جا رہا ہوں۔ تم اندر سے دروازہ کو بند کر لینا۔ جب تک میں دستک نہ دوں اور اپنی آواز نہ سناؤں اس وقت تک دروازہ نہ کھولنا۔"

اس نے سر اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ میں پلٹ کر جانے لگا۔ اس نے آواز دی "سنو۔ ٹھہر جاؤ۔"

میں رک گیا۔ لیکن اس کی طرف پلٹ کر میں نے نہیں دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے پیچھے آئی اور میرے بازو کو پکڑ کر بولی۔ تم شاید ناراض ہو گئے ہو۔ باہر تو میں جانا چاہتی تھی تمہیں جانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تمہیں زیادہ دیر تک تنہائی نصیب ہو اور تم خوب اچھی طرح اپنے بارے میں سوچ لو۔ اور مجھ پر اعتماد کرنے والا جذبہ اپنے اندر پیدا کرو۔"

وہ میرے پیچھے سے چلتی ہوئی آگے آگئی۔ پھر اس نے میرے دونوں شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے۔ مجھے تمہاری سچائی نے جیت لیا ہے۔ تم نے سچ کہا تھا کہ تم وعدے کر کے مجھے دھوکہ بھی دے سکتے ہو۔ تم نے ایسا کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ میں کبھی تم سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"

اس ٹرین میں ہم دو گھنٹے گزار چکے تھے مزید دو گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ آشا بیلا میرے شانے پر سر رکھے میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا "بیلا وہ قاتل جا چکا ہے۔ جب واپس آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ابھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ جو کچھ کہہ گیا ہے اس پر تمہیں غور کرنا چاہیے۔"

اس نے میرے شانے پر اپنے چہرے کو آہستہ آہستہ رگڑتے ہوئے کہا۔ "اب تو تمہارے پاس رہ کر کچھ بھی سوچنے اور غور کرنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"تمہارے دل میں میرے لیے جو چاہت ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ لیکن تمہیں اپنوں کو یاد کرنا ہے۔ اپنے گھر واپس جانے پر تمہارے کتنے رشتہ دار اور تمہارے کتنے چاہنے والے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"میں نہیں چاہتی کہ میرا کوئی گھر ہو اور دنیا بھر کے چاہنے والے میرا انتظار کر رہے ہوں۔ میرا صرف ایک چاہنے والا ہے اور وہ تم ہو۔ تمہارے سوا مجھے کسی کی چاہت نہیں چاہیے۔"

"لیکن وہ جو پراسرار شخص ہے اسے حل کرنا ضروری ہے تمہیں میرے لیے ہی سوچو کہ کل شام چار بجے تم رنگین پوسٹ کے مکان نمبر چھ میں کیوں گئی تھیں؟ وہ کون تھا جس سے ملاقات کرنے کے لیے تم وہاں گئیں اور اس مصیبت میں مبتلا ہو گئیں۔ تمہیں یہ ضرور سوچنا چاہیے یاد کرنا چاہیے۔"

وہ سوچنے لگی مگر اپنے حالات پر غور کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میرے کہنے پر وہ جبراً سوچ رہی تھی۔ عورتیں فطرتاً ایسی ہوتی ہیں کہ ایک مرد کے لیے اپنا سارا میکہ سارا ماضی ساری پچھلی محبتیں چھوڑ دیتی ہیں۔ صرف ایک مرد کو ہی یاد رکھنا چاہتی ہیں۔

میں سوچنے لگا کہ میں ذاتی طور پر اس حسینہ کی اصلیت تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اس کے لیے ذرائع تلاش کرنے کی ضرورت تھی۔ میرے سامنے جو راستے تھے ان میں ایک راستہ ایسا تھا جو الا تھا۔ وہ آج رات دس بجے کی فلائیٹ سے یہاں پہنچنے والا تھا۔ میں اسے صورت شکل سے نہیں جانتا تھا لیکن ایئرپورٹ پہنچنے کے بعد ہو سکتا تھا کہ کسی طرح کسی ذریعے سے پہچان لوں اور پھر اسے ٹریپ کرنے کے بعد ساری معلومات نکلوالوں۔ دوسرا ذریعہ مجھے یاد آیا کہ وہ وچ ڈاکٹر بھی کام کی ہے۔ کیوں نہ اس کے دماغ میں پہنچ کر پہلے میں اس کی صلاحیتوں کا پتہ چلاؤں۔ اس کے بعد اس وچ ڈاکٹر سے کام لوں۔

آشا بیلا نے سر اٹھا کر پوچھا "چپ کیوں ہو، کیا سوچ رہے ہو؟"

"میں تمہارے سوچنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ بتاؤ کچھ یاد آیا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "کچھ یاد نہیں آرہا ہے۔ میں جتنا غور کرتی ہوں اتنا ہی الجھتی جاتی ہوں۔ یہ تو بالکل ہی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس ویران مکان میں جہاں اس لڑکی کا قتل ہوا تھا، بھلا کیوں جاؤں گی؟ کس سے ملنے جاؤں گی؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"دراصل تم میرے بارے میں زیادہ سوچ رہی ہو۔ اور میں تمہیں کام کی باتیں سوچنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔"

میری بات سن کر وہ مجھ سے اور زیادہ چپک گئی۔ میں نے کہا "دیکھو تھوڑی دیر کے لیے میرے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔ کم از کم پندرہ منٹ تک ہم خاموش رہیں گے۔ میں تمہیں پندرہ منٹ کا وقت دیتا ہوں۔ تم سوچتی رہو۔ اس کے بعد تم آزادی سے میرے بارے میں جو سوچنا چاہو سوچتی رہنا لیکن میری یہ بات مان لو۔"

وہ بولی "اچھی بات ہے۔ میں پندرہ منٹ تک پوری توجہ سے اپنے معاملات پر غور کروں گی۔ اس کے بعد تمہیں مخاطب کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ میں دراصل یہ چاہتا تھا کہ وہ پندرہ منٹ تک خاموش رہے۔ تو میں اس وچ ڈاکٹر کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر لوں۔ اس کے خاموش ہوتے ہی میں وچ ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اس کا نام مادام مارتھا تھا۔ وہ برازیل سے آئی تھی۔ اس کی عمر تقریباً ۴۰ برس تھی۔ اس نے زندگی کی بہت سی اونچ نیچ دیکھی ہوئی تھی۔ وہ قیافہ شناس تھی۔ انسان کے چہرے کو دیکھ کر اس کے ظاہری اور باطنی مزاج کو سمجھ لیتی تھی۔ کسی کی بھی آنکھوں میں جھانک کر اس کے ارادوں کو بھانپ لیتی تھی۔ تنویمی عمل کی خاصی مشق کی تھی۔ اس لیے کسی کی بھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے اپنا معمول بنا لیتی تھی۔

اس کی ایک اور خوبی یہ تھی کہ وہ ہاتھ کی لکیروں کو پڑھنا جانتی تھی۔ کسی کے بھی ہاتھ کی انگلیوں کو اور پاؤں کے انگوٹھوں کو دیکھ کر اس شخص کا کچا چٹھا بیان کر دیتی تھی۔

اس کی ایک صلاحیت یہ تھی کہ وہ چھٹی حس رکھنے والی عورت تھی۔ کوئی غیر معمولی شخص اس کے سامنے آتے تو پہلی نظر میں اسے پہچان لیتی تھی۔ اور اس نے مجھے بڑی حد تک پہچان لیا تھا کہ میں اوپر سے کچھ ہوں اور اندر سے کچھ ہوں اس کی چھٹی حس بڑی ہی تیز تھی۔ اگر کوئی دبے قدموں اس کے پیچھے سے آتے۔ تو وہ فوراً ہی چونک جاتی تھی۔ اس نے چالیس برس تک سارے پراسرار علوم کو عملی طور پر آزمایا تھا اور بہت سارے تجربات کیے تھے۔ ان میں ایسی پختہ ہو گئی تھی کہ پلک جھپکتے ہی اپنے سامنے والے کو ہیچ کر کے پڑھ لیتی تھی۔

جس وقت میں اس کے دماغ میں پہنچا۔ اس وقت وہ ایک دولت مند شخص کو اپنے سامنے ایک بستر پر لٹاتے ہوئے اس کا علاج کر رہی تھی۔ کچھ منتر وغیرہ پڑھ رہی تھی۔ اس پر یہ رعب ڈال رہی تھی کہ وہ جادو جانتی ہے اور منتروں کے ذریعہ اس کا علاج کر رہی ہے۔ وہ لوگوں کو بیوقوف بنانا اچھی

طرح جانتی تھی اور اس طرح سیکڑوں ہزاروں ڈالر کما لیا کرتی تھی۔ شام ہوتے ہی گارڈن کے اندر جو جھونپڑی تھی۔ اسے لاک کر دیا کرتی تھی۔ پھر شہر کی ایک رہائش گاہ میں چلی جاتی تھی۔ اس وقت شام ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنی رہائش گاہ میں اس دولت مند کا علاج کر رہی تھی۔

میں نے مادام مارتھا کو اپنی یاد دلائی کہ میں آشابیلا نامی ایک لڑکی کے ساتھ اس کے سامنے آیا تھا۔ میری یاد آتے ہی وہ سوچنے لگی۔ "پتہ نہیں کیا بات ہے۔ میری چھٹی حس کہتی ہے کہ میرے دماغ میں زبردستی کی سوچیں آ رہی ہیں اور وہ نوجوان بار بار مجھے یاد آ رہا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ غیر معمولی آدمی ہے۔ اس نے تنہائی میں مجھ سے باتیں کرنے کے لیے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس کا چہرہ اس کی آنکھیں اور اس کا سراپا بتا رہا تھا کہ وہ انکار کے باوجود ایک بار پھر میرے پاس آئے گا اور ضرور آئے گا۔ میں اس کا انتظار کر رہی ہوں۔"

میں اس کی سوچ پڑھ کر بے حد متاثر ہوا۔ وہ درست سوچ رہی تھی۔ اس کا علم بڑا جاندار تھا کہ میں اس کے پاس جاؤں گا۔ واقعی مجھے اس کی ضرورت تھی۔ اور میں اس کے پاس جانے والا تھا۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔ آشابیلا نے مجھے مخاطب کیا۔ "طارق میں ساری زندگی اسی طرح سوچتی رہوں گی تو شاید کبھی یہ معلوم نہیں کر سکوں گی۔ کہ اس مکان میں کیوں گئی تھی؟ اور یہ لوگ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟ میں سوچتے سوچتے تھک گئی ہوں میرا سر دکھنے لگا ہے۔"

میں نے کہا "کوئی بات نہیں سہولت سے سب کچھ یاد آ جائے گا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی نہ سہی بعد میں پھر سوچنے کی کوشش کرنا اور اب آرام کرو۔"

آدھ گھنٹے بعد آنکھ کھلی تو باہر اندھیرا پھیل چکا تھا جنگل تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ لیکن درندوں کے گرجنے اور غرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی دُور تاریکی میں کسی درندے کی دو آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آتیں۔ پینتالیس منٹ کے بعد وہ متی ٹرین اسی بل اسٹیشن پر واپس پہنچ گئی۔ جب ہم کیبن سے نکلے تو پتہ چلا کہ پوری ٹرین میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ ایک شخص جنگل میں کسی درندے کا شکار ہو گیا ہے اور اس کے متعلق یہ خبر ہے کہ وہ نیم پاگل تھا۔ اس نے جبراً ایک سپاہی سے بندوق چھین لی تھی اور گارڈ کو مجبور کیا تھا کہ وہ تالا کھولے ورنہ اسے شوٹ کر دے گا۔

وہاں اس قاتل کے متعلق طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ہم نے پلیٹ فارم پہ پہنچ کر بھی اس کا ہی تذکرہ سنا اور راوراس

کا حلیہ جس طرح بیان کیا جا رہا تھا اس سے آشابیلا نے سمجھ لیا کہ اسی قاتل کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ حیرانی سے بولی "یہ وہی ہے معلوم ہوتا ہے جو ہمارے کیبن میں آیا تھا۔ بھلا یہ پاگل کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایسا زندگی سے بیزار تو نہیں تھا کہ جنگل پہنچ کر خود کو درندوں کے حوالے کر دیتا۔"

میں نے کہا "پتہ نہیں کیا بات ہے۔ ہو سکتا ہے کیبن سے باہر جانے کے بعد اس نے بہت زیادہ نشہ کیا ہو نشے کی حالت میں اس نے گارڈ وغیرہ کو دروازہ کھولنے پر مجبور کیا ہو۔ نشہ بہت بری چیز ہے۔ اس کی زیادتی سے انسان پاگل ہو کر اسی طرح جان پر کھیل جاتا ہے۔"

وہ بولی۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تقدیر بھی مجھ پر کیا مہربان ہو گئی ہے۔ دشمن خود بخود ختم ہو جاتے ہیں کا پنجا بھی خود ہی پولیس کی حراست میں چلا گیا تھا اور یہ قاتل جو میری جان کا دشمن تھا۔ خود اپنی جان کا دشمن بن کر درندوں کا شکار بن گیا۔"

اس کی حیرانی بجا تھی۔ میں نے دونوں ہی بار اس کے دشمنوں کو اس کی توقع کے خلاف اچانک ہی سزا دی تھی اور اس کے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دیا تھا۔ ہم بل اسٹیشن سے نکل کر انکوائری آفس کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا "بہرحال جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے لیے بہتر ہو رہا ہے۔ تم انکوائری آفس میں جا کر اس وچ ڈاکٹر مادام مارتھا کا پتہ معلوم کرو۔ میں ابھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

وہ آفس کے اندر چلی گئی۔ میں چاہتا تو مادام مارتھا کا پتہ خیال خوانی کے ذریعے پتہ معلوم کر سکتا تھا لیکن یہ بھی آشابیلا کے لیے حیرت کی بات ہوتی کہ مجھے اس کا پتہ کیسے معلوم ہو گیا؟ میں نے رسٹ واچ دیکھی۔ سات بج رہے تھے۔ دس منٹ کے بعد ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر مادام مارتھا کی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ آشابیلا نے پوچھا "اب اس وچ ڈاکٹر کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے؟ وہاں تم کیوں جا رہے ہو؟"

"میں وچ ڈاکٹر کے ذریعہ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ وہ جسے جوالا کو بھی اچھی طرح جانتی ہے۔ آج رات دس بجے یعنی تقریباً تین گھنٹے کے بعد وہ یہاں آنے والا ہے۔ مادام مارتھا اسے دیکھتے ہی پہچان لے گی۔"

آشابیلا نے کہا "اگر میں نے جے جوالا کو پہلے بھی ایک بار بھی دیکھا ہو گا تو یادداشت گم ہونے کے باوجود اسے پہچان لوں گی۔ تم نے تو دیکھا ہی ہے کہ یہاں آ کر جو چیز میری نظر

سے پہلے گزری تھی اسے میں پہچانتی گئی ہوں۔"

میں نے کہا "تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن مادام مارتھا اگر ہمارے ساتھ تعاون کرے تو بہتر ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری یادداشت وہاں ایئرپورٹ پر کام نہ کرے اور اس کے علاوہ وہ وچ ڈاکٹر بڑی صلاحیتوں کی مالک ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر تمہارے متعلق جو سوالات میرے ذہن میں کلبلا رہے ہیں۔ ان کے جواب تلاش کر سکے گی۔"

مادام مارتھا کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔ اور وہاں دربان سے کہا کہ مادام تک ہمارے آنے کی اطلاع پہنچا دے۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ دربان نے آشابیلا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آپ کے ساتھ محترمہ ہیں آپ ان کا نام بتائیں۔ میں نے نام بتایا تو وہ پھاٹک کے برابر والے چھوٹے کیبن میں جا کر مادام مارتھا سے فون پر کہنے لگا "ہیلو مادام! آپ نے کہا تھا کہ آشابیلا نامی عورت کے ساتھ جو بھی شخص آئے اسے اندر بھیج دیا جائے یہاں اسی نام کی ایک عورت ایک شخص کے ساتھ آئی ہے۔"

دوسری طرف سے جواب ملا "ان دونوں کو اندر آنے دو۔"

یہ تو میں مادام کی سوچ کے ذریعہ معلوم کر چکا تھا کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہے اور اسے میرے آنے کی توقع ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنے اعتماد سے انتظار کرے گی۔ اور آشابیلا کے حوالے سے دربان کو پہلے ہی حکم دے کر باخبر رکھے گی۔

جب ہم اندر گئے تو کوٹھی کا بیرونی دروازہ ہمارے لیے ایک ملازم نے کھولا اور اندر آنے کے لیے کہا۔ ہم ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ وہاں مادام مارتھا کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا "خوش آمدید۔ میں تمہارا نام نہیں جانتی لیکن اتنا جانتی تھی کہ تنہائی میں ملنے سے انکار کرنے والے تم ضرور میرے پاس آؤ گے سو آ گئے ہو۔"

میں نے بظاہر حیران ہو کر کہا "تعجب ہے تم نے میری آمد کے متعلق پہلے سے کیسے جان لیا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "تم بہت گہرے ہو۔ یہ جو حیرانی تمہارے چہرے پر ہے یہ بناوٹی ہے۔ مجھ سے کسی کا چہرہ نہیں چھپ سکتا۔ بہرحال میں اس اعتماد کے ساتھ انتظار کر رہی تھی کہ تم لوگوں کیلئے رات کا کھانا بھی تیار ہے اور میں جانتی ہوں تم دونوں انکار نہیں کرو گے اور میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ گے۔ جاؤ پہلے غسل کر لو۔"

اس نے ملازمہ کو اشارہ کیا۔ وہ آشابیلا کو اپنے ساتھ لے گئی مادام نے مجھے اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ میں اس کے ساتھ چلتا ہوا اس کی خوابگاہ میں پہنچا۔ اس نے کہا "یہ میرا بیڈ روم ہے۔ اور تم میرے بیٹے ہو۔ جاؤ باتھ روم میں جاؤ اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں چلے آنا۔ باتھ روم میں تمہارا لباس وغیرہ موجود ہے۔"

میں نے پوچھا "اب کی بار میں صحیح طور پر حیران ہوں کہ آپ نے میرا لباس کہاں سے حاصل کر لیا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں انسان کو اس کی پیشانی سے لے کر اس کے پاؤں کے انگوٹھے تک پہچان سکتی ہوں۔ میں نے تمہارے لباس کے متعلق جو اندازہ کیا اس انداز کے مطابق میں نے بازار سے ریڈی میڈ لباس منگوا لیا۔ تم پہن کر دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارے بدن پر پورا اترے گا۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی آئی۔ اب میں ذرا احترام سے مادام کا ذکر کروں گا۔ کیونکہ انہوں نے مجھے بیٹا کہا تھا۔ یوں بھی وہ عمر رسیدہ تھیں۔ اور مجھ سے کہیں زیادہ تجربات رکھتی تھیں اور مجھ سے زیادہ باصلاحیت تھیں۔ یہ درست تھا کہ وہ پاؤں کے انگوٹھے سے پیشانی تک جسم کے ایک ایک حصے کو دیکھ کر انسان کی ہسٹری معلوم کر سکتی تھیں۔ اس کے مطابق انہوں نے میرے بدن کا جو ناپ سوچا تھا۔ بالکل درست تھا۔ میں نے غسل کرنے کے بعد جب اس لباس کو پہنا، تو میرے بدن پر واقعی پورا اترا۔ میں حیران رہ گیا کہ دنیا میں ایسے علوم بھی ہوتے ہیں جو انسان کو پراسرار اور حیرت انگیز بناتے ہیں۔

ڈرائنگ روم میں مادام مارتھا میرا انتظار کر رہی تھیں۔ مجھے نئے لباس میں دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ مجھ سے کہنے لگیں۔ "بتاؤ میرا علم درست ہے یا نہیں یہ لباس تمہیں تنگ تو نہیں ہو رہا ہے۔"

"نہیں مادام آپ کا علم واقعی سچا ہے۔ آپ نے بڑی لگن سے یہ علوم حاصل کیے ہیں۔ اب میں آپ سے کچھ مدد حاصل کرنے آیا ہوں۔"

وہ بولیں "میرا اندازہ ہے کہ آشابیلا کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو۔ وہاں گارڈن میں بھی تم مجھ سے اس کے متعلق ہی پوچھا تھا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "آپ درست سمجھ رہی ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ لڑکی اپنی یادداشت کھو چکی ہے۔ اسے اپنا ماضی یاد نہیں آ رہا ہے۔ یہ نہ تو کسی رشتہ دار یا دوست احباب کو پہچان سکتی ہے۔ اور نہ ہی اپنے متعلق کچھ جانتی ہے۔ کچھ لوگ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ شخص

جس کا نام جے جوالا ہے۔ اس نے کرایے کے قاتلوں کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔ جے جوالا کو آپ ایک بار دیکھ چکی ہیں اور آشا بیلا کو بھی آپ نے دیکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان دونوں کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں۔ ایسی معلومات جو آشا بیلا کو اس کی منزل تک پہنچا دیں۔"

مادام نے کہا: "مجھے جے جوالا کا چہرہ تفصیل سے یاد نہیں ہے تاہم ہلکا سا خاکہ ذہن میں ہے۔ اس کا قد اس کی آواز اس کے لہجے کا اتار چڑھاؤ اور اس کے سانس لینے کا انداز ایسا تھا کہ درندگی کا احساس ہوتا تھا۔ میرے سامنے جو لوگ آتے ہیں میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تنویمی عمل کرتی ہوں اور انہیں پہلے سے متاثر کر دیتی ہوں تاکہ وہ میری ہر بات بلا چون و چرا تسلیم کریں لیکن جے جوالا پر ہپناٹزم کا اثر نہیں ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی مضبوط قوت ارادی کا مالک ہے اور اندر سے بہت ہی سخت چٹان ہے اسے توڑنا بہت مشکل ہے۔"

یہ کہنے کے بعد وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگیں پھر بولیں: "میں نے مشکل کہا ہے ناممکن نہیں اور تم ان چند لوگوں میں سے ہو جو ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "آپ نہ جانے مجھے کیا سمجھ رہی ہیں۔ میں کوئی شہ زور یا باصلاحیت آدمی نہیں ہوں۔"

وہ نہایت سنجیدگی سے بولیں: "بیٹے! تم بہت گہرے ہو۔ یہ میں جانتی ہوں کہ تمہارے اندر ایک دوسرا آدمی چھپا ہوا ہے اور وہی تمہارا اصل وجود ہے۔"

میں چونک کر مادام کو دیکھنے لگا، وہ بولیں: "دیکھو ابھی آشا بیلا یہاں نہیں ہے ہم دونوں اکیلے ہیں مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ بیٹے! میں جانتی ہوں تم ماں کی ممتا سے محروم ہو۔ کیا تم مجھے اپنی ماں سمجھو گے مجھے بھی ایک بیٹے کی ضرورت ہے۔"

انہوں نے بڑے پیار سے میرے ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ میں نے بھی دوسرا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے کہا: "ہاں آپ بہت اچھی ہیں اور آپ کے چہرے سے ممتا کا نور ٹپکتا ہے۔ میں آپ کو اپنی ماں بنانے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ رہ گئی یہ بات کہ میں کون ہوں اور میرے اندر میری اصلیت کیسے چھپی ہوئی ہے، کیوں چھپی ہوئی ہے، تو کیا اس کا جاننا آپ کے لیے ضروری ہے؟"

وہ بولیں: "اصل بات یہ ہے کہ میں ہر ماہ اپنی قسمت کا حال معلوم کرتی ہوں باقاعدہ علم رمل کے ذریعے زائچہ بناتی ہوں۔ میرے زائچے کے مطابق اس ماہ کے آخری ہفتہ میں ایک بہت اہم شخصیت سے میرا سامنا ہونے والا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ اہم شخصیت میرے سامنے آگئی ہے اور وہ تعلق قائم ہو رہا ہے۔"

میں حیرانی سے مادام کا منہ تکنے لگا۔ ان سے میری عقیدت بڑھتی جا رہی تھی۔ واقعی وہ بہت ہی باکمال تھیں لیکن اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا، آشا بیلا وہاں پہنچ گئی۔ مادام نے اس کے لیے ساڑھی اور بلاؤز کا انتظام کیا تھا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اس کا حسن ساڑھی پر خوب کھلتا تھا۔ وہ ہمارے پاس آکر ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ملازم کھانا لگانے لگے۔ کھانے کے دوران میں نے مادام کی سوچ میں کہا: "مجھے آشا بیلا کے چہرے کو اور اس کی شخصیت کو دیکھ کر اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہیے۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی مادام چونک گئیں۔ میں بھول گیا تھا کہ مادام کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔ ان کے مزاج کے خلاف کوئی غیر معمولی بات ہو تو وہ محتاط ہو جاتی ہیں۔ گارڈن کے کاٹیج میں جب وہ اپنے گاہک کے سامنے بیٹھی ان کی قسمت کا حال بتا رہی تھیں۔ ایک دولت مند نے ٹرین کا ٹکٹ واپس کرنا چاہتا تھا اور میں نے مادام کی سوچ کے ذریعے اس ٹکٹ کو حاصل کرنا چاہا تھا، اس وقت بھی مادام غیر معمولی سوچ کی وجہ سے چونک گئی تھیں۔ اور یہ چھٹی حس کا کمال ہے کہ کسی بھی خلاف توقع بات سے یہ حس انسان کو چونکا دیتی ہے۔

اس وقت مادام نے سوچا: "عجیب بات ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ زبردستی سوچ میرے دماغ میں کہیں سے آگئی ہے کہ مجھے آشا بیلا کے متعلق ابھی فیس ریڈنگ کرنی چاہیے۔"

میں نے مادام کا دھیان بٹانے کے لیے ان سے کہا: "مادام! آپ نے مجھے بیٹا بنایا ہے لہٰذا آج سے میں آپ کو ممی کہا کروں گا۔"

وہ مسکرانے لگیں، میں نے کہا: "ممی! ذرا آپ آشا بیلا کو دیکھ کر بتائیں کہ یہ اس لباس میں کتنی خوبصورت لگ رہی ہے؟"

آشا بیلا شرما کر مسکرانے لگی۔ ممی نے اس کی تعریف کی: "واقعی یہ بڑی حسین لگ رہی ہے اس لباس میں تو اور زیادہ حسن نکھر گیا ہے اگر میں شاعرہ ہوتی تو اس لڑکی پر ضرور کوئی خوبصورت سا شعر کہتی۔"

میں نے ممی کا دھیان بٹا دیا تھا اس کے بعد ان سے پوچھا: "کیا خیال ہے ممی ابھی کھانے کے بعد آپ میرے ساتھ ایئرپورٹ چلیں گی؟"

"ضرور چلوں گی۔ میرے بیٹے کا کام میں نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا۔ بائی دی وے آشا بیلا کو اسی کوٹھی میں چھپ کر رہنا چاہیے، پتہ نہیں کتنے قاتل بدمعاش اس کی تلاش میں گھوم رہے ہوں گے۔"

آشا بیلا نے کہا: "ممی! طارق جب تک میرے ساتھ ہیں مجھے کسی دشمن کی پروا نہیں ہے۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ ایئرپورٹ جاؤں گی۔ یہاں تنہا نہیں رہ سکتی۔"

میں نے پوچھا: "تنہائی کی کیا بات ہے۔ ہم ایک آدھ گھنٹے میں واپس آجائیں گے۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم یہاں چھپ کر رہو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی: "تم چند دنوں کے مہمان ہو پتہ نہیں کب یہاں سے چلے جاؤ گے جو بھی لمحات تمہارے ساتھ گزارنے کے لیے نصیب ہو رہے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہی گزاروں گی۔ مجھے اپنی قربت

سے محروم نہ کرو۔"

ممی نے پوچھا: "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم دونوں محض دوست ہو یا آگے چل کر شادی کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے جواب دیا: "ممی! آشا بیلا اپنے آپ کو پہچانتی نہیں ہے یہ کسی کی بیوی ہے یا نہیں۔ اگر اس کی شادی ہو چکی ہے تو میں شادی کے متعلق کیسے سوچ سکتا ہوں اور اگر شادی نہیں ہوئی ہے تب بھی میں ان بندھنوں میں نہیں بندھ سکتا کیونکہ میں ایک مسافر ہوں اور میرا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں بیوی اور بچوں کی مصیبت اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

آشا بیلا نے گھور کر مجھے دیکھا پھر پوچھا: "اچھا تو کیا میں تمہارے لیے مصیبت ہوں؟"

"ابھی نہیں ہو۔ عورت جب تک دوست ہے محبوبہ ہے اس وقت تک راحت جاں ہے اور جب بیوی بن جاتی ہے تو عذاب جاں بن جاتی ہے میں ابھی تمہیں مصیبت نہیں کہہ رہا ہوں۔ غصہ تھوک دو۔"

ممی ہنسنے لگیں۔ آخر یہ طے پایا کہ ممی آشا بیلا کو اپنے ساتھ لے کر ایئرپورٹ جائیں گی۔ میں دوسری کار میں وہاں پہنچوں گا اور دور ہی دور سے انہیں دیکھتا رہوں گا۔ جب جے جوالا لگیج سے اپنا سامان لیکر نکلے گا تو ممی اور آشا بیلا اس کے سامنے پہنچ جائیں گی۔ وہ یقیناً آشا بیلا کو پہچان کر اس سے باتیں کرے گا۔ اگر کسی وجہ سے وہ انجان بننے کی کوشش کرے گا تو ممی اسے مخاطب کریں گی اور میں دور ہی سے دیکھ کر پہچان لوں گا کہ وہی جے جوالا ہے۔

یہ تدبیر بہت اچھی تھی۔ میں نے پوچھا: "ممی! کیا آپ کے پاس دوسری کار ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "تم میری کار میں جاؤ گے تو دشمن تمہیں پہچان لیں گے۔ یہاں سے تم ٹیکسی میں تنہا جاؤ۔ میں کرایہ پر کار دینے والے دفتر کو ابھی فون کرتی ہوں۔ طارق محمود کے نام سے ایک کار بک کراتی ہوں تم وہاں جا کر وہ کار حاصل کرو اور پھر ایئرپورٹ جاؤ۔"

ممی نے پروگرام کے مطابق رینٹل کار کے دفتر میں فون کیا پھر میں باہر چلا آیا۔ آشا بیلا مجھے برآمدے تک چھوڑنے آئی۔ وہ مجھ سے لگی رہتی تھی۔ چاہتی تھی کہ کسی طرح مجھے اپنے حسن و شباب سے، اپنی اداؤں سے، اپنے خلوص و محبت سے متاثر کر دے تاکہ میں اسی کا ہو کر وہاں رہ جاؤں۔ اس نے بڑی محبت سے مجھے رخصت کیا۔ میں باہر آنے کے بعد ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اس رینٹل کار کے دفتر میں پہنچ گیا۔ وہاں سے میں نے اپنی کار حاصل کی پھر لوگوں سے پتہ پوچھتا ہوا ایئرپورٹ پہنچ گیا۔

اتنی دیر میں ممی اور آشا بیلا وہاں پہنچ چکی تھیں۔ جہاز لینڈ کر چکا تھا۔ میں ایک بک اسٹال کے پاس کھڑے ہو کر دور لگیج ہال کی طرف دیکھتا رہا۔ آشا بیلا ساڑھی میں خوب جچ رہی تھی۔ دور سے غضب ڈھا رہی تھی۔ میں نے ممی کے ذریعہ اس سے کچھ معلومات حاصل کرنی چاہی تھی لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا۔ میرے ذہن میں یہ تجسس سب سے زیادہ تھا کہ آشا بیلا کون ہے؟

یوں تو ذہن میں بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے۔ ان کا جواب لازمی تھا۔ پہلا سوال تو یہ تھا کہ راجیشور کون تھا؟ جو بہن کے لیے گڑگڑا کر کچھ کہنا چاہتا تھا اور نہ کہہ سکا تھا۔ تو کیا وہ بہن آشا بیلا تھی؟

دوسرا سوال یہ کہ آشا بیلا اور ایزا بیلا کے درمیان کوئی تعلق تھا یا نہیں تھا اور اگر نہیں تھا تو وہ دونوں رنگین اسٹریٹ کے مکان نمبر چھ میں کیوں گئی تھیں؟

تیسرا سوال یہ کہ آشا بیلا اگر ایزا بیلا سے واقف نہیں تھی تو وہ خود تنہا کس سے ملنے اس مکان نمبر چھ میں گئی تھی؟

جے جوالا کون تھا اور وہ آشا بیلا کو کیوں قتل کرنا چاہتا تھا؟ اور اس نے لندن سے ایزا بیلا کو کیوں بھیجا تھا؟

جتنے بھی سوالات ذہن میں تھے ان کا تعلق آشا بیلا سے تھا۔ سب سے اہم آشا بیلا تھی کہ وہ کون ہے۔ جب تک یہ نہ معلوم ہوتا اس وقت تک کسی بھی سوال کا جواب نہ ملتا اور اب جے جوالا پہنچنے ہی والا تھا۔ امید تھی کہ اس کے ذریعہ تمام معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ آشا بیلا کی کچھ حقیقت اس کے ماضی کے ساتھ سامنے آئے گی تو ہر سوال پر سے پردہ اٹھتا جائے گا۔

پھر جے جوالا لگیج ہال سے باہر آگیا۔ پہلے تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہی جے جوالا ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ میں نے اس کا حلیہ سنا تھا۔ وہ بہت ہی قد آور تھا۔ جسم پھیلا ہوا تھا۔ بالکل ہاتھی کا بچہ نظر آتا تھا۔ وہ اپنا سوٹ کیس دونوں ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے باہر آ رہا تھا۔ آشا بیلا اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ٹھٹھک کر آشا بیلا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ آشا بیلا نے اسے مخاطب کیا: "ہیلو، کیا تمہارا نام جے جوالا نہیں ہے؟"

اس نے دونوں سوٹ کیس فرش پر رکھتے ہوئے کہا: "یس مس! میرا ہی نام جے جوالا ہے۔ فرمائیے؟"

آشا بیلا نے کہا: "میں اپنی یادداشت کھو چکی ہوں اور یہ بوڑھی خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھا ہے۔ تم میرا نام اور پتہ بتا سکتے ہو؟"

جے جوالا نے مادام مارتھا کی جانب دیکھا۔ ممی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے پہنچیں اور اس کے چہرے کو پڑھنے لگیں میں ممی کے دماغ کو پڑھنے لگا۔

تب ممی کی سوچ نے بتایا کہ وہ سر سے پاؤں تک قد و قامت کے لحاظ سے جے جوالا ہے لیکن جے جوالا نہیں ہے۔ اس کے چہرے پر میک اپ ہے جو پہچانا نہیں جا سکتا لیکن ممی قیافہ شناس تھیں چہرے کے ایک ایک تار کو پڑھنا جانتی تھیں اس لیے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ جے جوالا کے روپ میں کوئی دوسرا شخص سامنے کھڑا ہوا ہے۔

میں مایوس ہوگیا۔ کتنی امیدیں تھیں کہ صرف اس جے جوالا سے آشا بیلا کے متعلق بہت سارے انکشافات ہوں گے لیکن ناکامی ہو رہی تھی۔

جے جوالا نے مادام مار تھا یعنی میری ممی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مادام! یہ کیا مسئلہ ہے؟ یہ نوجوان لڑکی پتہ نہیں کس انداز میں میرا امتحان لینا چاہتی ہے۔ مجھ سے پہیلی بجھوا رہی ہے کہ میں اسے پہچانوں جبکہ میں نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے پھر آشا بیلا کی جانب دیکھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ شاید وہ میک اپ میں پہچان لیا گیا ہے اور کچھ نامعلوم لوگ اس انداز میں اس سے سوالات کر کے ان عورتوں کے ذریعہ اسے بدحواس کرنا چاہتے ہیں۔

ممی نے اس سے کہا۔ "چلو یہ تو مان لیا کہ تم اس لڑکی کو نہیں پہچانتے ہو۔ مگر تم نے آشا بیلا کا نام تو ضرور سنا ہوگا؟"

آشا بیلا کا نام سنتے ہی وہ چونک گیا۔ اس نے آشا بیلا کو کچھ حیرانی سے اور کچھ پریشانی سے دیکھا۔ اس کا دماغ چیخ رہا تھا۔ "کیا یہ جو لڑکی میرے سامنے کھڑی ہے اس کا نام آشا بیلا ہے؟ کیا یہ وہی ہے جسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا؟ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ آشا بیلا تو قتل کر دی گئی ہوگی۔ یہ یقیناً مجھے پھانسنے کی چال چلی جا رہی ہے۔"

یہ سوچ کر اس نے کہا۔ "سوری! میں کسی آشا بیلا کے نام سے واقف نہیں ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے دونوں سوٹ کیس فرش پر سے اٹھائے پھر آشا بیلا اور ممی کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ وہ دونوں چپ کھڑی رہیں۔ نظریں ادھر ادھر دوڑاتے ہوئے مجھے تلاش کرنے لگیں۔ پھر آشا بیلا نے مجھے دیکھ لیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے ممی سے کہا۔ "میں نے طارق کو دیکھ لیا ہے میں اس کے پاس جا رہی ہوں۔"

ممی نے کہا۔ "تمہارا اس کے پاس جانا مناسب نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے پیچھے لگے رہنے والے دشمن اس کا بھی تعاقب کریں۔"

آشا بیلا نے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ ہم دشمن سے کترا نہیں رہے ہیں بلکہ ٹکرا رہے ہیں۔ ابھی ہم جے جوالا سے ٹکرانے ہی آئے تھے تو پھر دوسروں سے کترانے کی کیا ضرورت ہے؟ طارق سے ان کا ٹکراؤ ہوگا تو میرے متعلق معلومات حاصل ہوں گی۔ مجھے طارق کے پاس جانا ہی چاہیے۔"

وہ میرے پاس آنے کے لیے بضد تھی۔ میں نے اس کے دماغ کو ذرا سا جھٹکا دیا اور خود ایئرپورٹ کی بھیڑ میں گم ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو میں اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ مجھے تلاش کرنے کے لیے سب سے پہلے پارکنگ ایریے کی طرف جائے گی۔ میں اس سے پہلے وہاں اپنی گاڑی میں پہنچ گیا۔ پھر گاڑی کو ڈرائیو کرتا ہوا ایئرپورٹ سے دور ایک جگہ جا کر رک گیا۔

ویسے آشا بیلا درست کہہ رہی تھی کہ ہم دشمنوں سے کترا نہیں رہے ہیں ٹکرا رہے ہیں لیکن ٹکرانے کا بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ آشا بیلا اور ممی نے نقلی جے جوالا کا راستہ روک کر دشمنوں کے سامنے اپنا چہرہ پیش کر دیا تھا۔ اب جو لوگ جے جوالا کا استقبال کرنے آئے ہوں گے انہوں نے دور ہی سے کھٹک کر ان دونوں کو تاڑ لیا ہوگا۔ اگر آشا بیلا میرے پاس چلی آتی تو وہ لوگ مجھے بھی دیکھ لیتے۔ دانشمندی یہی ہے کہ میں ان لوگوں سے چھپ کر خیال خوانی کے ذریعہ اپنا کام کرتا رہوں۔

میں نے سب سے پہلے نقلی جے جوالا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اصلی جے جوالا نے اس کے لیے ایک کار بھیجی تھی۔ وہ اس کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہا تھا اور ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔ میں نے ابھی اسے چھوڑ دیا۔ ممی کی خبر لی۔ ممی بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ اسی وقت ان کی گردن پر کسی نے ریوالور کی نال لگاتے ہوئے کہا۔ "آواز نہ کرنا ورنہ گولی کھوپڑی کے آر پار ہو جائے گی۔"

ممی نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

"میں جو کوئی بھی ہوں تم کھڑکی کا شیشہ چڑھا دو۔"

ممی نے حکم کی تعمیل کی۔ شیشہ چڑھا دیا۔ ریوالور والے نے کہا۔ "اب میں جدھر کہتا ہوں ادھر ڈرائیو کرتی جاؤ۔ اگر میرے حکم کے خلاف کوئی بھی حرکت کی یا چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو پولیس والے اس گاڑی میں تمہاری لاش ہی پائیں گے۔" ممی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اپنے علم کے ذریعے اس کی آواز کا تجزیہ کیا کہ آواز کے ذریعے یہ شخص ارادے کا پختہ معلوم ہوتا ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ اندر سے سہما ہوا ہے۔ میں پلٹ کر نہیں دیکھ سکتی لیکن اندازے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ کن انکھیوں سے سڑک کی طرف دیکھتا جا رہا ہے تاکہ کوئی پولیس والا اسے دیکھ نہ لے۔

میں نے اس ریوالور والے کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ ممی کی ریڈنگ سو فیصد درست تھی۔ وہ کن انکھیوں سے کبھی کار کی کھڑکی کے ادھر سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی اس کھڑکی کے اس پار دیکھ رہا تھا اور اندر سے سہما ہوا تھا کہ ممی کو ٹریپ کرتے وقت پکڑا نہ جائے۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ باس کی طرف سے صرف ٹریپ کرنے کا حکم ہے ممی کو ہلاک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

میں ممی کو ان کے حال پر چھوڑ کر آشا بیلا کے پاس پہنچا۔ وہ ایئرپورٹ میں مجھے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ وہ دوسری بار مجھے ڈھونڈنے کے لیے پارکنگ ایریے کی طرف گئی وہاں ایک عورت اچانک اس کے سامنے آکر پھولوں کا گلدستہ پیش کرنے لگی۔ آشا بیلا نے مسکرا کر پھولوں کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دم سے سہم گئی کیونکہ پھولوں کے درمیان ریوالور تھا اور ریوالور کی نال کا رخ اس کی طرف تھا۔

وہ عورت آہستگی سے بولی۔ "چپ چاپ اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ اگر بھاگنے کی کوشش کرنا چاہو تو پہلے ایک نظر چاروں طرف ڈال لو۔"

آشا بیلا نے ادھر ادھر گھوم کر دیکھا چند قدم کے فاصلے پر ایک شخص کھڑا ہوا تھا اس نے آشا بیلا کو دیکھ کر... مسکراتے ہوئے اپنے سر سے فلٹ ہیٹ کو اتارا۔ اس فلٹ ہیٹ کے اندر ایک پستول نظر آیا۔ وہ کسی بھی لمحے اس پستول کو اپنی گرفت میں لے کر اس پر فائر کر سکتا تھا۔ اس نے دوسری طرف دیکھا تو وہاں بھی ایک شخص کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے کھڑا ہوا تھا اور اس جیب میں ریوالور کی نال صاف جھلک رہی تھی۔

تب آشا بیلا نے سوچا۔ "اچھا ہی ہوا کہ طارق نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا ورنہ وہ بھی ان لوگوں کی گرفت میں آ جاتا اب وہ جہاں کہیں بھی ہوگا میری حفاظت کے لیے ضرور مستعد ہوگا۔"

وہ مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے آس پاس دو شخص بیٹھ گئے۔ اگلی سیٹ پر صرف ایک ڈرائیور تھا۔ پھر وہ گاڑی وہاں سے چل پڑی۔ وہ سہمی ہوئی تھی۔ ان کے درمیان بیٹھ جانے کے بعد سوچ رہی تھی۔ "اگر طارق نے مجھے ٹریپ ہوتے ہوئے نہ دیکھا ہو تب میرا کیا بنے گا؟ ایکبار میرے دھوکے میں کوئی اندرا بیلا ماری گئی تھی، اس بار یہ قاتل بدمعاش مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا کہ اچانک میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ مجھے اپنے قریب کسی کی آواز سنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ "لعنت ہے تم پر! اتنی دیر سے سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کیے بیٹھے ہو آگے تو بڑھو۔"

میں نے سر گھما کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ پر ایک شخص ریوالور لیے بیٹھا ہوا تھا۔ یعنی میں بھی ان کی نظروں سے بچا ہوا نہیں تھا۔ اب مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ کیا کیا جائے؟ وہ لوگ ہم تینوں کو مختلف جگہوں سے گھیر کر یقیناً اپنے باس تک پہنچانا چاہتے تھے۔ لڑائی جھگڑا کرنا مناسب نہیں تھا لیکن ان کے باس کے سامنے جانا بھی ضروری نہ تھا۔ میں اتنے لوگوں کی آوازیں سن چکا تھا اور اتنے لوگوں کے علاوہ اس نقلی جے جوالا کے دماغ تک بھی پہنچ چکا تھا۔ میں ان کے ذریعے ان کے باس تک پہنچ سکتا تھا۔

یہ سب کچھ سوچنے کے بعد میں نے ریوالور والے سے کہا۔ "یار تم لوگوں نے کیا مذاق لگا رکھا ہے؟ لاؤ یہ ریوالور مجھے دے دو۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اس نے ریوالور بڑھایا۔ میں نے لے لیا۔ اس کے بعد وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔ "ہاں اب بتاؤ کیا پروگرام ہے؟"

وہ بوکھلا کر کبھی اپنے آپ کو اور کبھی مجھ کو دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ پچھلی سیٹ سے اگلی سیٹ پر کیسے آگیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اپنا ریوالور تلاش کر رہے ہو؟ یہ تو میرے پاس ہے۔"

میں نے اس ریوالور کو اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ حیران و پریشان ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ اپنا ہی ریوالور لیتے ہوئے ہچکچانے لگا۔ میں نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں، میں تمہیں سچ مچ ریوالور دے رہا ہوں اور اس میں پوری چھ گولیاں ہیں۔ رکھ لو اپنے پاس کبھی کام آئیں گی۔"

اس نے جھجکتے ہوئے میرے ہاتھ سے ریوالور لے کر دیکھا میں کار ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ واقعی ریوالور میں چھ گولیاں موجود ہیں تو اس نے فوراً ہی ریوالور کا رخ میری جانب کرتے ہوئے کہا۔ "خبردار اب کوئی چالاکی نہ دکھانا۔"

میں نے کہا۔ "دانشور کہتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محبت سے تسخیر کر سکتا ہے مگر تم لوگ تو انسانیت کو سمجھتے ہی نہیں۔"

یہ کہہ کر میں پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ کار کی رفتار سست کرتے کرتے روک دی۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ پھر اس نے دروازے کو بند کر دیا۔ میں نے کار اسٹارٹ کی اور اسے تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا آگے بڑھاتا چلا گیا۔ وہ ہاتھ میں ریوالور لیے سڑک کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔ بہت دور ریوالور کی رینج سے باہر نکل جانے کے بعد میں اس کے دماغ سے بھی باہر آگیا۔ تب وہ چونک کر اپنے آپ کو سڑک کے کنارے دیکھنے لگا۔

کچھ دور جانے کے بعد میں ممی کی کار میں بیٹھے ہوئے اس شخص کے دماغ میں پہنچ کر کہنے لگا۔ "بس ٹھیک ہے بوڑھی خاتون! تم اپنی گاڑی یہاں سڑک کے کنارے روک دو۔"

ممی نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ شخص پچھلا دروازہ کھول کر باہر گیا۔ پھر اس نے دروازے کو بند کر دیا اس کے بعد وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ٹاٹا! اب تم جا سکتی ہو۔" ممی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ پھر کار اسٹارٹ کرتے ہی تیزی سے ڈرائیو کرتی دور نکلتی چلی گئیں۔

جب وہ بھی ریوالور کی شوٹنگ رینج سے دور ہو گئیں تو میں اس شخص کے دماغ سے نکل آیا۔ اب وہ بھی بوکھلا کر اپنے آپ کو سڑک کے کنارے دیکھ رہا تھا۔

ممی حیران تھیں کہ یہ کیا ہو گیا؟ ان کے علم کے مطابق وہ سچ مچ انہیں ٹریپ کرنے آیا تھا اور وہ سہما ہوا بھی تھا لیکن یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ریوالور والا فوراً ہی اپنا ارادہ بدل کر گاڑی سے اتر جائے گا۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا۔ اب ممی سوچ رہی تھیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ مجھے وہ کہیں تلاش نہیں کر سکتی تھیں اس لیے وہ اپنی کوٹھی کی جانب جانے لگیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ میں انہی کے پاس واپس آؤں گا۔ وہ میری اصلیت معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھیں میں جانتا تھا کہ ان کے دل میں واقعی میرے لیے بہت زیادہ ممتا ہے اور اگر میں اپنا بھید انہیں بتا دوں۔ اپنا اصل نام ظاہر کر دوں تو وہ اس راز کو اپنے سینے میں مرتے دم تک دفن کیے رکھیں گی۔ پھر بھی میں

ممی کو ٹلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

بہرحال وہ اپنی کوٹھی کی طرف چلی گئیں۔ میں آشا بیلا کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں دو شخص اس کے آس پاس ریوالور لیے بیٹھے ہوئے تھے تاکہ وہ کسی وقت بھی شور نہ مچا سکے۔ آشا بیلا نے میری سوچ کے مطابق ان سے سوال کیا "تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

ایک ریوالور والے نے جواب دیا "تمہاری جگہ جہنم میں ہے۔ ہم تمہیں وہیں پہنچائیں گے۔"

دوسرے ریوالور والے نے کہا "کیوں بکواس کر رہے ہو۔ اتنی حسین عورت جہنم میں نہیں جنت میں رہتی ہے۔ یہ ہمارا دل بہلائے گی۔ پھر اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

میں نے ایک ریوالور والے کے دماغ کو اپنے قابو میں کیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا "بس یہاں کار روک دو۔ مجھے آگے نہیں جانا ہے۔"

اس کے ساتھی نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم باس کے پاس نہیں جاؤ گے؟"

اس نے کہا "نہیں، میں کہتا ہوں گاڑی روک دو۔"

ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ پھر دوسرے جھٹکے سے اس نے دروازے کو بند کر دیا۔ کار میں بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "تمہاری شامت آئی ہے۔ تم باس کے پاس پہنچ کر اپنے اس رویے کے جوابدہ ہو گے۔"

یہ کہہ کر اس نے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کے لیے کہا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ جب وہ بہت دور نکل گئی تو میں اس ریوالور والے کے دماغ سے باہر آ گیا تاکہ وہ خود کو سڑک کے کنارے کھڑا دیکھتا رہے۔ پھر میں آشا بیلا کے پاس کار کے اندر دوسرے ریوالور والے کے پاس پہنچا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس ریوالور والے نے بھی گاڑی رکوائی اور باہر اتر گیا۔ اس نے دروازے کو بند کیا۔ پھر ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ گاڑی کو آگے لے جائے۔ ڈرائیور حکم کا بندہ تھا۔ وہ گاڑی کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے آشا بیلا کی سوچ کے ذریعے ڈرائیور کی گفتگو سنی۔ پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا اب وہ آشا بیلا کو ممی کی کوٹھی کی طرف لے کر جا رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ کار ممی کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ آشا بیلا فوراً کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہی بھاگتے ہوئے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ پھر وہ کار وہاں سے آگے بڑھ گئی جب وہ اس علاقے سے باہر نکل گئی تو میں اس کے ڈرائیور کے دماغ سے باہر چلا آیا۔

ممی اور آشا بیلا کسی حد تک اس کوٹھی میں محفوظ ہو گئی تھیں پھر بھی اندیشہ تھا کہ دشمن ناکامی سے جھنجھلا کر اس کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ ممی کو ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔

میں ان کے دماغ میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ جہاندیدہ خاتون محتاط رہنا جانتی تھیں۔ انہوں نے ایک بھرا ہوا ریوالور اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ تمام کھڑکیوں اور دروازوں کو اندر سے لاک کر دیا تھا۔

آشا بیلا کہہ رہی تھی "فکر نہ کرو ممی! میں جوڈو کراٹے جانتی ہوں۔ میں نے اپنے کئی دشمنوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اگر یہاں کوئی آئے گا تو میں اس سے خالی ہاتھ نمٹ لوں گی۔"

میں مسکرانے لگا۔ بے چاری ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ وہ جوڈو کراٹے جانتی ہے اور ماضی میں کوئی لڑاکا قسم کی عورت رہ چکی ہے۔ میں ان کی طرف سے کسی حد تک مطمئن ہو کر نقلی جے جوالا کے پاس پہنچ گیا۔

وہ کسی عمارت کے ایک بہت ہی سجے سجائے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور ٹیلیفون کا ریسیور کان سے لگائے کسی کی بات سن رہا تھا۔ فون پر دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا "ہم نے آشا بیلا کی تصویر تمہیں دکھانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ تمہارا کام صرف اتنا تھا کہ تم جے جوالا کے پاسپورٹ پر یہاں سے لندن تک سفر کرتے اور وہاں سے واپس آ جاتے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ آشا بیلا کے قتل کے الزام کو جے جوالا پر عائد نہ کیا جا سکے لیکن آشا بیلا کی تصویر نہ ہونے کے باعث مغالطہ ہوا۔ جس شخص کو اس کے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ گڑبڑا گیا۔ اس نے آشا بیلا کی جگہ ایزا بیلا کو ٹھکانے لگا دیا۔ تصویر نہ ہونے کی وجہ سے تم بھی ایئرپورٹ میں گڑبڑا گئے تھے۔ بہرحال ہم سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آشا بیلا اور مادام مار تھا اور ان کا ایک حمایتی ابھی قیدیوں کی حیثیت سے ہمارے سامنے پہنچنے والے ہیں تمہارے لیے بھی یہ حکم ہے کہ جے جوالا کا پاسپورٹ وغیرہ لے کر یہاں پہنچ جاؤ۔"

اس فون کال سے یہ پتہ چل گیا کہ وہ جے جوالا کا میک اپ کر کے لندن کیوں گیا تھا اور اصلی جے جوالا یہیں رنگون شہر میں رہ گیا تھا۔ وہ اپنی موجودگی میں آشا بیلا کو قتل کرانا چاہتا تھا لیکن قتل کی واردات کے وقت اس سے دور رہنا چاہتا تھا اور قانون کی نظر سے بھی بچنا لازمی تھا۔ اس لیے ایک نقلی جے جوالا کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

ٹیلی فون پر ان دونوں کی گفتگو جاری تھی۔ نقلی جے جوالا نے پوچھا "کیا واقعی آشا بیلا کی یادداشت گم ہو گئی ہے یا وہ کوئی چال چلنے کے لیے اس بوڑھی خاتون کے ساتھ میرا راستہ روکنے آ گئی تھی؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آشا بیلا کل سے گم کیوں ہو گئی تھی؟ کہاں چھپی ہوئی تھی؟ اور اب وہ مادام مارتھا کیا کرتی پھر رہی ہے؟ ہمیں یقین نہیں آتا کہ اس کی یادداشت گم ہو سکتی ہے۔ ہم ابتدا ہی سے اسے جانتے ہیں کہ وہ بہت چالاک

اور بہت ہی خطرناک عورت ہے۔ اسی لیے جے جوالا ابھی منظرِ عام پر نہیں آنا چاہتا۔ آشا بیلا نے اگر اس کی بو پا لی تو وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

میں اپنا سر سہلانے لگا۔ یہ ایک نیا اور چونکا دینے والا انکشاف ہوا تھا کہ آشا بیلا چالاک ہے اور خطرناک ہے۔ اتنی خطرناک ہے کہ پہاڑ جیسا ڈیل ڈول رکھنے والا جے جوالا اس سے چھپتا پھر رہا تھا اور ابھی منظرِ عام پر نہیں آنا چاہتا تھا۔ اسے اس وقت کا انتظار تھا جب وہ قتل کر دی جائے گی۔

میں پچھلی رات سے آشا بیلا کو دیکھ رہا تھا اس کی سوچ بھی پڑھتا آ رہا تھا۔ بے شک وہ اپنی یادداشت کھو چکی تھی۔ اس کے باوجود سوچ کے ذریعے وہ کبھی چالاک نظر نہیں آئی۔ پھر یہ کہ میں نے اس کے ساتھ رنگین اور سنگین لمحات گزارے تھے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ کسی پہلو سے بھی خطرناک نہیں لگتی تھی۔ مانا کہ ایدنانہ بھی بہت ہی معصوم دکھائی دیتی تھی اور خود کو مظلوم ظاہر کرتی تھی۔ میں ایدنانہ سے بھی دھوکا کھا چکا تھا اور اس ایک تجربے کے بعد یہ یقین کر لینا چاہیے تھا کہ معصوم صورت والیاں زبردست فریبی ہوا کرتی ہیں مگر میرا دل نہیں مانتا تھا کہ آشا بیلا چالاک اور خطرناک ہو سکتی ہے۔ بہرحال آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ کیونکہ آشا بیلا کے دماغ پر میرا قابو نہیں تھا۔ میں اسے زبردستی چھیڑ کر اس کے ماضی کو اس کے گہرے سوتے ہوئے لاشعور سے بیدار نہیں کرا سکتا تھا۔

بہرحال آشا بیلا جو کچھ بھی ہو۔ اس لمحے بہت پُراسرار بن گئی تھی۔ میں نے فی الحال اس کے متعلق سوچنا ترک کر دیا اور اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جو ٹیلی فون پر نقلی جے جوالا سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ شخص باس کہلاتا تھا۔ اس کے حکم سے مجھے ممی اور آشا بیلا کو گھیرنے کی کوشش کی گئی تھی اور جے جوالا نے اس باس کے ماتحتوں کے ذریعہ آشا بیلا کو ٹھکانے لگانا چاہا تھا۔ اسی وقت جب اس نے فون کا ریسیور رکھا تو ایک شخص نے آ کر کہا "باس! ہمارے آدمی آشا بیلا اور اس کے ساتھیوں کو نہیں لا سکے۔ وہ لوگ خالی ہاتھ واپس آئے ہیں۔"

باس نے گرج کر پوچھا "کیا بکتے ہو؟ ان لوگوں کو اندر بھیجو۔"

پیغام دینے والا واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ کمرے میں حاضر ہوئے جو ہم تینوں کو گھیر کر لانے والے تھے۔ باس غرا کر دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا "باس ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گیا؟"

باس نے گھورتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا۔ کیا وہ لوگ تمہیں چٹکیوں میں مسل کر چلے گئے؟"

اس نے کہا "آپ پہلے ہماری بات سن لیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ لیکن آپ خود سوچیں کہ مادام مارتھا اصلی

وچ ڈاکٹر ہے۔ اس نے کوئی جادوئی عمل کیا تھا۔ میں اور ٹونی آشا بیلا کو گھیر کر لا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم پتہ نہیں کیسے غافل ہو گئے یا ہمارا دماغ کہیں گم ہو گیا۔ جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے خود کو سڑک کے کنارے پایا۔ اور آشا بیلا کار کے ساتھ غائب ہو چکی تھی۔"

مجھے گھیر کر لانے والے نے کہا "جناب! میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہے۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور آشا بیلا کے حمایتی کو ریوالور سے دھمکی دے رہا تھا پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ پلک جھپکتے ہی میں پچھلی سیٹ پر نہیں تھا اگلی سیٹ پر پہنچ گیا تھا اور میرا ریوالور اس آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ اس آدمی نے پھر میرا مذاق اڑانے کے انداز میں وہ ریوالور مجھے واپس کر دیا۔ میں نے دوبارہ اسے دھمکی دی۔ پھر پتہ نہیں کہ مجھے کیا ہوا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ میں سڑک کے کنارے کھڑا ہوا ہوں اور وہ کار سمیت کہیں غائب ہو گیا تھا۔"

ممی کو گھیرنے والے نے بھی تقریباً یہی بیان دیا۔ باس ایکدم سے جھنجھلا گیا۔ پاؤں پٹختا ہوا ایک کے پاس آیا اور اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرتے ہوئے بولا "کیا تم لوگ مجھے احمق سمجھتے ہو کہ میں تم لوگوں کے مشترکہ بیان پر یقین کر لوں گا۔ تم لوگوں نے آپس میں کھچڑی پکائی ہے اور اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے یہ بیان گھڑ لیا ہے۔"

وہ سب قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے لگے کہ ان کا بیان درست ہے۔ اتنے میں وہ ڈرائیور پہنچ گیا۔ اس نے بھی آتے ہی کہا "جناب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے ساتھ کیا ہو گیا۔ یہ دونوں پچھلی سیٹ پر آشا بیلا کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر آگے چل کر پہلے ٹونی کار سے اتر گیا۔ پھر اس کے بعد اور آگے چل کر یہ کار سے باہر چلا گیا۔ اور مجھ سے کہا کہ میں کار آگے بڑھا دوں۔ میں حکم کے مطابق ڈرائیو کرتا ہوا آگے جانے لگا۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں ہے کہ کیا ہوا؟ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ سب پلک جھپکتے ہی ہو گیا ہو۔ جب میں نے سر کو جھٹک کر دیکھا تو میں کراؤن کالونی کے قریب کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو پچھلی سیٹ پر آشا بیلا نہیں تھی۔ پتہ نہیں وہ کب اتر کر چلی گئی تھی۔ میں اسے دور دور تک تلاش کرتا رہا۔ لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ مجبور ہو کر میں یہاں واپس آیا ہوں۔"

اب وہ باس سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ اتنے سارے لوگوں کے بیانات غلط نہیں ہو سکتے۔ وہ مادام مارتھا واقعی وچ ڈاکٹر ہے، اور ہمارے ساتھ کوئی جادوئی تماشہ دکھا رہی ہے۔ اس عورت کو پہلے ختم کرنا ہو گا۔ اور آشا بیلا یقیناً اسی کی پناہ میں ہو گی۔

یہ سوچ کر اس نے ان لوگوں کو وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ چلے گئے تو اس نے حیر اللہ نامی ایک شخص کو بلایا۔ اس کی سوچ بتا رہی

تھی کہ وہ جیرالڈ کی جسمانی قوت اور ذہنی صلاحیتوں پر بہت اعتماد کرتا ہے۔ جو کام دوسروں سے نہیں ہو سکتا، وہ انجام کار جیرالڈ ہی سے کرایا جاتا ہے۔ جب وہ کمرے میں حاضر ہوا تو اس نے کہا "جیرالڈ! تم کبھی اپنی کسی مہم میں ناکام نہیں رہے لیکن اس بار ایک جادوگرنی سے پالا پڑا ہے۔ مادام مارتھا کو تم جانتے ہو۔ ہم سمجھتے تھے کہ وہ کوئی فراڈ عورت ہے لیکن وہ صحیح معنوں میں وِچ ڈاکٹر ثابت ہو رہی ہے۔"

جیرالڈ نے کہا "باس! میرا نام جیرالڈ ہے میں اس کی ناک کے راستے سارا جادو نکال دوں گا۔ آپ مجھے حکم دیں۔"

"حکم یہ ہے کہ ابھی مادام مارتھا کی کوٹھی پر حملہ کرو۔ آشا بیلا یقیناً وہاں پناہ لے رہی ہے۔ اپنے ساتھ جتنے آدمی لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔"

وہ ناگواری سے بولا "باس! میری توہین نہ کرو۔ میں کبھی اپنے ماتحتوں کا محتاج نہیں رہتا۔ ایسے کام تنہا انجام دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہمیں تم پر اعتماد ہے لیکن تم جانتے ہو کہ اگر آشا بیلا اس بار بھی ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نکل گئی تو مجھے دس ہزار ڈالر کا نقصان ہوگا۔ میں یہ نقصان نہیں چاہتا۔ بہتر ہے کہ اپنے ساتھ دو چار اچھے چالاک اور دلیر قسم کے ماتحتوں کو لے جاؤ۔"

وہ کوئی جواب دیئے بغیر وہاں سے پلٹ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ باس کی سوچ بتا رہی تھی کہ جے جوالا نے آشا بیلا کو قتل کرنے کا معاوضہ دس ہزار ڈالر کی صورت میں دیا ہے اور باس نے اپنے ایک ماتحت کو پانچ سو ڈالر اس قتل کے سلسلے میں دیئے تھے تاکہ وہ آشا بیلا کو مکان نمبر چھ میں ٹھکانے لگا دے۔ یہ وہی قاتل تھا جو ہم سے جنگل میں آ کر ٹکرایا تھا اور ایک درندے کا لقمہ بن گیا تھا۔ اب وہ باس ہر طرف سے مایوس ہو کر آخری بار جیرالڈ کو بھیج رہا تھا۔

میں نے کار وہاں سے موڑ دی۔ ممی کی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ راستے میں میں نے آشا بیلا کے متعلق اہم نکتے ذہن میں رکھے پہلی بات تو یہ کہ وہ چالاک اور خطرناک ہے حالانکہ میرا دل نہیں مانتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ آخر اس کی حقیقت کیا ہے۔ کیا وہ معصوم اور مظلوم ہے؟ کیا وہ رامیشور کی بہن ہے؟

یہ گتھی بھی سلجھانا ضروری تھا کہ وہ رامیشور کی بہن ہے یا نہیں؟ کیونکہ رامیشور اپنی بہن کے لیے گڑگڑا رہا تھا اور اس نے جو تصویر پیش کی تھی وہ آشا بیلا کی تھی۔ اس کے گڑگڑانے سے پتہ چلتا تھا کہ آشا بیلا کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ خود خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ اس پر گولیاں برس رہی تھیں اور وہ ہانپتا ہوا ہماری طرف پناہ لینے آ رہا تھا۔ لفافہ پیش کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ آشا بیلا کی تصویر مجھے دینا چاہتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ یہ تصویر اس کے قاتلوں کے ہاتھ نہ لگے۔

اب اس تصویر کو مرکز بنا کر یہ سوچا جا سکتا تھا کہ جے جوالا سے لے کر اس باس تک اور باس سے اس کے ماتحت قاتل تک آشا بیلا کی تصویر نہیں تھی اور آشا بیلا کو پہچاننے کے لیے ایک تصویر لازمی تھی اور وہ تصویر رامیشور کے پاس تھی۔ اور رامیشور اس تصویر کی حفاظت کرتا ہوا دشمنوں کی نگاہوں سے اس تصویر کو بچاتا ہوا میرے پاس لے آیا تھا۔ ان باتوں کے پیش نظر یہ ثابت ہوتا تھا کہ آشا بیلا چالاک یا خطرناک نہیں ہے بلکہ معصوم ہے اور قاتل اسے قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور ابتدائی منصوبہ صرف اس لیے ناکام رہا کہ اس کی تصویر قاتل کے پاس نہیں تھی۔

میں جس پہلو سے بھی سوچتا تھا وہ حسینہ میرے دل میں سما جاتی تھی۔ دل سے اترتی نہیں تھی۔ بس ایک پہلو ایسا تھا کہ سوچنے سے جواب نہیں ملتا تھا اور وہ یہ کہ جے جوالا اس سے کیوں چھپتا پھر رہا ہے جے جوالا کے متعلق میں نے بڑی بڑی رائے قائم کی تھیں کہ وہ بہت ہی خطرناک، پُراسرار اور ناقابلِ شکست ہوگا۔ شاید اس سے مقابلے کی باری آئے تو مجھے ناکوں چنے چبوا دے، لیکن باس کی باتیں سننے کے بعد مایوسی ہو رہی تھی۔ اگر وہ ایسا ہی بزدل نکلا تو سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔

میری کار ممی کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئی۔ دربان نے مجھے دیکھتے ہی ٹیلیفون پر ممی کو اطلاع دی۔ ممی نے اسے حکم دیا کہ فوراً میرے لیے دروازہ کھولا جائے۔ احاطے کا بڑا پھاٹک کھلا اور میں کار ڈرائیو کرتا ہوا اندر پہنچ گیا ــــ جیرالڈ ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ میں کار سے اتر کر اندر آیا۔ ممی اور آشا بیلا ڈرائنگ روم میں میرا انتظار کر رہی تھیں۔ ممی نے مجھے دیکھتے ہی کہا "تھینکس گاڈ! تم خیریت سے واپس آ گئے۔ کیا دشمنوں نے تمہیں بھی گھیر لیا تھا؟"

میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "ہاں ایک بدمعاش میری کار کی پچھلی سیٹ پر ریوالور لیے بیٹھا ہوا تھا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ وہ آگے جا کر کار سے اتر گیا اور اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔"

آشا بیلا نے شدید حیرانی سے کہا "مائی گاڈ ممی! ہم تینوں کے ساتھ یہی قصہ ہوا ہے۔ کیا وہ دشمن ہم سے مذاق کر رہے تھے؟"

ممی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا وہ بڑی سنجیدگی سے میری آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میری باتوں کو تول رہی ہیں۔ انسان کے جسم میں آنکھیں بڑی چغلخور ہوتی ہیں۔ دل اور دماغ کی باتوں کی عکاسی کر دیتی ہیں۔ ممی کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ میرے متعلق پوری طرح فکر میں مبتلا ہیں اور میری اصلیت معلوم کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ان کے علم کے مطابق میرا چہرہ میری آنکھوں سے مختلف ہے۔

اور ان کا علم درست تھا۔ وہ درست سوچ رہی تھیں کیونکہ آنکھیں پیدائشی تھیں اور میرا چہرہ مصنوعی تھا۔ پلاسٹک سرجری کا مرہونِ منت تھا لہٰذا جو قیافہ شناسی اور آنکھوں کی اسٹڈی کا علم رکھتے ہیں۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ میری آنکھیں میرے چہرے سے مختلف ہیں۔

ممی نے آشا بیلا سے کہا "میرا بیٹا تھک کر آیا ہے اگر تم مائنڈ نہ کرو تو چائے بنا کر لے آؤ۔ گرما گرم چائے سے ذرا دماغی تھکن دور ہو جائے گی۔"

آشا بیلا فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ اسے ممی کی خدمت کرتے ہوئے اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے جاتے ہی ممی نے مجھ سے کہا "بیٹے! میں نے اب تک ہزاروں چہرے پڑھے ہیں لیکن تمہارا چہرہ سب سے مختلف ہے۔ میں نے آج تک ایسا چہرہ نہیں دیکھا جس کی آنکھیں اس کے اپنے چہرے سے مختلف لگتی ہوں۔ چہرے کے تاثرات کچھ اور ہوتے ہیں۔ آنکھیں کچھ اور بولتی ہیں آخر میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تمہارا یہ چہرہ مصنوعی ہے اور تم نے پلاسٹک سرجری کرائی ہے۔"

میں ان کی بات سن کر مسکرانے لگا۔ پھر میں نے آہستگی سے کہا "ممی! میں آپ کے علوم کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ سچ بات یہ ہے کہ ایک حادثے میں میں بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ چہرہ ایک جانب سے بگڑ گیا تھا۔ میں نے پلاسٹک سرجری کرائی تھی۔"

"کیا تمہارے پیدائشی چہرے کی کوئی تصویر تمہارے پاس ہے؟"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "کوئی تصویر نہیں ہے میں خانہ بدوشی کی حالت میں گھومتا رہتا ہوں، بھلا یہ چیزیں میرے پاس کہاں سے محفوظ رہ سکتی ہیں؟"

ممی نے ایک سوال کیا "سچ سچ بتاؤ میں تمہاری ماں ہوں، مجھ سے کچھ نہ چھپانا کیا تم کوئی پُراسرار علم جانتے ہو؟"

میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میری سمجھ میں نہیں آتا لوگ کسی بھی علم کو پُراسرار کیوں کہتے ہیں۔ جب علم جان ہی لیا تو پُراسرار کہاں رہا؟"

ممی نے کہا "بیٹے! مجھے باتوں میں نہ ٹالو۔ میری بات کا جواب دو۔ دیکھو بیٹے جھوٹ بولنے والا سمجھتا ہے کہ صرف اس کی زبان جھوٹ بول رہی ہے لیکن میں چہرے کی زبان پڑھتی ہوں۔ آنکھوں کی زبان پڑھتی ہوں۔ میں ایک ایک حرکت کی زبان سمجھتی ہوں۔ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ اس وقت تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم جھوٹ بولنے کے لیے پر تول رہے ہو۔"

میں ممی کے سامنے ہار گیا۔ ان سے جھوٹ بولنا ناممکن تھا میں نے سوچا کہ جو اتنے خلوص سے اپنی محبت اور اپنی ممتا مجھے دے رہی ہیں۔ اور میں جن کے ذہن کو اچھی طرح کھنگال چکا ہوں اور یہ کہ مجھ سے کبھی دغا نہیں کریں گی تو پھر اپنے آپ کو چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک بوڑھی خاتون جو میری ماں کے فرائض ادا کر رہی ہیں۔ ان کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔

یہ سوچ کر میں ان کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور پھر میرے پاس صوفہ پر آ کر بیٹھ گئیں۔ میں نے ان کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ تب انہوں نے ایک دم سے چونک کر اس خالی صوفہ کو دیکھا جہاں وہ بیٹھی تھیں۔ پھر اپنے آپ کو دیکھا۔ پھر حیرانی سے مجھے تکنے لگیں۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "دیکھئے ممی! آشا بیلا کو ذرا بھی پتہ نہ چلے کہ میں یہ علم جانتا ہوں۔ آپ نے دیکھ لیا نا کہ آپ اس صوفے پر بیٹھی تھیں۔ میرے پاس اس صوفے پر آ گئیں۔ وہ جو قاتل آپ کو ریوالور دکھا رہا تھا۔ اسے میں نے کار سے نیچے اتار دیا تھا اور آپ کو یہاں بھیج دیا تھا۔ آشا بیلا کو بھی میں نے اسی طرح بچایا تھا اور اپنی حفاظت بھی اسی علم کے ذریعے کی۔"

وہ شدید حیرانی سے مجھے دیکھے جا رہی تھیں۔ پھر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے میرے چہرے کو تھام لیا اور فرطِ محبت سے بولیں "بیٹے! یہ کون سا علم ہے۔ مجھے بتاؤ اس کا کوئی نام تو ہوگا؟"

میں نے آہستگی سے جواب دیا "ابھی میں نے ٹیلی پیتھی کا کمال دکھایا تھا۔"

وہ ایک ساعت کے لیے سکتے میں رہ گئیں پھر جوشیلے انداز میں کپکپاتے ہوئے لہجے میں بولیں "تم! میرے بچے! تم فرہاد علی تیمور ہو؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ چیخ کر مجھ سے لپٹ گئیں اور مجھے پیار کرنے لگیں۔ میرے بالوں کو مٹھی میں لے کر جکڑنے لگیں کبھی میری پیشانی کو کبھی میرے گالوں کو کبھی میری آنکھوں کو چومنے لگیں۔ میں نے آہستگی سے کہا "ممی! اپنی محبت اور ممتا کو قابو میں رکھیں آشا بیلا آنے والی ہے۔"

وہ مجھ سے لگ کر بیٹھ گئیں۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا۔ جیسے سارے جہاں کی دولت دونوں ہاتھوں میں آ گئی ہو پھر بولیں "بیٹے میں تمہارے بارے میں دن رات سوچتی رہتی تھی۔ اتنا سوچتی تھی اتنا سوچتی تھی کہ میری وہ سوچ عبادت بن گئی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں کسی طرح تمہارے پاس پہنچ جاؤں اور تم جو چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے رہتے ہو تو میں تمہارے سامنے سینہ سپر ہو کر اپنی پناہ میں تمہیں لے کر دشمنوں کا مقابلہ کروں۔ آج مجھے اس عبادت کا انعام مل گیا ہے۔ اب میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ اگر جاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ دنیا

کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاؤں گی اور مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

میں نے ان کے بوڑھے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "ممی! یہ آپ کے آرام کرنے کی عمر ہے۔ آپ بہت لمبی زندگی گزار چکی ہیں۔ میرے ساتھ سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں کر سکیں گی۔ محبت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ ساتھ رہیں۔ ہم سیکڑوں ہزاروں میل دور رہ کر بھی ایک دوسرے کے بالکل قریب رہ سکتے ہیں۔ دو انسانوں کی سوچ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔ آپ جب بھی مجھے یاد کریں گی میں آپ کے پاس پہنچ جایا کروں گا۔"

ممی کوئی جواب نہ دے سکیں۔ آشا بیلا ایک ٹرے میں چائے کی تین پیالیاں رکھ کر لے آئی تھی۔ اس نے ہمارے سامنے سینٹر ٹیبل پر وہ پیالیاں رکھ دیں پھر مسکراتے ہوئے بولی "ماں بیٹے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہم تمہارے اندر سے تمہیں ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیوں ممی! آپ ابھی آشا بیلا کے چہرے کو پڑھ کر کچھ معلومات فراہم نہیں کر سکتیں؟"

ممی نے جواب دیا۔ "جب سے یہ آئی ہے میں وقتاً فوقتاً اس کے چہرے کو اور اس کی آنکھوں کو پڑھتی رہتی ہوں۔ اس کی حرکات و سکنات کا بھی جائزہ لیتی رہتی ہوں۔ میں نے یہ معلوم کیا ہے کہ یہ اپنی فطرت میں آگ بھی ہے اور پانی بھی۔ دھوپ بھی ہے اور چھاؤں بھی۔ جب تک اسے پُرسکون زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے، یہ چپ چاپ گزارے چلی جاتی ہے۔ اگر کوئی راکھ تلے دبی چنگاری کو بھڑکا دے کوئی اسے چھیڑ دے تو پھر یہ دوسروں کے لیے عذابِ جاں بن جاتی ہے۔ اس کے چہرے کی معصومیت کے پیچھے جو سختی ہے اس کی خوبصورت آنکھوں کے پیچھے جو گہرائی ہے ان سے یہی کچھ معلوم ہوتا ہے۔"

آشا بیلا اپنے بارے میں وہ رپورٹ بڑی حیرانی سے سن رہی تھی۔ اب مجھے بھی پتہ چلا کہ دشمن اسے چالاک اور خطرناک کیوں کہتے ہیں یعنی وہ معصوم تو تھی لیکن مخصوص حالات میں خطرناک بن جایا کرتی تھی۔

میں نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وہ جواباً مسکراتے ہوئے بولی "مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں شعلہ بھی ہوں اور شبنم بھی۔ میں تو اپنے آپ کو شبنم ہی پاتی ہوں۔"

اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ممی نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے بیرونی پھاٹک کا دربان بول رہا تھا۔ "مادام آپ کے لیے ایک ٹیلی گرام آیا ہے۔ ٹیلی گرام لانے والا میرے دستخط پر وہ تار دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔"

ممی نے کہا۔ "ٹھیک ہے اسے یہاں بھیج دو۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر صوفے پر پڑے ہوئے [illegible] کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! میرے نام کوئی ٹیلی گرام آیا ہے۔ [illegible] ریسیو کرنے جا رہی ہوں۔"

ان کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اچانک مجھے جیرالڈ [illegible] میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ ٹیلی گرام [illegible] والے کے بہروپ میں اس کوٹھی کے دروازے تک پہنچنے والا [illegible] ممی کے جاتے ہی آشا بیلا نے کہا۔ "تم سے تنہائی میں باتیں کرنے [illegible] موقع ہی نہیں مل رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تم اپنی چائے کی پیالی لے کر بیڈ روم [illegible] چلی جاؤ۔ میں ابھی ممی سے کوئی بات بنا کر تمہارے پاس آتا ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے صوفے پر سے اٹھ گئی اور اپنی پیالی لے [illegible] بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ میں نے اسے ٹال دیا تھا تاکہ وہ میری خیال خوانی کے دوران مداخلت نہ کرے۔ اس کے جاتے ہی [illegible] جیرالڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب وہ دروازے پر آ گیا تھا۔ [illegible] دروازہ کھول کر اس سے کہہ رہی تھیں۔ "لاؤ وہ ٹیلی گرام مجھے دکھاؤ۔"

جیرالڈ نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ [illegible] بڑی سفاکی سے کہا۔ "چپ چاپ اندر چلو اور مجھے آشا بیلا تک پہنچا دو۔"

ممی خاموشی سے پلٹ کر کمرے میں آ گئیں۔ جیرالڈ نے کہا "ٹھہرو، پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا وہ حمایتی کہاں ہے؟"

ممی نے جھوٹ کہا۔ "وہ پتہ نہیں کہاں گیا ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ ایئر پورٹ گیا تھا تب سے واپس نہیں آیا۔"

یہ کہہ کر وہ جیرالڈ کو دوسرے راستے سے بیڈ روم کی طرف لے جانے لگیں۔ میں نے پوری طرح جیرالڈ کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا تو اس نے کہا۔ "ممی ٹھہر جائیے۔ میں ادھر بیڈ روم کی طرف نہیں جانا چاہتا۔ میرا یہ ریوالور لیجیے اور مجھے ڈرائنگ روم میں لے چلیے۔ وہاں آپ کا بیٹا میرا انتظار کر رہا ہے۔"

اس کے بدلے ہوئے رویے کو دیکھ کر ممی نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ پھر ان کی سمجھ میں آ گیا کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے ٹریپ کر چکا ہوں۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا پھر اسے میرے پاس ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

میں اس کے دماغ کو آزاد چھوڑتے ہوئے صوفے پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سر جھٹک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھ رہا تھا اور اپنے ... ریوالور کو مادام کے ہاتھوں میں دیکھ کر بہت زیادہ حیرانی کا اظہار کر رہا تھا۔ یعنی بے بسی سے تلملا رہا تھا کہ وہ ریوالور ممی کے ہاتھ میں کیسے پہنچ گیا؟ میں نے کہا۔ "کیوں تم نہیں جانتے

[illegible] ڈاکٹر ہیں اور وہ جادوئی عمل سے تمہیں اتو بھی [illegible] ہیں۔"

وہ بڑا ہی ضدی اور سرکش بندہ تھا۔ اس نے اچانک ہی ممی کے ہاتھوں پر ایک ٹھوکر ماری۔ ریوالور ان کے ہاتھوں سے نکل کر [illegible] میں اڑتا ہوا دور قالین پر گر پڑا۔ پھر اس نے بڑی پھرتی سے اس [illegible] کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ ریوالور کے قریب پہنچ کر اوندھے [illegible] پڑا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس ریوالور کو اٹھانے لگا۔ لیکن میں نے [illegible] اس کا موقع نہیں دیا۔ وہ بار بار ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ [illegible] اس کا ہاتھ جھٹکا دیتا تھا۔ وہ جھنجھلانے لگا کہ ریوالور کیوں [illegible] گرفت میں نہیں آ رہا ہے یا اس کا ہاتھ کیوں ریوالور کی طرف [illegible] بڑھ رہا ہے۔ پھر وہ ایک دم سے پریشان ہو کر قالین پر بیٹھ گیا [illegible] ہماری جانب بے بسی سے دیکھنے لگا۔ اس بار ممی نے کہا۔ "چلو تم [illegible] ریوالور کو اٹھاؤ۔ میں اپنا جادوئی عمل دکھا رہی ہوں۔"

اس نے سوچا کہ ممی باتوں میں لگی ہوئی ہیں۔ موقع غنیمت [illegible] اس نے اچانک ہی پلٹ کر پھر ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی۔ [illegible] پکڑنا چاہا لیکن نہ پکڑ سکا۔ وہ کم بخت کیا جانتا تھا کہ جادوئی عمل [illegible] کی طرف سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ میں خیال خوانی کا تماشہ دکھا [illegible] رہا ہوں۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "اگر تم اپنی سلامتی چاہتے [illegible] تو فرش پر اکڑوں بیٹھ جاؤ اور ہمارے سوالوں کا جواب دو۔"

وہ اپنے باس کے سوا کسی کا حکم ماننا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ [illegible] بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے اپنی دانست میں اچانک [illegible] پر چھلانگ لگائی۔ میں فوراً ہی بیٹھ گیا۔ وہ فضا میں اڑتا ہوا [illegible] سر کے اوپر سے گزرتا ہوا سینٹر ٹیبل پر آ کر گرا۔ پھر وہاں سے [illegible] لڑھکتا ہوا دوبارہ قالین پر پہنچ گیا۔

میں نے سمجھ لیا کہ یہ سیدھی طرح قابو میں نہیں آئے گا۔ میں نے [illegible] بڑھ کر اس کے اٹھنے سے پہلے ہی اس کے منہ پر ایک زوردار [illegible] وار لگائی۔ وہ جنگلی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔ میں نے دوسری [illegible] ٹھوکر سے اس کا منہ لہولہان کر دیا۔ وہ تڑپنے لگا۔ مگر بڑے مضبوط [illegible] اعصاب کا مالک تھا اور مار کھا کر مارنا بھی جانتا تھا۔ وہ تڑپتا ہوا [illegible] فرش پر بیٹھ گیا اور مجھے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے [illegible] اس کو ایسی زبردست چوٹیں پہنچی تھیں کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا [illegible] چھا رہا تھا اور میں اسے دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ اگر میں اسے [illegible] کا صحیح طور سے موقع دیتا تو یقیناً وہ جم کر مجھ سے لڑتا اور بڑا [illegible] خطرناک مقابلہ ہمارے درمیان ہوتا، لیکن مجھے اپنی قوت اور [illegible] کا مظاہرہ کرنا نہیں تھا۔ میں جلد سے جلد آشا بیلا کے اسرار کو [illegible] سلجھانا چاہتا تھا اس لیے میں نے پے در پے اس پر حملے کرنا شروع [illegible] لاتوں سے ہاتھوں سے اس کی خوب پٹائی کرتا رہا حتیٰ کہ وہ

بے دم ہو کر فرش پر چاروں شانے چت ہو گیا۔

اب اس کے ہاتھ پاؤں میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکتا۔ تاہم اس کے اندر ابھی تک ضد باقی تھی۔ وہ مجھ سے شدید نفرت کر رہا تھا اور کسی طرح میری جان لینا چاہتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مرتے مرتے بھی میری باتوں کا صحیح جواب نہیں دے گا۔ میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر اپنے سوالوں کے جواب سننے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اسے آشا بیلا کے پاس پہنچ کر سب سے پہلے اس کا پرس حاصل کرنا ہوگا۔ اس کے بعد وہ اسے ہلاک کر دے گا۔"

میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا۔ "لیکن پرس حاصل کرنا کیا ضروری ہے؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا۔ "جے جوالا نے دس ہزار ڈالر معاوضہ دیتے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ آشا بیلا کو قتل کرنے سے پہلے اس کا پرس حاصل کیا جائے اور وہ جوں کا توں جے جوالا تک پہنچایا جائے۔ تب ہی وہ معاوضے کی پوری رقم ادا کرے گا۔"

وہ سوچتے سوچتے جھنجھلا گیا کہ مار کھا کر بُری طرح زخمی ہو کر فرش پر پڑا ہوا ہے اور خواہ مخواہ آشا بیلا، جے جوالا اور اپنے باس کے متعلق سوچے جا رہا ہے۔ اسے تو کسی طرح اٹھ کر اس سامنے والے شخص سے بدلا لینا چاہیے۔ کسی طرح اسے ہلاک کرنا چاہیے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ہاں مجھے سب سے پہلے اسی شخص کو ہلاک کرنا چاہیے لیکن ابھی مجھ میں اٹھنے کی سکت نہیں ہے ذرا دیر اپنی طاقت بحال کرنے کے لیے مجھے اسی طرح آنکھیں بند کرکے پڑے رہنا چاہیے۔ پھر میں اس سے نمٹ لوں گا۔"

وہ میری اس سوچ کے تحت قائل ہو گیا۔ میں نے پھر اس کے دماغ میں دبی آشا بیلا، جے جوالا اور ان کے درمیان اس پرس والی بحث چھیڑ دی۔ وہ سوچنے لگا۔ یقیناً وہ پرس بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ میرے باس نے اس پرس کے متعلق سوال کیا تھا لیکن جے جوالا نے اسے جواب دیا تھا۔ 'تم آم کھاؤ پیڑ نہ گنو۔ اس پرس سے جو کچھ بھی برآمد ہوگا اس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ وہ صرف جے جوالا کے کام آئے گا۔'

گمشدہ ماضی کی اس داستان میں میں نے اور آشا بیلا نے اس پرس کو بالکل ہی بھلا دیا تھا۔ اب اس کی اہمیت کا پتہ چل رہا تھا۔ جب آشا بیلا نے اس ویران مقتل میں آنکھیں کھولنے کے بعد خود کو اجنبی محسوس کیا تھا، تب وہاں اس نے دو چیزیں دیکھی تھیں۔ ایک ایزا بیلا کی لاش اور دوسرا وہ پرس جو لاش کے قریب پڑا ہوا تھا۔ اس نے بعد میں وہ پرس اٹھا لیا تھا اور اس مقتل سے باہر آ گئی تھی۔ باہر اس گلی کو عبور کرنے کے بعد جب وہ شاہراہ پر

پہنچی تو یہ بات دماغ میں آئی تھی کہ کسی ریسٹورنٹ میں آرام سے بیٹھ کر اس پرس کی تلاشی لینا چاہیے۔ اس پرس میں سے جو سامان برآمد ہوگا اسے دیکھ کر شاید اس کی یادداشت واپس آجائے۔ مگر بدقسمتی سے ایک اُچکے نے وہ پرس آشا بیلا سے چھین لیا تھا اور وہاں سے بھاگتا ہوا ایسا غائب ہوا تھا کہ پھر اس کے متعلق کچھ پتہ ہی نہ چلا۔

سوچنے سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ مقتولہ ایزا بیلا کے پاس پڑا ہوا پرس ایزا بیلا کا ہی ہو سکتا تھا لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آشا بیلا جب اس ویران مقتل میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں بھی پرس ہوگا۔ اور ایزا بیلا جو لندن سے آئی تھی تو وہ بھی خالی ہاتھ نہ ہوگی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک پرس لازمی ہوگا۔ تو وہاں دو پرس کا ہونا ضروری تھا۔ دوسرا پرس کہاں گیا؟

اب قصہ یوں ہو سکتا ہے کہ جس قاتل کو آشا بیلا کے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اسے یقیناً یہ سمجھایا گیا ہوگا کہ وہ آشا بیلا کا پرس ضرور ساتھ لے کر آئے۔ قاتل نے غلطی سے ایزا بیلا کو قتل کیا، اور اسے آشا بیلا کا پرس سمجھ کر باس کے پاس پہنچا دیا اور ادھر اس قاتل سے آشا بیلا کا جب ٹکراؤ ہوا تو آشا بیلا کے ہاتھ میں بھی پرس تھا لیکن قاتل نے اس پرس کو کوئی اہمیت نہیں دی ہوگی۔ اسے مار کر بے ہوش کیا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ یعنی ۔ ۔ ۔ ۔ آشا بیلا نے ہوش میں آکر ایزا بیلا کے پاس سے جو پرس اٹھایا تھا، وہ پرس آشا بیلا کا ہی تھا اور اس میں سے جو کچھ بھی برآمد ہوتا اس سامان کو دیکھ کر شاید آشا بیلا کے ماضی کے متعلق کچھ حالات کا علم ہو جاتا لیکن افسوس نہ تو وہ آشا بیلا کو ملا نہ جے جوالا کو، ایک اُچکا اسے لے گیا تھا۔

ایزا بیلا کا پرس جب جے جوالا کے پاس پہنچا ہوگا تو اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ قاتل نے دھوکا کھایا ہے اور آشا بیلا زندہ بچ نکلی ہے اب اس پرس کے متعلق جبراللہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کا باس بھی نہیں جانتا تھا۔ آشا بیلا جانتی تھی مگر اس کی یادداشت کام نہیں کر رہی تھی۔ صرف ایک جے جوالا ہی ایسا تھا جس کے دماغ تک پہنچ کر میں یہ معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ میں نے جبراللہ کی سوچ میں کہا: ”میں نے زندگی میں پہلی بار ایک شخص سے ایسی شکست کھائی ہے اور یہ سب کچھ جے جوالا سے سودے بازی کے باعث ہوا ہے۔ کیوں نہ میں جے جوالا کے پاس جا کر اس کا بدلہ اس سے لوں اور اس کی خوب پٹائی کروں۔“

جبراللہ کی سوچ نے کہا: ”پتہ نہیں وہ جے جوالا کس بل میں چھپا رہتا ہے۔ باس کے سوا کوئی اس سے رابطہ قائم نہیں کرتا اور شاید باس نے بھی ایک ہی بار اس سے روبرو ملاقات کی ہے۔ اس کے بعد صرف ٹیلی فون پر اس سے رابطہ قائم ہوا کرتا ہے لیکن میں اپنی شکست کا بدلہ جے جوالا سے لینے کے لیے کیوں سوچ رہا ہوں؟ یہ تو میری بزدلی ہے۔ میں مر سکتا ہوں لیکن یہاں سے شکست کھا کر نہیں جا سکتا۔ میں اس شخص کو قتل کرکے ہی جاؤں گا۔ ہاں اب مجھ میں کچھ توانائی محسوس ہو رہی ہے اب مجھے اٹھنا چاہیے۔“

یہ سوچتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے میری طرف دیکھا۔ پھر فرش پر اپنے ہاتھ کی کہنی ٹیک کر اٹھنے لگا۔ میں نے کہا: ”بیٹے! ابھی ایک ٹھوکر ماروں گا تو پھر چار دن شانے چت ہو کر پڑے سوچتے رہو گے۔ بہتر ہے کہ اب تم یہاں سے چپ چاپ چلے جاؤ۔“

وہ خاموشی سے جانے والا نہ تھا۔ میں اس کی سوچ کے ذریعے اس کی فطرت کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو میں نے کہا: ”اچھی بات ہے۔ تم وہ ریوالور وہاں سے اٹھالو۔ میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ تم مجھے قتل کردو یا پھر یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

پہلے تو اسے میری بات کا یقین نہ آیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ قالین پر رینگتا ہوا ریوالور تک پہنچ گیا۔ اس نے ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس بار اس کا ہاتھ ادھر اُدھر نہیں گیا۔ ریوالور اس کی گرفت میں آگیا۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر مجھ پر فائرنگ کرنا چاہتا تھا لیکن میں اس کے دماغ میں جا کر بیٹھ گیا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ میں ریوالور لے کر سیدھا چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر گیا پھر کوٹھی سے باہر نکل کر مین پھاٹک تک جانے لگا۔ اس نے میری سوچ کے مطابق ریوالور کو جیب میں رکھ لیا تھا تاکہ پھاٹک پر کھڑے ہونے والا دربان ۔ ۔ ۔ ۔ اس ریوالور کو نہ دیکھ سکے۔ دربان نے اس کے لیے گیٹ کھول دیا تھا وہ باہر نکلتا چلا گیا۔ پھر وہ تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے اس علاقے سے باہر جانے لگا۔ مجھے اس وقت تک اس کے دماغ میں رہنا پڑا جب تک وہ اس علاقے سے دور نہیں نکل گیا۔ پھر میں نے اس کے ریوالور کو جیب سے نکالا اس کی نال اس کی کنپٹی پر رکھی اور اس کی انگلی سے ٹریگر چلا دی۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

اگرچہ یہ ایک ظالمانہ فعل تھا لیکن میں مجبور تھا۔ اتنی دیر تک اس کی پٹائی ہونے کے بعد بھی اس کی سوچ یہی بتاتی رہی کہ وہ ہار ماننے والا آدمی نہیں ہے، مجھے قتل کرکے ہی رہے گا۔ اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو وہ اس اجنبی شہر میں میرے لیے مصیبت بنا رہتا اور مجھے اپنی حفاظت کے لیے دوسرے کام چھوڑ کر بار بار اس کی سوچ پڑھتے رہنا پڑتا۔

میں دماغی طور سے ڈرائنگ روم میں ممی کے سامنے حاضر ہو گیا ایک صوفے پر آرام سے بیٹھتے ہوئے بولا: ”ممی! میں اس شخص کو معاف کر دینا چاہتا تھا لیکن بعض دشمن ایسے ہوتے ہیں جو ناقابلِ معافی ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی ہماری موت کا سبب بن جاتی ہے لہٰذا میں نے اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔“

ممی میرے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں: ”میرے بیٹے پر ایسے سارے دشمن قربان ہو جائیں۔ تمہاری زندگی میرے لیے ایسی ہے جیسے میری زندگی میرے لیے ہے۔ بیٹے! آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ٹیلی پیتھی کیسے کیسے کمالات دکھاتی ہے۔ میں حیرانی سے دیکھ رہی تھی کہ وہ بار بار ریوالور کو گرفت میں لینا چاہتا تھا لیکن ایک چھوٹا سا ریوالور اس کے ہاتھ نہیں آسکا۔ جب تم نے چاہا تب ہی وہ ریوالور اٹھا سکا۔“

میں نے تھوڑی دیر کے لیے آشا بیلا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا وہ ہلکا سا میک اپ کر رہی تھی اور ہلکا سا لباس پہن رہی تھی کیونکہ میں نے اس سے بیڈ روم میں آنے کا وعدہ کیا تھا اس لیے وہ مجھے لبھانے کے لیے اور متاثر کرنے کے لیے بن سنور رہی تھی۔ میں نے ممی سے کہا: ”آشا بیلا بیڈ روم میں میرا انتظار کر رہی ہے۔ آپ اس سے باتیں کریں اور اسے سمجھائیں کہ دشمن کا ایک آدمی باہر آیا ہے اور طارق اس سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ تھوڑی دیر بعد آئے گا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے جے جوالا تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

ممی وہاں سے اٹھ کر آشا بیلا کو بہلانے پھسلانے چلی گئیں۔ میں ان کے جانے کے بعد باس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت رات کا ایک بجا تھا۔ باس اتنی رات تک جاگنے کا عادی نہ تھا لیکن بڑی بے تابی سے جبراللہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا لہٰذا انتظار کرنے کے لیے وہ شراب کی بوتل کھول کر بیٹھ گیا تھا اور آہستہ آہستہ پیتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں سوال کیا: ”اگر جبراللہ بھی اس مہم میں ناکام رہا تو پھر کیا کیا جائے گا؟“

وہ سوچنے لگا: ”ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہمیں اپنی کسی مہم میں ناکام رہنا پڑا ہو۔ جہاں قانون آڑے آتا ہے، وہاں بھی ہم بڑے بڑے افسروں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر اپنی مٹھی میں کر لیتے ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک آشا بیلا کو ہمارا کوئی آدمی اب تک قتل نہیں کر سکا۔“

اس نے شراب کا ایک جام خالی کرتے ہوئے سوچا: ”میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ وِچ ڈاکٹر آشا بیلا کا ساتھ دے رہی ہے۔ اگر جبراللہ ناکام ہوا تو ایک ہی صورت رہ جائے گی اور وہ یہ کہ بڑی سے بڑی رقم دے کر اس وِچ ڈاکٹر کو خرید لیا جائے۔“

میں نے اس کی سوچ میں کہا: ”مادام مارتھا کی آمدنی بہت اونچی ہے۔ وہ معمولی رقم سے خریدی نہیں جا سکے گی۔ جے جوالا نے مجھے صرف دس ہزار ڈالر دیے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ مادام مارتھا کو خریدنے کے لیے دس ہزار ڈالر ناکافی ہوں گے۔“

اس نے شراب کا جام بھرتے ہوئے اور تائید میں سر ہلاتے ہوئے سوچا: ”ہاں اتنی رقم ناکافی ہوگی۔ میں جے جوالا سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔“

میں نے اس کی سوچ میں اصرار کیا: ”جبراللہ آتا ہے آتا رہے گا لیکن کیوں نہ پہلے سے میں جے جوالا کو کال کروں اور اس سے موجودہ حالات کے متعلق باتیں کروں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم آشا بیلا کو قتل کرنے کے لیے کتنی جدوجہد کر رہے ہیں اور کتنی پریشانیوں سے گزر رہے ہیں۔“

وہ قائل ہو کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر لڑکھڑاتا ہوا ٹیلی فون کے پاس پہنچا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ پھر سوچ سوچ کر جے جوالا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں نے ان نمبروں کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے گھنٹی بجنے لگی۔ ایک ملازم نے ریسیور اٹھایا۔ باس نے کہا: ”میں جے جوالا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے کہو کہ ایس ایس آر ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔“

ملازم نے جواب دیا: ”مالک گھر پر نہیں ہیں۔ وہ صبح تک واپس آئیں گے۔ کوئی پیغام ہو تو آپ مجھے دیدیں، میں انہیں پہنچا دوں گا۔“

باس نے کہا: ”کوئی بات نہیں، میں صبح ٹیلی فون پر بات کروں گا۔ ان سے کہہ دینا کہ ایس ایس آر نے کال کیا تھا۔ ہو سکے تو وہ جب بھی آئیں مجھے کال کریں۔“

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہاں سے اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا پھر اپنی جگہ آیا اور شراب کا جام اٹھا کر پینے لگا۔ میری معلومات آگے بڑھتے بڑھتے رُک گئی تھیں کیونکہ جے جوالا صبح تک غیر حاضر تھا اس کی واپسی پر ہی اب کچھ معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔ میں باس کے دماغ سے واپس آگیا۔ پھر میں نے ممی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا، وہ آشا بیلا سے باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے ان کی سوچ میں کہا: ”ہیلو ممی! میں آپ سے مخاطب ہوں کیا آپ مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر رہی ہیں؟“

وہ ایک دم سے چونک گئی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار دماغی رابطہ قائم ہوا تھا اور وہ کچھ عجیب سا محسوس کر رہی تھیں۔ آشا بیلا نے پوچھا: ”کیا بات ہے آپ کیوں چونک گئی تھیں؟“

وہ فوراً ہی مسکرا کر بولیں: ”کچھ نہیں، بس ایسے ہی کچھ خیال آ گیا تھا۔“

انہوں نے آشا بیلا کو ٹالنے کے بعد سوچ کے ذریعہ کہا: ”ہاں بیٹے! میں تمہاری سوچ سن رہی ہوں۔“

”ممی میں نے اس باس کے دماغ میں پہنچ کر جے جوالا تک پہنچنے

کی کوشش کی تھی لیکن پتہ چلا کہ وہ صبح تک کے لیے کہیں گیا ہوا ہے ویسے اس کا فون نمبر میں نے نوٹ کر لیا ہے۔ آپ بھی اپنے ذہن میں محفوظ کر لیں۔"

یہ کہہ کر میں نے جے جوالا کا فون نمبر انہیں سنایا اور وہ اسے اپنے ذہن میں محفوظ کرنے لگیں۔ پھر میں نے ان سے کہا۔ "اب آپ آرام کریں۔ رات بہت گزر چکی ہے۔ صبح جلدی بیدار ہو کر ہم جے جوالا تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

وہ آشا بیلا کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ "رات بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ میں وہاں جا کر طارق کو یہاں بھیج دیتی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے آشا بیلا کے بیڈروم سے باہر چلی گئیں۔

○

میں نے غلام اور سامی کی خبر لی۔

رات زیادہ گزر چکی تھی۔ وہ سامی کے ساتھ گشتی گاڑی کے اندر آرام سے گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے معلوم کیا کہ اس نے چیک پوسٹ کے آفیسر کو مزید ایک ہزار ڈالر رشوت کے طور پر دیے ہیں تب کہیں جا کر انہیں رنگون شہر میں ایک ہفتے تک رہنے کی اجازت مل سکی ہے۔ میں مطمئن ہو کر اس کے دماغ سے نکل آیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آشا بیلا کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔

وہ ریشم کی ایک نائٹی پہنے میرا انتظار کرتے ہوئے کمرے کے وسط میں کھڑی ہوئی تھی مجھے دیکھتے ہی بولی۔ "کہاں رہ گئے تھے؟ میں کب سے انتظار کر رہی ہوں۔"

میں نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "دشمن کا ایک آدمی یہاں پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس کی اچھی طرح پٹائی کی تو وہ بھاگ گیا۔"

یہ کہہ کر میں اس کے روبرو پہنچ گیا۔ اس کی ریشمی زلفیں شانوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سیاہ بالوں کے پس منظر میں اس کا گورا گلابی مکھڑا واقعی چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ سر سے پاؤں تک وہ اس تنہائی میں ایک قیامت لگ رہی تھی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو پتہ چلا کہ وہ جذبوں کی ہلچل میں ہولے ہولے لرز رہی ہے۔ میں اس کے متعلق اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دماغ کو کریدنا چاہتا تھا لیکن وہ میرے ساتھ کسی اور جہاں کی سیر کرنا چاہتی تھی، اس لیے میں نے اپنی معلومات کی خواہش کو دبا دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ میں صرف اسے چاہوں، اسے دیکھوں اور صرف اسے پڑھتا رہوں۔

بڑے بڑے دانشوروں نے کہا ہے کہ عورت کو سمجھنا بہت مشکل ہے وہ اپنے اندر تہہ در تہہ بڑی پُراسرار ہوتی ہے۔ بظاہر ایک سیدھی سادی سی سمجھنے والی ہستی نظر آتی ہے مگر اپنے جذبات، احساسات، نفسیاتی عمل اور ردِ عمل کے لحاظ سے وہ مختلف پہلو رکھتی ہے مختلف طریقوں سے اسے سمجھنے کے لیے مختلف معلوماتی انسائیکلو پیڈیا کی طرح اسے پڑھنا پڑتا ہے۔

میں ... آشا بیلا کو پچھلی رات سے دیکھتا اور پڑھتا آ رہا تھا مگر وہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد میں نے ممی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ ابھی تک جاگ رہی تھیں اور میرے متعلق سوچ رہی تھیں۔ ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا کہ فرہاد علی تیمور انہیں بیٹے کے روپ میں مل گیا ہے۔ مارے خوشی کے انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے ان کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "ممی! یہ اچھی بات نہیں ہے کہ آپ ساری رات میرے ہی متعلق سوچتے ہوئے جاگتی رہیں۔ اب آپ کو سو جانا چاہیے۔"

وہ ممتا بھرے لہجے میں بولیں۔ "بیٹا! مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔ جی چاہتا ہے ساری عمر تمہیں دیکھتی رہوں اور تمہیں چومتی رہوں۔"

میں نے کہا۔ "میں آپ ہی کے پاس ہوں۔ آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ اب کل صبح ملاقات ہو گی۔ آپ کو نیند نہیں آ رہی ہے میں ابھی پلک جھپکتے ہی آپ کو سُلا دوں گا۔ آپ آنکھیں بند کر لیں۔"

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں ... انہیں خیال خوانی کی لوری سنانے لگا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گہری نیند سو گئیں۔ انہیں سُلانے سے پہلے میں نے ان کے دماغ کو ہدایت دی کہ کوئی بھی اگر اس کوٹھی کے اندر داخل ہونا چاہے تو ان کی آنکھ کھل جائے گی۔ ویسے وہ احتیاطاً اپنے بیڈروم کا دروازہ اندر سے بند کر چکی تھیں اور تکیے کے نیچے انہوں نے ریوالور رکھ لیا تھا۔

ان کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نے پہلے آشا بیلا کو سُلایا، پھر خود سونے سے پہلے اپنے دماغ کو بھی ہدایت دی کہ کوئی بھی اگر اس کوٹھی کے اندر داخل ہونا چاہے تو اس کے اندر آتے ہی میری آنکھ کھل جائے۔ یہ کہہ کر میں نے کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں بند کر کے سو گیا۔

○

جب کوئی ناکام قتل ہوتا ہے تو قاتل کے بارہ بج جاتے ہیں۔ اس کے دن اور رات کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ ہر لمحہ یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اس کے ہاتھوں سے بچ جانے والا یا بچ جانے والی کسی وقت بھی قانون کا پھندا اس کے گلے تک پہنچا سکتی ہے۔ یہی سوچ کر میں سونے سے پہلے محتاط رہا کرتا ہوں اور میں جانتا تھا کہ بابو جیرالڈ کی غیر حاضری کے بعد سکون سے نہیں بیٹھے گا۔ جے جوالا بھی پریشان ہو گا اور یہ لوگ ضرور کوئی بہت بڑا قدم ہمارے خلاف اٹھائیں گے۔

اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ سونے سے پہلے ہماری خوابگاہ میں زیرو پاور کا بلب روشن تھا لیکن اب وہ بجھا ہوا تھا۔ میں نے سرہانے بیڈ لیمپ کو روشن کرنا چاہا مگر سوئچ دبانے کے باوجود وہ روشن نہیں ہوا۔ تب مجھے خطرے کا احساس ہوا۔ خطرے کا احساس تو یوں بھی ہو گیا تھا کہ خلاف توقع صبح سے پہلے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھا۔ ریڈیم ڈائل کے باعث وقت معلوم ہو گیا تھا۔ چار بجنے میں ... پندرہ منٹ تھے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ چاروں طرف گہری تاریکی تھی کیونکہ کھڑکی کے باہر بھی اندھیرا ہی نظر آ رہا تھا۔

میں آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر دبے قدموں چلتا ہوا خوابگاہ کے دروازے تک پہنچا، اور کان لگا کر سننے لگا۔ میرا دماغ میری ہدایت کے مطابق مجھے چونکا دیتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ چونکانے کی وجہ کیا ہے کوئی تو ضرور اس کوٹھی میں آیا ہے مگر کون آیا ہے کہاں سے آیا ہے اور اس وقت کوٹھی کے کون سے حصے میں ہے یہ معلوم کرنا مشکل تھا۔ اس کے لیے مجھے اس کمرے سے باہر نکلنا پڑتا۔

آنے والا کون ہو سکتا ہے یہ معلوم کرنے کے لیے میں باس کے دماغ میں پہنچ گیا وہ اپنی خوابگاہ میں گہری نیند سو رہا تھا۔ پھر میں نے ان تمام لوگوں کے دماغوں کو کھنگالنا شروع کیا، جنہوں نے مجھے ممی اور آشا بیلا کو مختلف گاڑیوں میں گھیر کر لے جانا چاہا تھا ان میں سے کوئی ہماری کوٹھی میں نہیں آیا تھا۔ آنے والا ہمارے لیے بالکل اجنبی تھا۔ میں پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ آخر یہ کون ہو سکتا ہے؟ پھر کچھ سوچ کر میں نے دوبارہ باس کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔

وہ بدستور گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو کریدنا شروع کیا۔ اس نے خواب کے عالم میں بتایا کہ رات کے دو بجے جے جوالا نے اسے فون ... کیا تھا اور اس سے حالات معلوم کیے تھے۔ باس نے اسے بتایا تھا کہ یہ مہم بڑی پُراسرار اور تکلیف دہ ثابت ہو رہی ہے۔ دشمن قدم قدم پر غالب آ رہے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دچ ڈاکٹر آشا بیلا کے ساتھ ہے۔ یہ سننے کے بعد جے جوالا نے کہا تھا کہ دچ ڈاکٹر کی کوٹھی کا پتہ بتایا جائے وہ خود ہی آشا بیلا سے نمٹ لے گا۔ اور اس کی فرمائش پر باس نے جے جوالا کو یہاں کا پتہ بتا دیا تھا۔

میں نے ممی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ بھی نیند سے بیدار ہو کر بستر پر بیٹھ گئی تھیں اور تکیے کے نیچے سے انہوں نے ریوالور نکال لیا تھا اور میرا انتظار کر رہی تھیں۔ میں نے مخاطب کیا۔ "ہیلو ممی! میں نے آپ کے دماغ کو ہدایت دی تھی کہ اگر کوئی کوٹھی کے اندر داخل ہو تو آپ کی آنکھ کھل جائے۔ آپ اسی لیے بیدار ہو گئی ہیں لیکن آپ کمرے سے باہر نہ نکلیں۔"

ممی نے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟ تمہیں بھی محتاط رہنا چاہیے۔ اگر خوابگاہ میں ہو تو باہر نہ نکلو۔ جو بھی آیا ہے وہ میرے یا تمہارے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت تم اسے ٹریپ کر لینا۔"

ممی نے دانشمندانہ بات کہی تھی۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں یہی کروں گا۔ باس کے دماغ سے معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس کوٹھی میں داخل ہونے والا جے جوالا ہے۔ بہرحال ہم اس کا انتظار کریں گے۔"

میں ممی کے پاس سے واپس آ کر سوچنے لگا۔ کوٹھی کی تمام کھڑکیاں اور دروازے اندر سے بند تھے۔ آنے والا یقیناً لاک بریکر ہو گا۔ اس نے بیرونی دروازے کے تالے کو توڑا ہو گا یا کسی دوسری چابی سے کھولا ہو گا اور بیرونی دروازے تک پہنچنے کے لیے یا تو اس نے دربان کو ہلاک کیا ہو گا یا بے ہوش کیا ہو گا یا پھر احاطے کی کسی دوسری دیوار سے کود کر اندر پہنچا ہو گا۔ اس طرح آنے والے کے ہاتھ میں یقیناً پھولوں کا گلدستہ نہیں ہو گا۔ وہ بھی ریوالور لے کر آیا ہو گا۔ اب وہ آہستہ آہستہ ہر ایک کمرے کے دروازے کو ... آزمائے گا اور انہیں نقلی چابیوں سے کھولنے کی کوشش کرے گا۔

اس خیال سے ہی میں پھر ممی کے پاس پہنچ گیا۔ یہ اندیشہ تھا کہ وہ ممی کے دروازے کو بھی اسی طرح کھولنے کی کوشش کرے گا اور تھوڑی دیر کے بعد ایسا ہی ہوا۔ ممی نے دروازے پر کچھ آہٹ سی محسوس کی۔ کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے مختلف چابیوں سے اس دروازے کے قفل کو آزمایا جا رہا ہو۔ ممی نے میری سوچ کے مطابق آنے والے سے کہا۔ "بس رک جاؤ۔ میں مادام مارتھا دچ ڈاکٹر ہوں۔ میرا علم کہہ رہا ہے کہ تم چوری چھپے آنے والے جے جوالا ہو اور اگر تم نے اس دروازے کو کھول لیا تو اندر قدم رکھتے ہی تمہاری زندگی کی آخری سانس پوری ہو جائے گی۔"

یہ دھمکی سنتے ہی دروازے کی طرف سے آواز آنا بند ہو گئی۔ میں نے ممی سے پوچھا۔ "کیا آپ کو وہ دروازہ نظر آ رہا ہے؟"

وہ بولیں۔ "نہیں بڑی گہری تاریکی ہے۔ یقیناً اس آنے والے نے مین سوئچ آف کر دیا ہے تاہم میں اپنے کمرے میں اندازے کے مطابق کہیں بھی پہنچ سکتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "آپ ریوالور اپنے ہاتھ میں رکھیں اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اندازے سے چلتے ہوئے دروازے کے پیچھے دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جائیں، اس طرح کہ دروازہ کھلے تو آپ کو اس دروازے سے دھکا نہ لگے۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق اندازے سے چلتی ہوئی دروازے کے کنارے دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئیں اور کان لگا کر سننے لگیں۔ اب وہاں سے کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بڑی گہری خاموشی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آنے والا دھمکی سے متاثر ہو کر اس دروازے سے واپس چلا گیا ہے۔

میں نے سوچا اگر وہ جے جوالا ہے اور واپس چلا جائے گا تو بات نہیں بنے گی۔ اسے گھیرنا ضروری ہے۔ کسی طرح اسے اپنے روبرو

لانا ہے تاکہ میں اس کے دماغ تک پہنچ سکوں۔ یہ سوچ کر میں نے آشا بیلا کو آہستگی سے بیدار کیا۔ وہ فوراً ہی ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ پھر چاروں طرف اندھیرا دیکھ کر بولی "طارق! تم کہاں ہو؟ یہ اتنا اندھیرا کیوں ہے؟"

میں نے کہا "ذرا آہستگی سے باتیں کرو۔ اس کوٹھی میں کوئی دشمن داخل ہوا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس کمرے کی طرف آئے لیکن میں اسے بُلانا چاہتا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی "کیا مطلب! تم دشمن کو بلانا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا "ہاں آؤ۔ جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اندھیرے میں چلتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر میں نے... آہستگی سے کہا "اب تم جے جوالا کو آواز دو۔ اس پر ظاہر کرو کہ تم یہاں موجود ہو۔"

اس نے آہستگی سے پوچھا "کیا یہاں جے جوالا آیا ہے؟"

"میں اندازے سے کہہ رہا ہوں۔ بحث نہ کرو۔ جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرتی جاؤ۔"

یہ کہہ کر میں آشا بیلا کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب وہ میری مرضی کے مطابق بول رہی تھی۔ اونچی آواز میں جے جوالا کو مخاطب کر رہی تھی "جے جوالا! تم کہاں ہو؟ جے جوالا میں سمجھ گئی ہوں کہ تم نے مین سوئچ آف کر دیا ہے اور خود اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے میرے پاس پہنچنا چاہتے ہو۔ ادھر آؤ، میں اس کمرے میں موجود ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ ہم دونوں خاموش رہ کر اس کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ وہ آشا بیلا کو کمرے میں تنہا سمجھ کر اس سے کچھ نہ کچھ بولنا چاہے گا، لیکن دوسری طرف خاموشی رہی۔ آشا بیلا نے پھر ایک بار بلند آواز سے اسے مخاطب کیا۔ اسے اپنے کمرے کی طرف آنے کی دعوت دی لیکن جواب میں وہی خاموشی رہی۔ آخر تھک ہار کر ہم واپس اپنے بستر پر آ کر بیٹھ گئے۔

آشا بیلا نے مجھ سے کہا "ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی کی آمد کا شبہ ہوا ہو۔"

میں نے جواب دیا "نہیں یقیناً کوئی آیا تھا اور واپس چلا گیا ہے۔ کھڑکی کے باہر دیکھو، دور سڑک کی روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ صرف ہماری کوٹھی میں اندھیرا ہے۔ آنے والے نے مین سوئچ آف کر دیا تھا۔"

یہ باتیں کرنے کے دوران اچانک ہماری کوٹھی روشن ہو گئی پھر ہمیں دربان کی آواز سنائی دی۔ وہ مادام کو آواز دیتا ہوا ان کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ میں فوراً ہی دربان کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ ایک لحیم شحیم قد آور شخص مین گیٹ کے پاس آیا تھا اور اس نے ریوالور دکھا کر دربان کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا تھا۔ پھر وہ کوٹھی کی طرف گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا پھر اس کے ہاتھ پاؤں کھولنے کے بعد اسے حکم دیا کہ جا کر مین سوئچ آن کر دے اور آشا بیلا سے کہہ دے کہ آج وہ ہوشیار ہے۔ جاگ رہی ہے لیکن میں دیکھوں گا کہ وہ کتنی راتوں تک جاگتی رہے گی۔ میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ کہہ کر اس شخص نے دربان کو دیوار کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا اور اسے دھمکی دی تھی کہ وہ سو تک گننے سے پہلے اگر پلٹ کر دیکھے گا تو اسے گولی مار دی جائے گی لہٰذا دربان سو تک گنتا رہا۔ جب گنتی پوری ہو گئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا وہ شخص کہیں غائب ہو چکا تھا۔ اس کے جانے کے بعد دربان دوڑتا ہوا اب ممی کے کمرے کی طرف پہنچا تھا۔ میں نے ممی کی سوچ میں کہا "اب خطرہ ٹل گیا ہے۔ دروازہ کھول دیجیے۔ دربان آپ کو رپورٹ سنانے آیا ہے۔"

مجھ سے ایک بڑی بھول ہوئی۔ میں نے دربان کو پکڑ کر بھلا دیا تھا۔ اگر وہ میرے ذہن میں ہوتا اور میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ آنے والے نے دربان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور واپسی پر اگر وہ دربان سے باتیں کر رہا تھا تو میں اس باتیں کرنے والے کے دماغ تک پہنچ سکتا تھا۔ بہر حال دربان نے جو حلیہ بتایا اس سے ظاہر تھا کہ آنے والا جے جوالا ہی تھا۔

تھوڑی دیر بعد ممی نے ہمارے دروازے پر دستک دی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ انھوں نے کمرے میں آ کر آشا بیلا کو دربان کی رپورٹ سنائی تو اسے یقین ہو گیا کہ واقعی کوئی کوٹھی میں داخل ہوا تھا اور اب زبردست دھمکی دے کر گیا ہے کہ وہ کتنی راتوں تک جاگتی رہے گی، جس رات بھی سوئے گی، اس رات جے جوالا موت بن کر اس کی شہ رگ تک پہنچ جائے گا۔

میں نے کہا "بڑی مشکل ہے کہ آشا بیلا کو اپنا ماضی یاد نہیں آ رہا ہے اور اس جے جوالا سے میرا سامنا نہیں ہو رہا ہے۔ اس وقت وہ آیا بھی تھا تو ایسی صورتِ حال تھی کہ میں اس کے سامنے نہیں جا سکتا تھا۔ یقیناً وہ ریوالور کے ساتھ آیا ہوگا اور اندھیرے میں وہ مجھ پر فائر کر سکتا تھا۔ بہر حال آنے والا جا چکا تھا۔ میں نے سوچا ہے کہ آشا بیلا کو اس کوٹھی سے باہر لے جا کر پھر رنگون شہر کا چکر لگانا ہوگا۔ وہاں منی ٹرین وغیرہ میں اسے بہت سی باتیں یاد آئی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اور جانی پہچانی جگہ پہنچ کر اسے اور کچھ یاد آ جائے۔"

ممی نے کہا "بیٹے! خطرہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ تمہارا باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔ آشا بیلا کو ساتھ لے کر جاؤ گے تو دشمن کہیں

...ہی اندھا دھند فائرنگ کر سکتے ہیں۔ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

میں نے کہا "میں دشمنوں کے خوف سے ایک مکان میں قید ہو کر ...رہ سکتا۔ ہم جے جوالا سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ...ہو سکا تو کل صبح میں آشا بیلا کو کار میں لے کر نکلوں گا اور اس شہر ...گھومتا رہوں گا۔ دشمنوں نے تعاقب کیا تو آپ کو اطمینان رکھنا ...چاہیے کہ میں ان سے نمٹنا جانتا ہوں۔"

ہم تینوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے وہاں سے نکل کر ڈرائنگ روم کی طرف گئے۔ ہم نے کوٹھی کے بیرونی دروازے کو دوبارہ اندر سے ...کیا۔ دوسرے کھڑکیوں اور دروازوں کو آزمایا۔ سب اندر سے ...تھے۔ پھر میں اور آشا بیلا ممی سے صبح ہونے تک رخصت ہو گئے۔ ...اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ہم اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔ وہاں میں نے ...دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

- - - - - - - - - - - -

آشا بیلا نے محبت بھرے لہجے میں... کہا "طارق! ...نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں اپنا ماضی یاد نہیں کرنا چاہتی۔ اپنے ...لندن واپس نہیں جانا چاہتی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ تلاش کا سلسلہ ...جاری رہے اور تم میرے پاس موجود رہو۔"

میں نے کہا "تمہاری محبت اور دیوانگی کے باعث معاملہ الجھتا ...رہا ہے۔ تم جان بوجھ کر اپنے ماضی کو یاد نہیں کرنا چاہتیں اور بھولی ...ہوئی باتوں کو اور راہوں کو سمجھنا نہیں چاہتیں۔ اس لیے ہماری الجھنیں ...بڑھتی جا رہی ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ پریشانیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور ...کی قدم قدم پر ہمارے لیے ایک نئی مصیبت بنتے جا رہے ہیں ...ایسا لگے گا کہ میں تمہیں منزل پر پہنچانے کے لیے تمہاری ...تلاش کرتے کرتے دشمنوں کی اندھی گولیوں کا نشانہ بن جاؤں۔"

اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا پھر بولی "بھگوان نہ کرے کہ ...تمہاری جان کا دشمن بنے۔ اگر تمہیں کچھ ہوا تو تمہارے ساتھ میں بھی ...مر جاؤں گی۔"

"مجھے مارنا اور پھر میرے ساتھ مر جانا، یہ کوئی دانشمندی تو نہیں ...یہ محبت ہے بلکہ اسے حماقت کہتے ہیں۔"

"اگر یہ حماقت ہے تو میں ساری زندگی ایسی ہی حماقت کرتی ...رہوں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جان بوجھ کر اپنے ماضی کو یاد نہیں ...تمہیں جہاں لے کر جاؤں گا وہ جگہ جانی پہچانی ہوگی تب بھی ...پہچاننے سے انکار کر دو گی۔"

"میں ایسا نہیں کروں گی لیکن ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ تم مجھے ...چھوڑ جانے کی باتیں نہ کرو۔ جب تمہاری گنتی گاڑی مجھے یاد آتی ہے ...تو ڈوبنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے اس گاڑی کو آگ لگا دوں اور ...لندن جانے کے تمام راستے بند کر دوں تاکہ تم میری باہوں کے گھیرے سے نکل کر کہیں اور نہ جا سکو۔"

میں نے سوچا اسے محبت سے بہلائے بغیر کام نہیں چلے گا۔ یہ اس طرح بات نہیں مانے گی اور معاملات کو الجھاتی چلی جائے گی۔ یہ سوچ کر میں نے اسے دیکھا اور بڑے پیار سے پھر کہا "اب مجھے احساس ہو گیا ہے کہ تم مجھے کس قدر چاہتی ہو۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ میں ایک پردیسی ہوں اور تمہارے ساتھ دو چار روز تفریح کے بعد چلا جاؤں گا۔ لیکن تمہاری محبت میرے لیے پاؤں کی زنجیر بنتی جا رہی ہے اور میں بھی محسوس کر رہا ہوں کہ اب تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکوں گا۔"

وہ مجھے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے بولی "کہیں تم مجھے بیوقوف تو نہیں بنا رہے ہو؟ اتنی جلدی تم نے اپنا ارادہ کیسے بدل دیا؟ میری محبت تمہارے دل میں کہاں سے پیدا ہو گئی؟"

"تم عورتیں شکی مزاج ہو کر ساری محبت کا بیڑا غرق کر دیتی ہو۔ میں سچے دل سے کہہ رہا ہوں کیونکہ ابھی میں نے اظہار کیا اس لیے تمہیں شبہ ہو رہا ہے ورنہ میں کل سے دل ہی دل میں تم سے اس قدر متاثر ہوتا جا رہا تھا کہ اب یہ تاثر میری زبان پر آ گیا۔ تم یقین کر دیا نہ کرو۔ میں نے بہت سی عورتوں کے ساتھ وقت گزارا ہے مگر تمہارا جواب کوئی نہیں ہے۔ تم نے مجھے اپنا دیوانہ بنا لیا ہے۔"

اس کے اندازے ... کو جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اس کے دماغ کو اپنے قابو میں لے کر اسے سلا دیا۔ پھر میں سوچنے لگا کہ کس طرح جے جوالا تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ایسا سوچتے وقت مجھے پھر وہ باس یاد آیا۔ میں اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ میں اس کے خوابیدہ ذہن کو ٹٹولنے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا "جب جے جوالا نے تم سے آشا بیلا کے قتل کا سودا کیا ہوگا تو آشا بیلا کے گھر کا یا دفتر کا یا اس کے ہوٹلوں یا کلبوں کا پتہ ضرور بتایا ہوگا کہ وہ کہاں مل سکتی ہے؟"

اس نے خواب کی حالت میں جواب دیا "ہاں اس نے مجھے اس کی رہائش گاہ کا پتہ بتایا تھا اور چند ہوٹلوں اور کلبوں کے نام بھی لیے تھے۔ میں نے وہ سب اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیے ہیں۔"

میں نے اس سے کہا "چلو اٹھو اور نیند کی حالت میں چلتے ہوئے اپنی ڈائری تک پہنچو۔"

وہ میرا معمول بنا ہوا تھا۔ میرے حکم کے مطابق بستر سے اٹھ کر چلتا ہوا ایک الماری تک پہنچا۔ پھر اسے کھول کر اس نے ڈائری نکالی اور وہ صفحہ پڑھنے لگا جہاں آشا بیلا کی رہائش گاہ کا پتہ درج تھا اور ان ہوٹلوں اور کلبوں کے نام بھی تھے جہاں آشا بیلا کبھی کبھی جایا کرتی تھی۔ میں وہ تمام پتے اپنے ذہن میں نقش کرنے لگا۔ اس کے بعد میں اس کے دماغ سے نکل کر اپنے بیڈ روم میں دماغی طور سے حاضر ہو گیا۔ پھر میں نے ایک کاغذ اور قلم لے کر وہ تمام پتے نوٹ کر لیے،

اس کے بعد میں خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ پھر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

دوسری طرف فون کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی، اس کے بعد ہیلو کی آواز سنائی دی۔ جے جوالا کا ملازم فون اٹینڈ کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا ”میں جے جوالا سے ملنا چاہتا ہوں۔“

اس نے جواب دیا ”جناب وہ یہاں موجود نہیں ہیں صبح تک شاید واپس آئیں گے۔“

اس کا جواب سن کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کم بخت سے ملاقات ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اس وقت چھ بج گئے تھے۔ باہر صبح کا اجالا پھیل رہا تھا۔ میں اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ آشا بیلا گہری نیند سو رہی تھی۔ ممی بھی اپنے کمرے میں محوِ خواب تھیں۔ میں نے ان کے خوابیدہ دماغ کو ہدایت دی کہ صبح جب وہ بیدار ہوں گی تو میرا ایک ساتھی غلام ایک بلی کے ساتھ یہاں پہنچے گا۔ اسے آپ اندر آنے کی اجازت دیں، وہ قابلِ اعتبار ساتھی ہے۔ ممی کو یہ ہدایت دینے کے بعد میں غلام کے خوابیدہ دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں بھی میں نے اس کو یہ ہدایت دی کہ صبح آٹھ بجے تک بیدار ہو کر وہ ممی کی کوٹھی میں آجائے۔ میں نے اسے ممی کی کوٹھی کا پتہ یاد کرا دیا۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اپنے دماغ کو وہی دستور کے مطابق ہدایت دی کہ تین گھنٹے تک سوتا رہوں گا۔ اس دوران کوئی کمرے میں داخل ہو گا تو میری آنکھ کھل جائے گی ورنہ تین گھنٹے بعد خود ہی بیدار ہو جاؤں گا۔ یہ ہدایت دینے کے بعد میں گہری نیند میں ڈوب گیا۔

تین گھنٹے سے پہلے ہی میری آنکھ ایک بار کھل گئی حالانکہ کمرے میں کوئی داخل نہیں ہوا تھا لیکن آشا بیلا نے نیند میں کروٹ لی تھی۔ میری بھی آنکھ کھل گئی اس نے نیم باز آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ پھر میرے سینے سے اپنا سر لگا کر دوبارہ سو گئی۔ میں نے پھر اپنے دماغ کو وہی ہدایت دی اور دن کے دس بجے آنکھ کھل جانے کی بات اپنے دماغ میں نقش کر کے سو گیا۔ بے شک میں خدائی خدمت گار بن کر دوسروں کا درد اپنے سر میں مول لیتا ہوں اور ان کی وجہ سے خود کتنے ہی خطرات میں ڈالتا رہتا ہوں۔ انجانی دشمنیاں بھگتنے لگتا ہوں۔ اس کے باوجود جب آشا بیلا جیسا حسن ملتا ہے اور اس کی محبت کے سائے میں نیند آتی ہے تو ساری تھکن اور پریشانیاں اتنی دیر کے لیے دور ہو جاتی ہیں۔

دن کے دس بجے آنکھ کھلتے ہی میں نے معلوم کیا۔ غلام سامی کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ اور ڈرائنگ روم میں بیٹھا میرے بیدار ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے سوچ کے ذریعے بتایا کہ میں بیدار ہو گیا ہوں اور ایک گھنٹے بعد آؤں گا۔ یہی بات میں نے ممی کو بھی بتلائی پھر میں نے آشا بیلا کو نیند سے جگایا۔ وہ آنکھیں کھول کر مسکرائی۔ میں نے کہا۔

”چلو بہت دن نکل آیا ہے۔ غسل کرنے کے بعد ہمیں باہر نکلنا
پھر ہم غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر گیارہ بجے تک خواب گاہ
باہر آگئے۔

ممی نے بڑی ذمہ داریوں کا ثبوت دیا تھا۔ صبح اٹھ
نے جے جوالا کے فون نمبر پر اسے کال کیا تھا لیکن ملازم کی طرف
جواب ملا کہ صاحب پچھلی رات سے گھر نہیں لوٹے ہیں۔ جب
ڈرائنگ روم میں پہنچے تو سامی صوفے سے اچھل کر میرے قد
میں آگئی۔ میں اسے اٹھا کر چومنے لگا اور اسے محبت سے سہلا
پھر ہم ڈائننگ روم میں آئے وہاں ممی ہمارے لیے ناشتہ
پھر ہم سب میز کے اطراف بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔

ناشتے کے دوران ہم اپنے حالاتِ حاضرہ پر بحث کرتے
آخر یہ طے پایا کہ آشا بیلا کو باہر لے جا کر رنگون شہر دکھانا
ہے۔ اس کے لیے میں نے کہا کہ میں آشا بیلا کو لے کر باہر جاؤں گا
غلام کو یہاں بلانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ یہاں رہ کر ممی کی حفاظت

ناشتے کے بعد میں نے غلام کو باہر بھیجتے ہوئے کہا کہ وہ
باہر آہستہ آہستہ چکر لگائے اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ کوئی
کوٹھی کی نگرانی کر رہا ہے یا نہیں ہے کوئی شخص مشکوک ہو تو غلام ا
مخاطب کرے اور میں غلام کے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچ
آدمی کی حقیقت معلوم کر لوں گا۔

غلام میری ہدایت کے مطابق کوٹھی سے باہر چلا گیا اور
جب تک وہ کوٹھی کے چاروں طرف ٹہلتا رہا۔ میں غلام کے دماغ
موجود رہا۔ ایک شخص اسے کچھ مشکوک نظر آیا کیونکہ وہ اسی جگہ
فٹ پاتھ پر ٹہل رہا تھا۔ غلام نے آگے بڑھ کر ایک سگریٹ نکا
ہوئے اس سے کہا ”مسٹر کیا آپ کے پاس ماچس ہو گی؟“

”ہاں ضرور۔“ یہ کہہ کر اس نے ماچس نکالی اور غلام کا سگر
سلگانے لگا۔ اس وقت تک میں اس سگریٹ سلگانے والے کے
میں پہنچ چکا تھا۔ اس کا تعلق ہمارے دشمنوں سے نہیں تھا وہ
دوسری ضرورت کے تحت وہاں ٹہل رہا تھا۔ میں نے مطمئن ہو
غلام سے کہا کہ وہ کوٹھی میں واپس آجائے۔

غلام کے واپس آتے ہی میں نے سامی کو گود میں اٹھایا اور
بیلا کے ساتھ گیراج میں آ کر اس رینٹل کار میں بیٹھ گیا جو ممی نے
لیے کرائے پر حاصل کی تھی۔ غلام کو میں نے ممی کی حفاظت کے
چھوڑ دیا۔ ممی نے کار کی کھڑکی کے اندر جھک کر میری پیشانی کو بوسہ
ہوئے محتاط رہنے کی نصیحت کی پھر میں کار ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے
باہر نکل گیا۔ آشا بیلا سے تعلق رکھنے والے جتنے مقامات تھے ان کی
میری جیب میں تھی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ سب سے پہلے میں
کے مطابق اس کی رہائش گاہ میں اسے لے جاؤں گا، اور دیکھوں

سامنے آتے ہیں۔

جب میں اس علاقے میں ڈرائیو کرتے ہوئے پہنچا جہاں آشا بیلا
تھی تو وہ بے تاب سی ہو کر بولی ”یہ جگہ میری جانی پہچانی ہے۔
لگتا ہے کہ میں یہاں پہلے بھی آچکی ہوں۔“

میں نے کہا ”اچھی بات ہے۔ میں اس علاقے کا چکر لگاتا ہوں۔
خاص جگہ تمہاری جانی پہچانی ہو اور وہاں رکنا چاہو تو میں گاڑی
دوں گا۔“

میں ڈرائیو کرتا رہا اور اس کی کوٹھی کی طرف بڑھتا رہا اور وہ برابر
کہ یہ سارے راستے اس کے جانے پہچانے ہیں۔ جب ایک موڑ پر
اچانک ہی سامنے آئی تو وہ ہونے سے چیخ کر بولی ”گاڑی
دیکھو وہ کوٹھی میری جانی پہچانی ہے۔“

میں نے کوٹھی کے سامنے گاڑی کو روکتے ہوئے کہا ”آؤ چلو، ہم
کے اندر جا کر دیکھیں، شاید کوئی تمہارا شناسا نکل آئے۔“

ہم گاڑی سے باہر نکل آئے۔ آشا بیلا اس کوٹھی کو بڑی توجہ اور
سمجھنے کے انداز میں دیکھ رہی تھی اور بہت زیادہ مضطرب
تھی۔ پھر اس نے کہا ”جب ہم اس گیٹ سے داخل ہوں گے
طرف اس کوٹھی کا پورچ ہو گا جہاں کار کھڑی کی جاتی ہے۔
زینے کا ایک اونچا برآمدہ آئے گا۔ برآمدے پر چند قدم چلنے
ایک بہت بڑا لکڑی کا دروازہ ہو گا۔ یہ باتیں مجھے یاد آ رہی
دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری یادداشت کہاں تک درست ہے۔“

ہم کوٹھی کے بڑے پھاٹک تک پہنچے تو چوکیدار نے آشا بیلا کو
سلام کیا۔ وہ ٹھٹھک گئی لیکن میں سمجھ گیا کہ دربان اسے اپنی
حیثیت سے پہچان رہا ہے۔ آشا بیلا نے میری سوچ کی ہدایت کے
کر دیا ”پھاٹک کھولو۔“

چوکیدار نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور وہ پھاٹک کھل گیا۔ میں
کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دائیں طرف پورچ میں آیا۔ اس
داشت درست تھی۔ اس نے یہی کہا تھا کہ دائیں طرف پورچ
کے بعد تین زینوں کا برآمدہ ہے اور ایک لکڑی کا خوبصورت
یہ ساری چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے آہستگی سے کہا
ہے کہ یہ تمہاری رہائش گاہ ہے۔“

وہ بولی ”ہاں میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔ میرا دل
رہتی آئی ہوں۔“

نے دروازے کے کنارے لگے ہوئے کال بیل کے
دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا اور ایک خوش پوش ملازم نظر
بیلا کو دیکھتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا پھر کہا ”مالکن
تھیں۔ ہم پچھلے دو دنوں سے پریشان ہیں۔“

آشا بیلا نے میری طرف دیکھا۔ میں فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا
جیسے کہہ رہا تھا، ”لو میں نے تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دیا۔“ آشا بیلا نے ملازم سے پوچھا ”میرے لیے کون کون پریشان ہے؟“

”مالکن! دو ہی شخص آپ کو زیادہ پوچھتے رہے۔ ایک تو جے جوالا صاحب ہیں۔ انہوں نے کئی بار فون کیا ہے۔ دوسرے پریم کمار صاحب ہیں۔ وہ برابر آتے ہیں اور آپ کو تلاش کرنے نکل جاتے ہیں۔ انہوں نے تھانے میں بھی رپورٹ لکھوائی ہے۔ آپ کو بڑے پیمانے پر تلاش کیا جا رہا ہے۔“

پتہ نہیں اب یہ پریم کمار کون تھا جو اس کے لیے بہت زیادہ پریشان ہو رہا تھا اور پولیس وغیرہ کے ذریعے اسے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آشا بیلا نے ملازم سے پوچھا ”اس کوٹھی میں اور کون ہے؟“

ملازم نے ایک ذرا حیرانی سے آشا بیلا کو دیکھا پھر کہا ”مالکن! اور کون ہو سکتا ہے، مالک تو بیمار پڑے رہتے ہیں۔ بستر سے اٹھ نہیں سکتے۔ وہ آپ کو دن رات پوچھتے رہتے ہیں۔ پہلے پریم کمار صاحب آیا کرتے تھے مگر ان پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ کیا آپ یہ باتیں بھول گئی ہیں؟“

آشا بیلا نے جلدی سے کہا ”نن۔ نہیں! یہ باتیں بھلا بھولنے کی ہیں۔ میں تو بس یونہی پوچھ رہی ہوں کہ میری غیر موجودگی میں یہاں کیا کچھ ہوتا رہا؟“

وہ ملازم سے سوالات کر رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ وہ مالک کون ہے جو بستر پر بیمار پڑا ہوا ہے۔ مالک ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اس کوٹھی کا مالک ہے اور آشا بیلا کا شوہر ہے یا پھر آشا بیلا کا باپ۔ ان دو رشتوں میں کوئی ایک رشتہ اس مالک کا آشا بیلا سے ہو سکتا تھا۔

وہ ملازم آشا بیلا کو اور مجھ کو اس کمرے کی طرف لے جانے لگا جہاں اس کوٹھی کا بیمار مالک بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ آشا بیلا کا دل ڈر رہا تھا کہ پتہ نہیں وہ رشتے میں اس کا کون ہو گا؟ اتنی دیر میں میں نے اس ملازم کے دماغ سے معلوم کر لیا تھا۔ جب ہم اس کمرے میں پہنچے تو بستر پر ایک بوڑھا شخص نظر آیا۔ وہ کسی بھی پہلو سے اس قابل نظر نہیں آتا تھا کہ کسی جوان عورت کا شوہر بن سکے۔ وہ باپ ہو سکتا تھا لیکن وہ آشا بیلا کا شوہر تھا۔

وہ بوڑھا آشا بیلا کو دیکھتے ہی بستر پر اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے آشا بیلا کو دیکھا۔ وہ حیران تھی اور پریشان تھی اور اس بوڑھے کو شوہر کی حیثیت سے پہچان چکی تھی لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھی کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ وہ میری موجودگی میں کسی کا رشتہ قبول نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس کا اظہار مجھ پر کرنا چاہتی تھی۔

اس کے چھپانے یا اظہار نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ اس بوڑھے نے اسے دیکھتے ہی مخاطب کیا تھا ”آشا تم... تم کہاں رہ گئی تھیں ہمیں

تمہارے لیے دن رات پریشان رہا۔ آؤ میرے پاس آؤ۔ تمہیں اپنے پتی کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔"

آشا بیلا۔" نہیں۔" چیختی ہوئی دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔" یہ جھوٹ ہے۔ تم میرے پتی نہیں ہو۔ میں تمہاری پتنی نہیں ہوں۔ میں اس رشتے کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتی۔ طارق! تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ میں یہاں ایک پل کے لیے بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی چلو واپس چلو۔"

وہ پلٹ کر واپس جانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا بازو تھام لیا میں اس کے دماغ میں پہنچ کر سمجھ رہا تھا کہ وہ اب اچھی طرح اس کوٹھی کو اور اپنے شوہر کو پہچان چکی ہے، لیکن میرے سامنے اعتراف نہیں کرنا چاہتی۔ وہ مجھ پر ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ وہ غیر شادی شدہ ہے اور صرف میری ہی ہو کر رہنا چاہتی ہے۔

میں نے اسے روک کر اس کے بوڑھے شوہر سے کہا۔" مسٹر! یہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے اور آپ کو شوہر کی حیثیت سے پہچان نہیں سکتی۔ اس کو اس کا ماضی یاد دلانا ہوگا۔"

اس کا شوہر پہلے تو آشا بیلا کے انکار سے اور اس کے مخالفانہ رویے سے پریشان نظر آ رہا تھا۔ پھر میری بات سن کر اسے قدرے تسلی ہوئی اس نے کہا۔" اچھا تو یہ بات ہے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ میری آشا کو کیا ہو گیا ہے۔ پہلے تو یہ کبھی اس طرح مجھ سے بات نہیں کرتی تھی۔"

آشا بیلا نے چیخ کر کہا۔" خبردار! مجھے میری آشا نہ کہنا۔ بوڑھے کھوسٹ! تمہیں مجھے بیوی کہتے شرم نہیں آتی۔ تم میرے باپ کے برابر ہو۔ خبردار کبھی آئندہ مجھے اس انداز میں مخاطب نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر اس نے میری گرفت سے اپنے بازو کو چھڑایا پھر وہاں سے تیزی سے چلتی ہوئی باہر جانے لگی۔ میں نے کمرے کے باہر لپک کر پھر اس کے بازو کو پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔" تم پاگل ہو گئی ہو، یا اپنے حالات کو اپنی حقیقت کو تسلیم کرنا نہیں چاہتی ہو۔ یہ بوڑھا یقیناً تمہارا شوہر ہی ہو سکتا ہے ورنہ اسے کیا پڑی ہے کہ وہ تمہیں بیوی کی حیثیت سے مخاطب کرتا۔ بیلا میری بات مان جاؤ غصہ تھوک دو۔ یہاں رہ کر ابھی ہم تمہارے ماضی کو مزید کرید کر دیکھیں گے کہ جو کچھ بھی تمہارے ساتھ ہوا وہ کیوں ہوا؟ یہ نہ بھولو کہ ایرا بیلا کے قتل کا الزام کسی طرح تم پر عاید کیا جا سکتا ہے۔ تمہیں اس الزام سے بچنا بھی ہے۔ آؤ چلو ہم اس بوڑھے کے پاس چلیں۔"

آشا بیلا نے بے بسی سے مجھے دیکھا پھر کہا۔" طارق! اگر یہ حقیقت بھی ہو، تو تم انصاف سے کہو۔ کیا یہ بوڑھا میرا شوہر بننے کے قابل ہے؟ میں کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کروں گی، چاہے ہزار بار یہ حقیقت ہو میں صرف تمہاری ہوں اور تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔" آئندہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ابھی جو حقیقتیں سامنے آ رہی ہیں تمہیں ان کا سامنا کرنا تمہیں ان باتوں کو نہیں جھٹلانا چاہیے جو اب تمہارے سامنے گی۔"

اس نے کہا۔" پہلے وعدہ کرو کہ تم میرا ساتھ نہیں چھوڑو جتنی بھی زہریلی سچائیاں ہوں گی، میں ان کا سامنا کروں گی۔"

میں نے اسے تسلی دی کہ میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں

اس نے کہا۔" ٹھیک ہے تم اس بوڑھے کے پاس جاؤ معلومات حاصل کرو۔ میں اس کوٹھی کے دوسرے حصوں میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اور مجھے کتنی باتیں یاد آ سکتی ہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ اس عالیشان کوٹھی سے نکل کر میں رنگین مکان نمبر چھ میں کیوں گئی تھی؟ شاید یہاں کسی چیز کو دیکھ کر پر روشنی پڑ سکے۔"

میں راضی ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا۔" ٹھیک ہے، کوٹھی سے باہر نہ جانا ورنہ دشمن تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اس نے خوش پوش ملازم کو بلایا پھر اس کے ساتھ دوسرے کمروں میں جھانکنے چلی گئی۔ میں اس بوڑھے کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔ پہلے میں نے اس سے اپنا تعارف کرایا۔ پھر سوال کیا۔" اس نے آشا بیلا سے کب شادی کی تھی؟"

اس نے جواب دیا۔" آج سے دو برس پہلے میں نے سے شادی کی تھی۔ میں بہت دولت مند ہوں اور یہاں کے سرمایہ داروں میں میرا شمار ہوتا ہے۔ میں آج یہ تسلیم کرتا ہوں کہ دولت کے گھمنڈ میں میں نے اس لڑکی کو اپنی دلہن بنا لیا تھا کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن یہ جتنی میرے پاس ہے، یہ مجھے اس کا شوہر نہ بنا سکی۔ یہ ایک ہندو اور میری پوری طرح سیوا کرتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دل میں میرے لیے شدید نفرت ہے جس کا اظہار یہ میرے سامنے کرتی ہے لیکن آج یادداشت گم ہونے پر یہ بڑی بے باکی سے سامنے مجھ سے نفرت کا اظہار کر رہی ہے اور میرے رشتے رہی ہے۔"

میں نے پوچھا۔" آپ کو اتنی جلدی اس بات کا یقین کہ یہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے؟"

بوڑھے نے جواب دیا۔" یہ اس کی بچپن کی کمزوری ہے۔ یادداشت شروع سے ہی کمزور ہے۔ یہ زیادہ تعلیم حاصل صرف دماغی کمزوری کے باعث جو باتیں یہ کل کہتی ہے جاتی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اسے... دماغ کو قوت پہنچانے برابر استعمال کرنی چاہئیں۔ ورنہ یہ رفتہ رفتہ دماغی ہو جائے گی کہ اپنے آپ کو بھی بھولتی چلی جائے گی۔ اس کی زندگی میں وہ وقت آ ہی گیا ہے جب یہ اپنے آپ کو بھول چکی ہے۔"

میں سمجھتا تھا کہ آشا بیلا حادثے کا شکار ہو کر یادداشت کھو چکی ہے۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے لیکن اب یہ بات معلوم ہو رہی تھی کہ اس کا دماغ بچپن سے ہی کمزور تھا اور وہ اکثر ایسی باتیں بھول جایا کرتی تھی جو اس کے لیے بہت ضروری ہوتی تھیں۔ میں نے پوچھا۔ "یہ جے جولا صاحب کون ہیں؟"

بوڑھے نے کہا۔" میں خود حیران ہوں کہ یہ کون شخص ہے۔ جب سے آشا گم ہوئی ہے اس وقت سے اس کے کئی ٹیلی فون کال آ چکے ہیں۔"

میں نے کہا۔" اچھا تو یہ پریم کمار صاحب کون ہیں؟"

بوڑھے کے چہرے پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے۔ پھر اس نے کہا۔" یہ میرے ایک اچھے دوست کا لڑکا ہے۔ میں نے اس پر رحم کھا کر اپنا کاروبار اس کے حوالے کیا۔ یہ بے شک ایمان دار ہے لیکن ایک لحاظ سے بے ایمان ثابت ہو رہا تھا۔ اور وہ یہ کہ یہ آشا کو میرے خلاف بھڑکا رہا تھا اور میری بیوی کو بری نیت سے دیکھنے لگا تھا۔ میں نے اس کا یہاں داخلہ بند کر دیا۔"

میں سگریٹ سلگانے کے بہانے چپ رہا اور چپ چاپ اس بوڑھے کے دماغ کو کریدنے لگا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس بوڑھے اور آشا بیلا کے درمیان ازدواجی تعلقات کیسے رہے۔ پتہ چلا کہ جب وہ آشا بیلا کو بیاہ کر یہاں لایا تھا تو اس وقت اس کی عمر تقریباً سترہ برس تھی اور یہ آشا بیلا کے پاس جب پہلی بار گیا تو کچھ دولہا بننے کی خوشی تھی اور کچھ ایسی گھبراہٹ تھی کہ ایک نوجوان دلہن کے سامنے جا رہا ہے اور خود ستر برس کا بوڑھا ہے۔ کچھ ایسے احساسات اور خیالات کا ہجوم تھا اور کچھ ایسا سہما ہوا تھا کہ وہ آشا بیلا کا گھونگھٹ اٹھاتے وقت چکرا کر گر پڑا تھا۔ تب سے وہ اعصابی مریض بن گیا تھا۔ اس کا بڑھاپا اور بیماری کی عمر بڑھ گئی تھی اور وہ بستر پر دائمی مریض بن کر لیٹ گیا تھا۔ یعنی اس کی سوچ کا خلاصہ یہ تھا کہ اس کے خیال کے مطابق آشا بیلا اب تک کنواری دلہن تھی جسے اس کے دولہا نے صرف نظروں سے چھو کر دیکھا تھا۔

اس بوڑھے نے کہا۔" مجھے یہ شبہ تھا کہ آشا پریم کمار کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ میں سخت پریشان تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ پولیس میں رپورٹ نہیں کر سکتا تھا کہ میری بدنامی تھی، لوگ مذاق اڑاتے کہ ایک جوان لڑکی کے ساتھ شادی کا یہی انجام ہوتا ہے وہ کسی جوان کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔"

میں نے کہا۔" آپ اطمینان رکھیں۔ آشا کے ساتھ واقعی ایسے حادثات پیش آئے ہیں کہ وہ مجبور ہو گئی تھی۔ میں اسے کل سے زگون شہر میں لیے گھوم رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی جانی پہچانی جگہ کو دیکھ کر اپنے متعلق کچھ معلومات حاصل کرے گی۔ آج ابھی ادھر سے گزرتے ہوئے اس نے اس علاقے کو اس کوٹھی کو پہچان لیا۔ تب ہی میں اسے یہاں آپ کے پاس لے آیا۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔" آپ کا بڑا احسان ہے کہ آپ نے میرے لیے اتنی تکلیف اٹھائی۔"

اس کے دل میں میرے خلاف جو شبہ تھا اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔" کیا آشا دو دنوں تک تمہارے ساتھ رہی ہے؟"

میں نے کہا۔" ہاں میرے ساتھ رہی تھی۔ میری ایک ممی ہیں شاید آپ نے نام سنا ہوگا۔ بہت مشہور ہستی ہیں۔ مادام مارتھا۔"

بوڑھے نے چونک کر کہا۔" وہ ڈچ ڈاکٹر تمہاری ممی ہے لیکن آشا بیلا تمہیں کہاں مل گئی تھی؟"

میں نے کہا۔" شہر میں ایک بہت ہی بدمعاش عورت رہتی ہے۔ اس کا نام مس سلور ہے۔ وہ نوجوان لڑکیوں کی اسمگلنگ کرتی ہے آشا اس کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ میں اتفاق سے... سلور کی رہائش گاہ تک پہنچ گیا تب مجھے پتہ چلا کہ آشا بیلا کے ساتھ کس قسم کے حالات پیش آ رہے ہیں تو میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اسے اس کی منزل تک پہنچا کر رہوں گا۔"

میں نے سوچا۔ وہاں بیٹھا رہوں گا تو اس بوڑھے سے باتیں کرنے میں وقت ضائع ہوتا رہے گا۔ جتنی معلومات حاصل کرنی تھیں وہ میں کر چکا تھا اور اس سے کوئی خاطر خواہ معلومات حاصل نہیں ہو رہی تھیں۔ بس اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ آشا بیلا اس کی کنواری بیوی ہے۔

میں ٹائلٹ جانے کے بہانے وہاں سے اٹھ کر باتھ روم میں پہنچا پھر دروازے کو بند کر کے آشا بیلا کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ مختلف کمروں میں جھانکتی ہوئی اپنے خاص بیڈ روم میں پہنچ گئی تھی اور وہاں پہنچنے کے بعد ملازم کو چلے جانے کے لیے کہا تھا۔ ملازم کے جانے کے بعد... وہ وہاں کی ایک ایک چیز کو دیکھنے اور یاد کرنے لگی۔ پھر اسے کچھ یاد آیا تو اس نے ایک دیوار پر آویزاں تصویر کے پیچھے ہاتھ ڈال کر ایک چابی نکالی۔ وہ اس کی آہنی الماری کی چابی تھی۔ اس نے الماری کو کھولا۔ پھر اس میں سے ایک البم نکال کر تصویریں دیکھنے لگی۔ ان میں... کتنے ہی مردوں، عورتوں اور بچوں کی تصویریں تھیں لیکن پریم کمار کی تصویر دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی۔

پریم کمار ایک خوبرو نوجوان تھا۔ اس کی تصویر اس کے ماضی کی کچھ اور یادیں تازہ کرنے لگی۔ شادی کے بعد جب وہ کئی ماہ تک کنواری دلہن بنی رہی اور اس کا بوڑھا شوہر بستر پر پڑا رہا تو وہ آہستہ آہستہ پریم کمار کی طرف مائل ہونے لگی تھی۔ پریم کمار اس کے بوڑھے شوہر کا کاروبار سنبھالتا تھا اور اسی سلسلے میں کوٹھی میں آتا جاتا رہتا تھا۔ اسی دوران

وہ پریم کمار کے قریب ہوتی گئی۔ دونوں جوان تھے۔ دونوں نے مل کر بوڑھی دیوار کو رفتہ رفتہ گرانے کا منصوبہ بنایا۔ پریم کمار نے اپنے ایک بہت ہی رازدار ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کے بعد اعصاب کو کمزور کرنے والی دوا حاصل کی اور اسے لا کر آشا بیلا کو دیا تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنے بوڑھے پتی کو وہ دوا کھلاتی رہے۔

آشا بیلا نے یہی کیا اور اپنے بوڑھے شوہر کو رفتہ رفتہ اعصابی مریض بناتی چلی گئی۔ وہ دن رات پلنگ پر پڑا رہتا تھا اور پریم کمار رات گئے چپ چاپ اس کے بیڈ روم میں چلا آتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے بوڑھے شوہر کو شبہ ہو گیا۔ شاید کسی ملازم کے ذریعے اسے پریم کمار سے تعلقات کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے پریم کمار کو کوٹھی میں آنے سے منع کر دیا۔ اس بات پر آشا بیلا نے اپنے شوہر سے خوب جھگڑا کیا۔ کئی دنوں تک ناراض رہی۔ آخر بوڑھے کو ہار ماننی پڑی کیونکہ جوان بیوی بہت بڑی کمزوری تھی اور اس کی ایسی کمزوری کو جانتی تھی جسے دنیا نہیں سمجھتی تھی۔ آخر اس نے پریم کمار کو کاروبار بدستور سنبھالنے کی اجازت دے دی اور کوٹھی میں آنے جانے کے لیے بھی کہہ دیا۔

آشا بیلا نے اپنے بوڑھے پتی کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ بظاہر وہ ایک بے وفا بیوی تھی لیکن وہ بے وفائی کے لیے مجبور کی گئی تھی۔ اس بوڑھے نے اسے دولت کی زنجیروں میں باندھ کر رکھنا چاہا تھا۔ مگر جوانی قید کو برداشت نہیں کرتی۔ جائز راستہ نہ ملے تو ناجائز راستہ ہموار کر لیتی ہے۔ اس میں آشا بیلا کا بہت ہی کم اور اس بوڑھے کا بہت زیادہ قصور تھا۔

وہ پریم کمار جیسے نوجوان کی محبت میں سرشار ہو گئی تھی، اچانک ہی جے جوالا ان کے درمیان آ گیا۔ اس نے ایک بار فون کے ذریعے آشا بیلا سے رابطہ قائم کیا اور اس سے کہا "میں تمہارے اور پریم کمار کے تعلقات کی ایک ایک تفصیل جانتا ہوں۔ تم لوگوں کی ایسی تصویریں میرے پاس ہیں، جنہیں میں تمہارے پتی کو دکھاؤں یا دنیا والوں کے سامنے پیش کر دوں تو تم اور تمہارا پتی دنیا والوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ تم آج شام اس گارڈن میں آؤ جہاں مادام مارتھا کا کاٹیج ہے۔ میں وہ تصویریں اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ آشا بیلا نے پریم کمار سے مل کر یہ ساری باتیں بتائیں۔ پریم کمار نے کہا "ٹھیک ہے آج شام تم ہوٹل ڈیلکس جاؤ اور دیکھو کہ وہ بلیک میلر کتنی رقم چاہتا ہے؟"

شام کو جب اس نے ہوٹل میں پہنچ کر جے جوالا کو دیکھا تو اسے یاد آیا کہ وہ رنگون کے ایک مضافاتی علاقے کے ایک چھوٹے سے ہوٹل کا مالک تھا اور ایسے نوجوان جوڑوں کو گھنٹے دو گھنٹے کے لیے کمرے کرائے پر دیتا تھا جو چوری چھپے وہاں ایک دوسرے سے ملنے آتے تھے۔ ایک بار آشا بیلا بھی پریم کمار کے ساتھ اس ہوٹل میں ایک گھنٹے کے لیے گئی تھی۔

مادام مارتھا کے کاٹیج میں دنیا جہاں کے لوگ قسمت کا حال معلوم کرنے آتے تھے۔ شام کو وہیں آشا بیلا نے جے جوالا سے ملاقات کی۔ پھر وہ ایک ہوٹل میں آئے۔ جے جوالا نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس لفافے میں ایک کیسٹ اور تصویریں تھیں۔ تصویروں کو دیکھتے ہی آشا بیلا ایک دم سے مارے شرم کے سرخ ہو گئی۔ وہ اس کی اور پریم کمار کی ایسی شرمناک تصویریں تھیں کہ کسی کے سامنے جائیں تو وہ بھی [illegible] میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔

جے جوالا نے کہا "یہ کیسٹ ہے اسے اپنے گھر لے جا کر تنہائی میں سن لینا کہ تم نے اور پریم کمار نے جو باتیں ہوٹل کے اس کمرے میں کی تھیں، وہ سب اس میں موجود ہیں اور کیسٹ کے ذریعے پتا چلتا ہے کہ تم دونوں عاشق و معشوق باہمی سازش کے ذریعے اس بوڑھے کو آہستہ آہستہ اعصابی مریض بنا کر اسے مار ڈالنا چاہتے ہو۔ تمہارے اور تمہارے عاشق کے جرائم کا مکمل ثبوت میرے پاس موجود ہے۔ یہ سب کچھ اس ثبوت کی نقل پیش کر رہا ہوں۔ تصویروں کے نیگیٹو اور اس کیسٹ کا اصل میرے پاس موجود ہے۔"

آشا بیلا نے پوچھا "یہ تصویریں تم نے کس طرح اتاری ہیں اور ہماری آواز کو کس طرح ریکارڈ کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا "میں نے مضافاتی علاقے میں وہ چھوٹا ہوٹل اسی لیے قائم کیا ہے کہ تمہارے جیسے نوجوان جوڑے وہاں آئیں اور میرا شکار بن جائیں۔ اس ہوٹل کے ہر کمرے میں ایسے خفیہ کیمرے اور سراغ رساں آلات نصب ہیں کہ تصویریں اترتی ہیں اور اس کمرے میں باتیں کرنے والوں کی آوازیں ریکارڈ ہوتی رہتی ہیں۔ یہ میرا بہت پرانا دھندا ہے۔ میں اس کے ذریعے بڑے بڑے دولت مندوں کو اپنی مٹھی میں رکھتا ہوں اور ہزاروں لاکھوں ڈالر کماتا رہتا ہوں۔"

"تم تصویروں کے نیگیٹو اور اصل کیسٹ واپس کرنے کی کتنی رقم لو گے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "ابھی تو میں تمہارے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا ہوں۔ بہرحال میں نیگیٹو اور اصل کیسٹ واپس نہیں کروں گا۔ تم مجھے ہر ماہ پانچ ... ہزار ڈالر دے دیا کرو۔"

آشا بیلا کے لیے پانچ ہزار ڈالر کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس کا بوڑھا پتی تقریباً ارب پتی تھا۔ اس نے اپنا پرس کھول کر رقم نکالی اور اسے گننے کے بعد کہا "اس وقت میرے پاس دو ہزار... ڈالر ہیں۔ باقی تین ہزار میں تمہیں کل صبح تک ادا کر دوں گی۔"

یہ کہنے کے بعد آشا بیلا نے اپنے پرس سے ایک چھوٹی سی

ڈائری نکالی اور اس میں جے جوالا کا نام اور باقی تین ہزار کی رقم لکھنے لگی۔ جے جوالا نے یہ دیکھتے ہوئے پوچھا "تم میرا نام اور رقم کیوں لکھ رہی ہو؟"

اس نے جواب دیا "بچپن سے میری یادداشت کمزور ہے میں اس ڈائری میں ان تمام کوٹھیوں اور ان کلبوں اور ہوٹلوں کا پتہ لکھ کر رکھتی ہوں جہاں مجھے آنا جانا ہوتا ہے۔ میں تو اپنے گھر کا پتہ بھی بعض اوقات بھول جاتی ہوں۔"

جے جوالا نے کہا "تم جب کئی کوٹھیوں کی مالکہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاصی دولت مند ہو۔ بہرحال میں زبان کا دھنی ہوں۔ اس بار پانچ ہزار لے رہا ہوں۔ آئندہ ماہ کم سے کم دس ہزار لوں گا۔"

وہ پریشان ہو گئی کہ آخر کب تک وہ ہر ماہ دس ہزار ڈالر ادا کرتی رہے گی۔ اس نے کہا "مجھے آئندہ ملاقات کے لیے کوئی دوسری جگہ بتاؤ۔ میں بار بار ہوٹل میں نہیں آسکوں گی۔"

جے جوالا نے اسے اپنی کوٹھی کا پتہ بتایا اور اس سے ملاقات کا وقت مقرر کیا۔ دوسرے دن جب وہ جے جوالا کی کوٹھی میں پہنچی تو پتہ چلا کہ وہ ابھی تک سو رہا ہے۔ اس کوٹھی میں ایک بارہ برس کی معصوم بچی کھیل رہی تھی۔ آشا بیلا نے اس سے پوچھا "تم کون ہو؟" اس نے بتایا کہ وہ جے جوالا کی بیٹی ہے اور اس کی ماں انگلینڈ میں رہتی ہے۔

اس نے پوچھا "تم کتنے بھائی بہن ہو؟"

"میرے تو ایک ہی بھیا ہیں۔ ان کا نام رامیشور ہے۔ وہ دیکھو نام لیتے ہی میرے بھیا آ گئے۔"

آشا بیلا نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک نوجوان کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ آشا بیلا نے اس سے اپنا تعارف کرایا کہ وہ اس کے باپ جے جوالا سے ملنے آئی ہے۔ رامیشور بڑی خوشدلی سے اس سے باتیں کرتا رہا۔ جب جے جوالا نیند سے بیدار ہو کر آیا تو رامیشور وہاں سے چلا گیا۔

اس نے اپنے پرس میں سے باقی تین ہزار ڈالر کی رقم نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ اس رقم کو اٹھاتے ہوئے بولا — "شاباش! میں کاروبار میں وعدہ خلافی پسند نہیں کرتا۔ تم اسی طرح وعدے کے مطابق عمل کرتی رہو گی تو میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

آشا بیلا نے عاجزی سے کہا "جے جوالا! مجھ سے جو غلطی ہوئی اس کی میں اتنی بڑی سزا نہیں چاہتی۔ آخر میں کب تک تمہیں دس ہزار ڈالر ادا کرتی رہوں گی۔ میں ایسی دولت مند نہیں جیسا تم سمجھ رہے ہو۔ دولت میرے خاوند کے پاس رہتی ہے اور اسے حاصل کرنا میرے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "ہر عورت جو میرے شکنجے میں آتی ہے وہ یہی رونا روتی ہے کہ دولت اس کے پاس نہیں، اس کے پتی یا پتا کے پاس رہتی ہے۔ بہرحال میں یہ دکھڑا سننے کا عادی نہیں ہوں۔"

آشا بیلا بڑی دیر تک عاجزی کرتی رہی، اسے سمجھاتی رہی کہ کچھ اور رقم لے کر ان تصویروں کے نیگیٹو اور اصل کیسٹ واپس کر دے لیکن وہ راضی نہیں ہوا۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "میرا وقت برباد نہ کرو۔ اب یہاں سے جاؤ۔ آئندہ میں تمہیں بتا دوں گا کہ کب اور کہاں ملنا ہے۔"

وہ سر جھکا کر مایوسی سے واپس جانے لگی لیکن اس کے اندر لاوا پک رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح جے جوالا سے وہ سارے ثبوت چھین لے اور اگر نہ چھین سکے تو اسے ایسا نقصان پہنچائے کہ وہ ساری زندگی اسے یاد کرتا رہے۔ اس کوٹھی سے باہر نکلتے وقت اس نے دیکھا کہ وہ بارہ برس کی لڑکی باغیچے میں کھیل رہی تھی۔ تب اس کے دماغ میں بجلی سی کوندی۔ ایک خیال آیا کہ اسے اغوا کیا جا سکتا ہے اور اسے اپنے قابو میں رکھ کر اس کے باپ کو بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔ یہ جے جوالا مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ میں اسے بلیک میل کروں گی۔ دیکھتی ہوں کہ کس کا پلہ بھاری رہتا ہے۔

یہ خیالات اس کے دماغ میں پک رہے تھے۔ وہ جے جوالا کی کوٹھی سے باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھی۔ پھر اسے ڈرائیو کرتی ہوئی پریم کمار کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے پریم کمار کو ساری باتیں بتائیں کہ وہ شخص عاجزی خوشامد اور فریاد کرنے سے پگھلنے والا نہیں ہے۔ اسے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہوگا۔ اور اس کے لیے میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔

پریم کمار نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ کر کہا "تم بہت پریشان نظر آتی ہو۔ بتاؤ کہ وہ کیا تدبیر ہے؟ میں اس پر عمل کروں گا۔"

اس نے اغوا والی تدبیر بتائی "جے جوالا کی بارہ برس کی لڑکی بہت ہی خوبصورت بہت ہی پیاری پیاری سی ہے اور اس کا باپ یقیناً اسے دل و جان سے چاہتا ہوگا۔ لڑکی بھی باپ کو چاہتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ماں انگلینڈ میں ہے اور وہ باپ کے پاس رہتی ہے۔ میں باپ بیٹی کی محبت پر کاری ضرب لگاؤں گی۔"

پریم کمار نے اس کے منصوبے کو بہت پسند کیا۔

پھر انہوں نے اس دن سے اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے اس شہر کے بڑے بڑے بدمعاشوں سے رابطہ قائم کیا اور ایسے بدمعاشوں کا انتخاب کیا جو اغوا کرنے اور قتل کرنے میں خاصے بدنام تھے۔

آشا بیلا نے انہیں منہ مانگی رقم دی پھر اس منصوبے کے مطابق ایک دن انھوں نے اس بچی کو اغوا کر لیا۔ آشا بیلا کے حکم کے مطابق اسے ایک مکان میں لے جا کر رکھا گیا تھا۔ وہ بچی اس مکان میں تنہا تھی اور اس کی نگرانی کرنے کے لیے صرف ایک بدمعاش کی ڈیوٹی لگا دی گئی تھی اور یہ کہا گیا کہ اگر معاملہ طے کرنے میں کافی دن لگ جائیں تو دو شخص باری باری ڈیوٹی دیتے رہیں لیکن بچی کو وہاں تنہا نہ چھوڑا جائے ورنہ وہ ہمارے خلاف چیخنا شور مچانا شروع کر دے گی۔

میں باتھ روم میں کھڑا ہوا آشا بیلا کی سوچ پڑھ رہا تھا اور وہ اپنے بیڈ روم میں الماری کے سامنے کھڑی ہوئی البم کو کھول کر پریم کمار کی تصویر کو دیکھتے ہوئے ماضی کی وہ ساری باتیں یاد کر رہی تھی میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "اس بچی کو کس مکان میں رکھا گیا ہے؟"

آشا بیلا اپنی سوچ کے مطابق غور کرنے لگی۔ پوری توجہ سے سوچنے لگی کہ اس نے بچی کو کس مکان میں رکھا ہے۔ اس کے ساتھ بڑی مشکل یہی ہے کہ وہ بھول جاتی تھی اور جب تک اپنی ڈائری میں محفوظ کی ہوئی یادداشت کو پڑھتی نہیں تھی اس وقت تک اسے کچھ یاد نہیں آتا تھا۔ میں نے سوچا شاید پریم کمار کو اس مکان کا پتہ معلوم ہوگا کیونکہ اس اغوا کی سازش میں وہ بھی اس کا شریک تھا۔ یہ سوچ کر میں نے آشا بیلا کے دماغ میں سوال کیا "پریم کمار کہاں مل سکتا ہے؟ اس کا فون نمبر تو مجھے یاد ہونا چاہیے؟"

وہ پھر ذہن پر زور ڈال کر پریم کمار کا فون نمبر یاد کرنے لگی۔ لیکن نہ تو اسے اپنے عاشق کا فون نمبر یاد آیا نہ ہی اس کا پتہ اس کے ذہن میں اجاگر ہوا۔ آشا بیلا کے دماغ پر تکیہ کرنا فضول تھا۔ اب یہی صورت تھی کہ اس کے بوڑھے شوہر یا اس ملازم سے پریم کمار کا پتہ ٹھکانہ معلوم کیا جائے۔ بہرحال یہ بعد کی چیز تھی میں پھر آشا بیلا کے ذہن کو کریدنے لگا کیونکہ وہ مسلسل اپنے ماضی کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اس تسلسل سے اور بھی بہت سی باتیں معلوم کی جا سکتی تھیں۔

اس وقت وہ پریم کمار کی تصویر کو دیکھ رہی تھی اور جیسے اس کے چہرے کو اپنی انگلیوں سے سہلا رہی تھی۔ پریم کمار اس کے من مندر کا دیوتا تھا۔ وہ اس کی پوجا کرتی تھی اور پریم کمار بھی اسے دیوانوں کی طرح چاہتا تھا۔ اس حد تک یادداشت واپس آنے پر وہ دوراہے پر کھڑی ہو گئی تھی۔ ایک طرف میرا بھی خیال تھا کہ میں اس کے ساتھ موجود ہوں اور وہ میرے پاس بھی اپنا تن من ہار چکی ہے اور مجھے بھی اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا کہ پریم کمار کو۔ ایسے دوراہے پر کھڑے ہو کر وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرنا چاہیے؟

فی الحال اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم دونوں میں سے کون بہتر ہے اور کون اس کے ساتھ سدا رہے گا۔ سدا رہنے کی بات آئی تو خیال آیا کہ میں مسافر ہوں اور کسی دن ساتھ چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ یہ بات اس کے دل پر پتھر کی طرح لگی کیونکہ کوئی عورت یہ نہیں چاہتی کہ جس کے پاس وہ اپنا سب کچھ ہار چکی ہے وہ بے وفا ہو کر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔ اس نے فی الحال یہ فیصلہ کیا کہ ابھی وہ اپنی یادداشت واپس آنے کے سلسلے میں کوئی بات ظاہر نہیں کرے گی اور اس بات کو چھپائے گی کہ وہ پریم کمار سے محبت کرتی رہی ہے۔ ابھی کچھ دنوں تک پہلے محبوب کو پہچاننے سے انکار کرتی رہے گی۔

میں اس کے خیالات پڑھ کر مسکرانے لگا۔ پھر میں نے رسٹ واچ دیکھی۔ باتھ روم میں آتے ہوئے بڑی دیر ہو گئی تھی۔ کمرے میں بوڑھا پلنگ پر لیٹا ہوا میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ وہ کیا سوچے گا کہ اتنی دیر تک باتھ روم میں میں کیا کرتا رہا۔ میں نے بوڑھے کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ سو نہیں رہا تھا۔ میں نے اسے خیال خوانی کی لوری سنا کر سلا دیا تاکہ جب وہ بیدار ہو تو اسے صحیح وقت کا اندازہ نہ ہو سکے کہ میں کب باتھ روم میں گیا تھا اور کب باہر آ گیا تھا۔

میں باہر آ کر اسی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بوڑھا سو رہا تھا۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ملازم کے دماغ میں جھانک کر کہا "مجھے پریم کمار صاحب کو ٹیلیفون پر بتانا چاہیے کہ مالکن واپس آ گئی ہیں۔"

ملازم اسی کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ اس سوچ کے ساتھ ہی اپنا راستہ بدل کر ڈرائنگ روم میں گیا۔ پھر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر پریم کمار کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے پریم کمار کی آواز سنائی دی "ہیلو میں پریم کمار بول رہا ہوں۔ آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

اس کی آواز سنتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ملازم اسے مالکن کے واپس آنے کی خوشخبری سنا رہا تھا۔ لیکن میں اس کے دماغ میں گڑبڑ۔۔ پیدا کر رہا تھا اور اس کے سننے میں فرق پیدا کر رہا تھا۔ وہ ملازم کی آواز نہیں سن پا رہا تھا اور کہہ رہا تھا "فون پر صحیح آواز نہیں آ رہی ہے۔ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" پھر میں نے اس کے دماغ میں جھنجھلاہٹ پیدا کی تو اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اب میں پریم کمار کے ساتھ تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "پتہ نہیں آشا بیلا کے ساتھ جے جوالا نے کیا سلوک کیا ہوگا؟ میرا شبہ یقین میں بدل رہا ہے کہ شاید اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اب اس معصوم بچی کا کیا ہوگا؟"

اس کی سوچ نے کہا "پتہ نہیں کیا ہوگا۔ ہم کیا چاہتے تھے اور کیا ہو گیا۔ وہ بچی بھی پتہ نہیں کہاں لے جا کر رکھی گئی ہے؟"

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ آشا بیلا اور پریم کمار کی مشترکہ سازش سے بچی اغوا کی گئی تھی۔ پریم کمار کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اسے کہاں لے جا کر رکھا گیا ہے اور وہ ادھر یہ سوچ رہا تھا کہ اس جگہ کے متعلق نہیں جانتا ہے۔ میں نے اس کے دماغ میں یہی سوال کیا "بچی کو جہاں رکھا گیا ہے وہ جگہ مجھے معلوم ہونی چاہیے۔"

اس کی سوچ نے کہا "مجھے نہیں معلوم ہے جس روز بچی اغوا کی گئی اس روز میں انکم ٹیکس کے معاملات میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ آشا بیلا میری مصروفیات کو سمجھتی تھی اس لیے سارے معاملات وہی دیکھ رہی تھی اور اسے معلوم تھا کہ بچی کو کہاں لے جا کر رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جو دوسرے غنڈے بھاڑے کرائے پر حاصل کیے تھے۔ وہ بھی اس بات کو نہیں جانتے تھے کیونکہ اغوا کرنے والا بدمعاش کوئی دوسرا تھا۔ اور رامیشور کو قتل کرنے والے کوئی دوسرے تھے۔"

اب یہ راز کھلا کہ رامیشور کو ان کے ہی کرائے کے قاتلوں نے ہلاک کیا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "آخر رامیشور کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

پریم کمار کی سوچ نے کہا "وہ کبھی قتل نہ کیا جاتا اور نہ ہی کسی کو جانی نقصان پہنچانے کا ہمارا ارادہ تھا۔ ان قاتلوں کا کہنا ہے کہ کچھ حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ وہ ان کی گرفت سے نکل کر جنگل میں بھاگتا ہوا جا رہا تھا اور ایک گشتی گاڑی والوں کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اگر اسے زندہ چھوڑ دیا جاتا تو وہ گشتی گاڑی والوں سے مدد حاصل کر کے ان قاتلوں پر جوابی حملہ کرتا۔ یہ سوچ کر کہ بچی کے اغوا کا راز نہ کھلے انھوں نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔"

پریم کمار کی سوچ پڑھ کر مجھے وہ منظر یاد آ گیا جب میں گشتی گاڑی کا دروازہ کھول کر رامیشور کو اپنی طرف بلا رہا تھا اور وہ بے چارہ اپنی زندگی بچانے کے لیے بھاگتا آ رہا تھا۔ پھر گولی کھا کر وہ گشتی گاڑی کے پائدان پر گر پڑا تھا۔ آخری وقت اس نے لفافہ بڑھاتے ہوئے مجھ سے التجا آمیز لہجے میں کہا تھا "میری۔ میری بہن۔۔۔"

اب اس کی بہن کے متعلق پتہ چلا کہ اس کی بہن نرتوایزا بیلا تھی۔ یعنی آشا بیلا تھی۔ وہ ایک معصوم بچی تھی۔ جو اپنے باپ کی بلیک میلنگ اور آشا بیلا کے انتقامی جذبے کی بھینٹ چڑھ رہی تھی۔

اس بچی کا نام پومی تھا۔ مجھے اب صرف پومی سے ہمدردی تھی۔ میں نرتو، آشا بیلا، جے جوالا، پریم کمار اور ان سارے لوگوں کو بھول کر صرف پومی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ میرا دل کہتا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔

میں نے پریم کمار کو اس بات پر مائل کیا کہ وہ تمام حالات پر شروع سے غور کرے۔

وہ ابتدا سے سوچنے لگا "جس دن پومی کو اغوا کیا گیا اس دن شام کو آشا بیلا نے مجھے اطلاع دی کہ پومی اغوا کر کے ایک محفوظ مقام پر پہنچا دی گئی ہے۔ جب وہ مجھ سے ملنے آئے گی تو اس مقام کا پتہ بتلائے گی۔ پھر اس نے جے جوالا کو اس بات کی اطلاع دی کہ اس کی بیٹی پومی اس کے قبضے میں ہے۔ اگر وہ اپنی بیٹی کی زندگی چاہتا ہے تو اس کی تمام تصویریں نیگیٹو کے ساتھ اور وہ کیسٹ اسے واپس کر دے ورنہ وہ اپنی بچی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

اب جے جوالا کے لیے لمحۂ فکریہ تھا۔ وہ فون پر آشا بیلا کے سامنے گڑگڑانے لگا۔ آشا بیلا نے کہا "تم میری عزت پر کیچڑ اچھال رہے تھے اس وقت تم پر میری التجاؤں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب تم سیدھی طرح جلد از جلد وہ تمام ثبوت جو میرے خلاف ہیں میرے پاس لا کر رکھ دو۔ میں انہیں دیکھوں گی پھر انہیں ضائع کر دوں گی اس کے بعد میں کچھ روز تک اس بات کی صداقت کو سمجھنے کی کوشش کروں گی کہ تم نے میرے خلاف دوسرے ثبوت تو چھپا کر نہیں رکھے ہیں۔ جب مجھے یقین آ جائے گا کہ تم نے سب کچھ میرے حوالے کر دیا ہے تو میں پومی کو تمہارے حوالے کر دوں گی۔"

دوسری صبح ان کی ملاقات کا وقت مقرر ہو گیا۔ آشا بیلا پریم کمار کے پاس آئی تو پریم کمار نے اس سے پوچھا "پومی کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

آشا بیلا ذہن پر زور ڈال کر سوچنے لگی لیکن اسے یاد نہیں آیا۔ وہ بولی "اسے جہاں رکھا گیا ہے وہاں کا پتہ میری ڈائری میں موجود ہے تم گھر آؤ گے تو میں تمہیں وہ پتہ نوٹ کرا دوں گی۔"

پھر وہ دونوں جے جوالا کی کوٹھی میں پہنچے۔ جے جوالا نے ان کے سامنے ان تمام تصویروں کے نیگیٹو اور وہ اصل کیسٹ لا کر رکھ دیے۔ آشا بیلا نے انہیں اپنے قبضے میں لینے کے بعد کہا "اب مجھے اپنا وہ اسٹاک دکھاؤ جہاں تم نے دوسرے دولت مندوں کو بلیک میل کرنے کا مواد چھپا رکھا ہے۔"

جے جوالا نے کہا "آشا بیلا ان کا تعلق تم سے نہیں ہے وہ میرے معاملات ہیں۔ میرا کاروبار ہے۔ تمہیں میرے کاروبار میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیوں نہیں کرنا چاہیے۔ تمہارے اس کاروبار نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا ہوتا لیکن میں اپنی چالاکی سے بچ گئی۔ میری طرح دوسری عورتیں بھی کس قدر مجبور ہوں گی اور تمہارے مرنے کی دعائیں مانگتی ہوں گی۔ تو کیوں نہ میں تمہاری زندگی ہی میں انہیں تم سے نجات دلاؤں۔ میں زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے اپنا وہ اسٹاک دکھاؤ۔"

جے جوالا نے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے کہا "میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں اپنا کاروباری اسٹاک تمہیں نہیں دکھا سکتا۔ میری

بہت سی مجبوریاں ہیں۔ میں کچھ ایسی معزز ہستیوں کو بھی بلیک میل کرتا ہوں کہ اگر ان کا بلیک میلنگ کا مواد ضائع ہوگیا تو وہ مجھے قانون کے شکنجے میں جکڑ دیں گے۔ وہ ابھی مجبور ہیں۔ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن جب انہیں پتہ چلے گا کہ ان کے سر سے میری بلیک میلنگ کی تلوار ہٹ گئی ہے تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میری بقا اسی میں ہے کہ میں اس اسٹاک کو اپنے پاس محفوظ رکھوں۔"

آشا بیلا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں چوبیس گھنٹے کا وقت دیتی ہوں۔ اس عرصہ میں تمہیں میری بات مان لینی چاہیے۔ نہ ماننے کی صورت میں پومی تمہیں واپس نہیں ملے گی۔"

جے جوالا غصے سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "میں، میں تم دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔"

آشا بیلا نے کہا۔ "ہم تمہارے گھر میں ہیں۔ ہمیں ضرور گولی مار دو۔ لیکن کیا پومی مل جائے گی تمہیں؟"

وہ دھمکی دے کر پریم کمار کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔ جے جوالا یقیناً اس فکر میں ہوگا کہ کسی طرح آشا بیلا کے شکنجے سے نکل جائے۔ چوبیس گھنٹے کی مہلت ملی تھی۔ پھر اسی دوران یہ ہوا کہ آشا بیلا اپنے گھر واپس چلی گئی۔ پریم کمار اپنے کاروباری معاملات میں الجھ گیا۔ شام کو اچانک آشا بیلا کے پاس ٹیلی فون کال آئی۔ اس اغوا کرنے والے نے اسے فون کیا تھا۔ "پومی جہاں قید کی گئی ہے وہاں بالکل خیریت سے ہے لیکن یہ لڑکی بہت چالاک ہے۔ ہماری ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے گھر ٹیلی فون کیا تھا اور کسی کو بتایا تھا کہ وہ کسی ایسے مکان میں قید کر کے رکھی گئی ہے جس کے چاروں طرف جنگلات نظر آتے ہیں۔ اسے کسی طرح یہاں سے نکالا جائے۔"

آشا بیلا یہ اطلاع سن کر پریشان ہوگئی۔ اس نے ان قاتلوں سے رابطہ قائم کیا اور اپنی ڈائری دیکھنے کے بعد انہیں بتایا کہ سیرِ ہائی وے کی طرف جو جنگلات ہیں وہاں اس راستہ کی نگرانی کرتے رہو۔ اگر جے جوالا یا راجیشور یا ان کا کوئی آدمی ادھر کوئی مکان تلاش کرنے کے لیے پہنچے تو انہیں زندہ واپس نہ جانے دو ورنہ وہ سب قانون کے شکنجے میں آجائیں گے۔

پریم کمار سوچ رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔ اس کی سوچ کے مطابق گزشتہ کل جے جوالا ریوالور لے کر اس کے پاس آیا تھا۔ ریوالور بھی بھرا ہوا تھا اور وہ بھی غصے میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے پریم کمار سے کہا۔ "تم لوگ بہت ذلیل اور کمینے ہو۔ تم دونوں نے ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں میرے بیٹے اور میری بیوی کو قتل کیا ہے۔"

پریم کمار نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ تمہارے بیٹے اور بیوی کو کیسے قتل کیا گیا؟ کیوں قتل کیا گیا؟ ہم تو صرف آشا بیلا کا تحفظ چاہتے تھے۔ کسی کو قتل کرنا ہمیں منظور نہ تھا اور نہ ہی ہم کسی کو جانی نقصان اب بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ اپنی جان بچانے کے لیے انجان نہ بنو۔ تم نے کرائے کے قاتلوں کے ذریعے میرے بیٹے راجیشور کو قتل کرایا ہے اور مکان نمبر چھ میں میں نے آشا بیلا کو ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ میں وہاں پہنچ نہ سکا لیکن میری بیوی جو لندن سے آ رہی تھی وہ وہاں گئی تھی۔ آشا بیلا نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔"

پریم کمار نے پوچھا۔ "آشا بیلا اسے کیوں ہلاک کرے گی؟ اور تمہاری بیوی اس مکان نمبر چھ میں کیسے گئی تھی جبکہ تمہارے اور آشا بیلا کے سوا اس ملاقات کا اور اس مقام کا ذکر کسی نے نہیں سنا تھا؟"

جے جوالا نے کہا۔ "میری بیوی لندن سے آ رہی تھی۔ میں نے ٹیلی فون کے ذریعہ اس سے کہا تھا کہ میں مکان نمبر چھ میں پہنچ نہیں سکوں گا۔ دوسرے معاملات میں الجھا ہوا ہوں۔ تم وہاں مکان نمبر چھ میں جاؤ اور آشا بیلا کے پرس میں ایک چھوٹی سی ڈائری ہے اس ڈائری میں جتنے بھی پتے نوٹ کیے ہوئے ہیں۔ وہ سب یا تو نوٹ کر لو یا آشا بیلا سے وہ ڈائری مانگ کر لے آؤ تاکہ ہم اپنی بچی تک پہنچ جائیں۔"

پریم کمار نے اس کے ریوالور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تم بچی تک پہنچنے کے لیے یہ ریوالور لے کر آئے ہو۔ کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہو۔ ریوالور جیب میں رکھ لو ورنہ پومی تمہیں کبھی واپس نہیں ملے گی۔"

جے جوالا نے بے بسی سے ریوالور کو دیکھا۔ وہ اپنے بیٹے اور اپنی بیوی کی زندگیاں ہار چکا تھا۔ صرف ایک بیٹی رہ گئی تھی۔ اس کے لیے اگر وہ جوش میں آ کر کوئی غلط قدم اٹھاتا تو پومی بھی اسے زندہ نہیں ملتی۔ اس نے ریوالور کو جیب میں رکھ کر کہا۔ "بھگوان کے لیے مجھے میری بیٹی تک پہنچا دو۔"

پریم کمار نے کہا۔ "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری بیوی مکان نمبر چھ میں کس طرح ہلاک ہوگئی۔ میں آشا بیلا کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ ضدی اور چالاک ہے اور دشمنوں کو دماغی پریشانیوں میں مبتلا کر سکتی ہے لیکن کسی کو جانی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم نے مکان نمبر چھ میں کوئی جال بچھایا تھا۔ آشا بیلا کو پھانسنا یا اسے ہلاک کرنا چاہا تھا اسی لیے تو اس کی جگہ تمہاری بیوی ہلاک ہوگئی۔ ضرور تمہاری چال میں کوئی گڑبڑ تھی۔"

جے جوالا نے پوچھا۔ "آشا بیلا کہاں ہے؟ تم نے اسے کہاں چھپا رکھا ہے؟ مجھ سے ملاؤ۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی ہر شرط مان لینا چاہتا ہوں۔"

پریم کمار نے کہا۔ "میں نے اسے نہیں چھپایا ہے۔ میں خود پریشان ہوں کہ وہ کل سے کہاں غائب ہوگئی ہے۔ مجھے تم پر شبہ ہے کہ

تم نے اسے غائب کیا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ بڑی پریشانی کی بات ہے کہ وہ اچانک کہاں گم ہوگئی ہے؟"

جے جوالا نے کہا۔ "ہم آشا بیلا کو بعد میں بھی تلاش کریں گے تم میرے ساتھ پومی کے پاس چلو میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔"

"میں نہیں جانتا کہ پومی کس جگہ رکھی گئی ہے۔ میں نے آشا بیلا سے کہا تھا کہ مجھے اس جگہ کا پتہ بتا دے اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی ڈائری لے کر آئے گی لیکن پچھلے تین چار دن سے میں انکم ٹیکس کے معاملات میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ اس نے کل مکان نمبر چھ کی طرف جاتے ہوئے فون پر کہا تھا کہ وہ پرس کے اندر اپنی ڈائری رکھ کر وہاں جا رہی ہے اور میں بھی وہاں پہنچوں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں مکان نمبر چھ تک پہنچ جاؤں گا لیکن مجھے وقت نہیں ملا۔ مجھے وہاں پہنچنے میں بہت دیر ہوگئی تھی یعنی دو گھنٹے گزر چکے تھے اور اب میں تم سے نہیں چھپاؤں گا کہ محلے والے وہاں جب تمہاری بیوی کی لاش کو دیکھ رہے تھے تو میں بھی وہاں گیا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ آشا بیلا کو ہلاک کیا گیا ہے لیکن اس لاش کو دیکھ کر اطمینان ہوگیا کہ آشا بیلا زندہ ہے اور کہیں چھپی ہوئی ہے۔"

"پولیس والے مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میرے بیٹے اور میری بیوی کو کس نے قتل کیا ہوگا؟ مجھے کس پر شبہ ہے؟ میں اگر تم دونوں کا نام لے لوں تو ابھی تم جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آؤ گے۔"

"اور تم ہمارا نام نہیں لے سکو گے۔"

"ہاں ابھی میں مجبور ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ پولیس والوں کے سامنے کبھی تم لوگوں کا نام نہیں لوں گا۔ مجھے میری بیٹی تک پہنچا دو۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے وہ جگہ معلوم نہیں ہے ورنہ میں ضرور تمہارے ساتھ پہنچ جاتا۔"

جے جوالا نے غصے اور بے بسی سے اسے دیکھا۔ پھر وہاں سے پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔ ان کے درمیان جو دشمنی جاری تھی اور جو بلیک میلنگ اور قتل و غارت گری کا کھیل کھیلا جا رہا تھا اس میں جے جوالا کو زیادہ نقصان پہنچ رہا تھا۔ ایک جوان بیٹا اور ایک بیوی قتل ہو چکی تھی اور اب پومی کی باری تھی۔ مجھے پومی سے بے حد ہمدردی پیدا ہوگئی تھی اور میں کسی نہ کسی طرح اس بچی تک پہنچنا چاہتا تھا۔

میں دماغی طور پر اس بیڈروم میں حاضر ہوگیا جہاں آشا بیلا کا بوڑھا شوہر سو رہا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر کمرے سے باہر آیا۔ پھر ایک کاریڈور سے گزرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر جے جوالا کے نمبر ڈائل کیے۔ اتنی کوشش کے بعد آخر وہ مل ہی گیا۔ دوسری طرف سے اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو میں جے جوالا بول رہا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "بہت اچھا بول رہے ہو ذرا دیر اور بولتے رہو۔"

اس نے غصے سے کہا۔ "کیا بکواس ہے؟ کون ہو تم؟ کس لیے فون کیا ہے؟"

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ رابطہ ختم کر دیا لیکن رابطہ ختم نہیں ہوا کیونکہ میں جے جوالا کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے دو چار بار ہیلو ہیلو کہنے کے بعد ریسیور کو پٹخ دیا تھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ اس کمرے میں کچھ رشتہ دار بیٹھے ہوئے تھے اور ایک پولیس افسر بھی تھا۔ رشتہ دار اس کے بیٹے اور بیوی کا سوگ منانے آئے تھے اور پولیس آفیسر اس کے پیچھے صرف یہ نکتہ لیے پڑا تھا کہ اس کے بیٹے اور بیوی کے قتل ہونے کے بعد اب پومی کی باری ہے جسے اغوا کیا گیا ہے۔ یقیناً جے جوالا کا کوئی ایسا دشمن ہے جس کا نام لیتے ہوئے وہ گھبرا رہا ہے اور قانون کی مدد نہیں کر رہا ہے۔

جے جوالا کو پریشان دیکھ کر پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کس کا فون تھا؟"

وہ جھلا کر بولا۔ "پتہ نہیں کون بدمعاش تھا۔ اس نے فوراً ہی ریسیور رکھ دیا تھا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ سے کون دشمنی کر رہا ہے؟"

انسپکٹر نے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ دشمن کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن آپ کی یا تو کوئی کمزوری ہے یا آپ بہت زیادہ اپنے دشمن سے سہمے ہوئے ہیں کہ اس کا نام ہمارے سامنے لینا نہیں چاہتے۔"

"انسپکٹر آپ جو چاہے سمجھ لیں لیکن میرا دل جانتا ہے کہ اس وقت میری بچی کی جان خطرے میں ہے کسی وقت بھی دشمن اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے اس کی جان عزیز ہے اس کے لئے میں قانون کو تو کیا اپنے آپ کو بھی دھوکہ دے سکتا ہوں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں سہما ہوا ہوں تو یہی سہی مگر بھگوان کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دیجئے مجھے تنہائی چاہیئے۔"

انسپکٹر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر میں خاموش رہوں اور آپ سے تعاون کی درخواست نہ کروں تو بردہ فروشوں اور قاتلوں کے حوصلے بڑھیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بے حد پریشان ہیں اور میں آپ کی پریشانی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا ہوں اس وقت جا رہا ہوں لیکن پھر آؤں گا۔ آپ اس وقت تک اپنے ذہن کو پرسکون بنانے کی کوشش کریں۔ غصے یا پریشانی سے آپ کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ جے جوالا نے اپنے ..... رشتہ داروں کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو، خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اس کے رشتے دار بھی وہاں سے اٹھ کر چلے گئے جب وہ تنہا رہ گیا تب میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "مجھے یہاں اطمینان

سے بیٹھ کر تنہائی میں یہ سوچنا چاہیئے کہ آخر یہ کیسے حالات پیش آرہے ہیں اور مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

وہ آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "پہلے تو مجھے یہ سوچنا چاہیئے کہ میں کیوں پریشان ہوں؟ جبکہ میں آشابیلا کی تمام شرائط پوری کر رہا ہوں۔"

وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح تھکے ہوئے انداز میں بولا۔ "ہاں میں آشابیلا کی تمام شرائط پوری کر رہا ہوں مگر افسوس کہ اب آشابیلا سے میرا اتنا گہرا تعلق نہیں رہا۔ آشابیلا سے صرف اتنا تعلق ہے کہ میں اپنے بیٹے اور بیوی کا انتقام اس سے لے سکتا ہوں لیکن اب میری پومی اس کے رحم وکرم پر نہیں ہے۔"

میں اس کی سوچ سُن کر چونک گیا۔ میں نے پھر اپنے یقین کے لئے اس کی سوچ میں پوچھا کہ پومی کا تعلق اب کس سے نہیں ہے؟"

اس کی سوچ نے کہا "آشابیلا سے اب پومی کا کوئی تعلق نہیں رہا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟ کیوں اس سے تعلق نہیں رہا"

اس کی سوچ نے کہا "ایک شخص نے مجھے فون کیا تھا اور اُس نے کہا تھا کہ آشابیلا نے پومی کو اغوا کرنے کے لئے مجھے پانچ ہزار ڈالر کا آفر دیا تھا لہٰذا میں نے پومی کو وہاں سے ٹرانسفر کر دیا ہے اور اپنی ایک ایسی جگہ پر لے آیا ہوں جہاں آشابیلا یا تمہارے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب میں آشابیلا کا آلۂ کار نہیں رہا۔ میں اس سے بغاوت کر رہا ہوں مجھے معلوم ہو چکا ہے جے جوالا کہ تم بہت ہی کروڑ پتی قسم کے آدمی ہو۔ لہٰذا اب میں تم سے براہِ راست سودا کر رہا ہوں۔ میں تم سے پچاس لاکھ ڈالر لوں گا پھر تمہاری بیٹی کو واپس کردوں گا۔"

جے جوالا نے فون پر اس کی یہ مضحکہ خیز اور ظالمانہ سودے بازی دیکھ کر کہا "نہیں تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ میں اتنا دولتمند نہیں ہوں۔ میں پچاس لاکھ ڈالر نہیں دے سکتا۔ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ پچاس لاکھ ڈالر تو کسی ملک کو فوجی امداد دے کر اپنا احسان مند بنایا جا سکتا ہے۔ تم ایسی احمقانہ سودے بازی سے باز آجاؤ۔"

اس فون کرنے والے نے کہا "جے جوالا! میں اچھی طرح معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ اتنے دن میں نے یونہی ضائع نہیں کئے۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم رنگون شہر کے مضافاتی علاقے میں جو ہوٹل قائم کئے ہوئے ہو اور وہاں جو کھیل کھیلتے ہو اور نوجوان جوڑوں کو بلکہ دولت مند لوگوں کو جس طرح پھانستے ہو اور بلیک میل کرتے ہو تو ہر ماہ کم از کم لاکھوں نہیں تو ہزاروں ڈالر کما لیتے ہو۔ اس حساب سے تمہیں کروڑ پتی ہونا چاہیئے اور تم کروڑ پتی ہو۔ لہٰذا پچاس لاکھ ڈالر تمہارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ بے وقوف کے بچے یہ تو سوچو کہ تمہارا جوان بیٹا مر چکا ہے۔ تمہاری وہ بیوی جو تم سے لڑ کر لندن چلی گئی تھی مر چکی ہے۔ اب صرف تمہارے لہو کے رشتوں میں ایک ننھی سی بچی پومی رہ گئی ہے پچاس لاکھ ڈالر کچھ نہیں ہوتا تمہارے جیسے دولت مندوں اور عیاشوں کے لئے کچھ نہیں ہوتے۔ قبول کرلو ورنہ بچی کی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

جے جوالا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا اس کی سوچ کہہ رہی تھی "میرا جوان بیٹا قتل ہو گیا میری بیوی بھی غلط فہمی کا شکار ہو کر موت کے گھاٹ اتار دی گئی میں نے آشابیلا کے لئے جال پھیلایا تھا۔ اس جال میں میری بیوی پھنس گئی۔ اب لے دے کر میری ایک معصوم بچی پومی رہ گئی ہے۔ میں اس کے لئے اپنی زندگی کی ساری کمائی لٹا سکتا ہوں لیکن مجبوری یہ ہے کہ جو بلیک کی آمدنی ہے وہ دوسرے دھندوں میں پھنسی ہوئی ہے اور بینک اکاؤنٹ میں میرے پاس پچاس لاکھ ڈالر نہیں ہیں۔ میں انکم ٹیکس والوں سے اپنی آمدنی چھپانے کے لئے کبھی اتنی رقم بینک میں نہیں رکھتا۔ اس لئے میں نے اس اغوا کرنے والے شخص سے چوبیس گھنٹے کی مہلت حاصل کی ہے اور اس چوبیس گھنٹے میں یہ پچاس لاکھ ڈالر حاصل کرنے ہیں اور میں اسی فکر میں مبتلا ہوں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے حساب کرنا چاہیئے کہ میں نے جو چوبیس گھنٹے کی مہلت حاصل کی ہے۔ تو اب کتنے گھنٹے باقی رہ گئے ہیں۔"

وہ حساب کرنے لگا حساب کرنے کے بعد اس کی سوچ نے کہا کہ اب بیس گھنٹے باقی رہ گئے ہیں اور اس وقت بینک بند ہو چکا ہے اور اپنے جو دوسرے کاروباری دوست ہیں یعنی ایسے دوست ہیں جن سے کاروباری مراسم ہیں تو اب میں ان سے ملاقات کرنے کے لئے جاؤں گا اور ان سے تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے پچاس لاکھ ڈالر جمع کروں گا۔ پچاس لاکھ ڈالر کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی لیکن پھر بھی میں امید کرتا ہوں کہ بیس گھنٹوں کے اندر میں یہ رقم جمع کرلوں گا۔

میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا "جب اس کی مطلوبہ رقم میرے پاس جمع ہو جائے گی تو کیا میں اسے ٹیلی فون پر کال کر سکوں گا؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا "نہیں۔ میں بھلا کیسے کال کر سکتا ہوں۔ اس نے کہا ہے کہ پورے چوبیس گھنٹے کے بعد یعنی اب سے بیس گھنٹے کے بعد وہ دن کے ایک بجے مجھے کال کرے گا۔ اور میں ہاں یا ناں میں جواب دوں گا۔ اگر ہاں میں جواب دوں گا تو وہ کوئی ایسی جگہ مقرر کرے گا جہاں میں اس کی مطلوبہ رقم پہنچا سکوں اور وہ میری بیٹی کو مجھے واپس کر سکے۔"

یہ بیٹیاں کیا ہوتی ہیں، بہت ہی معصوم، بہت ہی پاکیزہ ہوتی ہیں لیکن عزت پر بن آئے تو پھر ان سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہوتا۔ پومی اگرچہ بارہ برس کی بچی تھی لیکن جے جوالا کی غیرت کا سوال تھی اور تمام لہو کے رشتے ختم ہو جانے، قتل ہو جانے کے بعد وہی ایک ایسی رہ گئی تھی جس کے لئے وہ اپنی دولت، اپنا ایمان، اپنی جان سب کچھ داؤ پر لگا سکتا تھا۔

یہ تو میں نے سمجھ لیا کہ بازی الٹ گئی ہے پومی آشابیلا کے ہاتھ سے نکل کر اس اغوا کرنے والے کے ہاتھ میں چلی گئی ہے پھر بھی بہت سے سوال ایسے تھے جو جواب طلب تھے۔ میں نے جے جوالا کے دماغ میں یہ سوال پیدا کیا کہ اس نے اپنی بیوی ایزابیلا کو جو انگریزوں کی نسل سے تھی اور جس سے اس نے لندن میں شادی کی تھی اور اب اسے لاکر برما میں بسایا تھا۔ جس کے بطن سے رامیشور اور پومی پیدا ہوئے تھے وہ ناراض ہو کر لندن کیوں چلی گئی تھی اور اگر چلی گئی تھی۔ تو وہ ایسے وقت واپس کیوں آئی جبکہ آشابیلا کو مکان نمبر چھ میں اس سے ملنے کے لئے پہنچنا تھا اور ٹھیک اسی وقت ایزابیلا بھی وہاں پہنچ رہی تھی۔

جے جوالا کی سوچ نے بتایا کہ اس کے اور ایزابیلا کے درمیان علیحدگی ہو گئی تھی جب وہ ناراض ہو کر وہاں سے لندن گئی تو اپنے ساتھ اپنا سامان اور اپنی تصویروں کا البم بھی لے گئی تھی اس کی کوئی تصویر جے جوالا کے پاس نہیں تھی اور تصویر نہ ہونے کے سبب ہی یہ سنگین واقعات پیش آئے تھے۔

جے جوالا سوچ رہا تھا "میں چھپ کر رہنا چاہتا تھا تاکہ پولیس والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ آشابیلا کو میں نے قتل کیا ہے۔ اس قتل کا منصوبہ بناتے وقت میں نے اپنی ایک ڈمی تیار کی تھی اور اس ڈمی کو لندن اپنے پاسپورٹ پر روانہ کر دیا تھا۔ تاکہ قانون کے محافظ یہ سمجھیں کہ جے جوالا رنگون میں نہیں تھا بلکہ جس وقت آشابیلا قتل کی گئی وہ لندن میں موجود تھا جو شخص میرے میک اپ میں لندن گیا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے ایزابیلا تک یہ خبر پہنچائی تھی کہ پومی اغوا کی گئی ہے اسے آپس کے اختلافات بھلا کر فوراً رنگون پہنچنا چاہیئے وہ رنگون پہنچے گی تو کوئی بھی اسے میری رہائش گاہ تک پہنچا دے گا۔ وہاں سے نقلی جے جوالا نے ٹیلی گرام روانہ کیا تھا کہ ایزابیلا فلاں فلائٹ سے رنگون پہنچنے والی ہے۔ جس آلۂ کار کو یہ ٹیلی گرام دیا گیا تھا۔ وہ ایزابیلا کو نہیں جانتا تھا اس سے کہا گیا تھا کہ ایزابیلا کی ایک تصویر رامیشور کے پاس ہے۔ وہ تصویر لے کر ایزابیلا کو ایئرپورٹ میں ریسیو کرلے۔

یہ اتنی ہیرا پھیری محض اس سبب سے ہوئی کہ جے جوالا اپنی بیوی کے استقبال کے لئے ایئرپورٹ نہیں جا سکتا تھا۔ اگر جاتا تو کوئی نہ کوئی چشم دید گواہ پیدا ہو جاتا کہ جے جوالا لندن نہیں گیا تھا بلکہ رنگون میں موجود تھا۔ اسی لئے وہ اپنے گھر کی چہار دیواری میں چھپا ہوا قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا۔

یہ ہے جوالا کی سوچیں تھیں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ رامیشور کے پاس ایزابیلا کی تصویر ہونا چاہیئے تھی لیکن اس کی جیب سے آشابیلا کی تصویر نکلی۔ ایسا کیوں ہوا؟ وہ آشابیلا کی تصویر لے کر اس جنگل کی طرف کیوں گیا تھا؟ میں بہت دیر تک اس نکتے پر غور کرتا رہا۔ پھر یہی بات سمجھ میں آئی کہ یہ نکتہ زیادہ اہم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آشابیلا کی تصویر محض اس لئے لے گیا ہو کہ جب پومی کو... حاصل کرلے گا تو... واپسی میں قانون کے محافظوں کو آشابیلا کی وہ تصویر دکھا کر اس کے خلاف رپورٹ درج کرائے گا۔ بس یہی بات سمجھ میں آرہی تھی۔

یہ داستان جنگل میں رامیشور کی موت سے شروع ہوئی تھی اور جب آشابیلا یادداشت کھو بیٹھی تو یہ داستان بہت زیادہ پُراسرار اور دلچسپ بن گئی تھی۔ اب تمام اسرار کھلتے چلے گئے تھے۔ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ رامیشور کون تھا اس کی بہن کون ہے؟ اور آشابیلا کو اپنے لوگ مل چکے تھے۔ لیکن اس داستان کا المناک پہلو یہ تھا کہ ایک معصوم بچی کی زندگی کو خطرے میں ڈال کر یہ لوگ حرص وہوس اور قتل وغارت گری کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ وہ سب آپس میں الجھے ہوئے تھے اور ان سے دُور بہت دُور کہیں وہ معصوم بچی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

اس بچی کے لئے میرے دل میں عجیب سی کھلبلی پیدا ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے کسی بھی بچے کے لئے میرے دل میں ایسا لگاؤ پیدا نہیں ہوا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میری زندگی کے راستے میں کوئی بچہ مجھے کبھی متاثر کرنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اب اگر ایک معصوم بچی مصائب میں گھر چکی ہو اور کوئی پُرسانِ حال نہ ہو کوئی یار ومددگار نہ ہو تو اس سے ہمدردی اور محبت پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ وہ جہاں بھی ہے کم از کم بیس گھنٹے تک محفوظ ہے۔ بیس گھنٹے کے بعد جے جوالا رقم لے کر جائے گا تو وہ بچی اسے واپس مل جائے گی۔

یہ میں خود کو تسلی دے رہا تھا لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقررہ وقت سے پہلے کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے، حالات بدل جاتے ہیں جس کی واپسی کی توقع ہوتی ہے اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے ہو سکتا ہے کہ پومی وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے اور دشمن اسے اپنے بچاؤ کی خاطر ہلاک کر دیں۔ کیونکہ پومی کے متعلق یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ذہین ہے، چالاک ہے اگر وہ ایسی نہ ہوتی تو دشمنوں سے نظریں بچا کر اور انہیں فریب دے کر اپنے گھر ٹیلی فون نہ کرتی۔

اس کی چالاکی اس کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہ جس قدر بھی چالاک ہو گی تو اس کی چالاکی میں بچگانہ پن ضرور ہو گا۔

بہر حال بیس گھنٹے تک تو انتظار کرنا ہی تھا۔ اس سے پہلے وہ اغوا کرنے والا جے جوالا سے رابطہ قائم نہ کرتا۔ میں نے جے جوالا کو دیکھا تو وہ رقم کا انتظام کرنے کے لئے گھر سے نکل چکا تھا۔ میں نے آشا بیلا کی خبر لی۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف آہستہ آہستہ جا رہی تھی ملازم نے اسے اطلاع دی تھی کہ پریم کمار ملنے آئے ہیں۔

اس وقت وہ دوراہے پر تھی۔ ایک طرف پریم کمار کی محبت تھی، دوسری طرف وہ میری چاہت میں اپنا تن من ہار چکی تھی۔ مجھ سے بھی لگاؤ تھا۔ پریم کمار کے لئے بھی دل و جان سے چاہت باقی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ دونوں طرف کی محبت کس طرح نبھائے؟ کس کو چھوڑے اور کس کو پکڑے؟ کون اچھا ہے اور کون بہتر ہے؟ وہ تیزی سے سوچ رہی تھی اور فیصلہ کر رہی تھی پھر فیصلہ کر کے وہ.... ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔

وہ پریم کمار کو دیکھتے ہی دروازے پر ٹھٹھک گئی۔ چونکہ جاننے کی ایکٹنگ کر رہی تھی، یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اس نے پریم کمار کو پہچانا نہیں ہے یعنی اس کی یادداشت ابھی تک گم ہے۔ پریم کمار نے اسے مخاطب کرتے ہوئے دونوں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا "آشا! میری آشا تم کہاں گم ہو گئیں تھیں؟"

آشا بیلا نے فوراً ہی ایک قدم پیچھے ہٹ کر دروازے سے لگ کر پوچھا "تم.... تم کون ہو؟ اس طرح میرے قریب کیوں آ رہے ہو؟"

پریم کمار ٹھٹھک گیا۔ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا تم اپنے پریم کو نہیں پہچانتی ہو؟ تمہاری محبت ہوں تم نے جنم جنم ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا اتنی جلدی بھول گئیں؟"

ہاں وعدہ کیا تھا اور وعدے نبھائے جاتے ہیں مگر وعدے نبھانے کے دوران ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ وعدہ کرنے والے الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں آشا بیلا اب بھی پریم کمار کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ جینا اور مرنا چاہتی تھی۔ لیکن میں بھی اسے اچھا لگ رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ بہت ہی غلط بات ہے کہ ایک عورت دو مردوں سے بیک وقت محبت نہیں کر سکتی لیکن اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا، کیوں نہیں کر سکتی؟ کیا ایک مرد دو عورتوں سے چار عورتوں سے اور سیکڑوں عورتوں سے۔ محبت نہیں کرتا ہے؟ جب وہ سیکڑوں سے کرتا ہے تو کیا میں دو مردوں سے بیک وقت محبت نہیں کر سکتی۔

وہ باغیانہ انداز میں سوچ رہی تھی۔ اپنے لئے یہ گنجائش پیدا کر رہی تھی کہ وہ دو مردوں کو اپنا سکے اور فی الحال اپنائے رکھنے کے لئے اس نے بہت اچھا ناٹک کھیلنا شروع کیا تھا یعنی ابھی تک ظاہر کر رہی تھی کہ اس کی یادداشت واپس نہیں آئی ہے۔

پریم کمار کے سوالات کرنے پر وہ بتانے لگی کہ اس کے سر پر ایسی سخت چوٹ پہنچی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے ماضی کو ہی بھول گئی ہے۔ اسے پہلے تو کچھ یاد نہیں آ رہا تھا لیکن جب لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے تو پتہ چلا کہ اس کا نام آشا بیلا ہے اور طارق نامی ایک جوان نے کئی بار دشمنوں سے بچایا ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ آشا نے مجھے دیکھتے ہی پریم کمار سے کہا "یہ ہیں مسٹر طارق۔ ان کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔"

پریم کمار نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا "مسٹر طارق! واقعی آپ کے احسانات اتنے ہیں کہ ہم ان کا بدلہ نہیں چکا سکتے لیکن افسوس کہ آشا بیلا کو یہاں تک پہنچانے کے بعد میری آشا مجھے نہیں مل رہی ہے کیونکہ یہ مجھے نہیں پہچان رہی ہے۔"

میں نے مسکرا کر آشا بیلا کو دیکھا اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں جیسے اس کی چوری پکڑی جا رہی ہو۔ پھر میں نے کہا "یہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے میں کوشش کر رہا ہوں کہ یہ سب کو پہچان لے۔ میرا خیال ہے کہ جب میرے یہاں سے جانے کا وقت آئے گا تو یہ تمہیں بھی پہچان لے گی۔"

پریم کمار نے کہا "مجھے اپنے آپ پر اعتماد ہے۔ میں اپنی پرانی ساری باتیں یاد دلاؤں گا یہ یقیناً مجھے پہچان لے گی۔"

آشا بیلا نے کہا "مسٹر آپ کون ہیں؟ اور مجھے اپنی آشا کیوں کہہ رہے ہیں؟ میں یہ بے تکلفی بالکل پسند نہیں کرتی۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھے مخاطب کیا "طارق! تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟ بے شک میں نے اس کوٹھی کو پہچان لیا ہے میں سمجھتی ہوں کہ یہ میری جگہ ہے، یہاں میں رہ چکی ہوں۔ بہت سے چہرے بھی جانے پہچانے لگ رہے ہیں وہ بوڑھا مجھے اپنی پتنی اور خود کو میرا پتی کہتا ہے۔ میں کبھی اس کو اپنا شوہر تسلیم نہیں کر سکتی اس طرح تو یہاں میری زندگی برباد ہو جائے گی۔ مجھے یہاں سے لے چلو میں یہاں اب ٹھہرنا نہیں چاہتی۔"

میں نے کہا "آشا جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ بے شک تمہارا ذہن ابھی اس ماحول کو قبول نہیں کر رہا ہے لیکن اس جگہ تم دشمنوں سے محفوظ رہ سکتی ہو۔ پریم کمار صاحب کی باتوں سے پتہ چلتا ہے یہ تمہیں بہت قریب سے جانتے ہیں اور تمہارے بہت قریب رہ چکے ہیں۔ جیسا کہ اس بوڑھے شوہر نے بتایا ہے کہ یہ پریم کمار ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں اور ان کے دوست کے لڑکے ہیں۔ اس تعلق سے بھی تمہیں پریم صاحب کے قریب رہنا چاہئے۔ اپنوں کے قریب رہو گی تو اپنوں کو پہچانتی چلی جاؤ گی، دور بھاگو گی تو تمہیں کبھی اپنی منزل نہیں ملے گی۔"

"مجھے ایسی منزل نہیں چاہئے۔ جہاں میں اپنوں کو پہچان نہ سکوں اور جہاں میری الجھنیں بڑھتی چلی جائیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں یہاں رہ کر پاگل ہو جاؤں؟ نہیں میں یہاں نہیں رہوں گی۔ تم پھر کبھی اپنی بات منوا لینا لیکن اس وقت مجھے یہاں سے لے چلو۔"

"کہاں لے چلوں؟ میں زیادہ سے زیادہ ممی کی کوٹھی تک لے جا سکتا ہوں ورنہ تم دیکھ چکی ہو کہ قدم قدم پر دشمن تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔ کیا تمہیں اپنی زندگی سے پیار نہیں ہے۔"

وہ میرے بازو کو تھام کر بولی "اس وقت تمہاری کوئی نصیحت کوئی مشورہ میری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ میں باہر جا کر دشمنوں کے ہاتھوں مر جانا پسند کروں گی لیکن یہاں اس بوڑھے شوہر کے قریب نہیں رہوں گی، یہ گھر مجھے کاٹنے کو دوڑ رہا ہے۔ اگر تم مجھے نہیں لے جاتے تو میں خود تنہا جا رہی ہوں مجھے دشمنوں کے ہاتھوں مر جانے دو۔"

یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم کو عبور کرتی ہوئی دوسرے دروازے کو کھول کر باہر جانے لگی۔ میں نے کہا "ٹھہر جاؤ۔ میں آ رہا ہوں میں تمہارے ساتھ چلوں گا لیکن ایک شرط ہے۔"

وہ پلٹ کر بولی "میں تمہاری ہر شرط مان لوں گی۔"

میں نے کہا "شام کو میں تمہیں یہاں واپس پہنچا دوں گا۔ یہ تمہارا گھر ہے۔ تمہیں یہاں رہنا چاہئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دوسرے دن صبح آ کر پھر تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔"

آشا بیلا نے سر اٹھا کر پریم کمار کو دیکھا۔ اس کا دماغ سوچ رہا تھا "چلو ٹھیک ہے مجھے یہ شرط مان لینا چاہئے۔ شام کے بعد میں یہاں پریم کمار کے قریب رہوں گی لیکن ابھی یہی ظاہر کرتی رہوں گی کہ میں نے اسے پہچانا نہیں ہے۔ اگر میں نے پہچان لیا تو پھر پریم کمار مجھے طارق کے ساتھ جانے نہیں دے گا ابھی یہ مجبور ہے۔ اس لئے مجھے جبراً روک نہیں سکتا۔"

وہ مجھ سے بولی "ٹھیک ہے مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ میں شام کو یہاں آؤں گی اور اس بوڑھے آدمی کو اور اس نوجوان کو پہچاننے کی کوشش کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر چلی گئی۔ یعنی اس نے باتوں ہی باتوں میں پریم کمار کی ڈھارس بندھا دی کہ وہ شام کو آئے گی اور اس کے قریب رہے گی۔ خواہ پہچانے یا نہ پہچانے۔ میں ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ سامی اس کوٹھی میں نہ جانے کہاں...

ٹہل رہی تھی۔ ہمارے باہر نکلتے ہی میرے پاس آ گئی۔ پھر ہم تینوں ممی کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں میں نے جے جوالا کی خبر لی۔ وہ اب تک دو چار سرمایہ داروں سے مل چکا تھا۔ ان میں سے کچھ دوست تھے اور کچھ اس کے شکار تھے۔ جنہیں وہ بلیک میل کرتا رہتا تھا۔ شکاروں سے اسے دس دس ہزار روپے ملے۔ باقی سرمایہ دار دوستوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ کہ فی الحال ان کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ پانچ دس ہزار کی مدد کر سکیں... یعنی اتنی دیر میں اس نے صرف تیس ہزار روپے جمع کئے تھے۔ کہاں تیس ہزار روپے اور کہاں پچاس لاکھ ڈالر، وہ اس حد تک پریشان تھا کہ اب پاگل ہونا ہی چاہتا تھا۔

ہم ممی کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں میں نے آشا بیلا سے کہا "تم بیڈ روم میں چلو میں ابھی آ رہا ہوں۔"

آشا بیلا کے جانے کے بعد میں نے سامی کو گود سے اتار کر ممی سے کہا "دو گھنٹے کے بعد شام ہونے والی ہے۔ میں آشا بیلا کو اس کے گھر پہنچا دوں گا۔ اس وقت تک آپ جے جوالا کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ آپ نے اپنے علم کے ذریعے اس کی پریشانیاں معلوم کی ہیں اور آپ اس کی مدد کرنا چاہتی ہیں۔"

ممی نے پوچھا "بیٹے! اسے کیا پریشانی ہے؟"

میں نے مختصراً بتایا کہ جے جوالا کا جوان بیٹا مارا گیا ہے بیوی ہلاک کر دی گئی ہے۔ اور اب اس کی چھوٹی بیٹی پومی کی زندگی خطرے میں ہے ممی نے بڑے دکھ کے ساتھ اس معصوم بچی کا قصہ سنا پھر حقارت سے بولیں "لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو دولت کے لالچ میں اور ایک دوسرے سے انتقام لینے کے جوش میں اندھے ہو کر معصوم بچوں کے دشمن بن جاتے ہیں جے جوالا کو اس کے کئے کی بہت ہی عبرتناک سزا مل رہی ہے لیکن اس بچی کو بچانا ہمارا فرض ہے۔"

میں نے کہا "اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کے پاس جائیں۔ وہ پچاس لاکھ ڈالر حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے آپ تسلی دیں کہ آپ اسے صبح تک یہ رقم دے دیں گی۔"

ممی نے حیرانی سے پوچھا "پچاس لاکھ ڈالر کہاں سے آئیں گے بیٹے؟"

میں مسکرانے لگا میری مسکراہٹ دیکھتے ہی انہوں نے مجھے اپنے ممتا بھرے سینے سے لگا لیا پھر بولیں "میں بھول گئی تھی کہ فرہاد میرا بیٹا ہے اور اس کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔"

"ممی! صبح تک کوئی چکر چلانا ہو گا اس بچی تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جے جوالا اتنی بڑی رقم کا بندوبست

نہ کرسکے تو مایوس ہو کر اس اغوا کرنے والے سے اور زیادہ مہلت طلب کرے اور اس طرح بچی کی زندگی خطرے میں پڑ جائے لہٰذا آپ جے جوالا کو امید دلائیں بلکہ یقین دلائیں کہ کل صبح تک اسے ساری رقم مل جائے گی۔"

"اچھا میں جاتی ہوں مگر مجھے جے جوالا کی کوٹھی کا پتہ تو بتاؤ۔"

میں نے آنکھیں بند کیں۔ جے جوالا کے پاس پہنچا۔ وہاں اس کے دماغ میں اس کے گھر کا پتہ چرا کر واپس آ گیا۔ میں نے ممی کو وہ پتہ نوٹ کرایا۔ ممی وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ میں آشا بیلا کے پاس بیڈ روم میں آ گیا۔

وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی اور اس مسئلے پر غور کر رہی تھی کہ اسے پریم کمار سے زیادہ محبت ہے یا مجھ سے؟... یہ جو فیصلے کی گھڑی آئی ہے تو اسے کس طرف جھکنا چاہیئے کس کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے پکڑنا چاہیئے؟

اس کی ایک سوچ نے سمجھایا "طارق ہمیشہ ساتھ نہیں دے سکتا میں اسے پکڑ کر نہیں رکھ سکوں گی۔ وہ آج ہے اور کل چلا جائے گا... پریم کمار کے ساتھ ہی میری نبھ سکتی ہے۔"

اس کی دوسری سوچ نے کہا "بہتر ہے کہ ابھی ذرا چالاکی سے کام لیا جائے۔ پریم کمار تو اپنا ہی ہے۔ یہاں رہنے والا ہے۔ میں اس سے بعد میں بھی مل سکتی ہوں لیکن یہ طارق جب تک یہاں ہے۔ مجھے اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہیئے۔ ورنہ حسرت رہ جائے گی بعد میں تشنگی کا احساس ہو گا۔ کہ جو قیمتی لمحات تھے انہیں میں نے ضائع کر دیا۔

وہ بیڈ روم میں ٹہل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر رک گئی۔ پھر تیزی سے میرے پاس آ کر اپنی باہیں میری گردن میں ڈال دیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں ابھی سے دُور بھاگ رہا ہوں اور وہ مجھے بار بار دوڑ کر اپنی گرفت میں لے رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا بات ہے تم اتنی پریشان کیوں ہو؟"

"میں کیا بتاؤں میں تمہیں ایک پل کے لئے بھی چھوڑنا نہیں چاہتی مگر تم خواہ مخواہ شرط منواتے ہو۔ میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

"یہ بری بات ہے تمہیں اپنی زبان سے نہیں پھرنا چاہیئے۔ اگر تم وعدہ کر کے مکر جاؤ گی تو پھر میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔ میں بھی تمہیں دھوکہ دے سکتا ہوں۔ اس لئے تم مجھے دھوکہ دینا نہ سکھاؤ۔"

وہ چپ ہو گئی۔ میں نے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ میری ہتھیلیوں کے گلدان میں اس کی من موہنی صورت پھول کی طرح کھل رہی تھی وہ بلا شبہ اتنی حسین اور ایسی اداؤں سے بھرپور تھی کہ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ میں اس سے کترا نہیں رہا تھا کترانے کی بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب اس کا محبوب اسے مل چکا تھا تو مجھے اس کے راستے سے ہٹ جانا چاہیئے تھا لیکن یہ وہ مجھے مجبور کر رہی تھی اور راستہ بدلنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ تو میں اس کے دعوت نامے کو قبول کیوں نہ کرتا۔ وہ میرے ساتھ تمام لمحات کو قیمتی سمجھتی تھی انمول نہیں سمجھتی تھی اگر اس کے لمحات انمول ہوتے تو شاید میں اسے اس کا کوئی مول نہ دے سکتا لیکن وہ قیمتی تھے میں نے اس کے ایک ایک لمحے کی قیمت چکا دی۔

وقت کیسے گزر گیا... پتہ ہی نہ چلا۔ شام ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی اداس ہو گئی۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن میں اسے سمجھا بجھا کر باہر گیرج تک لے آیا۔ وہاں سے میں نے گاڑی نکالی۔ پھر ہم دونوں بیٹھ کر اس کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ویسے دیکھا جائے تو اس پر بڑا ظلم ہو رہا تھا۔ میں اسے جوانی کی چھاؤں سے نکال کر بوڑھے شوہر کے سائے میں پہنچانے جا رہا تھا۔

پریم کمار اس کے انتظار میں وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ میرے ساتھ واپس گئی تو وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا اسے شبہ ہو رہا تھا کہ اس کی محبوبہ میری طرف جھک گئی ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ کہاں گئی تھی؟ اور پچھلے دو دن سے میرے ساتھ کہاں وقت گزار رہی ہے؟

مجھے شبہات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ آشا بیلا سے جو بھی سوالات کرتا رہے۔ میں آشا بیلا کو وہاں چھوڑ کر دوسری صبح آنے کا وعدہ کر کے واپس آ گیا۔ جب میں کوٹھی میں پہنچا تو ممی واپس آ گئی تھیں۔ انہوں نے پوچھا "کیا آشا بیلا کو چھوڑ کر آ گئے"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور ان سے پوچھا "آپ بتائیے جے جوالا کے ساتھ کیا رہا؟"

"جو تم نے کہا وہی رہا۔" پھر وہ مسکرا کر بولیں "تم جے جوالا کو اب بھول جاؤ۔ اگر میں تمہیں پومی تک پہنچا دوں تو کیسا رہے؟"

میں نے انہیں چونک کر دیکھا۔ وہ جلدی سے بولیں "دیکھو میری سوچ نہ پڑھو۔ خود ہی سمجھو کہ میں تمہیں کس طرح پومی تک پہنچا سکتی ہوں؟"

میں نے سر کھجاتے ہوئے ذہن پر زور ڈالا۔ ممی کے پاس ایسا کوئی جادو نہیں تھا کہ مجھے وہ اس بچی تک پہنچا دیتیں لیکن مجھے یاد آ گیا۔ میں نے کہا "ممی! میں سمجھ گیا۔ کیا آپ پومی کی تصویر لائی ہیں؟"

وہ مسکرا کر سر ہلانے لگیں پھر انہوں نے پرس کھول کر پومی کی ایک بڑی تصویر نکالی اور میری طرف بڑھا دی۔ میں بہت پہلے

ہی اس تصویر کے ذریعے اس بچی تک پہنچ سکتا تھا لیکن میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی کہ جے جوالا سے اس کی بیٹی کی تصویر حاصل کرنا چاہیئے لیکن ممی میرے علم کو سمجھتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے یہ تصویر لا کر بہت ہی دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔

میں اس تصویر کو نگاہوں کے سامنے رکھ کر دیکھنے لگا تصویر میں پومی مسکرا رہی تھی، بہت ہی خوبصورت بچی تھی۔ آنکھوں میں بھی بلا کی ذہانت تھی۔ میں اس کی آنکھوں میں اترنے لگا اترنے لگا اور پھر اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔

وہ اندھیرے میں تھی۔ اس کے چاروں طرف ایسی گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ذرا غور کر دیکھنے سے ذرا فاصلے پر ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ کھلی ہوئی کھڑکی کے اس پار تاروں بھرا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ اور وہ بستر کے پاس بیٹھی بستر کی چادر کو دانتوں سے نوچ رہی تھی اس چادر کو کاٹ رہی تھی اور اس چادر کی لمبائی کے حساب سے اس کے ٹکڑے کر رہی تھی۔

مجھے اس کی سوچ نے بتایا کہ اسے ایک ویران سے مکان کی تیسری منزل کے کمرے میں قید کیا گیا ہے اس کمرے میں صرف وہی ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ جسے دن کے وقت بند رکھا گیا تھا... شام کو جب ایک بدمعاش اسے روٹیاں دینے کے لئے آیا تو پومی نے کہا "مجھے اس کمرے میں گھٹن سی ہو رہی ہے۔ فار گاڈ سیک اس کھڑکی کو تو ذرا سا کھول دو۔"

روٹیاں لانے والے نے کہا "ابھی نہیں جب اندھیرا چھا جائے گا تو ہم کھڑکی کھول دیں گے تاکہ اندھیرے میں تمہیں یہ پتہ نہ چلے کہ تم کہاں قید کی گئی ہو؟"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا تھا لیکن اندھیرا ہونے کے بعد پھر آیا تھا اور اس نے اپنے وعدے کے مطابق وہ کھڑکی کھول دی تھی کھڑکی تیسری منزل پر تھی اور یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بارہ برس کی بچی اتنی بلندی سے چھلانگ لگا کر باہر جائے گی اور فرار ہو جائے گی یہ ایک ناممکن سی بات تھی۔ اگر وہ کھڑکی سے کودنے کی کوشش کرتی تو اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتی یا پھر زندہ ہی نہ بچتی۔

لیکن میرے اندازے کے مطابق پومی واقعی چالاک نکلی بلکہ بہت چالاک نکلی۔ وہ اندھیرے میں بیٹھی ہوئی چادر کے ٹکڑے کر کے ان ٹکڑوں کی لمبائی کو ایک دوسرے سے باندھتی جا رہی تھی اور انہیں رسی کی شکل دیتی جا رہی تھی۔ وہ چادر لمبائی میں چھ فٹ تھی۔ اس نے لمبائی کے حساب سے اس کے پانچ ٹکڑے کئے تھے۔ اس طرح اس نے ایک رسی تیار کر لی تھی اور اب وہ اسے لے کر کھڑکی کے پاس جا رہی تھی۔

میں دماغ کی اسکرین پر بڑی حیرت آمیز مسرت سے وہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ممی نے پوچھا "کیا بات ہے بیٹے، تم بڑے خوش نظر آ رہے ہو؟"

"ممی کمال ہو گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بارہ برس کی لڑکی اتنی زیادہ ذہین اور چالاک ہو گی۔ وہ بستر کی چادر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں رسی کی طرح باندھ کر تین منزلہ عمارت کی ایک کھڑکی سے نیچے اترنے والی ہے۔ وہ وہاں سے فرار ہونا چاہتی ہے۔"

"واقعی؟" ممی نے حیرانی سے پوچھا "بیٹے اس طرح تو وہ خطرات کو دعوت دے رہی ہے کیا تم یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اس کی نگرانی کرنے والے کہاں ہیں کہیں وہ اسے دیکھ تو نہیں لیں گے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے وہ نگرانی کرنے والے ابھی پومی کے آس پاس نہیں ہیں اس کے کمرے کے باہر کہیں ہوں گے۔ جب تک پومی انہیں مخاطب نہ کرے یا وہ جب تک پومی کو مخاطب نہ کریں۔ اس وقت تک میں ان کے پاس نہیں پہنچ سکتا۔ جب وہ تیسری منزل سے اترے گی تو دیکھا جائے گا، کہ کیا ہو سکتا ہے؟ اور مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

یہ کہہ کر میں پھر پومی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی رسی کا ایک سرا کھڑکی کے ایک پٹ سے باندھ چکی تھی اور دوسرے سرے کو نیچے پھینکنے کے بعد اندھیرے میں دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی کہ وہ سرا کتنی دور تک اسے نیچے لے جا سکتا ہے؟ اسے اندازہ نہیں تھا کہ تیسری منزل کی اونچائی کیا ہو گی؟ اور جو رسی اس نے بنائی ہے اس کی لمبائی تیسری منزل کے مطابق ہو گی یا نہیں۔

کچھ بھی ہو وہ ایک بچی تھی۔ بڑی عمر کے لوگ بھی ان حالات میں بدحواس ہو جاتے ہیں اور فرار کا کوئی بھی راستہ ملے تو اسے اختیار کرتے ہیں۔ اس نے بھی بغیر سوچے سمجھے اپنے اس منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا اور کھڑکی پر چڑھنے کے بعد اب وہ اس رسی کو مضبوطی سے تھام کر آہستہ آہستہ نیچے کی طرف کھسک رہی تھی۔

میں نے اپنے طور پر رسی کی لمبائی کا حساب کیا۔ بستر کی وہ چادر چھ فٹ لمبی تھی۔ پومی نے اس کی لمبائی کے مطابق پانچ ٹکڑے کئے تھے۔ ان پانچوں ٹکڑوں کو یکے بعد دیگرے باندھنے کے بعد تیس فٹ سے کچھ کم لانبی رسی تیار ہو گئی ہو گی۔ لیکن میں نے وہاں بہت سے مکانات کو دیکھا تھا۔ ان کی چھتیں بہت اونچی ہوتی تھیں میرے اندازے کے مطابق چودہ فٹ یا سولہ فٹ اونچی دیوار کے بعد چھت ہوا کرتی تھی اگر وہ مکان بھی ایسا ہی تھا تو اس رسی کی لمبائی کم پڑ سکتی تھی۔ میں نے پھر حساب کرنا شروع کیا لیکن اسی وقت پومی دوسری منزل کی کھڑکی تک پہنچ گئی تھی۔ اس کھڑکی سے روشنی

آرہی تھی۔ اس نے رسّی سے لٹکتے ہوئے کھڑکی کے اندر دیکھا۔ وہاں ایک کمرے میں دو شخص بیٹھے شراب پی رہے تھے اور تاش کھیل رہے تھے۔ پومی نے کھڑکی کی چوکھٹ پر پاؤں ٹیک کر ذرا دم لینا چاہا۔ کیونکہ اوپر سے کھسکتے ہوئے آنے کے بعد اس کی ننھی ہتھیلیاں جل رہی تھیں۔ پھر اسے کھڑکی سے آنے والی روشنی کی زد میں پہنچنے کے بعد باہر کی تاریکی اور زیادہ گہری لگ رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے نیچے بہت دُور تک اندھے کنوئیں کی طرح گہرائی ہے اور وہ گہرائی میں گرتی چلی جارہی ہے۔

پومی نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ نیچے اندھا دُھند نہیں اُترے گی۔ بلکہ اس کھڑکی کے راستے اس کمرے میں چلی جائے گی۔ جہاں وہ دو بدمعاش بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ یہ اس بچّی کا بڑا خطرناک فیصلہ تھا۔ وہ لوگ اسے دیکھتے ہی پھر پکڑ کر تیسری منزل پر لے جاتے لیکن میں نے اس کے فیصلے کی نفی نہیں کی۔ میں نے بھی سوچ لیا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یُوں مجھے بھی ان بدمعاشوں کے دماغوں تک پہنچنا تھا۔ اگر وہ پومی کو دیکھ کر اسے مخاطب کرتے تو میرے ہاتھوں اُن کی شامت آجاتی۔

وہ تیسری منزل کی کھڑکی کی چوکھٹ پر آہستگی سے بیٹھ گئی تھی اور بہت آہستہ آہستہ سانس لے کر ان دو بدمعاشوں کی طرف دیکھ رہی تھی وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے اپنے پتے دیکھ رہے تھے اور چال چلنے پر غور کر رہے تھے۔ پومی نے رسّی کو چھوڑ دیا۔ بڑی آہستگی سے کمرے کے فرش پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گئی۔ پھر دونوں ہاتھ اور گھٹنے ٹیک کر آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی اس میز کے نیچے چلی گئی، جس پر بیٹھے وہ لوگ تاش کھیل رہے تھے۔ اب وہ دونوں کے پیروں کے درمیان چھپی ہوئی تھی۔

ایک منٹ کے بعد ہی ایک عورت دروازہ کھول کر اس کمرے میں آئی اور اپنی مقامی زبان میں کچھ بولنے لگی۔ پومی کی سوچ نے بتایا کہ وہ دونوں آدمیوں کو رات کا کھانا کھانے کے لئے کہہ رہی ہے جواباً وہ دونوں انکار کر رہے تھے اسے ٹال رہے تھے کہ تھوڑی دیر بعد کھائیں گے۔ انہیں کھیلنے سے زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ بھی مقامی زبان بول رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا اگر یہ اسی طرح مقامی بولی بولتے رہے اور انگریزی زبان سے ناواقف رہے تو میں انہیں ٹریپ نہیں کرسکوں گا اور پومی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔

لیکن جو لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے اور جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں تقدیر ان کا ساتھ دیتی رہتی ہے۔ باہر کچھ تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور چادر سے بنائی ہوئی وہ رسّی جو تیسری منزل سے لٹک رہی تھی۔ وہ ہوا کی زد میں گھڑی کے پنڈولم کی طرح ادھر سے اُدھر ہو رہی تھی اور کھڑکی کے سامنے سے گزرتی جارہی تھی۔ اچانک ہی تاش کھیلنے والے ایک شخص کی نظر کھڑکی کی طرف گئی۔ اس نے چونک کر ساتھی سے پوچھا "ارے! وہ کیا ہے؟"

میں پومی کی سوچ کے ذریعے ان کی بولی سمجھ رہا تھا۔ اُس نے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بڑھتے ہوئے کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے بولا "یہ تو کپڑے کی رسّی [illegible] گئی ہے اور یہ تیسری منزل سے لٹک رہی ہے۔"

دونوں کھڑکی کے پاس آکر باہر کی طرف جھک گئے [illegible] رسّی کو تھام کر اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن باہر تاریکی تھی اوپر بھی اور نیچے بھی، کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر وہ کھڑکی سے پلٹ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "کیا وہ بچّی اتنی چالاک ہے کہ فرار کے لئے یہ طریقہ اختیار کرے؟"

دوسرے نے کہا "بیشک وہ چالاک لڑکی ہے اس کی الٹی اس کی حرکتوں سے پتہ چلتا ہے لیکن ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ ایسی کارروائی کرے گی اور فرار ہو جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ابھی زیادہ دُور نہیں گئی ہوگی۔ آؤ جلدی دوسروں کو بھی اطلاع دینی چاہیئے۔"

وہ دونوں دوڑتے ہوئے اس کمرے سے باہر چلے گئے تھوڑی دیر بعد ہی وہاں شور مچ گیا کچھ لوگ دوڑتے ہوئے زینے سے اُترے ہیں۔ کچھ اونچی آواز میں بول رہے تھے۔ پومی میز کے نیچے سے گردن نکال کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی ——— ہلکی ہلکی سی آوازیں اس کے کانوں تک پہنچتی تھیں جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ لوگ تلاش کرتے ہوئے باہر کی طرف بھاگے جارہے ہیں کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ رسّی سے لٹک کر باہر کی طرف جانے کے بجائے لڑکی اس مکان کے اندر آکر چھپ جائے گی۔

وہ دو جواری جو اس کمرے میں بیٹھے تاش کھیل رہے تھے وہ دعوے سے کہہ سکتے تھے کہ پومی کھڑکی کے راستے ان کے کمرے میں داخل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ ہوش میں تھے اور ان کی موجودگی میں ایک بچی کی اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ کمرے میں آکر چھپ جائے اس طرح نچلی منزل کے دروازے پر دو پہرے دار تھے۔ ان کا دعویٰ بھی درست ہو سکتا تھا کہ پومی اس دروازے سے مکان کے اندر نہیں آئی ہے اور پھر وہ کیوں آئے گی؟ بھاگنے والا باہر کا راستہ اختیار کرتا ہے جہاں سے فرار ہوتا ہے وہیں آکر نہیں چھپتا جبکہ پومی نے الٹی چال چلی تھی اور اس چال کو وہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔

وہ میز کے نیچے سے نکل کر دبے قدموں چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ نچلی منزل سے ہیلو ہیلو کی آوازیں آرہی تھیں۔ کوئی فون پر کسی کو پومی کے فرار ہونے کی اطلاع پہنچا رہا تھا۔ پومی تھوڑی دیر تک دروازے کی آڑ میں کھڑی رہی۔ پھر اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ فون کال بند ہو چکی تھی اور کوئی زینہ چڑھتا ہوا اوپر آرہا تھا۔ وہ دم سادھے اپنی جگہ کھڑی رہی۔

قدموں کی چاپ اب آہستہ آہستہ قریب آتی جارہی تھی پھر وہ آواز دروازے کے پاس آکر رُک گئی۔ کوئی وہاں کھڑا ہو کر کمرے کے اندر دُور تک دیکھ رہا تھا۔ پومی اس کے قریب ہی دروازے کے پیچھے دیوار سے ٹیک لگائے سانس روکے کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ... آنے والا پلٹ گیا۔ قدموں کی آواز دوسرے کمرے کی طرف جارہی تھی۔ پھر وہاں باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اس عورت کو مخاطب کر رہا تھا جو تھوڑی دیر پہلے وہاں آکر کھانا کھانے کی باتیں کر رہی تھی۔

میں پومی کی سوچ کے ذریعے ان کی باتیں سمجھنے لگا عورت کہہ رہی تھی "پتہ نہیں وہ چھوٹی سی بچّی تیسری منزل سے کیسے اتر گئی۔ بڑی دلیر تھی۔"

اس مرد نے کہا "وہ دلیر ہو گی۔ اسے ہونے دو۔ آج اچھا تماشہ ہے۔ سب کے سب اس کی تلاش میں چلے گئے۔ مجھے پہرے داری کے لئے بلکہ اس لئے یہاں چھوڑ دیا ہے کہ باس کا فون ... آئے تو میں اٹینڈ کروں۔"

وہ عورت بولی "تو پھر نیچے جاؤ۔ ٹیلی فون نیچے ہے۔"

"مگر تم اُوپر ہو تم بھی نیچے آجاؤ۔"

وہ بولی "بکواس مت کرو۔ میں نہیں آؤں گی۔"

ان دونوں کے درمیان کچھ رُومانی مکالمے ہو رہے تھے پھر زور زبردستی کی آوازیں آرہی تھیں۔ پومی دروازے کے پیچھے سے نکلی پھر دبے قدموں چلتی ہوئی زینے پر پہنچ گئی۔ اور زینے کے ایک ایک پائدان پر آہستہ آہستہ قدم جماتی ہوئی نیچے جانے لگی۔

نیچے سے اوپر جانے والے شخص نے بیرونی دروازے کو بند کرنے کے بعد اندر سے کنڈی لگادی تھی۔ وہ کنڈی دروازے کے درمیانی حصے میں تھی۔ جسے پومی نے آہستگی سے اور بڑی آسانی سے کھول لیا۔ پھر اس نے دروازے کو ذرا کھول کر باہر کی طرف دیکھا۔ باہر گہری تاریکی اور گہرا سناٹا تھا۔ نہ کوئی نظر آرہا تھا اور نہ کسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ باہر آگئی۔ پھر اس نے اس دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لئے منقطع ہو گیا کیونکہ [illegible] نے مجھے مخاطب کیا تھا "بیٹے کیا ہو رہا ہے؟ کچھ مجھے بھی بتاؤ؟ میں بچی کے لئے پریشان ہوں۔"

"ممی! اس کے لئے پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے [illegible] دوں کو پریشان کر رہی ہے۔ اس وقت اُس مکان سے نکل آئی ہے۔"

ممی نے خوش ہو کر پوچھا "کیا واقعی وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی ہے؟"

"ہاں! وہ صرف ذہین اور چالاک ہی نہیں بلکہ بڑی حوصلے اور اعتماد والی ہے اسے اپنے آپ پر اس قدر بھروسہ ہے کہ کوئی بھی قدم ایک ذرا سے فیصلے کے بعد اٹھا لیتی ہے اور اس پر عمل کرتی چلی جاتی ہے۔"

"خداوند یسوع اس کی حفاظت کرے گا۔ بیٹے! تم اس کے ساتھ رہو۔ میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ میں پومی کی تصویر کے علاوہ اس کی تاریخ پیدائش اور خاندانی شجرہ لکھ کر لائی ہوں۔ اب میں اُس کی تقدیر کے حالات معلوم کروں گی۔ جب وہ خیریت سے کہیں پہنچ جائے یا تم اسے یہاں تک خیال خوانی کے ذریعے لاسکو تو پھر مجھے اطلاع دینا۔"

وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں پومی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ تاریکی میں ایک طرف بھاگی جارہی تھی۔ پتہ نہیں کس سمت جارہی تھی؟ میں اس کی رہنمائی نہیں کر سکتا تھا صرف نگرانی کر سکتا تھا... کیونکہ میں اس جگہ سے بالکل ہی ناواقف تھا۔ اس کی سوچ سے پتہ چل رہا تھا کہ اب وہ دھان کے کھیت سے گزر رہی ہے۔

فصلیں پک رہی تھیں۔ دھان کے خوشے اس کے قد سے اونچائی تک تھے۔ اور وہ اُن کے درمیان چھُپتی ہوئی جارہی تھی حالانکہ یوں بھی تاریکی تھی۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن وہ دلیر ہونے کے باوجود ذرا سہمی ہوئی تھی۔ ہر طرح سے محتاط رہنا چاہتی تھی کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے اسی لئے وہ کھیتوں سے ہو کر گزر رہی تھی۔

وہ دس منٹ تک کبھی دوڑتی رہی اور کبھی تیزی سے چلتی رہی۔ پھر اچانک ہی ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی۔ دُور کہیں ٹارچ کی روشنی لہرائی تھی۔ جس کھیت سے وہ گزر رہی تھی۔ اس کھیت کے کنارے دُور کہیں کوئی کھڑا ہوا ٹارچ کی روشنی اِدھر سے اُدھر پھینک رہا تھا۔

وہ بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ اتنی دیر دوڑتے رہنے کی وجہ سے وہ ہانپ رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ تاریکی میں اِدھر سے اُدھر گھور رہی تھی دیکھ رہی تھی اور یوں سہم رہی تھی جیسے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے کوئی پہنچنے ہی والا ہے۔

میں نے اس کی سوچ میں اسے حوصلہ دیا "میں دلیر ہوں میں مرسکتی ہوں مگر کسی سے ڈر نہیں سکتی۔ مجھے اسی حوصلے سے کام لینا چاہئے۔ جس حوصلے سے میں دشمنوں کو بے وقوف بنا کر یہاں تک بھاگتی ہوئی آئی ہوں۔ اب مجھے یہ دیکھنا چاہئے کہ روشنی کس سمت

سے آرہی ہے۔"

وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد پھر ٹارچ کی روشنی لہرائی۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ روشنی کدھر ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں مشورہ دیا "جدھر روشنی ہے۔ اس طرف مجھے نہیں جانا چاہئے۔ اس کے دوسری سمت مجھے آگے بڑھتے رہنا چاہئے۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق دوسری سمت آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ کیونکہ تیزی سے بڑھنے کے دوران دھان کے پودے ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے۔ اور رات کے سناٹے میں شور مچاتے تھے اس لئے وہ بہت محتاط ہو کر ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھ رہی تھی۔ اب میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ وہ دشمنوں کے سامنے جائے اور اس کے ذریعے میں دشمنوں کے دماغ تک پہنچ جاؤں۔ ایسا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ لوگ مقامی زبان بول رہے تھے اور میں خیال خوانی کے زعم میں لسے کسی مصیبت میں گرفتار نہیں کرانا چاہتا تھا۔

وہ بچّی جن حالات سے گزر رہی تھی ان حالات میں اکثر بڑی عمر کے لوگ ہمت ہار جاتے ہیں۔ وہ بالکل تنہا بے یار و مددگار تھی اس کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ بھاگنے کے لئے کوئی راستہ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہر طرف دشمنوں کا خوف تھا۔ تاریکی میں یوں لگتا تھا جیسے موت کا ہاتھ کسی طرف سے بھی بڑھنے والا ہے ایسے حالات میں وہ بڑے صبر و تحمل سے اور بڑے حوصلے سے آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی مٹی کے چھوٹے بڑے ڈھیلے اس کے پاؤں تلے آ کر ٹوٹ رہے تھے اور اس کے ننھے سے پیروں میں چبھ رہے تھے۔ دھان کے خوشے اس کے نازک بدن سے لگ کر خراشیں ڈال رہے تھے اس کے بال بکھر گئے تھے۔ چہرے پر عجیب سی سختی آ گئی تھی جیسے اس نے سمجھ لیا تھا کہ جب ہی مرنا ہے تو پھر جینے کے لئے جدّوجہد کیوں نہ کی جائے۔

مجھے یاد آیا کہ اب سے تین دن پہلے اس کا بڑا بھائی رامیشو بھی اسی طرح جنگلوں میں بھٹک رہا تھا اپنی زندگی کی خاطر موت سے پیچھا چھڑاتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ اپنی بہن کے تحفظ کے لئے اور دشمنوں سے بہن کو واپس لانے کے لئے وہ جانے کدھر کدھر بھاگتا ہوا میری نظروں کے سامنے آگیا تھا اور میری پناہ میں آنا چاہتا تھا لیکن افسوس کہ موت نے اسے نگل لیا۔ اب اس کی ننھی سی بہن پومی کی باری تھی اور وہ بھی اسی طرح زندگی کی خاطر موت سے پیچھا چھڑاتی ہوئی چلی جا رہی تھی

میں اس بچّی کے ساتھ لگا رہا۔ اب میرا سونا جاگنا میرا آرام اور میری تمنائیں اس بچّی کے لئے وقف تھیں۔ جب تک وہ اپنی منزل تک نہ پہنچ جاتی یا کسی اچھی پناہ گاہ تک پہنچ کر تھوڑی دیر کے لئے محفوظ نہ ہو جاتی۔ اس وقت تک میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا تھا ایک گھنٹے کے بعد ممی ڈرائنگ روم میں آئیں پھر مجھے خیال خوانی میں مصروف

دیکھ کر واپس جانا چاہتی تھیں۔ میں انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔ رُک کر بولیں "کیا خبر ہے؟ بچّی خیریت سے ہے نا؟ میرا علم یہی کہہ رہا ہے۔"

"آپ کا علم کیا کہہ رہا ہے ممی؟"

"ابھی میں اسٹڈی کر رہی ہوں اس کے متعلق اور بہت سی بھی بڑی دلچسپ باتیں مجھے معلوم ہو رہی ہیں — تم اس بچّی کو کسی جگہ بخیریت پہنچا کر میرے پاس آنا میں تمہیں بہت باتیں بتاؤں گی۔ جب تک تم نہیں آؤ گے میں جاگتی رہوں گی۔ ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئیں میں پھر پومی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ تھکن سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس کے پاؤں دُکھ رہے تھے۔ وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہی تھی۔ اب وہ تمام کھیت گزر چکے تھے۔ وہ کسی طرف جانے والی کچی سڑک پر پہنچ گئی تھی۔ اور سڑک کے کنارے آہستہ آہستہ ڈگمگاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

اس وقت اس کی اور میری ایک ہی تمنا تھی کہ کسی طرح کوئی ایک گاڑی وہاں سے گزرے اور اسے لفٹ مل جائے حالانکہ کچی سڑک پر کسی کار وغیرہ کے گزرنے کے امکانات کم تھے۔ اس بچّی کی عمر کا حساب کیا جائے تو اس کی جدّوجہد بڑی تھکا دینے والی تھی۔ میں کافی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا اس کے دماغ میں جھانکتا رہا پھر بہت دُور سے ایک گاڑی کی آواز سنائی دی لیکن وہ موٹر کار نہیں کوئی گھوڑا گاڑی تھی یہ آواز سنتے ہی پومی کے اندر جیسے پھر سے توانائی آگئی۔ وہ ذرا تیز قدم بڑھاتے ہوئے آواز کی سمت چلنے لگی۔

جس طرح ہمارے ہاں بیل گاڑیاں ہوتی ہیں اسی طرح وہاں ایسی ہی گاڑی کو گھوڑے یا خچر کھینچتے ہیں۔ ایسی ہی ایک گھوڑا گاڑی اس کچے راستے پر چلی آ رہی تھی۔ گاڑی والے نے ٹارچ کی روشنی پومی کی طرف پھینکی۔ پھر اتنی رات کو اس اندھیرے میں ایک بچّی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے گھوڑے کو لگام دی۔ اور گاڑی کو روکتے ہوئے دُور ہی سے پوچھا "اے تم کون ہو؟"

"میں پومی ہوں۔ ایک مصیبت زدہ لڑکی ہوں۔ دشمن مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ مجھے اس گاڑی میں بٹھا کر شہر تک پہنچا دو۔"

وہ دونوں مقامی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ پومی کی سوچ نے بتایا کہ وہ گاڑی والا سہما ہوا ہے۔ وہ اس سے پوچھ رہا تھا: "سچ سچ بتاؤ۔ انسان ہو یا چڑیل؟"

پومی نے چیخ کر کہا "تم آدمی ہو یا اُلّو؟ کیا میں تمہیں انسان نظر نہیں آ رہی ہوں؟"

"نہیں۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ چڑیلیں انسانوں کا بھیس بدل کر آتی ہیں اور رات کو راہ گیروں کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں گاڑی نہیں روکوں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے گھوڑے کو ایک زور کی چابک رسید کی۔ گھوڑا بدک کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ پومی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیسے روکے؟ اچانک اس نے اپنے پیروں کے پاس پڑے ہوئے ایک پتھر کو اٹھا لیا۔ وہ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی اور اس کے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی۔ اسی وقت پومی نے کھینچ کر اسے پتھر مارا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ سنائی دی۔ اور وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے زمین پر آگیا۔

گھوڑا بدک گیا تھا۔ وہ بے تحاشہ دوڑتا ہوا اور گاڑی کو کھینچتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ پومی اس گاڑی والے کی طرف بڑھنے لگی وہ زمین پر پڑا ہوا تھا اور اب کچی سڑک پر گھسٹتا ہوا اور پیچھے کی طرف ہٹتا ہوا سہمے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا "تم... مجھے معاف کر دو میں نے تمہاری بات نہیں مانی۔ دیکھو چڑیل صاحبہ! مجھے جان سے نہ مارنا۔ میری گاڑی اور گھوڑا دونوں لے لو، سب تمہارے ہیں مگر میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

پومی نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کہا "ارے کم بخت! اب تو ہوش میں آ جا میں چڑیل نہیں انسان ہوں۔ چڑیلیں پتھر نہیں مارتیں، کم بخت اگر پہلے ہی میری بات مان لیتا تو تیرے سر پر چوٹ نہ لگتی۔ اور یوں زمین پر پڑا نہ رہتا۔ اب کیا کیا جائے؟ وہ گھوڑا تو تیری گاڑی لے کر جا چکا ہے تھکن سے میرا بُرا حال ہے جی چاہتا ہے کہ ایک پتھر اور تیرے سر پر دے ماروں۔"

"ہائیں!" وہ بوکھلا کر اپنے سر کو ٹٹولتے ہوئے بولا "تم نے مجھے پتھر سے مارا تھا۔ میں نے... میں نے سمجھا چڑیل نے میرے سر پر چپت ماری ہے۔ اس لئے میں خوفزدہ ہو کر گاڑی سے الٹ گیا تھا۔ تو یہ سچ ہے نا کہ تم نے پتھر مارا ہے؟"

وہ اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ سر سے بہنے والا لہو اس کے ہاتھ میں لگا ہوا تھا۔ اسے یقین آ گیا کہ پتھر سے مارا گیا ہے۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے اپنے کپڑوں کو جھاڑتے ہوئے بولا "تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔"

پومی نے بیزار ہو کر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اس کے ہاتھ کو چھو کر دیکھا۔ پھر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد بولا "اندھیرے میں تم ٹھیک طرح نظر تو نہیں آ رہی ہو لیکن مجھے یقین ہو چلا ہے کہ تم انسان کی بچی ہو۔"

پومی نے کہا "اب تم انسان کے بچے بن جاؤ اور مجھے اپنے کاندھے پر بٹھا کر لے چلو۔ میں اتنی تھک گئی ہوں کہ اب ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ وہ گاڑی ہوتی تو کتنا آرام ملتا۔ تمہاری حماقتوں کی وجہ سے وہ گھوڑا کہیں بھاگ گیا ہے۔"

اُس نے کہا "فکر نہ کرو، میرا گھوڑا میرے اشارے پر چلتا ہے وہ زیادہ دُور نہیں گیا ہو گا۔ دیکھو میں ابھی بلاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے منہ میں دو انگلیاں ڈال کر زور کی سیٹی بجائی رات کے سناٹے میں اس کی سیٹی کی آواز بہت دُور تک لہراتی چلی گئی یہ عمل اس نے دو تین بار کیا۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ گاڑی اُن کی طرف واپس آ رہی تھی۔ پومی نے اس سے کہا "اب تم مجھے اس گاڑی میں بٹھا کر رنگون پہنچا دو۔"

"رنگون؟" اس نے تعجب سے پوچھا "تم رنگون جانا چاہتی ہو۔ پھر تو تمہیں کسی کار میں یا ریل گاڑی میں یا ہوائی جہاز میں بیٹھ کر جانا چاہئے۔ وہ شہر یہاں سے پچاس میل دُور ہے۔ تم کہاں سے بھٹکتی ہوئی آ رہی ہو؟"

پومی سوچ میں پڑ گئی۔ کہ وہ اتنی دُور کیسے آ گئی ہے؟ سوچنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ اسے جس مکان میں لا کر قید کیا گیا تھا۔ وہ پہلے ہی رنگون سے تقریباً پچاس میل دُور تھا اور وہ اس مکان سے فرار ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ آدھ میل یا ایک میل تک چلتی ہوئی اس سڑک پر پہنچی ہو گی بہرحال گاڑی واپس آ گئی اور وہ گاڑی والے کے ساتھ اس پر سوار ہو گئی۔ اس نے کہا "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

گاڑی والے نے کہا "یہاں ایک گٹھڑی میں کھانا بندھا ہوا رکھا ہے کھول کر کھا لو۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ پھر کہنے لگا "اس وقت ہم سمندر کے قریبی علاقے میں ہیں۔ میرا گاؤں سمندر کے ساحل پر ہے۔ میں اسی طرف جا رہا ہوں۔ ہم تقریباً دو گھنٹے بعد وہاں پہنچ جائیں گے تم کھانا کھا کر آرام سے لیٹ جاؤ۔ وہاں پہنچنے کے بعد دیکھا جائے گا کہ تمہیں رنگون شہر کس طرح پہنچایا جا سکتا ہے۔"

پومی ایک گٹھڑی کھول کر کھانا نکال رہی تھی۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب وہ بھوکی نہیں رہے گی اور دشمنوں سے اتنا خطرہ بھی نہیں رہے گا۔ وہ کسی کی پناہ میں آ گئی ہے۔ اور دشمنوں سے دُور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ سوچ کر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پھر ممی کے کمرے میں پہنچ گیا۔

وہ اپنی خواب گاہ کے قالین پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے تاش کے پتے یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے تھے۔ بہت سے کاغذات بکھرے ہوئے تھے اور کچھ اِدھر اُدھر اُڑ رہے تھے۔ لوڈو بورڈ پر بھی ایک کاغذ تھا جس پر میرا زائچہ بنا ہوا تھا۔ ان کے سامنے پومی کی ایک تصویر رکھی ہوئی تھی اور وہ اپنے علوم میں ڈوبی ہوئی حساب کتاب میں مصروف تھیں۔

"ہیلو ممی! آپ کی مصروفیات کے دوران مجھے مداخلت نہیں

کرنا چاہیئے لیکن آپ کی سوچ بتا رہی ہے کہ آپ میری منتظر ہیں۔"

انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر مسکرا کر بولیں۔ "بیٹے بڑی دلچسپ معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔ جی تو نہیں چاہتا کہ یہاں سے اٹھوں مگر بھوک لگ رہی ہے۔ تم بھی بھوکے ہو جاؤ ملازمہ سے کھانا نکالنے کے لئے کہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

میں ان کے حکم کی تعمیل کے لئے کچن کی طرف چلا گیا۔ ملازمہ میرا حکم سن کر کھانا گرم کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب کھانا میز پر لگایا جا رہا تھا تو ممی وہاں پہنچ گئیں۔ ہم دونوں میز کے اطراف آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر انہوں نے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے اور پوجی کے ستارے ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ پوجی کے آگے خطرات کا ایک لمبا سلسلہ ہے یوں دکھائی دے رہا ہے کہ وہ اگر ایک خطرے سے نکل گئی تو دوسرے میں الجھ جائے گی اور ان خطرات سے بچتے رہنے کا انحصار تمہارے ستارے پر ہے۔ تم اس کی مدد کرتے رہو گے لیکن تمہاری ذرا سی غفلت اس بچی کی موت کا سبب بن سکتی ہے۔"

میں نے کہا "اگر ایسی بات ہے ممی! تو میں اس کی طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔ ابھی میں اس لئے مطمئن ہو گیا ہوں کہ وہ ایک ویرانے میں کسی دیہاتی کے ساتھ اس کی گھوڑا گاڑی میں سفر کر رہی ہے اور اس کے آس پاس مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا۔ احتیاطاً میں پھر دیکھ لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے پوجی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ روٹیاں کھانے کے بعد آرام سے گاڑی میں لیٹ گئی تھی۔ اور اب آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں وہاں سے واپس آ کر ممی سے بولا "وہ خیریت سے ہے۔ اب آپ آگے بولیں۔"

وہ بولنے لگیں "جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے تم اس کی مدد کرتے رہو گے لیکن تمہارے لئے یہ بات دلچسپی کا باعث ہو گی کہ وہ ننھی سی بچی تمہارے کسی کام آئے گی۔"

"وہ بھلا میرے کیا کام آ سکتی ہے؟ کچھ اپنے علم سے مجھے بتائیں!"

انہوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "میں کسی کام کی نوعیت نہیں بتا سکتی اور نہ ہی یہ جانتی ہوں کہ وہ کس طرح تمہارے کام آئے گی ہاں البتہ تاش کے پتے کہہ رہے ہیں کہ تم کسی عورت کو بے انتہا چاہتے رہے ہو اور وہ بھی تمہارے ساتھ ایک عرصے تک رہی ہے لیکن ظاہری طور پر تمہارا اس کا ساتھ چھوٹ گیا اور حالات کچھ ایسے پیش آئے کہ دائمی جدائی کا یقین ہو گیا لیکن وہ جدائی عارضی تھی اور وہ ہستی جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تمہاری طرف لوٹنے والی ہے۔ تاش کے پتوں کو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد میں پھر پوجی کے زائچے کی طرف آئی۔

تو پتہ چلا کہ وہ ایسی جگہ پہنچنے والی ہے، جہاں تم پہلے تھے یا پہلے اس جگہ تمہارا کوئی دوست یا کوئی رشتہ دار وہاں تھا۔ اور وہیں پوجی کا اور تمہارا شاید پہلی بار سامنا ہو گا۔"

ممی کی باتیں سن کر ہی میرا ذہن فوراً ہی سونیا کی طرف گیا تھا۔ ایک بے اختیاری جذبہ اور بے اختیاری خیال تھا جو اپنی بچھڑی ہوئی محبت کی طرف خود بخود گیا تھا۔ بے شک میں اسے بہت چاہتا تھا اور وہی ایک ایسی ہستی تھی جو میرے ساتھ بڑے بڑے مصائب میں ساتھ رہی۔ اس نے میرا بڑا ساتھ دیا اور وہی ایک ایسی ہے جس کی جدائی کو میں دائمی سمجھ رہا تھا۔ ممی کے الفاظ اسی کو میرے تصور میں پیش کر رہے تھے۔

میں نے ایک لقمہ چباتے ہوئے ممی کی طرف دیکھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کس کے متعلق سوچ رہے ہو۔ پوجی کے بارے میں یا اس ہستی کے بارے میں جس کے متعلق میں اشارے دے رہی ہوں۔ اگر وہ ہستی تمہارے ذہن میں ہو تو مجھے اس کا نام بتاؤ۔"

"سونیا!" میں نے ایک گہری سانس لے کر اس کا نام لیا۔

ممی کھانے کے دوران دل ہی دل میں سونیا کے نام کے اعداد نکالنے لگیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اپنا چہرہ اور اپنی زندگی کے طریقے بدلنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ماضی کے تمام دوستوں اور دشمنوں اور حتیٰ کہ محبوباؤں سے رشتہ توڑ لوں گا۔ اور ان کی طرف سے بے نیاز ہو جاؤں گا کبھی ان کے دماغ تک بھی نہیں پہنچوں گا۔ لیکن ممی نے جب سونیا کے متعلق اتنے واضح اشارے دیئے تو میرا دل مچل گیا۔ ایک دم سے وہ میرے دل میں آ کر دھڑکنوں کی طرح مچلنے لگی۔ میں سمجھ نہیں سکتا تھا کہ وہ بالو نگ مین سے متاثر ہونے کے بعد پھر کیسے واپس میری طرف آ سکے گی۔ جبکہ میں اس کی ضدی طبیعت کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ مجھ سے مایوس ہو چکی ہے اور ہمیشہ میرے ہرجائی پن سے نالاں رہتی ہے۔

مجھے یوں لگا جیسے اس سے رابطہ قائم کئے صدیاں گزر گئی ہیں اور اب میں اس کے دماغ میں پہنچوں گا تو پتہ نہیں وہ مجھے اپنی لگے گی یا نہیں؟ کیونکہ اس کے مزاج میں بہت ہی پرایا پن آ گیا تھا میں اس کے دماغ کی طرف پرواز کرنے کے لئے سوچ کے پر تولنا ہی چاہتا تھا کہ ممی نے مجھے مخاطب کیا "میں نے سونیا کے نام کے اعداد نکالے ہیں۔ اب کھانے کے بعد اطمینان سے کچھ معلومات اس کے متعلق بھی حاصل کروں گی۔ لیکن ابھی تمہارے متعلق ہی کچھ کہنا چاہتی ہوں؟"

میں نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "بہتر ہے کہ آپ میرے ہی بارے میں کچھ بتائیں۔ کیونکہ میں بھی اپنے مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لئے عام لوگوں کی طرح بے تاب ہوں۔"

ہر انسان اپنے آگے کی بات معلوم کرنا چاہتا ہے اور پیچھے

کی باتیں بھول جانا چاہتا ہے۔ پیچھے خوشگوار یادیں رہ گئی ہوں تو انہیں یاد کر لیتا ہے۔ ورنہ دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو سب کچھ بھلا کر صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا آنے والا کل کیا ہو گا۔

وہ پانی کا ایک گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد بولیں "تمہارا آنے والا کل تمہارا اصلی چہرہ دکھائے گا۔ میرا علم کہتا ہے کہ یہ جو تم نے پلاسٹک سرجری کرائی ہے یہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ تمہارا اصلی چہرہ تمہیں واپس مل جائے گا۔"

میں نے تعجب سے پوچھا "یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کوئی میک اپ نہیں ہے کہ اسے دھو لیا اور اصلی چہرہ ظاہر ہو گیا۔ یہ پلاسٹک سرجری ہے۔"

"میں جانتی ہوں اور پلاسٹک سرجری کے بعد جو چہرہ اس چہرے کے پیچھے مر چکا ہے۔ وہ اصلی چہرہ دوبارہ واپس نہیں مل سکتا لیکن میں کیا کروں۔ میرا علم مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں کہتا۔ یہ کہہ رہا ہے کہ فرہاد علی تیمور کا اصلی چہرہ واپس آئے گا تو پھر ضرور آئے گا۔"

میں نے کھانا پینا چھوڑ کر کہا "ممی! ٹھہریے۔ ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولیے۔ آپ پے در پے چونکا دینے والے انکشافات کر رہی ہیں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کسے سچ مانا جائے؟ کس پر یقین کیا جائے اور کس پر یقین نہ کیا جائے؟ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے آپ کے علم اور آپ کی صلاحیتوں پر شبہ ہے۔ بے شک آپ درست کہہ رہی ہوں گی مگر پہلے مجھے دل سے یقین کر لینے دیجئے۔ مجھے یہ تو بتائیے کہ پوجی آج یا کل تک کیوں نہیں مل سکتی؟ جبکہ وہ ایک شخص کے ساتھ حفاظت سے رہ کر سفر کر رہی ہے۔ وہ ساحلی علاقے میں پہنچے گی تو وہاں کوئی نہ کوئی تو انگریزی جاننے والا ہو گا جب وہ اس سے باتیں کرے گی تو میں اس انگریزی جاننے والے کے ذریعے یہاں تک لے آنے پر مجبور کر دوں گا۔"

ممی نے کہا "بے شک تم بہت کچھ کر سکتے ہو مگر کیا انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے؟ تم کیا جانو یا میں کیا جانتی ہوں کہ ابھی کیا کچھ سامنے آنے والا ہے۔ میں نے کتنے علوم پڑھ لئے لیکن کئے۔ مستقبل کے حالات کو اور مستقبل کے چونکا دینے والے واقعات کو سمجھ لینا۔ جان لینا سیکھ لیا ہے لیکن اس سے فائدہ کیا پہنچا ہے؟ کیا سب کچھ جان لینے کے بعد ہم اپنی حفاظت کر سکتے ہیں؟ یا آنے والے مصائب کو ٹال سکتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ علم ہمیں بس حادثوں کا منتظر ہونا سکھا دیتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

میں نے کہا "اچھا آپ نے اب تک جتنی پیشین گوئیاں کی ہیں ان میں مجھے سونیا سے سب سے زیادہ دلچسپی ہے۔ لہٰذا میں پہلے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بہت عرصے کے بعد سونیا کا تصور کیا۔ اس کے چہرے کے نقش و نگار دماغ کی اسکرین پر ابھرے۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے لب و لہجے کو پکارا، پھر اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اس کے پاس پہنچتے ہی میں نے عجیب نظارہ دیکھا۔ وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ سر پر سیاہ ہیٹ تھا اور ایک پتلا جالی دار کپڑا نقاب کے طور پر اس کے چہرے پر پڑا ہوا تھا اور وہ ایسے ماتمی لباس میں قبر کے کنارے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے آس پاس اِدھر اُدھر کچھ انگریز دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں فوجی افسر بھی موجود تھے۔ ایک پادری قبر کے سرہانے کھڑا بائبل کھولے کچھ پڑھ رہا تھا۔ جس قبر کے کنارے سونیا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ قبر کھلی ہوئی تھی اور اس میں ایک تابوت اتارا جا رہا تھا اور ـــــ اس تابوت کے اندر سونیا کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

سونیا مر چکی تھی۔ اور قبر کی تہہ میں دفن کی جا رہی تھی۔ اور سونیا ماتمی لباس پہنے اپنی موت پر ماتم کرنے کے لئے اپنی ہی قبر کے کنارے کھڑی ہوئی تھی۔

دُنیا میں ایسا کوئی نہیں جو مر چکا ہو اور اپنی لاش کو قبر میں اترتے دیکھ رہا ہو۔ ایسا تماشہ سونیا ہی دیکھ سکتی تھی۔ پتہ نہیں وہ کیسی مکاری دکھا رہی تھی اور کیا کھیل کھیل رہی تھی؟ دھیرے دھیرے اس کے دماغ کو پڑھنے کے بعد ہی کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ممی کی جانب دیکھا تو انھوں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ کیا سونیا سے ملاقات ہو گئی ہے؟"

"ہاں ہو گئی۔ وہ قبر میں اتاری جا رہی ہے۔"

ممی نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر انہوں نے سر ہلا کر کہا "نہیں مجھ سے مذاق نہ کرو۔ میرا علم کہتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "یہ بھی درست ہے۔ وہ زندہ ہے اور اس وقت قبرستان میں موجود ہے اور اپنی قبر کے کنارے کھڑی ہوئی اپنے تابوت کو قبر میں اترتا دیکھ رہی ہے۔ آس پاس جتنے لوگ موجود ہیں۔ وہ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ اس تابوت کے اندر سونیا کی لاش رکھی ہوئی ہے۔ یقیناً اس میں کسی کی لاش تو ضرور ہو گی۔ پتہ نہیں وہ بے چاری کون ہو گی۔ یہ عورت بس ایسی ہی مکاریاں دکھاتی رہتی ہے۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ پہلے اطمینان سے کھانا کھا لو ایک ایک کافی پی لو۔ پھر سونیا کے حالات معلوم کرتے رہنا۔"

"ممی میں نے سوچا تھا کہ اب ماضی کے تمام رشتوں سے دور رہوں گا۔ کبھی کسی کے دماغ میں جھانک کر نہیں دیکھوں گا۔ آپ نے اپنے

علم کے ذریعے سونیا کے متعلق ایسی پیشن گوئیاں کیں کہ مجھے اس سے دلچسپی لینا پڑی۔ بیشک میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ لیکن اپنی ہرجائی فطرت سمجھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اگر وہ جمی..... (بالونگ مین) سے دلچسپی لے رہی ہے۔ تو مجھے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ جیسے میں تمام زندگی ساتھ نہیں رکھ سکتا اور اسے کوئی سہارا نہیں دے سکتا۔ اور اس سے کتراتا رہتا ہوں۔ تو پھر مجھے اس کی زندگی سے دُور ہو جانا چاہیئے"۔

ممی نے پوچھا "تم اس سے کیوں کتراتے رہے؟ کیا وہ تمہیں پسند نہیں ہے۔ عجیب بات ہے کہ اسے دل و جان سے چاہنے کا دعویٰ بھی کرتے ہو"۔

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "میں اُسے چاہتا ہوں لیکن وہ عجب ضدّی اور جھگڑالو قسم کی عورت ہے میرے سائے میں کسی دوسری عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے میں اس سے کتراتا رہا تھا ورنہ اس میں ایسی کوئی خامی یا خرابی نہیں ہے کہ میں اسے پسند نہ کروں۔ اس میں تو خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ زندگی میں ایسے موڑ بھی آئے جب میں بے دست و پا ہو گیا اور وہ میری حفاظت کے لئے میرے ساتھ رہا کرتی تھی"۔

ممی نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "علم نجوم کے ماہرین کسی کے سامنے اس کی بُرائیاں پیش نہیں کرتے۔ صرف اس کے مستقبل کی اچھائیاں بیان کرتے ہیں اگر بحالت مجبوری کچھ بُرائیاں پیش کرنی پڑ جائیں تو انہیں گول مول انداز میں بیان کرتے ہیں لیکن میں تمہارے منہ پر واضح طور سے یہ کہہ دیتی ہوں کہ تم فطرت کے اعتبار سے بہت ہی بے مروّت اور سنگدل ہو۔ تمہارے مزاج میں بہت زیادہ تضاد ہے جتنی سنگدلی ایک طرف ہے اتنی ہی رحم دلی دوسری طرف ہے کہ ان کو سامنے پا کر اس کے لئے جان دینے کو تیار ہو جاتے ہو۔ اور جب وہ ہستی تم سے دُور ہو جائے تو اسے یکسر بھلا دیتے ہو۔ سونیا کے ساتھ بھی تم نے ایسی ہی حرکت کی ہے۔ بہر حال اچھا ہوا کہ تمہارا علم تمہیں اس کی طرف واپس لے جا رہا ہے"۔

"ہاں! میں واپس جا رہا ہوں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد آپ کے پاس بھی واپس آتا رہوں گا۔ آپ میرے لئے کافی منگوائیں"۔

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوبارہ سونیا کے پاس پہنچنے سے پہلے میں نے پومی کی خبر لی۔ وہ آرام سے گہری نیند سو رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ یقیناً اسی گھوڑا گاڑی میں سو رہی ہو گی لیکن اتنی دیر گزر چکی تھی۔ مجھے اطمینان کر لینا چاہئے تھا کہ وہ اسی گھوڑا گاڑی والے کی پناہ میں ہے یا کسی دوسری جگہ سو رہی ہے؟ گاڑی والے کی زبان میرے لئے اجنبی تھی۔ اس لئے میں اس کی سوچ کے ذریعے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ صرف پومی کے ذریعے معلومات حاصل ہو سکتی تھیں لیکن وہ آنکھیں بند کئے سو رہی تھی۔ جب تک وہ آنکھیں کھول کر آس پاس نہ دیکھتی اس وقت تک مجھے کچھ معلوم نہ ہوتا۔

انسان بہت زیادہ تھک جانے کے بعد نڈھال ہو کر مردے کی طرح سو جاتا ہے۔ پومی بھی مسلسل بھاگتی رہی تھی۔ دشمنوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس نے اپنی تھکن اور پریشانیوں کا خیال نہیں کیا تھا۔ صرف یہی بات اس کے دماغ میں رہی تھی کہ دشمنوں سے دور ہو جانے کے بعد آرام کرے گی اور اب اسے آرام کا موقع ملا۔ تو وہ بھی مُردے کی طرح سو رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ کو جھنجھوڑ دیا۔ صرف اس کی غفلت کو کم کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ اسے کچی نیند کی طرف لے آیا۔ کچی نیند کی حالت میں پومی نے اِدھر اُدھر جھٹکے محسوس کئے۔ تب میں سمجھ گیا۔ کہ وہ اسی گھوڑا گاڑی میں سفر کر رہی ہے کیونکہ کچی نیند کی حالت میں گھوڑے کے ہنہنانے کی اور گاڑی کے کچے راستے پر چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اُدھر سے مطمئن ہو کر میں نے دوبارہ پومی کو تھپک کر گہری نیند سُلا دیا۔

چند لمحوں کے بعد میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے سر جھکائے کھڑی ہوئی تھی۔ قبر کے سرہانے پادری زیرِ لب دُعائیہ الفاظ بڑبڑا رہا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ سونیا خاموش کھڑی ہوئی سوچ رہی تھی۔

وہ قبرستان میں سیکڑوں قبروں کے درمیان کھڑی ہوئی موت کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے موت کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ جب بھی وہ اس کی زندگی کے راستے پر آئی تو اس نے اسے شکست دی۔ اس وقت وہ چُپ چاپ کھڑی ہوئی اپنی زندگی کا حساب کر رہی تھی "آہ میری بھی کیا زندگی ہے سچ کہتے ہیں دنیا والے کہ انسان اکیلا اس دنیا میں آتا ہے اور اکیلا جاتا ہے۔ کوئی سنگی ساتھی نہیں ہوتا۔ ہوتا بھی ہے تو تھوڑی دیر کی رفاقت اس سے ملتی ہے۔ پھر اس کا فریب اس کا ہرجائی پن اُس کی خود غرضیاں ہمیں جدائی کے صدمے دے کر تنہا چھوڑ جاتی ہیں آج میں اس بھری دنیا میں اکیلی ہوں۔ چلو اچھا ہے جو ہُوا سو ہُوا اب میں گمنامی کی زندگی گزاروں گی"۔

وہ خود کو اس دنیا میں تنہا کہہ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس سے جمی (بالونگ مین) کا بھی ساتھ چھُوٹ گیا ہے۔ اسی لئے وہ ایسی باتیں سوچ رہی تھی۔ میں نے اس بات کی تصدیق کے لئے اس کی سوچ میں ایک سرد آہ بھر کر کہا "آہ جمی ——— جمی"۔

اِس سوچ کے ساتھ ہی اس کا ذہن جمی کی طرف گیا۔ وہ چشمِ تصوّر میں جمی کو مُردہ حالت میں دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کا تابوت نظر آیا۔ پھر اس تابوت کو اس کی آنکھوں کے سامنے قبر میں اُتار دیا گیا۔ لیکن یہ وہ تابوت نہیں تھا۔ جو اس وقت اس کی نگاہوں کے سامنے قبر میں اُتارا گیا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ جمی کی موت کو تقریباً دو ہفتے گزر چکے ہیں۔

کوئی اپنا نہ ہو تب بھی اس کی موت پر تھوڑا بہت افسوس ضرور ہوتا ہے۔ لیکن جانے کیوں جمی کی موت کی خبر سنی تو بے اختیار میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے اپنا تجزیہ کیا۔ تو پتہ چلا کہ میں مطمئن ہوں اور صرف اس لئے کہ وہ میرا رقیب تھا میرا ہم شکل تھا۔ بہت زیادہ باصلاحیت تھا۔ سونیا کو میرا بدل مل گیا تھا۔ اب وہ فرہاد کی ڈمی ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی تھی۔ سونیا کا کھلونا ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے دوسری بار اطمینان کی گہری سانس لی۔

میں نے سونیا کی سوچ میں ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "وہ بڑا ہی سخت جان تھا۔ اور ناقابلِ شکست تھا۔ وہ صرف طبعی موت مر سکتا تھا۔ کوئی دشمن اس پر غالب آ کر اسے موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا"۔

میری اس سوچ کے ساتھ ہی سونیا کی پیشانی پر ذرا شکن پڑ گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ "میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں؟ جبکہ میں پہلے ہی فیصلہ کُن انداز میں یہ سمجھ چکی ہوں کہ جمی کو سلو پائزن کے ذریعے یا کسی اور سازش کے ذریعے بہت آہستہ آہستہ مارا گیا ہے کیونکہ وہ سُپر ماسٹر سے بغاوت کر چکا تھا۔ اور جرائم کی زندگی گزارنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پہلے فرہاد اور سونتی کے خوف سے سُپر ماسٹر ہم پر بڑا مہربان رہا۔ پھر پتہ چلا کہ فرہاد مر چکا ہے۔"

میری موت کی بات سُن کر وہ ایک ذرا چُپ ہو گئی پھر آپ ہی آپ "اُف" کہہ کر سوچنے لگی "دنیا والے کہتے رہیں کہ وہ مر گیا ہے مگر مجھے یقین نہیں آتا۔ میں ایک عرصہ اس کے ساتھ گزار چکی ہوں میں جمی کی موت کا یقین کر سکتی ہوں مگر فرہاد کو اپنے سامنے بھی مرتے دیکھوں تو ایک عرصہ تک مجھے اپنی آنکھوں پر بھی یقین نہیں آئے گا"۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا "فرہاد انسان ہے بالونگ مین کی طرح کوئی ایسی ڈمی نہیں ہے کہ آدھا انسان اور آدھا مشین ہو۔ جب سارے انسان مر سکتے ہیں۔ وہ ڈمی مر سکتی ہے تو فرہاد کوئی قیامت تک جینے کا ٹھیکہ لے کر اس دنیا میں نہیں آیا ہے"۔

اس کی سوچ نے کہا "ہاں یہ سچ ہے لیکن میں کیا کروں مجھے یقین نہیں آتا میں نے بارہا آزمایا کہ مجھے مصیبت میں دیکھ کر فرہاد اگر چُپ چاپ میری سوچ پڑھ رہا ہو گا تو وہ میری مدد کرے گا۔ خصوصاً ایسے وقت جب مجھے شبہ ہوا کہ جمی کے خلاف آہستہ آہستہ سازش کی جا رہی ہے۔ تو میں نے فرہاد کو بہت یاد کیا اور سوچ کے ذریعے اسے پکارا کہ اس وقت میری مدد کرے۔ جمی کو سازشوں سے بچا لے لیکن وہ ہمیشہ میرے دماغ سے غیر حاضر رہا۔ ٹھیک ہے کہ میں نے اس کا ساتھ چھوڑ کر جمی کا ساتھ پکڑ لیا تھا۔ لیکن اس بات سے ناراض ہو کر فرہاد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ میری خبر لینا ہی بھول جائے"۔

وہ اپنی جگہ دُرست سوچ رہی تھی لیکن بعض حالات میں انسان خود غرض ہو جاتے ہیں۔ کوئی کسی کی مجبوریوں کو نہیں سمجھتا میں بھی سونیا کی مجبوریوں اور پریشانیوں سے غافل ہو گیا تھا اور سونیا میری مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتی تھی کہ میں کن حالات سے دو چار رہو رہا تھا اور اُن حالات میں میں نے جذباتی انداز میں یا جھنجھلاہٹ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ماضی کے رشتوں کی طرف جھانک کر نہیں دیکھوں گا۔ تو میرا وہ فیصلہ غلط ہو سکتا تھا۔ میں انسان ہوں۔ مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی تھی۔ فی الوقت سونیا کی سوچ پڑھ کر مجھے اس غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ مجھے اپنی اس محبت سے بالکل ہی غافل نہیں ہو جانا چاہئے تھا۔

تجہیز و تکفین کی رسومات ادا ہو چکی تھیں۔ اب وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں سے واپس جا رہی تھی میرے نتھنوں میں کافی کی خوشبو پہنچی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میرے سامنے میز پر ایک پیالی رکھی ہوئی تھی اور اس میں سے گرما گرم کافی کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ میں نے ممی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ پھر پیالی اٹھا کر ایک چُسکی لی۔ اور ممی کو سونیا کے متعلق بتانے لگا۔

ممی نے کہا "جب وہ بالکل تنہا رہ گئی ہے تو اب تمہیں اس سے چھُپنا نہیں چاہیئے۔ تم خود کو اس پر ظاہر کر دو۔ اس کی تسلی کے لئے اور اسے سہارا دینے کے لئے۔ بتا دو کہ تم زندہ ہو"۔

"ممی! میں نہ بتاؤں تب بھی اسے میری موت کا مکمل یقین نہیں ہے اور اگر میں یہ بات بتا دوں کہ میں اس کے دماغ میں موجود ہوں تو وہ بدک جائے گی۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ وہ بہت زیادہ ناراضگی، غصّہ اور جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کرے گی مجھ سے یوں کترائے گی جیسے کبھی واسطہ نہ رہا ہو۔ میں اس ناگن کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس کے سامنے بڑی دیر تک بین بجانا پڑتی ہے۔ تب کہیں وہ مست ہو کر میرے اشارے پر ناچتی ہے میں اسے بعد میں ہینڈل کر لوں گا"۔

ممی نے پوچھا "ابھی کیا پروگرام ہے؟ کیا خیال خوانی کرتے ہوئے رات گزار دو گے؟"

"نہیں۔ میں سونیا کے دماغ میں جھانک کر اس کے متعلق مزید معلومات حاصل کروں گا کہ ابھی وہ کن حالات سے گزر رہی ہے۔ اس دوران پومی کی خبر لیتا رہوں گا۔ جب مجھے دونوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔ تو میں تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤں گا۔ اب آپ بتائیں! آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں بھی ابھی کچھ دیر جاگوں گی۔ تمہارے اور پومی کے

متعلق دلچسپ معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔ پھر یہ کہ میں نے سونیا کے نام کے جو اعداد نکالے ہیں ان کے متعلق بھی میں اپنے طور پر معلومات حاصل کروں گی۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر باتیں کرتے ہوئے ممی کی خواب گاہ تک آئے۔ پھر میں نے ممی کو وہاں چھوڑ دیا۔ اور اپنی خواب گاہ میں واپس آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک سگریٹ سلگایا اور اس کے کش لگاتا ہوا پھر ایکبار سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر ایک نوجوان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ نوجوان اس کا سمائشی شوہر تھا۔ اگلی سیٹ پر کوئی دوسرا شخص کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نوجوان شوہر نے سونیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ڈارلنگ! یہ دنیا ایک عجیب جگہ ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم میں سے کون اور کتنے لمحات تک زندہ رہ سکتا ہے؟ یہ سونیا اور اس کا فرینڈ جمیؔ ایک ماہ پہلے ہمارے ہاں آئے تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے موت نے ان دونوں کو یکے بعد دیگرے نگل لیا۔ یقین نہیں آتا کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا۔ ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے کہ وہ دونوں ہمارے سامنے تھے۔"

سونیا نے جمیؔ اور سونیا کی موت پر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا "لون زد! کوئی دوسری بات کرو۔ ان کی موت نے میرے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا ہے۔ تعجب ہے کہ موت یونہی کیسے چلی آتی ہے۔ جمیؔ تو خیر جب سے ہمارے پاس آیا تھا۔ بیمار ہی تھا۔ زخموں سے چور رہتا لیکن سونیا تو اچھی خاصی تندرست تھی۔ بس آج صبح اسے اچانک ہی دل کا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہو سکی۔ آہ افسوس۔"

پہلے تو میں یہ سن کر حیران ہوا کہ جمیؔ زخموں سے چور رہتا۔ پھر مجھے فوراً ہی یاد آ گیا کہ چند ماہ پہلے جمیؔ اور آقا سبحانی کا زبردست مقابلہ ہوا تھا۔ جمیؔ کو گولی لگی تھی اور یوں بھی بڑے شدید زخم آئے تھے۔ آقا سبحانی کو سونیا نے ہلاک کر دیا تھا تب سے جمیؔ بستر پر پڑا رہتا تھا۔ اس کے جسم سے گولی نکال دی گئی تھی۔ لیکن زخم نہیں بھر رہے تھے۔ پھر ایک بار میرے کہنے پر جمیؔ اور سونیا کا بہت زیادہ خیال رکھا جانے لگا۔ سپر ماسٹر اور اس کے آدمی ان پر پوری توجہ دیتے تھے اور انہیں طبی امداد کے علاوہ ہر قسم کی آسائشیں پہنچاتے تھے۔ لیکن پھر میری خاموشی یا میری جھوٹی موت نے شاید سپر ماسٹر کی نیت بدل ڈالی۔ شاید کیا یقیناً سپر ماسٹر نے سوچا ہو گا کہ اس بار فرہاد سچ مچ مر چکا ہے۔ سونیا مصیبت بن کر رہے گی۔ اُسے رفتہ رفتہ ختم کرنا چاہیئے۔ جمیؔ تو زخموں سے چور ہے۔ اسے بڑی آسانی سے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ سونیا اور جمیؔ پر کیا بیتی ہو گی؟ جبکہ سونیا بھی کہہ چکی تھی کہ جمیؔ باغی ہو گیا تھا۔ یقیناً سپر ماسٹر نے اسے اپنے احکامات کا پابند بنانے کی کوشش کی ہو گی۔ اور اس نے مجرمانہ زندگی گزارنے سے انکار کر دیا ہو گا۔ ایسی صورت میں جمیؔ اور سونیا اس خطرناک تنظیم کے لئے عذاب ہی بنے رہتے۔ پھر یہی ہوا کہ جمیؔ کے زخموں کو بھرنے نہیں دیا گیا۔ سلو پائزن کے ذریعے وہ زخم جان لیوا ثابت ہوئے اور اس کے بعد سونیا کی باری آئی۔ لیکن سونیا کیسے بچ گئی ہے؟ یہ معلوم کرنے کے لئے میں سونیا کے دماغ میں موجود تھا۔

تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر معلومات حاصل نہیں کر سکوں گا۔ کیونکہ وہ اپنے متعلق یہ نہیں سوچ رہی تھی کہ وہ مسٹر لون زد کی بیوی کیسے بن گئی تھی اور اس تابوت میں کس کی لاش دفنائی گئی تھی۔ ویسے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ اس تابوت میں لون زد کی بیوی کی ہی لاش ہو گی۔ اب یا تو سونیا نے یہ حرکت لون زد کی لاعلمی میں کی ہو گی یا پھر لون زد کے ساتھ مل کر اس کی بیوی کو ہلاک کیا ہو گا۔

اگر یہ معلومات میں سونیا کے دماغ کو کرید کر حاصل کرنا چاہتا تو وہ چالاک لومڑی سمجھ لیتی کہ میں ایک مدت کے بعد پھر اس کے دماغ میں بیٹھا اس کی سوچ کو اپنی مرضی کے مطابق اُکسا رہا ہوں اور معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ میں ابھی اس پر اپنی موجودگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی۔ تاکہ وہ سہولت سے میرے قابو میں آ جائے۔

میں لون زد کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ کو اپنی معلومات کا ذریعہ بنانے لگا۔ وہ میرے اشاروں پر سوچنے لگا۔ کہ اس کی بیوی سوزی بہت ہی لالچی عورت تھی اور اسے سپر ماسٹر کے آدمی بہت بڑی رقم کا لالچ دے کر اپنا آلۂ کار بنا رہے تھے۔ یہ بات لون زد کو پسند نہیں تھی کہ سوزی آلۂ کار بن کر سونیا کو ہلاک کرے۔ کیونکہ لون زد دل ہی دل میں سونیا کو چاہنے لگا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سونیا پر اس کی نیت خراب ہو گئی تھی اور وہ اپنی بیوی سوزی سے اکتا گیا تھا۔ اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ان حالات میں اس نے سونیا کو چپ چاپ بتا دیا کہ سوزی اسے ایسی دوا پلانے والی ہے جس کے استعمال کے بعد اس پر اچانک دل کا دورہ پڑے گا اور وہ مر جائے گی۔

سونیا نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے خلاف اس پر مہربانی کیوں کر رہا ہے۔ لون زد سونیا کی شخصیت سے متاثر تھا یا پھر وہ مناسب موقعہ پر اظہار عشق کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے صرف اتنا ہی کہا کہ وہ سوزی سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔

سونیا نے پوچھا "اس سے کیوں پیچھا چھڑانا چاہتے ہو؟"
وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "میں بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی تم میرا اور اپنا فائدہ دیکھو۔ مجھے سوزی سے نجات مل جائے گی۔ تم موت کے پنجے سے نکل آؤ گی۔ بولو منظور ہے؟"

سونیا بھلا منظور کیسے نہ کرتی پھر دونوں کی سازش نے کام دکھایا۔ جو دوا سونیا کے حلق میں اترنے والی تھی وہ سوزی کے حلق میں اتر گئی۔ انہوں نے میک اپ کا سامان تیار رکھا تھا اور سونیا کو تو میک اپ میں مہارت حاصل تھی۔ جب سوزی کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا تو سونیا نے اپنی تصویر سامنے رکھ کر بڑی مشاقی سے سوزی کا میک اپ کیا اور اس کے چہرے کو ماسک کے ذریعے اپنا چہرہ بنا دیا۔ پھر خود اس نے اپنے سامنے سوزی کی تصویر رکھی اور آئینے کے سامنے اپنے چہرے پر ماسک کے ذریعے سوزی کا چہرہ چڑھا لیا۔

اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ سوزی کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے جائے گی تو میک اپ کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ سونیا کو اور لون زد کو پورا یقین تھا کہ اسے پوسٹ مارٹم کے لئے نہیں بھیجا جائے گا۔ جب انہوں نے موت کی اطلاع دی تو سپر ماسٹر کی طرف سے ایک ڈاکٹر آیا تھا اور اس نے طبعی موت کا ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دے دیا تھا۔

تجہیز و تکفین کے دوران سونیا اور لون زد ساتھ ساتھ رہے تھے تاکہ کسی وقت بھی ان کی چالاکی کا پتہ دوسروں کو چلے تو حالات کے مطابق کوئی قدم اٹھا سکیں۔ لیکن سوزی کے دفن ہونے تک ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ ان کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔۔ اور اب وہ قبرستان سے واپس آ کر اپنے گھر پہنچ گئے تھے۔

میں لون زد کے دماغ میں بیٹھا یہ ساری معلومات حاصل کر رہا تھا جب وہ اپنے بنگلے میں داخل ہوئے تو ڈرائنگ روم میں دو شخص بیٹھے ہوئے تھے۔ سونیا اور لون زد انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ پھر سونیا نے لون زد سے کہا "تم بیڈ روم میں جاؤ۔ میں ابھی ان سے بات کر کے آتی ہوں۔"

لون زد دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ سونیا ان کے پاس ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ تب ایک شخص نے کہا "سوزی! تم نے ہمارا بڑا ساتھ دیا ہے۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جب تم اس مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گی۔ تو ہم تمہاری منہ مانگی رقم تمہیں دیں گے اس بریف کیس میں پچاس ہزار ڈالر موجود ہیں اور یہ تمہارے ہیں۔ ہم یہی انعام تمہیں دینے کے لئے آئے تھے۔"

سونیا نے بریف کیس اٹھا کر اپنی گود میں رکھا پھر اسے کھول کر دیکھا۔ نوٹوں کی گڈیاں اندر رکھی ہوئی تھیں۔ اتنے سارے نوٹ دیکھ کر سونیا خوشی سے کھل گئی۔ پھر سوزی کی آواز اور لہجے میں خوش ہو کر بولی "او مائی گاڈ! اتنی رقم میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ آپ لوگ واقعی زبان کے دھنی ہیں۔ جو کہا تھا وہی کیا۔ میں ایک عرصے سے لون زد سے کہہ رہی تھی کہ مجھے پیرس لے چلو۔ میں وہ شہر دیکھنا چاہتی ہوں مگر وہ تو کنگال ہے۔ میری خواہش پوری نہ کر سکا۔۔۔ اب میں اسے پیرس لے کر جاؤں گی۔"

دونوں شخص اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے "اب تم کہیں بھی جاؤ۔ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور یاد رکھو۔ یہ بات کبھی تمہاری زبان پر نہ آئے کہ سونیا کو ہلاک کیا گیا تھا۔ اگر کبھی تم نے دیوار سے بھی یہ بات کہی اور ہمارے کانوں تک پہنچ گئی تو تم زندہ نہیں رہو گی۔"

وہ لوگ یہ دھمکی دے کر چلے گئے۔ سونیا نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بریف کیس کو بند کیا۔ پھر بیڈ روم میں آ کر۔۔۔ بریف کیس کو بستر پر پھینکتے ہوئے کہا "لون زد یہ پچاس ہزار ڈالر ہماری کامیابی کا انعام ہیں۔"

لون زد نے بریف کیس کو کھول کر دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرانی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ شاید اس نے بھی زندگی میں اتنی رقم یکمشت نہیں دیکھی تھی۔

سونیا نے کہا "دیکھتے کیا ہو۔ بس اب پیرس چلنے کی تیاری کرو۔"
"پیرس؟" لون زد نے پوچھا "پیرس کیوں جائیں گے۔ تمہیں یہ شہر پسند نہیں ہے؟"
"میری پسند سے کچھ نہیں ہو گا۔ میں نے جو میک اپ چڑھایا ہوا ہے یہ عارضی ہے اور یہاں کسی وقت بھی اگر سپر ماسٹر کے آدمیوں کو شبہ ہو گیا کہ میں زندہ ہوں تو ساری کوششیں ناکام ہو جائیں گی میں یہاں سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں، کسی دوسرے میک اپ میں روپوش ہو جانا چاہتی ہوں اور اس میک اپ کے بارے میں صرف تمہیں معلوم ہو گا۔"

وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آیا اور بولا "ہاں میں ساری زندگی تمہارا راز دار بن کر رہوں گا اور تم تو سمجھدار ہو اور یہ جانتی ہو کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ تم بھی تالی بجانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔"

اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا سونیا نے اس کے ہاتھ پر اپنا ایک ہاتھ رکھ دیا جیسے اس کے فیصلے سے متفق ہو لیکن لون زد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔۔۔۔ دوسرے ہی لمحے سونیا تڑپ کر الگ ہو گئی۔ پھر بولی "یہ کیا حرکت ہے؟"

لون زد نے کہا "تالی یوں بھی بجتی ہے۔ میں نے تمہاری زندگی بچانے کے لئے اپنی بیوی کو ہلاک کر دیا ہے۔ کیا تم میری بیوی کی جگہ نہیں لو گی؟"
"میں سمجھ گئی تھی۔ تم سوزی کو ہلاک کرنے کے بعد میری تمنا کرو گے۔"

..... میں نادان نہیں ہوں لیکن میں شادی کے بغیر تمہارے قریب بھی نہیں آؤں گی۔"

لون زد نے کہا۔ "لیکن شادی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس لئے کہ تم سوزی ہو اور تمہارے ساتھ میری شادی ہو چکی ہے۔ اگر سپر ماسٹر یا اس کے آدمیوں نے ہمیں دوبارہ شادی کرتے دیکھا تو....."

سونیا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اسی لئے تو میں یہ شہر چھوڑ کر چلی جانا چاہتی ہوں۔ ہم دوسری جگہ جا کر وہاں شادی کریں گے۔ شادی کے بغیر تم میرے قریب نہیں آسکو گے۔ یہ اچھی طرح یاد رکھو میری ضرورت ہے تو میرے کہنے پر عمل کرو۔"

لون زد خاموشی سے واپس جا کر بریف کیس کو کھول کر اس میں سے ایک گڈی نکالتے ہوئے بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میں پیرس جانے والی فلائیٹ میں دو سیٹیں ریزرو کراتا ہوں۔"

اس نے ایک گڈی جیب میں ٹھونس کر بریف کیس کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ائیرپورٹ جانا ہوگا۔ تم تیاری کرو۔ ہو سکتا ہے ہمیں صبح والی فلائیٹ میں جگہ مل جائے۔ یہاں ٹیلی فون ہوتا تو میں ٹیلی فون کے ذریعے معلومات حاصل کر لیتا۔"

یہ کہنے کے دوران وہ... بریف کیس کو اٹھا کر اپنی الماری کی طرف گیا۔ چابی جیب سے نکال کر الماری کھولی اور اس کے اندر... بریف کیس کو رکھ کر الماری کو لاک کر دیا۔ سونیا نے پوچھا۔ "یہ کیا؟ تم نے ساری رقم لاک کیوں کر دی؟ کیا تمہاری غیر موجودگی میں مجھے ضرورت نہیں پڑ سکتی؟"

لون زد نے مسکرا کر کہا۔ "بھئی! بُرا نہ ماننا۔ میں اپنے باپ پر بھی بھروسہ نہیں کرتا اور تمہارے ساتھ تو ابھی چار دن کی دوستی ہے اور اس دوستی میں ہم نے کتنی ہی مکاریاں کی ہیں۔ میں یہاں بریف کیس چھوڑ کر جاؤں گا تو ہو سکتا ہے کہ میرے آنے سے پہلے ہی تم اتنی دولت لے کر کہیں چلی جاؤ۔ میں نے اسے الماری میں بند کر دیا ہے۔ اب یہ ہم دونوں کے لئے محفوظ ہے اور ہم دونوں اسے ساتھ لے کر پیرس جائیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"او مائی ڈیئر لون زو! تم کتنے چالاک ہو۔ اگرچہ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے اور میں تمہیں چھوڑ کر کہیں جانا نہیں چاہتی۔ پھر بھی تمہاری یہ چالاکی مجھے بہت پسند آئی ہے اور سچ پوچھو تو عورت چالاک اور دلیر مردوں ہی کو پسند کرتی ہے.... بائی گاڈ تم مجھے متاثر کرتے جا رہے ہو۔"

لون زد خوشی سے کھل گیا۔ سونیا نے دل ہی دل میں کہا۔ "اُلّو کا پٹھا!"

میں خیال خوانی کے دوران مسکرانے لگا کیونکہ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ پلک جھپکتے ہی لون زد کی جیب سے چابی نکال لے گی...

لیکن اس نے اُسے ڈھیل دے دی۔ وہ اس قسم کے تماشے دکھا کر لون زد کو اپنے سے بدظن نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی وہ رات خیریت سے گزرنے والی تھی۔ سپر ماسٹر نے بالیونگ مین کے ساتھ سونیا کو ہلاک کر کے اپنی دانست میں اطمینان حاصل کر لیا تھا۔ لون زد بھی فی الحال دوست بنا ہوا تھا۔ راز فاش ہونے کے امکانات نہیں تھے اور سونیا کو کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ میں مطمئن ہو کر اس کے دماغ سے واپس آگیا۔

میں نے پھر پومی کی خبر لی۔ وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ ذہن سے کچھ گڈمڈ سی آوازیں سُنیں۔ کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ پومی اگرچہ نیند میں تھی لیکن نیند ایسی گہری نہیں تھی۔ وہ بیدار ہونے کے مرحلے پر تھی۔ اس لئے میں اس کے ذہن کے آس پاس ہونے والی آواز سن سکتا تھا۔

اچانک ہی پومی کی آنکھ کھل گئی۔ کسی نے اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر لاد لیا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں سو رہی تھی؟ اور کہاں پہنچ گئی ہے؟ پھر اچانک ساری باتیں، سارے واقعات اس کے ذہن میں روشن ہو گئے کہ وہ مجرموں سے بھاگ کر اپنی جان بچاتے ہوئے کہیں پہنچی ہے۔ وہ فوراً ہی تڑپنے لگی۔ جس نے اسے کاندھے پر لاد لیا تھا۔ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی پھر اسے اس گاڑی والے کی آواز سنائی دی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "بھئی! تم لڑکی ہو یا آندھی؟ مگرمچھ بھی پانی میں اتنا نہیں تڑپتا ہوگا۔ سیدھی طرح لیٹی رہو یا اپنے پیروں پر چل کر میری جھونپڑی میں چلی جاؤ۔"

پومی اس کی گرفت سے نکل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے آس پاس دو عورتیں تھیں۔ ایک نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی گھبراؤ نہیں یہ ہمارا گھر ہے۔ جاؤ جھونپڑی میں آرام سے سو جاؤ۔"

دوسری عورت نے اسے جھگی کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جھگی کے اندر آگئی جیسا کہ عام غریبوں کی جھگیوں میں ہوتا ہے۔ ویسی ہی وہاں غریبی تھی۔ فرش پر سوکھی گھاس کا بستر بچھا ہوا تھا۔ تین بچے ننگ دھڑنگ پڑے ہوئے تھے۔ پومی کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ وہاں جا کر ان کے پاس ہی لیٹ گئی۔

میں اس کی طرف سے بھی مطمئن ہو گیا۔ پھر میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا سامی میرے بستر پہ بیٹھ کر مجھے دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں کھلتے ہی اس نے "میاؤں" کہہ کر جیسے شکایت کی۔ اس کی شکایت بجا تھی میں پچھلے تین دن سے اس قدر مصروف رہا تھا کہ اس کی طرف توجہ نہیں دے سکا تھا۔ وہ پلنگ سے کود کر فرش پہ آئی۔ پھر شیرنی کی طرح چلتی ہوئی میرے قدموں تک پہنچ گئی۔ میں نے اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور اس کے نرم بالوں کو سہلانے لگا۔ ابھی

گیارہ بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے۔ میں اتنی جلدی سونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے آدھ گھنٹے تک سامی کے ساتھ کھیلتا رہا۔ وہ ادھر سے ادھر اچھل کر جاتی تھی، ذرا نخرے دکھاتی تھی۔ پھر میری گود میں واپس آجاتی تھی۔

آدھ گھنٹے بعد میں بستر پر آکر لیٹ گیا۔ سونے سے پہلے میں نے ممی کے ذہن میں جھانک کر دیکھا۔ وہ سونیا کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کی معلومات کے مطابق سونیا سفر کرنے والی تھی۔ واقعی ممی حیرت انگیز طور پر اپنے علوم میں مہارت حاصل کر چکی تھیں۔ یہ بات تو میں پہلے ہی معلوم کر چکا تھا کہ سونیا سفر کرنے والی ہے۔ ان کا علم بھی یہی کہہ رہا تھا۔ ان کی سوچ بتا رہی تھی کہ سونیا کو مشرق کی طرف سفر کرنا چاہئے۔ کسی دوسری سمت سفر کرنے میں خطرہ ہے۔

میں معلوم کر چکا تھا کہ سونیا اسکاٹ لینڈ میں ہے اور اب پیرس کا قصد کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے پیرس اسکاٹ لینڈ سے مشرق کی جانب تھا اور وہ مشرق کی طرف سفر کرنے والی تھی اور یہ بات میرے لئے اطمینان کا باعث تھی۔

اچانک مجھے جے جوالا کا خیال آیا۔ وہ کل صبح اپنی بیٹی پومی کو حاصل کرنے کے لئے بہت بڑی رقم کا انتظام کرنے والا تھا اور وہ رقم اغوا کرنے والے تک پہنچانے والا تھا۔ لیکن اب پومی اس اغوا کرنے والے کے پاس نہیں رہی تھی۔ یہ اطلاع جے جوالا تک پہنچانا چاہئے تھی۔ میں نے ممی کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "ہیلو ممی! ایک ضروری بات یاد آگئی۔"

"ہاں بیٹے! بولو، کیا بات ہے؟"

"آپ جے جوالا کو ٹیلی فون پر بتائیں کہ آپ کے علم کے مطابق اس کی بیٹی پومی اغوا کرنے والوں کے پاس نہیں رہی اور کہیں دوسری جگہ چلی گئی ہے۔ لہٰذا جے جوالا اب کسی رقم کا انتظام نہ کرے۔"

میری باتیں سن کر ممی وہاں سے اُٹھ گئیں۔ پھر وہ ڈرائنگ روم میں آکر ریسیور اٹھا کر جے جوالا کے نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ یہ باتیں میں براہِ راست جے جوالا کے دماغ تک پہنچا سکتا تھا۔ چونکہ اس سے میرا براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر ممی اپنے علوم کے حوالے سے جے جوالا کو بہت کچھ بتا چکی تھیں اور اسے بڑی سے بڑی رقم صبح تک دینے کا وعدہ کر چکی تھیں اس لئے ممی کا بات کرنا ہی مناسب تھا۔

ممی فون پہ جے جوالا سے کہہ رہی تھیں کہ ان کے علم کے مطابق بچی اب ان بدمعاشوں کے پاس نہیں رہی۔ اس لئے جے جوالا انہیں ایک کوڑی بھی نہ دے۔

جے جوالا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "میڈم مار تھا! آپ کی اطلاعات غلط نہیں ہو سکتیں۔ میں آپ کی صلاحیتوں کو مانتا ہوں لیکن میں کیسے یقین کر لوں کہ میری بیٹی وہاں نہیں ہے؟"

ممی نے کہا۔ "سیدھی سچی بات ہے تم اس اغوا کرنے والے سے کہو کہ وہ ٹیلی فون پر تمہیں پومی کی آواز سنائے۔ اگر پومی تم سے بات کرے گی تو میری بات غلط ہو جائے گی اور اگر اس کی آواز سنائی نہ دے اور اغوا کرنے والا کوئی بہانہ کرے تو سمجھ لینا کہ میری معلومات درست ہیں۔ کیا اس اغوا کرنے والے نے اس دوران تم سے رابطہ قائم کیا تھا؟"

"ہاں! اس نے ٹیلی فون کیا تھا۔ مگر مجھ سے کہہ رہا تھا وہ چوبیس گھنٹے کی مہلت نہیں دے سکتا۔ اگر میں صبح چھ بجے اس کے بتائے ہوئے پتے پر رقم لے کر پہنچ جاؤں تو وہ میری بیٹی واپس کر دے گا۔"

ممی نے کہا۔ "تم وہاں ہرگز نہ جانا۔ وہ لوگ رقم چھین لیں گے اور تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ پومی ان کے پاس نہیں ہے۔ کیا تم اس وقت ان سے رابطہ قائم کر سکتے ہو؟"

"انہوں نے مجھے ایک نمبر دیا ہے کہ اس نمبر پر کسی وقت بھی کال کر سکتا ہوں۔"

"اسی سے اندازہ لگا لو کہ پومی ان کے پاس ہوتی تو کبھی فون کا نمبر نہ دیتے۔ ایسے مجرم اپنا پتہ ٹھکانا نہیں بتاتے۔ اب ان کا مقصد صرف تم سے رقم لینا ہے۔ وہ اسی لئے ایسی چالیں چل رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ ممی کی سوچ نے کہا۔ "یہ تو سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔"

میں نے ممی سے کہا۔ "شاید اس نے ریسیور رکھ دیا ہے۔ اب آپ بھی ریسیور رکھ دیں۔ میں جے جوالا کے پاس جا کر معلوم کر لوں گا۔"

یہ کہہ کر میں جے جوالا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ دوبارہ ریسیور اٹھا کر کچھ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ ڈائلنگ کے بعد کہیں کسی سے رابطہ قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جے جوالا نے اپنا نام اور کام بتایا تب اسے ہولڈ آن کرنے کے لئے کہا گیا۔ وہ اس ہدایت کے مطابق ریسیور پکڑے انتظار کرنے لگا۔

ذرا دیر بعد ہی اسے اپنی مطلوبہ آواز سنائی دی۔ دوسری طرف سے وہ اغوا کرنے والا پوچھ رہا تھا۔ "فرمائیے کیا بات ہے؟"

جے جوالا نے کہا۔ "میں نے رقم کا انتظام کر لیا ہے۔ لیکن میں اسی شرط پہ تمہارا مطالبہ پورا کروں گا۔ جب تم ٹیلی فون پہ میری بیٹی کی آواز سناؤ گے؟"

ذرا دیر کے لئے چُپ لگ گئی۔ پھر دوسری طرف سے آواز آئی "یہ کیسا مطالبہ ہے؟ تم میری بتائی ہوئی جگہ پہ پہنچو۔ رقم مجھے دو اور اپنی بیٹی کو لے جاؤ۔"

"نہیں میں نے ایک شرط رکھی ہے۔ وہ شرط پوری کرو اور وہ یہی ہے کہ پہلے میں فون پر اپنی بیٹی کی آواز سنوں گا۔ پھر تمہیں تمہاری

مطلوبہ رقم دوں گا۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو؟ کیا تمہیں اپنی بیٹی کی زندگی عزیز نہیں ہے؟"

"میں اس دنیا میں اپنی بیٹی سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتا۔ وہی ایک لہو کا رشتہ باقی رہ گیا ہے لیکن میری یہ شرط قائم رہے گی۔"

"مسٹر جے جوالا تم میری مجبوریوں کو نہیں سمجھتے ہو۔ اس وقت جہاں سے میں فون پر گفتگو کر رہا ہوں وہاں پومی نہیں ہے۔ پومی کو میں نے دوسری جگہ رکھا ہے۔ یہاں ٹیلی فون پر میں اس کی آواز نہیں سنا سکتا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں یہاں ٹیلی فون کے پاس بیٹھ کر انتظار کرتا رہوں گا۔ پومی جہاں بھی ہے تم وہاں سے فون پر اس کی آواز سناؤ۔"

"مسٹر جے جوالا! تمہاری ضد تمہیں بہت نقصان پہنچائے گی۔ میں کہتا ہوں میری ہدایت کے مطابق رقم لے کر وہاں پہنچو اور بیٹی کو لے جاؤ... تین تک گنتا ہوں اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں ریسیور رکھ دوں گا۔ تمہاری بیٹی تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر گننے لگا۔ جے جوالا تذبذب میں تھا کہ مادام مارتھا کا علم درست ہے یا وہ اغوا کرنے والا واقعی پومی کو اپنے قبضے میں کئے ہوئے ہے اور اسے ہلاک کر دے گا۔ میں اس کے دماغ میں بیٹھا اس کی سوچ میں یقین دلانے لگا کہ اسے دل کمزور نہیں کرنا چاہئے۔ پومی اس بدمعاش کے پاس نہیں ہے۔ وہ محض دھمکیاں دے رہا ہے۔ گننے والے نے ایک کے بعد دو تک گنتی کی تھی۔ اس کے تین کہنے سے پہلے ہی میں نے جے جوالا کے ہاتھ سے ریسیور کریڈل پر رکھوا دیا۔

جے جوالا نے اچانک ہی پریشان ہو کر سوچا۔ یہ میں نے کیا کیا۔ میں نے ریسیور کیوں رکھ دیا؟ اس نے تو ابھی تک گنتی پوری نہیں کی تھی۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ میں نے ٹھیک ہی کیا، مجھے اس کی گنتی کو نہیں سننا چاہئے تھا۔ اور میں سن کر کرتا بھی کیا میں نے پوری رقم کا انتظام نہیں کیا ہے۔ میں اس سے جھوٹ بول رہا تھا۔ اگر میں اس کی گنتی سن بھی لیتا اور اس کی بات مان کر وہاں پہنچ جاتا، تب بھی وہ میری بیٹی کو واپس نہ کرتا۔ پہلے وہ بریف کیس کھول کر رقم گنتا اور رقم نہ پا کر میرے سامنے ہی میری بیٹی کو ہلاک کر دیتا۔ ویسے بھی میں پومی کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر گر پڑا اور پھر خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے لگا کہ اسے اب مارتھا کے علم پر بھروسا کرنا چاہئے وہ درست کہہ رہی ہوگی۔ پومی یقیناً ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن وہ کہاں ہے؟

وہ سوچنے لگا کہ اس نے ڈیڑھ لاکھ ڈالر پومی کو حاصل کرنے کے لئے جمع کئے ہیں۔ وہ اتنی بڑی رقم ضائع نہیں کرے گا لیکن ممی کے پاس جا کر اپنے آپ کو یقین دلائے گا کہ ممی کا علم درست ہے اور پومی اب خطرے سے باہر ہے اور اسے بہت جلد مل جائے گی۔

یہ سوچ کر وہ صوفے سے اٹھا اور ریسیور اٹھا کر ممی کا فون نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں نے ممی سے کہا: "اٹھ جایئے اور ڈرائنگ روم میں جا کر فون ریسیو کیجئے۔ جے جوالا آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

ممی نے کمرے سے نکلتے ہوئے پوچھا: "وہ مجھ سے کیا باتیں کرے گا؟ مجھے کیا کہنا چاہئے؟"

"آپ ریسیور اٹھا کر اس کی باتیں سنیں آپ جو کچھ بھی کہیں گی۔ وہ میری سوچ کے مطابق ہوگا۔"

ممی نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر ریسیور اٹھایا تو جے جوالا نے کہا: "مادام مارتھا! میں اتنی رات کو فون کرنے پر معذرت چاہتا ہوں لیکن میں بہت پریشان تھا۔ آپ کہتی ہیں کہ میری بیٹی ان بدمعاشوں کے پاس نہیں ہے۔ پلیز کسی طرح یہ ثبوت دیجئے کہ آپ اپنے علم کے مطابق درست کہہ رہی ہیں۔ آپ ایسی معلومات کے سلسلے میں جتنی رقم کا مطالبہ کریں گی میں ادا کر دوں گا۔"

ممی نے میری سوچ کے مطابق جواب دیا: "میں یقیناً ثابت کر دوں گی لیکن پومی اس وقت ایسی جگہ ہے جہاں کے لوگ مقامی زبان بولتے ہیں اور وہ جگہ سمندر کے قریب ہے۔ جب پومی نیند سے بیدار ہوگی تو میں اپنے علم کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"آپ کیا کہہ رہی ہیں مادام؟ کیا میری بیٹی سمندر کے ساحل تک پہنچی ہوئی ہے۔ آخر وہ کونسی جگہ ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتی ورنہ تمہیں بتا دیتی۔ صبح تک انتظار کرو۔ شاید میرا علم مجھے اس قابل بنا دے کہ میں اپنی سچائی تم پر ثابت کر سکوں اور یاد رکھو کہ جو رقم تم نے ان بدمعاشوں کو دینے کے لئے رکھی ہے وہ تم مجھے لا کر دو گے۔ تمہاری آمدنی ناجائز ہے۔ تم دوسروں کو بلیک میل کر کے دولت حاصل کرتے ہو۔ وہ دولت میرے پاس آئے گی تو میں اسے ضرورت مندوں کے لئے خرچ کروں گی۔ بولو منظور ہے؟"

جے جوالا نے منظور کر لیا۔ ممی نے اس سے کہا کہ اب وہ دن کے گیارہ بجے فون کرے اس سے پہلے ممی اسے کچھ نہیں بتا سکیں گی۔ اس گفتگو کے بعد رابطہ ختم ہو گیا۔ ممی نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے ان سے کہا: "اب آپ جا کر آرام کریں۔ میرا خیال ہے اب آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔"

وہ مسکرا کر بولیں: "بیٹے! تم نئی نئی مصیبتیں پالتے ہو۔ تم نے کیسے کہہ دیا کہ ہم آرام سے سو جائیں گے۔ میرا خیال ہے وہ آشا بیلا ابھی رہ گئی ہے۔ وہ یقیناً تمہیں پریشان کرے گی اور تمہیں پریشان کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں آئے گی، ٹیلی فون کرے گی، جو کچھ بھی ہو ہم دونوں ابھی اس کوٹھی میں آرام سے نہیں رہ سکتے۔"

ان کی بات ختم ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ آشا بیلا کی آواز سنائی دے رہی تھی: "ہیلو، ہیلو مادام مارتھا! میں آشا بول رہی ہوں۔ پلیز آپ طارق سے کہیں کہ مجھ سے دو باتیں کر لے۔"

ممی نے میری سوچ کے مطابق کہا: "طارق تو یہاں نہیں ہے، وہ پومی کی تلاش میں گیا ہے۔"

"پومی کی تلاش میں؟" آشا بیلا نے حیرانی سے پوچھا۔ "وہ پومی کی تلاش میں کیوں گئے ہیں؟ انہیں پومی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

ممی نے جواب دیا: "طارق کو تم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ کچھ روز پہلے تم اپنا گھر، اپنے رشتے دار حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی بھولی ہوئی تھیں۔ تمہیں تمہاری منزل تک پہنچانے والا طارق ہے اسے بھلا تم سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اس نے تمہیں پہنچا دیا... اسی طرح اب وہ پومی کو تلاش کر رہا ہے۔"

آشا بیلا نے ذرا فخریہ انداز میں کہا: "میری بات اور ہے میری مثال دوسروں سے نہیں ملتی۔ میں حسین ہوں، جوان ہوں، لوگ میرے لئے جان کی بازی لگا سکتے ہیں۔"

"بے شک تم حسین ہو اور جوان ہو، مگر یہ غرور اپنی حد تک رکھو۔ یہ نہ بھولو کہ طارق مرد ہے اور مرد ہر حسین عورت کا غرور توڑ دیا کرتے ہیں۔ جہاں تک تمہارے اس سوال کا تعلق ہے کہ تمہاری بات اور ہے پومی کی بات اور، تو یہ باتیں مختلف نہیں ہیں۔ یہ محض انسانی ہمدردی ہے۔ اس نے پہلے تم سے ہمدردی کی تھی اور اب پومی سے کر رہا ہے۔"

آشا بیلا نے کہا: "میں آخر طارق کو کہاں تلاش کروں؟ وہ آپ کو کچھ تو بتا کر گئے ہوں گے۔"

"طارق نے مجھے صرف پومی کی تلاش کے متعلق بتایا ہے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر جانتی بھی تو تمہیں نہیں بتاتی۔ جانتی ہو کیوں؟"

آشا بیلا نے پوچھا: "کیوں؟"

"اس لئے کہ میرا علم کہہ رہا ہے اب تم طارق سے نہیں مل سکو گی۔ تمہارے اور طارق کے درمیان فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ کوئی اتفاقی صورت بن آئے تو میں نہیں کہہ سکتی۔ ورنہ حالات اب ایسے ہیں کہ تم دونوں اب کبھی نہیں مل سکو گے۔"

آشا بیلا نے فون پر چیخ کر کہا: "تم جھوٹ کہتی ہو۔ بکواس کرتی ہو۔ طارق مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے ہیں۔ وہ شہر میں موجود ہیں اور میں ان سے مل کر رہوں گی۔ تمہارا علم جھوٹا ہے۔"

یہ کہتے ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یقیناً اس نے جھنجلا کر ریسیور رکھ دیا ہوگا۔ ممی نے مجھ سے پوچھا: "کیوں بیٹے! یہ تم نے میری زبان سے کیا کہلوا دیا؟"

میں نے کہا: "ممی! میں نے غلط نہیں کہلوایا ہے۔ میں نے آپ کی سوچ پڑھ لی تھی اور مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ میرے اور آشا بیلا کے درمیان فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں اور ہم شاید ہی کبھی مل سکیں اتفاقاً کوئی صورت نکل آئے تو دوسری بات ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

وہ مسکرا کر بولیں: "ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اب کیا ارادہ ہے؟"

"اب سونے کا ارادہ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ بھی سو جائیں۔ بہت رات ہو چکی ہے۔ اچھا خدا حافظ!"

یہ کہہ کر میں دماغی طور پر اپنے بیڈ روم میں حاضر ہو گیا۔ سامی میرے پاس بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں اسے سہلانے لگا۔ وہ "میاؤں" کہہ کر ذرا اوپر اٹھی اور میرے بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ صبح چھ بجے تک سوتا رہوں گا اور کسی غیر متوقع آہٹ یا کسی کی آمد پر میری آنکھ کھل جائے گی۔ یہ ہدایت دینے کے بعد میں نے آنکھیں بند کیں اور گہری نیند سو گیا۔

مجھے صبح چھ بجے بیدار ہونا تھا۔ لیکن وہ آشا بیلا پانچ بجے ہی ممی کے دروازے پر پہنچ گئی۔ کیونکہ دربان اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس لئے اس نے راستہ نہیں روکا۔ احاطے کے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی لیکن کوٹھی کا بیرونی دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے کال بیل کے ذریعے ممی کو بیدار کیا۔

ممی خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئیں۔ دروازہ کھولنے سے پہلے انہوں نے بلند آواز میں پوچھا: "کون ہے؟ چوکیدار کیا تم ہو؟"

باہر سے آشا بیلا کی آواز سنائی دی: "چوکیدار نہیں، میں ہوں ممی دروازہ کھولئے۔ میں طارق سے ملنے آئی ہوں۔"

ممی ایک لمحے کے لئے چپ رہیں۔ پھر انہوں نے بہانہ بنایا۔ "ذرا انتظار کرو، میں لباس پہن کر آ رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ میرے کمرے کی طرف بڑھنے لگیں۔ آشا بیلا باہر سے چیخ رہی تھی: "آپ عورت ہیں، میں بھی عورت ہوں۔ میرے سامنے اس عمر میں کیا شرما رہی ہیں۔ لباس بعد میں بدل لیجئے گا... دروازہ کھولئے۔"

لیکن ممی نے آ کر میرے دروازے پر دستک دی۔ میں جو چھ بجے اٹھنے والا تھا پانچ ہی بجے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ممی کی آواز سن کر دروازہ کھول دیا۔ ممی نے بتایا کہ آشا بیلا باہر دروازے پر

کھڑی ہوئی ہے۔"

میں نے کچھ سوچ کر کہا: "اچھی بات ہے جب وہ آ ہی گئی ہے تو دروازہ کھول دیجئے۔ وہ یہاں سے ناکام واپس جائے گی۔"

ممی واپس چلی گئیں۔ میں نے اپنی خواب گاہ کی کھڑکی کھولی۔ سامی سے کہا: "دیکھو تم تھوڑی دیر کے لئے باہر چلی جاؤ۔ بہتر ہوگا کہ چھت پر پہنچ کر وہاں بیٹھی رہو۔ لیکن آشا بیلا کو اپنی صورت نہ دکھانا۔ میں اسے دھوکا دے کر یہاں سے بھگانے والا ہوں۔ کیوں سمجھ گئی نا؟"

سامی نے میاؤں کہا۔ پھر بستر سے کود کر فرش پر آئی اور وہاں سے چھلانگ لگا کر کھڑکی کے پاس پہنچ گئی۔ دوسرے لمحے وہ کھڑکی سے باہر جا چکی تھی۔ میں نے کھڑکی کو بند کیا پھر بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ ذرا دیر بعد آشا بیلا میرے بیڈ روم کے دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ میں اسی وقت اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب اس کا دماغ میرے قابو میں تھا۔ وہ جو کچھ بھی دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ میری مرضی کے مطابق اسے نظر آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں وہی باتیں آ رہی تھیں جو میں اسے سمجھانا چاہتا تھا۔

میں یوں سمجھا رہا ہوں کہ آشا بیلا جب میری خواب گاہ کے دروازے پر پہنچی تو وہ آشا بیلا نہیں رہی تھی وہ فرہاد بن گئی تھی۔ کیونکہ جسم کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ جو جسم جیسا دماغ رکھتا ہے ویسے ہی اس کی شخصیت ہوتی ہے۔ چونکہ آشا بیلا کا دماغ میرے قابو میں تھا۔ یا اس کی کھوپڑی میں میرا ذہن سوچ رہا تھا تو وہ میں ہی تھا۔ وہ کمرے کے اندر آ کر چاروں طرف مجھے تلاش کرنے لگی۔ بستر پر بھی مجھے دیکھا حالانکہ میں لیٹا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اسے سمجھنے نہیں دیا کہ میں لیٹا ہوا ہوں۔ کیونکہ میں ہی دیکھ رہا تھا اور میں ہی سوچ رہا تھا۔ وہ وہاں سے مایوس ہو کر دوسرے کمروں میں دیکھنے کے لئے گئی۔ اور پھر ڈرائنگ روم میں ہار پچھتا کر بیٹھ گئی۔

ممی نے پوچھا: "کیا ہوا۔ طارق سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

آشا بیلا نے گھور کر کہا: "آپ نے تو کہا تھا۔ طارق اپنے کمرے میں سو رہے ہیں مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

اس بار میں نے ممی کی سوچ میں کہا۔ ممی اپنی زبان میں کہنے لگیں "مگر میں نے جھوٹ کہا تھا کیونکہ کل رات جب میں نے کہا تھا کہ وہ پومی کی تلاش میں گیا ہے تو تمہیں یقین نہیں آیا اور تم صبح پانچ بجے اس سے ملنے کے لئے پہنچ گئیں۔ اب تم نے خود ہی پورے گھر کی تلاشی لے لی ہے اب تو تمہیں یقین آ جانا چاہئے کہ طارق یہاں سے جا چکا ہے۔ جب تک وہ پومی کو تلاش نہیں کرے گا یہاں واپس نہیں آئے گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک ممی کے ساتھ بحث کرتی رہی پھر مایوس ہو کر وہاں سے چلی گئی۔ میں نے ممی کی سوچ میں کہا: "اب تو میں بیدار ہو ہی گیا ہوں۔ میں غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پومی اور سونیا کی خبر لوں گا۔ اس کے بعد آپ سے ملاقات کروں گا۔"

ممی نے کہا: "بیٹے! مجھے ایک بات بتا دو کہ وہ آشا بیلا تمہارے

کمرے میں پہنچنے کے بعد تمہیں تلاش کیوں نہ کر سکی؟"

"ممی! یہ خیال خوانی کی آنکھ مچولی ہے۔ میں خود اس کے دماغ میں چھپا ہوا تھا۔ وہ جو کچھ بھی دیکھ رہی تھی میری دماغی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور میرے دماغ سے سوچ رہی تھی۔ ایسی حالت میں وہ مجھے سامنے پا کر بھی نہ پا سکی اور ناکام واپس چلی گئی۔"

ممی... میرا جواب سن کر مسکرا دیں پھر خواب گاہ کی طرف چلی گئیں۔ میں بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا اور اس کے پٹ کھول دیئے کہ سامی واپس آ جائے۔ اس کے بعد میں باتھ روم میں چلا گیا۔ غسل وغیرہ کرنے کے دوران میں نے سب سے پہلے پومی کی خبر لی۔

پومی سمندر کے کنارے ٹہل رہی تھی۔ صبح کا وقت تھا۔ مچھیرے اپنی کشتیوں میں بیٹھے سمندر سے ساحل کی طرف واپس آ رہے تھے۔ ان کشتیوں پر بڑے بڑے جال تھے۔ جن میں مچھلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ساحل پر بہت سے ٹرک دور دور تک کھڑے ہوئے تھے اور جو کشتیاں ساحل پر پہنچ گئی تھیں ان میں مچھلیاں دیکھنے کے بعد ان کی بولی دی جا رہی تھی اور تاجر انہیں خرید کر ٹرک میں لاد رہے تھے۔

ساحل پر دور تک اچھا خاصا بازار لگا ہوا تھا۔ بڑی بھیڑ تھی۔ لوگوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ کچھ بولیاں دے رہے تھے۔ کچھ بولیاں قبول کر رہے تھے۔ پومی کہیں کہیں ٹرک والوں کے پاس جا کر رک جاتی تھی۔ اور ان سے پوچھتی تھی وہ مچھلیاں لے کر کہاں جائیں گے؟ اسے جواب ملتا تھا پھر وہ مایوس ہو کر آگے بڑھ جاتی تھی۔ ابھی تک اس نے جتنے ٹرک والوں سے پوچھا تھا ان میں سے کوئی رنگون نہیں جا رہا تھا اور وہ رنگون پہنچنے کے لئے کسی ٹرک والے کی مدد حاصل کرنا چاہتی تھی۔ ایک ٹرک والے نے اس سے پوچھا: "تم ہم سے یہ کیوں پوچھتی ہو؟ تم یہ بتاؤ، کہاں جانا چاہتی ہو؟"

پومی نے جواب دیا: "میں رنگون جانا چاہتی ہوں۔"

ٹرک والے نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا: "تم اس علاقے کی معلوم نہیں ہوتیں۔ کہاں سے آئی ہو؟ اور یہاں کیسے پہنچ گئیں؟ کیا تمہارے ماں باپ نہیں ہیں؟"

"ہیں، مگر رنگون شہر سے چند بدمعاشوں نے مجھے اغوا کیا تھا اور وہ مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے میں اپنی جان بچا کر یہاں آئی ہوں۔"

ٹرک والے نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی سی لڑکی بدمعاشوں کے چنگل سے نکل آئے گی۔ اور رنگون شہر سے اتنی دور ساحل پر پہنچ جائے گی۔ وہ مقامی زبان میں پومی سے باتیں کر رہا تھا اور پومی اتنی ذہین تھی کہ اس کی آنکھوں سے اس کی بے یقینی سمجھ رہی تھی۔ وہ بولی: "کیا تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں آ رہا ہے؟"

اس نے پوچھا: "تمہاری عمر کیا ہے؟"

"میں پورے بارہ برس کی ہوں۔"

ٹرک والے نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے پومی کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا: "ہوں، بارہ برس کی ہو۔ تین چار برس میں جوان ہو جاؤ گی۔"

"تمہیں میری عمر سے کیا لینا ہے؟"

وہ بھدے پن سے ہنستے ہوئے بولا: "لڑکیوں کے پاس ایک عمر ہی تو ہوتی ہے جس کا حساب مرد کرتے ہیں۔ میں حساب کر رہا ہوں کہ تمہیں جوانی تک پہنچانے کے لئے کتنا وقت لگے گا۔ میرے پیسے کتنی رقم خرچ ہوگی؟"

پومی نے سر ہلا کر کہا: "اوہ اچھا تم اپنی بیٹی کا بھی ایسے ہی حساب کرتے ہو؟"

وہ ایک دم سے تلملا گیا۔ غصے سے بولا: "بکواس مت کرو، ورنہ ابھی تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

پومی ذرا پیچھے ہٹتے ہوئے ریت پر ڈگمگاتے ہوئے بولی: "بیٹی کا نام سن کر تجھے غصہ کیوں آ گیا؟ کیا میں تیری بیٹی کے برابر نہیں ہوں۔ عجیب بات ہے کہ تیری آنکھوں کو... دوسری لڑکیاں صرف عیاشی کے لئے نظر آتی ہیں اور اپنی بیٹی بڑی عزت دار لگتی ہے۔ کمینے بدمعاش تو مجھے کمزور نہ سمجھنا۔ میں تیری مونچھیں اکھاڑ کر پھینک دوں گی۔"

اس نے ایک گندی گالی دیتے ہوئے کہا: "اب تو میں تجھے....."

اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ اچانک ہی پومی نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک فلائنگ کک ماری اور وہاں سے الٹ کر ریت پر گری۔ دوسرے ہی لمحے وہ وہاں سے اچھل کر دونوں پیروں پر تن کر کھڑی ہو گئی۔ دوسری طرف وہ ڈرائیور لڑکھڑاتا ہوا ٹرک سے جا کر لگ گیا تھا۔ اس کی ناک سے خون کی پتلی سی دھار بہتی ہوئی مونچھوں پر پھیل رہی تھی۔ وہ غصے اور حیرانی سے پومی کو دیکھ رہا تھا۔

ہاں حیرانی کی بات تو تھی۔ کیونکہ وہ چہرے سے بالکل معصوم اور ننھی سی بچی لگتی تھی۔ لیکن قد میں اس ڈرائیور کے برابر تھی یعنی وہ تقریباً پانچ فٹ کی تھی۔ صحت بھی اچھی خاصی تھی۔ بس حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے ذرا سہارے کی ضرورت تھی اور اسے میری ٹیلی پیتھی سہارا دے رہی تھی۔ وہ ابھی جو کارنامہ انجام دے چکی تھی اس کی وجہ صرف میری خیال خوانی تھی کہ میں اس کے دماغ میں موجود تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ میں نے ہی چھلانگ لگا کر اس کی ناک پر فلائنگ کک ماری تھی۔ اسے اس حال کو پہنچایا تھا۔ پومی کا جسم محض میری خیال خوانی کا آلۂ کار تھا۔

پومی کی اس حرکت کو دیکھتے ہی آس پاس کے لوگ ذرا دور بھاگنے لگے۔ ان کے بھاگنے کی وجہ یہ تھی... کہ وہ پومی سے دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ اس ڈرائیور سے خوف زدہ تھے۔ وہ ڈرائیور

اس ساحلی مچھلی بازار کا بہت ہی خطرناک غنڈہ سمجھا جاتا تھا۔ جب وہ ٹرک لے کر وہاں پہنچتا تھا تو جتنے کاروباری نیلام کی بولیاں دیتے تھے وہ اسے غنڈہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔ اسی طرح مچھلیاں پکڑنے والے جب اپنی کشتیوں پر مچھلیاں لاتے اور ساحل پر پہنچتے تو اسے اپنی کمائی کے سکوں میں سے کچھ نکال کر دینا پڑتا تھا۔

وہ اب غرا کر پومی کو دیکھ رہا تھا۔ دور دور تک لوگ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ پھر اس نے اپنی ناک کے نیچے مونچھوں پر سے لہو پونچھتے ہوئے کہا: "لڑکی! اسی ریت میں تو دفن ہو جائے گی۔ آج تک مجھ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکا اور تو نے مجھے لات ماری ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔ ایک فلائنگ کک مارنے کے لئے چھلانگ لگائی لیکن وہ محض غنڈہ تھا اور جیسا کہ لوگ کہتے ہیں، وہ قاتل بھی تھا لیکن غنڈہ اور قاتل ہونا اور بات ہے۔ جوڈو کراٹے اور فلائنگ جاننا اور بات ہے۔ وہ ہوا میں کک مارنے کے لئے پرواز نہ کر سکا۔ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گر پڑا۔ پومی منہ پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے ہنسنے لگی۔

چار خطرناک قسم کے غنڈے چاروں طرف سے پومی کی طرف بڑھنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "لڑکی! تو ہمارے استاد کا مذاق اڑا رہی ہے ہم تجھے یہاں زندہ گاڑ دیں گے۔"

ڈرائیور استاد نے ریت پر سے اٹھتے ہوئے کہا: "نہیں۔ رک جاؤ۔ اس لڑکی کا گلا میں گھونٹنا چاہتا ہوں۔ کوئی اس کے قریب نہ آئے۔"

اس کا حکم سنتے ہی قریب آنے والے پیچھے چلے گئے۔ وہ ڈرائیور آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا پومی کے قریب پہنچنے لگا۔ قریب پہنچتے ہی اس نے ایک مکا پومی کے منہ پر رسید کرنا چاہا لیکن پومی اچانک بیٹھ کر اٹھ گئی۔ اس کا مکا ہوا میں لہرا کر رہ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسرے مکے کے لئے سوچتا پومی نے ایک گھونسہ اس کی پسلی میں رسید کیا۔ گھونسہ اس کی عمر کے مطابق تھا لیکن میری ذہنی طاقت اور قوت ارادی بھی گھونسے میں شامل تھی۔ اس گھونسے میں خیال خوانی کا زور تھا۔ وہ گھونسا اس کی پسلی میں لگا تو وہ کراہ کر سنبھل گیا۔ دوسرا گھونسا پھر اس کی ناک پر پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ پھر اس کی ناک سے لہو بہنے لگا۔

وہاں دور دور تک کھڑی ہوئی مقامی عورتیں ہائے کہہ کر رہ گئی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے مرد اور بچے بھی حیرانی کے ساتھ پومی کو دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کے دلوں سے یہ دعائیں نکل رہی ہوں گی کہ وہ کمسن لڑکی اس غنڈے پر غلبہ پا لے اور ان کی دعاؤں کا اثر ہو رہا تھا۔ وہ غنڈہ ڈرائیور جب دوسری بار اپنی ناک پر ہاتھ رکھنے کے بعد اسے ہٹا کر دیکھنے لگا۔ تب اسے پتہ چلا کہ پومی محض ایک بچی

نہیں ہے۔ لہو اچھالنے والی کوئی چڑیل ہے۔ اپنے اندر کوئی پُراسرار طاقت رکھتی ہے۔ اس نے فوراً اپنی جیب میں سے چاقو نکال کر کھول لیا۔

اس بار پھر کچھ عورتوں نے ہائے کی، کچھ چیخنے لگیں۔ کیونکہ اب پومی کی موت نظر آ رہی تھی۔ پومی لڑنے کا فن نہیں جانتی تھی لیکن ایک منجھے ہوئے فائٹر کی طرح پینترے بدل رہی تھی۔ وہ بدمعاش اپنے ہاتھ میں اِدھر سے اُدھر چاقو لہرا رہا تھا۔ چاقو کو جیسے تول رہا تھا۔ پومی کا نشانہ تاک رہا تھا۔ پھر یک بارگی وہ چیختا ہوا گرجتا ہوا .... اور چاقو کی نوک سے اس کا نشانہ لیتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے قریب آیا لیکن پومی ریت پہ گری اور اس کی ٹانگوں کے درمیان سے نکلتی ہوئی اس کے پیچھے چلی گئی۔ وہ اپنے آگے بڑھنے کے جھونکے میں اوندھے منہ ریت پر گر پڑا تھا۔ چاقو ریت کے اندر دھنس گیا تھا۔

یہ خونی ڈرامہ پومی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ میں اس بدمعاش کے دماغ کے اندر بیٹھ کر اس کے حملے کرنے کے انداز کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اب تک جو کچھ بھی ہو رہا تھا، میں پومی کے دماغ میں بیٹھ کر ہی کر رہا تھا اور اس کے حملہ کرنے کے انداز کو دیکھتے ہوئے پومی کی حفاظت کر رہا تھا اور جوابی حملہ پیش کر رہا تھا۔ اس بار پومی نے چھلانگ لگا کر اس کی گردن میں اپنے دونوں پاؤں جما دیئے وہ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ اس کی گردن پہ کھڑی ہوئی۔ پھر ریت پہ پہنچ گئی۔ اس کا وزن اور اس کا اچانک حملہ ایسا تھا کہ ڈرائیور کے ہاتھ چاقو پہ ڈھیلے پڑ گئے۔ پومی نے وہاں ریت پر اس کی کلائی پہ دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس کے چاقو کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر اس کے سامنے کھڑے ہو کر بولی "اٹھو، اب تمہاری موت میرے ہاتھ میں ہے۔"

وہ بڑی پھرتی سے اٹھنے لگا۔ اٹھنے کے دوران چاقو کی نوک اس کے گال پر اور اس کی ناک پہ لہو کی لکیر کھینچتے ہوئے گزر گئی۔ وہ پھر لوکھلا کر ریت پہ بیٹھ گیا۔ پومی نے اس کے پیچھے آ کر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا اور چاقو کی نوک اس کی گردن پہ رکھتے ہوئے حکم دیا "اپنے آدمیوں سے کہو وہ ہم سے دُور رہیں۔ جلدی بولو، وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

ڈرائیور نے چیختے ہوئے کہا "دُور رہو جاؤ۔ سب دُور چلے جاؤ کوئی ہمارے قریب نہ آئے ورنہ یہ لڑکی مجھے مار ڈالے گی۔"

اس کے حکم کے مطابق قریب آنے والے پیچھے ہٹنے لگے۔ دُور جانے لگے۔ اب چاروں طرف مکھیوں جیسی زور کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ دُور دُور تک کھڑے ہوئے لوگ آپس میں کچھ نہ کچھ بول رہے تھے اور پومی کو بڑی حیرت اور مسرت سے دیکھ رہے تھے۔

پومی نے اس کے بالوں کو مٹھی میں اور بھی سختی سے جکڑتے ہوئے اور چاقو کی نوک اس کی گردن میں چبھوتے ہوئے کہا "اب خاموشی سے اٹھو اور اپنے ٹرک کے اسٹیئرنگ سیٹ پہ بیٹھ جاؤ۔ پہلے یہ بتاؤ تمہارے پاس گاڑی کی چابی ہے یا نہیں؟"

"ہے، میری جیب میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" پومی نے کہا "چابی نکالو اور میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرو۔"

یہ کہہ کر پومی ذرا پیچھے ہٹی۔ اس بار ڈرائیور نے گھوم کر بڑی پھرتی سے ایک ہاتھ پومی کے رسید کیا۔ میں اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ ہاتھ پومی کے کولھے پر لگا اور وہ لڑکھڑا کر ذرا دُور گئی۔ اتنی دیر میں میں نے اسے سنبھال لیا۔ وہ اس حملے کے بعد پلٹ کر دوسرا حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن پومی کا چاقو والا ہاتھ گھوم گیا۔ اس بار چاقو کی نوک اس کے سینے پر قمیص کو چیرتی ہوئی اور لہو کو اچھالتی ہوئی گزر گئی۔ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ پومی نے پھر چیخ کر کہا "دیکھو تمہارے آدمی آ رہے ہیں۔ اس بار میں تمہیں چھوٹ نہیں دوں گی۔"

اس نے ایک ہاتھ کو سینے پر رکھتے ہوئے دوسرے کو اٹھاتے ہوئے چیخ کر کہا "میں منع کر رہا ہوں۔ حکم دے رہا ہوں۔ کوئی قریب نہ آئے۔ لا۔ چلے جاؤ۔"

پھر ایک بار قریب آنے والے دُور جانے لگے۔ پومی نے کہا "دیر نہ کرو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے اپنی جان سے جاؤ گے۔"

وہ پومی کے آگے آگے چلنے لگا۔ شاید اسے اب عقل آ گئی تھی کہ اس کی کوئی چالاکی یا اچانک جوابی حملہ کارگر نہ ہوگا۔ اس نے ٹرک کے پاس پہنچ کر دروازے کو کھولا اور پھر اس میں بیٹھنے لگا پومی نے کہا "تیزی نہ دکھاؤ۔ آہستہ آہستہ اوپر چڑھو۔ میں بھی پیچھے آ رہی ہوں۔ پہلے اس سیٹ پر بیٹھ کر اسٹیئرنگ تک کھسکنا۔ میں تمہارے پاس بیٹھوں گی۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ ویسے ہی سہولت کے ساتھ دروازہ کھولا کر وہ اوپر چڑھا۔ پومی اس کے پیچھے گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ پومی کا چاقو والا ہاتھ اس کی گردن کی طرف تھا۔ اس وقت تک اس ڈرائیور کی حمایت کرنے والے ٹرک کے سامنے ذرا فاصلے پہ آ کر کھڑے ہو گئے تھے اور چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ اس لڑکی کو روکنا چاہتے ہیں۔

لیکن وہ غنڈہ ڈرائیور اب بُری طرح سہم گیا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ مزید چاقو کے زخم اس کے جسم پر لگیں۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اور ڈانٹ کر کہا "دُور ہو جاؤ۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں گاڑی اسٹارٹ کر رہا ہوں۔"

پومی نے کہا "دیکھو، گاڑی سہولت سے اسٹارٹ کرو۔ اگر تم نے جھٹکے دیئے یا مجھے گرانے کی کوشش کی تو میں گرنے سے پہلے یہ چاقو تمہارے سینے میں یا جسم کے کسی بھی حصے میں اتار دوں گی۔"

ڈرائیور نے پھر اس کے حکم کے مطابق عمل کیا۔ گاڑی کو سہولت سے اسٹارٹ کرتے ہوئے آگے بڑھایا۔ دُور کھڑے ہوئے حمایتی اِدھر اُدھر ہٹنے لگے۔ گاڑی ریت پر آگے بڑھتی ہوئی پختہ سڑک کی طرف جانے لگی۔ پومی نے کہا "اسے اس طرف موڑ دو جدھر یہ سڑک کسی شہر کی طرف جاتی ہے۔"

ڈرائیور نے پختہ سڑک پہ گاڑی کو دائیں طرف موڑ دیا۔ پومی کھڑکی سے دُور دیکھ رہی تھی۔ ساحل پر کھڑے ہوئے اس کے حمائتی بدمعاش گاڑی کی طرف آ رہے تھے۔ پومی نے کہا "اب رفتار ذرا بڑھاؤ مگر سہولت کے ساتھ ......"

چاقو کی نوک بری طرح ڈرائیور کی پسلی میں چبھ رہی تھی۔ اس نے سہولت سے رفتار بڑھائی۔ کچھ دُور جانے کے بعد پومی نے کہا "اب گاڑی روکو اور فوراً ہی اس کا دروازہ کھول کر باہر بھاگ جاؤ۔"

گاڑی روک دی گئی۔ ڈرائیور نے اپنے پاس والا دروازہ کھولا اور وہاں سے باہر نکل گیا۔ پومی نے اس کی جگہ پر بیٹھ کر دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور پھر اس کی رفتار بڑھاتے ہوئے وہاں سے چل پڑی۔ میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر اس بات کو سمجھ رہا تھا کہ وہ ڈرائیونگ نہیں جانتی ہے لیکن اس نے اپنے ممی اور ڈیڈی کو بارہا ڈرائیو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر یہ کہ اس وقت وہ ڈرائیو نہیں کر رہی تھی۔ اس کے دماغ میں بیٹھ کر میں اس گاڑی کو چلا رہا تھا اور وہ اس کی رفتار بڑھاتی جا رہی تھی۔

میں چاہتا تھا کہ وہ جن حالات سے گزر رہی ہے ان حالات میں کچھ نہ کچھ سیکھتی بھی رہے۔ اسی وجہ سے میں اس کے دماغ کو سمجھانے لگا کہ کس طرح ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ کر اپنی توجہ ڈرائیونگ کی طرف مرکوز کر دینا چاہئے۔ کس طرح پاؤں بریک اور ایکسیلیٹر پر رہتے ہیں اور کس طرح گیئر بدلا جاتا ہے۔ کس طرح سائیڈ کا خیال رکھا جاتا ہے اور پھر کس طرح عقب نما آئینے میں بھی دیکھتے رہنا چاہئے۔ بہت سی باتیں ایک ہی وقت انسان کے دماغ میں رہتی ہیں۔ بظاہر یہ مشکل کام نظر آتا ہے لیکن یہ مشکل مشق کے بعد آسان ہو جاتی ہے۔

کبھی کبھی میں اس کے ذہن میں بیٹھ کر اس کے ذہن کو آزاد چھوڑ دیتا تھا تو وہ بدحواس ہو کر سوچتی تھی کہ میں کیسے ڈرائیو کر رہی ہوں؟ ہاں! مگر یہ سب میرے حوصلے کی وجہ سے ہے۔ بغیر سوچے سمجھے میں نے یہ کام شروع کر دیا اور بڑے مزے میں گاڑی دوڑاتی جا رہی ہوں۔

میں اس کی سوچ میں بتا رہا تھا کہ کس طرح گیئر بدلنا چاہئے۔ کس طرح رفتار کا خیال رکھنا چاہئے۔ وہ سمجھتی جا رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ اسٹیئرنگ کو پکڑے ہوئے کنٹرول کر رہی تھی۔ آدھ گھنٹے بعد اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ دو ٹرک دُور بہت دُور آگے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ وہ تیز رفتار تھے۔ یہ دیکھتے ہی میں پومی کے دماغ میں جم کر بیٹھ گیا۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر جم گئی۔ پھر میں نے اپنے طور پر ڈرائیونگ شروع کی۔ اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

میں مسلسل دو گھنٹے تک تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا رہا۔ دو گھنٹے کے بعد میرا گزر یعنی کہ پومی کا گزر ایک بستی سے ہوا۔ اس بستی کے لوگ غریب نظر آئے۔ وہاں کوئی ایسا پختہ مکان یا کوئی ایسا شہ زور آدمی نظر نہیں آیا۔ جو بدمعاشوں سے مقابلے کرنے میں پومی کا ساتھ دیتا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ رُکے بغیر آگے بڑھتے رہنا چاہئے۔ بستی سے گزرنے کے بعد آگے ایک پٹرول پمپ نظر آیا۔ جہاں ایک شخص ہاتھ میں پٹرول کا ٹین لئے سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ اور ہاتھ کے اشارے سے لفٹ مانگ رہا تھا۔ پومی نے گاڑی روک دی۔ وہ گاڑی کے قریب آ کر بولا "کیا مجھے لفٹ مل سکتی ہے؟ یہاں سے ایک میل کے فاصلے پہ میری گاڑی کھڑی ہے۔ گاڑی کا پٹرول ختم ہو چکا تھا۔ میں یہاں پیدل چلتا ہوا پٹرول لینے آیا۔ اب واپس جانے کا مسئلہ ہے۔"

پومی نے کہا "آؤ جلدی سے بیٹھ جاؤ۔ کچھ بدمعاش میرا تعاقب کر رہے ہیں۔"

وہ دوڑتا ہوا گاڑی کے دوسری طرف آیا۔ پھر دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا "تعجب ہے کہ بدمعاش تمہارا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟ تم کہاں سے آ رہی ہو؟ کیا بالکل اکیلی ہو؟"

اس وقت تک پومی نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ میرے اشارے کے مطابق ڈرائیو کرتی جا رہی تھی "ہاں۔ میں بالکل اکیلی ہوں اور بدمعاشوں سے پیچھا چھڑا کر بھاگ رہی ہوں۔ مجھے رنگون جانا ہے۔"

"رنگون؟ وہ تو بہت دُور ہے اور تم اس کے مخالف سمت اکیرب کی طرف جا رہی ہو۔ یعنی تم نے شہر مولمین کا بھی راستہ چھوڑ دیا ہے۔"

"اب یہ راستہ کہیں بھی جائے میں جاتی رہوں گی۔ پیچھے مڑ کر دیکھوں گی تو میری جان کے دشمن نظر آئیں گے۔ میں واپس نہیں جا سکتی۔"

وہ تیزی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ گاڑی کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اس آدمی نے کہا "یہی میری گاڑی ہے۔ یہیں روک دو۔ اور دشمنوں کی فکر نہ کرو۔ میں تھوڑا سا پٹرول ڈالتا ہوں۔ پھر فوراً ہی ہم اس کار میں چلیں گے۔ اس وقت تک تم یوں کرو اس گاڑی کو موڑ کر سڑک پہ آڑی کھڑی کر دو تاکہ تعاقب کرنے والوں کو اپنی گاڑیاں گزارنے کا موقع نہ ملے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی گاڑی میں پٹرول ڈالنے چلا گیا۔ میں نے پومی کے دماغ میں بیٹھ کر وہی کیا جو اس نے مشورہ دیا تھا۔ مشورہ بہت ہی اچھا تھا مگر نامکمل تھا۔ میں نے یوں کیا کہ پومی نے گاڑی سے پیچ کس اور ہتھوڑی نکال کر پٹرول کی ٹنکی میں سوراخ کر دیا۔ پٹرول بہنے لگا۔ وہ اس اجنبی کے پاس گئی اور اس سے پوچھا "کیا ہوا کتنی دیر ہے وہ لوگ آنے ہی والے ہیں۔"

اس نے گاڑی کے بونٹ کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے کہا۔" میں تیار ہوں۔ چلو بیٹھ جاؤ۔"

پومی نے کہا۔" ایسے نہیں۔ میں نے پٹرول کی ٹنکی میں سوراخ کر دیا ہے تم ذرا وہاں ماچس کی جلتی تیلی پھینک کر آ جاؤ۔ میں اسٹیئرنگ پر بیٹھتی ہوں۔"

اس نے کہا۔" نہیں گاڑی کو میں ڈرائیو کروں گا اور بڑے مزے میں ڈرائیو کروں گا۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جیب سے ماچس نکالتا ہوا ٹرک کی طرف گیا۔ اتنی دیر میں پومی اس کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو ٹینک اس ٹرک سے شعلے اٹھنے لگے تھے۔ وہاں آگ لگ گئی تھی۔ وہ شخص دوڑتا ہوا اسٹیئرنگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے اسے ڈرائیو کرتا ہوا۔۔۔ دور بھگاتا چلا گیا۔ بہت دور جانے کے بعد ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ شاید اس ٹرک کے چیتھڑے اڑ رہے تھے۔ اس کے اجنبی ساتھی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "اب دشمنوں کے باپ دادا بھی تمہارے سائے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

افسوس کہ میں اس اجنبی کی زبان بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میں نے سوچا جب وہ کار ڈرائیو کر رہا ہے اور بڑا اسمارٹ لگ رہا ہے تو وہ انگریزی بھی جانتا ہو گا۔ میں نے پومی کی سوچ میں کہا۔" مجھے اس اجنبی سے انگریزی میں بات کرنا چاہئے۔ دیکھوں تو کہ یہ کتنا پڑھا لکھا ہے۔"

پومی نے اس سے انگریزی میں سوال کیا۔ وہ بولا۔" یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں یہ زبان نہیں جانتا، اپنی زبان بولو۔"

میں مایوس ہو گیا۔ میں کسی بھی اجنبی کے رحم و کرم پر اس لڑکی کو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ جس کے پاس بھی وہ جاتی مجھے اس کے دماغ کو پڑھنا ضروری تھا۔ جب تک میں کسی کی ذہنیت کو سمجھ نہ لیتا۔ اس وقت تک پومی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔

بہر حال اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ پیچھا کرنے والے دشمن پیچھے ہی رہ گئے تھے۔ جب تک وہ گاڑی جلتی سلگتی رہتی اس کا ملبہ ہٹایا نہ جاتا۔ وہ اپنی گاڑیاں لے کر آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ مجھے صرف اس بات کا خیال رکھنا تھا کہ اب جس کے ساتھ پومی آگے بڑھ رہی ہے، وہ کون ہے؟ اور کیسا ہے؟

اچانک ہی میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ممی دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔" بیٹے! انتظار کی ایک حد ہوتی ہے میں کب سے اس انتظار میں ہوں کہ تمہاری تپسیا ختم ہو گی تو میں کچھ باتیں کروں گی۔ تمہارے ساتھ ناشتہ کروں گی۔ میں نے تو ابھی ایک پیالی چائے تک نہیں پی ہے۔"

دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ وہاں کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھیں۔ میں نے ممی سے کہا۔" ممی! یہ پومی تو بڑے کارنامے دکھا رہی ہے۔" دشمنوں کے چھکے چھڑا رہی ہے اور یہی بات ہے کہ اس کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ میں اگر اس کا ساتھ چھوڑ دوں تو بے چاری کو زندہ والے جینے نہیں دیں گے۔"

وہ میرے پاس آ کر بستر کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولیں "کیا حال ہے پومی کا؟ وہ خیریت سے تو ہے نا؟"

"ممی آپ میری موجودگی میں اس کی خیریت پوچھ رہی ہیں۔ اگر کچھ ہوتا، اسے کچھ نقصان پہنچتا تو میں آپ کو ضرور بتاتا۔ فی الحال تو وہ محفوظ ہے لیکن میں زیادہ عرصے تک اس کے دماغ سے غیر حاضر رہنا نہیں چاہتا۔ واقعی آپ نے بہت انتظار کیا ہے! ابھی میں باتھ روم سے آتا ہوں۔ آدھے گھنٹے کے بعد ہم ڈائننگ ٹیبل پر ملیں گے۔"

یہ کہتے ہوئے میں وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ کمرے سے جاتے ہوئے بولیں۔" ایک بات کا خیال رکھو، جے جوالا سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ بارہ بجے تک میں اسے پومی کے متعلق بتاؤں گی کہ وہ کہاں ہے؟ اور اسے واپس کرنے کے لئے وہ کس طرف جا سکتا ہے۔"

"جے جوالا کو ابھی یہ بتانا بہت مشکل ہے ۔۔۔ ہاں یاد آیا اس کے ساتھ جو آدمی کار ڈرائیو کر رہا ہے۔ وہ پومی سے کہہ رہا تھا کہ جس سڑک پر وہ سفر کر رہے ہیں وہ سڑک آگے برما کی طرف جاتی ہے۔ شاید اس سے جے جوالا کو کچھ اس راستے کا پتہ مل جائے۔ آپ اسے اتنا تو بتا سکتی ہیں ۔۔۔"

میں باتھ روم میں داخل ہو کر پومی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کار میں ایک اجنبی ہم سفر کے ساتھ کسی طرف چلی جا رہی تھی۔ اس کا ہم سفر وقتاً فوقتاً سڑک سے نظریں ہٹا کر بار بار اس کا جائزہ لیتا تھا۔ آخر اس نے کہا۔" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں بچی سمجھوں یا نوجوان لڑکی۔ تم قد اور جسامت کے لحاظ سے کچھ جوان جوان سی لگتی ہو۔ مگر چہرے پر بلا کی معصومیت اور بچپنا ہے۔ باتیں ایسی کرتی ہو جیسے سو سال کی بوڑھیاں کرتی ہیں۔ تم آخر ہو کیا بلا؟"

وہ آرام سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی۔" سچ پوچھو تو میں خود نہیں جانتی کہ میں کیا تھی؟ اور کیا ہو گئی ہوں؟ آج سے دو روز پہلے میں ایک معصوم بچی تھی۔ اپنے باپ کے لاڈ پیار اور اپنے بھائی کی محبت کے سوا کچھ نہیں جانتی تھی۔ دو دن میں میری دنیا ایک دم سے بدل کر رہ گئی ہے۔ بدمعاشوں نے مجھے کہیں کا کہیں پہنچا دیا ہے۔ میں کل رات سے بھاگ رہی ہوں۔ اور نت نئے تجربات سے گزر رہی ہوں۔"

"ذرا میں بھی سنوں، کیسے تجربات سے گزر رہی ہو۔ ویسے ایک بات بتا دوں۔ تمہیں اتنا بڑا ٹرک ڈرائیو کرتے ہوئے دیکھ کر عجیب سا لگا تھا۔ یوں لگا جیسے تمہارے اندر کوئی جن سمایا ہوا ہے۔ جو ٹرک کو ڈرائیو کرتا ہوا یہاں تک لایا ہے۔ تمہیں دیکھنے کے بعد یقین نہیں آتا کہ تم اتنی بڑی گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں تک آ سکتی ہو۔"

"ہاں! سچ پوچھو تو میں بھی حیران ہوں کہ میں کس طرح گاڑی ڈرائیو کرتی رہی ہوں۔ حالانکہ میں نے اپنے ڈیڈی کو بارہا کار ڈرائیو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور ڈرائیو کرنے کے اصولوں کو بھی ذہن نشین کرنے کی کوشش کی لیکن زندگی میں آج پہلی مرتبہ ڈرائیو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اتنی کامیابی سے اتنی دور تک کیسے گاڑی چلاتے ہوئے آ گئی۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ تمہاری قوتِ ارادی بہت مضبوط ہے بلکہ حیرت انگیز ہے معلوم ہوتا ہے جب تمہاری جان پر بن آتی ہے تو تم ہر وہ کام کر گزرتی ہو جو تمہاری عمر اور تمہارے قد سے بھی اونچا ہوتا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔ تمہارا یہ نفسیاتی تجزیہ کسی حد تک درست ہے۔ میں موجودہ حالات میں اسے تسلیم کرتی ہوں۔ ممی اور ڈیڈی کہتے ہیں کہ میں بہت ہی ضدی ہوں اور جس بات کے لئے مچل جاتی ہوں۔ وہ پوری کرا کے ہی دم لیتی ہوں۔ اس طرح سے یہ بات میری سمجھ میں... آتی ہے کہ میں ضد میں آ کر ہر کام کر گزرتی ہوں ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"

"دیکھو لڑکی! میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں تم نے بتا دیا اور میں اپنا نام کسی اجنبی کو نہیں بتاتا۔ کیونکہ زندگی کے اس سفر میں بہت سے لوگ ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں۔ کہاں تک کتنوں کے نام یاد رکھے جا سکتے ہیں۔ ہاں اس ملاقات کے بعد بھی آئندہ ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں تو میں اپنا بھرپور تعارف کراؤں گا۔ فی الحال تم مجھے اپنا اجنبی ہم سفر سمجھو۔ اجنبی کہو یا ہم سفر کہہ لو۔"

"تم بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہو۔ ٹھیک ہے نہ بتاؤ۔ جیسے کہ میں کہہ چکی ہوں، میں ضدی ہوں تو اب میں تمہارا نام سننا بھی گوارا نہیں کروں گی۔"

"شاید تم ناراض ہو گئیں۔"

"زندگی کے سفر میں ہم ملتے ہیں بچھڑ جاتے ہیں۔ کب تک کتنوں کی ناراضی کا خیال رکھا جا سکتا ہے۔ میں تمہاری بات تمہیں لوٹا رہی ہوں۔ لہٰذا یہ نہ سوچو کہ کون ناراض ہو گیا۔ ہاں آئندہ کبھی ملاقاتیں ہوتی رہیں تو ناراضیوں کا حساب کر لیا جائے گا۔"

وہ زور سے قہقہہ لگا کر بولا۔" بھئی! تم تو بالکل بندوق کی گولی کی طرح چلتی ہو۔ مان گیا۔"

"اجنبی ملنے والے، تم کدھر جا رہے ہو؟"

"یہاں آگے ہمارا ایک دفتر ہے۔ وہاں سے ہم دوسرے شہروں میں اور دوسرے ملکوں میں ضرورت کا سامان سپلائی کرتے ہیں۔ تم چلو ابھی تمہیں ہمارے کاروبار کا پتہ چل جائے گا۔"

اس کی یہ باتیں سن کر میں ذرا سا چونک گیا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بہت راز میں رکھ رہا تھا۔ نہ اپنا نام بتا رہا تھا نہ کام بتا رہا تھا۔ بہت زیادہ ہی طرف سے محتاط رہنا تھا۔ میں رہ رہ کر پومی کے دماغ میں جھانکتا رہا اور معلومات حاصل کرتا رہا کہ وہ خیریت سے ہے کہ نہیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد میں وعدے کے مطابق ڈائننگ ٹیبل پر پہنچ گیا۔ ممی میرا انتظار کر رہی تھیں۔ ہم نے ناشتہ شروع کیا۔ ممی نے پوچھا۔" پومی کا کیا حال ہے؟"

"کچھ خطرہ ہی لگتا ہے۔ جو شخص اس کے ساتھ ہے۔ وہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ میں یہاں کی زبان نہیں سمجھتا... بہر حال میں دیکھوں گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔"

ممی نے پوچھا۔" اور سونیا کیسی ہے؟"

"پومی نے مجھے صبح سے اس قدر مصروف رکھا ہے کہ میں اس کی خبر نہیں لے سکا۔ ویسے اطمینان ہے کہ وہ بخیریت پیرس تک پہنچ جائے گی۔ ٹھیک ہے میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے چائے پینے کے دوران سر کو جھکا لیا اور سونیا کی خیریت معلوم کرنے لگا۔ ممی چپ چاپ ناشتہ کرنے میں مصروف تھیں اور کبھی کبھی میری طرف دیکھ لیتی تھیں۔ تقریباً دس منٹ کے بعد میں نے سر اٹھا کر کہا۔" سونیا طیارے میں سفر کر رہی ہے لیکن خطرہ محسوس کر رہی ہے۔ اس کی سوچ نے مجھے بتایا ہے کہ پچھلی رات اس پر حملہ ہوا تھا لیکن وہ صاف بچ نکلی۔ حملہ آور یقیناً اسے سوزی سمجھ کر ہلاک کرنے آیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ ہو گا کہ وہ خطرناک عورت کے سامنے جا رہا ہے۔ بہر حال وہ ناکام ہو کر واپس بھاگ گیا تھا۔"

"پچھلی رات تم یہ سوچ کر اطمینان سے سو گئے تھے کہ سونیا محفوظ رہے گی۔"

"جی ہاں۔ آپ خود ہی سوچئے کہ اطمینان کی ہی بات تھی۔ سونیا، سوزی کے روپ میں ہے اور سپر ماسٹر کے آدمی جانتے ہیں کہ انہوں نے سوزی کو انعام کے طور پر وہ ہزار دس ڈالر اس لئے دیئے تھے کہ اس نے سونیا کو ہلاک کیا تھا۔ اور ان کے راستے کا سب سے بڑا کانٹا ہٹا دیا تھا۔ ایسی صورت میں سوزی سے جو قتل کا معاہدہ ہوا تھا وہ کامیابی سے ختم ہو گیا تھا۔ اب سوزی سے کوئی لین دین نہیں رہا تھا۔ وہ پیرس جا رہی تھی۔ ایسی صورت میں کوئی اس پر قاتلانہ حملہ کیوں کرتا؟ یہ بات نہ میں نے سوچی اور نہ ہی سونیا سوچ سکتی تھی۔"

"تو پھر وہ حملہ آور کون ہو سکتا ہے؟"

"سونیا کا خیال ہے کہ سپر ماسٹر کے آدمیوں نے ہی اس پر قاتلانہ حملہ کرایا ہے اور وہ اس لئے کہ سونیا کی موت کا راز اس تنظیم کے چند لوگوں کے علاوہ سوزی کو معلوم ہے اور وہ کسی ایسی عورت یا مرد کو رازدار بنا کر نہیں رکھنا چاہتے جن کا تنظیم سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور جنہیں رازدار کی حیثیت سے کبھی آزمایا نہ گیا ہو۔ اسی لئے وہ لوگ سوزی کو قتل کر دینا چاہتے ہیں تا کہ سونیا کی موت ہمیشہ راز میں رہے اور میں بھی سونیا کے اس

دوستی اور احسانات کو بھلا کر وہ اپنی کمینگی پر اتر آیا ہے۔"

"کیا اسی خیال کے تحت وہ طیارے میں خطرہ محسوس کر رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں۔ سونیا میں ایک غیر معمولی صلاحیت ہے بو سونگھنے کی ۔۔۔ وہ کسی کی بھی بُو کو ایک بار سُونگھ لینے کے بعد اسے ذہن نشین کر لیتی ہے۔ پھر ہزاروں لاکھوں کی بھیڑ میں اس مخصوص بُو والے مرد یا عورت کو پہچان لیتی ہے۔ پچھلی رات جس نے حملہ کیا تھا۔ مار پیٹ کے دوران اس حملہ آور کی بُو اسے بہت قریب سے ملی تھی اور وہ اس کے ذہن میں محفوظ تھی۔ اب وہ طیارے میں بیٹھی ہوئی وہی بُو محسوس کر رہی ہے اور جہاں وہ بیٹھی ہوئی ہے اس کی اگلی قطاروں کی طرف سے وہ بُو چلی آ رہی ہے۔ وہاں وہی حملہ آور بیٹھا ہوا ہے۔"

"اوہ! تو پھر واقعی خطرہ ہے؟"

"ہاں میں ذرا اس کے پاس جا کر دیکھتا ہوں۔ پومی تو ابھی سفر کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد پومی کی خبر لوں گا۔"

یہ کہہ کر میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک رسالہ کھول کر اس کی تصویریں دیکھ رہی تھی لیکن اس کا دھیان اس بُو کی طرف تھا جو کہیں اگلی قطار میں موجود تھی۔ وہ رسالے کی آڑ سے سامنے کی طرف دیکھتی جا رہی تھی مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سونیا کی سوچ نے بتایا کہ وہ وہ بُو متحرک ہو گئی ہے۔ ایک طرف سے دوسری طرف جا رہی ہے اور وہ رسالے کی آڑ سے دیکھ رہی تھی کہ اب ایک شخص اٹھ کر کھڑا ہوا تھا...

وہاں سے درمیانی راہداری پر آ گیا تھا۔ اس راہ داری سے گزرتے ہوئے باتھ روم کی طرف جانا چاہتا تھا اور وہاں تک جانے کے لئے اسے سونیا کے قریب ہی گزرنا تھا۔ کیونکہ سونیا راہ داری کے کنارے والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

میں محتاط ہو کر سونیا کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ جیسے ہی وہ شخص سونیا کے قریب سے گزرنے لگا۔ سونیا کی ایک ٹانگ راہداری کی طرف بڑھی اور پھرتی سے پھر اپنی جگہ واپس آ گئی۔ مگر اتنی دیر میں وہ گزرنے والا اس کی ٹانگ سے الجھ کر اوندھے منہ راہداری پر گر پڑا تھا۔ آس پاس بیٹھے ہوئے مرد اور عورتوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ دُور بیٹھے ہوئے مسافر صرف اس کے گرنے کی آواز سن سکے۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا اس لئے وہ لوگ اپنی جگہ سے اٹھ کر اُدھر دیکھنے لگے.....

گرنے والا ہڑبڑا کر اُٹھ گیا تھا۔ جھلا کر سونیا کی طرف دیکھ رہا تھا پھر وہ اس کے قریب آ کر چیختے ہوئے بولا "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تم نے مجھے کیوں گرایا؟"

سونیا نے رسالے کو بند کرتے ہوئے اسے حیرانی سے دیکھا پھر آہستگی سے بولی "مسٹر! ذرا ایک قدم دُور کھڑے ہو کر بات کرو میں اتنی قربت کسی کی برداشت نہیں کرتی۔ تمہارے سوال کا جواب میں بعد میں دوں گی.....!"

اس نے غرّا کر اسے دیکھا۔ پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر آس پاس کے لوگوں سے کہنے لگا "اس عورت نے مجھے گرایا ہے۔"

سونیا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "کیوں جھوٹا الزام دے رہے ہو۔ کیا ہماری تمہاری کبھی کی دشمنی ہے؟ میں بھلا تمہیں کیسے گرا سکتی ہوں؟ تم لحیم شحیم مرد ہو اور میں ایک معمولی عورت ہوں اتنی جلدی میں نے تمہیں کیسے گرا دیا۔ کیا میں نے اپنی ٹانگ پھنسائی تھی؟"

"ہاں تم نے یہی کیا تھا۔"

"سچ سچ بتاؤ۔ کیا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟"

وہ غصّے میں جھلا کر بولا "ہاں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

سونیا نے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "لیڈیز اینڈ جنٹل مین! ذرا اس کی عقل مندی ملاحظہ فرمائیں۔ جب یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ میں اپنی ٹانگ پھنسا کر اسے گرا رہی ہوں تو پھر یہ کیسے گر پڑا۔ کیا یہ سنبھل نہیں سکتا تھا۔ کیا یہ اسی وقت کھینچ نہیں سکتا تھا۔ کیا یہ اس وقت اپنے آپ کو گرنے سے بچا نہیں سکتا تھا؟"

دو ائیر ہوسٹس اس شخص کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اس سے التجا کر رہی تھیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ایک خاتون پر الزام نہ لگائے اور اس معاملے کو رفع دفع کر دے۔ دوسروں نے بھی یہی مشورہ دیا بلکہ اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ نشے میں ہے اور چلنے کے دوران لڑکھڑا کر گر پڑا تھا اور غصہ سونیا پر اتار رہا تھا۔

وہ دوسروں کی بات مان کر سونیا پر ایک بُری سی نظر ڈالتا ہوا جانا چاہتا تھا مگر سونیا نے ہاتھ بڑھا کر اسے روک لیا۔ "ٹھہرو مسٹر! تم نے مجھ پر خواہ مخواہ الزام لگایا تھا۔ اس کی معافی مانگو.. اس کے بعد یہاں سے آگے بڑھو۔"

وہ پھر غصّے میں تن کر کھڑا ہو گیا۔ آس پاس کی عورتوں نے کہا "یہ ضروری ہے اور ایٹی کیٹ کے مطابق ہے۔ تمہیں اخلاقاً معافی مانگنا چاہئے۔"

اُس نے بے بسی سے آس پاس کے تمام لوگوں کو دیکھا۔ سب یہی چاہتے تھے بالآخر اس نے معافی کے دو چار الفاظ زبان سے ادا کئے پھر تیزی سے چلتا ہوا باتھ روم کی طرف جانے لگا۔ دُور والے مسافر اپنی جگہ بیٹھنے لگے تھے۔ اسی لمحے میں نے اس شخص کے دماغ کو اپنے قابو میں لے کر اس کے قدموں کو لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا۔ پھر ایک دھپ کی آواز آئی۔ بیٹھنے والے پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اچک اُچک کر دیکھنے لگے۔ وہ شخص راہداری کے قالین پر پھر ایک بار گرا ہوا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ قریب ہی بیٹھی ہوئی ایک خاتون نے پوچھا "کیوں مسٹر! اب پھر کسی عورت نے تم کو

گرایا ہے؟ یا تم خود ہی کسی عورت کو دیکھ کر گر پڑنے کے عادی ہو۔"

دُور سے ایک مسافر نے کہا "ہم جہاز کے عملے سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس شخص کو مزید شراب مہیا نہ کرے۔ ورنہ یہ تمام مسافروں کی پریشانی کا باعث بنے گا۔"

پھر کسی مسافر نے کہا "شراب پینے سے کیا ہوتا ہے؟ پیتے تو ہم بھی ہیں مگر گرتے نہیں۔"

گرنے والے شخص نے بے بسی سے اور پریشانی سے آس پاس کے لوگوں کو دیکھا پھر پلٹ کر سنبھل سنبھل کر باتھ روم کی طرف جانے لگا۔ وہ حیران تھا کہ دوبارہ کیسے گر پڑا۔ پہلی بار تو اسے یاد تھا کہ اس کی ٹانگوں کے درمیان کوئی چیز پھنسی تھی۔ اس نے سونیا کی ٹانگ کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ سونیا کے پھُرتیلے پن کو ابھی اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ دوسری بار وہ اچانک ہی لڑکھڑا کر آپ ہی آپ گر پڑا تھا۔ لہٰذا اب تیسری بار وہ گرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے بہت سنبھل سنبھل کر چل رہا تھا۔ جیسے بچّہ پہلی بار چلنا سیکھ رہا ہو۔ سب لوگ اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے اور اس امید پر دیکھ رہے تھے کہ وہ آگے چل کر کہیں پھر گرنے والا ہے لیکن وہ بخیریت باتھ روم والے کوری ڈور کی طرف پہنچ گیا۔ سب لوگ اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے میں اس شخص کے دماغ میں موجود تھا اور اس کی سوچ کو پڑھتے ہوئے یہ معلومات حاصل کر رہا تھا کہ وہ یقیناً سُپر ماسٹر کے آلہ کاروں میں سے ایک ہے۔

سازش وہی تھی جیسے سونیا سمجھ چکی تھی۔ یعنی وہ لوگ سوزی کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے کسی بہانے سے مار ڈالنا چاہتے تھے۔ تاکہ سونیا کی موت کا راز راز ہی رہے۔ اس شخص کی سوچ میرے آگے چغلی کھا رہی تھی اور یہ بتا رہی تھی کہ وہ شخص سونیا کو اس طیارے میں ہلاک نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ اس کی نگرانی کرتا ہوا پیرس پہنچے گا۔ پیرس میں سُپر ماسٹر کے آلہ کار موجود ہوں گے۔ وہ سوفیا کی یا سوزی کی نشاندہی کرے گا۔ جب وہ لوگ سوزی کو پہچان لیں گے تو اس شخص کی ڈیوٹی ختم ہو جائے گی۔ اور دوسرے سونیا کے پیچھے لگ جائیں گے۔

میں سونیا کے دماغ میں واپس آ گیا۔ اس وقت وہ غصّے میں بھری ہوئی تھی۔ حالانکہ بظاہر غصّے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی کیونکہ اس نے بڑی اچھی طرح اس شخص کو بے وقوف بنایا تھا اور اسے اوندھے منہ گرا کر اس کی خوب بے عزّتی کی تھی۔ وہ دوسری بار گرا تو سونیا کھٹک گئی۔ یہ اس کے لئے سنجیدگی سے سوچنے کی بات تھی کہ وہ کیسے گرا۔ مسافر تو اسے نشے کی حالت میں سمجھ رہے تھے لیکن سونیا سمجھ رہی تھی کہ پینے والے یوں سیدھے سادے راستے پر لڑکھڑا کر نہیں گرتے۔ وہ بھی ٹھوکر کھاتے ہیں یا اُن کے گرنے کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے۔ تو پھر وہ دوسری بار کیسے گرا؟ یہ سوال سونیا کے ذہن میں چیخ رہا تھا اور اس چیخ و پکار میں، اس سوال کے جواب میں، اسے میری صورت نظر آ رہی تھی۔ وہ شبہ میں مبتلا ہو گئی تھی کہ میں اس کے دماغ میں موجود ہوں۔ میں نے ہی اس شخص کو دوسری بار گرایا تھا۔ اگر اس کا شبہ درست تھا اور اگر وہ شرارت میری تھی تو وہ اسے پسند نہیں تھی۔

میں نے سونیا کی سوچ میں کہا "اگر وہ شرارت فرہاد کی تھی تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے کیونکہ فرہاد میری طرف پھر متوجہ ہو رہا ہے۔"

"اونہہ" سونیا نے نفرت سے کہا "مجھے اس کی توجّہ نہیں چاہئے۔ نہ ہی پہلے اس کی محتاج تھی نہ اب محتاج ہوں۔ میں اس دنیا میں اکیلی ہوں اور اب اکیلی ہی زندگی گزاروں گی اور وہ میرے راستے میں آئے گا تو مجھے اس کی دوستی منظور نہ ہو گی۔ بلکہ وہ میری دشمنی کا سامنا کرے گا۔"

میں نے پھر اس کی سوچ میں نرمی سے کہا "یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں کیوں فرہاد سے بدظن ہوں۔ کیا میرے دل کی گہرائیوں میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؟ کیا میں حقیقت سے انکار کر سکتی ہوں؟"

سونیا نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اس کے دماغ میں پرائی سوچیں ہیں اور فرہاد اس کے لب و لہجے میں بول رہا ہے، اسے اپنی طرف مائل کر رہا ہے وہ دانت پیس کر بولی "فرہاد اگر تم موجود ہو اور میرا شبہ درست ہے تو سُن لو کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ تم میرے قریب نہ آنا... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں کبھی تمہاری امداد قبول نہیں کروں گی۔ میں تمہارے سہارے کی محتاج نہیں ہوں۔"

میں خاموش رہا۔ چپ چاپ اس کی باتیں سُنتا رہا۔ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ اس کی نفرت بجا تھی۔ کیونکہ ایک طویل عرصے تک میں نے اس کی خبر نہیں لی تھی اور ان حالات میں اسے نظر انداز کر دیا تھا جبکہ جمّی بہت زیادہ زخمی اور بیمار تھا اور سونیا اس کی تیمارداری میں مصروف تھی۔ دراصل میں بھی ایک انسان ہوں جس کے دماغ میں بھی نفرت محبت اور انتقام کے جذبات سلگتے ہیں۔ بہتیرے جذبات جو غلط انداز کے ہوتے ہیں۔ انہیں میں کچلنے کی کوشش کرتا ہوں بعض اوقات اس میں ناکامی ہوتی ہے۔ سونیا جب جمّی کی طرف مائل ہونے لگی تھی تو میرے اندر رقابت کا جذبہ سلگنے لگا تھا۔

ہاں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میں جمّی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن سونیا کی پسند میری پسند تھی، اس کی محبت میری محبت تھی۔ میں اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ جب میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا اور میں نگر نگر مارا مارا پھرتا ہوں تو مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ سونیا کو اپنی جاگیر بنا کر رکھ لوں۔ جب وہ پہلی بار میری توقع کے خلاف جمّی کی طرف مائل ہوئی تو مجھے دُکھ پہنچا۔ حالانکہ میں

یہ جانتا تھا کہ یہی میرا اہم سکل ہے اور وہ اسے میری ذدی سمجھ کر قبول کر رہی ہے اور اس کی صورت سے پہل کہ میری محبت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں قائم رکھے ہوئے ہے۔

آج بھی وہ محبت میرے لئے تھی میرے لئے ہے اور میرے لئے رہے گی۔ وہ بھلے نفرت کا اظہار کرے لیکن میں تو اس کی جڑوں میں اترا ہوا تھا اور وہ وہاں سے مجھے نوچ کر پھینک نہیں سکتی تھی۔ بس تلملا سکتی تھی۔

میں نے اسے تلملانے کے لئے چھوڑ دیا۔ اگر بار بار زبردستی کرتا اپنی سوچ اس کے دماغ پر حاوی کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو جاتی۔ میں نے فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اب وہ خاموش بیٹھی انتظار میں تھی کہ شاید کوئی ایسی سوچ جو اس کے مزاج کے خلاف ہو یا نصیحت آمیز ہو۔ فرہاد کی طرف سے اس کے دماغ میں آئے گی۔

لیکن ایسی کوئی سوچ نہیں آئی۔ وہ خود ہی مختلف انداز میں سوچ رہی تھی اور اس مختلف انداز کو یہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سب فرہاد کی طرف سے ہے۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی کہ مجھے یہ سوچ قبول نہیں ہے آخر کار میں نے آہستگی سے اس کے لب و لہجے میں، اسی کی سوچ میں اس سے کہا "یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس طرح تو میں اپنی کسی سوچ کو بھی اپنی نہیں سمجھوں گی اور خواہ مخواہ شبہ میں مبتلا رہوں گی کہ میں جو کچھ بھی سوچ رہی ہوں۔ وہ سب فرہاد کی طرف سے ہے۔ نہیں مجھے اس وقت بالکل پُرسکون رہنا چاہئے اور بالکل نارمل رہ کر۔۔ حالات کو سمجھتے ہوئے اس بات کا یقین کرنا چاہئے کہ فرہاد واقعی میرے دماغ میں موجود رہنے لگا ہے یا نہیں؟"

میں دماغی طور پر ممی کے سامنے حاضر ہو گیا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ مسکرا کر بولیں "کیا ہو رہا ہے؟"

"فی الحال خیریت ہے۔ جو دشمن اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ ابھی اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ محض اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اصل دشمن پیرس میں ملیں گے۔ اور وہیں پر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ وہ آدھ گھنٹے کے بعد پیرس پہنچ جائے گی ابھی آدھ گھنٹے کی فرصت ہے میں ذرا پومی کے پاس سے ہو آؤں۔"

میں نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا "میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ سامی کو ذرا پیٹ بھر کر ناشتہ کرادیں۔ اس کے بعد جے جوالا سے رابطہ قائم کریں۔ اسے بتادیں کہ سمندر کے اس ساحلی علاقے میں جہاں مچھلیوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ پومی موجود تھی پھر اپر برما کی طرف گئی ہے۔ اگر جے جوالا پولیس کی جماعت لے کر اس ساحلی علاقے تک

پہنچے گا تو وہاں بہت سے لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ پومی اُدھر آئی تھی اور کس طرح وہاں سے فرار ہوئی تھی۔"

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ وہاں میں نے ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ کے کش لگاتا ہوا پومی کے پاس پہنچ گیا وہ اس اجنبی ہم سفر کے ساتھ کسی ایسی جگہ تھی جس کی وہ نشاندہی نہیں کر سکتی تھی۔ وہاں لکڑی کے کیبن بنے ہوئے تھے۔ ایک کیبن دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہاں وہ اجنبی ہم سفر پومی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ دفتر کے کمرے میں ایک بہت بڑی میز کے پیچھے ایک بہت موٹا سا گینڈے جیسا آدمی بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت وہ پومی کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "تمہاری کارکردگی سُن کر یقین نہیں آتا کہ یہ لڑکی بیک وقت ذہین بھی ہوگی اور دلیر بھی۔ اس کے چہرے سے ذہانت کا پتہ تو چلتا ہے مگر اس کی دلیری کا یقین نہیں آتا۔ میں نہیں مانتا کہ یہ پہلے تو اغوا کرنے والوں کو اور پھر ساحل پر ٹرک ڈرائیور جیسے بدمعاشوں کو شکست دے کر اور انہیں زخمی کر کے فرار ہو سکتی ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ ایک بھاری بھرکم ٹرک کو ڈرائیو بھی کر سکتی ہے۔"

پومی نے کہا "تمہارے یقین نہ کرنے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تم مجھے رنگون تک پہنچا سکتے ہو یا نہیں؟"

وہ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولا "تمہیں رنگون پہنچا دیا جائے گا لیکن فرض کرو کہ ہم تمہیں رنگون نہ پہنچائیں۔ بلکہ یوں ہی تمہیں مار ڈالنا چاہیں تو تم ہمارے حلقے سے کس طرح نکل کر بھاگ سکو گی؟"

اس نے جواب دیا "جب ایسا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا میں دوستانہ ماحول میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔"

وہ سفاکی سے مسکراتا ہوا بولا "بہت اچھے۔ تم بہت جلدی پینترا بدل لیتی ہے۔ یقیناً چالاک ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام پامیلا ہے۔ مجھے پومی کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔"

"ہوں" اس نے اپنے کمرے میں کھڑے ہوئے دو ماتحتوں سے کہا "اس لڑکی کو پکڑ کر اسی کمرے میں قید کر دو۔ جہاں دوسرے قیدی موجود ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ یہ کس طرح فرار ہوتی ہے؟"

دو آدمی اس کی طرف بڑھے۔ پومی نے کہا "ٹھہرو۔ کیوں مسٹر گینڈے! اگر میں ان دو آدمیوں سے مقابلہ کروں اور انہیں شکست دے دوں تو کیا تمہیں یقین آجائے گا کہ میں واقعی دلیر ہوں اور تم میری دلیری کے انعام کے طور پر میرے گھر تک مجھے پہنچا دو گے۔"

گینڈے نے غصے سے کہا "لڑکی! مجھ سے تمیز سے بات کرو تم مجھے گینڈا کہہ رہی ہو کم بخت! میں دیکھوں گا کہ تم ان دو آدمیوں کو کیسے شکست دیتی ہو۔ یہ دونوں تمہارے باپ کے بھی باپ ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پومی نے گھوم کر ایک ماتحت کے پیٹ

[پر] لات رسید کی۔ وہ کراہ کر پیٹ پکڑتے ہوئے جھک گیا۔ دوسرا ماتحت اس کی طرف لپکا لیکن پومی اچھل کر کرسی پر آئی اور پھر اچھل کر میز پر کھڑی ہو گئی۔ وہ ماتحت دوڑ کر تیزی سے اسے پکڑنے آرہا تھا اس نے میز کی بلندی سے ایک لات چلادی۔ وہ لات اس کے منہ پر لگی۔ اس کے بعد وہ گھوم کر اس گینڈے کے سامنے میز کی بلندی پر کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ کمر پر رکھ لئے اور بولی "کچھ اور دکھاؤں؟"

وہ اپنی کرسی پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اپنے ماتحتوں کو دیکھتے ہوئے بولا "سمجھ میں نہیں آتا کہ اس لڑکی کی ٹھوکروں میں ایسی کتنی قوت ہے۔ تم پیٹ پکڑ کر بیٹھ گئے ہو اور تم۔۔۔۔"

اس نے دوسرے ماتحت کو مخاطب کیا۔ اس وقت وہ ماتحت جو منہ پر ٹھوکر کھانے کے بعد دوسری طرف الٹ گیا تھا، اٹھ رہا تھا اٹھنے کے بعد اس نے اپنے باس کو دیکھا۔ تب وہ گینڈا چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس کی باچھوں سے اور ناک سے لہو رس رہا تھا اور اسے یقین ہو رہا تھا کہ جس لڑکی کو وہ نرم و نازک سمجھ رہا ہے اس کی ٹھوکروں میں کتنی جان ہے۔

اس نے اپنے ماتحتوں سے کہا "احمقو! نکل جاؤ یہاں سے۔"

ایک ماتحت نے اٹھتے ہوئے کہا "باس ہمیں ایک موقع اور دیں۔ اس لڑکی نے اچانک ہی حملہ کیا تھا۔ ہم تیار نہیں تھے۔"

"بکواس مت کرو۔ اس لڑکی نے مقابلہ کرنے کے لئے چیلنج کیا تھا۔ اسی وقت تمہیں ہوشیار ہو جانا چاہئے تھا۔ آئی سے گٹ آؤٹ۔"

وہ دونوں سر جھکا کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد گینڈے باس نے میز پر کھڑی ہوئی پومی کو سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر اپنے سامنے رکھے ہوئے اس کے گندے پیروں کو دیکھا۔ کیونکہ وہ پچھلی رات سے ننگے پاؤں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اس نے اس کے پاؤں کو چھوتے ہوئے اور ٹٹولتے ہوئے کہا "یہ تو عام لڑکیوں کی طرح ملائم ہے۔ کیا تم مقابلہ کرتے وقت اسے سخت بنا لیتی ہو؟ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ذرا اس میں سختی پیدا کرو۔"

میں پومی کے دماغ میں موجود تھا۔ تب میں نے اس کے دماغ پر پوری طرح قابض ہو کر اس کے پیروں میں سختی پیدا کی۔ اس نے پاؤں اٹھایا اور اس گینڈے کے سامنے کر دیا۔ تب اس نے اسے چھو کر دیکھا تو وہ فولاد کی طرح سخت محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی انگلیاں بھی آہنی سلاخوں کی طرح تھیں۔

انسان کی طاقت اور کمزوری، ذہانت اور حماقت سب کی سب دماغ کی مرہونِ منت ہوتی ہیں۔ دماغ ساتھ نہ ہو تو جسمانی طاقت کسی کام نہیں آتی۔ بڑے سے بڑا پہلوان خرگوش کی طرح بزدل ہو جاتا ہے اور اگر ایک دبلے پتلے آدمی کا دماغ مضبوط ہو، قوتِ ارادی اٹل ہو اور وہ اپنے جسم میں لوچ، لچک، سختی اور قوت پیدا کرنے کی

صلاحیتیں پیدا کر سکتا ہو تو پھر وہ بڑے سے بڑے شہ زور پر حاوی ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پومی اگرچہ جسمانی اعتبار سے بہت زیادہ مضبوط نہیں تھی۔ لیکن میری سوچیں، میری دماغی قوتیں اسے فولاد بنا دیتی تھیں اور اسے وہ سب داؤ پیچ اور پینترے سکھا دیتی تھیں جو ایک اچھے فائٹر کو جاننا چاہئے اور اچانک حملوں سے خود کو بچانے اور اچانک حملے کرنے کی صلاحیتیں بھی پیدا کر دیتی تھیں۔

پومی میز پر سے کود کر فرش پر آگئی۔ اس گینڈے باس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں تم سے بہت خوش ہوں۔ بلکہ صاف لفظوں میں کہہ دوں کہ تم سے متاثر ہوں اور تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں کم آن۔" یہ کہہ کر اس نے دوستانہ مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ پومی نے بھی مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس سے مصافحہ کیا تو وہ بولا "تم میرے کیبن میں جاؤ۔ وہاں غسل کرو۔ اس کے بعد لباس تبدیل کرو۔ پھر ہم ایک ساتھ لنچ کریں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا تو اس نے کہا "میری بیٹی کو میرے کیبن میں پہنچا دو اور اس کے لئے فوراً ہی ریڈی میڈ لباس کا بندوبست کرو۔"

پومی نے اس کا شکریہ ادا کیا پھر اس ملازم کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ ریوالونگ چیئر پر آکر بیٹھ گیا اور پومی کے متعلق سوچنے لگا۔ میں اس کے دماغ کو پڑھ رہا تھا۔ اس سے یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ وہ بہت ہی خطرناک اور بے رحم قاتل ہے اور بہت بڑا اسمگلر ہے۔ انسانوں کا اسمگلر ہے۔ وہاں اس نے اپنا دفتر قائم کیا ہوا تھا اور وہ یہاں کتنے صحت مند نوجوانوں کو نوکری کا لالچ دے کر بلاتا ہے اور انہیں آسام کی طرف بھیج دیتا ہے جہاں ایک بیگار کیمپ بنا ہوا تھا۔ وہاں ان نوجوانوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ نوجوان عورتیں بھی اسمگل کی جاتی تھیں۔ وہ پومی کو بھی وہاں بھیجنا چاہتا تھا۔ لیکن اب وہ پومی کے متعلق جو کچھ بھی سوچ رہا تھا ایک باپ کے جذبے سے سوچ رہا تھا۔

اس قاتل اور بے رحم اسمگلر کو پومی نے متاثر کیا تھا۔ اور وہ اب اسے اسمگل نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے رنگون اس کے باپ تک پہنچا دیا جائے۔ میں اس کی یہ سوچ پڑھ کر مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ میں دماغ کے اندر گہری تہہ تک اتر کر دیکھتا ہوں۔ اس کے اس فیصلے میں کوئی کھوٹ نہیں تھا اور وہ واقعی اس کے باپ جے جوالا تک اسے پہنچانا چاہتا تھا۔

میں نے سوچ کے رابطے ختم کر دیئے۔ آنکھیں کھول دیں سامی میری گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے پیار سے سہلاتے ہوئے دیکھا۔ ابھی بیس منٹ گزرے تھے۔ دس منٹ کے بعد مجھے سونیا کے

پاس پہنچا تھا۔ میں نے خیال خوانی کا ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ممی! کیا جے جوالا سے ملاقات ہوگئی ہے؟"

"نہیں بیٹے! میں نے دو بار فون کیا ہے۔ وہ اپنے گھر میں موجود نہیں ہے۔"

"ممی! آپ نے پیشین گوئی کی تھی کہ پومی کے مقدر میں ابھی بہت سی ٹھوکریں لکھی ہوئی ہیں اور وہ ایک عرصے تک اِدھر اُدھر بھٹکتی رہے گی۔ لیکن میں آپ کو یہ خوش خبری سنا دوں کہ وہ آج رات تک اپنے باپ جے جوالا تک پہنچ جائے گی۔ اسے بڑا مضبوط سہارا مل گیا ہے۔"

ممی تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا۔ "بیٹے! ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ میرے علم نے مجھ سے جھوٹ کہا ہو۔ تم اگر مطمئن ہو تو یہ اچھی بات ہے۔ میں دعا کرتی ہوں کہ میرا علم تھوڑا سا غلط ہو جائے ویسے اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر میں کہتی ہوں کہ ضرور آگے چل کر کوئی گھپلا ہوگا۔ کوئی رکاوٹ پیدا ہوگی۔ کیا ہونے والا ہے یہ ہم اور تم ہزارہا علوم جاننے کے باوجود آئندہ کا حال نہیں جان سکتے۔ وقت آنے دو۔"

ممی کی باتوں نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ میں پھر اس گینڈے باس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ میں نے اس کے دماغ کو ٹٹولنے میں کوئی غلطی کی ہے۔ میں نے دوبارہ اس کے دماغ کو کھنگالنا شروع کیا۔ ہر طرح سے اس کی آزمائش کی لیکن وہ اپنے ارادے میں ثابت قدم نکلا۔ سچ مچ وہ پومی سے متاثر تھا اور اسے اپنی بیٹی سمجھنے لگا تھا۔ وہ پوری دیانتداری، خلوص اور محبت سے اسے آج رات رنگون پہنچانے والا تھا۔ اس کی سوچ کے مطابق وہاں سے مولمین شہر تقریباً بیس میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ اپنی کار میں پومی کے ساتھ بیٹھ کر مولمین شہر جانے والا تھا۔ وہاں سے بذریعہ طیارہ رنگون پہنچ کر پومی کو اس کے گھر تک پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

میں نے اس کی طرف سے مطمئن ہو کر سوچا کہ اس کی طرف سے کوئی گھپلا نہیں ہوگا۔ کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔ شاید وہاں سے رنگون پہنچنے کے دوران راستے میں کوئی مصیبت کھڑی ہو جائے۔ یہی بات سوچی جا سکتی تھی۔ ممی نے دروازے پر پہنچ کر کہا۔ "بیٹے! میں تمہیں سوچ کے ذریعے پکار رہی ہوں مگر تم نے جواب نہیں دیا۔ اس لئے یہاں چلی آئی ہوں۔ کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟"

میں نے کہا۔ "پومی کا جو ہمدرد بنا ہوا ہے۔ اسے بیٹی کہہ رہا ہے اور پوری طرح دیانتدار ہے اس کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں سے رنگون پہنچنے کے دوران کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔"

ممی نے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے اور ہم پہلے سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ویسے جے جوالا سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا معلوم تو کرو کہ وہ کہاں ہے؟"

یہ کہہ کر وہ کمرے کے اندر آئیں اور ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے جے جوالا سے رابطہ قائم کیا۔ وہ آشا بیلا کی کوٹھی میں پہنچا ہوا تھا۔ آشا بیلا کا بوڑھا شوہر دائمی مریض تھا۔ آشا بیلا اور اس کے عاشق پریم کمار نے اسے اعصاب کمزور کرنے والی دوائیں کھلا کر۔۔۔ اور زیادہ بیمار بنا دیا تھا۔ وہ بوڑھا بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ بستر کے قریب ہی آشا بیلا کھڑی ہوئی تھی۔ جے جوالا دروازے پر کھڑا ہوا اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "آشا! تم نے میری زندگی برباد کر دی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تمہیں بلیک میل کرنا اتنا مہنگا پڑے گا۔ میں اپنے لہو کے رشتوں سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔ تم نے تمہارے عاشق نے یا تمہارے لوگوں نے میرے جوان بیٹے کو قتل کر دیا۔ میری بیوی تمہارے دھوکے میں ماری گئی اور میری بیٹی اب تک لاپتہ ہے ۔۔۔ مادام ماریانا مجھے اب تک یقین دلا رہی ہے کہ اس کا پتہ چل جائے گا لیکن میں یقین کر کے کیا کروں میں جانتا ہوں کہ جب تک تمہارے جیسی ناگن زندہ ہے۔ تمہارے عاشق زندہ ہیں اس وقت تک مجھے سکون نہیں ملے گا۔ میری بیٹی مجھے ملے گی تو وہ پھر تمہارے ہتھے چڑھ جائے گی۔ اس لئے میں تمہارا اور اپنا حساب بے باق کرنے آیا ہوں۔"

آشا بیلا نے ناگواری سے کہا۔ "اب ہمارا اور تمہارا کوئی حساب نہیں رہا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ دماغ کھپاؤں۔"

وہ بولا۔ "نہیں آشا! ابھی ہمارا حساب ختم نہیں ہوا۔ میں نے بلیک میلنگ کا جتنا مواد تھا وہ سب تمہیں واپس کر دیا تھا۔ کیا تم میرے مقتول بیٹے کو واپس کر سکتی ہو۔ کیا تم میری مقتول بیوی کو واپس لا سکتی ہو؟ تم ایسا نہیں کر سکتی ہو۔ اس لئے ابھی ہمارا حساب باقی ہے میں تمہیں ایسی جگہ پہنچا دوں گا جہاں سے تمہیں بھی کوئی واپس نہ لا سکے گا۔"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ یاد رکھو اگر تم نے مجھے جانی نقصان پہنچایا تو تم بھی زندہ نہیں رہو گے اور تم نہیں بچو گے تو اس دنیا میں تمہاری بیٹی تنہا بھٹکتی رہ جائے گی۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "نہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے انتظامات کئے ہیں۔ اس کے لئے دولت اور جائیداد چھوڑ کر جا رہا ہوں اور یہ فیصلہ کر کے آیا ہوں کہ میری بیٹی اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے۔ جب تم اور پریم کمار ٹھنڈے ٹھنڈے ہمیشہ کے لئے سو جاؤ۔ تمہاری اور اس بدمعاش عاشق کی آنکھیں کھلی رہیں گی تو میری بیٹی کبھی سکون سے نہیں رہے گی۔"

میں جے جوالا کے دماغ کو ٹٹول کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ فی

الواقع قتل کرنا چاہتا ہے یا محض دھمکیاں دینے کے لئے آیا ہے اگر قتل کا ارادہ ہوتا تو میں اسے اس کے ارادے سے باز رکھ سکتا تھا لیکن اسی لمحے مجھے ممی نے مخاطب کیا۔ "کیا بات ہے بیٹے! تم نے جے جوالا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں پھر ممی کو دیکھا وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "ایک منٹ انتظار کریں۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں دوبارہ جے جوالا اور آشا بیلا کے پاس پہنچا چند لمحوں کی تاخیر نے کچھ سے کچھ حالات بگاڑ دیئے۔ جتنی دیر میں میں ممی کے پاس سے واپس آیا اتنی دیر میں جے جوالا نے ریوالور نکال کر آشا بیلا پر فائر کر دیا تھا۔ گولی آشا بیلا کو لگی تھی اور وہ چیخ مار کر فرش پر ڈھیر ہو گئی تھی۔ میں ایک دم سے سکتے میں رہ گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسی واردات ہو جائے گی۔

ممی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے تم کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہو؟"

"ہاں۔ وہاں حالات کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں لیکن ممی آپ نے پہلے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آشا بیلا کی زندگی مختصر ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں بہت کچھ کہا تھا مگر اس کی موت کی پیشین گوئی نہیں کی تھی۔"

وہ بولیں۔ "میں نے صحیح پیشین گوئی کی تھی اس کی زندگی ابھی باقی ہے۔ وہ مرنے والی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتی۔"

"ممی! اسے گولی لگ چکی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ مر چکی ہے ٹھہریئے، میں ابھی دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں آشا بیلا کے دماغ میں پہنچا۔ اس کا ذہن تاریک ہو چکا تھا کہیں سے اس کی سوچ گرفت میں نہیں آ رہی تھی۔ بالکل سناٹا تھا۔ میں وہاں سے واپس آ گیا لیکن اس یقین کے ساتھ نہیں کہ وہ مر چکی ہے میرا خیال ہے کہ ممی کی پیشین گوئی درست تھی۔ ابھی اس کی زندگی باقی تھی اگر وہ مر چکی ہوتی تو اس کا ذہن بالکل گم ہو جاتا اور میری سوچ کی لہر وہاں پہنچ نہیں پاتی۔ سوچ کی لہریں وہاں پہنچی تھیں اور وہاں سناٹے میں بھٹک کر واپس آ گئی تھیں۔

اب میں جے جوالا کے دماغ میں واپس آیا لیکن پھر اس آنے جانے میں ایک حادثہ پیش آ گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں جے جوالا نہیں تھا۔ اس کا دماغ گم ہو چکا تھا۔ میں نے حیرانی سے سوچا، یہ کیا ہو گیا ہے؟ اب میں وہاں پہنچنے کے لئے آشا بیلا کے دماغ میں نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ بے ہوشی کی گہرائیوں میں گم ہو چکی تھی لیکن جے جوالا کیسے مُردہ ہو گیا؟ کچھ سوچ کر میں اس کے بوڑھے شوہر کے دماغ میں پہنچا۔ تب میں نے اس کے دماغ سے پریم کمار کی آواز سنی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اس کے ہاتھ میں ریوالور ہے اور اس نے آشا بیلا کا انتقام لینے کے لئے پیچھے سے فائر کیا تھا اور جے جوالا کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔

پریم کمار اچانک فائر کرنے کے بعد اسے ہلاک کرنے کے بعد وہاں سے دوڑتا ہوا آشا بیلا کے پاس پہنچا تھا۔ وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی اور وہ اسے اٹھا کر سینے سے لگا رہا تھا اور جھنجھوڑ کر بیدار کرنا چاہتا تھا۔ اور اسے آوازیں دے رہا تھا۔

آشا کے بوڑھے شوہر نے کہا۔ "کیا بے وقوفوں کی طرح وقت ضائع کر رہے ہو۔ فوراً پولیس اسٹیشن اور ہسپتال فون کرو۔ پولیس والے قانونی کارروائی کے لئے آئیں گے اور ایمبولینس آئے گی جب ہی فوری طبی امداد مل سکے گی۔"

اس نے آشا بیلا کو فرش پر لٹا کر ہسپتال کے نمبر پہلے ڈائل کئے اور ایمبولینس لانے کو کہا۔ وہاں فون کرنے کے بعد وہ سوچ رہا تھا کہ اسے پولیس اسٹیشن فون کرنا چاہئے کہ نہیں۔ کیونکہ اب وہ قاتل کی حیثیت سے گرفتار ہونے والا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ وہاں فون نہ کرے پھر خیال آیا کہ پولیس والے جب تک نہیں آئیں گے۔ اس وقت تک یہاں آنے والی ایمبولینس کے لوگ زخمی آشا بیلا کو نہیں اٹھائیں گے۔

بہت مجبور ہو کر آشا بیلا کی زندگی بچانے کی خاطر پولیس اسٹیشن پر بھی فون کرنا پڑا۔ میں اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔ پھر ممی کو بتایا کہ وہاں جے جوالا ہلاک ہو چکا ہے اور آشا بیلا ان کی پیشین گوئی کے مطابق ابھی تک زندہ ہے اور اس کے زندہ رہنے کی توقع ہے کیونکہ وہاں ایمبولینس پہنچنے والی ہے۔

ممی مسکرا رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! میری سوچ نہ پڑھنا۔ بغیر پڑھے ہوئے یہ بتا دو کہ میں کیوں مسکرا رہی ہوں؟"

میں جواباً مسکرایا پھر کہنے لگا۔ "جے جوالا ہلاک ہو چکا ہے۔ آپ ایسی تو نہیں ہیں کہ کسی کی موت پر مسکرائیں گی۔ چاہے وہ کتنا ہی دشمن یا بدکردار کیوں نہ ہو۔ اور آشا بیلا سے بھی آپ کی کوئی ایسی دشمنی نہیں ہے کہ اس کے زخمی ہونے پر آپ کے چہرے پر مسکراہٹ آ جائے۔ بھئی! ایسے تو سمجھنا مشکل ہے۔ آپ ہی بتا دیں۔"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولیں۔ "میں نے پیش گوئی کی تھی کہ ابھی پومی کے مقدر میں بھٹکنا ہے دیکھ لو وہ پیش گوئی کس طرح درست ثابت ہو رہی ہے۔ اس کا باپ مر چکا ہے۔ اب وہ یہاں کس کے پاس رہے گی؟ مانا کہ اس کے پاس دولت اور جائیداد ہوگی۔ لیکن وہ تو تنہا رہ گئی ہے۔"

میں نے قائل ہو کر سر ہلایا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ پہلے میں سوچ رہا تھا۔ پومی وہاں سے رنگون کی طرف آئے گی تو راستے میں کوئی مصیبت کھڑی ہوگی۔ دوسرے کوئی دشمن پیدا ہو جائیں گے یا راستے سے وہ بھٹک کر کہیں سے کہیں نکل جائے گی۔ آندھی آئے گی، طوفان آئے گا، سیلاب آئے گا۔ میں کیا کیا سوچ رہا تھا۔ لیکن تقدیر کے حال کو سمجھنا بڑا مشکل ہے۔ اچانک ہی بازی پلٹ جاتی ہے۔ ہم سوچ

بھی نہیں سکتے تھے کہ جے حوالا ہوش میں دہاں جائے گا اور نی بیٹی کو آئندہ محفوظ رکھنے کی خاطر آشا بیلا اور پریم کمار کو قتل کرنا چاہے گا اور خود ہلاک ہو جائے گا۔"

اچانک ہی میری نظر دیوار گھڑی پر گئی تو میں ایک دم ہی چونک گیا۔ کیونکہ آدھ گھنٹے کے بعد مجھے سونیا کے پاس پہنچنا تھا اور اب پینتالیس منٹ گزر چکے تھے۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں آشا بیلا اور جے حوالا کے جھمیلے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی اور دوسرے ہی لمحے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

دیر ہونے کے باوجود دیر نہیں ہوئی۔ کیونکہ طیارہ دس منٹ لیٹ تھا اور جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی طیارہ رن وے پر کھڑا ہے سیڑھیاں لگائی جا چکی ہیں اور مسافر یکے بعد دیگرے اتر رہے ہیں۔ سونیا بون زد کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھی رہی۔

اگلی قطار میں وہ سونیا پر حملہ کرنے والا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ بون زد نے کہا: "چلو اٹھو۔ کیا جہاز سے اترنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

سونیا نے آہستگی سے کہا: "ابھی نہیں۔ میں سب سے آخر میں اتروں گی۔ ذرا صبر کرو۔"

وہ صبر کرنے لگا۔ دوسری قطار میں وہ بھی بیٹھا ہوا صبر کر رہا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ سونیا آگے اترنے لگی اور وہ پیچھے پیچھے جائے اور اسے تاکتا رہے گا۔ ایئر پورٹ پر جو لوگ اس سے ملنے آئیں گے۔ انہیں بتائے گا کہ سونیا اور بون زد کون لوگ ہیں؟ کس قسم کا لباس پہنے ہوئے ہیں؟"

جب اگلی قطار سے تمام مسافر اٹھنے لگے اور وہاں سے جانے لگے تو اس نگرانی کرنے والے کو بھی اٹھنا پڑا لیکن وہ رک رک کر چل رہا تھا بار بار سونیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سونیا اس سے بظاہر بے پروا تھی۔ بون زد سے باتیں کرنے میں مصروف نظر آ رہی تھی لیکن اس کی توجہ اسی شخص کی طرف تھی۔ پھر ہوا یہ کہ اس شخص کو مجبوراً دوسروں کے ساتھ اترنا پڑا جب سب لوگ آگے بڑھ گئے اور۔۔۔ راہداری میں کوئی نہ رہا تو سونیا اور بون زد اپنا سامان لے کر اٹھ گئے اور اس طرح چلنے لگے کہ وہ نگرانی کرنے والا آگے ہو گیا تھا اور سونیا اس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔

میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ عورت بہت ہی چالاک ہے۔ اسے شبہ ہو گیا ہے کہ میں اس کی نگرانی کر رہا ہوں اور اس کا شبہ کرنا اور محتاط رہنا بھی ایک فطری عمل ہے۔ کیونکہ پچھلی رات میں اس پر حملہ کر چکا تھا اور ناکام واپس آیا تھا۔ یہ اب بھی مجھے پریشان کر رہی ہے۔ کم بخت بہت ہی چالاک ہے مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

سیڑھیاں اتر رہا تھا اور تیزی سے سوچ رہا تھا۔ سوچنے کے دوران اس کی رفتار ذرا تیز ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اور سونیا کے درمیان دو چار مسافر آ گئے۔ اب سونیا پر کسی قسم کا الزام نہیں آ سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے اس شخص کے قدموں کو لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دھماکہ سا ہوا، وہ گرا۔ دوسرے مسافروں کی خصوصاً عورتوں کی چیخیں بلند ہوئیں۔ سب ادھر سے ادھر ہٹنے لگے۔ وہ سیڑھیوں پر سے لڑھکتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔

زینے پر مسافر تھم گئے تھے۔ جو لوگ زینے سے اتر کر لاؤنج کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بھی پلٹ کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔ جوان کے سامنے دو بار طیارے کے اندر بھی آپ ہی آپ گر چکا تھا اور وہ کہ زمین پر چاروں شانے چت پڑا آسمان کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں کیسے گر پڑا؟ یقیناً کسی نے میری ٹانگ پر ٹانگ پھنسائی تھی۔ پھر وہ ایک دم سے غصے دکھاتا ہوا کھڑا ہو گیا اور سونیا کی طرف دیکھ کر بولا: "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے مجھے گرایا ہے۔"

سونیا کے آگے چار آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے زینے پر سے کہا: "اے مسٹر! تم پاگل ہو۔ اس سے پہلے بھی تم خواہ مخواہ اس خاتون پر الزام لگا رہے تھے۔ کیا تمہیں گرنے کی عادت ہو گئی ہے؟ ابھی تو ہم تمہارے پیچھے تھے۔ ہم میں سے کسی نے تمہیں نہیں گرایا۔"

ایک خاتون نے کہیں دور سے کہا: "عجیب آدمی ہے۔ کیا اس کے ماں باپ نے بچپن میں اسے چلنا نہیں سکھایا تھا؟"

دوسرے تمام مسافر بھی ادھر ادھر کھڑے ہوئے اس کے خلاف کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ بے چارے گرنے والے کو ایک تو سخت چوٹیں آئی تھیں۔ اس پر وہی مورد الزام تھا۔ اس نے کپڑے جھاڑتے ہوئے اپنے بیگ کو اٹھایا۔ سونیا کو گھورنے کے بعد وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔

میں سونیا کے دماغ میں واپس آیا۔ وہ زینے سے اترتے ہوئے اندر ہی اندر اس خیال سے غصے میں آ گئی تھی کہ یہ یقیناً میری کارستانی تھی۔ ورنہ یہ تو عقل بھی تسلیم کر ہی نہیں سکتی کہ ایک نارمل آدمی دو بار بلا وجہ گر پڑے۔ پہلی بار تو اس نے خود گرایا تھا مگر دو بار گرنے کی۔۔۔ وجوہات سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

سونیا کے دماغ میں زیادہ دیر رہنا مناسب نہیں تھا۔ اس نگرانی کرنے والے کے دماغ میں رہنا زیادہ ضروری تھا۔ اس لئے میں پھر اس شخص کے پاس پہنچ گیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا لاؤنج کی طرف جا رہا تھا۔ پہلے اس نے بیگج ہال سے اپنا سامان اٹھایا۔ پھر وہاں سے نکل کر ادھر ادھر یوں متلاشی نظروں سے دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی اس کے استقبال کے لئے آیا ہو۔ اور نظر نہ آ رہا ہو۔

ایک شخص نے اس کے پاس آ کر پوچھا: "کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

اس شخص نے چونک کر دیکھا پھر کہا: "کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

آنے والے نے جواباً کہا: "میں پنجرہ اپنے ساتھ لایا ہوں۔ چڑیا کہاں ہے؟"

اس وقت تک سونیا بون زد کے ساتھ بیگج ہال تک پہنچ چکی تھی اور اپنا سامان اٹھا کر نکل رہی تھی۔ اس شخص نے بتایا کہ سونیا نے کس رنگ کا لباس پہنا ہوا ہے؟ اس کے ساتھ چلنے والا مرد کس رنگ کے سوٹ میں تھا؟ اور اس کا حلیہ کیا ہے۔ آنے والا شخص دور سے سونیا کو دیکھتا رہا۔

میں چاہتا تو اس شخص کا ذہن گڑبڑا دیتا وہ اسے حلیہ نہیں بتا سکتا تھا لیکن بہت زیادہ کسی کے دماغ سے کھیلنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ ٹیلی پیتھی کا شکار ہو گیا ہے۔ ٹیلی پیتھی کے حوالے سے سب لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ فرہاد ابھی زندہ ہے۔

اب میں اس شخص کے دماغ میں تھا جو کوڈ ورڈ کا پنجرہ لا کر سونیا کو اس میں قید کرنے والا تھا۔ وہ شخص وہاں سے دور جا کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنے ایک ساتھی کو سونیا اور بون زد کا حلیہ بتا رہا تھا۔ سونیا بون زد کے ساتھ بیگج ہال سے نکل کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہی تھی میں اس کوڈ ورڈز والے کے ساتھ لگا رہا۔ اب وہ لوگ بھی پارکنگ ایریئے کی طرف جا رہے تھے۔ وہ جو دو آدمی تھے ان میں سے ایک سرخ رنگ کی کار میں جا کر بیٹھ گیا۔ دوسرا جس کے دماغ میں میں موجود تھا سفید رنگ کی کار میں آ گیا۔

اس کے دماغ نے مجھے بتایا کہ سونیا کا تعاقب اس کا ساتھی کرے گا اور وہ کسی ڈبل فنگر کے پاس اس کی اطلاع دینے جا رہا ہے۔۔۔ ڈبل فنگر کے الفاظ سن کر مجھے ڈبل جوئیل کی یاد آ گئی۔ اس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ ایک تھی مگر اس کے ہمسائی وجود دو تھے۔ دو جسم رکھتی تھی اور دماغ ایک تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ڈبل فنگر کیا بلا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا اور وہ سن رہا تھا۔ پتہ چلا کہ جس شخص کو وہ ڈبل فنگر کہہ رہا ہے اس شخص کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں صرف دو انگلیاں ہیں اور وہ دو انگلیاں ایسی ہیں کہ انہیں بڑے سے بڑے شہ زور اور جی دار دیکھ کر کانپتے ہیں اور اسے ملک الموت کی انگلیاں سمجھتے ہیں۔

یہ بات میرے حلق سے نہیں اتری۔ صرف دو انگلیاں کیسے اس قدر خطرناک ہو سکتی ہیں کہ لوگ انہیں ملک الموت کی انگلیاں کہنے لگیں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ زمانہ قدیم میں چین کے جوڈو اور کراٹے جاننے والے جب ظالمانہ انداز میں کراٹے کا فن سیکھتے تھے تو اس سے پہلے اپنی انگلیوں کو فولاد بنانے کے لئے نہایت سخت مشقوں سے گزرتے تھے اور جب انتہائی مشقوں سے گزرنے کے بعد ان انگلیوں کو آزمایا جاتا ہے تو وہ بلا مبالغہ کلہاڑی کے آہنی پھل کی طرح درخت کے مضبوط تنوں میں اتر جاتی تھیں اور چاقو کی نوک کی طرح جسموں میں پیوست ہو جایا کرتی تھیں۔

اس ہیبت ناک قسم کی معلومات نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا میں نے سب سے پہلے یہ معلوم کیا کہ وہ ڈبل فنگر انگریزی زبان جانتا ہے یا نہیں؟ اس شخص کی سوچ نے بتایا کہ وہ انگریزی ہی بولتا ہے۔ یہ بات میرے لئے وقتی طور پر اطمینان کا باعث بن گئی لیکن ہر پہلو کا جائزہ لینا پڑتا ہے ہر بات کو سامنے رکھ کر سوچنا پڑتا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں چوبیس گھنٹے سونیا کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میرے اپنے کھانے پینے سونے کا بھی وقت ہوتا ہے۔ ایسے وقت اگر وہ ڈبل فنگر مصیبت بن کر سونیا پر نازل ہو گیا تو میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔

پانچ میل کا سفر طے کرنے کے بعد وہ سفید رنگ کی کار ایک کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ وہ ڈبل فنگر کی رہائش گاہ تھی۔ وہ شخص کار سے اتر کر دروازہ پر پہنچا اور کال بیل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ ایک حسین دوشیزہ نے دروازہ کھول دیتے ہوئے مسکرا کر اندر آنے کے لئے کہا۔ اندر حسینوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ ایک سے ایک خوبصورت اور طرحدار حسینائیں ادھر سے ادھر آتی جاتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں گیا وہاں ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔۔۔۔ وہ ٹیلی فون کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اسے کال کا انتظار تھا اس کے بعد ہی وہ ڈبل فنگر سے ملاقات کرنے والا تھا میں جلد سے جلد ڈبل فنگر کے دماغ میں پہنچنا چاہتا تھا مگر دیر ہو رہی تھی۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے اس سرخ کار میں جانے والے نے اطلاع دی کہ سوزی اور بون زد کی ٹیکسی ہوٹل ڈی فرانس کے سامنے رک گئی ہے لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس ٹیکسی سے صرف بون زد باہر نکلا تھا اور وہ سارا سامان لے کر ہوٹل کے کاؤنٹر کی طرف گیا تھا۔ سرخ رنگ کی کار والے نے اس ٹیکسی کے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھا تو سوزی نظر نہیں آئی۔

یہ اطلاع سنتے ہی اس نے چیخ کر کہا: "یہ کیا حماقت ہے؟ تم نے کیسے نگرانی کی سوزی کیسے غائب ہو گئی ہے؟"

جواب ملا: "میں نے اس ٹیکسی پر برابر نظر رکھی تھی۔ لیکن ایئر پورٹ سے ہوٹل ڈی فرانس تک کئی موڑ آتے ہیں ٹیکسی ہم سے کافی فاصلے پر تھی۔ اس کے نمبر مجھے یاد تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ سوزی اس ٹیکسی سے اتر کر کہیں چھپ گئی ہو۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اسے ہمارے تعاقب کا یقین ہو گیا تھا۔"

اس نے جھلا کر فون رکھ دیا۔ اس کے بعد اپنے پیرس کے ماسٹر کا فون نمبر ڈائل کرنے لگا۔ سپر ماسٹر کی تنظیم دنیا کے تمام اہم ملکوں میں مختلف شاخوں کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملک کی تنظیم کا ایک ماسٹر ہوا کرتا تھا۔ فرانس کی تنظیم کا ماسٹر موسیٰ ٹردنی تھا اور وہ پیرس میں رہتا تھا۔ اس شخص نے ماسٹر موسیٰ ٹردنی کے نمبر ڈائل کئے۔ جب اس

سے رابطہ قائم ہوا تو اسے سوزی کے گم ہونے کی اطلاع دی۔ دوسری طرف تھوڑی دیر کے لئے خاموشی رہی۔ موس ٹروِنی نے جواباً کہا "ہم پہلے ہی شبہے میں مبتلا تھے۔ پچھلی رات جب اسکاٹ لینڈ میں سوزی پر حملہ کیا گیا تو وہ حیرت انگیز طور پر بچ نکلی۔ اس واقعے ہی سے ہمیں شبہ ہوا تھا کہ وہ سوزی نہیں سونیا ہے۔ اتنی مکاری اور دلیری وہی دکھا سکتی ہے۔ سوزی تو محض ایک عام سی عورت تھی۔ اس کے بعد طیارے میں جو شخص اس کی نگرانی کر رہا تھا اس کی باتیں سن کر بھی کچھ یہی لگا کہ سوزی کے روپ میں سونیا سفر کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہے۔ اب اس کا یہاں اچانک گم ہونا یقینی طور پر یہ ثابت کر رہا ہے کہ ہم سونیا کو ہلاک نہیں کر سکے۔ وہ اب بھی ہمارے اعصاب پر سوار ہے۔"

"اب کیا کیا جائے آپ رہنمائی کریں۔"

"اس کم بخت لوٹنی سے کہو کہ وہ ہوٹل ڈی فرانس میں لون زد کی نگرانی کرتا ہے اور تم ڈبل فنگر سے کہو کہ وہ لون زد کے پاس پہنچ کر سوزی کی حقیقت اگلوائے اور کسی طرح بھی لون زد کے ذریعے سونیا تک پہنچنے کی کوشش کرے۔"

ماسٹر موس ٹروِنی نے یہ حکم دینے کے بعد رابطہ ختم کر دیا۔ اس شخص نے پھر کسی کا فون نمبر ڈائل کیا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے کہا "تم ہوٹل ڈی فرانس پہنچ کر لوٹنی کی جگہ لو۔ اس سے سوزی اور لون زد کا حلیہ معلوم کرنے کے بعد لون زد کی نگرانی کرو اور معلوم کرو کہ وہ کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے فون کر کے اطلاع پہنچانا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ وہاں سے اٹھ کر ڈبل فنگر کی طرف جا رہا تھا۔ میں ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ایک کمرے سے گزرنے کے بعد جب وہ کسی دوسرے کمرے میں پہنچا تو وہاں تاریکی تھی۔ معلوم ہوا کہ اسے وہاں اس تاریکی سے گزرنا ہے اور وہ اس کا جانا پہچانا راستہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اس کمرے کو عبور کرنے لگا۔ مخالف سمت کی دیوار کے پاس پہنچنے کے بعد پتہ چلا کہ وہاں ایک کاؤنٹر نما کھڑکی ہے اس کی آہٹ پاتے ہی ایک زیرو پاور کا بلب اس کھڑکی پر روشن ہو گیا۔ دوسری طرف بھی گہری تاریکی تھی اور کاؤنٹر کے پاس بھی پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس شخص کی سوچ نے بتایا کہ جب ڈبل فنگر عیش و عشرت میں ڈوبا ہوتا ہے تو اسی طرح تاریکی چھائی رہتی ہے اور کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا کہ وہ کس طرح اس سیاہی میں اپنا منہ کالا کر رہا ہے۔

اس شخص نے کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر آواز دی "سر! میں انتھونی بول رہا ہوں۔"

چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔ کاؤنٹر کے پاس زیرو پاور کے بلب کے قریب ایک ہاتھ آیا بلکہ ایک ایسی ہتھیلی آئی جس میں صرف دو انگلیاں تھیں۔ وہ ہتھیلی اوندھی کاؤنٹر پر آ کر ٹھہر گئی۔ اس کی دو انگلیاں خاموش تھیں۔ پھر اس میں سے ایک انگلی اٹھی۔ اس کا مطلب یہ تھا... کہ آنے والا جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ دے اسے زیادہ سننے کی فرصت نہیں ہے۔

انتھونی نے کہا "سپر ماسٹر موس ٹروِنی کا حکم ہے کہ آج رات ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں لون زد کا محاسبہ کیا جائے اور اس سے سوزی کی حقیقت دریافت کی جائے۔ کسی طرح بھی یہ اگلوانا ہو گا کہ سوزی کے پیچھے کون چھپا ہوا ہے۔ اب یہ شبہ مستحکم ہوتا جا رہا ہے کہ وہاں سونیا ہی روپوش ہے۔"

کاؤنٹر پر وہ ننگا ہاتھ خاموشی سے رکھا ہوا تھا۔ اسے ننگا ہی کہنا چاہئے کیونکہ وہ انگلیوں کے بغیر بالکل عریاں سا لگ رہا تھا۔ صرف دو انگلیاں تھیں جس میں سے ایک اٹھی ہوئی تھی۔ پھر وہ اٹھی ہوئی انگلی بیٹھ گئی۔ پھر اٹھ گئی۔ اس حرکت کے ذریعے وہ پوچھ رہا تھا "کچھ اور بولنا ہے؟"

انتھونی نے کہا "جی ہاں! ماسٹر نے کہا تھا کہ جب تک سوزی اور سونیا کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہ ہوں اس وقت تک آپ اپنی آواز اور لہجے کو ہمارے کانوں تک بھی نہ پہنچنے دیا۔"

ایک انگلی کے اشارے سے کہا گیا "بس اب یہاں سے جاؤ۔"

انتھونی وہاں سے پلٹ کر جانے لگا اور جاتے جاتے سوچنے لگا کہ یہ بات میرے دماغ میں خوب آئی تھی کہ ڈبل فنگر کو اپنی آواز اور لہجہ ہمیں بھی نہیں سنانا چاہئے۔ یہ بات میں ماسٹر سے کہوں گا۔ کیونکہ اگر سوزی کے پیچھے سونیا چھپی ہوئی ہے تو اس کے پیچھے وہ فرہاد علی تیمور بھی کہیں زندہ ہو گا۔ کیونکہ ہم سب ایک بار زبردست دھوکہ کھا چکے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق فرہاد پہلے اور سونیا بعد میں مر چکے ہیں لیکن سونیا کے وجود کا پتہ چل رہا ہے۔ فرہاد بھی یقیناً کہیں ہو سکتا ہے اب تک کے تجربات اور مشاہدات یہی ہیں کہ جہاں سونیا ہوتی ہے وہاں فرہاد پہنچ جاتا ہے۔

اس نے دوسرے کمرے میں پہنچ کر ماسٹر موس ٹروِنی کو فون کیا اسے اپنے خیالات سنائے۔ یہ سنتے ہی دوسری طرف سے ماسٹر نے اسے جھڑک دیا اور کہا کہ وہ ان فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرے جتنا کہا جاتا ہے بس اتنا ہی کرے۔ یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا گیا۔

میں نے ماسٹر موس ٹروِنی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ میری زندگی کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے۔ پتہ چلا کہ وہ مطمئن ہے۔ کیونکہ سپر ماسٹر بھی میری موت سے مطمئن تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے بالیونک مین یعنی جمی کے خلاف سازش کی گئی تھی اور اسے آہستہ آہستہ مارا گیا تھا۔ میں نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی پھر سونیا کو ہلاک کرنے کی سازش کی گئی تھی۔ اس پر بھی میں نے مداخلت نہیں کی تھی۔ اب سپر ماسٹر کو یقین ہو چکا تھا کہ میں حیات نہیں ہوں۔ اگر ہوتا تو سونیا کی ہلاکت کے وقت ضرور اس کی مدد کو پہنچ جاتا۔

میں اس ماسٹر کو سوچتا چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ کیا سوچ کر انہیں دھوکہ دے رہی ہے کیوں خود کو روپوش رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ شاپنگ میں مصروف تھی۔ میک اپ کا سامان اور ایک عدد نیا لباس خرید رہی تھی۔ اس کے بعد وہ اس شاپنگ سنٹر سے باہر آ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ ٹیکسی کو اس نے پہلے سے ریزرو رکھا تھا۔ اس کے کہنے پر وہ ٹیکسی ڈرائیور اسے پیرس شہر کے باہر لے جانے لگا۔

وہ ایسی جگہ کی تلاش میں تھی جہاں کسی کی مداخلت کے بغیر میک اپ کر سکے۔ سوزی کے بجائے کسی دوسری لڑکی کا روپ اختیار کر سکے اور کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو۔ اس کا خیال تھا کوئی جنگل یا ویرانہ یا کہیں کھنڈرات ہوں اور وہاں سے لوگوں کا گزر نہ ہوتا ہو تو وہ یہ کام وہیں انجام دے سکتی تھی۔ پھر ایک خیال یہ بھی تھا کہ مضافاتی علاقے میں کوئی ایسا غریب الحال گھرانہ مل جائے جو اسے ایک کمرہ کرائے پر دے دے۔ وہ وہاں اپنا کام بآسانی کر سکتی تھی اور مالکِ مکان کو بتائے بغیر اپنا روپ بدل کر وہاں سے فرار ہو سکتی تھی۔

میں نے اسے کسی مناسب جگہ کی تلاش کرنے کے لئے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ مجھے ڈبل فنگر کی طرف سے خطرہ تھا۔ میں تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا کہ کس طرح اس کے دماغ تک پہنچوں اور سونیا کی حفاظت کروں۔ میں سونیا کو مخاطب کر کے بتا سکتا تھا کہ ابھی اس کے سامنے کون سا خطرہ پیش آنے والا ہے۔ وہ سن لیتی، سمجھ لیتی لیکن میری امداد کو قبول نہ کرتی اور وہ اتنی ضدی عورت تھی کہ جو میں کہتا اس کے برعکس کرنے لگتی۔ میرے کسی مشورے کو تسلیم نہ کرتی۔ لہٰذا میں نے سوچ رکھا تھا کہ اس کی لاعلمی میں جو کچھ بھی کر سکتا ہوں کرتا رہوں گا۔ وہ شبہ میں مبتلا رہے گی لیکن یقین نہیں کر سکے گی کہ میں اس کے دماغ میں موجود ہوں۔

سونیا کی احتیاطی تدابیر کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہو گی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ ڈبل فنگر کیا بلا ہے؟ لیکن وہ انجانی بلاؤں کو نہ دیکھتے ہوئے بھی سمجھتی تھی اور یہ جانتی تھی کہ [illegible] کے ہر اگلے قدم پر موت کھڑی رہتی ہے اسی لئے وہ ہر اگلے قدم سے پہلے ہی احتیاطی تدابیر ضرور کر لیا کرتی تھی۔

میں وہاں سے اپنی خوابگاہ میں واپس آ گیا۔ اس خوابگاہ میں اس وقت تنہائی تھی۔ ممی کوٹھی کے کسی دوسرے کمرے میں ہوں گی۔ میں نے ان سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ سامی بھی نہیں تھی۔ غلام اسے لے کر رنگون کی سیر کرنے نکل گیا تھا۔ میرے مقدر میں خیال خوانی لکھی ہوئی تھی۔ اور میں اسے بھگت رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پومی کی خبر لی۔ وہ بخیریت تھی اور نہانے دھونے کے بعد اس نے بہترین لباس پہن لیا تھا۔ اس کو فی الحال کسی قسم کا خطرہ درپیش نہیں تھا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ آشا بیلا کی کوٹھی میں کیا واردات ہو چکی ہے۔

میں آشا بیلا کے بوڑھے شوہر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں پولیس کے آدمی پہنچے ہوئے ہیں۔ آشا بیلا کو ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا پریم کمار پولیس کی حراست میں تھا اور جے جوالا کی لاش بھی اٹھوا دی گئی تھی۔ اس دوران صرف اتنا ہوا کہ آشا بیلا کے شوہر نے پریم کمار کے خلاف بھی بیان دیا۔ اس کا بیان یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی آشا بیلا پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ اچھی عورت نہیں ہے اور دوسروں کو دوست بناتی پھرتی ہے۔ جس کا ثبوت یہی ہے کہ اس نے پریم کمار سے دوستی کی اور پھر جے جوالا کو بھی پھانس لیا۔ جے جوالا اور پریم کمار دونوں ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ اسی رقابت میں جے جوالا نے آشا کو گولی ماری اور پریم کمار نے جے جوالا کو اپنے ریوالور کا نشانہ بنا دیا۔ اس بوڑھے نے اپنا خود ساختہ بیان لکھوا دیا تھا اور پولیس والے اس پر یقین کر رہے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے جرائم کی کڑیاں ملا رہے تھے کہ جے جوالا کی بیٹی پومی کیوں اغوا کی گئی؟ اس کا جوان بیٹا کیسے مارا گیا تھا؟ پولیس والے یہ ساری گتھیاں سلجھا رہے تھے۔ میں وہاں سے واپس آ گیا۔ کیونکہ اب مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں نے ٹیلی پیتھی کا ریسیور اٹھا کر ممی کو کال کیا۔ ممی نے کہا۔ "بولو بیٹے! کیا بات ہے؟"

"ممی! آج ہم دوپہر کا کھانا کسی شاندار ہوٹل میں کھائیں گے اور اس سے پہلے آپ مجھے رنگون کی سیر کرائیں گی۔ قسمت سے ذرا فرصت ملی ہے۔ کیا خیال ہے؟"

ممی خوش ہو کر بولیں "اس سے اچھا خیال اور کیا ہو سکتا ہے؟ تم لباس تبدیل کر لو میں بھی تیار ہوتی ہوں۔"

لباس تبدیل کرنے کے دوران میں سونیا کی خبر لیتا رہا اور اس کے متعلق سوچتا رہا کہ اس ضدی محبوبہ کے سلسلے میں مجھے کون سا طریقہ اختیار... کرنا چاہئے۔ وہ براہِ راست کبھی مجھے قبول نہیں کرے گی۔ دل سے مجھے چاہنے کے باوجود زبان سے نفرت کا ہی اظہار کرتی رہے گی۔ اسے پگھلانے کے لئے کسی دوسری تدبیر کو آزمانا ضروری تھا۔

آدھ گھنٹے بعد میں بہترین سوٹ پہن کر ممی کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھ کر باہر نکلا۔ ممی نے بھی بہت اچھا لباس پہنا تھا اور بہت ہی عمدہ خوشبو لگائی تھی۔ ہم دونوں بہت خوش تھے لیکن ممی کے ساتھ رہنے کے باوجود میں مسلسل سونیا کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ میں انسانی نفسیات کو خوب سمجھتا ہوں اس کے باوجود سونیا میری نفسیات سے کھیل رہی تھی یعنی مجھ سے کترا رہی تھی اور میں اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ یہ انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ جو چیز

اس کے ہاتھ آتے آتے نکل جائے یا جو چیز دسترس سے دُور ہو جائے، وہ اسی کے لئے زیادہ مچلتا ہے۔ سونیا میری ایسی ہی نفسیاتی کمزوری سے کھیل رہی تھی۔

میں نے بھی سوچ لیا کہ مجھے کس طرح اس کے ساتھ کھیلنا چاہئے۔ میرا طریقہ کار یہ ہونے والا تھا کہ میں اس پر حتی الامکان یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ میں اس کے پاس موجود رہتا ہوں۔ میں اس کی مدد کروں گا۔ اس کے کام آتا رہوں گا۔ وہ مجھے محسوس کرتی رہے گی۔ پکارتی رہے گی۔ شبہے میں مبتلا رہے گی۔ شبہے کو یقین میں بدلتی رہے گی لیکن جواباً میری آواز نہیں سن سکے گی۔ نہ ہی مجھے پاسکے گی۔ تب اس کے اندر بے چینی پیدا ہو گی اور تب وہ بے اختیار میرے متعلق سوچتی رہے گی۔ یہی طریقہ کار اس ضدی عورت کے لئے مناسب رہے گا۔

ممّی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ کہہ رہی تھیں "تم تفریح کے لئے نکلے ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے خیال خوانی سے باز آجاؤ۔"

میں نے انہیں مسکرا کر دیکھا پھر بھاگتی ہوئی کار کے ونڈ اسکرین کے باہر دیکھنے لگا۔ رنگون شہر میرے آگے پھیلتا جا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں ممّی! لیکن کیا کروں یہ ایک عادت سی ہو گئی ہے یوں بھی یہ عام انسانوں کی عادت ہے جو لوگ خیلی پیتھی نہیں جانتے وہ بھی فطرتاً کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے اور جب اپنے آس پاس کے ماحول کو غیر شعوری طور پر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تبھی سے اس کے سوچنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ پھر مرتے دم تک یہ عمل قائم رہتا ہے۔ انسان لاکھ کوشش کرے کسی بھی سوچ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔"

"ہاں! مگر سوچنے کے انداز میں فرق ہوتا ہے۔ ایک سوچ اپنے لئے ہوتی ہے اور ایک سوچ کسی دوسرے کے لئے۔ اگر تم اس وقت خیال خوانی میں مصروف نہیں تھے تو یقیناً کسی دوسرے کے لئے سوچ رہے تھے۔ دوسرے کے لئے یا دوسری کے لئے.....؟"

یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگیں۔ میں نے اقرار کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں! میں سونیا کے لئے سوچ رہا تھا۔"

"بیٹے! تمہیں معلوم ہے کہ جنگل میں مور ناچتا ہے اور پیار کی مستی میں جھوم جھوم کر ناچتا ہے۔"

"جی ہاں! میں نے دیکھا تو نہیں ہے مگر کہاوت کے طور پر سنا ہے کہ جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟"

"میں کچھ اور کہنے جا رہی ہوں۔ جنگل میں مور کو ناچتے ہوئے دیکھو یا نہ دیکھو لیکن تم اپنے خیالوں کے جنگل میں سونیا کے ساتھ ناچ رہے ہو۔ اور یہ بھول رہے ہو کہ جب مور ناچتے ناچتے اپنے بھدے پاؤں دیکھتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ قدرت نے اسے جتنا حُسن دیا ہے اتنے ہی بھدے پاؤں دیئے ہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"میں کہنا یہ چاہتی ہوں کہ سونیا کے لئے تم بڑی پیار بھری باتیں سوچ رہے ہو۔ اگر وہ تم سے ناراض ہو گئی تو اس کو منانے کے لئے طریقے بھی سوچ رہے ہو گے؟ لیکن یہ نہیں سوچا کہ وہ تمہیں صورت شکل سے پہچان سکے گی یا نہیں؟"

ممّی کی بات میرے دل کو لگ گئی۔ واقعی ہر عورت کے تصور میں ایک آئیڈیل ہوتا ہے۔ اس آئیڈیل کی شخصیت ہی نہیں بلکہ ظاہری حلیہ بھی ہوتا ہے۔ اس کی ایک شکل و صورت ہوتی ہے جسے وہ محبت کرنے والیاں پوجتی ہیں۔ سونیا کے ذہن میں میری ایک مخصوص شکل تھی۔ جسے شروع سے وہ دیکھتی اور چاہتی رہی تھی۔ لیکن اب میرا وجود اسے مل تو سکتا ہے لیکن میری صورت اسے نہیں مل سکتی —— آہ آج پہلی بار مجھے احساس ہوا۔ میں نے اپنی صورت تبدیل کر کے کیسی زبردست غلطی کی ہے۔

"ممّی! آپ درست کہتی ہیں۔ ویسے یہ بھی درست ہے کہ محبت کرنے والی ہستیاں صورت کو نہیں سیرت کو چاہتی ہیں۔ سونیا میری شخصیت سے متاثر ہے لیکن یہ سچ ہے کہ اس کے ذہن میں، اس کی سوچ میں میری ایک مخصوص صورت ہے جو اسے محبت کی ابتدا سے ملی تھی۔ وہ میرے متعلق جب بھی سوچتی ہو گی میری وہی صورت اس کے تصور میں اُبھرتی ہو گی۔ اب وہ مجھے مختلف صورت میں دیکھے گی تو اس کے آگے جو پوجا کرنے والی صورت بنی ہوئی ہے وہ صورت ٹوٹ جائے گی اور وہ میرے اجنبی چہرے کے ساتھ محبت کرنے کے لئے خود کو اندر ہی اندر سے آمادہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ بے شک وہ مجھے ٹوٹ کر چاہے گی مگر اندر سے ایک ذرا سی اجنبیت ہو گی۔"

"ہاں! ایسا تو ضرور ہو گا۔ سچ پوچھو فرہاد، تو میری اپنی بھی یہ خواہش ہے کہ جو تصویر میں نے تمہاری دیکھی ہے، اسی روپ میں تمہیں دیکھوں، لیکن دیکھ نہیں سکتی۔ میرے بس میں ہوتا تو میں جادو منتر سے تمہیں تمہارا اصلی چہرہ دے دیتی۔"

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ مجھے میرا اصلی چہرہ ایک دن ضرور واپس مل جائے گا؟"

"ہاں! لیکن کب ملے گا یہ میں نہیں جانتی۔ اگر جانتی تو تمہیں اس لمحے کے قریب لے جانے کی کوشش کرتی۔"

چہرے کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ چہرہ ایک سائن بورڈ ہوتا ہے جس کے ذریعے جسم کی عمارت پہچانی جاتی ہے۔ اگر میرا چہرہ نہیں ہے تو میں بظاہر فرہاد علی تیمور نہیں ہوں ممّی مادام مارتھا نہیں ہو سکتیں۔ جب تک ان کا اپنا چہرہ ان کے پاس نہ ہو۔ یہ چہرہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے ہم اپنی زندگی میں اپنی شخصیت کی کتنی ہی بلندی تک تعمیر کر لیں، اپنے آپ کو کتنا ہی اہم بنا لیں جب بھی اپنی ایک مستقل پہچان ضرور ہوتی ہے یہ جو چہرہ ہوتا ہے ہماری شخصیت کا شناختی کارڈ ہوتا ہے۔

میں ممّی کے ساتھ رنگون شہر دیکھتا رہا۔ یہاں سے وہاں گھومتا رہا۔ ایک بہت ہی خوبصورت پارک میں بھی گئے۔ کتنی ہی حسین لڑکیاں نظر آئیں۔ ممّی نے پوچھا "کیا بات ہے؟ تم تفریح سے دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔ کیا یہاں کوئی لڑکی تمہیں پسند نہیں آرہی ہے؟"

میں نے کہا "نہیں ممّی، موڈ نہیں ہے۔"

"جب موڈ نہ ہو تبھی تفریح کے موڈ میں آنے کے لئے کسی سے دوستی کرنا چاہئے۔ میں تمہاری ماں بھی ہوں اور تمہاری دوست بھی۔ آگے بڑھو اور کسی سے تعارف حاصل کرو۔"

میں نے اپنے دونوں کانوں کو پکڑتے ہوئے کہا "ممّی! میں توبہ کرتا ہوں کہ کسی نئی لڑکی سے دوستی نہیں کروں گا۔ آپ یقین کریں کہ جس سے بھی دوستی کرتا ہوں وہ اپنے پیچھے ہزاروں مسائل لے کر آجاتی ہے اور مجھے الجھا دیتی ہے۔ میں جلد سے جلد پاکستان پہنچنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنا وطن بہت یاد آرہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی کے جھمیلے میں پڑنے کے بجائے سیدھا یہاں سے پاکستان پہنچوں لیکن افسوس کہ میں کشتی گاڑی کا سفر کر رہا ہوں۔ میں بذریعہ طیارہ بھی وہاں جا سکتا ہوں لیکن اس کشتی گاڑی کو کھینچنے کے لئے بے چارہ غلام تنہا رہ جائے گا۔ میں اسے تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

"اچھا! تمہیں اس سفر کے لئے صرف غلام یاد آرہا ہے۔ کیا مجھے چھوڑ کر جاؤ گے؟ دیکھو! میں تمہیں کہہ دیتی ہوں یا تو مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ یا مجھے ساتھ لے کر چلو۔ بیٹے میں نے بہت عمر گزار لی۔ اب تھوڑی بہت اپنے بیٹے کے ساتھ گزاروں گی۔"

"ممّی! آپ میرے ساتھ رہیں گی یہ میرے لئے بڑی خوشی کی بات ہے لیکن میں جو خشکی کا سفر کر رہا ہوں تو اس میں بڑی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ آپ کی عمر اس کی متحمل نہ ہو سکے گی۔"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی اور تم دیکھ لو گے کہ میں کوئی اتنی کمزور عورت بھی نہیں ہوں۔ اب بتاؤ کہ یہاں سے کب نکلنے کا ارادہ ہے؟"

"میں لوسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ شام کو یہاں پہنچنے والی ہے ابھی میں نے ذرا اس کی خبر لی تھی۔ پتہ چلا کہ وہ اس گینڈے نما شخص کے ساتھ ایک کار میں بیٹھ کر مولمین شہر کی طرف جا رہی ہے وہاں سے وہ لوگ بذریعہ طیارہ یہاں رنگون پہنچیں گے۔ اس سے ایک بار ملاقات کرنے کے بعد پھر ہم یہاں سے کل صبح روانہ ہو جائیں گے۔ آپ میرے ساتھ چلیں گی یا نہیں کل صبح تک فیصلہ کر لیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو سفر کی زحمت دوں۔"

"کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ میں تمہارے ساتھ رہوں؟ یا مجھے تم ایک بوجھ سمجھ رہے ہو؟"

"نہیں ممّی! ایسی بات نہیں ہے۔ میں آپ کو بھلا بوجھ سمجھ سکتا ہوں میں آپ کی جتنی قدر کرتا ہوں۔ شاید اپنی ماں کے بعد کسی کی اتنی قدر نہیں کی ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ چلئے کوئی بات نہیں میں دیکھوں گا کہ ہمارا اور آپ کا ساتھ کتنے عرصے تک رہتا ہے اور تقدیر کو کیا منظور ہے؟"

دو بجے کے قریب ہم ایک جھیل کے کنارے ایک شاندار ریسٹورنٹ میں پہنچے۔ ممّی نے وہاں بیٹھ کر لنچ کا آرڈر دیا۔ میں نے ان سے کہا "آپ کوئی رسالہ پڑھتی رہیں میں ابھی سونیا کے پاس سے واپس آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اسے اپنی پلاننگ کے مطابق مضافاتی علاقے میں ایسا گھر مل گیا تھا جہاں کچھ پئینگ گیسٹ رہتے تھے اسے کرائے پر ایک کمرہ مل گیا۔ کمرہ ایسا تھا کہ اس کمرے کا پچھلا دروازہ عمارت کے پچھلے حصے کی طرف کھلتا تھا۔ سونیا یہی چاہتی تھی کہ کوئی پچھلا دروازہ بھی ہو، جہاں سے وہ اپنا میک اپ کرنے کے بعد چپ چاپ نکل جائے۔

اس وقت وہ آرام سے ایک بستر پر لیٹے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اب لون زدا اسے تلاش کر رہا ہو گا پھر اس کا خیال چھوڑ چکا ہو گا۔ پہلے تو وہ سونیا کو اجازت نہیں دے رہا تھا کہ ائیرپورٹ سے آتے وقت وہ ٹیکسی سے اتر جائے لیکن سونیا نے کہا تھا کہ وہ بہت ضروری چیزیں خریدنا چاہتی ہے لہٰذا لون زدا ہوٹل ڈی فرانس پہنچے اس کے بعد وہ دوسری ٹیکسی میں وہاں پہنچ جائے گی۔

لون زدا نے اس سے زیادہ حجت نہیں کی کیونکہ وہ بریف کیس اس نے اپنے پاس رکھ لیا تھا جس میں پچاس ہزار ڈالر رکھے ہوئے تھے سونیا کو صرف اس نے ایک گڈی دی تھی۔ اس نے یہی سوچا ہو گا کہ وہ لیتے تو اس کے پاس ہے سونیا اس دولت کو چھوڑ کر نہیں جائے گی۔

اب وہ لیٹے ہوئے سوچ رہی تھی کہ تمام دن اسے آرام سے گزارنا ہے۔ لہٰذا کچھ آرام کرے شام ہوتے ہی وہ جلدی رات کا کھانا طلب کرے گی اور اس کا بل ادا کرنے کے بعد میک اپ کرنے بیٹھ جائے گی۔ پھر اپنا روپ بدل کر وہ حالات کا جائزہ لے گی اس کے بعد پچھلے دروازے سے نکل کر ہوٹل ڈی فرانس کی طرف چل دے گی۔ نئے روپ میں اسے کوئی پہچان نہیں سکے گا۔ اور وہ اسی ہوٹل میں ٹھہر کر جائزہ لے گی کہ دشمن اسے تلاش کرنے کے لئے لون زدا سے کس طرح کا سلوک کرتے ہیں؟

میں اس کے خیالات پڑھ کر سوچنے لگا کہ اسے کس طرح خطرے سے آگاہ کیا جائے؟ ابھی پورا دن باقی تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اسے بلیک ٹائیگر کے بارے میں معلومات فراہم کر دوں تاکہ وہ پہلے سے محتاط رہے اور اس کے سائے سے دُور ہی دُور رہنے کی کوشش کرے۔

میں ممّی کے پاس واپس آگیا۔ بیرا میز پر کھانا چن رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ممّی کو سونیا کی پوزیشن بتائی۔ تھوڑی دیر کے لئے واپس سونیا کے پاس پہنچا۔ اس وقت وہاں اس کے کمرے میں

ایک فرانسیسی لڑکی بیٹھی تھی اور اس سے انگریزی میں باتیں کر رہی تھی میں اس لڑکی کے لب و لہجہ کو ذہن نشین کرنے کے بعد ممی کے پاس واپس آگیا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔

کھانے کے دوران ممی نے کہا: "میں نے تم سے کہا تھا کہ پومی کے نصیب میں ابھی بھٹکنا ہی لکھا ہے اور وہ اِدھر آ رہی ہے تو اس کے آنے سے پہلے ہی تم نے دیکھا کہ تقدیر نے کیا کھیل کھیلا۔ وہ یتیم ہو گئی۔ اب یہاں اس کا کوئی نہیں ہے بھٹکنے کے لئے اور بھی راستے ہموار ہو گئے ہیں۔"

میں نے کہا: "میں اسے بھٹکنے سے روکوں گا۔ میں اسے سہارا دوں گا۔"

ممی نے مسکرا کر کہا: "بیٹے تقدیر کی چال کے خلاف اپنی چال نہ چلو میرا اپنا خیال تو یہی ہے کہ تمہاری اور پومی کی ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم دونوں کے ستارے ابھی ایک دوسرے سے دُور بھٹک رہے ہیں اگر ایسا ہے تو تمہیں دانستہ اس سے ملنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اگر ملو گے تو خود مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔"

"میں یہی دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس سے ملنے پر کون سی مصیبت مجھ پر نازل ہو سکتی ہے؟"

"سوچو سمجھو! تم ذہین ہو۔ تمہارے پاس سوچنے کے لئے سارے حالات سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ کیا یہ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جے جوالا قتل کر دیا گیا ہے۔ آشا بیلا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ جے جوالا کا جوان بیٹا بھی قتل کر دیا گیا ہے پومی اغوا کی گئی تھی۔ یہ لمتنے سارے واقعات جو قانون کے خلاف ہیں اس کے سلسلے میں پولیس پوری طرح چھان بین کرے گی کہ کون لوگ اس کیس میں ملوث ہیں آشا بیلا جب ہوش میں آئے گی تو تمہارا ذکر ضرور کرے گی کہ تم نے اسے کن حالات میں سہارا دیا تھا۔ پھر تمہیں بھی یہاں ان الزامات کی صفائی کے لئے رکنا پڑے گا۔ عدالتی کارروائیاں ہوں گی اور تم اس میں الجھتے چلے جاؤ گے۔ کیا میری باتیں تمہاری سمجھ میں آ رہی ہیں؟"

"ہاں! میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ آپ کے اور آشا بیلا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ میں گشتی گاڑی کا مسافر ہوں اور یہاں چند روز کے لئے ٹھہرا ہوا ہوں۔ آشا بیلا ہوش میں آنے کے بعد بیان دے گی اس میں میرا ذکر ہو گا اور میں خواہ مخواہ اس کیس میں ملوث ہو جاؤں گا۔"

وہ بولیں: "تم جلد از جلد پاکستان بھی پہنچنا چاہتے ہو۔ بہتر یہ ہو گا کہ تم ان کے قریب نہ جاؤ اور فوراً ہی یہاں سے روانگی کی تیاری شروع کر دو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "آپ تو مجھے یہاں سے بھگانے پر تُل گئی ہیں۔"

"میں اب تک یہ نہیں چاہتی تھی کہ تم مجھے یہاں چھوڑ کر جاؤ۔ اگر میں تمہیں یہاں سے بھگاؤں گی تو تمہارے ساتھ بھاگوں گی۔ ابھی بھی یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا ہے کہ جے جوالا کے کیس میں جب تحقیقات آگے بڑھے گی تو تمہارا نام ضرور آئے گا۔ لہٰذا ان سے محتاط رہنا چاہئے اور ان سے دُور ہی دُور رہ کر یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔"

"تو اس میں جلد بازی کی کیا بات ہے۔ میں آشا بیلا سے ملاقات نہیں کروں گا اس کے سوا کوئی یہاں نہیں جانتا ہے کہ میں زنگولن میں کہیں باہر سے آیا ہوں۔ ہم پروگرام کے مطابق کل صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ یعنی آج رات ساری تیاریاں مکمل کر لیں گے پھر آج رات ہی کو چیک پوسٹ پر جائیں گے، کیوں ٹھیک ہے؟"

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے ایک طویل سانس چھوڑتے ہوئے کہا: "لیکن پومی سے ملاقات کی حسرت رہ جائے گی۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہارے مقدر میں لکھا ہے کہ تم دونوں ملو گے اور ضرور ملو گے لیکن ابھی نہیں۔ شاید آگے چل کر کہیں اس سے ملاقات ہو جائے۔"

ایک تو پومی بارہ برس کی عمر میں حیرت انگیز طور پر ذہین تھی۔ دوسرے اس نے مجھے متاثر کیا تھا۔ میں اس سے ملنے کے لئے اور اس کا سہارا بننے کے لئے بے چین تھا۔ اب ممی نے قسمت کے جو حالات بتائے تو اس کے بعد پومی سے اور زیادہ دلچسپی بڑھ گئی کیونکہ وہ تقدیر سے ابھی نہیں مل سکتی تھی اور جو نہ ملنے سے بے چینی اسی کے لئے بڑھتی ہے۔

میں نے فی الحال صبر کیا۔ کھانے کے بعد میں نے غلام سے دماغی رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا کہ ہم دوسری صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے لہٰذا وہ چیک پوسٹ پر پہنچ کر وہاں اس آفیسر کو ہماری روانگی کی اطلاع دے دے۔ کھانے کے بعد جب ہم وہاں سے نکلے تو ممی نے مجھے اپنی کوٹھی تک پہنچانے کے بعد کہا: "تم یہاں آرام کرو۔ اب میں یہاں سے سفارتخانے جا کر اپنے سفر کا اجازت نامہ حاصل کروں گی۔ میرا پاسپورٹ ..... ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ میں جلد ہی سارے انتظامات کر لوں گی۔"

ممی کے جانے کے بعد میں کوٹھی کے اندر آگیا مجھے ممی کے ساتھ رہنا منظور تھا لیکن جب یہ سوچتا کہ خشکی کے سفر میں بڑی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے اور ان کی عمر اس سفر کی متحمل نہ ہو سکے گی تو میں پس و پیش میں پڑ جاتا تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ممی کو دُکھ پہنچتا کہ شاید میں اُن سے کترا رہا ہوں حالانکہ سچ یہ تھا کہ مجھے ممی سے بے انتہا محبت ہو گئی تھی۔ شاید اس لئے کہ میری زندگی میں ایسی بزرگ ہستی میرے اتنے قریب نہیں آئی تھی نہ ہی مجھے اس حد تک کسی نے متاثر کیا تھا۔

میں نے ممی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی سوچتی جا رہی تھیں: "خدا کرے کہ مجھے فوراً ہی ویزا مل جائے میرا پاسپورٹ تو بالکل مکمل ہے۔ اس طرح میں اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کر سکوں گی لیکن ......"

وہ سوچتے سوچتے ذرا رُک گئیں۔ پھر ہچکچاتے ہوئے ان کے

بات آگے بڑھے۔ وہ سوچ رہی تھیں: "میں نے جو اپنی تقدیر کا حساب کیا ہے اس کے مطابق میں ابھی سفر نہیں کر سکوں گی اور جہاں ہوں وہیں قیام کروں گی اور میں سمجھتی ہوں کہ انسان تدبیر سے کام لے تو تقدیر کو ذرا سا بدل سکتا ہے۔ میں کوشش کروں گی تو سارے انتظامات ہو جائیں گے اور میں فرہاد کے ساتھ آگے جا سکوں گی اور یہ تقدیر جو مجھے سفر سے روکنا چاہتی ہے۔ میری ذرا سی تدبیر... سے بدل جائے گی۔"

میں حیرانی سے ان کی سوچ کو پڑھ رہا تھا۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ وہ دوسروں کے لئے پیش گوئی کرتی تھیں اور دوسروں کو ان کے ستاروں کے بارے میں چلنے کی ہدایت دیتی تھیں اور خود اپنے ستاروں کے خلاف میری ہم سفر بننے پر بضد تھیں۔ تب میں نے سوچا جب تقدیر ساتھ نہیں دے رہی ہے تو ان کو یہیں روک دینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ آگے جا کر ان کے لئے کوئی دشواری پیدا ہو جائے۔

لیکن میں انہیں کیسے روک سکتا تھا؟ اگر میں انہیں مشورہ دیتا تو وہ ناراض ہو جاتیں۔ لہٰذا میں چپ چاپ ان کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ اور یہ دیکھتا رہا کہ اگر تقدیر میں یہ سفر نہیں لکھا ہوا ہے تو وہ کیسے سفر کریں گی؟ کیسے انہیں ویزا یا سفر کا اجازت نامہ مل جائے گا۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ان کی سوچ کے ذریعے ایک آواز سنائی دی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ ممی کی گردن سے ریوالور کی نال لگ گئی ہے اور پیچھے سے کوئی کہہ رہا ہے: "مادام! ذرا بھی حرکت نہ کرنا اور نہ ہی شور مچانے کی کوشش کرنا۔ ورنہ میں بے دھڑک گولی مار دوں گا۔"

یہ نئی افتاد آ پڑی تھی۔ شاید یہ تقدیر کا کھیل تھا۔ وہ اپنا تماشہ دکھانے والی تھی۔ میں نے اس اجنبی کی آواز سنتے ہی اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ وہی شخص تھا جو ایک بار... ائرپورٹ سے ممی کی کار میں بیٹھ کر آیا تھا اور انہیں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ جے جوالا کا ایک آلۂ کار جو اپنے باس تک انہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ وہاں میں نے اس کے دماغ کو اپنے کنٹرول میں لے کر اسے کار سے اُترنے پر مجبور کر دیا تھا اور ممی بحفاظت اپنی کوٹھی میں واپس پہنچ گئی تھیں آشا بیلا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اور اسی وقت ایک الگ کار میں میرے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا یعنی ہم نے اسی طرح ان تعاقب کرنے والوں سے نجات حاصل کی تھی۔

بہرحال اس وقت وہی شخص ممی کے پیچھے بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا: "مادام میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس روز کار میں آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا آپ کو ریوالور سے کور کر رہا تھا اور آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا تو آپ نے کس طرح اپنے علم کے ذریعے مجھے کار سے نیچے اتار دیا تھا اور خود بڑے آرام سے بڑی حفاظت سے اور بڑی سلامتی سے اپنے گھر چلی گئی تھیں ۔۔۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کا علم میرا آج کیا بگاڑتا ہے؟"

ممی نے پوچھا: "تم کیا چاہتے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "یہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کسی ویرانے میں چلو۔ وہاں پہنچ کر یا تو تم اپنے علم سے بچ نکلو یا نہیں تو میں تمہیں اس ریوالور سے ہلاک کر دوں گا۔ تمہاری وجہ سے میں نے اس روز باس سے جوتے کھائے تھے۔"

ممی اس کے حکم کے مطابق چپ چاپ ڈرائیو کرتے ہوئے راستہ بدل کر ویرانے کی طرف جانے لگیں۔ وہ سوچ رہی تھیں: "میرے مقدر میں ابھی موت نہیں لکھی ہے۔ پھر یہ شخص مجھے کیسے مار سکتا ہے۔ شاید فرہاد اس وقت میرے ذہن میں جھانک کر دیکھ لے تو مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں میں کسی نہ کسی طرح محفوظ رہوں گی۔"

میں نے دوسری بار اس ریوالور والے کے دماغ میں جھانک کر دیکھا کہ وہ تہیہ کر چکا تھا کہ کسی ویرانے میں پہنچ کر ممی کو ہلاک کر دے گا۔ یہ تو اس کا باپ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہ دعوے سے نہیں کہتا۔ تقدیر کی بات کہتا ہوں۔ ممی اپنی تقدیر کی چال کو سمجھتے ہوئے مطمئن تھیں کہ وہ ہلاک نہیں کی جائیں گی۔ پھر یہ کہ میں انہیں قتل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا تھا؟ میں انہیں بچا سکتا تھا۔ اچانک ہی ایک تدبیر سوجھی میں نے اس ریوالور والے کے دماغ پر قابض ہو کر پوچھا: "مادام تم اس وقت کہاں جا رہی تھیں؟"

ممی نے جواب دیا: "میں سفارتخانے کی طرف جا رہی تھی۔ میں اس ملک سے باہر سفر کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے کہا: "نہیں۔ تم اس ملک سے باہر نہیں جاؤ گی۔ ابھی میں نے سوچا تھا میں تمہیں اس دنیا سے باہر بھیج دوں گا لیکن اب میں اپنا ارادہ بدلتا ہوں۔ میں تمہیں زندہ رکھوں گا اور اسی طرح تمہارا تعاقب کرتا رہوں گا۔ تمہارے علم کو آزماتا رہوں گا۔ ہاں اپنا پرس مجھے دے دو۔"

ممی ہچکچانے لگیں کیونکہ اس پرس میں پاسپورٹ اور ضروری کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ اس نے غراتے ہوئے کہا: "میں کہتا ہوں پرس میرے حوالے کر دو۔ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔ تم بہت بڑی عالم بنتی ہو۔ تقدیر کے حالات بتاتی ہو مگر یہ نہیں سمجھتیں کہ اگر میرے ریوالور سے گولی چل گئی تو تمہارے تمام علوم فنا ہو جائیں گے۔"

ممی نے ایک ہاتھ ڈیش بورڈ کی طرف بڑھا کر وہاں سے پرس نکالا پھر اسے اس ریوالور والے کے حوالے کر دیا۔ اس نے حکم دیا: "گاڑی روک دو۔"

ممی نے گاڑی روک دی۔ وہ کہنے لگا: "دیکھو مادام! غور سے سنو۔ تم چونکہ تقدیر کا حال بتاتی ہو۔ اس لئے اس سفر کی تیاری کرنے سے پہلے تم نے اپنی تقدیر کا حال پڑھا ہو گا اور اس اطمینان کے

بلکہ تمہارے لئے یہ سفر مناسب ہے اور تمہارے لئے کسی فائدے کا باعث ہے۔ تو تم نے یہ تیاری شروع کی ہوگی۔ اسی لئے سفارتخانے ابھی جا رہی تھیں۔ میں یہ پاسپورٹ اور ضروری کاغذات لئے جا رہا ہوں اور میں تمہیں تمہاری تقدیر کے خلاف سفر کرنے سے روکوں گا۔ میں دیکھوں گا کہ تم اپنی تقدیر کے مطابق کس طرح یہ کاغذات لے سکتی ہو اور سفر کا اجازت نامہ حاصل کر سکتی ہو۔"

ممی نے کہا "تم غلط سمجھ رہے ہو میری تقدیر یہ بتاتی ہے کہ میں یہ سفر نہیں کر سکوں گی۔ اور اب حالات بھی یہی کچھ بتا رہے ہیں۔"

وہ بولا "مجھے بے وقوف نہ بناؤ تم یہ کہہ کر مجھ سے یہ چیزیں نہیں لے سکتیں کہ تمہاری تقدیر میں سفر کرنا نہیں لکھا ہے۔ اس طرح تم مجھے بے وقوف بنا کر یہ چیزیں حاصل کرنا چاہتی ہو۔ نہیں مادام نہیں۔ بس اب میں جا رہا ہوں اور دور ہی دور سے تمہارا تعاقب کرتا رہوں گا اور تمہاری نگرانی کرتا رہوں گا اور تمہیں کسی طرح بھی اس شہر سے باہر نہیں جانے دوں گا۔

یہ کہہ کر اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور باہر جا کر حکم دیا کہ وہ تیزی سے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ جائے اور اگر وہ کار روکے گی تو فائرنگ شروع کر دے گا۔ ممی نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور کار اسٹارٹ کرنے کے بعد اس کی رفتار بڑھا دی۔

ایسے وقت وہ مجھے یاد کر رہی تھیں اور مجھے سوچ کے ذریعے پکار رہی تھیں "فرہاد! تم کہاں ہو؟ کاش کہ تم میرے دماغ میں موجود ہوتے اور اس چور اچکے سے میرا پرس چھین کر مجھے واپس کر دیتے اب میں کیا کروں؟ گاڑی روکوں گی تو وہ پاگل کا بچہ فائرنگ شروع کر دے گا۔ بہر حال مجھے اب کوٹھی واپس جانا چاہئے۔ شاید فرہاد کو یاد ہو گا کہ جس شخص نے پہلے میری کار میں ریوالور دکھا کر دھمکی دی تھی، وہی شخص آج بھی ملا تھا۔ اس شخص کے لب و لہجہ کو فرہاد نے شاید یاد رکھا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو وہ میرا پرس واپس لے لے گا۔"

انہوں نے آگے ایک سڑک پر گاڑی موڑ دی۔ وہ وہاں سے کوٹھی کی طرف واپس آ رہی تھیں۔ ابھی یہاں پہنچنے میں دیر تھی اور اتنے میں اس ریوالور والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ حیران و پریشان سڑک کے کنارے کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟ یہ تو پہلے بھی اس عورت نے مجھے گاڑی سے سڑک کے کنارے اتار دیا تھا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا تھا اور اب۔ اب بھی یہی ہے۔ سڑک پر کھڑا ہوا ہوں اور وہ گاڑی کہیں جا چکی ہے۔ یہ پرس میرے ہاتھ میں ہے اور شاید یہ اسی کا پرس ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے پرس کو کھول کر دیکھا۔ اس میں کچھ نقدی، پاسپورٹ اور دوسرے اہم کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ وہ جھلا گیا اور جھلا کر ان چیزوں کو پھینکنا چاہتا تھا کہ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر اس نے تمام چیزوں کو پرس میں بند کیا اور وہاں سے تیزی سے چلتا ہوا تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ ایک جھیل کے پاس پہنچا۔ میں چونکہ اس کے دماغ پر قابض تھا اس لئے اس نے میری مرضی کے مطابق اس پرس کو دور پانی میں پھینک دیا۔ وہ پرس جھیل کی سطح پر گرداب بناتا ہوا تہہ میں چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے اس شخص کے دماغ کو آزاد کر دیا۔ اب وہ حیران و پریشان ہو کر جو کچھ بھی سوچتا رہے۔ میں وہاں سے واپس آ گیا۔

میں ممی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ چوری کی رپورٹ درج کرانے کے لئے ایک پولیس اسٹیشن کے سامنے ٹھہر گئی تھیں۔ میں ان کے دماغ سے واپس آ گیا۔ اتنا اطمینان ہو گیا کہ وہ آدھ گھنٹے سے پہلے یہاں نہیں پہنچیں گی۔ میں انہیں چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچا۔ سونیا آرام سے سو رہی تھی۔ کیونکہ آج رات اسے ایک مہم پر روانہ ہونا تھا۔ لیون زوکی طرف اس نے شام کو جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ اس لئے ذرا نیند پوری کر رہی تھی۔

مجھے وہ لڑکی یاد تھی جو سونیا کے کمرے میں آ کر اس سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کا نام نوما تھا۔ میں نوما کے پاس پہنچا تو وہ بھی سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس کے سونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ سیر و تفریح میں پچھلی رات گزاری تھی۔ اور اب نیند پوری کرنا چاہتی تھی۔ بستر پر لیٹی ہوئی آنکھیں بند کر رہی تھی کہ اسی وقت میں نے اس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ تب وہ سحر زدہ سی ہو کر اٹھ بیٹھی پھر بستر چھوڑ کر اپنی میز کے پاس آئی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہاں اس نے ایک لیٹر پیڈ نکالا پھر قلم کھول کر میری مرضی کے مطابق لکھنے لگی۔

"مائی سویٹ سونیا! تمہارے سر پہ ایک بہت بڑا خطرہ منڈلا رہا ہے اس شہر کے ماسٹر کا ایک آلۂ کار ڈبل فنگر کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کی دائیں ہتھیلی میں صرف دو انگلیاں ہیں اور وہ دو انگلیاں تیر اور تلوار کی طرح انسانی جسم میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ وہ تمہاری بو سونگھتا پھر رہا ہے۔ ہوٹل ڈی فرانس میں آج رات وہ لیون زو کے پاس جائے گا اور اس سے تمہاری حقیقت اگلوائے گا۔ ان لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ سوزی کے روپ کے پیچھے سونیا چھپی ہوئی ہے۔ اگر تم لیون زو کی حفاظت کے لئے ہوٹل ڈی فرانس جاؤ تو اس ڈبل فنگر سے محتاط رہنا اور یہ کوشش کرنا کہ وہ لوگ کسی طرح بھی تمہیں پہچان نہ سکیں۔ فقط

تمہاری ہمزاد"

نوما اتنا لکھنے کے بعد اس کاغذ کو لیٹر پیڈ سے نکال کر اپنے کمرے سے باہر آ گئی اور سونیا کے کمرے کی طرف جانے لگی سونیا دروازہ کو بند کر کے سو رہی تھی۔ نوما نے ہولے سے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی تب اسے پتہ چلا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ وہ کوٹھی کے باہر آئی وہاں سے ایک پتھر اٹھایا پھر سونیا کے کمرے کے پاس پہنچ کر اس پتھر کے اطراف

[ر]ولپیٹ کر اس کا گولا بنایا۔ اس کے بعد کھڑکی سے اس گولے کو سونیا کے بستر کے قریب اچھال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ وہاں سے [چلی] آئی اور اپنے کمرے میں پہنچ کر اپنے دروازے کو بند کر لیا اور اسی طرح لیٹ گئی، جس طرح پہلے لیٹی ہوئی تھی۔ جیسی حالت میں میں نے [ٹر]یپ کیا تھا۔ پھر اسی حالت میں اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ [اس] نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا جیسے بہت سے لمحات اس کی زندگی سے [نکل] گئے ہوں اور وہ ان لمحات کا حساب نہیں کر سکتی ہو۔ کچھ غیر فطری [سی] بات اس نے محسوس کی۔ چونکہ اسے نیند آ رہی تھی۔ اس لئے وہ [آن]کھیں بند کر کے سو گئی۔

میں نے وہاں سے واپس آ کر ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر اطمینان سے اس کے کش لگانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ممی کوٹھی میں داخل ہو رہی تھیں اور مجھے آوازیں دے رہی تھیں "فرہاد! تم کہاں ہو؟"

وہ مجھے پکارتی ہوئی میرے کمرے میں آ گئیں۔ میں نے انہیں دیکھتے [ہی] پوچھا "خیریت تو ہے؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں؟"

وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک کرسی پر گر پڑیں۔ پھر بولیں "کیا [بت]اؤں بیٹے! میں نے سوچا کچھ تھا اور ہو گیا کچھ۔ ابھی تھانے میں رپورٹ لکھوا کر آ رہی ہوں۔ میرا وہ پرس چوری ہو گیا ہے جس میں میرا پاسپورٹ [او]ر ضروری کاغذات تھے۔"

میں انجان بن کر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی کرسی پر سیدھا ہو گیا "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ممی؟ کس نے وہ پرس چوری کیا ہے؟ کیا آپ نے چور کو دیکھا ہے؟"

"ہاں! شاید تمہیں یاد ہو کہ جب ہم ایئرپورٹ سے واپس آ رہے تھے میں اپنی کار میں تھی۔ آشا بیلا اپنی کار میں اور تم علیحدہ ایک کار میں تھے۔ تب ہم تینوں کو تین ریوالور والوں نے کور کیا تھا۔ ہمیں کہیں پہنچانا چاہتے تھے۔ تم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ وہی شخص جس نے پہلے مجھے دھمکی دی تھی۔ آج میری کار میں پیچھے چھپا بیٹھا تھا اور وہی میرا پرس مجھ سے چھین کر لے گیا ہے۔"

"تعجب ہے کہ وہ پھر کیوں آپ کے پاس آیا تھا؟ کوئی نقصان پہنچانے کے بجائے صرف پرس لے کر چلا گیا؟"

میری اس بات پر انہوں نے ایک گہری سانس لی "بیٹے اصل بات یہ ہے کہ میں تقدیر کے خلاف اپنی چال چل رہی تھی۔ اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میرے نصیب میں ابھی سفر کرنا نہیں لکھا ہے۔ میں جبراً تمہارے ساتھ جانا چاہتی تھی۔ اور یہ دیکھنا بھی چاہتی تھی کہ تقدیر مجھے کس طرح روکتی ہے۔ سو آج دیکھ لیا۔ کاش! تم میرے دماغ میں موجود ہوتے تو میں اپنی تقدیر سے لڑ سکتی تھی۔"

"ممی! ہم اور آپ تقدیر سے نہیں لڑ سکتے! اسی لئے تو میں آپ کے دماغ میں موجود نہیں تھا۔"

"بیٹے! کیا تم اس شخص کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے؟"

مجھے ان کے التجا کرنے پر بڑا ترس آیا لیکن میں نے اپنے دل کو سخت کر لیا۔ جب تقدیر ساتھ نہیں دے رہی تھی تو مجھے بھی یہی کرنا تھا نہیں اس بڑھاپے میں سفر کی صعوبتوں سے دور رکھنے کے لئے میں نے کہا۔ "سوری ممی! بات دو تین دن پرانی ہو چکی ہے اور میں اتنے لوگوں کے دماغ میں پہنچ کر خیال خوانی کرتا ہوں کہ ہر ایک کا لب و لہجہ مجھے یاد نہیں رہتا ہے اور وہ ریوالور والا تو ایک معمولی آلۂ کار تھا۔ میں نے اسے ٹریپ کرنے کے بعد فراموش کر دیا تھا۔ اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اسی لئے مجھے اب اس کا لب و لہجہ یاد نہیں ہے۔"

وہ مایوس ہو کر میرا منہ تکنے لگیں۔ میں نے کہا "ممی! پریشان ہونے یا مایوس ہونے کی بات نہیں ہے جب آپ نے تھانے میں رپورٹ درج کرائی ہے تو وہ شخص پکڑا جائے گا اور نہ بھی پکڑا گیا تو آپ دوبارہ ان کاغذات کی تیاری کریں اپنا پاسپورٹ بنائیں اور سفر کے لئے نئے سرے سے حوصلہ کریں۔"

"بیٹے! اس میں تو کئی دن لگ جائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میرا چونکہ ابھی جانا ضروری ہے۔ اس لئے میں چلا جاؤں گا اور جہاں بھی پہنچوں گا، جہاں بھی رہوں گا وہاں سے دماغی رابطہ قائم رکھوں گا۔ جب بھی آپ کی تیاری مکمل ہو جائے مجھے بتائیے گا تو میں آپ کو اپنے پاس بلا لوں گا۔"

وہ بولیں "ہاں! اب یہی ہو سکتا ہے۔ فی الحال میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گی۔ میں اپنے سفر کی تیاریاں کرنے کی وجہ سے تم سے کہہ رہی تھی کہ کل صبح یہاں سے چلے جانا۔ چونکہ اب میں نہیں جا رہی ہوں۔ لہٰذا تم ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ شام سے پہلے تم چیک پوسٹ پہنچ کر وہاں سے اپنا سفر شروع کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ آشا بیلا کے کیس میں تمہارا نام آئے۔ پھر پولیس والے تمہیں تلاش کرنا شروع کر دیں گے۔"

"آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر۔ چلنے میں تیار ہوں۔ مجھے چیک پوسٹ تک پہنچا دیجئے۔"

ہم کوٹھی سے باہر آئے۔ گاڑی پورچ میں کھڑی ہوئی تھی میں ممی کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کار اسٹارٹ کی پھر وہ کار چیک پوسٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔

راستے میں ممی خوب باتیں کر رہی تھیں۔ اور کبھی کبھی اپنی تقدیر کو کوس رہی تھیں۔ یہ تقدیر کیا ہوتی ہے؟ غور کیا جائے تو ہم سب ایک دوسرے کی تقدیر اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں اور بگاڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر ممی سفر کرنے کے لئے تیار تھیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تقدیر کا منشا یہ نہیں ہے۔ پھر اس سفر سے کس نے روکا؟ میں روکنا چاہتا تھا مگر تنہا انہیں نہیں روک سکتا تھا۔ ان کی ناراضگی سے ڈر رہا تھا

ایک ریوالور والا ان کے راستے کی دیوار بن گیا۔ وہ انہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ لیکن تقدیر یہ بھی نہیں چاہتی تھی۔ کہ ممی کی موت واقع ہو انہیں موت سے بھی بچانا تھا اور سفر کرنے سے بھی روکنا تھا۔ تب اسی ریوالور والے کو میں نے ٹریپ کیا۔ یعنی تقدیر کے یہ کھیل تھے کہ ہم ایک دوسرے کو روکیں۔ یہ تقدیر ہمارے آپ کے ہاتھوں سے کھیلتی ہے اور ہمیں کھلاتی ہے۔ ہمارے اور آپ کے ہاتھوں سے بنتی اور بگڑتی ہے اور ہمیں اور آپ کو بناتی اور بگاڑتی ہے۔

جب ہم چیک پوسٹ پر پہنچے تو اس وقت پانچ بج رہے تھے اور ٹھیک اس وقت پومی رنگون شہر پہنچ گئی تھی۔ یہ بھی تقدیر کا عجب مذاق تھا اس سے ملنے کی بات تو بہت دُور تھی۔ میں اسے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ تقدیر منع کر رہی تھی۔

سامی مجھے دیکھتے ہی میرے پاس آ گئی۔ غلام نے روانگی کے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ یہ تحریری بیان دے دیا تھا کہ ہم صبح اس چیک پوسٹ سے روانہ ہو جائیں گے رنگون شہر چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں گے، میں نے اس تحریری بیان میں تبدیلی کرائی۔ آفیسر کو بتایا کہ ہم ابھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔

جب روانگی کا وقت آیا تو ممی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے میں نے انہیں دونوں بازوؤں میں لے کر سینے سے لگا لیا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر مجھے چومنے لگیں۔ میں نے کہا "ممی ہم جسمانی طور پر جدا ہو رہے ہیں لیکن آپ جانتی ہیں کہ میں ہمیشہ آپ کے دماغ میں موجود رہوں گا اور آپ کی خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔ انشاءاللہ ہم بہت جلد پھر ملیں گے۔"

میں انہیں تسلیاں دے رہا تھا حالانکہ اس محترم، باصلاحیت بزرگ ہستی سے بچھڑتے وقت مجھے بھی دُکھ پہنچ رہا تھا لیکن مجبوری تھی میں نے انہیں اچھی طرح تسلیاں دینے کے بعد ان کی پیشانی پر آخری بوسہ لیا اس کے بعد گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ غلام نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر وہاں سے ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ ممی اپنی جگہ کھڑی ہوئی ہماری گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ جب تک گاڑی سیدھی سڑک پر چلتی رہی، میں انہیں کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ پھر گاڑی نے ایک موڑ اختیار کیا تو وہ نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ میں غلام کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ممی کو بھلانے کے لئے اس سے باتیں کرنے لگا۔

رنگون شہر کی حدود سے باہر نکل جانے کے بعد میں نے پومی کی خبر لی۔ وہ اپنے گھر پہنچ گئی تھی۔ دوسری طرف سے اس کے باپ کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد اس کے گھر پہنچا دی گئی تھی اور اب وہ اپنے باپ کی لاش کے سامنے کھڑی ہوئی رو رہی تھی۔

میں نے اس کی سوچ میں اسے تسلی اور حوصلہ نہیں دیا کیونکہ اس کے ساتھ پے در پے کئی المیے گزر چکے تھے۔ پہلے ماں ماری گئی۔ پھر جوان بھائی مارا گیا۔ اس کے بعد باپ کی لاش سامنے پڑی ہوئی تھی۔ خون کے رشتے تین چار دنوں کے اندر ہی چٹ پٹ ہو گئے تھے۔ اب وہ بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ ایسی حالت میں اسے خوب جی بھر کر رونا چاہئے تھا۔ رونے سے ہی غم کا غبار دُھل سکتا ہے۔ اس لئے میں نے اسے رونے کے لئے چھوڑ دیا اور وہاں سے واپس آ گیا۔

سونیا نیند سے بیدار ہو چکی تھی ابھی اس کی سوچ نے بتایا کہ بیدار ہونے کے بعد جب اس نے کروٹ لی تو اس کی پسلی میں کوئی چیز چبھ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر دیکھا تو وہی کاغذ کا گولا نظر آیا جس کے اندر پتھر رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ کسی کی تحریر نظر آئی تھی۔ چونکہ اس کا نام لے کر اسے مخاطب کیا گیا تھا۔ اس لئے پہلی نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی اور اسے شروع سے آخر تک پڑھ لیا۔ پڑھنے کے بعد اب وہ سوچ رہی تھی کہ یہ سب کیا ہے؟ کس نے یہ خط لکھ کر اس کے بستر پر پھینکا تھا؟ کون اس کا ہمدرد یا اس کی ہمدردی ہے کہ خط کے آخر میں ہمزاد لکھا ہوا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی اور بار بار اسے میرا خیال آ رہا تھا۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ سوزی کی حیثیت سے اس بلڈنگ کے مکین اسے جانتے ہیں اور دوسری جو پینگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنے والی لڑکیاں ہیں۔ وہ بھی اسے سوزی کے نام سے جانتی ہیں۔ کون ایسا ہے جو اسے سوئیٹ سونیا کہہ کر مخاطب کرے گا؟ اور پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کرے گا۔ یہ فرہاد ہی کر سکتا ہے اور وہ سمجھ گیا ہے کہ میں اس کی ہمدردی اور اس کی محبت قبول نہیں کروں گی۔ اس لئے وہ ایسے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔

وہ پھر غصے سے دانت پیسنے لگی۔ بستر سے اٹھ کر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ سوچ کے ذریعے مجھے پکار پکار کر کہنے لگی "ہمت ہے تو سامنے آؤ۔ سامنے نہیں آتے تو مجھ سے سوچ کے ذریعے باتیں کرو۔ تمہیں منہ توڑ جواب دوں گی۔ بڑے آئے ہمدردی کرنے والے۔ میں کہتی ہوں میرا پیچھا چھوڑ دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

میں چپ چاپ مسکراتا رہا۔ وہ کئی بار مجھے دھمکیاں دینے مجھے مخاطب کرنے اور مجھ پر غصہ اتارنے کے بعد خاموش ہو گئی اور انتظار کرنے لگی کہ میں اسے جواب دوں گا۔ اس نے سوچا کہ اگر جواب نہیں ملا تو وہ مجھے ایسی سخت بات کہے گی کہ مجھے تاؤ آ جائے گا اور میں اسے ذہنی اذیتیں پہنچانے کے لئے ہی اس کے دماغ میں پہنچوں گا اور اسے مجبور ہو کر مخاطب کروں گا۔

پھر وہ اپنا یہ حربہ بھی استعمال کرنے لگی۔ عجیب الٹی سیدھی باتیں کرنے لگی۔ اس نے صرف گالی نہیں دی۔ گالی دینے کی حد تک مجھے بُرا بھلا کہتی رہی۔ مجھے تاؤ دلاتی رہی۔ لیکن میں پتھر بنا رہا۔ میں نے اس کی کسی بات کو اہمیت نہیں دی۔ خاموش تماشائی بن کر

اس کے تلملانے کا انداز دیکھتا رہا، لطف اندوز ہوتا رہا۔

میں ٹھہر ٹھہر کر اس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ شانت ہو گئی اور پُر سکون ہو کر سوچنے لگی "غصہ دکھانا بے سود نہیں ہو گا۔ شاید وہ میرے دماغ میں موجود نہیں ہے۔ شاید یقیناً وہ میرے دماغ میں موجود نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میری باتوں سے تلملا کر جواب دیتا۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد پھر میں اسے مخاطب کروں گی۔ اور دیکھوں گی کہ کیسے وہ میرا ساتھی، میرا ہمدرد اور میرا محبوب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کس طرح کام آتا ہے۔ میں اس کی ہر مدد کو ٹھکرا دوں گی۔"

غلام کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ پوچھ رہا تھا "آقا! کیا بات ہے خوب مسکرا رہے ہیں؟"

"ہاں! ایسی جگہ پہنچ گیا ہوں جہاں مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں میسر ہوتی ہیں۔"

"آپ بھی خوب علم رکھتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں بیٹھے بیٹھے پہنچ جاتے ہیں۔ خواہ کسی حال میں ہوں۔ اپنی ایک جنت بنا لیتے ہیں۔"

میں سونیا کے تصور سے مسکراتا رہا۔ رات کی تاریکی میں گشتی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دُور تک راستہ روشن کر رہی تھی۔ میں اپنے دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ اب ہمارے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آئے کہ میرا سفر ملتوی ہو جائے۔ بس میں آگے ہی آگے چلتا رہوں۔

دنیا کے مشرقی ممالک میں رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور مغربی ممالک میں دن کا اجالا تھا۔ سونیا دوپہر کا کھانا کھا رہی تھی اور سوچتی جا رہی تھی کہ اسے کس طرح ڈبل فنگر تک پہنچنا ہے اور خود کو اس کی نظروں سے کس طرح دُور رکھنا ہے۔ ایسا سوچتے وقت بار بار اس کا ذہن اس خط پر جاتا تھا جو اس نے اپنے بستر پر پایا تھا اور جب وہ اس خط کے مطابق سوچتی تو اسے مجھ پر غصہ آنے لگتا۔ میں نے اس کی سوچ میں آہستگی سے کہا "یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ تم اسے یاد کر کے اپنا غصہ دکھاتی رہو۔ تمہیں پُر سکون رہ کر آج رات کی مہم کے لئے ذہنی طور پر بالکل نارمل رہنا چاہئے۔ ورنہ تم کامیاب نہ ہو سکو گی اور اسی غصے کی حالت میں ڈبل فنگر کی نظر میں آ جاؤ گی۔"

وہ قائل ہو کر مجھے اپنے دماغ سے نکالنے اور پُر سکون ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ اب میں ڈبل فنگر کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آواز اب تک میرے پاس نہیں پہنچی تھی اور نہ ہی کوئی ذریعہ تھا کہ میں اس کے دماغ تک پہنچ سکتا۔ میں نے اس شخص کے دماغ میں جھانک کر دیکھا جس نے براہِ راست اس ڈبل فنگر سے بات کی تھی اور ڈبل فنگر نے جواباً اپنی انگلیوں کے اشارے سے جواب دیا تھا۔

میں نے اس شخص کے پاس پہنچ کر اس کے دماغ میں... ڈبل فنگر کی یاد تازہ کی۔ وہ جھنجھلا کر سوچنے لگا: "ڈبل فنگر کہیں اپنی قبر میں سو رہا ہو گا۔ یا پھر..." اس نے ڈبل فنگر کو ایک زبردست گالی دی: "وہ بڑی شہنشاہوں جیسی زندگی گزارتا ہے۔ ہم لوگ ایک معمولی آلۂ کار کی حیثیت سے محض اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔"

بہرحال اس کی سوچ سے پتہ چل گیا کہ ڈبل فنگر اپنی رہائش گاہ میں موجود نہیں ہے۔ پتہ نہیں اس وقت کہاں ہو گا۔ میں نے وہاں کے ماسٹر موس ٹروتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اسے بھی پتہ نہیں تھا کہ ڈبل فنگر کہاں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک بات طے کر لی تھی، کہ رات کو ایک اہم کام انجام دینا ہے۔ سوزی اور سونیا کی اصلیت معلوم کرنی ہے۔ اس کام کے طے پا جانے کے بعد وہ ماسٹر موس ٹروتی کا پابند نہیں رہا تھا۔ اس لئے اسے بتائے بغیر کہیں سیر و تفریح کے لئے نکل گیا تھا۔ اس کی سیر و تفریح مجھے مہنگی پڑ رہی تھی اور میں اس کے دماغ تک پہنچنے میں ناکام ہو رہا تھا اور یہ ناکامی سونیا کو نقصان پہنچا سکتی تھی۔

رات کے دس بجے ہم چھوٹے سے ایک شہر میں پہنچے وہاں پولیس اسٹیشن میں رپورٹ دینے کے بعد آفیسر نے مجھ سے کہا "ہمیں رات کے وقت اپنا سفر جاری نہیں رکھنا چاہئے۔ آگے چوری، ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ راہ میں لوٹنے والے مسافروں کو جان سے مار بھی ڈالتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں دن کے وقت یہاں سے روانہ ہونا چاہئے۔"

اس کا مشورہ درست تھا۔ میں خود نہیں چاہتا تھا کہ کسی مصیبت کو دعوت دوں۔ پھر اس میں الجھ کر اپنی راہ کھوٹی کر لوں۔ اس لئے میں نے وہاں ٹھہرنے کا پروگرام بنا لیا۔ بھوک لگ رہی تھی۔ غلام نے رنگون شہر میں کھانے کا سامان خرید کر رکھ لیا تھا۔ وہ کچن میں پہنچ کر وہاں سے لایا ہوا کھانا گرم کرنے لگا۔

ہم نے پانچ گھنٹے تک سفر کیا تھا۔ اس وقت تک جیسے جوالا کی لاش وہاں کے مسان گھاٹ تک پہنچا دی گئی تھی اور اس کی چتا کو آگ لگا دی گئی تھی۔ پومی دُور کھڑی ہوئی اس چتا کو دیکھ رہی تھی۔ یہ کوئی ایسا خوشگوار منظر نہیں تھا کہ میں کھانے کے دوران دیکھتا رہتا۔ اس لئے میں اپنی جگہ واپس آ گیا۔

اس وقت پیرس میں شام کے چھ بج رہے تھے سونیا نے اپنے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر دیا تھا اور میک اپ کرنے کے لئے آئینے کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ اس نے تمام دوسری پینگ گیسٹ سے کہہ دیا تھا کہ اب وہ سونے جا رہی ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے لہٰذا کوئی اسے ڈسٹرب نہ کرے۔ ان تمام لڑکیوں سے مطمئن ہو کر اب وہ میک اپ میں مصروف ہو گئی تھی۔

میں پھر اس ماسٹر موس ٹرڈنی کے پاس پہنچا۔ مجھے ڈبل فنگر کی فکر لگی ہوئی تھی۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک سونیا کے سر پہ پہنچ جائے۔ موس ٹرڈنی کی سوچ پڑھنے کے بعد پتہ چلا کہ.... اسکاٹ لینڈ میں جو سپر ماسٹر کے آلۂ کار تھے۔ انہوں نے سوزی کے فلیٹ کی تلاشی لی تھی۔ سوزی کے فلیٹ سے اس کی تصویریں حاصل کرنے کے بعد یہاں موس ٹرڈنی کو بھیجی تھیں۔ اب موس ٹرڈنی نے ان تصویروں کو اپنے آلہ کاروں کے پاس پہنچایا تھا۔ ایک پولیس افسر کو بھی وہ تصویر دی تھی۔ اس سے ذاتی اثر و رسوخ کی بنا پر کہا تھا کہ یہ عورت آج صبح اسکاٹ لینڈ سے پیرس آئی تھی لیکن یہاں آتے ہی غائب ہو گئی ہے۔ اسے تلاش کریں۔ یہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والی عورت ہے۔ یہاں اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہونے والا ہے۔

موس ٹرڈنی کے بھڑکانے پر وہاں کے پولیس والے بھی جگہ جگہ سونیا کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ میں نے اس ماسٹر کی سوچ پڑھی تو اس کا اپنا خیال یہ ظاہر ہوا کہ سوزی کا یہاں کوئی رشتہ دار نہ ہوگا۔ جیسا کہ اسکاٹ لینڈ کے آلہ کاروں نے خبر بھیجی تھی کہ وہ رقم لینے کے بعد پیرس جانے کا منصوبہ بنا رہی ہے اور پہلی بار وہ پیرس گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوزی کا یہاں کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ کسی ہوٹل میں ٹھہرے گی یا کسی کے یہاں پئینگ گیسٹ کی حیثیت سے قیام کرے گی۔

وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ یقیناً پولیس والے بھی اسی انداز میں سوچ رہے ہوں گے۔ سونیا کو تلاش کر رہے ہوں گے۔ چونکہ وہ پیرس سے دُور ایک مضافاتی بستی میں تھی اس لئے وہاں پولیس والوں کو پہنچنے میں دیر ہو رہی تھی۔ بالفاظِ دیگر پولیس والوں نے.... مضافاتی بستی کو پہلے اہمیت نہیں دی تھی۔ اسے شہر ہی میں تلاش کیا جا رہا تھا۔

سونیا تک یہ اطلاع پہنچانا ضروری ہو گیا تھا۔ اور میں اس کے لئے لوما ہی سے کام لے سکتا تھا لیکن جب میں لوما کے دماغ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ پیرس شہر میں بہت دُور اپنے ایک بوائے فرینڈ کے ساتھ پہنچی ہوئی ہے۔ اب اس سے کام لینے کے لئے ضروری تھا کہ میں اسے پھر اس عمارت میں واپس لاؤں۔ اس کے ذریعے سونیا تک اطلاع پہنچاؤں اور یہ مناسب نہیں تھا۔ اس کو اور اس کے بوائے فرینڈ کو شبہ ہوتا کہ لوما کے ساتھ ضرور کوئی پُراسرار طاقت ہے جو لوما کو جبراً لے گئی ہے۔ پھر یہ کہ میں اس کے بوائے فرینڈ کی موجودگی میں اس سے دوبارہ خط نہیں لکھوا سکتا تھا۔ اور اس کے لئے بھی کافی جدوجہد کرنی پڑتی۔ کافی وقت ضائع ہوتا۔ میں سونیا کے پاس واپس آ کر سوچنے لگا۔

وہ میک اپ میں مصروف تھی اور اس کے قریب ایک ریڈیو آن تھا۔ ریڈیو سے مغربی موسیقی ابھر رہی تھی۔ موسیقی کے دوران کبھی کبھی اناؤنسر کوئی لطیفہ سناتا تھا اور پھر نئے آرکسٹرا کی خصوصیت بیان کرنے کے بعد وہ نیا آرکسٹرا سنایا جاتا تھا۔ اچانک مجھے ایک تدبیر سوجھی۔ جب وہ اناؤنسر ایک لطیفہ سنا رہا تھا۔ تبھی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

تب ریڈیو سے آواز ابھرنے لگی ــــ "لیڈیز اینڈ جنٹلمین! اب میں آپ کے سامنے ایک اجنبی بولی بول رہا ہوں۔ آپ توجہ سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ یہ کس ملک کی بولی ہے۔"

یہ کہنے کے بعد وہ ٹوٹی پھوٹی اُردو زبان میں ــــ جس طرح سونیا اُردو بولا کرتی تھی ــــ کہنے لگا۔ "س سے سونیا ہوتا ہے اور س سے سالی بھی ہوتا ہے۔ اور سالی جو رُو کا بہن کو بولتا ہے۔ سالی! تم آرام سے کیا بیٹھا ہوا ہے؟ اِدھر میں تمہارا دشمن لوگ تم کو تلاش کرتا پھرتا ہے۔ تم جلدی . . . سے وہ جگہ چھوڑ کے بھاگ نہیں تو تمہارا شامت آ جائے گا۔ ناؤ یو لسن اے ہپی آرکسٹرا کمپوزڈ ود ھ انڈین میوزیکل انسٹرومنٹ۔"

اس کے ساتھ ہی ایک ایسا آرکسٹرا ریڈیو سے ابھرنے لگا جو کہ ہندوستانی سازوں سے ترتیب دیا گیا تھا۔ میں اسی وقت سونیا کے دماغ میں واپس آ گیا۔ وہ میک اپ کرنا بھول گئی تھی۔ اور حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ریڈیو کو دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ یہ پیغام اس کے لئے ہے اور اسے تاکید کی جا رہی ہے کہ وہ آرام سے نہ بیٹھے اور فوراً وہ جگہ چھوڑ دے۔

اب وہ اس ریڈیو کو غصّے سے دیکھ رہی تھی کیونکہ وہاں تصوّر میں میری صورت ابھر رہی تھی۔ وہ نادان بچی تو نہیں تھی، کہ میری حرکتوں کو نہ سمجھ سکتی۔ وہ پھر سوچ کے ذریعے چیخنے لگی: "فرہاد! تم خیریت چاہتے ہو تو مجھ سے دو باتیں کرو اور مجھ سے دو ٹوک فیصلہ کرو۔ میرا فیصلہ پہلے سے سن لو۔ میں تمہارا ساتھ برداشت نہیں کروں گی۔ نہ ہی تم سے دوستی بڑھاؤں گی۔ جو کچھ ہو چکا ہے اسے ختم کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں خطرات کو دعوت دوں گی اپنی جان پر کھیل جاؤں گی لیکن تمہاری مدد قبول نہیں کروں گی۔"

اس کے جواب میں خاموشی رہی۔ اس خاموشی نے اسے اور بھی جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ تب میں نے اس کی جھنجلاتی ہوئی سوچ میں کہا: "میں کیوں خواہ مخواہ اس طرح غصّہ دکھا رہی ہوں۔ میں اگر اس کی امداد قبول نہ کروں تو یہی اس کے لئے جوابی کارروائی ہوگی۔ وہ اپنے طور پر میری مدد کرنا چاہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے مدد کرنا چاہتا ہے۔ تو پھر وہ مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتا؟"

"شاید اس لئے کہ میں اس سے غصّے اور نفرت کا اظہار کر چکی ہوں اور اسے اپنے دماغ میں آنے سے منع کر چکی ہوں۔ اسی لئے وہ میرے پاس نہ آ کر مجھے سہارا دے رہا ہے۔"

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ذرا سا پُرسکون ہو کر سوچنے لگی: "ہاں ٹھیک ہے۔ اسے میرے دماغ میں نہیں آنا چاہئے۔ میں اس کے وجود کا سایہ اور اس کی سوچ کی لہروں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جب بھی اس کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے بہت زیادہ غصّہ آنے لگتا ہے۔ میں کوئی نادان عورت نہیں ہوں کہ دل کی باتوں میں آ کر اس کی محبت میں گرفتار ہو جاؤں۔"

یہ سوچتے وقت اس نے اپنے سر کو میز پر جھکا لیا۔ وہاں اپنا سر ٹیک کر اپنے دل کو سمجھانے لگی۔ اسے تھپک تھپک کر سلانے لگی کہ کہیں وہاں گہرائیوں میں چھپی ہوئی محبت ابھر نہ آئے۔ اور وہ محبت فرہاد کے سامنے چغلی نہ کھائے۔ وہ چپ تھی۔ وہ کسی کمزور عورت کی طرح آنسو نہیں بہا سکتی تھی اور کسی لُٹ جانے والی محبوبہ کی طرح فریاد کرنا بھی اس کے مزاج کے خلاف تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس کے دماغ نے اسے سمجھایا کہ اسے وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ جب وہ خطرے سے آگاہ ہو چکی ہے تو اسے جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ دشمن اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں۔ اور یہاں تک پہنچ کر وہ اس کے لئے مصیبت بن سکتے ہیں۔

اس نے اپنے سر کو جھٹک کر کہا: "نہیں! میں اس کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق عمل نہیں کروں گی۔ میں اسے بتا دوں گی کہ جب بھی وہ میری مدد کرے گا میں اس کے خلاف عمل کروں گی اور اب میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گی۔ جب تک کہ مکمل طور پر میک اپ نہیں کر لوں گی اور جب تک مجھے اطمینان سے یہاں سے نکل جانے کا موقع نہ ملے۔ میں جلد بازی سے کام نہیں لوں گی۔ یہ تاثر نہیں دوں گی کہ فرہاد کی اطلاع کے مطابق عمل کر رہی ہوں۔"

وہ ضدی اور لڑاکا محبوبہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے والی نہیں تھی۔ اس نے اپنا جو ٹائم ٹیبل بنا لیا تھا کہ فلاں وقت میک اپ کرنا ہے اور فلاں وقت اس کمرے کے چور دروازے سے نکل کر جانا ہے۔ وہ ٹھیک اسی طرح عمل کرنے والی تھی اور میری فراہم کردہ اطلاع کو بالکل ہی نظر انداز کر رہی تھی۔ مجھے بتا رہی تھی کہ وہ میری محتاج نہیں ہے۔ اگر اس کے وہاں سے نکلنے تک کوئی مصیبت نازل ہوئی تو وہ اس مصیبت سے تنہا نمٹ لے گی۔ فرہاد کو مدد کے لئے نہیں پکارے گی۔

میں تھوڑی دیر کے لئے اسے چھوڑ کر اپنی جگہ واپس آ گیا۔ ہماری گشتی گاڑی پولیس اسٹیشن سے ذرا دُور سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی تھی۔ غلام واپس پولیس اسٹیشن کے برآمدے میں جا کر لیٹ گیا تھا میں سامی کو لے کر ٹرالمر کیبن میں آیا اور آرام سے بستر پہ لیٹ گیا سامی اپنی حرکتوں سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی اور میری توجہ چاہتی تھی۔ میں اس کی طرف بظاہر توجہ دے رہا تھا۔ اسے کبھی آغوش میں لے کر سہلاتا تھا۔ کبھی اپنے بازوؤں پر سلا کر تھپکنے لگتا تھا تاکہ وہ سو جائے مگر میرا سارا دھیان سونیا کی طرف لگا ہوا تھا۔ اس کم بخت نے میری مدد کو قبول کرنے سے انکار کر کے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پھر میں نے چپکے سے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بڑی مہارت سے میک اپ مکمل کر رہی تھی اور ایک حسین دوشیزہ کا رُوپ اختیار کر رہی تھی۔ میں چونکہ چپ چاپ شعور اور لاشعور کو کھنگال رہا تھا۔ اس لئے میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے غصّہ دکھانے کے باوجود میک اپ کو غیر شعوری طور پر جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے کیونکہ اس کے شعور کے تہہ خانے میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ اسے جلد وہاں سے نکل جانا چاہئے اور شعوری طور پر وہ وہاں سے اپنے مقررہ وقت پر ہی نکلنا چاہتی تھی۔ اس کے اندر ایک کشمکش جاری تھی۔

ہزاروں سال پہلے جب انسان غاروں میں رہتا تھا اور جب اس کے پاس اپنی حفاظت کے لئے تیر تلوار اور طمنچے نہیں ہوتے تھے تب بھی وہ اپنی سلامتی کے لئے حفاظتی تدابیر کیا کرتا تھا۔ انسان فطرتاً اپنی سلامتی کا خواہاں ہوتا ہے۔ میں جانتا تھا کہ سونیا ہزار بار انکار کرے باوجود غیر شعوری طور پر اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے جلد از جلد وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گی۔ لہٰذا میں اس کی طرف سے ذرا مطمئن ہو کر پھر واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔

اس رات میں سو نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ جہاں میں تھا وہاں رات کا ایک بج رہا تھا۔ اور جہاں سونیا تھی وہاں رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ میرے سونے کا وقت ہو چلا تھا اور سونیا کی مہم جُوئی کا شوق پورا ہونے والا تھا۔ مجھے اس کے لئے جاگتے رہنا تھا۔ میں نے جاگنے کے لئے اِدھر اُدھر کی باتیں سوچنا شروع کر دیں۔ پومی کا بھی خیال آیا۔ اس سے پہلے میں نے غلام کی خبر لی کہ وہ اپنی جگہ بخیریت ہے یا نہیں۔ وہ کم بخت بخیریت تھا اور اس نے بڑی فراخدلی سے وہاں کے پولیس آفیسر کو پچیس ڈالر دیئے تھے جس کے بدلے اس آفیسر نے اس کے لئے شراب کی ایک بوتل مہیا کی تھی اور اب وہ دونوں بیٹھے شراب سے شغل کر رہے تھے

میں اس کے بعد پومی کے پاس پہنچ گیا لیکن وہاں پہنچتے ہی مجھے فوراً بستر سے اٹھ کر بیٹھ جانا پڑا۔ کیونکہ پومی بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور دماغی طور پر حاضر نہیں تھی۔ میں اسے سوچ کے ذریعے آواز دے کر بیدار نہیں کر سکتا تھا۔ میں کسی کو نیند کی حالت میں ٹریپ کر سکتا تھا اس کے دماغ سے معلومات حاصل کر سکتا ہوں۔ لیکن بے ہوش ہونے والے کا دماغ نہایت ہی کمزور اور بے حس ہوتا ہے۔ اسے جبراً کچھ سوچنے سمجھنے کے لئے اکسانا اس کے لئے خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس

طرح ذہنی توازن بگڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

تقریباً تین گھنٹے پہلے میں پومی کے پاس گیا تھا تو وہ اپنے باپ کی جلتی ہوئی چِتا کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اب وہ اچانک بیہوش کیسے ہوئی تھی؟ اور بے ہوشی کی حالت میں وہ کہاں تھی۔ یہ معلوم کرنے کے لئے میں بے چین ہو گیا۔ لیکن اسی وقت مجھے قریب ہی کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ میں نے خیال خوانی ترک کر کے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سڑک پر ایک ویگن کار تیزی سے چلتی آ رہی تھی۔ پولیس اسٹیشن کے باہر دو سپاہی کھڑے اس گاڑی کو رُکنے کا اشارہ کر رہے تھے گاڑی کی تیزی بتا رہی تھی کہ وہ رُکنا نہیں چاہتی لیکن وہ سپاہیوں کے قریب پہنچ کر رُک گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ پولیس افسر پینا پلانا چھوڑ کر اس طرف جا رہا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ گاڑی کہاں سے آئی ہے اور گاڑی والے کہاں جانا چاہتے ہیں؟

آفیسر نے اس گاڑی کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔ جواب میں گاڑی کا اسٹیرنگ سیٹ والی کھڑکی کے باہر ایک ہاتھ آیا۔ اس ہاتھ میں نوٹوں کی ایک بھاری گڈی تھی۔ اسے دیکھتے ہی آفیسر اپنا سوال بھول گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ گڈی لیتے ہوئے کہا: "اچھا اچھا ٹھیک ہے مگر آگے کہیں کچھ تحقیقات ہو.. تو یہ نہ کہنا کہ تم اس راستے سے گزرے تھے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہوئی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ یہ حرکتیں بتا رہی تھیں کہ اس گاڑی میں سمگلر قسم کے لوگ جا رہے ہیں لیکن میں ان میں دلچسپی نہیں لینا چاہتا تھا نہ ہی کسی اور کے مسئلے میں الجھنا چاہتا تھا۔ یہی ایک بہت بڑا مسئلہ پیش آ گیا تھا کہ پومی کہیں بے ہوش پڑی تھی۔ اب میں اس کے متعلق صرف اسی گینڈے باس کے دماغ سے معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ پومی کی کوٹھی میں اس کے رشتے داروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک پولیس انسپکٹر بھی موجود تھا اور وہ تمام رشتہ داروں سے باری باری سوالات کر رہا تھا کہ پومی کہاں تھی؟ اور کب اس کے غائب ہونے کا علم ہوا؟ اور کیسے اس بات کا پتہ چلا کہ وہ موجود نہیں ہے؟

سب ہی باری باری جواب دے رہے تھے۔ وہ گینڈا باس بھی اپنے طور پر جواب دے رہا تھا۔ اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ خود ہی پومی کو اس کے باپ سے ملانے کے لئے رنگون لے کر آیا تھا۔ لیکن جب میں اس کے دماغ کو اندر سے ٹٹولنے لگا تو پتہ چلا کہ وہ اب پومی سے نفرت کرنے لگا ہے۔

وہ خاموش بیٹھا ہوا پولیس انسپکٹر کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "یہ لڑکی عجیب تھی۔ میرے دل میں پہلے اس نے محبت پیدا کی پھر نفرت۔ آخر کیوں؟"

اس کی سوچ نے کہا: "وہ لڑکی نہیں آفت تھی۔ میرے لئے ایک مصیبت بننے والی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں اس کے باپ کو صورت سے پہچان گیا ہوں۔ وہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا بلیک میلر تھا۔ اس کے پاس حرام کی دولت تھی۔

پومی یہ بات سن کر ایک دم سے غصے میں آ گئی تھی اور کہنے لگی تھی: "خبردار! تم میرے باپ کو بُرا آدمی نہ کہنا۔ بُرے تو تم ہو کہ تم نے وہاں اپنے لکڑی کے کیبنوں میں بہت سی عورتوں اور بچوں اور نوجوانوں کو قید کر رکھا ہے۔ پتہ نہیں تم انہیں کہاں بھیج دیتے ہو؟"

اس کی بات سن کر گینڈے باس نے کہا تھا: "پومی! میں تمہیں بیٹی سمجھتا ہوں۔ اس لئے دھیمی آواز میں بات کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ باتیں کوئی سُنے اور میرے پیچھے مصیبت بن کر لگ جائے۔ میں اور تمہارا باپ ایک ہی کشتی کے سوار رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کا اور میرا دھندا الگ رہا ہے لیکن ہم دونوں ہی نیک نام نہیں رہے ہیں۔ تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ تمہارا باپ ایک مجرمانہ زندگی گزار رہا تھا۔"

پومی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھی۔ پھر ہوا یہ کہ وہ مسان گھاٹ سے واپس آنے کے بعد اپنے ڈرائنگ روم میں گئی تھی اور وہاں ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائل کر کے کہنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ جو گینڈا نما شخص آیا ہے وہ کتنا بڑا مجرم ہے۔

جب وہ رابطہ قائم کرنے کے بعد فون پر یہ کہنے والی تھی وہ گینڈا وہاں پہنچ گیا تھا اور اس نے اس سے ریسیور چھین کر دوبارہ کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ اور اسے دھمکی دی تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے ورنہ وہ مجبور ہو کر اس کے خلاف قدم اٹھائے گا۔"

پومی ضدی اور ارادے کی پکی تھی۔ جس نے اس کے باپ کی توہین کی تھی۔ وہ اسے معاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر اسے اس بات کا غرور تھا کہ وہ بہترین فائیٹر ہے۔ پھر اسی غرور کے تحت اس نے اچانک ہی گینڈے پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ حملہ بُری طرح ناکام رہا تھا۔ کیونکہ وہ جسمانی طور پر اتنی مضبوط نہیں تھی۔ گینڈے کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔

میں اس کے دماغ میں موجود نہیں تھا۔ اسے فائیٹر نہیں بنا سکتا تھا۔ گینڈے نے اسے حیرانی سے دیکھا اور۔ اسے مزید حملہ کرنے کا موقع دیتا رہا تھا۔ پھر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ لڑکی پتہ نہیں کیوں اس وقت وہ آفت نہیں ہے جو وہاں کیبن والے دفتر میں نظر آئی تھی۔ بہر حال یہ ایک عام سی لڑکی ہے اور اسے میں ٹریپ کر سکتا ہوں۔

وہ پومی کی کوٹھی میں رہ کر اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس لئے اس نے نرمی سے کہا: "دیکھو پومی! تمہیں میری باتوں کا بُرا لگا ہے اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ میری باتیں درست ہیں اور تمہارا باپ واقعی بہت بڑا بلیک میلر تھا تو کیا تم اس وقت مجھے معاف کر دو گی۔ اور پھر مجھ سے دوستی کر لو گی؟"

پومی نے کہا: "ہاں تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم کوئی ثبوت مہیا کرو۔ میری دشمنی تمہیں مہنگی پڑے گی۔"

اس نے کہا: "ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو۔ یہاں میرا ایک شناسا موجود ہے۔ وہ تمہارے باپ کے کاروبار میں شریک رہا ہے میں وہاں تمام ثبوت فراہم کر دوں گا۔"

دونوں کے درمیان یہ بات طے پا گئی اور وہ پومی کو لے کر وہاں سے نکل پڑا تھا۔ ہر شہر میں اس کے ایجنٹ موجود رہتے تھے جو اس کے بیگار کیمپ کے لئے مزدور مہیا کرتے تھے اور انہیں پھانس کر اس کے پاس پہنچاتے تھے۔ وہ پومی کو ایک ایجنٹ کے پاس لے گیا پھر وہاں انہوں نے پومی کو بے بس کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے وہ چیخنے چلانے لگی تھی۔ اس کے شور و غل سے نجات پانے کے لئے اس نے اسے بے ہوش کر دیا۔

اب پومی کو رنگون سے غائب کرنے کا مسئلہ تھا کہ اسے کس طرح وہاں سے کہیں دور لے جایا جائے یا وہیں قتل کر دیا جائے۔ گینڈا اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک بار اس سے متاثر ہو گیا تھا۔ لہٰذا اسے سزا دینے کے لئے اس نے سوچا کہ پومی کو کچھ عرصہ تک بیگار کیمپ میں رکھا جائے تاکہ یہ اپنی بدمزاجی اور ضد کو بھول کر اس کے سامنے جھک جائے اور اس کا احترام کرے۔

یہ سوچ کر اس نے اپنے ایجنٹوں کو حکم دیا کہ اسے ایک ویگن کار میں ڈال کر سپر ہائی وے کے راستے سے آسام کی طرف لے جائیں اور اسے بے گار کیمپ میں پہنچا دیں میں نے چونک کر اس کی سوچ میں سوال کیا۔ وہ ویگن کار وہاں سے روانہ ہوئے کتنی دیر ہو گئی؟

اس کی سوچ نے جواب دیا: "تقریباً سوا دو گھنٹے گزر گئے ہیں۔"

میں نے حساب لگایا۔ ہماری گشتی گاڑی چونکہ بہت بھاری بھر کم تھی۔ اس لئے ہم اسے پچاس میل فی گھنٹے ہلکی رفتار سے زیادہ نہیں چلاتے تھے لیکن ایک ویگن کار سپر ہائی وے پر اسی میل فی گھنٹے کے حساب سے دوڑتی ہے۔ اس لئے وہ گاڑی ہم سے آگے نکل چکی ہے اس حساب سے وہ گاڑی ابھی میرے سامنے وہاں پولیس اسٹیشن کے سامنے رکی تھی اور ڈرائیور نے نوٹوں کی بھاری گڈی پولیس افسر کو پکڑائی تھی اور وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ یعنی پومی میرے قریب سے گزر گئی تھی اور میں انجان بنا رہا تھا۔

میں فوراً ہی ٹرائلر کیبن سے باہر آ کر سڑک پر کھڑا ہو گیا اور دور تک دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں تو وہ گاڑی نہ جانے کتنے میل کا فاصلہ طے کر چکی ہو گی۔ میں چونکہ دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ویگن والوں کو میری لاتعلقی سے فائدہ پہنچ گیا تھا۔ اب میں وہاں کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

کرنا تو یہی چاہیے تھا کہ میں اس ویگن کار کا پیچھا کرتا۔ اور اسی وقت اپنا سفر شروع کر دیتا۔ لیکن اس سے پہلے میں نے ممی سے دماغی رابطہ قائم کیا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی مجھے یاد کر رہی تھیں۔ میں نے ان کو مخاطب کیا تو وہ خوش ہو کر بیٹھ گئیں۔ میں نے کہا: "ممی! ایک ضروری بات کرنے حاضر ہوا ہوں۔"

"بولو بیٹے! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی کہ مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرو گے اور مجھے بتاؤ گے کہ تمہارا سفر بخیریت جاری ہے یا نہیں؟"

"یہ سفر بخیریت جاری ہے۔ اور میں ایک جگہ رات گزارنے کے لئے ٹھہر گیا ہوں۔ لیکن جو اہم بات آپ سے کہنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پومی کو اغوا کر کے آسام کے ایک بے گار کیمپ کی طرف لے جایا جا رہا ہے اور قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس کی گاڑی میرے قریب سے گزری اور میں سمجھ نہ سکا۔ آپ کا علم بڑا حیرت انگیز ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ میرے نصیب میں اس سے ملنا نہیں ہے۔ اور میں یہی دیکھ رہا تھا جب وہ رنگون پہنچنے والی تھی تو میں رنگون سے باہر چلا آیا۔ اور اب جبکہ میں مشرقی پاکستان کے راستے مغربی پاکستان جانا چاہتا ہوں تو اس کی گاڑی سپر ہائی وے پر دوڑتی ہوئی آسام کی طرف مڑنے والی ہے۔ اب آپ بتائیں مجھے پومی کی مدد کے لیے اس کے پیچھے جانا چاہیے یا نہیں؟"

وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہیں۔ پھر انہوں نے کہا: "اخلاقاً تمہیں اس کے پیچھے جانا چاہیے۔ اس کی مدد کرنی چاہیے لیکن کیا ضروری ہے بیٹے! تم جسمانی طور پر بھی اس سے دور رہ کر اس کی مدد کر سکتے ہو۔ جب تقدیر یہ نہیں چاہتی کہ تم.... اس سے ملو اور وہ پومی کو تمہارے قریب پہنچا کر تم سے دور کر دیتی ہے تو تقدیر کے اشاروں کو سمجھنا چاہیے۔ فی الحال تم اپنا سفر اپنے طور پر جاری رکھو اور پومی کی خبر رکھتے رہو۔ اس کی مدد کرتے رہو خدا نے چاہا تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ ابھی آپ ہی کی مثال سامنے ہے کہ آپ نے تقدیر کے فیصلے کے خلاف سفر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور وہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ میں پومی کا تعاقب نہیں کروں گا۔ اور خیال خوانی کے ذریعے اس کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ اچھا ممی! اب میں سونے کے لئے

جا رہا ہوں۔ کل آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ ‘‘

میں اُن سے رخصت ہو کر پھر اپنے ٹرالر کیبن میں واپس آ گیا۔ سامی وہاں بستر پر سو رہی تھی۔ میری آہٹ پا کر اُٹھ گئی مجھے دیکھا اور مطمئن ہو کر دوبارہ سو گئی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سگریٹ سلگا کر کش لینے کے بعد پھر میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

اب اس کمرے میں سوزی نہیں تھی۔ اس کی جگہ ایک اجنبی حسین دوشیزہ کھڑی تھی۔ اور اس اجنبی حسین دوشیزہ کے پیچھے سونیا چھپی ہوئی تھی۔ اسکا میک اپ مکمل ہو گیا تھا اور اس نے بڑی کامیابی سے ایک نیا چہرہ اپنا یا تھا۔ اب وہ تمام سامان اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی اور وہاں سے چلنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔

چلنے سے پہلے وہ اپنے بند کمرے کے دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ اور آہٹ سننے لگی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اسکے کمرے کے دروازے کے سامنے سے کوئی لڑکی گزر رہی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد وہ کھڑکی کے پاس آئی اور اسکا پردہ سرکا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ہر طرف اسے سناٹا اور ویرانی نظر آئی اسکی وجہ یہ تھی کہ اب رات کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔ جو لڑکیاں اس عمارت میں رہ گئی تھیں وہ کھانے کے لئے ڈائننگ ہال میں چلی گئی تھیں اور جو لڑکیاں ذرا فلرٹ قسم کی تھیں وہ اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ تفریح کے لئے نکل گئی تھیں۔ اس لئے راستہ ہموار تھا وہ تمام حالات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اپنے کمرے کے پچھلے دروازے کے پاس آئی اور اسے کھول کر دیکھا وہ دروازہ اس عمارت کی پچھلی طرف کھلتا تھا اور وہ پچھلا حصہ بالکل ویران اور سنسان دکھائی دے رہا تھا۔

اگر اس عمارت میں رہنے والی کوئی لڑکی سونیا کو دیکھ لیتی تو اسے سوزی کی حیثیت سے کبھی پہچان نہ سکتی۔ وہ یہی سوچ کر رہ جاتی کہ سوزی کے کمرے میں کوئی اجنبی لڑکی چلی آئی ہے یا پھر وہ اجنبی لڑکی سوزی کی مہمان ہے۔ سونیا اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد پچھلے دروازے سے باہر آ گئی۔ پائیں باغ میں بالکل سناٹا تھا۔ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں تھا اور کوئی دیکھتا بھی تو وہ حالات سے نمٹنے کے لیے بالکل تیار تھی اس لئے وہ پائیں باغ سے گزر کر پچھلے گیٹ سے نکل کر پچھلے راستے پر چلی آئی اور وہاں کھڑے ہونے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ کدھر جانا چاہیے آخر ایک فیصلے کے مطابق وہ دائیں طرف مڑ گئی اور ادھر آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ آہستہ اس لئے کہ اسے یقین تھا اور اطمینان تھا کہ وہ دو گھنٹے کے اندر ہوٹل ڈی فرانس پہنچ جائے گی۔

اس وقت سونیا کے شانے سے ایک بیگ لٹک رہا تھا۔ اس بیگ میں میک اپ کا سامان اور ایک جوڑا لباس رکھا ہوا تھا اور کچھ نقد رقم رکھی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پینگ گیسٹ والی عمارت کے سامنے آ کر ذرا سست ہو گئی۔ اس عمارت کے سامنے کچھ رنگا رنگ قیمتی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ شوقین مزاج رئیس زادے اپنی قیمتی کاروں کی اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنی کسی محبوبہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اس پینگ گیسٹ ہاؤس میں یہی دھندا چل رہا تھا۔ وہاں جو لڑکیاں آ کر ٹھہرتی تھیں وہ بہت جلد اپنے گاہک یا عاشق پیدا کر لیا کرتی تھیں۔

سونیا کا سانولا سلونا رنگ بڑا ہی جاذب نظر تھا۔ پیرس میں جہاں سفید چاندی کی طرح چمکتی ہوئی جلد والی دوشیزائیں نظر آتی ہیں وہاں گوری اور گلابی رنگت کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ گلابی گلابی، گورا، گورا حسن ہر طرف نظر آتا تھا۔ اور جس حسن کی افراط ہو، اس کی قدر آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے اور جو نایاب ہو دلچسپی اس سے بڑھتی جاتی ہے۔ سونیا کا چمکتا دمکتا چہرہ توجہ کا مرکز بن سکتا تھا اور بن رہا تھا۔ وہاں کتنے ہی کار والوں نے اسے چونک کر دیکھا اور توجہ سے دیکھا اور دلچسپی سے دیکھا۔

پینگ گیسٹ کے طور پر رہنے والی کچھ لڑکیاں وہاں ہنس بول رہی تھیں۔ کچھ نوجوانوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ ان میں سے کسی نے بھی سونیا کو نہیں پہچانا۔ ایک نوجوان اپنی کار کی اسٹیرنگ سیٹ سے باہر آتے ہوئے سونیا سے بولا۔ ہلو مس کیا تم شہر جانا چاہتی ہو۔ میں بھی ادھر ہی جا رہا ہوں۔

سونیا نے فدا ہو جانے والی نظروں سے اسے مسکرا کر دیکھا اور پھر کہا ’’ہاؤ سویٹ یُو آر۔ میں شہر جانا چاہتی ہوں۔ مگر سواری کا مسئلہ۔ چلو تم نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ آئی ایم ویری گریٹ فل ٹو یو‘‘

اس نے کار کا دوسرا دروازہ کھول دیا۔ پھر وہ دونوں کار کی اگلی سیٹ پر شانہ بشانہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کار ایک موڑ کاٹنے کے بعد شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس نوجوان نے سونیا سے پوچھا ’’ہیلو مس تمہارا نام کیا ہے؟‘‘

سونیا نے جواب دیا ’’مجھے کسی بھی نام سے پکار لو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ہمارا تمہارا ساتھ شہر تک کا ہے۔ تمہیں جو نام سب سے زیادہ پیارا لگتا ہو مجھے اس نام سے پکار سکتے ہو۔‘‘

’’میں تمہیں جینی کہوں گا۔‘‘

سونیا نے مسکرا کر کہا۔ ’’اتفاق سے میرا نام جینیفر ہے اور میرے والدین مجھے پیار سے جینی کہہ کر پکارا کرتے تھے میرے والدین کے بعد تم پہلے شخص ہو جس نے مجھے جینی کہا ہے۔‘‘

’’تم یہاں پینگ گیسٹ کی حیثیت سے کب آئی ہو؟‘‘

’’تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟ تم اپنا مطلب بیان کرو۔‘‘

میرا مطلب یہ ہے کہ اس پینگ گیسٹ ہاؤس میں رہنے

[لڑ]کیاں ملاقات ہوتے ہی یا تعارف ہوتے ہی پہلے اپنا بھاؤ [طے کرتی] ہیں تب شہر کی طرف آنے کے لئے راضی ہوتی ہیں۔ تم نے تو کچھ [پہ]لے نہیں کیا۔‘‘

’’میں بازاری لڑکی یا سوسائٹی گرل نہیں ہوں۔ تم مجھے غلط [سمج]ھو میں صرف شہر تک لفٹ چاہتی ہوں۔‘‘

وہ ہنستے ہوئے بولا ’’کیوں آج کی رات کھوٹی کرنا چاہتی [ہو۔ م]یں نے تمہارے اندر سب سے الگ تھلگ سا حسن پایا۔ سُنا ہے [ایسٹ] میں ایسے ہی سانولا سلونا رنگ ہوا کرتا ہے۔ [یہ] دیکھ کر میں نے تمہیں لفٹ دی ہے۔۔۔۔ اب اگر تم دوستی نہیں [کر]و گی تو میرے ساتھ یہ بہت بڑا ظلم ہو گا۔‘‘

سونیا سوچنے لگی میں بون زد کے ساتھ نہیں رہ سکتی [پینگ] گیسٹ ہاؤس میں سوزی کی حیثیت سے کمرہ لینے والی سوزی ختم [ہو چکی] ہے لہٰذا آج رات مجھے کہیں دوسری جگہ گزارنی ہو گی۔ تو پھر [کیوں] نہ اس نوجوان کو بے وقوف بنا کر اس کے ساتھ رات گزاری جائے [اس میں] کیا قباحت ہے۔ پہلے میں بون زد کے پاس جاؤں گی اس وقت [تک] یہ نوجوان پتہ نہیں میرا انتظار کرے گا بھی یا نہیں کرے گا۔‘‘

[وہ] یہ سوچنے کے بعد بھرپور انداز سے سوچنے لگی۔ بلا سے یہ [انتظار نہ ک]رے۔ کوئی دوسرا احمق میرے جال میں پھنس جائے گا۔ مجھے [سب سے] پہلے بون زد کی فکر کرنی چاہیے۔‘‘

میں سونیا کی سوچ پڑھتے ہوئے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ بون زد [سے] اس کا ملنا کیوں ضروری ہے؟ جبکہ وہاں بون زد کے آس پاس نظر منڈلا رہے ہیں۔ اور وہ ڈبل فنگر اس کی تلاش میں بھٹک رہا ہے تب سونیا کی سوچ نے بتایا کہ جیسے وہ کسی کو اہمیت نہیں دیتی [اسی ط]رح بون زد بھی کسی اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ دلچسپی محض یہ ہے [کہ] بون زد کے پاس جو بریف کیس رکھا ہوا ہے اس میں پچاس ہزار [ڈالر ہ]یں۔ سونیا کو پیرس جیسے شہر میں قدم قدم پر رقم کی ضرورت ہو گی [اس لئے وہ] درست سوچ رہی تھی۔ پچاس ہزار ڈالر کی رقم بون زد [کے پاس نہ]یں بلکہ میری سونیا کے پاس رہنی چاہیے تھی۔ اور میں ہی وہ رقم [اِدھ]ر سے اُدھر لا سکتا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے سونیا کو اس کے [نوج]وان کے ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ سونیا ایسے نوجوانوں [کو اپنے] ہاتھ سے سیدھا کر دیتی ہے۔ میں اسے چھوڑ کر بون زد کے [پاس] پہنچ گیا۔

[بو]ن زد اس وقت ریلوے اسٹیشن کے لاکرز کی طرف جا رہا تھا [اس کے] ایک ہاتھ میں بریف کیس اور دوسرے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا [میں] نے اس کی سوچ پڑھی تو پتہ چلا کہ وہ بریف کیس کی رقم محفوظ کرنے [کے ل]یے ریلوے اسٹیشن کا لاکرز استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اسے اس بات [کا خو]ف پیدا ہو گیا تھا کہ جتنی بھی رقم ہے سب اسی کی ہو جائے۔ سونیا کو وہ حصے دار بنانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے دماغ میں اب دو باتیں تھیں۔ یا تو اس بریف کیس کو لاکر میں رکھ کر وہ روپوش ہو جائے اور سونیا اسے تلاش کرتی رہے پھر تھک ہار کر وہاں سے اس شہر سے یا اس ملک سے واپس چلی جائے تب وہ لاکر سے بریف کیس واپس نکال لے گا۔

دوسری ترکیب یہ تھی کہ سونیا کو قتل کر دیا جائے جب وہ سونیا کی خاطر اپنی بیوی سوزی کو قتل کر سکتا تھا تو پھر سونیا کو کیوں نہ کرتا۔ لیکن وہ اندر سے ذرا دہشت زدہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سونیا بڑی ہی تیز و طرار ہے اسے قتل کرنا اتنا آسان نہیں ہو گا۔

اسے پہلی تدبیر ہی زیادہ مناسب نظر آئی کہ وہ بریف کیس کو لاکر میں محفوظ کر دینے کے بعد پیرس چھوڑ کر کہیں چلا جائے۔ وہاں تقریباً چار چھ ماہ تک وقت گزارے اس عرصہ میں سونیا اسے پیرس میں تلاش کرنے کے بعد تھک ہار کر کہیں چلی جائے گی۔ وہ یہ باتیں سوچتا ہوا لاکر روم کے کاؤنٹر کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں اس نے کہا ’’مسٹر مجھے ایک لاکر کی ضرورت ہے۔‘‘

کاؤنٹر کلرک نے پوچھا ’’کتنے دنوں کے لئے چاہتے ہو؟‘‘

’’تقریباً چھ ماہ کے لئے۔‘‘

کاؤنٹر کلرک نے چونک کر اسے دیکھا۔ بون زد نے جلدی سے کہا۔ ’’دیکھیے یوں تو میں ایک ہفتہ میں ہی واپس آنے کی کوشش کروں گا اور لاکر چھوڑ دوں گا۔ لیکن میں فرانس سے باہر جا رہا ہوں۔ واپسی میں پتہ نہیں کتنا عرصہ لگ جائے۔ میں چھ ماہ کی پیشگی رقم یہاں جمع کر کے جاؤں گا۔ تاکہ آپ لوگوں کو لاکر کے کرائے کے لئے پریشان نہ ہونا پڑے۔۔‘‘

کاؤنٹر کلرک نے اندراج کا رجسٹر اپنے آگے رکھا۔ پھر اس سے نام اور پتہ پوچھا۔ بون زد نے اپنا پاسپورٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ’’میرا پتہ اسکاٹ لینڈ کا ہے اور یہاں میں ایک سیاح کی حیثیت سے آیا ہوں۔ اور آج ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔‘‘

کاؤنٹر کلرک اس پاسپورٹ کے مطابق اس کا نام اور پتہ لکھنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا ’’کیا آپ کے علاوہ کوئی اور بھی اس لاکر کی چابی اپنے پاس رکھنے اور اسے کھولنے کا حق دار ہو سکتا ہے؟‘‘

اسی وقت میں بون زد کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر وہ میری مرضی کے مطابق کہنے لگا ’’جی ہاں میری بیوی ہے۔ اس کا نام بھی آپ لکھ لیں۔ مسز سوزی بون زد۔ وہ کسی وقت بھی آ کر میری چابی سے میرا لاکر کھول کر یہ سامان نکال سکتی ہے۔‘‘

کاؤنٹر کلرک نے رسید لکھتے ہوئے چھ ماہ کے کرائے کی پیشگی رقم کا مطالبہ کیا۔ بون زد نے اپنے پرس سے رقم نکال کر گننے کے بعد اس کے حوالے کر دی اور اس سے رسید اور ایک عدد چابی لے لی۔ کاؤنٹر کلرک نے کہا۔ ’’دوسری چابی یہاں کاؤنٹر پر رہتی ہے۔ جب بھی وہ یہاں سے سامان نکالنے آئے گا۔ تو یہاں سے ایک آفیسر اس کے ساتھ جائے

گا۔ اور ان دو چابیوں کے ذریعہ وہ لاکر کھولا جائے گا۔"

اس دوران میں نے بون زو کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ اک ذرا سا چونک کر سوچنے لگا تھا۔ جیسے وہ چند لمحوں کے لیے غافل ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے غافل ہو گیا تھا؟ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا لیکن اسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کی غفلت کے دوران اس کی زندگی کے کچھ لمحات چوری ہو گئے تھے۔ اور اس دوران وہ وہاں سوزی کا نام رجسٹر میں لکھوا چکا ہے۔ وہ اپنی چابی لیکر اس آفیسر کے ساتھ لاکر کی طرف جانے لگا۔

میں خاموشی سے تماشہ دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک لاکر میں اپنا بریف کیس رکھنے کے بعد اسے اپنی چابی سے لاک کیا پھر اس آفیسر نے اپنی چابی سے اسے دوبارہ لاک کیا۔ ڈبل لاک کے بعد وہ وہاں سے کاؤنٹر کے پاس واپس آنے لگے۔

اس نے لاکر کی چابی کو پتلون کی جیب میں رکھ لیا تھا اور اب وہ سوٹ کیس اٹھا کر ریلوے کے انکوائری کاؤنٹر کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں وہ اُس ٹرین کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا جو یونان کی سرحد تک جاتی تھی۔ اس نے یونان کے راستے ترکی جانے کا فیصلہ کیا تھا۔"

اس وقت اس کے سوٹ کیس میں آٹھ ہزار ڈالر تھے۔ ایک ہزار اس نے مختلف جیبوں میں رکھے ہوئے تھے اور ایک ہزار اس نے سونیا کو دیے تھے۔ اس حساب سے اب لاکر والے بریف کیس میں چالیس ہزار رہ گئے تھے۔ میں تیزی سے سوچنے لگا کہ اس کی جیب سے چابی کیسے حاصل کی جائے؟ اور اس چابی کو سونیا تک کیسے پہنچایا جائے؟

وہ معلومات حاصل کرنے کے لیے انکوائری کاؤنٹر تک پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک حسین عورت بیٹھی ہوئی اپنے پرس کے بے بی آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور مرجھائے ہوئے میک اپ کو تازہ کر رہی تھی۔ بون زو نے مطلوبہ ٹرین کے متعلق دریافت کیا۔ عورت نے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا پھر میک اپ درست کرتے ہوئے بولی "وہ ٹرمینل پانچ پر کھڑی ہے۔ آدھ گھنٹے بعد روانہ ہوگی۔"

بون زو فوراً ہی بکنگ آفس کی طرف جانا چاہتا تھا۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے جیب سے چابی اور رسید نکالی ان دونوں کو کاؤنٹر پر اس عورت کے سامنے رکھا پھر پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا بکنگ آفس کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں میں نے اسے آزاد چھوڑ دیا دوسری جانب وہ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھنے والی عورت اب ہونٹوں کی سرخی تازہ کر رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ کو اپنا لیا۔

اس نے بے بی آئینے سے نظریں ہٹا کر کاؤنٹر پر پڑی ہوئی چابی اور رسید کو دیکھا پھر انہیں اٹھا کر اپنے پرس کے اندر رکھ لیا۔ اس کے بعد میں نے پھر اسے آئینہ دکھاتے ہوئے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک ذرا ٹھٹک گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ ابھی غائب دماغ تھی اور اب حاضر دماغ ہے۔ جو کچھ ہوا تھا وہ اسے سمجھ نہیں سکتی تھی۔ اسے اپنے حسن پر ناز تھا۔ اس لیے وہ پھر آئینے میں اپنے آپ پر عاشق ہونے لگی۔

میں نے اس کی سوچ کے ذریعہ معلومات حاصل کیں۔ اس کا نام ڈائنا تھا۔ اور رات کے دو بجے تک یہاں اس کی ڈیوٹی رہتی تھی۔ پیرس کے وقت کے مطابق اس وقت نو بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے۔ میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی 'تڑاخ' کی ایک زوردار آواز سنائی دی۔ اس نے لفٹ دینے والے نوجوان کو طمانچہ رسید کیا تھا۔ اور اس سے کہہ رہی تھی "چلو اب تم مجھ پر حملہ کرو۔ اگر تم جیت جاؤ گے تو میں تمہاری خواہش کے مطابق اپنا آپ ہار جاؤں گی۔"

وہ نوجوان سونیا کو بازاری سمجھ کر اپنے فلیٹ میں لے گیا تھا۔ اس کا ایک طمانچہ کھاتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ وہ بوکھلا کر بولا "یہ۔ یہ کیا حرکت ہے؟ سیدھی طرح لین دین کی باتیں کرو۔"

"لین دین تو ہاتھوں سے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے میں ہاتھوں سے باتیں کر رہی ہوں۔ ویسے تم بڑے بزدل نکلے۔ تم پر ہاتھ اٹھانا میں اپنی توہین سمجھتی ہوں۔"

"مم۔ میں ایک شریف زادہ ہوں۔ تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتا تم چلی جاؤ۔"

"پیارے شریف زادے! اتنے بڑے اجنبی شہر میں اکیلی کیسے جاؤں۔ یہاں تمہارے جیسے نہ جانے کتنے حرام زادے ملیں گے۔ لہٰذا تم مجھے ...... ریلوے اسٹیشن پہنچا دو۔"

وہ ہوٹل ڈی فرانس جانا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے اس کی زبان سے ریلوے اسٹیشن کے الفاظ ادا کرائے۔ وہ تعجب سے بولی کیوں مسٹر! ابھی میں نے تمہیں کہاں پہنچانے کے لئے کہا ہے؟"

وہ جواباً ریلوے اسٹیشن کہنے والا تھا۔ لیکن میں نے اس کی زبان سے ہوٹل ڈی فرانس کا نام ادا کرایا۔ سونیا مطمئن ہو کر فلیٹ کے باہر جانے لگی۔ اس نوجوان نے ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں آ کر ایسا کہا تھا۔ شعوری طور پر وہ سمجھ نہ سکا کہ کیا کہہ گیا ہے۔ ویسے اس نے سونیا کی زبان سے ریلوے اسٹیشن سنا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سونیا کو کار میں بٹھا کر اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔

سونیا تقریباً پانچ برس پہلے اس شہر میں آئی تھی۔ اب وہاں کے راستے اچھی طرح یاد نہیں تھے جب وہ کار اسٹیشن کے پارکنگ ایریے میں رک گئی تو سونیا نے پوچھا "یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو۔ میں نے تمہیں ہوٹل ڈی ......"

میں اس نوجوان کی زبان میں بولنے لگا۔ "وہ ہوٹل ڈی

سے نکل کر یہاں آیا ہے۔ آدھ گھنٹہ گزر چکا ہے۔ شاید اس ین جا چکی ہے۔ لیکن وہ انکوائری کاؤنٹر پر تمہارے لیے پیغام ر گیا ہے۔"

سونیا نے اسے گھور کر پوچھا "یہ تم کیا بک رہے ہو؟"

"آں۔" وہ اپنا سر تھام کر بولا۔ "شاید میں اپنے ہوش میں ہوں۔ تم نے اتنی زور کا طمانچہ مارا ہے کہ میرا سر بھاری ہے۔ تم عورت نہیں ہو۔ کسی عورت کا ہاتھ اتنا وزنی نہیں ہوتا۔"

سونیا اس نوجوان کو ایسی چمکتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ فرہاد کو دیکھ رہی ہو۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ میں اسے اطلاع رہا ہوں۔ اُس نے اپنے ہونٹوں کو بھینچ لیا پھر غصہ سے میں نے تمہارے جیسا بے شرم کہیں نہیں دیکھا۔ زبردستی میری نے پر تل گئے ہو۔ بڑے ہمدرد بن کر مجھے اطلاع پہنچا رہے ہو۔ اہتا ہے تمہارا منہ توڑ دوں۔"

ایسا کہتے وقت اس نے گھونسا دکھایا۔ وہ نوجوان دہشت زدہ ہو کر اپنی سیٹ پر ایک طرف سمٹتے ہوئے بولا "مم۔ میں نے مدد نہیں کی۔ تم نے ہی مجھے ریلوے اسٹیشن پہنچانے کے لئے تھا۔"

سونیا کو ہوش آیا کہ وہ فرہاد کو غصہ دکھا رہی ہے اور وہ نوجوان دیکھ رہا ہے۔ وہ ونڈ اسکرین کے پار ایک نیون کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ میں بھی ضد کی پکی ہوں۔ فرہاد کی کے مطابق انکوائری کاؤنٹر پر نہیں جاؤں گی۔ بون زو تو جا چکا ہوگا۔ اور اپنے ساتھ وہ ہزاروں ڈالر بھی لے گیا ہوگا۔"

میں نے اس کی ہی سوچ میں کہا۔ "لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ میرے لئے رقم چھوڑ گیا ہو۔"

وہ جواباً سوچنے لگی "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بون زو بہت لالچی ہے۔ وہ میرے لئے ایک ڈالر بھی یہاں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔"

میں نے اس کے لب و لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ فرہاد نے اس کے دماغ سے کھیل کر وہ ساری دولت میرے لئے کہیں محفوظ کر دی ہو۔"

"پھر تو میں اس دولت کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ مجھے اُس کی اخلاقی امداد اور اس کی دوستی منظور نہیں ہے۔"

ایسا سوچنے کے بعد اس نے نوجوان سے کہا "مور نیوا واپس

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کہاں؟"

"میں آج کی رات تمہارے فلیٹ میں گزاروں گی۔"

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ "سچ؟"

"ہاں۔ ہم الگ الگ کمرے میں سوئیں گے جب مرنے کا ارادہ ہو تو میرے کمرے میں آ جانا۔ چلو گاڑی کو آگے بڑھاؤ۔"

اس نے مایوس ہو کر حکم کی تعمیل کی۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے بولا "جینی! کیا تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گی؟"

"بکواس مت کرو۔ میں صبح چلی جاؤں گی۔"

وہ چپ ہو گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "آخر میں کب تک فرہاد سے بھاگتی رہوں گی۔ وہ یقیناً میرے دل کی گہرائیوں کو پڑھتا رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے سوا میں کسی کی نہیں ہو سکتی۔ جب میرے جذبات اس پر ظاہر ہیں تو ایسی ضد اور غرور کا کیا فائدہ؟"

"فائدہ ہے۔" وہ سوچنے لگی۔ "بے شک میرا دل اس کے آگے کمزور پڑ جاتا ہے۔ مگر اس دل میں انتقام کا جذبہ بھی ہے اتنے عرصہ تک وہ مجھے نظر انداز کرتا رہا۔ اب میں اُسے نظر انداز کرتی رہوں گی۔ اس پر ثابت کرتی رہوں گی کہ میں اس کی محبت، اُس کی توجہ اور اس کے سہارے کے بغیر زندہ رہ سکتی ہوں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ تو فرہاد جانتا ہے اور مانتا ہے کہ میں کبھی کسی سہارے کی محتاج نہیں رہتی۔ اُس نے دیکھا ہے کہ میں ایک عرصہ تک اس کا سہارا بنی رہی تھی۔ زندگی کے کتنے ہی خطرناک موڑ پر میں نے اسے دشمنوں سے بچایا ہے یہ سب کچھ وہ تسلیم کرتا ہے۔ پھر اُس پر کچھ ثابت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"ضرورت ہے۔ اس کی سزا یہی ہے کہ وہ میرے کسی کام نہ آ سکے۔ میرا احسان اس پر رہے گا۔ اس کا کوئی احسان میں نہیں لوں گی۔ وہ مجھے دشمنوں سے بچانا چاہے گا۔ تو میں جان بوجھ کر دشمن سے ٹکرا جاؤں گی۔ فرہاد کی احتیاطی تدابیر کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ اس کے دل میں میرے کام آنے کی حسرت ہی رہ جائیگی۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ وہ عورت اپنی ضد سے باز آنے والی نہیں تھی۔ میں نے پھر ضد نہیں کی۔ اس وقت اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن میں بریف کیس کی وہ بھاری رقم نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ پیرس جیسے مہنگے شہر میں سونیا کو قدم قدم پر کسی کرنسی کی ضرورت ہو سکتی تھی۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ ڈبل فنگر کہاں ہے؟ اور اب وہ بون زو تک پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟

جیسا کہ ہوٹل ڈی فرانس سے بون زو کی نگرانی کی جا رہی تھی تو اس کے پیش نظر یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ بون زو ریلوے اسٹیشن تک دشمنوں کی نظروں میں رہا ہوگا۔ ان لوگوں نے اسے یونان کے سرحد کی طرف جانے والی ٹرین میں بھی سوار ہوتے دیکھا ہوگا ڈبل فنگر کو ضرور اطلاع دی جائے گی اور وہ بھی ضرور اُس ٹرین

میں سوار ہو گا۔ یہ سوچتے ہوئے میں بون زو کے دماغ میں پہنچ گیا۔
چونکہ اسے اُس کی اوقات سے زیادہ دولت مِل گئی تھی اس لئے وہ کھل کر عیاشی کر رہا تھا۔ اس نے سفر کرنے کے لیے ایئر کنڈیشنڈ کوچ کا ایک مہنگا کیبن ریزرو کرایا تھا۔ اور وہاں ایک عورت کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ ٹرین تیز رفتاری سے بھاگی جا رہی تھی۔ بون زو کا خیال تھا کہ وہ عورت بھی اسی ٹرین میں سفر کر رہی تھی اور اسے دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئی تھی۔

مجھے اُس عورت کے دماغ نے بتایا کہ وہ سوزی کے متعلق معلومات حاصل کرنے آئی ہے اور بڑے دلفریب انداز میں کرید کرید کر سوالات کر رہی ہے۔ بون زو پی رہا تھا۔ اور بول رہا تھا کہ سوزی نے ہوٹل پہنچنے سے پہلے ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کہاں چلی گئی ہے۔"

اس نے عورت سے کہا۔ "پیرس میں تمہارے ساتھ آنے والی سوزی نہیں سونیا تھی۔ مجھ سے جھوٹ نہ بولو۔"

وہ حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم کون ہو؟ سونیا کا نام کیسے جانتی ہو؟"

"یہ نہ پوچھو۔ بس مجھے دیکھتے رہو اور جواب دیتے رہو۔ ہاں تو وہ سونیا تھی؟"

"نہیں تھی۔ میری بیوی تھی۔ سوزی تھی۔"

"دیکھو سچ بولو۔ ورنہ موت تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔

اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اوپر دیکھا۔ پھر ایک ہی سانس میں گلاس خالی کرنے کے بعد کہا۔ "میں مرنا نہیں چاہتا۔ اچھا ہے سالی سونیا مر جائے۔ میں نے اس کو حاصل کرنے کے لیے اس کے ساتھ مل کر اپنی بیوی کو.....؟

وہ ایک ہچکی لے کر چُپ ہو گیا۔ دراصل میں نے چُپ کر دیا میں اس عورت کے دماغ میں تھا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ یہ راز اگل دے گا تو میں پہلے اسے کنٹرول کر لیتا۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ عورت بولی "اچھا تو سونیا پھر زندہ رہ گئی....."

اسی وقت دروازے پر دستک سُنائی دی۔ وہ عورت دروازہ کھولنے کے لیے اُٹھنا چاہتی تھی۔ مگر بون زو نے اسے روک لیا۔
پھر چیخ کر دستک دینے والے سے بولا۔ "گیٹ آؤٹ یہ پرائیویٹ کیبن ہے۔"

عورت خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔
"ایڈیٹ! چھوڑ دو مجھے۔ دروازے پر تمہاری موت دستک دے رہی ہے"
اس کی سوچ نے بتایا کہ ڈبل فنگرز آ پہنچا ہے۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا بڑے انتظار کے بعد اس سے سامنا ہونے والا تھا اس سے سامنا کرنے کے لیے میں بون زو کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اُسی وقت عورت نے چیخ کر کہا۔ "اس کمبخت نے مجھے جکڑ رکھا ہے۔ دروازہ خود ہی کھول لو۔"

بون زو نے پلٹ کر دروازے کو دیکھا۔ میں اس کی دماغی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ اندر سے دروازے کی چٹخنی چڑھی ہوئی تھی۔ اچانک ہی جیسے لوہے کی سلاخیں اس دروازے سے ٹکرائی ہوں۔ ویسے ہی ٹکرانے کی آواز کے ساتھ چٹخنی کے پاس دو سوراخ ہو گئے۔ ان سوراخوں سے دو انگلیاں گزر کر کیبن کے اندر جھانک رہی تھیں یعنی ان فولادی انگلیوں نے اس دروازے میں چھید کر دیا تھا۔

اگر میں بون زو کے دماغ میں نہ ہوتا تو یہ منظر دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ اب وہ انگلیاں اوپر کی طرف مڑ گئی تھیں اور اس چٹخنی کو نیچے کی طرف سرکا رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ چٹخنی کو اس کی جگہ سے ہلانے میں کامیاب ہوتا۔ میں نے فوراً ہی شراب کی بوتل اُٹھائی۔ (یہاں میں اپنی بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کے دماغ میں رہ کر اب میں ہی مقابلے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ فی الحال وہاں بون زو نہیں تھا۔) بوتل اٹھا کر میں دوڑتا ہوا دروازے کے پاس گیا۔ پھر پوری قوت کے ساتھ اس بوتل سے اُس کی انگلیوں پر ضرب لگائی۔ ایک چھناکے سے ٹوٹنے کی آواز ہوئی۔ شیشے کے ٹکڑے بکھر گئے۔ وہ انگلیاں جوں کی توں اپنی جگہ سلامت تھیں۔ ان پر کہیں کہیں خراشیں پڑ گئی تھیں۔ اور لہو کی بوندیں جھلک رہی تھیں۔

میرے ہاتھ میں بوتل کا ٹوٹا ہوا حصہ رہ گیا تھا۔ میں نے اس حصے سے پھر زوردار ضرب لگائی۔ دروازے کے دوسری طرف ایک کراہ سنائی دی وہ انگلیاں سوراخ سے باہر چلی گئیں۔ پھر دوسرے ہی لمحہ دروازے کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اب اُس دروازے کے نچلے حصے میں دو سوراخ ہو گئے تھے وہاں دو انگلیاں نظر آ رہی تھیں۔

میں نے جوتے کی نوک سے انگلیوں پر ٹھوکر ماری۔ وہ فوراً ہی سوراخ سے باہر چلی گئیں۔ میں سر جھکائے انتظار کرنے لگا کہ وہ پھر کہیں سوراخ کرے گا اور میں جواباً ٹھوکر لگاؤں گا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ ذہین بھی ہے۔ انسانی نفسیات کو خوب سمجھتا ہے۔ اس نے چند سیکنڈ کے لیے مجھے اسی طرح منتظر رکھا تھا۔ اور چپ چاپ اوپر والے سوراخوں میں انگلیاں ڈال کر چٹخنی کو اُس کی جگہ سے سرکا دیا تھا۔ چٹخنی کی آواز سے چونک کر میں نے اوپر دیکھا۔ مگر اسی وقت دروازہ ایک زوردار دھماکے سے میرے منہ پر آ کر لگا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا اس عورت کی گود میں جا گرا۔

کیبن کے کھلے ہوئے دروازے پر ایک لمبا تڑنگا جوان کھڑا ہوا تھا اس کی دائیں ہتھیلی میں صرف دو انگلیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان سے لہو رِس رہا تھا۔ وہ کسی درندے کی طرح دانت پیس کر اندر

آیا۔ پھر ایک جھٹکے سے دروازے کو بند کر کے میری طرف دیکھ کر غُرایا۔ میں سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آواز سُننا ضروری تھا۔ میں نے کہا۔ "رُک جاؤ۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مجھ سے چاہتے کیا ہو؟"

اس عورت نے چیخ کر ڈبل فنگرز سے کہا۔ "سائمن! جواب نہ دینا۔ میں نے معلوم کر لیا ہے۔ سونیا زندہ ہے۔ فرہاد بھی ضرور زندہ ہو گا۔ وہ تمہیں ٹریپ کرنے کے لئے یہاں بھی موجود رہ سکتا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کون فرہاد؟ کس کی باتیں کر رہی ہو؟ میں صرف اپنے لیے پوچھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کو مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

اس نے کہا۔ "سائمن! اس شخص نے سونیا کے ساتھ مل کر اپنی بیوی سوزی کو ہلاک کیا اور سُپر ماسٹر کو زبردست دھوکا دیا۔ یہ ہوں ہنک....."

اس عورت نے ہوں ہنک کہتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے قتل کرنے کے لیے کہا۔ میں نے اسی وقت ایک الٹا ہاتھ سائمن دی ڈبل فنگرز کے منہ پر رسید کیا۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑا گیا۔ میں نے فی الحال اس کے پیٹ پر ماری۔ وہ اونک کہتا ہوا جھک گیا وہ بہت تگڑا تھا۔ اسے چوٹ لگ رہی تھی۔ مگر زبردست قوتِ برداشت کا مالک تھا۔

اس نے پیٹ پکڑ کر جھکتے جھکتے اچانک ہی میرا ایک ہاتھ پکڑ کر کھینچا میں اس کی طرف کھینچتا گیا۔ ویسے میں حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ مگر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کیا کرنے والا ہے یک لخت اس نے دونوں انگلیاں میری ناک کے نتھنوں میں گھسیڑ دیں جیسے آہنی سلاخیں تھیں، جو نتھنوں سے گزر کر دو آنکھوں کے درمیان پیشانی تک پہنچ گئی تھیں۔ ایسی اذیت ناک تکلیف پہنچی تھی کہ میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس نے ایسا داؤ آزمایا تھا کہ آدمی پھڑپھڑا کر رہ جائے۔

میں ایک جھٹکے کے ساتھ بون زو کے دماغ سے نکل آیا کیونکہ اس کا دم نکل چکا تھا۔ میں نے اس عورت کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ نتھنوں کے راستے دو انگلیاں اب پیشانی کے اندر تک پہنچ گئی تھیں۔ سائمن کا دایاں ہاتھ اٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ وہ مردہ جسم چھت کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

بون زو کی لاش دو انگلیوں کی صلیب پر لٹک رہی تھی۔

زندگی ایک خوبصورت بلا ہے جو اپنے پیچھے پیچھے موت کو لیے ہمارے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ میں جن لوگوں کے دماغ میں رہتا ہوں ان کے دماغ میں رہ کر میں نے انہیں دکھ سہتے کبھی ہنستے بولتے کبھی پریشانیاں اٹھاتے ہوئے اور کبھی موت کی آغوش میں دم توڑتے ہوئے دیکھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ میں دوسروں کے دماغ میں رہ کر بار بار مر چکا ہوں۔ کیونکہ جب جسم مرتا ہے تو صرف جسم نہیں مرتا، پہلے دماغ کی موت واقع ہوتی ہے تب جسم بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔

جسم کی تکلیف دماغ محسوس کرتا ہے۔ بون زو کو جو جسمانی اذیتیں پہنچی تھیں اسے میرا دماغ محسوس کرتا رہا تھا۔ کیونکہ اس کے جسم کے اندر یا اس کے دماغ کے اندر میں موجود تھا۔ جب آخری لمحات میں اس کا دم نکل رہا تھا تب بھی میں وہاں موجود تھا اور میں اس کے دماغ سے یوں نکل آیا تھا جیسے جسم سے دم نکل جاتا ہے۔

میں نے بون زو کو زندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اس کے جسم میں یا دماغ میں سما کر خود اس کو فرہاد بنا کر میں نے ڈبل فنگر سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ ایک تجرباتی مقابلہ تھا کیونکہ آئندہ بھی اس ڈبل فنگر سے پتہ نہیں کتنی بار ٹکراؤ ہونا تھا۔ اس پہلے مقابلے میں اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ صرف طاقتور ہی نہیں بلکہ ذہین اور چالاک بھی ہے۔ لڑنے کے فن سے واقف ہے اور انسانی نفسیات سے بھی کھیلتا ہے۔ اس نے بڑی چالاکی سے اس کیبن کا دروازہ کھولا تھا اور جس انداز میں اس نے مجھ سے مقابلہ کیا تھا اس سے پتہ چل گیا کہ وہ اپنی دو انگلیوں کو بہت اہمیت دیتا ہے اور جتنے بھی داؤ پیچ استعمال کرتا ہے ان تمام داؤ پیچ کا تعلق اس کی دو انگلیوں سے ہوتا ہے۔ میں مقابلہ کرنے کے دوران جوڈو کراٹے اور لات گھونسے کی تکنیک پر چلتا رہا اور وہ اس موقع کی تاک میں تھا کہ اسے اپنی دو انگلیوں کے استعمال کا خاطر خواہ موقع مل جائے اور اس نے بڑی پھرتی سے اپنی دونوں انگلیاں بون زو کی ناک کے نتھنوں میں گھسیڑ دی تھیں۔ یہ ایسا اچانک داؤ تھا کہ ان آہنی سلاخوں سے بون زو کو میں نجات نہ دلا سکا تھا۔

بہرحال اس کے دم توڑتے ہی میں اس عورت کے دماغ میں پہنچ گیا تھا جو سائمن عرف ڈبل فنگر کی ساتھی تھی۔ میں اب اس کے دماغ سے دیکھ رہا تھا۔ ڈبل فنگر ایک انگلی کے اشارے سے اسے باہر جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر اس کیبن سے باہر آ گئی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اب ڈبل فنگر سے اس کی ملاقات نہیں ہو گی۔ یہ پہلے سے طے پایا تھا کہ بون زو سے وہ سونیا کی حقیقت اگلوائے گی۔ اس کے بعد ڈبل فنگر وہاں پہنچے گا۔ جب بون زو کا کام تمام کر دیا جائے گا تو وہ کیبن سے باہر آ جائے گی اور ڈبل فنگر اس کی لاش کو باتھ روم میں بند کرنے کے بعد کیبن سے نکل آئے گا۔ پھر آگے ایک

مقام پر گاڑی رکے گی وہاں اُن کے لیے ایک کار موجود ہوگی جس میں بیٹھ کر وہ دونوں پیرس آ جائیں گے۔ پیرس پہنچنے کے بعد وہ عورت ڈبل فنگر سے جدا ہو جائے گی۔ اس دوران وہ ڈبل فنگر سے گفتگو نہیں کرے گی اور نہ ہی کسی بہانے سے بھی ڈبل فنگر کو کوئی بات کرنے پر مجبور کرے گی۔

وہ لوگ بہت زیادہ محتاط تھے۔ سونیا کی چالاکیوں نے انہیں شبہے میں مبتلا کر دیا تھا کہ فرہاد بھی زندہ ہوگا اور زندہ ہوگا تو وہ کبھی منظرِ عام پر نہیں آئے گا۔ چُپ چاپ سونیا کے دماغ میں رہ کر اپنے کارنامے دکھاتا رہے گا۔ کارنامے سے مراد کہ میں ان کے دماغوں میں پہنچتا رہوں گا اور انہیں ایک ایک کرکے ٹھکانے لگاتا رہوں گا۔

بہرحال میں اس ڈبل فنگر کے دماغ تک ابھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور اس عورت کو اگر میں مجبور کرتا کہ وہ ڈبل فنگر کو کسی طرح گفتگو پر مجبور کرے تو اُن کے اس شبہے کو تقویت پہنچ جاتی کہ یہ سب فرہاد کی حرکتیں ہیں اس لیے میں نے فی الحال اُن دونوں کو چھوڑ دیا۔ اب مجھے اس بریف کیس کی فکر تھی جس میں چالیس ہزار ڈالر رکھے ہوئے تھے اور یہ رقم میں سونیا تک پہنچانا چاہتا تھا۔ سونیا ایسی ضدی تھی کہ وہ براہِ راست مجھ سے ایسی کوئی مدد قبول کرنا نہیں چاہتی تھی۔

میں اس انکوائری کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھنے والی عورت کے دماغ میں پہنچا جس کا نام ڈائنا تھا۔ اس وقت وہاں رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ دو بجے ڈائنا کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی۔ ابھی تین گھنٹے باقی تھے میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ اس نوجوان مور نیر کے فلیٹ میں تھی۔ ایک کمرے میں مور نیر سو رہا تھا اور دوسرے کمرے کو وہ اندر سے بند کرنے کے بعد آرام سے سو گئی تھی۔

میں نے سوچا کہ ڈائنا کی ڈیوٹی ختم ہونے میں... ابھی تین گھنٹے باقی ہیں اور یہاں میں موجود تھا وہاں اب صبح ہونے والی تھی تو پھر میں بھی کیوں نہ تھوڑی سی نیند پوری کر لیتا، یہ سوچ کر میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ میں ڈھائی گھنٹے تک سوتا رہوں گا اگر کوئی ٹریلر کیبن میں داخل ہوگا تو میری آنکھ کھل جائے گی۔ غلام پیٹ بھر کر شراب پینے کے بعد پولیس اسٹیشن کے برآمدے میں سو رہا تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ ذہن کو ہدایت دی کہ جب تک میں اسے حکم نہ دوں وہ گشتی گاڑی کے پاس نہ آئے اور نہ ہی مجھے نیند سے بیدار کرے، میں خود ہی بیدار ہونے کے بعد اسے بلاؤں گا۔ یہ ساری ہدایات دینے کے بعد میں آرام سے سو گیا۔

اس دوران پومی سے رابطہ قائم کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ بھی شاید ابھی تک بے ہوشی کی حالت میں سفر کر رہی ہوگی۔ اب رات گزر چکی تھی صبح ہو رہی تھی تو وہ یقیناً برما کی سرحد پار کر گئی ہوگی یا سرحد پار کرنے والی ہوگی۔ بہرحال اطمینان تھا کہ جب وہ آسام کے بیگار کیمپ میں پہنچے گی تو میں اس کی حفاظت کے لیے اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

ٹھیک ڈھائی گھنٹے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے میں نے ڈائنا کی خبر لی۔ وہاں رات کا ڈیڑھ بج گیا تھا اور ڈائنا آدھ گھنٹے بعد اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر اپنے گھر جانے والی تھی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ آج اس نے ایک بوائے فرینڈ کا بندوبست کیا ہے۔ وہ اپنے فرینڈ کو اپنے ساتھ اپنے فلیٹ میں لے جائے گی۔

وہ اپنے بوائے فرینڈ کے تصور سے مسکرا رہی تھی۔ اتنے میں دوسری عورت آ گئی۔ وہ دوسری شفٹ میں اس کی جگہ سنبھال لیتی تھی۔ ڈائنا نے کہا "مجھے آج ذرا جلدی جانا ہے۔ کیا تم پندرہ منٹ پہلے میری سیٹ پر آ جاؤ گی؟"

اس عورت نے مسکرا کر کہا "میں جانتی ہوں تمہیں آدھی رات کے بعد کون سا کام ہوتا ہے۔ جاؤ، بھاگ جاؤ یہاں سے میں تمہارا کام سنبھال لوں گی۔"

ڈائنا مسکراتے ہوئے اپنا پرس لے کر وہاں سے اٹھ گئی۔ جانے سے پہلے اس نے پرس کے بے بی آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیا پھر اپنے میک اپ سے مطمئن ہو کر انکوائری کاؤنٹر کے پیچھے سے باہر آ گئی۔

کسی بس اسٹاپ پر بوائے فرینڈ سے ملنے کا وقت اور جگہ مقرر ہوئی تھی۔ وہ ادھر جانا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے لاکرز روم کی طرف گھما دیا۔ میں اس کے دماغ پر قابض تھا اور اب وہ میری مرضی کے مطابق وہاں جا رہی تھی۔ لاکرز روم پر پہنچ کر اس نے پرس میں سے رسید اور چابی نکالی پھر کاؤنٹر کلرک سے کہا "میرا نام مسز سوزی بونزو ہے اور میں لاکر سے اپنے شوہر کا بریف کیس لینے آئی ہوں۔"

مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ میں نے یہ نہیں سوچا کہ ریلوے اسٹیشن پر کام کرنے والے ملازمین خواہ دوسرے شعبے سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں، ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ انکوائری کاؤنٹر سے لاکرز روم بہت زیادہ دور نہ تھا وہ کاؤنٹر کلرک ڈائنا کو پہچانتا تھا اس نے تعجب سے کہا "تم ڈائنا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم مسز سوزی بونزو ہو؟ یہ تم مسز کب سے بن گئیں اور تمہارا نام سوزی کیسے ہو گیا؟"

ڈائنا کی کھوپڑی میں میرا دماغ کام کر رہا تھا وہ مسکراتے ہوئے بولی "میں جانتی ہوں کہ تم مجھے ڈائنا کی حیثیت سے جانتے ہو میں تو مذاق کر رہی تھی کہ میرا نام سوزی بونزو ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سوزی میرے پاس بطورِ مہمان ٹھہری ہوئی ہے وہ ایسی بدصورت

ت ہے کہ باہر بہت کم نکلتی ہے۔ یہاں آ کر وہ اپنے شوہر کا بریف ...نا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی کہ ریلوے کے ملازمین ...ن سا ہیں اور میں آسانی سے اس کا بریف کیس اس کے پاس ...دوں گی۔"

کاؤنٹر کلرک نے پوچھا "کیا مسز سوزی بونزو نے تمہیں یہ سامان ...کے لیے تحریری اجازت دی ہے؟"

وہ بولی "اس رسید سے بڑھ کر تحریری حقوق اور کیا ہو سکتے ہیں؟ ...یں دے رہی ہوں، چابی دے رہی ہوں پھر یہ کہ ہم ایک دوسرے ...نتے ہیں۔ ہاں! مجھے یاد آیا تم نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ...آئی ایم سوری، میں بہت مصروف رہی۔ کیا خیال ہے ڈیوٹی ...ہونے کے بعد میرے فلیٹ میں آ سکتے ہو؟"

کاؤنٹر کلرک اسے فدا ہو جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ...ے ہی جذباتی انداز میں مسکرا رہی تھی اور اسے اپنے فلیٹ میں ...کی دعوت دے رہی تھی۔

اس نے کہا "ٹھیک ہے۔ چابی تمہارے پاس ہے، رسید ...ے پاس ہے میں تمہاری دوستی پر بھروسہ کرکے یہ سامان لیجانے ...جازت دیتا ہوں۔"

وہ رجسٹر کھولتے ہوئے کچھ سوچنے کے بعد بولا "ڈائنا ایسا کرو ...زی بن کر اس رجسٹر پر دستخط کر دو۔ اگر کوئی گھپلا ہوا یا وہ سامان ...ے ہاتھوں سے کسی غلط ہاتھ میں پہنچ گیا تو پھر ساری ذمہ داری ...پر عائد ہوگی۔ اگر یہاں نام نہاد دستخط ہوں گے تو میں بیان دے ...ا ہوں کہ کوئی سوزی نام کی عورت یہاں آئی تھی اور وہ رجسٹر ...تخط کرنے اور چابیاں دکھانے کے بعد سامان لے گئی تھی۔ اس ...ح میں قانون کی زد میں آنے سے محفوظ رہوں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی "اوہ ڈیر! تمہارا دماغ کتنی تیزی سے ...ا کرتا ہے مجھے تمہارے جیسے ذہین شخص سے ہی محبت کرنی چاہیے۔"

پھر وہ چابی اٹھا کر اس نے رجسٹر پر سوزی کے دستخط کیے ...ے آفیسر کے ساتھ لاکر کھولنے کے لیے چلی گئی۔ پندرہ منٹ ...بعد وہ لاکر سے بریف کیس نکال کر لے آئی۔ کاؤنٹر پر آ کر اس ...کاؤنٹر کلرک کے قریب جھک کر کہا "بھولنا نہیں۔ ڈیوٹی ...ہوتے ہی میرے پاس چلے آنا۔ ایں ٹھیک ہے نا؟"

وہ بڑے ہی دل لبھانے والے انداز میں مسکرائی۔ اسے بیوقوف ...پھر بریف کیس لے کر وہاں سے چل پڑی۔ اسے بس اسٹاپ ...ن جانا چاہیے تھا کیونکہ وہاں ایک اور شخص سے وہ ملنے کا ...ر چکی تھی لیکن میں نے اسے ایک ٹیکسی میں بٹھا دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور ... سے دیکھا۔ اس کی نظریں پوچھ رہی تھیں کہ کہاں ...پھر اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

میں نے ڈائنا کے دماغ میں سوال کیا کہ اس کے فلیٹ کا پتہ کیا ہے؟ پتہ معلوم کرنے کے بعد میں نے ڈائنا کی زبان سے وہ پتہ ٹیکسی ڈرائیور کو بتا دیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ غلام بھی ناشتے کے لیے میرا انتظار کر رہا تھا لیکن میں ڈائنا کو اس کے فلیٹ کے اندر پہنچا کر اس سے مطمئن ہو جانا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی اس کے فلیٹ کے سامنے رک گئی۔ اس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا پھر بریف کیس اٹھا کر اپنے فلیٹ کی طرف جانے لگی۔

اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر اس نے چابی نکالی دروازے کو کھولا پھر اندر چلی گئی۔ اب میں اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کر رہا تھا کہ اس کا اسٹور روم کہاں ہے جہاں وہ پرانی یا بہت زیادہ استعمال نہ ہونے والی چیزیں رکھتی ہوگی اور کبھی کبھی ادھر اس کا دھیان جاتا ہوگا۔ وہ میری سوچ کے مطابق ایک اسٹور روم میں گئی وہاں واقعی کچھ ایسی چیزیں تھیں جو استعمال نہیں کی جاتی تھیں۔ ڈائنا نے وہیں بریف کیس رکھ دیا۔ رکھنے کے بعد وہ اسٹور روم سے باہر آئی۔ اسے بند کیا پھر پلنگ پر آ کر لیٹ گئی۔ اس کے بعد میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اچھل کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ سوچنے لگی کہ وہ ریلوے اسٹیشن میں تھی۔ انکوائری کاؤنٹر سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جانا چاہتی تھی لیکن وہ پتہ نہیں کیسے اپنے فلیٹ میں پہنچ گئی۔ دماغ پر زور دے کر سوچنے لگی اگر وہ واقعی سمجھنا چاہتی تو اس کا دماغ دھندلے دھندلے سے خیالات کے ذریعے بتا دیتا کہ وہ لاکر روم گئی تھی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر یہاں آئی تھی لیکن میں نے اسے سمجھنے کا موقع نہیں دیا۔ اس رات وہ بہت زیادہ الجھتی رہی۔ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی لیکن میں اس کے دماغ میں موجود رہا پھر وہ تھک ہار کر بستر پر لیٹ گئی۔ اس وقت تین بج رہے تھے۔ تھکن بھی محسوس ہو رہی تھی اور نیند بھی آ رہی تھی۔ میں نے اسے تھپک تھپک کر خیال خوانی کی لوری سنا کر سلا دیا۔

جب وہ سو گئی تو میں نے اس کے خوابیدہ ذہن کو ہدایت دی کہ وہ بیدار ہونے کے بعد بریف کیس کو بھول جائے گی اور یہ بھی یاد نہیں کرے گی کہ وہ ریلوے اسٹیشن سے اپنے فلیٹ تک کیسے پہنچی تھی اور کہاں کہاں سے گزر کر آئی تھی۔ خوابیدہ ذہن میری خیال خوانی کا تابع فرمان تھا اس لیے میں اطمینان سے اسے چھوڑ کر چلا آیا کہ اب وہ بریف کیس کو یاد نہیں کر سکے گی اور اسٹیشن سے فلیٹ تک پہنچنے والی بات بھی بھول جائے گی۔

میں اس کے پاس سے واپس آ گیا۔ پھر میں نے غلام کو حکم دیا کہ وہ ناشتہ تیار کرے اس دوران میں منہ ہاتھ دھونے کے

لیے ٹریلر کیبن سے باہر چلا گیا۔ ایسے ہی وقت میں نے ممی سے دماغی رابطہ قائم کیا اور انہیں اپنی خیریت سے آگاہ کیا۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔ میرے اور سونیا کے متعلق اور پومی کے بارے میں پوچھتی رہیں میں انہیں سب کچھ بتاتا رہا پھر میں نے کہا کہ میں نے ابھی تک پومی کی خبر نہیں لی ہے۔ میں معلوم کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر میں ان کے پاس سے واپس آیا اور پومی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ہوش میں آچکی تھی، اور اب اپنے آپ کو ایک بہت ہی وسیع میدان میں دیکھ رہی تھی۔ اس میدان میں سیکڑوں مرد، عورتیں اور کچھ بوڑھے اور کچھ بچے نظر آرہے تھے۔

وہاں اسے لاکر چھوڑنے والوں نے اس سے کہا تھا کہ اب وہ آزاد ہے اور جہاں چاہے جا سکتی ہے لیکن وہ کہاں جاتی کیونکہ بہت بڑا میدان نظر آرہا تھا۔ ویسے اس نے تجربے کے طور پر ایک سمت قدم بڑھائے۔ کچھ دور چلنے کے بعد پتہ چلا کہ جہاں کہیں میدان کی سرحد نظر آتی ہے وہاں مسلح افراد کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گن ہوتی ہے اور وہ کسی کو اس میدانی علاقے سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے پھر یہ کہ میدان میں کچھ ایسے جابر اور جلاد قسم کے لوگ تھے جو ہاتھوں میں چابک لیے دوسروں سے مختلف قسم کے کام کرا رہے تھے۔

وہ پریشان تھی کیونکہ اب اپنے اندر ان قوتوں کو اور صلاحیتوں کو محسوس نہیں کر رہی تھی جن کے بل بوتے پر اس نے اغوا کرنے والوں کو بے وقوف بنایا تھا اور ٹرک ڈرائیور سے مقابلہ کیا تھا پھر اس گینڈے باس کے سامنے بھی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے اسی میدان میں تنہا کھڑے ہوکر کچھ غلامنگ کک اور کچھ جوڈو کراٹے والے ہاتھ یونہی فضا میں لہرا کر مشق کے طور پر اندازہ کیا تھا۔ اپنے آپ کو تولا تھا پرکھا تھا اور اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ وہ بالکل صفر ہے۔

میں اس گینڈے باس کی سوچ پڑھ چکا تھا وہ پومی کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا صرف سزا دینا چاہتا تھا کہ آئندہ وہ اس سے گستاخی نہ کرے۔ مجھے پومی کی جان کا خطرہ نہیں تھا۔ اب یہ معلوم کرنا تھا کہ وہاں اس وسیع و عریض میدان میں کیا ہو رہا ہے۔ سیکڑوں لوگ مزدوروں کے طور پر کیوں کام کر رہے ہیں۔ ابھی یہ میرے لیے زیادہ اہم نہیں تھا اس لیے میں وہاں سے واپس آگیا۔ میں نے ممی کو مختصراً ساری باتیں بتائیں پھر ٹریلر کیبن میں واپس آیا تو وہاں ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔

سامی رات کا بچا ہوا گوشت کھا رہی تھی۔ اس کے بعد وہ دودھ پینے لگی۔ میں نے ناشتہ کرنے کے بعد چائے پیتے ہوئے اس پولیس اسٹیشن کے آفیسر سے تھوڑی دیر تک باتیں کیں پھر مسٹر غلام کی سوچ میں کہا "بیٹے اب یہاں سے آگے بڑھو ورنہ یہ پولیس انسپکٹر مجھ سے بکواس ہی کرتا رہے گا۔"

تھوڑی دیر بعد غلام نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر ہمارا سفر شروع ہوگیا۔ میں غلام کے ساتھ اسٹیئرنگ سیٹ کے پاس بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔ موجودہ حالات میں جتنے بھی مسائل میرے سامنے تھے ان میں سب سے اہم اور پریشان کرنے والا مسئلہ ڈبل فنگر کی گمشدگی تھی وہ کم بخت میری خیال خوانی کی لہروں سے بچتا پھر رہا تھا۔ گونگا اور بہرا بن گیا تھا۔ اس کے شک وشبہے نے اسے ابھی تک فائدہ پہنچایا تھا۔ اگر وہ بونزو سے مقابلہ کرنے کے دوران ذرا سی آواز نکالتا تو میں اسے اپنی گرفت میں لے لیتا لیکن افسوس اس کے پاس پہنچنے کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

میں سوچتے سوچتے وہاں پیرس کے باس موس ٹروئی کے پاس پہنچ گیا۔ میں اسی سے معلوم کر سکتا تھا کہ اب سونیا کو کس طرح تلاش کیا جارہا ہے۔ وہاں اس کی سوچ کے ذریعے میں نے معلومات حاصل کیں تو وہ معلومات پریشان کن ثابت ہوئیں۔ ہوا یہ تھا کہ جب بونزو لاکر میں بریف کیس رکھنے گیا تھا تو اس وقت بھی اس کی نگرانی ہو رہی تھی۔ وہاں ٹیبر ماسٹر کا ایک جاسوس ڈیوٹی پر لگا ہوا تھا صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ اگر بونزو اپنا سامان لاکرز میں رکھ کر جا رہا ہے تو اس سامان کو کیا سونیا نکالنے کے لیے آئے گی؟

اور یہی ہوا۔ کوئی عورت وہ سامان نکالنے کے لیے رات کے سوا دو بجے لاکرز روم میں گئی تھی اور وہ عورت ڈائنا تھی لیکن نگرانی کرنے والوں کو تو سونیا پر شبہ تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ڈائنا کا روپ اختیار کر کے وہاں وہ سامان لینے آئی تھی۔ نگرانی کرنے والے نے اپنے ماسٹر موس ٹروئی کو اطلاع دی تھی۔ ڈبل فنگر بونزو کا محاسبہ کر کے فارغ ہو چکا اور وہ ٹرین سے اترنے کے بعد پیرس کی طرف واپس آرہا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد اسے یہ اطلاع دی گئی کہ ایک عورت فلاں نمبر کے فلیٹ میں گئی ہے اور وہ بونزو کا بریف کیس اپنے ساتھ لے گئی ہے یقیناً وہ سونیا ہوگی لیکن سونیا اپنے اصل روپ میں نہیں ہے جاؤ اور اس کا محاسبہ کرو۔

میں نے اس ماسٹر کی سوچ میں دریافت کیا "کیا ڈبل فنگر اس کا محاسبہ کرنے کے لیے جا چکا ہوگا؟"

وہ جواباً سوچنے لگا "پتہ نہیں وہ کم بخت من موجی ہے۔ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ میں ابھی فون کر کے دیکھتا ہوں۔ اسے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کسی سے رابطہ قائم ہوا تو اس نے پوچھا "ہیلو سائمن کہاں ہے؟"

"وہ ابھی سو رہے ہیں۔"

ماسٹر موس ٹروئی نے غصے سے کہا "یہ سونے کا وقت نہیں ہے سونیا کی نشاندہی ہو چکی ہے۔ اسے فوراً گرفت میں لینا چاہیے دیکھنا ہے کہ وہ حقیقتاً سونیا ہے یا کوئی دوسری عورت ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "سوری جناب! ہم مجبور ہیں سائمن اپنی مرضی سے کہیں نہیں بھیج سکتے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ رات بھر جاگا ہوا ہے اور سونا چاہتا ہے اور لیٹے سونے تک اس نے ایک شخص کو اس فلیٹ کے سامنے نگرانی کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ وہ عورت بریف کیس لے کر کہیں نہیں جا سکے گی۔"

ریسیور رکھ دیا گیا۔ دوسری طرف جو فون پر باتیں کر رہا تھا میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پتہ چلا کہ وہ ڈبل فنگر کی رہائش گاہ میں ایک ملازم کی حیثیت سے رہتا ہے اور اس کی فون کالیں اٹینڈ کرتا رہتا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں ڈبل فنگر کے کسی خاص آدمی تک پہنچ پایا تھا اس کے ذریعے میں اس مصیبت کے دماغ تک بھی پہنچ سکتا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اب اس ملازم کے ذریعے ڈبل فنگر تک جلد از جلد پہنچ جانا ہی دانشمندی ہوتی، اس لیے میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر کہا کہ مجھے فوراً ہی اپنے باس سائمن کو اطلاع دینی چاہیے کہ موس ٹروئی اس کے آرام کرنے پر جھنجلا رہا ہے۔

اس نے کہا "نہیں یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ میری کیا مجال ہے کہ میں باس کو اس کی نیند سے بیدار کروں اور اپنی موت کا سامان کروں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

اس کا باپ بھی ایسا کر سکتا تھا۔ میں اس کے دماغ پر سوار ہو کر اسے ڈبل فنگر کے کمرے کی طرف لے گیا۔ وہ اسی کاؤنٹر کے پاس پہنچا جس کے پیچھے تاریکی تھی اور وہاں کاؤنٹر کے پاس ایک پیڈسٹل لیمپ کا بلب روشن رہتا تھا اگر ڈبل فنگر کو مخاطب کیا جائے تو اس کی دو انگلیاں اس کاؤنٹر پر آتی تھیں اور اشاروں سے باتیں کرتی تھیں۔

میں یہ بھول گیا تھا کہ اگر اس ملازم کو آلہ کار بنا کر ڈبل فنگر کو نیند سے بیدار کرتا تب بھی وہ اپنی زبان سے نہ بولتا کیونکہ اس سے پہلے میں اسے انگلی کے اشاروں سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ مجھے اپنا یہ طریقہ پسند نہیں آیا پھر میں نے سوچا کہ میں جلد بازی سے کام لے رہا ہوں معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر اس نے ڈبل فنگر کو بیدار کیا تو وہ غصے کی حالت میں یا تو اپنے ملازم کو ختم کر دے گا یا پھر انگلیوں کے اشارے سے بات کر کے اسے رخصت کر دے گا، میرا مقصد پورا نہیں ہوگا۔

وہ ملازم جس کمرے سے چل کر اس کاؤنٹر تک آیا تھا میں نے وہاں سے پھر اسے واپس لے جا کر اس کے کمرے میں پہنچا دیا اس کے بعد اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ میں اسے سوچتا چھوڑ کر خود سوچ رہا تھا کہ کیا کیا جائے اور کس طرح ڈبل فنگر تک پہنچا جائے۔ پھر ایک خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں ڈائنا کے بریف کیس لینے اور ڈائنا کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے ڈبل فنگر کی جگہ کسی دوسرے کو بھیجا جائے۔ ایسا ممکن تھا۔ کوئی دوسرا بھی ڈائنا کا محاسبہ کرنے جا سکتا تھا اگرچہ ماسٹر موس ٹروئی کی سوچ بتا رہی تھی کہ سونیا کا محاسبہ کرنے کے لیے صرف ڈبل فنگر کو مقرر کیا گیا ہے۔

اس کے باوجود میں نے احتیاطاً ڈائنا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تب مجھے پتہ چلا کہ چال کچھ اور چلی جا رہی ہے کیونکہ وہاں ڈائنا اٹھ بیٹھی تھی اور اس کے سامنے ... ڈبل فنگر اپنی اس ساتھی عورت کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اور وہ عورت اس سے سوالات کر رہی تھی۔ پتہ چلا کہ انہوں نے ڈائنا کا چہرہ اچھی طرح ڈیٹنگ کریم سے رگڑ کر دیکھ لیا ہے اور مطمئن ہو گئے ہیں کہ وہ ڈائنا ہی ہے۔ اس کے پیچھے سونیا چھپی ہوئی نہیں ہے۔

ڈبل فنگر کے ساتھ آنے والی عورت نے کہا "دیکھو مس ڈائنا ہم سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ اس سے انکار نہ کرو کہ تمہیں لاکر کی چابی اس شخص نے دی جس کا نام بونزو تھا۔ بونزو اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ تم بھی اس انجام کو پہنچو گی تو پھر اس دنیا کی خوبصورتی کو نہیں دیکھ سکو گی۔"

ڈائنا نے پریشان ہو کر تقریباً گڑگڑاتے ہوئے کہا "میں ابن مریم کی قسم کھاتی ہوں کہ میں کسی بونزو کو نہیں جانتی۔ کسی سونیا کے نام سے واقف نہیں ہوں۔ ہاں یہ ضرور کہوں گی کہ فرہاد علی تیمور کے بارے میں جب میں نے اخبارات پڑھے تھے تو وہاں سونیا کا ذکر تھا لیکن میں اور کچھ نہیں جانتی۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ لاکر کی چابی میرے پاس تھی اور وہاں سے یہ بریف کیس لائی ہوں تو میں پھر ایک بار ابن مریم کی قسم کھاتی ہوں کہ مجھے اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہے اگر برا نہ مانو تو میں کہوں یوں لگتا ہے جیسے مجھ پر جبراً الزام عائد کیا جا رہا ہے۔"

اس عورت نے اور ڈبل فنگر نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا جیسے ڈائنا کی باتیں انہیں متاثر کر رہی ہوں، اور اس کی سچائی کو وہ لوگ تسلیم کر رہے ہوں۔ ڈائنا کہہ رہی تھی "اگر تم لوگ مجھے مارنے ہی آئے ہو تو مار ڈالو لیکن اس الزام کے بہانے مجھے ہلاک نہ کرو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں اس عورت کے دماغ میں بیٹھ کر دیکھ رہا تھا۔ ڈبل فنگر نے اسے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ عورت بریف کیس اٹھا کر ڈبل فنگر کے ساتھ فلیٹ سے باہر آگئی۔ باہر آکر

وہ دونوں ایک کار میں بیٹھ گئے۔ سائمن دی ڈبل فنگر نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو اس عورت نے کہا۔ "تمہارا خاموشی سے چلے آنا اس بات کی گواہی ہے کہ تم ڈائنا کی سچائی کو تسلیم کر رہے ہو۔"

سائمن نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اس عورت نے کہا۔ "اگر وہ سچ کہہ رہی ہے تو پھر یہ بریف کیس اس کے ہاتھ کیسے لگا؟ ہمارے نگرانی کرنے والے یہ رپورٹ دے چکے ہیں کہ ڈائنا لاکرز روم میں گئی تھی اور وہاں سے وہ بریف کیس لے کر ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے فلیٹ آئی تھی اور ڈائنا سے پوچھا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ لاکرز روم میں گئی ہی نہیں تھی اور نہ ہی وہ بریف کیس لے کر آئی تھی۔"

سائمن نے پھر اثبات میں سر ہلایا، عورت نے پوچھا "کیا اب ہمیں یقین نہیں ہو جانا چاہیے کہ یہ سب تماشے فرہاد علی تیمور کے ہیں اگر وہ عورت واقعی کچھ نہیں جانتی ہے تو پھر فرہاد جانتا ہے۔ کیا تم بھی یہی سوچ رہے ہو؟"

سائمن نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ رفتہ رفتہ میرا بھید کھلتا جا رہا تھا۔ ان کا شبہ یقین میں بدلتا جا رہا تھا اگر میں ان سے پہلے ڈائنا کے پاس پہنچ جاتا تو وہ کبھی ڈائنا کی زبان سے وہ رپورٹ نہ سنتے جو ابھی سن کر آ رہے تھے اور اس رپورٹ نے انہیں میرے زندہ سلامت رہنے کا یقین دلا دیا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے یاد آیا کہ ابھی میں نے ڈبل فنگر کے ملازم کو ٹریپ کیا تھا اور وہ اپنے آقا ڈبل فنگر کے پاس جا رہا تھا لیکن کاؤنٹر کے پاس سے واپس چلا آیا تھا۔ کیا اس ملازم کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ڈبل فنگر یہاں موجود ہے یا نہیں؟ میں پھر کسی صحیح نتیجے تک پہنچنے کے لیے اس ملازم کے پاس پہنچ گیا۔

وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور پریشان ہو کر سوچ رہا تھا "یہ کیا چکر ہے اور میرے ساتھ ابھی کیا ہو گیا تھا؟ ابھی باس نے مجھے اپنے کمرے کے کاؤنٹر کے پاس بلا کر پوچھا تھا کہ میں اس کاؤنٹر تک کیوں آیا تھا اور پھر کچھ کہے سنے بغیر واپس کیوں چلا گیا تھا؟ حالانکہ میں وہاں نہیں گیا تھا اور باس کہہ رہے تھے کہ میں وہاں گیا تھا اور واپس چلا آیا۔ بہرحال میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے ساتھ کیا ہو گیا تھا؟"

اس کی سوچ پڑھ کر میں الجھ گیا کیونکہ وہ ڈبل فنگر کو باس کہہ رہا تھا۔ اس کی سوچ کے مطابق ڈبل فنگر وہاں رہائش گاہ میں کاؤنٹر کے پیچھے تاریکی میں موجود تھا اور اس سے باتیں بھی کر چکا تھا۔ مجھے بہت زیادہ تجسس پیدا ہوا۔ میں... پھر اس ملازم کے دماغ پر قابض ہو کر اسے کشاں کشاں اس کاؤنٹر تک لے گیا۔ میں نے اس کی زبان سے... ڈبل فنگر کو مخاطب کیا۔ "باس! میں کچھ پوچھنے آیا ہوں۔"

اس کے جواب میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ ملازم کاؤنٹر کی طرف دیکھتا رہا جہاں زیرو پاور کی دم توڑتی ہوئی روشنی پھیلی ہوئی تھی پھر اس کاؤنٹر پر ایک ہاتھ آیا لیکن اب اس داہنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں تھیں۔ وہ ہاتھ ڈبل فنگر کا نہیں ہو سکتا تھا اس ہاتھ والے نے پوچھا "کیا بات ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ملازم نے جھجکتے ہوئے کہا "جناب میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں تو کچھ نہیں جانتا کہ یہاں تک آیا تھا اور واپس چلا گیا تھا۔ میں آپ کی باتوں کو جھٹلا بھی نہیں سکتا لیکن ایک بار پھر یہ کہہ دیجیے کہ واقعی میں یہاں آیا تھا اور یہاں سے بغیر کچھ کہے سنے چلا گیا تھا۔"

"جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ بکواس مت کرو۔ گیٹ آؤٹ۔"

وہ فوراً ہی پلٹ کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے باس سے بحث کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گیا تو میں اس تاریک کمرے میں بیٹھنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پتہ چلا کہ وہ ڈبل فنگر نہیں ہے مگر ڈبل فنگر کا رول ادا کر رہا ہے اور صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ اگر فرہاد زندہ ہے یا سونیا کوئی چال چل رہی ہے تو ڈبل فنگر تک پہنچنے کے لیے کیسی کیسی چالیں چلی جاتی ہیں۔ یہ دیکھنے جاننے کے لیے ڈبل فنگر اپنی جگہ سے غائب تھا اور اپنی جگہ ایک ڈمی کو بٹھا کر چلا گیا تھا۔

اب وہ ڈمی بن کر رہنے والا ڈبل فنگر کو وہ رپورٹ سنانے والا تھا۔ تب بالکل ہی یقین ہو جاتا کہ میں زندہ ہوں اور انہیں قدم قدم پر احمق بنا رہا ہوں اور ان کی ناکامیاں میری ہی وجہ سے ہیں اسی لیے وہ اب تک سونیا کے پاس نہیں پہنچ سکے۔

میں نے اسے چپ کرانے کے لیے اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ میں کہا۔ "لیکن ہو سکتا ہے کہ فرہاد زندہ نہ ہو اور یہ جو اپنا ملازم ہے اس نے زیادہ پی لی ہو یا کسی وجہ سے اس کا دماغ چکرا گیا ہو۔ آیا ہو گا اپنے مطلب کے لیے پھر ڈبل فنگر کے غصے سے ڈر کر وہ اپنے مطلب کی بات کہے بغیر چلا گیا ہو گا۔ اس کے آنے اور بغیر کچھ کہے سنے جانے کی دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں مجھے پہلے اچھی طرح غور کر لینا چاہیے۔"

اس ڈمی بن کر رہنے والے کی سوچ نے کہا۔ "اب میں سوچ کر کیا کروں گا۔ میں تو ماسٹر موس ٹروڈی سے یہ بات کہہ چکا ہوں کہ فرہاد ڈبل فنگر کے ملازم کو ٹریپ کر چکا ہے اور اس کے ٹریپ کرنے کا تماشہ میں کاؤنٹر کے پیچھے اندھیرے میں بیٹھ کر دیکھ چکا ہوں۔"

مجھے اس پر بڑا غصہ آیا۔ جی میں تو آیا کہ اسے خوب ذہنی

اذیت پہنچاؤں لیکن اس کا کیا قصور تھا۔ وہ تو حکم کا بندہ تھا جو اس سے کہا گیا تھا۔ اس نے اس پر عمل کیا تھا یہ تو میرا فرض تھا کہ میں پہلے سے محتاط ہوتا اور اسے روکتا۔ بہرحال مزید اس کے ذہن میں پہنچ کر کسی قسم کی ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کر کے میں اس بات کی تصدیق اپنی طرف سے نہیں کرنا چاہتا تھا کہ فرہاد پھر واپس آ گیا ہے۔

میں ماسٹر موس ٹروڈی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی پریشان نظر آ رہا تھا۔ پریشان تو وہ یوں بھی تھا اور صرف اس لیے کہ فرہاد کے زندہ رہنے یا مر جانے کے درمیان وہ کشمکش میں مبتلا تھا کہ کون سی بات صحیح ہے لیکن... ڈمی بن کر رہنے والے نے جو اطلاع پہنچائی تھی اس سے اس کے شبہے کو تقویت پہنچ رہی تھی پھر یہ ہوا کہ اور ڈبل فنگر اپنی ساتھی عورت کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس عورت نے بھی وہی بیان دیا جو انہوں نے ڈائنا سے سنا تھا۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں جن سے ماسٹر موس ٹروڈی کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے فوراً ہی کہا "یہ آپریشن بند کر دو۔ ہم سونیا کے خلاف محاذ نہیں بنائیں گے سونیا ہماری دوست ہے۔ ہم اس کے احسان مند ہیں کیونکہ فرہاد نے ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ ہمارے سپر ماسٹر سے دوستی کی تھی۔ ہم اس دوستی کو نہیں بھولیں گے۔"

میں اس کے اچانک ہی پینترا بدلنے پر بے اختیار مسکرانے لگا۔ عجیب تھالی کا بینگن ہوتے ہیں یہ لوگ۔ کبھی ادھر کبھی ادھر لڑھکتے رہتے ہیں۔ ذرا میری زندگی کا یقین ہوا تو وہ دشمن سے فوراً ہی دوست بننے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اب تم سب اپنی اپنی جگہ خاموش رہو۔ میں سپر ماسٹر سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

اسی وقت ڈبل فنگر نے ایک چھوٹی سی پرچی اس کی طرف بڑھائی اور وہاں سے چلا گیا۔ موس ٹروڈی نے اس پرچی کو دیکھا جس میں ڈبل فنگر نے لکھا تھا۔ "تم سپر ماسٹر سے رابطہ قائم کر دیا اپنے باپ سے۔ مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ فرہاد سے یا سونیا سے، تم لوگ خوفزدہ ہو سکتے ہو میں نہیں ہو سکتا۔ یہ میری انا کا مسئلہ ہے میں یا تو ان سے نپٹ کر زندہ رہوں گا یا پھر مر جاؤں گا، گڈ بائی۔"

ماسٹر موس ٹروڈی نے اس پرچی کو پڑھ کر نظریں اٹھائیں وہ کب کا جا چکا تھا۔ ماسٹر بڑبڑانے لگا۔ "اس کی موت آئی ہے۔ تم کھڑی ہوئی کیا دیکھ رہی ہو، جاؤ اس کمبخت کو روکنے کی کوشش کرو ورنہ وہ بے موت مارا جائے گا۔ میں سپر ماسٹر سے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔"

میں اس ماسٹر کے دماغ سے چپکا رہا اور اسے سپر ماسٹر سے رابطہ قائم کرتے ہوئے دیکھتا رہا حالانکہ میں جانتا تھا کہ کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ یہ ماسٹر اور سپر ماسٹر کے جتنے بھی معاون اور آلہ کار ہوتے ہیں یہ سب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ براہ راست سپر ماسٹر سے گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ اصل حقیقت میں جانتا ہوں کہ وہ سپر ماسٹر کا پرسنل سیکرٹری ہوتا ہے جو خود کو سپر ماسٹر کی حیثیت سے ظاہر کرتا ہے۔

بہت پہلے میں نے اور رسونتی نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا کہ رفتہ رفتہ تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں کے دماغ تک پہنچتے تھے اور ان کی آواز، ان کا لب و لہجہ ریکارڈ کر لیتے تھے۔ یہ سارا ریکارڈ رسونتی کے پاس موجود رہتا تھا لیکن حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ رسونتی کہیں چلی گئی اور میں کہیں پہنچ رہا تھا۔ میں نے رسونتی سے بھی ناتہ توڑ رکھا تھا۔ اس کی وجہ چند ماہ پہلے بیان کر چکا ہوں۔ رسونتی اپنی صلاحیتیں کھو چکی تھی حتیٰ کہ اپنی یادداشت بھی کھو چکی تھی۔ پتہ نہیں اب اس کی کیا حالت ہو گی۔ میں نے کہا تھا کہ میں بہت ہی سنگدل اور بے مروت ہوں۔ ایک بار کسی سے رابطہ ختم کرتا ہوں تو پلٹ کر اسے نہیں پوچھتا حالانکہ یہ کوئی تعریف کی باتیں نہیں ہیں پھر بھی میں اپنے پچھلے تجربات سے بہت کچھ سیکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جتنے کم تعلقات ہوں اور لوگوں سے جتنا میں دور رہوں اتنا ہی میرے لیے بہتر ہو گا۔

میری اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فی الحال ممی سونیا اور پومی سے تعلقات تھے اور ان تینوں نے مجھے اس قدر مصروف رکھا تھا کہ دن رات خیال خوانی سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ میں مزید دوستی کا حلقہ بڑھا کر اپنے لیے پریشانیاں پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یوں بھی رسونتی کے سلسلے میں میں اپنے آپ کو یہ تسلی دے دیتا تھا کہ رسونتی جب خیال خوانی جانتی تھی اور مجھ سے بھی ٹیلی پیتھی کے معاملے میں سپیریئر تھی تب وہ اپنی بہت سی باتیں چھپایا کرتی تھی۔ جب چاہتی، میں اس کے دماغ سے رابطہ قائم کرتا جب وہ نہ چاہتی تو مجھے اپنے دماغ سے نکال کر پھینک دیتی تھی۔ وہ اپنے معاملات میں خود غرض تھی لہٰذا اب مجھے بھی اپنے معاملات میں خود غرض بن کر رہنا چاہیے تھا اور میں خود غرض بن رہا تھا۔

ہاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ ماسٹر موس ٹروڈی سپر ماسٹر کو اطلاع پہنچا رہا تھا کہ فرہاد کی زندگی کے آثار مل رہے ہیں اور کچھ ایسے واقعات رونما ہو رہے ہیں جن کے پیچھے فرہاد ہی ہو سکتا ہے کسی دوسرے کے متعلق سوچنا حماقت ہو گی۔ وہ جو کچھ بھی سپر ماسٹر کو اطلاع پہنچا رہا تھا وہاں اطلاعات موصول کرنے والا سپر ماسٹر کا پرسنل سیکرٹری تھا۔ میں ان کے دماغ سے واپس آ گیا کیونکہ مجھے پرسنل سیکرٹری سے کچھ نہیں لینا تھا۔

ویسے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ میں اُس پرسنل سیکرٹری کے ذریعے سپر ماسٹر تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن نہیں میں اب اتنی دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ پہلے ہی میں نے کافی نقصانات اٹھائے تھے

اور رومانہ جیسی عزیز ہستی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ میں بزدل نہیں ہوں اور ہمت ہارنا بھی نہیں جانتا تھا لیکن میں خواہ مخواہ مصیبتوں کو دعوت دینا دلیری نہیں سمجھتا اس لیے میں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ حتی الامکان خطرناک تنظیموں سے دور رہنے کی کوشش کروں گا اگر وہ خود ہی مجھ سے آ ٹکرائیں تو یہ دوسری بات ہوگی۔

ہمارا سفر جاری تھا۔ گشتی گاڑی مشرقی پاکستان کی سمت چلی جا رہی تھی۔ وہ پہاڑی راستے بہت ہی شکستہ حالت میں تھے اس لیے رفتار بہت سست تھی۔ گاڑی کو رہ رہ کر جھٹکے سے لگتے تھے جس کی وجہ سے میری خیال خوانی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا۔ کئی بار میں نے دماغی طور پر حاضر رہ کر دیکھا تو اپنے سامنے ایک وسیع و عریض میدان پایا جہاں سبزہ بھی تھا اور پتھریلے پہاڑ بھی نظر آتے تھے بلکہ وہ پہاڑ پتھریلے کم تھے اور مٹی کے زیادہ تھے۔

میں نے سونیا کی خبر لی۔ وہ بہت پہلے ہی بیدار ہو چکی تھی اور اب ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ کار میں بیٹھی کسی طرف جا رہی تھی۔ پتہ چلا کہ وہ بوڑھا اس نوجوان لڑکے مورینو کا باپ ہے جس کے فلیٹ میں سونیا نے رات گزاری تھی۔ وہ بوڑھا صبح ہی صبح اپنے بیٹے کے فلیٹ میں پہنچا تھا اور ایک گرل فرینڈ کو اس کے ساتھ دیکھ کر ناراضگی ظاہر کی تھی اور اپنے بیٹے کو بہت ہی برا بھلا کہا تھا کہ وہ یونہی آوارگی میں اپنی صلاحیتیں برباد کر رہا ہے جبکہ اسے ایک بہترین ڈاکٹر بننا چاہیے۔

سونیا نے اس بوڑھے کی غلط فہمی دور کی تھی اور اس نوجوان نے بھی یہ تسلیم کیا۔ "سونیا ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو گرل فرینڈ بن جایا کرتی ہیں۔ اس نے مجھے بہت اچھا سبق سکھایا ہے اور میں اس لڑکی کے خلاف یہ نہیں سننا چاہتا کہ یہ کوئی بازاری یا سوسائٹی گرل ہے۔"

سونیا کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا بہت بڑا ڈاکٹر ہے اور ادویات کا ماہر ہے تو اس نے اس بوڑھے سے دوستی کر لی۔ اسے اپنا باپ بنا لیا۔ بوڑھا بہت خوش ہوا یہ دیکھ کر کہ اس نے اس کے بیٹے کو ایک اچھا سبق سکھایا تھا۔ وہ اب سونیا کو اپنے ساتھ لے کر اپنی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا جہاں اس کی ایک ذاتی لیبارٹری بھی تھی۔ سونیا کے دماغ میں کوئی کیڑا کلبلا رہا تھا اور وہ کسی خاص مقصد سے اس کی لیبارٹری دیکھنا چاہتی تھی۔

میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ فی الحال کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ڈبل لنگر یقیناً اسے تلاش کر رہا ہوگا لیکن سونیا بھی اس سے دور ہی دور بھٹک رہی تھی اور اس بوڑھے ڈاکٹر کے پاس جا کر چند گھنٹوں کے لیے سہی وہ محفوظ رہ سکتی تھی اس لیے میں اس کے پاس سے واپس آگیا۔

بارہ بجے کے بعد میں نے ڈرائیونگ شروع کی۔ غلام کچن میں کھانا تیار کرنے کے لیے چلا گیا۔ دوپہر کو دو بجے کے قریب کھانا تیار ہوا تو ہم نے ایک جگہ سفر ملتوی کر دیا۔ آرام سے کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ اسی دوران مجھے یاد آیا کہ پومی کی خبر لینی چاہیے۔ میں اس کے پاس کھانے کے دوران پہنچ گیا۔ میں کھا رہا تھا اور وہ بھوکی تھی۔ پتہ چلا کہ اسے سزا دی جا رہی ہے۔

وہاں جتنے بھی مزدور کام کرتے تھے ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ صبح ناشتے میں ایک بسکٹ اور ایک کپ چائے دی جاتی تھی۔ دوپہر کو صرف ایک گلاس پانی ملتا تھا اور رات کو اندھیرا ہوتے ہی جب کام ختم ہوتا تھا تو انہیں کھانا دیا جاتا تھا۔ پومی کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا تھا۔

میں اس کے دماغ میں موجود رہا۔ مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ آخر وہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں جو ہزاروں مزدور کام میں لگے... رہتے ہیں تو وہ آخر کون سی فلک بوس عمارت تعمیر کر رہے ہیں، میں پومی کے پاس رہ کر ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہاں بھی اس کی مقامی زبان جاننے والی ایک عورت مل گئی تھی۔ وہ اسی زبان میں باتیں کر رہی تھی اور میں اس کے ذہن سے اس کا ترجمہ سن رہا تھا۔ اس عورت نے بتایا کہ وہاں کوئی اونچی عمارت نہیں بن رہی ہے بلکہ زمین کی تہہ میں کوئی کام ہو رہا ہے۔

پومی نے پوچھا۔ "ہیرے یا کسی دوسری قیمتی دھات کی کانیں ہیں جنہیں کھود کر یہاں کا سرمایہ باہر نکالا جا رہا ہے؟"

اس عورت نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں اچھی طرح نہیں جانتی لیکن یہاں ایک دوپہرے داروں کو میں نے باتیں کرتے سنا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ یہاں زمین دوز ایئرپورٹ تیار کیا جا رہا ہے۔"

یہ معلوم کر کے میں پریشان ہو گیا کیونکہ اگر وہاں کوئی زمین دوز ہوائی اڈہ بنایا جا رہا تھا تو... یقیناً کسی ملک کی طرف سے ہی کام ہو رہا ہوگا اور میں کسی ملک کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ایک سوال اور پیدا ہوا کہ اس طرح راز میں رکھ کر اور بے گار کیمپ قائم کر کے یہ ہوائی اڈہ کیوں بنایا جا رہا ہے۔ اس کا جواب یہی سمجھ میں آیا کہ جو حکومت بھی یہ کام کر رہی ہے وہ دوسروں کے سامنے خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی اور گینڈے باس جیسے لوگوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر وہاں بیگار کیمپ قائم کر رکھا ہے اور انہی کے ذریعے اپنا یہ کام کروا رہی ہے۔

میری دلچسپی صرف پومی سے تھی۔ پومی وہاں جا کر مصائب میں گھر گئی تھی۔ اور میں اسے وہاں سے نکال لانا چاہتا تھا۔ اسے وہاں سے نکالنے کا مطلب یہ ہوتا کہ ہنگامے ہوتے کچھ ٹیلی پیتھی کے کارنامے... ظاہر ہوتے تب کہیں جا کر پومی

[وہاں] سے نکلنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ میں تھوڑی دیر تک اس [مسئلے] پر غور کرتا رہا۔ میری یہی کوشش تھی کہ میں کسی ہنگامے کے بغیر [پومی] کو بے گار کیمپ سے نکال لے جاؤں۔

آخر میرا دھیان گینڈے باس کی طرف گیا۔ میں اسی سے کوئی [کام] لے سکتا تھا لہٰذا میں اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ اس وقت وہ گینڈا ابھی بیگار کیمپ میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے پہنچ گیا تھا اور وہاں ایک خیمے کے سائے میں بیٹھا ہوا ایک آفیسر سے [اس] کے سلسلے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔ مجھے بھی معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ وہ ایک بہت بڑی تنظیم کے لیے کام کر رہا تھا اسے بے گار کیمپ قائم کرنے کے لیے بہت بڑا ٹھیکہ دیا گیا تھا اور اس ٹھیکے کے مطابق وہ وہاں ہزاروں مزدوروں سے کام [لے] رہا تھا۔

میں نے اسی دوران اس کے دماغ میں یہ باتیں پیدا کیں کہ [پومی] کو آخر اس نے بیٹی کہا تھا اور بیٹی کے ساتھ اتنی سنگ دلی کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا۔ وہ بھوکی ہوگی لہٰذا اسے یہاں بلا کر کھانا کھلایا جائے۔ میں نے اسے اس بات پر قائل کر دیا۔ اس نے فوراً [ہی] حکم دیا کہ پومی کو وہاں بلایا جائے اور اس کے لیے بہترین سے بہترین کھانا لایا جائے۔

[پومی] کچھ عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی پتھر توڑ رہی تھی جب ایک شخص نے آکر اسے گینڈے باس کا حکم سنایا تو وہ وہاں جانے سے انکار کرنا چاہتی تھی لیکن میں فوراً ہی اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں اس کو سمجھایا۔ "مجھے ذرا عقل سے کام لینا چاہیے۔ میں ضد کروں گی یا غصہ دکھاؤں گی تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی لہٰذا ابھی نرم پڑ کر اس کی بات مان لینا چاہیے۔"

اس سوچ کے تحت وہ وہاں سے اٹھ گئی اور گینڈے [باس] کی طرف جانے لگی۔ گینڈا باس اب وہاں بیٹھا کسی دوشیزہ [کے] بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ایک آفیسر سے پوچھا کہ [وہ] اب تک بیمار ہے یا صحت یاب ہو رہی ہے؟

آفیسر نے جواب دیا۔ "وہ بدستور بیمار ہے۔ اب تو اٹھ [کر بی]ٹھ جاتی ہے لیکن اس کی بیماری دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ابھی [کئی] مہینوں اس کی تیمارداری کرنی ہوگی۔"

ایک دوسرے آفیسر نے کہا۔ "باس یہ بات سمجھ میں نہیں [آتی] کہ یہاں اتنے ہٹے کٹے مزدوروں کے درمیان اس بیمار لڑکی [کا] کیا کام ہے۔ آخر اسے کسی ہسپتال میں کیوں نہیں بھیج دیا جاتا؟"

اتنے میں پومی وہاں آگئی۔ اسے دیکھ کر گینڈے باس نے مذاق اڑانے کے انداز میں پوچھا۔ "کیوں اب تمہارے ہوش ٹھکانے آگئے؟ بہت دلیر بنی پھرتی تھیں۔ اگر میں ذرا بھی چوک جاتا تو تم مجھے رنگون میں پولیس والوں کے حوالے کر دیتیں۔ تمہاری یہ ضد تمہیں کتنی مہنگی پڑ رہی ہے۔ اب تمہاری سمجھ میں آ رہا ہوگا۔"

پومی غصے میں جواب دینا چاہتی تھی لیکن میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اسے پرسکون بناتے ہوئے اس کی زبان سے بولنے لگا۔ "ہاں اب مجھے عقل آگئی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی۔ آپ نے مجھے بیٹی بنایا تو مجھے بھی بیٹی بن کر ہی رہنا چاہیے تھا۔"

وہ بہت خوش ہوا مسکراتے ہوئے بولا۔ "شاباش میں یہی چاہتا تھا۔ میں نے تمہیں بیٹی کہہ دیا ہے اس لیے تم میری بیٹی ہو۔ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آؤ میرے پاس بیٹھو۔"

پومی اس کے پاس آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا۔ "دیکھو تو تمہاری کیا حالت ہو گئی ہے۔ اگر تمہیں زیادہ بھوک نہیں لگ رہی ہے تو جاؤ پہلے غسل وغیرہ کر لو اس کے بعد کھانا کھا لینا۔"

پومی اپنے آپ پر حیران تھی کہ اس نے کیسے اتنی نرمی سے جواب دیا۔ اور دوسری حیرانی کی بات یہ تھی کہ گینڈا بھی اس سے خلاف توقع نرمی سے پیش آ رہا تھا۔ میں دونوں کے درمیان سمجھوتہ ہوتے دیکھ کر وہاں سے واپس آگیا۔ پھر میں نے کھانا کھانے کے بعد ممی سے رابطہ قائم کیا۔ اس وقت وہ بھی ڈائننگ ٹیبل کے پاس بیٹھی کھانے میں مصروف تھیں۔ میں نے کہا۔ "ہیلو ممی! میں ابھی کھانے سے فارغ ہوا ہوں۔ کہیے کیسا کھانا ہے؟ مزہ آ رہا ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ "بیٹا! کھانے کا لطف تمہاری آواز سن کر دوبالا ہو گیا۔ اور سناؤ کیا حال چال ہیں؟"

"سب خیریت ہے اور سونیا بھی اب تک اس بلا سے محفوظ ہے اور پومی اور اس گینڈے کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔ میں بھی اطمینان کا سانس لے رہا ہوں۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

"نقشے کے مطابق میں مشرقی پاکستان کی سرحد سے دو سو میل کے فاصلے پر ہوں۔ امید ہے کہ شام کا اندھیرا پھیلنے تک ہم پاکستان کی سرحد میں داخل ہو جائیں گے اور آپ سنائیں۔ آپ کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات چرانے والا وہ چور پکڑا گیا یا نہیں؟"

"نہیں، وہ تو ایسے غائب ہوا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔ اب تو... مجھے دوسرے کاغذات تیار کرانے ہوں گے۔ میں پاسپورٹ اور ویزا کے لیے بھی کوشش کر رہی ہوں۔"

"ممی میں مشرقی پاکستان کے جتنا قریب پہنچتا جا رہا ہوں اتنا ہی

میرا دل اپنے وطن کی زمین پر قدم رکھنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ چاٹگام پہنچتے ہی بذریعہ طیارہ مغربی پاکستان پہنچ جاؤں۔"

"اچھا تو میں پاسپورٹ اور ویزا بنا کر تمہارے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم مجھ سے اور دور جا رہے ہو۔ ویسے یہ میں مذاقاً کہہ رہی ہوں۔ تم ضرور اپنے وطن جاؤ۔ تم جہاں بھی جاؤ گے میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

کھانے کے بعد ہماری گشتی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ واقعی اب یہ سفر اکتا دینے والا بن گیا تھا۔ میں یہی چاہ رہا تھا کہ چاٹگام پہنچتے ہی کسی فلائیٹ میں سیٹ ریزرو کروا کر ڈھاکہ اور پھر لاہور چلا جاؤں۔ غلام یا تو خشکی کے راستے گشتی گاڑی لے کر آئے گا یا پھر چاٹگام میں ہی گشتی گاڑی کو فروخت کرنے کے بعد بذریعہ طیارہ میرے پاس مغربی پاکستان پہنچ جائے گا۔

غلام نے کہا۔ "آقا سچ بات تو یہ ہے کہ میں بھی اس سفر سے بیزار ہو گیا ہوں۔ جب آپ نے یہ ارادہ کر ہی لیا ہے تو میں چاٹگام پہنچ کر اس گاڑی کو فروخت کر دوں گا۔ آپ بے شک پہلے جائیں اس کے بعد میں آپ کے پاس چلا آؤں گا۔"

کچھ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہنے کے بعد میں پومی کے پاس پہنچ گیا وہ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد ایک بستر پر پھیل کر سو گئی تھی۔ تھکن نے اس کا برا حال کر دیا تھا اس لیے وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے بھی اسے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ میں چاہتا ہی تھا کہ وہ جلد از جلد وہاں سے گینڈے باس کے ساتھ چلی جائے۔ بہرحال میں نے اسے کچھ دیر آرام کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

پھر میں سونیا کے پاس پہنچا۔ عجیب اتفاق تھا کہ وہ بھی آرام سے ایک بیڈروم میں لیٹی ہوئی تھی۔ یعنی راشن چین کہہ رہا تھا پھر تک کیوں زحمتیں برداشت کرتا اس لیے میں ٹریلر کیبن میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

ساحی میرے ننگے سینے کو اپنے چہرے سے سہلا رہی تھی۔ میرا سونے کا ارادہ نہیں تھا لیکن ہلکی ہلکی سی گدگدی محسوس ہو رہی تھی کچھ تھکن بھی تھی۔ کچھ ہاتھ پاؤں دکھ رہے تھے۔ جب میں نے ہاتھ پاؤں سیدھے کر کے ایک زبردست انگڑائی لی اور بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا تو رفتہ رفتہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

چونکہ سونے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے دماغ کو ہدایت نہیں دی تھی اسی وجہ سے میں عجیب بے سکون نیند سو رہا تھا۔ کچھ عجیب عجیب... خواب گڈمڈ سے نظر آ رہے تھے۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ پھر انہی خوابوں کے دوران میں نے دو انگلیاں دیکھیں۔ وہ دو انگلیاں میرے ذہن میں نقش ہو گئی تھیں اس لیے میں خواب کی حالت میں بھی انہیں دیکھ رہا تھا۔

میں نے دیکھا کہ ایک حسین دوشیزہ ہے۔ اس دوشیزہ میں کہیں سونیا چھپی ہوئی ہے اور وہ دو انگلیاں اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔ وہ آگے آگے سہمے ہوئے انداز میں بھاگی جا رہی تھی اور دو انگلیاں اس کے پیچھے کسی کیکڑے کی طرح چلتی ہوئی تعاقب کر رہی تھیں۔ کسی حال میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ سونیا فرار ہونے کے لیے کسی کار میں بیٹھ جاتی تھی تو اس کار کی پچھلی سیٹ پر وہ دو انگلیاں پہنچ جاتی تھیں پھر وہ وہاں سے پیچھا چھڑانے کے لیے کسی طیارے میں سفر کرتی تھی تو وہ دو انگلیاں پرواز کرتی ہوئی اس طیارے میں بھی پہنچ جاتی تھیں --- اب سونیا چیخ رہی تھی۔ مجھے مدد کے لیے بلا رہی تھی۔ اسی وقت اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ گشتی گاڑی اپنے راستے پر چل جا رہی تھی۔ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا پھر اس خواب کے متعلق سوچنے لگا۔ خواب تو پھر خواب ہی ہوتے ہیں۔ اور اوٹ پٹانگ سی چیزیں بند آنکھوں کے پیچھے نظر آتی ہیں مثلاً یہی ایک بے تکی سی بات تھی کہ سونیا مجھے مدد کے لیے پکار رہی تھی حالانکہ وہ ایسی ضدی اور ہٹ دھرم ہے کہ اپنی انا کی خاطر لڑتے لڑتے مر جانا پسند کرے گی لیکن مجھے مدد کے لیے نہیں بلاتے گی۔

میں نے ریسیور اٹھا کر غلام کو کال کیا۔ "ہیلو غلام! گاڑی تھوڑی دیر کے لیے روک دو اور میرے لیے چائے تیار کرو۔"

اس نے جواب دیا۔ "آقا چائے تھرماس میں تیار رکھی ہوئی ہے آپ نوش فرمالیں۔ اس کے باوجود اگر گاڑی روکنا ضروری ہے تو میں روک دوں؟"

"نہیں ضروری نہیں ہے گاڑی چلاتے رہو۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے اور چائے نکال کر پینے کے دوران سونیا کے دماغ میں جھانکنے لگا۔

وہ غسل کرنے کے بعد تولیے سے اپنا بدن پونچھ رہی تھی اور ایک قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی میں نے اس کی سوچ میں اپنا تصور پیدا کیا پھر آہستگی سے کہا۔ "آہ فرہاد سے بچھڑے ہوئے ایک مدت گزر گئی ہے اگر وہ میرے سامنے ہوتا تو میری تعریفیں کر کر کے مجھے مدہوش بنا دیتا۔"

☆

میں اس کی سوچ میں ایسا کہہ رہا تھا اور وہ آئینہ دیکھتے دیکھتے خوابوں میں کھو رہی تھی اور تصور میں خود کو میرے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ مدہوشی کی حالت میں اس نے ہماری باہمی محبت کو دیکھا۔ کہاں کہاں خیالوں کے جنگل میں بھٹکتی رہی اور میرے لیے خاموشی سے تڑپتی اور مچلتی رہی۔ وہ ایسی تڑپ تھی کہ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میں نے اس کے سوئے ہوئے جذبات کو جگا دیا تھا اور وہ دل کی گہرائیوں سے مجھے پکار رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے اس کی سوچ میں کہا۔ "میں اسے پکار رہی ہوں، اس کی تمنا کر رہی ہوں اگر وہ سچ مچ آ جائے اور میرے دماغ میں جھانک کر دیکھ لے تو میری چوری پکڑی جائے گی۔"

یہ سوچتے ہی وہ چونک گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جیسے فرہاد کہیں سے جھانک کر اس کے دماغ کو پڑھ رہا ہو۔ اسے اب پورا یقین ہو چلا تھا کہ میں اس کے دماغ میں موجود رہتا ہوں اور اسے ڈبل فنگر سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں۔

وہ جلدی سے لباس پہننے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کے دماغ میں جھانک کر اسے بے لباس دیکھ لوں گا۔ اس نے سیاہ رنگ کی جینز اور نارنجی رنگ کی ایک جرسی پہنی اس پر ایک اسکارف باندھا اور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ بال سنوارنے کے بعد وہ وہاں سے پلٹ کر ایک میز کے پاس آئی وہاں اس کا سفری بیگ رکھا ہوا تھا۔ اسے اٹھا کر وہ ڈرائنگ روم میں گئی وہاں وہی بوڑھا ڈاکٹر بیٹھا ہوا تھا جس کے جوان بیٹے نے سونیا کو کوئی سوسائٹی گرل سمجھ کر اپنے ہاں رات بھر رکھا تھا۔

ڈاکٹر نے پوچھا۔ "ہیلو بیٹی! کہاں جا رہی ہو؟"

"ڈاکٹر میں بتا چکی ہوں کہ میرے ساتھ کیا واقعات پیش آتے ہیں۔ وہ دشمن جو میرے تعاقب میں ہے۔ جب تک میں اس سے دو دو ہاتھ نہ کر لوں اس وقت تک مجھے کہیں سکون نہیں ملے گا۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم جان بوجھ کر اس کا سامنا کرو گی؟"

"ہاں اگر سامنا نہیں کروں گی تو یہی کھٹکا لگا رہے گا کہ پتہ نہیں وہ کب اور کس وقت اچانک ہی مجھ پر حملہ آور ہو جائے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں اس سے دو ٹوک فیصلہ کر لوں۔ اس پار یا اُس پار۔ اگر میں نے اسے اس پار بھیج دیا تو آج رات سکون سے سو سکوں گی ورنہ میں ایسی پریشان رہنے والی بے سکون زندگی پسند نہیں کرتی۔"

"تو بیٹے اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں تمہیں قانون کی حفاظت میں رکھوں گا۔ یہاں بڑے بڑے پولیس آفیسر میرے شناسا ہیں۔"

"ان پولیس آفیسرز کو آپ اپنے تک ہی محدود رکھیں جہاں میرا معاملہ آتا ہے وہاں قانون بے دست و پا بن جاتا ہے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اپنے دشمنوں سے کیسے نمٹنا چاہیے۔"

ڈاکٹر نے سنٹر ٹیبل پر رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی شیشی اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ لو یہ تمہاری مطلوبہ چیز ہے۔ تم نے جو دوا تیار کرنے کے لیے کہا تھا یہ وہی ہے۔ اسے رکھ لو تمہارے کام آئے گی۔"

سونیا نے اسے لے کر جینز کی جیب میں رکھ لیا پھر اس ڈاکٹر کو ٹاٹا کرتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اب سونیا اپنے اصلی روپ میں آ گئی ہے اب حالات پلٹا کھائیں گے۔ پہلے وہ آگے آگے بھاگ رہی تھی اور دشمن اس کے تعاقب میں تھا۔ اب دشمن آگے ہو گا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگتی رہے گی۔

کہتے ہیں کہ مسرتوں کو آواز دو تو وہ ہاتھ باندھے ہوئے نہیں آتیں۔ مصیبتوں کو آواز دو تو وہ باہیں پسار کر چلی آتی ہیں۔ یہی حال سونیا کے ساتھ ہوا۔ باہر نکلتے ہی ڈبل فنگر سے سامنا ہو گیا۔ یہ بعد میں پتہ چلا کہ ڈبل فنگر سونیا تک کیسے پہنچ گیا تھا؟ قصہ یوں ہے کہ ڈاکٹر کے جس لڑکے نے رات بھر کے لیے سونیا کو مہمان بنا کر رکھا تھا وہ اپنی ناکامی سے جھنجلایا ہوا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس کی اور ڈبل فنگر سے دوستی تھی --- دونوں ہی شراب اور شباب کے رسیلے تھے۔ اس نے ناکامی سے جھنجلا کر ڈبل فنگر کو اطلاع پہنچائی تھی کہ اس کے ہاتھ ایک لڑکی آ کر نکل گئی ہے اور وہ اس کے باپ کے ہاں بطور مہمان ٹھہری ہوئی ہے۔ یہ سنتے ہی ڈبل فنگر اس لڑکی کا محاسبہ کرنے کے لیے وہاں پہنچ گیا۔ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جو لڑکی اسے نظر آئے گی اس کے پیچھے سونیا چھپی ہوئی ہے یا نہیں؟

جب سونیا اس بنگلے سے باہر نکلی تو احاطے کے باہر سڑک کے کنارے ایک سفید رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ سونیا کو دیکھتے ہی کار ڈرائیو کرنے والا اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا پھر اس نے دور سے ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے ہوئے سونیا کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کیا لیکن زبان کا اشارہ بتا رہا تھا کہ وہ اسے لفٹ دینے کے لیے تیار ہے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے لیکن ڈبل فنگر اسے پہچاننا چاہتا تھا اور وہ ڈبل فنگر کو تلاش کرنے کے لیے باہر نکلی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس آ کر بولی۔ "کیا تم مجھے لفٹ دینا چاہتے ہو؟"

اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ سونیا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم گونگے ہو۔ بول نہیں سکتے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا یعنی یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بولنا نہیں جانتا ہے۔

سونیا نے کہا۔ "میں نے ایسا گونگا نہیں دیکھا جو سنتا ہو، سمجھتا ہو اور بولتا نہ ہو۔ میں تمہارے ساتھ کیسے سفر کر سکتی ہوں جبکہ تم میری باتوں کا جواب نہ دے سکو گے۔ سوری میں کسی دوسرے سے لفٹ حاصل کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ جانا چاہتی تھی کہ ڈبل فنگر بلکہ ڈبل فنگر کے ہاتھ نے بڑھ کر اس کے بازو کو تھام لیا تب سونیا نے اس کے ہاتھ کی طرف

دیکھا وہ دستانے پہنے ہوئے تھا۔ دستانے کی پانچوں انگلیاں تھیں، لیکن جس انداز میں اس نے بازو کو پکڑ رکھا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ اس دستانے میں صرف دو انگلیاں ہیں، باقی تین انگلیاں ڈھیلی ڈھالی سی ہیں اور وہ اس کے بازو کو گرفت میں نہیں لے رہی تھیں دو انگلیاں خطرے کے الارم کی طرح دستک کی طرح اس کے بازو پر آکر ٹھہری ہوئی تھیں۔

سونیا نے اسے گھور کر دیکھا پھر اچانک ہی مسکرا کر بولی۔ "اگر اس دستانے کے اندر صرف دو انگلیاں ہی ہیں تو مجھے تمہاری تلاش ہے۔ تمہاری کار میں ضرور بیٹھوں گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو میرے بازو پر سے ہاتھ ہٹاؤ ورنہ یہ ہاتھ پھر تمہارا اپنا نہیں رہے گا۔"

اس نے ہاتھ ہٹالیا پھر آہستہ آہستہ دستانے کو کھولنے لگا۔ دستانے کا بٹن کھولنے کے بعد اس نے آہستگی سے اسے سرکا کر اپنی ہتھیلی باہر نکالی تو وہاں صرف دو انگلیاں نظر آ رہی تھیں، جیسے وہ انگلیاں نہیں دو خنجر تھے اور سونیا کے سینے کی طرف اٹھے ہوئے تھے

سونیا فوراً ہی پینترا بدل کر تن گئی۔ پھر اس نے دانت پیسنے کے بعد پوچھا۔ "کیا میری اور تمہاری زندگی اور موت کا فیصلہ اسی سڑک کے کنارے ہوگا؟"

وہ انکار میں سر ہلانے لگا پھر مسکرا کر اس نے اپنی کار کی طرف اشارہ کیا۔ اشارے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ جائے۔

سونیا نے کہا۔ "ہاں! میں بیٹھوں گی اور کسی ایسی جگہ ہم اپنی قسمت کا فیصلہ کریں گے جہاں ہمارے درمیان کوئی مداخلت نہ کرے۔"

یہ کہہ کر وہ کار کے دوسری طرف چلتی ہوئی آئی پھر ادھر کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ کے پاس والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سامنے دی گریٹ نے اسٹیئرنگ کو سنبھال لیا پھر چند سیکنڈ بعد کار اسٹارٹ ہو کر تیز رفتاری کا ریکارڈ قائم کرنے لگی۔ سونیا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہو۔ تمہاری تقدیر میں موت لکھی ہوئی ہے۔ میرے ہاتھ سے مرو۔ کار کے حادثے میں مرنا کوئی اچھی بات نہ ہوگی۔"

رفتار ذرا سست ہوگئی کیونکہ وہ اسے گھور کر دیکھ رہا تھا افسوس کہ زبان سے کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ سونیا نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا گونگا پن تمہارے لیے مصیبت بن گیا ہے ویسے کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم خواہ مخواہ گونگے کیوں بن گئے ہو؟"

وہ چپ رہا۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے ڈرائیو کرنے لگا۔ سونیا نے کہا۔ "افسوس میں تو تمہیں کوئی بہت ہی سپر مین قسم کی چیز سمجھ رہی تھی۔ سوچا تھا کہ تم سے مقابلہ ہوگا تو بڑا لطف آئے گا لیکن تم چوہے کی طرح خاموش ہو۔ ویسے میں سمجھ گئی ہوں کہ تمہیں میرا نہیں فرہاد علی تیمور کا خوف ہے کیوں ٹھیک ہے نا؟"

اس کے ہلتے ہوئے جبڑے بتا رہے تھے کہ وہ دانت پیس رہا ہے۔ سونیا نے کہا۔ "ایک بات میں تمہیں بتا دوں کہ میں فرہاد علی تیمور کی مدد کی محتاج نہیں ہوں۔ میں تنہا تم سے مقابلہ کروں گی اور فرہاد کو اپنے درمیان مداخلت کی اجازت نہیں دوں گی۔ بائی دی وے تمہیں یہ کیسے یقین ہوگیا کہ فرہاد علی تیمور زندہ ہے؟"

جواب میں خاموشی رہی۔ سونیا نے کہا۔ "اوہو، میں تو بھول ہی جاتی ہوں کہ تم مرنے سے پہلے گونگے بن گئے ہو۔ سنا تھا کہ مرنے سے پہلے لوگوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔ کسی کے ہاتھ پاؤں... ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ افسوس تمہاری تو زبان ڈھیلی پڑ گئی ہے۔"

سونیا کی چھیڑ چھاڑ شاید اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی اس نے کار کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ پھر اس نے اپنی دو انگلیاں کار کی چھت کی طرف اٹھائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک دھماکہ سا ہوا۔ اس کی دونوں انگلیاں کار کی چھت میں سوراخ کرتی ہوئی گزر گئی تھیں۔ پھر وہ دو انگلیاں کار کی چھت کے باہر جانے کے بعد واپس آگئیں۔ سونیا نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو چھت پر دو سوراخ ہو گئے تھے۔

یہ ڈبل فنگر کی طرف سے خاموش جواب تھا کہ موت کس کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے اور موت سے پہلے کس کی زبان کو بند رہنا چاہیے۔ اگر سونیا کی زبان یونہی چلتی رہی تو کسی میدان میں پہنچنے سے پہلے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہی وہ موت کی آغوش میں پہنچ جائے گی۔

کار آگے بڑھ رہی تھی۔ اب میرے لیے لمحہ فکریہ تھا۔ اگر میں ان کی خاموش نوک جھونک کو دیکھتا رہ جاتا تو کسی بھی لمحہ وہ غصے سے تلملا کر سونیا پر حملہ کر سکتا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے کار آگے جا کر ایک چوراہے پر رک گئی تھی۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف دوسری گاڑیاں رکتی جا رہی تھیں۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر کوئی کسی طرح ڈبل فنگر کو مخاطب کرے یا سونیا کسی کو مخاطب کرے اور وہ جواب دے تب میں جواب دینے والے کو اپنا آلۂ کار بنا سکتا ہوں۔

میری آرزو اس طرح پوری ہوئی کہ ان کی کار کے آگے ایک اور گاڑی آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ اب سگنل ہونے کے باوجود وہ گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔ شاید اس میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ ڈبل فنگر ہارن پہ ہارن دے رہا تھا پھر وہ جھنجلا کر اپنی گاڑی سے اتر گیا۔ میں نے سونیا کو مجبور کیا کہ وہ اتر کر گاڑی والے کے پاس

جائے۔ وہ دونوں کار سے اترنے کے بعد اس گاڑی والے کے پاس پہنچے پھر ڈبل فنگر نے اس گاڑی کے دروازے پر ایک ٹھوکر ماری۔ گاڑی والا جھنجلا کر اسے گالیاں دینے لگا۔ میں سونیا کے دماغ میں رہ کر اس کی آوازیں اور اس کی باتیں سن رہا تھا۔

اتفاق سے اس گاڑی والے کے ساتھ تین ہٹے کٹے جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈبل فنگر نے گاڑی کو لات ماری تو انہیں غصہ آگیا وہ گاڑی سے اچھل کر باہر آگئے اور اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میں چاہتا تھا کہ ڈبل فنگر کو کوئی کسی طرح گھیرے اور اس کے لیے میں کسی کو آلۂ کار بنانا چاہتا تھا لیکن میرے کچھ کرنے سے پہلے ہی قدرت نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ اب وہ چار عدد دشمنوں میں گھر گیا تھا۔

سونیا کی سوچ نے کہا۔ "ڈبل فنگر میرا شکار ہے اگر یہ ان چاروں کے ہتھے چڑھ گیا تو میری حسرت میرے دل میں ہی رہ جائے گی کیوں نہ میں بیچ بچاؤ کر دوں؟"

وہ آگے بڑھنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کی سوچ میں کہا "اونہہ! لیکن یہ مناسب نہیں ہے۔ حالات جیسے پیش آرہے ہیں ان کے مطابق مجھے تماشہ دیکھنا چاہیے۔ اگر یہ میرے مقدر میں ہوگا تو یہ میرے ہاتھوں ہی مرے گا۔ مجھے تقدیر کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ ٹھٹھک کر سوچنے لگی۔ "یہ کیا بات ہے۔ ابھی میں بیچ بچاؤ کے لیے سوچ رہی تھی اور اچانک ہی پھر اس کے خلاف سوچنے لگی۔ اے فرہاد کے بچے کیا تم میرے دماغ میں موجود ہو؟"

میں خاموش رہا۔ اس کی سوچ میں بولتا رہا۔ "نہیں، شاید وہ نہیں ہے۔ یہ میرا وہم ہے۔ خواہ مخواہ میں اس کے پیچھے پڑ گئی ہوں میں نے اسے اپنے دماغ میں آنے سے منع کیا ہے اور اب میں خود ہی پکار رہی ہوں۔ وہ نہیں ہوگا اور میرا بار بار کا پکارنا بے سود ہوگا۔"

وہ تذبذب میں رہی۔ اتنی دیر میں وہاں فائٹنگ شروع ہو چکی تھی۔ وہ لوگ ڈبل فنگر کو لات اور گھونسے مار رہے تھے اور ڈبل فنگر جوابی حملہ کر رہا تھا۔ اپنا بچاؤ بھی کر رہا تھا اور دو انگلیوں سے حملہ بھی کر رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی دو انگلیاں ایک نوجوان کے سینے میں پیوست ہو گئیں۔ جب وہ انگلیاں اس کے سینے سے نکلیں تو وہ خون آلود تھیں اور اس نوجوان کے سینے سے لہو کی دھاریں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ چکرا کر گر پڑا تھا اور بیچ سڑک پر دھڑا دھڑ تڑپ رہا تھا۔ ٹریفک رک گیا تھا اور لوگوں کی بھیڑ جمع ہوتی جا رہی تھی۔ باقی دو نوجوانوں نے ڈبل فنگر کے پیچھے سے آکر اس کے بازوؤں کو جکڑ لیا تھا اور تیسرا گاڑی والا اس کے منہ پر گھونسے مار رہا تھا۔

وہاں کی پولیس بڑی چاق و چوبند ہوتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی انہوں نے فوراً ہی ڈبل فنگر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ سونیا دور کھڑی خاموشی سے تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا کچھ تھا اور ہو کچھ رہا تھا۔ مقابلہ کرنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا "کوئی بات نہیں، یہ گرفتار ہو کر جائے گا لیکن کسی کو قتل کرنے کے الزام میں سزائے موت نہیں پائے گا کیونکہ یہ سپر مین کا بہت ہی لاڈلا فائٹر ہے۔ سپر مین اسے قانون کے ہتھے نہیں چڑھنے دے گا۔ یہ پھر واپس آئے گا اور مجھ سے ضرور مقابلہ کرے گا۔"

ڈبل فنگر کی ایک بات کی داد دینا چاہیے اور وہ یہ کہ اتنا جھگڑا ہونے کے اور اتنا ہنگامہ کھڑا ہونے کے باوجود اس نے اپنے منہ سے ایک ذرا آواز نہیں نکالی تھی۔ چپ چاپ لڑتا رہا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر بے اختیار کچھ اس کی زبان سے نکل گیا تو اسی وقت وہ فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کا شکار ہو جائے گا۔

جس وقت پولیس والے اسے لے جا رہے تھے تو وہ بڑی حسرت سے سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "پروا نہ کرو۔ ہماری ملاقات جلد ہی ہوگی۔ میں جانتی ہوں کہ تم واپس آؤ گے اور میں تمہاری واپسی کا انتظار کرتی رہوں گی۔"

پولیس والے اسے اپنی گاڑی میں بٹھا رہے تھے۔ سونیا نے قریب آکر کہا۔ "میں تمہاری گاڑی لے جا رہی ہوں۔ تمہاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ تم جب بھی واپس آؤ گے میں اسی ڈاکٹر کی کوٹھی میں ملوں گی جس کے سامنے ابھی ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ او کے۔"

وہ کار میں آکر بیٹھ گئی۔ پولیس والے اسے لے گئے تھے، وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچنے لگی کہ کہاں جانا چاہیے پھر تفریح کا موڈ ہو گیا۔ اس وقت دماغ ہلکا پھلکا سا تھا۔ مقابلے کے خیال سے جو تناؤ اس کے اعصاب میں پیدا ہو گیا تھا اور دماغ پر جو ایک انجانا سا بوجھ تھا وہ بوجھ اتر گیا تھا۔ اب کچھ گھنٹوں کے لیے یا کچھ دنوں کے لیے ڈبل فنگر سے نجات مل گئی تھی۔ اب وہ آرام سے سو سکتی تھی اور اس بات کا بھی اندیشہ نہیں تھا کہ وہ اچانک کبھی حملہ کرے گا۔ یہ مشاہدہ کافی تھا کہ وہ بھی باقاعدہ للکارنے کے بعد کھلے میدان میں اس سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔

یہ تمام باتیں سوچنے کے بعد اس نے کار اسٹارٹ کی اور پھر اس کی سوچ کا دھارا میری طرف مڑ گیا اب وہ سوچ رہی تھی کہ یہ سب کچھ اچانک کیسے ہو گیا۔ ہم مقابلے کے لیے جا رہے تھے اور بیچ میں جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ کیا اس جھگڑے کے پیچھے فرہاد کا ہاتھ ہے؟

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے،

میں ہر معاملے میں فرہاد کو گھسیٹ کرے آتی ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میں اس بُری طرح اس کم بخت سے متاثر ہو گئی ہوں کہ سوتے جاگتے یہی بات دماغ میں رہتی ہے کہ میرا سونا اسی کی وجہ سے ہے اور جاگنا اسی کی وجہ سے۔ وہی مجھے جگاتا ہے اور وہی مجھے سُلا دیتا ہے۔ یہ تو میرا پاگل پن ہے۔"

اس نے ایک سرد آہ بھری اور اپنے ذہن سے مجھے جھٹکنے کے بعد ونڈ اسکرین کے پار پیرس کے پھیلے ہوئے شہر کو دیکھنے لگی۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ ابھی اسے میری ضرورت نہیں تھی۔ اس وقت چاروں طرف رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس ناہموار پہاڑی راستے کو دور تک روشن کر رہی تھی۔ میں نے ایک ذرا اس کے راستے کی طرف دیکھا پھر اپنی توجہ پومی کی طرف کر لی۔

پومی سو کر اٹھ گئی تھی اور اب منہ ہاتھ دھونے کے بعد لباس تبدیل کر کے چائے پی رہی تھی۔ گینڈا باس وہاں کے ایک افسر سے کہہ رہا تھا "میں پومی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا میں نے اسے بیٹی بنا لیا ہے۔ یہ یہاں نہیں رہے گی۔"

آفیسر نے کہا "جناب! یہاں ہم اور آپ اور چند مسلح سپاہی ایسے ہیں جو اس بے گار کیمپ میں آ کر بھی واپس جا سکتے ہیں لیکن ہمارے علاوہ جو بھی یہاں آتا ہے وہ مرنے کے بعد ہی اس دنیا سے واپس جاتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ مجھے نہ سمجھاؤ۔ میں نے کہہ دیا نا کہ وہ میری بیٹی ہے اس لیے یہاں نہیں رہے گی۔"

"جناب! آپ مالک ہیں لیکن بحیثیت ایک آفیسر میری بھی کچھ ڈیوٹی ہے کچھ فرائض ہیں اور آپ کو بھی اصول کی پابندی کرنی چاہیے۔ آپ براہِ راست اجازت حاصل کریں پھر پومی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ دیکھیے میں ضد نہیں کر رہا ہوں، یہ میری درخواست ہے۔"

گینڈے باس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں میں تمہاری فرض شناسی سے بہت خوش ہوں۔ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو۔ میں براہِ راست ابھی اجازت حاصل کروں گا اور اس بیمار عورت کے کیمپ میں مجھے لے چلو، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

پومی چائے پی چکی تھی۔ وہ گینڈے کے ساتھ چلنے کے لیے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں آفیسر کے ساتھ چلتے ہوئے ایک خیمے سے باہر آئے پھر اس آفیسر نے ایک مشعل اٹھالی اور اس کی روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ اس بے گار کیمپ میں کہیں کہیں دور دور۔۔ ایک آدھ مشعل جلتی ہوئی نظر آ رہی تھی ورنہ چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

مشعل کی روشنی کے باوجود پومی نے دو بار ٹھوکریں کھائیں۔ گینڈے نے اسے سنبھال لیا مگر وہ آگے بڑھتے ہی رہے۔ آخر ایک خیمے کے پاس جا کر وہ رُک گئے وہاں اندر لالٹین کی روشنی تھی۔ وہ گینڈا خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر چلا گیا۔ پومی بھی اس کے پیچھے تھی اور لالٹین کی روشنی میں وہ ایک حسین دوشیزہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی وہ بیچاری چہرے سے ہی بہت بیمار نظر آ رہی تھی۔ حسن بیمار ہو کر اور نیلوفر ہو جاتا ہے۔ شاید یہی دلکشی دیکھنے کے لیے وہ گینڈا باس اس بیمار دوشیزہ کے پاس پہنچا تھا۔

وہ نواڑ کے ایک پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ گینڈا اس کے پاس ہی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا پھر اس نے سوال کیا "کیسی طبیعت ہے؟"

اس نے سر گھما کر گینڈے کی طرف دیکھا پھر بڑی نقاہت سے مسکراتے ہوئے بولی "آپ کی مزاج پرسی کا شکریہ۔ بس جی رہی ہوں۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرا علاج اچھی طرح کرائیں یا پھر مجھے زہر دے کر مار ڈالیں۔ مجھ سے ایسا جینا نہیں جیا جاتا۔"

وہ بول رہی تھی اور میرے دماغ میں روشنی کے جھماکے سے ہو رہے تھے۔ میں اسے پہچان رہا تھا۔ می کا علم واقعی حیرت انگیز ہے۔ انہوں نے جتنی پیش گوئیاں کی تھیں ان میں ایک پیش گوئی یہ بھی تھی کہ پومی کے ذریعے میری ملاقات ایک پرانے شناسا سے ہو گی۔ سو وہ ملاقات آج ہو رہی تھی اور اس وقت میری خیال خوانی کی زد میں رس ونتی تھی۔

میں نے سوچا تھا کہ پرانے تمام رشتوں کو توڑ ڈالوں گا۔ کبھی پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھوں گا۔ افسوس اگر رشتوں کو توڑنا اتنا ہی آسان ہوتا تو آج دنیا میں اتنے رشتے نظر نہ آتے۔ شاذو نادر ہی کوئی کسی کو رشتہ دار کہتا ہوا دکھائی دیتا۔ دنیا میں قصائی کی سنگدلی بہت مشہور ہے لیکن وہ سنگدل قصائی بھی کسی ذبح ہونے والے جانور کو بیمار دیکھ کر اُسے معاف کر دیتا ہے۔ میں قصائی نہیں تھا سنگدل نہیں تھا۔ رسونتی کو بیمار دیکھ کر نہ اسے چھوڑ سکتا تھا نہ اس سے منہ موڑ کر واپس آ سکتا تھا اس لیے میں چپ چاپ اس کے دماغ میں جھانکنے لگا۔

میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ رس ونتی کن حالات سے گزرتے ہوئے اس بے گار کیمپ تک پہنچی تھی لیکن تھوڑی دیر اس کے دماغ کو پڑھتے رہنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا دماغ بے حد کمزور ہے وہ جسمانی اعتبار سے بھی بہت کمزور تھی۔ اپنے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی کہ وہ کن حالات سے گزرتی رہی اور کس نے اسے اس بیگار کیمپ میں پہنچا دیا تھا۔

میں نے اس گینڈے باس کے دماغ سے معلومات حاصل کرنی شروع کر دیں تب مجھے پتہ چلا کہ وہ رس ونتی کے ماضی کے متعلق

بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے بیگار کیمپ کا ٹھیکہ ایک بہت بڑی خطرناک تنظیم سے حاصل کیا تھا۔ اس خطرناک تنظیم کا نام "ریڈ پاور" تھا جس کی ماسک مین نے اسے خفیہ ہوائی اڈہ بنانے کے لیے وہ ٹھیکہ دیا تھا اور گینڈا اس بے گار کیمپ کے ذریعے اس ایئر پورٹ کی تعمیر کر رہا تھا۔ انہی دنوں ماسک مین کی طرف سے حکم ملا کہ ایک بیمار دوشیزہ لائی جا رہی ہے۔ اسے ایک خیمے میں بیمار پڑے رہنے دیا جائے۔ واجبی سا علاج کیا جائے۔ بہت زیادہ توجہ نہ دی جائے۔ اگر اس کی قسمت میں زندگی ہوگی تو وہ جی لے گی، نہیں ہوگی تو مر جائے گی۔

جب وہ بیگار کیمپ میں لائی گئی اور جب اس گینڈے نے اسے دیکھا تو ہزار جان سے اس پر عاشق ہو گیا۔ اس نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس کا پوری توجہ سے علاج کروائے گا اور اب وہ وہی کر رہا تھا۔ وہ ہفتہ میں ایک بار کیمپ آتا تھا اور وہاں کے ڈاکٹر کو سخت تاکید کرتا رہتا تھا کہ اس کا علاج پوری توجہ سے کیا جائے وہ ہر ممکن کوشش کر کے رسونتی کو نئی زندگی دینا چاہتا تھا اور اس کا دل جیت لینا چاہتا تھا۔

پتہ نہیں اسے کس قسم کے انجکشن لگائے گئے تھے اور کیسی دماغ خراب کر دینے والی دوائیں کھلائی گئی تھیں کہ اس کا دماغ کمزور ہو گیا تھا وہ جسمانی طور پر بھی اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ بڑی مشکل سے اٹھ کر بیٹھتی تھی اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھا لیتی تھی گینڈے نے اس کی خدمت کرنے کے لیے مختلف اوقات میں مختلف عورتوں کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔

رسونتی کے حق میں یہ بہتر ہو رہا تھا لیکن گینڈے کی عاشق مزاجی میرے مزاج کے مطابق نہیں تھی۔ بے شک میں نہیں چاہتا تھا کہ رسونتی سے تجدید تعلقات ہو اور پھر پرانے رشتے استوار ہو جائیں اس کے باوجود میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ گینڈے جیسا شخص رسونتی جیسی حسین دوشیزہ کا عاشق بنے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ایک آسمان کی حور تھی دوسرا زمین کا لنگور تھا۔

پہلے میں نے سوچا تھا کہ بیگار کیمپ میں کوئی ہنگامہ نہ کیا جائے اسی وجہ سے میں نے پومی اور گینڈے کے درمیان صلح کرائی تھی۔ دونوں پھر باپ بیٹی بن گئے تھے اور اب پومی بخیریت یہاں سے واپس جانے والی تھی۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پومی کے ذریعے رسونتی مل جائے گی لیکن رسونتی مل تو گئی ہے کہ ساتھ اب ہنگامے انتظار کر رہے تھے کیونکہ میں رسونتی کو گینڈے کے سائے میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرتا رہا جب جذبات ٹھنڈے پڑے اور سنجیدگی کا غلبہ طاری ہوا تب میرے دماغ نے یہ سمجھایا کہ مجھے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس سے ہنگامے جنم لیں۔ اگر بیگار کیمپ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے کوئی ہنگامہ ہوا تو یہ بات پھر ریڈ پاور والوں تک بھی پہنچے گی کہ فرہاد زندہ ہے۔ جہاں تک اپنی زندگی اور اپنے وجود کو چھپایا جا سکتا ہے چھپانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اگر سپر ماسٹر میرے وجود کے متعلق معلومات حاصل کر چکا ہے اور کسی دن "ریڈ پاور" والے بھی معلوم کر لیں گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو محدود کر لوں۔ اتنا محدود کر لوں کہ وہ بڑی تنظیمیں مجھے تلاش کرتی رہیں، اور میں انہیں کبھی نہ مل سکوں۔

"اچھا تو کیا رسونتی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے؟"

میرے دماغ نے جواب دیا "نہ اسے اس کے حال پر چھوڑا جائے اور نہ ہی اسے اپنی تحویل میں لیا جائے۔ فی الحال وہ جہاں ہے وہاں سکون سے ہے۔ اس کا علاج توجہ سے ہو رہا ہے۔ گینڈا اسے صحت یاب ہونے کا موقع دیتا رہے گا اور اس کی عاشق مزاجی رسونتی کی زندگی کا بہانہ بن جائے گی تو کیوں نہ اس کی عاشق مزاجی سے رسونتی فائدہ اٹھاتی رہے؟ جب وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے گی تب میں اس کے عشق میں مداخلت کروں گا۔ ابھی تو وہ بالکل محفوظ ہے۔ گینڈا ایسا درندہ نہیں ہے کہ وہ ایک بیمار دوشیزہ کو کچا چبا کر کھا جائے۔"

بہت دیر تک میرے دماغ کے اندر کشمکش جاری رہی لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ میں دوسروں کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کا عادی ہو گیا ہوں۔ اس معاملے میں بھی میں اپنی ٹانگ اڑانا چاہتا تھا لیکن پھر قائل ہو گیا کہ فی الحال رسونتی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور مجھے آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ ایسا کوئی ہنگامہ نہیں ہونا چاہیے جس سے میرے وجود کا راز فاش ہوتا ہے۔

غلام نے گاڑی روک دی، مجھے مخاطب کیا "آقا گیارہ بج رہے ہیں، کیا خیال ہے کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"ہاں رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ مجھے کچھ خیال ہی نہیں رہا۔ چلو کچھ کھانے کا انتظام کیا جائے اس کے بعد آگے بڑھیں گے۔"

جب ہم گاڑی سے اترے تو پتہ چلا کہ غلام نے ایک چھوٹی سی بستی میں گاڑی روکی ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگ ننگ دھڑنگ نظر آ رہے تھے۔ عورتوں نے درخت کے پتوں سے اپنے آپ کو چھپایا ہوا تھا۔ وہاں کی غربت دیکھ کر مجھے پتہ چل گیا کہ ہم مشرقی پاکستان کی سرحد میں پہنچ گئے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ رنگا متی اور کپتائی سے بہت دور دراز علاقوں میں ایسے لوگ آباد ہیں جو ہماری موجودہ تہذیب سے آشنا نہیں ہیں۔ انہوں نے

برسوں سے کبھی لباس استعمال نہیں کیا وہ ابھی خوراک کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ مچھلیاں پکڑتے ہیں اور چاول اُبال کر کھاتے ہیں۔ دنیا میں جتنے غریب ترین ممالک ہیں ان میں بنگلہ دیش کا نام بھی آتا ہے۔ جب یہ مشرقی پاکستان تھا تب بھی اب بنگلہ دیش ہے اب بھی یہ غریب ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ انقلاب آتے ہیں حکومتیں بدلتی ہیں۔ ترقیاں ہوتی ہیں اور بہت سے حالات ایسے رونما ہوتے ہیں جن سے قوم کی تقدیر کا فیصلہ ہو جاتا ہے، لیکن بنگلہ دیش ایک ایسا ملک ہے کہ انقلابوں کے باوجود۔ . . . اس قوم کی تقدیر آج تک نہیں بدل سکی۔

جب ہمارے کچن سے کھانے کی خوشبو باہر تک پہنچی تو بستی کے مرد اور عورتیں ہماری گاڑی کے آس پاس جمع ہونے لگے میں ان کی بھوک کو سمجھتا تھا۔ میں نے بمشکل دو لقمے کھائے تھے باقی سب اٹھا کر ان میں تقسیم کر دیا۔ ہم نے جو پکایا تھا وہ اُن کے لیے کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمارے پاس جو راشن تھا وہ ہم نے انہیں دے دیا۔ انہیں تن ڈھانپنے کے لیے کپڑوں کی بھی ضرورت تھی اور ہمارے پاس اتنے کپڑے نہیں تھے۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سے چاٹگام کتنی دور ہے لیکن وہ انگریزی اور اردو زبان نہیں سمجھتے تھے۔ بنگالی زبان بھی بہت کم بولتے تھے ان کی اپنی کوئی مخصوص زبان تھی پھر ہم نے اشاروں کی زبان سے کام لیا۔

ایک شخص نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے سورج طلوع ہونے کا اشارہ کیا پھر ہماری گاڑی پر ہاتھ مار کر بتایا کہ یہ چاٹگام اس وقت پہنچے گی جب آفتاب طلوع ہو گا یعنی ہم صبح چاٹگام پہنچ سکیں گے۔ پھر میں نے پوچھا کہ یہاں سے کوئی قریبی شہر کتنی دور ہے؟

جواب میں اُن لوگوں نے کچھ فاصلے کا حساب بتایا اور وقت کا حساب بھی بتایا جس سے اندازہ ہوا کہ۔ ۔ ۔ ۔ کپتائی شہر جو مشرقی پاکستان کا ساحلی خوبصورت پُرفضا مقام ہے اور جہاں دنیا بھر کے سیاح تفریح کے لیے آتے ہیں وہ وہاں سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔

میں نے اُن لوگوں سے اشاروں میں کہا کہ دو چار آدمی میرے ساتھ کپتائی تک چلیں میں انہیں کپڑے دلواؤں گا اور بہت سارا راشن خرید کر دوں گا۔ وہ سب میری باتیں سمجھ کر خوش ہو گئے اور خوشی سے اِدھر اُدھر ناچنے لگے۔ اچھلنے کودنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے چھ آدمی ہماری گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے پھر ہم نے گاڑی اسٹارٹ کی اور کپتائی کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں میں نے سونیا کی خبر لی۔ پتہ چلا کہ وہ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھی ناشتہ کر رہی ہے اور اس کے بعد کافی پینے والی ہے۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ اس نے ایک کلب میں جس کا نام "نائٹ پارٹیز گیمنگ" ہے، ــــــــــ اپنے لیے ایک ٹکٹ خرید لیا ہے اس ٹکٹ کے ذریعے وہ ساری رات اس جوئے خانے میں گزارے گی۔ اگر بازی جیتتی رہی تو رات بھر کھیلتی رہے گی ورنہ ہار کر ڈاکٹر کے گھر واپس چلی جائے گی۔

میں نے مسکرا کر سوچا اور اسے خوش و خرم اور تفریح کے موڈ میں دیکھ کر وہاں سے واپس آ گیا۔ اس کے پاس سے آنے کے بعد میں نے ممی کی خبر لی۔ ممی سو رہی تھیں اور میں بڑے ہی وقت پر وہاں پہنچا تھا۔ کیونکہ میرے دماغ میں پہنچتے ہی وہ چونک کر اٹھ بیٹھی تھیں۔ پہلے تو میں سمجھا کہ وہ میری خیال خوانی کو محسوس کر کے اٹھ بیٹھی ہیں لیکن ایسی بات نہیں تھی انہوں نے اپنی کوٹھی میں کسی کی آہٹ سنی تھی۔

دوسرے ہی لمحے ان کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا "مادام مارتھا! دروازہ کھول دو، آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس کی آواز سنتے ہی میں مسکرانے لگا۔ مادام بھی سمجھ گئیں کہ کون آیا ہے۔ یہ وہی شخص تھا جو دوبارہ مادام کو کار میں ٹریپ کر چکا تھا پہلی بار وہ جے جوالا کا آلۂ کار بن کر انہیں اپنے باس کے پاس لے جانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے سڑک کے کنارے اتار دیا تھا۔ دوسری بار جب مادام یعنی میری ممی پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات لیکر سفارت خانے کی طرف جا رہی تھیں تو اس نے پھر ممی کو ٹریپ کیا تھا مگر اس بار بھی میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر ممی کا پرس ضائع کر دیا تھا اور اسے سڑک کے کنارے اتار دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ممی کے کاغذات ضائع ہو جائیں اور وہ میرے ساتھ سفر نہ کر سکیں۔ اب وہ تیسری بار رات کے بارہ بجے آیا تھا اور ممی سے اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ ممی کو قتل کر دینا چاہتا تھا۔

وہ کہنا چاہتا تھا کہ مادام تم نے مجھے دو بار بے وقوف بنا کر کار سے نیچے سڑک کے کنارے چھوڑ دیا تھا لیکن یہ بات میں اس سے نہیں کہلوانا چاہتا تھا کیونکہ ممی کی دانست میں وہ ایک ہی بار کار سے اتر گیا تھا۔ دوسری بار وہ اپنی مرضی سے ان کا پرس چھین کر لے گیا تھا اس طرح یہ بات غلط ہو جاتی اور ممی کو یہ معلوم ہو جاتا کہ دوسری بار بھی میں نے اسے ٹریپ کیا تھا اور ان کے کاغذات میں نے ضائع کرائے تھے۔

یوں دیکھا جائے تو میں عین وقت پر پہنچا تھا اگر میرے پہنچنے میں دیر ہو جاتی اور وہ مادام کے سامنے یہ باتیں اگل دیتا تو مادام مجھ سے بُری طرح بدظن ہو جاتیں ان کا دل ٹوٹ جاتا کہ جسے

[...] بنایا تھا وہی مجھے اپنے ساتھ سفر میں نہ لے جانے کے لیے ایسی [...] چال کر گیا ہے۔

میں نے اس کی آواز میں ممی کو آواز دی "ممی اب میں آپ [...] بیٹا بول رہا ہوں۔ دروازہ کھول دیجیے۔ پریشان ہونے کی کوئی [...]ت نہیں ہے۔"

ممی نے خوش ہو کر دروازہ کھول دیا لیکن سامنے اس شخص کو [...] دیکھ کر ذرا سا پریشان ہوئیں۔ میں نے اس کے ہونٹوں سے مسکراتے [...]ئے کہا۔ "میں نے کہا نا ممی کہ اب جو شخص آپ کو پریشان کرنے [...]تھا یا اس وقت آیا ہوا ہے وہ فی الحال گم ہو چکا ہے۔ ابھی [...] کے وجود میں آپ کا بیٹا بیٹھا ہوا ہے۔ آپ اطمینان سے باتیں [...] اور ہو سکے تو بے چارے کو ایک کپ کافی پلا دیں۔ میں اسے [...]ہاں سے لے جاؤں گا۔"

ممی نے کہا "چلو آؤ کچن میں چلتے ہیں۔ وہیں باتیں ہوں گی۔"

وہ ممی کے ساتھ کچن کی طرف جانے لگا۔ دوسرے لفظوں میں [...] اس کے وجود میں چھپا ہوا تھا اور ممی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا [...] رہا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اس وقت کپتائی کی طرف [...] رہا ہوں اور سونیا محفوظ ہے اور تفریح کے موڈ میں ہے، اور [...]ری طرف پومی بھی خوش ہے اور انہیں یہ بھی بتایا کہ اُن کی [...] گوئی کے مطابق مجھے پومی کے ذریعے روشنی مل گئی ہے۔"

[...] میری باتیں سنتی رہیں اور کافی تیار کرتی رہیں۔ جب کافی [...] ہو گئی تو انہوں نے ایک پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ [...] کافی میں تمہیں پلا رہی ہوں لیکن بظاہر تو یہی شخص پئے گا اسی [...] میں کافی اترے گی۔ تمہارا کیا بھلا ہو گا؟"

میں نے جواب دیا "ممی کافی سے تو میرا بھلا نہیں ہو گا میں [...] نہیں پی رہا ہوں لیکن صرف آپ کا ساتھ دینے کے لیے میں [...] اسے کافی پلانے کے لیے کہا تھا۔ چلیں اس کا بھلا ہو جانے [...]"

ہم ایک چھوٹی سی میز کے اطراف کافی پینے کے لیے بیٹھ [...] اس نے کافی کی ایک چسکی لی تو میں نے ممی سے کہا۔ "ممی [...] اب میں اس کے دماغ کو آزاد چھوڑتا ہوں۔ اس کے بعد [...] لے لوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایکدم سے [...] آس پاس کچن کو دیکھنے لگا۔ پھر اپنے سامنے بیٹھی ہوئی [...] ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا "تم . . . تم جادوگرنی ہو [...] کر رہی ہو اور مجھے میرے مقصد میں کامیاب ہونے [...] نہیں دو گی، لیکن میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم [...] جینا دوبھر کر دیا ہے۔ میں سوچ سوچ کر پریشان ہو جاتا ہوں

کہ آخر تم کیا چکر چلاتی ہو کہ میں تمہیں نقصان پہنچائے بغیر واپس چلا جاتا ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا اور وہ چپ چاپ کرسی پر بیٹھ کر کافی پینے لگا۔ ممی زور زور سے قہقہے لگا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ "بیٹے! تم کمال کا علم رکھتے ہو۔ مزہ آ گیا۔ ایسا لطیفہ اگر کسی کو سنایا جائے تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔"

جب اس نے آدھی پیالی پی لی تو میں نے اسے آزاد چھوڑ دیا وہ پھر چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اسے مٹھاس لگ رہی تھی اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اب تک کافی پیتا رہا ہے۔ وہ پھر اٹھنا چاہتا تھا لیکن میں نے بٹھا دیا۔ اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے کافی پلانے لگا۔ ایسا مہربان دشمن تو اسے کبھی نہیں ملا ہو گا جو اسے کافی پلا کر مارنا چاہتا تھا۔

جب اس نے کافی کی پیالی ختم کر لی یعنی آخری گھونٹ رہ گیا تو جیسے ہی اس نے آخری گھونٹ منہ میں رکھا میں نے اس کو زور سے اندر کی طرف سانس لینے پر مجبور کیا۔ اس نے جیسے ہی اندر کی طرف سانس لی ویسے ہی ٹھسکا لگا اور وہ کھانسنے لگا میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اب وہ بُری طرح کھانس رہا تھا اور ممی بُری طرح قہقہے لگا رہی تھیں۔ میں نے ممی کی سوچ میں کہا "اب رات بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ آپ آرام سے سو جائیں۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

وہ میز پر جھکا ہوا کھانس رہا تھا اور اپنے سر کو ایک ہاتھ سے ٹھونک رہا تھا تاکہ جو کافی اوپر دماغ پر چڑھ گئی تھی وہ نیچے کی طرف سرک آئے۔ میں نے اسے وہاں سے اٹھا دیا پھر دروازے کی طرف جاتے ہوئے ممی کو ایک بار دیکھنے کے بعد اس نے گھونسا دکھایا۔ اس کے بعد پھر میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ اس دروازے سے باہر نکل کر اب کوٹھی کے باہر جانے لگا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ باہر جانے کے بعد پتہ چلا کہ اس نے ممی کے دربان کو زخمی کر کے بے ہوش کر دیا تھا۔ وہ بے چارہ گیٹ پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ لگانے کا موقع نہیں دیا اور اسے لیتا ہوا اس کوٹھی سے دور چلا گیا۔

اب اس کی کھانسی ختم ہو گئی تھی۔ اس کا گلا صاف ہو گیا تھا۔ میں اس کے گلے سے پنجابی زبان میں ماہیا گاتے لگا۔ رات سنسان تھی، سڑکیں ویران تھیں، دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اور وہ ماہیا گاتا ہوا جا رہا تھا۔ میں ٹھہر ٹھہر کر اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیتا تھا تاکہ اسے پتہ چلتا رہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے اور وہ کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سامنے سے کچھ لوگ آتے ہوئے نظر آئے۔ اُن میں دو عورتیں تھیں اور چار مرد

تھے۔ وہ سب ہنستے بولتے ہوئے چہل قدمی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کرتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ اس نے اپنی مٹھی باندھی پھر اس میں سے کلمے کی انگلی نکالی اور انگوٹھے کو اوپر کیا پھر ہاتھ کا ریوالور بناتے ہوئے کہا۔ "خبردار کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے ورنہ شوٹ کردوں گا تم لوگوں کی جیب میں جتنا مال ہے سب نکال کر رکھ دو۔"

آنے والے ٹھٹھک گئے پھر ایک نے اس کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ارے یہ تو کوئی پاگل کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔"

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ پھر ایک بار لڑکھڑا سا گیا پھر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے جلدی سے سنبھل کر بولا۔ "معاف کیجیے گا کچھ ایسی حرکتیں کر رہا ہوں جس کی وجہ آپ کو بتا نہیں سکتا۔" وہ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آخر وہ ایسی حرکتیں کیوں کر رہا ہے لیکن میں نے اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اچانک چھلانگ لگائی اور ایک عورت کے پاس پہنچ کر اسے دبوچ لیا اسی وقت میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

عورت چیخ رہی تھی۔ اسی وقت ایک دھماکے سے اس کے منہ پر گھونسہ پڑا وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے چلا گیا۔ میں اس کے دماغ کو چونکہ آزاد چھوڑ چکا تھا اس لیے وہ پریشان ہو گیا تھا۔ وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن چاروں مردوں نے اسے چاروں سے گھیر لیا بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ پھر اس کی اچھی طرح پٹائی ہونے لگی۔

پھر یوں ہونے لگا کہ میں اس کے دماغ پر قابض ہوتا تو وہ مقابلے کے لیے ان کے سامنے جم کر کھڑا ہو جاتا اور ایک ایک کو للکارنے لگتا۔ جب کسی کا گھونسہ کسی کی لات اس پر پڑتی تو میں اس کے دماغ سے نکل آتا کہ وہ لاتوں اور گھونسوں کی اذیتوں کو برداشت کر سکے۔

ڈبل فنگر کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اسے بھی چاروں طرف سے چار آدمیوں نے گھیر کر پٹائی شروع کی تھی لیکن اس کی پٹائی میں میرا ہاتھ نہیں تھا۔ وہ خود ہی غصے کی حالت میں ان لوگوں کو للکار چکا تھا اس لیے اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ یہاں میں نے اس شخص کو چاروں کے ہتھے چڑھا دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ادھ موا ہو کر زمین پر گر پڑا تب ان چاروں نے اسے ایک ایک لات مار کر چھوڑ دیا اور اپنی عورتوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

وہ زمین پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ "مادام! مجھے معاف کردو۔ آئندہ مجھ سے ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ میں کبھی آپ کی طرف رخ بھی نہیں کروں گا۔ مادام ہائے مادام! مجھے معاف کردو مادام۔"

اس نے اس بری طرح مار کھائی تھی کہ اس کا ایک اگلا دانت ٹوٹ گیا تھا۔ منہ سے اور ناک سے لہو بہہ رہا تھا۔ بال بکھر گئے تھے۔ کپڑے تار تار ہو گئے تھے۔ اس میں اب اٹھنے کی سکت نہیں رہی تھی لیکن میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ میں نے دماغی قوتوں سے اسے اٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ وہاں سے اٹھا اور لڑکھڑاتے ہوئے ایک کوٹھی کی طرف بڑھنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ اب یہ مادام کی طرف نہیں جائے گا۔ اسے اچھا سبق حاصل ہو چکا ہے لیکن میں ابھی مطمئن نہیں تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تھوڑا سا سبق اُسے اور سکھا دیا جائے۔ اسی خیال کے تحت میں نے اسے ایک کوٹھی کے اندر گھسا دیا۔

کوٹھی والے ہڑبڑا کر اٹھ گئے تھے اور وہ شخص اپنی انگلیوں سے ریوالور بنا کر کہہ رہا تھا۔ "خبردار اگر کسی نے شور مچایا تو میں شوٹ کردوں گا۔"

کوٹھی والے سمجھ گئے کہ کوئی پاگل وہاں گھس آیا ہے۔ ان میں سے ایک نے فون کے ذریعے پولیس والوں کو اطلاع دی۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا کیونکہ اب وہ پولیس کے ہتھے چڑھنے والا تھا۔ اب یا تو وہ حوالات میں بند ہو جاتا یا پھر پاگل خانے بھیج دیا جاتا۔ اب وہ وہاں بیٹھ کر اطمینان سے سوچ سکے گا کہ آئندہ بھی ممی کا پیچھا کرنا چاہیے یا نہیں۔

میں اس کی حالت پر خیال خوانی کے دوران مسکرا رہا تھا جب میں واپس ٹریلر کیبن میں پہنچا تو میرے چہرے پر بدستور مسکراہٹ تھی۔ ٹریلر کیبن میں بیٹھے ہوئے بستی کے کچھ آدمی میری طرف دانت نکالے دیکھ رہے تھے یعنی وہ بھی مجھے مسکراتے دیکھ کر مسکرا رہے تھے تب مجھے احساس ہوا کہ میں خیال خوانی کے دوران کتنی دیر سے مسکرا رہا تھا اور یہ لوگ مجھے تماشہ سمجھ کر دیکھ رہے تھے۔ میں بھی جھینپ کر دوبارہ مسکرانے لگا پھر جلدی ہی بات بنائی۔ اشاروں سے انہیں سمجھایا کہ "میں اپنی محبوبہ کے تصور میں کھویا ہوا تھا اور وہ مجھ سے ایسی باتیں کر رہی تھی کہ میں مسکرانے لگا تھا ــــــ" وہ لوگ میرے اشاروں کی زبان کو سمجھتے ہوئے ہاں ہاں کے انداز میں اپنا سر ہلانے لگے۔

ایک گھنٹے بعد ہم کیپائی پہنچ گئے۔ وہاں ہمیں ایسٹ پاکستان رائفلز کے جوان نظر آتے۔ تعجب ہوا کہ پاکستان کی سرحد میں کوئی حفاظتی چوکی نہیں تھی۔ کوئی ہمیں روکنے والا نہیں تھا۔ اتنی دور اندر آنے کے بعد ایک پولیس چوکی والوں نے ہمیں روکا اور ہمارے کاغذات دیکھنے لگے۔

اس پولیس چوکی میں ایک سینئر آفیسر پنجابی تھا اور ایک جونیئر

افسر بنگالی تھا۔ ہمارے کاغذات مکمل تھے۔ کسی قسم کی پریشانی نہ ہوئی لیکن وہ پریشان کرنے پر آمادہ نظر آرہے تھے۔ وہ رشوت کے عادی تھے اور ہم سے کچھ رقم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں نہیں بتایا کہ میں بھی پنجاب کا رہنے والا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ سب مجھے کاغذات کے مطابق کراچی کا باشندہ سمجھ رہے تھے۔ میں نے آفیسر سے کہا۔ "سوری آفیسر! میری عادت نہیں ہے کہ میں کسی کو رشوت دوں اور میں اسے اپنی پوری قوم کی توہین سمجھتا ہوں کہ آپ بحیثیت ایک ذمہ دار آفیسر رشوت لینا چاہیں گے اور میں رشوت دوں گا۔ ہم دونوں کے لیے یہ بات لعنتی ہے۔"

دونوں افسران نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میری نصیحت اور میری مہذب قسم کی باتیں انہیں ناگوار گزر رہی تھیں۔ وہ قوم اور وطن کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتے تھے۔ انہیں صرف پیسے کی ضرورت تھی۔ ان میں سے جونیئر افسر نے کہا۔ "ہم رشوت خور نہیں ہیں تم ہمیں غلط سمجھ رہے ہو۔ ہم تو اپنے فرائض انجام دیں گے اور تمہاری گاڑی کی پوری چیکنگ کریں گے۔"

میں نے کہا۔ "جی ہاں! میں خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں گاڑی کی چیکنگ کرنے کے دوران اندر جائیں گے اور چرس کا چھوٹا سا بنڈل پھینک دیں گے پھر مجھ پر یہ الزام عائد ہوگا کہ میں چرس سمگل کر رہا ہوں میں تم جیسے لوگوں کے ہتھکنڈوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ مجھے بھٹکانے کی کوشش نہ کرو۔"

سینئر افسر نے پوچھا۔ "تو اس کا مطلب ہے تم ہمیں گاڑی چیک نہیں کرنے دو گے؟"

میں نے مسکرا کر پنجابی زبان میں کہا۔ "میں دل و جان سے چیکنگ کا موقع دوں گا لیکن میں پولیس والوں کے ہتھکنڈے کو جھانسے دے رہا ہوں کہ مجھ پر یہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اثر نہیں کریں گے اس کے بعد آپ لوگ مالک و مختار ہیں۔ جائیں اور میری گاڑی کو اچھی طرح چیک کریں۔"

میری زبان سے پنجابی بولی سن کر پہلے تو وہ ٹھٹھک گیا مگر اس نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ جونیئر افسر اور دو پولیس والوں کو لے کر گاڑی کے اندر چلا گیا۔ دراصل پنجابی ہوں، بنگالی ہوں سندھی ہوں پوری قوم کبھی غلط نہیں ہوتی۔ اس کے چند افراد غلطیاں کرتے ہیں جو پوری قوم کو بدنام کر دیتے ہیں۔

وہ لوگ اندر جا کر چیک کرتے رہے اور میں ان کے دماغ میں چیکنگ کرتا رہا کہ وہ کوئی غلط حرکت نہ کریں پھر یہ بھی کہ میرے بریف کیس میں قیمتی ہیرے رکھے ہوتے تھے اور وہ اسی جگہ چھپا ہوا تھا۔ میں وہاں انہیں پہنچنے نہیں دینا چاہتا تھا اگر وہ وہاں پہنچ بھی جاتے تو اس بریف کیس کو دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ میں ایسا کرنے والے دماغ میں پہنچ جاتا تھا۔

میرا خیال درست نکلا۔ وہ چرس تو نہیں البتہ کوکین کے پیکٹ کہیں چھپانا چاہتے تھے اور مجھ پر الزام لگانا چاہتے تھے کہ میں کوکین اسمگل کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوں اور وہ مجھے اس بہانے روک دیتے۔ میں نے انہیں اس کا موقع نہیں دیا۔ اتفاق کی بات کہ وہ سینئر افسر کوکین کا پیکٹ لے کر اسی بریف کیس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔

وہ بریف کیس کے پاس آیا۔ اسے ہاتھ لگایا۔ ذرا سے سہلاتا بھی رہا لیکن اسے کھول کر نہ دیکھ سکا کیونکہ میں دکھانا نہیں چاہتا تھا تو وہ کیسے دیکھ لیتا؟ اس کا دماغ میری مٹھی میں تھا۔ پھر وہ وہاں سے پلٹ گیا۔ جب وہ پلٹ کر جانے لگا تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تب وہ چونک کر سوچنے لگا۔ "یہ کیا، کیا میں نے وہ پیکٹ بریف کیس میں رکھ دیئے ہیں؟"

اس نے اپنی جیب کو ٹٹول کر دیکھا تو کوکین کا پیکٹ وہاں موجود تھا۔ وہ پھر پلٹ کر بریف کیس کی طرف جانے لگا۔ اسی وقت میں پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ بریف کیس کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اسے غور سے دیکھتا رہا لیکن پھر بھی کھول نہ سکا پھر وہ واپس آگیا واپس آنے کے بعد جب وہ گاڑی سے باہر نکلا تو باہر جونیئر آفیسر اس کا منتظر تھا اس نے آہستگی سے پوچھا۔ "کیا کام ہو گیا؟"

کام ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اس نے کوکین کا پیکٹ بریف کیس میں رکھ دیا ہے یا نہیں؟ سینئر آفیسر نے اثبات میں سر ہلایا۔ جونیئر افسر مطمئن ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں دور کھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھنے لگے۔ اسی وقت میں ۔ ۔ ۔ نے سینئر افسر کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تب وہ پھر ایک بار چونک کر اپنی جیب کو ٹٹولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ٹھٹھک کر جونیئر افسر کے بازو کو تھام لیا اور آہستگی سے بولا۔ "سوری میں تو وہ پیکٹ وہاں نہیں رکھ سکا۔"

جونیئر افسر نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "میں سب سمجھتا ہوں ابھی تم نے کہا تھا کہ وہ پیکٹ تم نے رکھ دیا ہے۔"

"میں نے کب کہا تھا؟ میں نے تو یہ بات کبھی نہیں کہی۔"

"تم نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا تھا۔"

"تمہارے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔"

"غلطی نہیں ہوئی۔ یہ کہو کہ یہ گاڑی والا پنجابی ہے اور تم اس کی حمایت کر رہے ہو۔"

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ دراصل میں بتا نہیں سکتا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا اور میں وہ پیکٹ کیوں نہیں رکھ سکا۔"

"تم بتا نہیں سکتے۔ میں سمجھ سکتا ہوں تمہیں بنجابیت ہو گئی تھی اسی وجہ سے تم نے اس کی حمایت کی۔"

اس بار سینیئر افسر کو غصہ آ گیا اس نے جھنجلا کر کہا "ہاں وہ میرا ہم وطن ہے اور ہم قوم ہے۔ میں نے اس کی حمایت کی۔ میں اس کو پھانسنا نہیں چاہتا تھا اور اس سے رشوت نہیں لینا چاہتا تھا۔"

جونیئر افسر نے کہا "ٹھیک ہے۔ ہم بھی اپنے لوگوں کی حمایت کریں گے تم دیکھ لینا یہ جو ملک ہے یہ ہمارے تمہارے درمیان متحد ہو کر نہیں رہ سکتا۔ ہم ایک دن بنگلہ دیش قائم کریں گے جہاں ہمارا راج ہوگا اور ہم اپنی مرضی سے رشوت لیا کریں گے۔"

ان کی باتیں سن کر مجھے ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا یہ سوچ کر کہ ملکوں میں تبدیلی ہوتی ہے وہ اچھے لوگوں کے درمیان کبھی نہیں ہوتی۔ غلط لوگ ایسا کرتے ہیں اور وہ لوگ جذبہ حب الوطنی سے نہیں بلکہ چوری اور رشوت خوری اور دوسرے جرائم کے ذریعے دولت حاصل کرنے کے جذبے سے سوچ رہے تھے کہ ملک دو لخت ہو جائے گا اور ملک کا کون سا ٹکڑا کس کے حصے میں آئے گا وہ زیادہ سے زیادہ کس طرح منافع حاصل کریں گے۔

سینیئر آفیسر نے کہا "تم نے کچھ ایسی غلط باتیں کیں مجھے غصہ آ گیا تھا۔ میں نے غصے میں ایسی باتیں کہہ دی تھیں۔ بہرحال اب یہ غصہ تھوک دو اور تمہیں میری باتوں کا یقین نہ ہو تو تم خود ہی جا کر وہاں وہ پیکٹ رکھ دو، بلکہ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور ہم دونوں وہاں جائیں گے۔ تم اپنے ہاتھوں سے میری جیب سے پیکٹ نکال کر اسے وہاں رکھ دینا۔ بولو منظور ہے؟"

جونیئر آفیسر راضی ہو گیا۔ وہ پلٹ کر پھر گشتی گاڑی کی طرف جانے لگے اتنی دیر میں غلام نے گشتی گاڑی کے دروازے کو لاک کر دیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا "جناب آپ اچھی طرح چیک کر چکے ہیں پھر اب کیا چاہتے ہیں؟"

ایک آفیسر نے تیور بدل کر کہا "یہ ہمارا معاملہ ہے۔ ہم مطمئن نہیں ہیں اور جب تک مطمئن نہیں ہوں گے بار بار چیک کریں گے اپنے آدمی سے کہو کہ دروازہ کھول دے۔"

میں بات نہیں بڑھانا چاہتا تھا۔ میں نے غلام کو اشارہ کیا تو اس نے دروازہ کھول دیا۔ دونوں آفیسر پھر گاڑی کے اندر چلے گئے۔ میں ان کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ اس بار جونیئر آفیسر نے کوشش کی کہ وہ پیکٹ وہاں کسی طرح رکھ دے۔ اس نے اندر پہنچنے کے بعد سینیئر آفیسر کی جیب سے وہ پیکٹ نکال لیے تھے اور کہیں رکھنا چاہتا تھا کہ پھر میں نے اس کی زبان سے کہلوایا "اچھی بات ہے تم باہر جاؤ۔ میں اسے کہیں چھپا کر آتا ہوں۔"

سینیئر آفیسر نے کہا "میرے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم چھپا دو میں یہاں کھڑا ہوا ہوں۔"

اس نے کہا "نہیں میں یہاں سوچوں گا کہ مجھے کہاں چھپانا چاہیے اور کیا کرنا چاہیے۔ کیا تم میری اتنی سی بات نہیں مان سکتے؟"

سینیئر افسر نے لاپرواہی سے شانے اچکائے اور بڑبڑاتا ہوا چلا گیا "عجیب بات ہے۔ تم تو ایسے شرما رہے ہو جیسے گناہ کرنے والے ہو۔ بھئی پیکٹ ہی تو چھپانا ہے۔ چلو چھپاتے رہنا۔ میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر آ گیا میں بنگالی افسر کے دماغ میں موجود رہا اس نے کئی بار یہ کوشش کی کہ وہ پیکٹ رکھ دے لیکن وہ ناکام رہا۔ میں نے ہمیشہ کی طرح دماغ پر قابض ہو کر پیکٹوں کو اس کی جیب میں ہی ٹھونس دیا۔ آخری بار جب وہ واپس آیا تو میرا معمول بنا ہوا تھا اور مطمئن تھا کہ اس نے پیکٹ رکھ دیے ہیں۔

سینیئر آفیسر نے قریب آ کر پوچھا "کیا ہوا پیکٹ رکھ دیے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا پھر وہ دونوں میری طرف آنے لگے۔ اس بار دونوں مسکرا رہے تھے۔ اسی وقت میں نے بنگالی آفیسر کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے ٹھٹھک کر لڑکھڑایا اور پھر سینیئر آفیسر کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ سینیئر افسر نے پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟"

اس نے کہا "کیا بتاؤں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں وہاں پیکٹ رکھنا چاہتا تھا لیکن رکھ نہ سکا۔ وہ ابھی تک میری جیبوں میں رکھے ہوئے ہیں۔"

تب وہ دونوں مجھے حیرانی و پریشانی سے دیکھنے لگے اور ان دونوں کے دماغ میں یہ باتیں تھیں کہ میں کوئی پراسرار علم جانتا ہوں جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ جونیئر آفیسر آگے بڑھ کر میرے قریب آیا پھر اس نے آہستگی سے پوچھا "کیوں مسٹر! سچ سچ بتاؤ کیا چکر ہے؟"

میں نے معصوم بن کر پوچھا "کیسا چکر؟ تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ تم کوئی پراسرار علم جانتے ہو۔ ہم جو کچھ تمہارے خلاف کرنا چاہتے تھے نہیں کر سکے اور یہ بھی تم بتاؤ گے کہ ہم کیا کرنا چاہتے تھے؟"

میں نے لاپرواہی سے منہ بنا کر کہا کہ "میں کیا جانوں کہ تم کیا کرنا چاہتے تھے۔ میں کوئی غیب کا علم نہیں جانتا ہوں۔"

سینیئر آفیسر نے آگے بڑھ کر کہا "تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم کوئی جادوگر ہو۔ کوئی پراسرار علم جانتے ہو۔ تم نے پہلے ہی ہم سے کہہ دیا تھا کہ ہم چرس یا کوکین کا پیکٹ تمہاری گاڑی میں چھپانا چاہتے ہیں۔ بتاؤ کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا؟"

بھئی آپ دونوں آفیسر کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اگر میں

ثبوت دینا نہیں چاہتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دونوں مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگائیں۔ آپ نے گاڑی چیک کر لی۔ اب کاغذات مجھے دے دیں۔ میں جا کر کسی ہوٹل میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک آفیسر نے کہا "ابھی تمہارے کاغذات ہم پھر سے چیک کریں گے اور اس کے لیے صبح ہو جائے گی۔ تم دونوں اپنی گاڑی میں جا کر بیٹھ سکتے ہو لیکن یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔"

میں نے کہا "جناب یہ تو کھلی دھاندلی ہے۔ آپ خواہ مخواہ اپنے ملک کے شہریوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ ہمیں جانے کی اجازت دیں ورنہ میں خود یہاں سے جانا جانتا ہوں۔"

آفیسر نے اپنے سپاہیوں کو ہوشیار رہنے کے لیے کہا اور پھر وہ مجھ سے بولا "اگر زبردستی جا سکتے ہو تو یہاں سے آگے بڑھ کر دکھاؤ۔ ہم تمہیں شوٹ کر دیں گے۔"

میں نے نرم پڑتے ہوئے کہا "اچھی بات ہے آپ لوگ اپنے دفتر میں بیٹھ کر کاغذات چیک کریں میں گاڑی میں جا کر بیٹھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں غلام کے ساتھ سامی کو گود میں اٹھا کر گاڑی میں چلا آیا۔ غلام نے کہا "آقا یہ تو بڑی دھاندلی کر رہے ہیں مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ کیا میں انہیں اپنا ہاتھ دکھاؤں؟"

"پاگل نہ بنو۔ دیکھ رہے ہو کہ یہاں مسلح سپاہی موجود ہیں پھر یہ ہمارے ملک کے سپاہی ہیں۔ ہم ان پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے جو طریقہ ہے، اسی طریقے سے میں آگے بڑھوں گا۔ دیکھتے رہو کہ یہ لوگ کیسے اجازت دیں گے۔"

وہ دونوں آفیسر اپنے دفتر میں جا کر بیٹھ گئے تھے وہ اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ آخر... کوکین کا پیکٹ ہماری گاڑی میں کیوں نہ رکھ سکے۔ انہیں کیا ہو گیا تھا۔ اس دوران میں ایک آفیسر کے دماغ میں جھانکتا رہا اور یہ معلوم کرتا رہا کہ ان کا سینیئر آفیسر کون ہے اور اس وقت کہاں ہے۔ پتہ چلا کہ وہ اپنے بنگلے میں آرام کر رہا ہے۔ میں نے اس آفیسر کے دماغ پر قابض ہو کر اس کا فون نمبر معلوم کیا اور پھر اسی کے ہاتھوں سے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے دوسرے آفیسر نے پوچھا "کہاں فون کر رہے ہو۔" میں نے اس آفیسر کی زبان سے جواب دیا "مجھے میری وائف یاد آ رہی ہے ذرا میں اس کی خیریت معلوم کر لوں۔"

وہاں اتنی دیر میں فون پر رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ ادھر سے سینیئر آفیسر کی بیگم نے ریسیور اٹھا کر پوچھا تھا "ہیلو کون ہیں؟"

"جی، میں سارجنٹ خالد بول رہا ہوں۔ فدا سر کو بیدار کر دیں۔"

"وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ ایسے وقت اٹھایا جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ کیا بہت ضروری کام ہے؟"

"جی ہاں ضروری کام ہے اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ ذرا انہیں بیدار کر دیں۔"

فون پر خاموشی رہی۔ تھوڑی دیر تک وہ انتظار کرتا رہا۔ پھر اس کے بعد کسی آفیسر کے دہاڑنے کی آواز سنائی دی "کیا بدتمیزی ہے۔ کیا چاہتے ہو۔ ایسی کونسی ضرورت آن پڑی ہے کہ تم مجھے فون پر اطلاع دے رہے ہو۔"

اس کی باتیں سنتے ہی سارجنٹ خالد نے ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ دوسری بار اپنے گھر کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ جب رابطہ قائم ہو گیا اور اس کی بیوی نے ریسیور اٹھایا تو میں نے ... فون کرنے کے دوران اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا اور وہاں سے چلا آیا۔

اب دماغی طور پر حاضر ہونے کے بعد میں نے غلام سے کہا کہ وہ یہاں سے چائے پینے یا کسی اور بہانے سے چلا جائے اور کم از کم آدھ گھنٹے کے بعد واپس آئے۔ غلام نے میری ہدایت پر عمل کیا اور وہاں سے جانے لگا۔ سپاہی نے اسے روکا تو میں نے کہا کہ اسے جانے دیا جائے ضمانت کے طور پر میں یہاں موجود ہوں۔ ہماری گاڑی یہاں موجود ہے۔ ذرا سی بحث تکرار کے بعد اسے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ غلام وہاں سے چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد میں نے ان کے سینیئر آفیسر مسٹر شہید اللہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دوبارہ گہری نیند سو گیا تھا۔ میں نے اسے نیند کی حالت میں ٹریپ کیا اب وہ میرا معمول بن گیا تھا۔ نیند کی حالت میں وہ اپنے بستر سے اٹھ کر ٹیلیفون کے پاس آیا پھر اس نے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر میں اس دفتر میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جہاں وہ دو لوٹل ... افسران بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک افسر نے ریسیور اٹھا کر "ہیلو" کہا تو میں نے اس سینیئر آفیسر کی زبان سے کہا "ہیلو! یہاں ایک حبشی آیا ہوا ہے وہ کہہ رہا ہے کہ تم لوگوں نے گشتی گاڑی والوں کو روک رکھا ہے اور ان کے کاغذات واپس نہیں کر رہے ہو۔ میں تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ پانچ منٹ کے اندر انہیں ریلیز کر دو یا پھر انہیں روکنے کی معقول وجہ فوراً بیان کرو۔"

ہمیں روکنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی اس لیے فوراً ہی الرٹ ہو کر کہا "یس سر! ہم انہیں ابھی ریلیز کر رہے ہیں۔"

پانچ منٹ سے پہلے ہی وہ دونوں آفیسر ہمارے کاغذات لے کر دفتر سے باہر نکلے پھر انہوں نے مجھے گاڑی سے باہر بلایا اور وہ کاغذات میرے حوالے کرتے ہوئے مجھے گھورتے رہے پھر ایک نے کہا "تم نے یہ بہت برا کیا۔ ہمیں اگر معلوم ہوتا کہ تم اس حبشی ملازم کو ہمارے سینیئر آفیسر کے پاس بھیج رہے ہو تو ہم کبھی اسے یہاں

سے جانے کی اجازت نہ دیتے۔ بہر حال اپنے کاغذات سنبھالو اور یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ چلو بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا" میں اتنی جلدی نہیں بھاگ سکتا اس لیے کہ میرا وہ حبشی ملازم ابھی واپس نہیں آیا ہے۔ کیا خیال ہے کیا اتنی دیر میں مجھے ایک پیالی چائے نہیں پلائیں گے؟"

وہ دونوں غصے میں مجھے دیکھتے ہوئے وہاں سے چلے گئے تھوڑی دیر بعد غلام واپس آ گیا۔ ہم نے ان چھ آدمیوں کو اپنی گاڑی میں بٹھایا ہوا تھا جنہیں ہم دور ایک بستی سے لے آئے تھے اور انہیں راشن خرید کر دینا چاہتے تھے بازار بند تھے۔ ہم نے انہیں ایک ہوٹل میں ٹھہرنے کے لیے کہا تاکہ سویرے ان کی ساری مرادیں پوری کر سکیں انہیں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ٹھہرانے کے بعد میں اور غلام سامی کو لے کر ایک بڑے سے ہوٹل میں آ گئے۔ وہاں ہم نے اپنے لیے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور پھر رات گزارنے کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔

غلام بے حد تھکا ہوا تھا۔ سونا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ تم کل صبح اپنے پاس جتنی رقم ہے وہ لے کر بازار چلے جانا اور ان چھ آدمیوں کو راشن اور کپڑا خرید کر دے دینا تاکہ وہ لوگ جلد سے جلد اپنی بستی واپس چلے جائیں۔ میں پی آئی اے کے کاؤنٹر پر جا کر معلوم کروں گا۔ اگر مجھے کراچی یا لاہور کے لیے کوئی سیٹ مل جائے گی تو میں کل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے غلام کو رخصت کر دیا۔ وہ دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔ میں نے ایک سگریٹ سلگایا پھر ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کے کش لگاتا ہوا سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ سونیا اس وقت جوئے خانے کے ماحول میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سگریٹ کا دھواں پورے ماحول کو دھندلائے ہوئے تھا۔ لوگوں کا دھیما دھیما سا شور سنائی دے رہا تھا وہ جس میز پر بیٹھی ہوئی تھی وہ... لانبی سی تھی اور اس کے اطراف کئی کھیلنے والے اپنے اپنے ہاتھوں میں تاش کے پتے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔

کھیلنے والے چھ تھے، ساتویں سونیا تھی اور فلیش کا کھیل ہو رہا تھا اس وقت سونیا بہت معمولی سی جیت پر تھی وہ بھی اس لیے کہ اس جوئے خانے کا دستور تھا ــــ کہ جب کوئی نیا کھلاڑی وہاں آتا تھا تو اسے جیتنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ تھوڑی سی اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ رقم داؤ پر لگائے۔ اسی طرح وہ لوگ سونیا کو ڈھیل دے رہے تھے اور اسے جیتنے کا موقع دے رہے تھے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ تقریباً پانچ ہزار ڈالر جیت چکی تھی۔

سونیا کے دائیں طرف بیٹھا ہوا ایک شخص کسی سے کچھ بول رہا تھا۔ میں اس کے لب و لہجے کو یاد کرنے لگا۔ اس کے جواب میں کسی دوسرے شخص نے کچھ کہا۔ میں اس کے لب و لہجے کو یاد کرنے لگا اسی طرح مجھے کچھ وقت اس سلسلے میں صرف کرنا پڑا اور میں رفتہ رفتہ ان چھ کھلاڑیوں کے دماغوں میں پہنچ گیا۔ اتنی دیر میں سونیا تین ہزار کی بازی ہار چکی تھی۔ اب اس کے پاس مزید دو ہزار کے علاوہ اپنے ایک ہزار ڈالر رکھے ہوتے تھے۔

جیتنے والا ایک شار پر تھا۔ نامور پتے باز ــــ اور اس جوئے خانے کے مالکوں میں سے ایک تھا۔ اس بار وہ پتے پھینٹنے لگا۔ میں اس کے دماغ میں موجود تھا اور بڑی حیرانی سے یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ پتے پھینٹتے وقت یہ یاد رکھتا تھا کہ اس تاش کی گڈی میں کون سا پتہ کدھر جا رہا ہے۔ اس کے دماغ کی، اس کی یادداشت کی اور اس کے حساب کتاب کی داد دینا پڑتی تھی۔ میں حیرانی سے دیکھتا رہا لیکن جب اس نے آخری بار پتے پھینٹنے چاہے تو میں نے اس کے دماغ کو گڑبڑا دیا۔ اب وہ بوکھلا کر رہ گیا۔ ایک شخص نے پوچھا" کیا بات ہے تم پتے پھینٹتے ہی رہو گے یا بانٹو گے بھی؟"

شار پر نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا" ہاں بس میں ابھی بانٹ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر پتے پھینٹنے لگا۔ اب کی بار وہ حساب کر رہا تھا لیکن پھر میں نے اس کے حساب کو گڑبڑا دیا۔ وہ اس بار اپنے ملازم سے چیخ کر بولا کہ فوراً ایک پیگ اس کے لیے لے کر آئے۔ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔"

اس کا ملازم چلا گیا۔ ایک کھیلنے والے نے کہا" تمہارا دماغ کام کرتا رہے گا۔ تم پہلے پتے تو بانٹو۔ اپنے پتے بعد میں دیکھ لینا اور حساب کتاب لگا لینا کہ تمہیں ہمارے ساتھ کھیلنا ہے یا نہیں، تمہارے لیے شراب بھی آ رہی ہے۔ چلو دیر نہ کرو۔ ہم بہت بے چین ہیں۔"

وہ پھر ایک بار پتے پھینٹنے لگا۔ آخری بار میں نے پھر اس کے دماغ کو گڑبڑایا تو وہ مجبور ہو گیا۔ اس بار وہ دیر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ سب اسے شبے کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے پتے بانٹنے شروع کر دیے۔ ہر ایک کے پاس پہلے ایک ایک پتہ پھینکا پھر دو پتے ہوتے پھر تین۔ ہر ایک کے پاس تین تین پتے آ گئے۔ تین پتوں کا فلیش جاری تھا۔

پہلے بلینک چال شروع ہوئی۔ ہر کھلاڑی اپنے اپنے پاس سے دس دس ڈالر کا ٹوکن اپنے آگے بڑھانے لگا۔ جواب میں رقم بڑھتی گئی۔ کسی نے پندرہ کسی نے بیس اور کسی نے پچیس۔ حتیٰ کہ پچاس ڈالر کے ٹوکن کی بلینک چال چلی جانے لگی۔ اس دوران میں ایک ایک کے دماغ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا اور انہیں مجبور کر رہا تھا کہ وہ اب اپنے اپنے پتے اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیں۔

سب سے پہلے شار پر نے ہی اپنے پتے اٹھائے کیونکہ اسے شبہ تھا کہ وہ پتے پھینکنے میں غلطی کر چکا ہے۔ اس نے اپنے پتے دیکھے تو اس کا دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ اس کے پاس تین جوکر آئے تھے اور تین جوکر کوئی معمولی پتے نہیں تھے۔ اس نے اپنی خوشی اور مسکراہٹ کو دباتے ہوئے تینوں پتے اوندھے رکھ دیے اور پھر ایک سو ڈالر کی چال چلی۔ بلینک چال پچاس ڈالر کی ہو رہی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے نے اپنے پتے اٹھائے۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے پتے دیکھ رہا تھا۔

اس کے پاس ایک بادشاہ ایک بیگم اور ایک جوکر تھا۔ تینوں ہی شاندار پتے تھے۔ وہ بھی خوش ہو گیا لیکن اس نے بھی اپنی مسرتوں کو اندر ہی اندر کچل دیا تاکہ کوئی اس کے چہرے سے اس کی کامیابی کو نہ پڑھ سکے۔ اس نے اپنے پتوں کو میز پر اوندھا نے کے بعد دو سو ڈالر کی چال چلی۔ دوگنی چال چلتے دیکھ کر سب لوگ ٹھٹھک گئے۔ اس کے ساتھ والے نے بھی اپنے پتے اٹھا لیے۔

میں ان پتوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے پاس ایک اٹھا ایک نہلا اور ایک تگی آئی تھی۔ وہ جھنجلا کر اپنے پتے پھینک کر بڑبڑانے لگا۔ وہ بے چارا آؤٹ ہو گیا تھا۔ چوتھے آدمی نے اپنے پتے اٹھائے میں نے اس کے پتے دیکھے۔ اس کے پاس ایک نہلا ایک اٹھا اور ایک ستہ تھا۔ بہت ہی اچھے رنگ کے پتے تھے۔ اس نے مطمئن ہو کر دو سو ڈالر کی چال چل دی۔

اس کے بعد سونیا کی باری آئی۔ وہ پتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ بلینک چال صرف پچاس ڈالر چلنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اب جو کچھ بھی اس کے پاس رقم ہے وہ اندھی چال چل کر بازی کھیلے گی۔ جیتنا ہو گا تو جیت لے گی ورنہ ہار کر وہاں سے اٹھ جائے گی۔

لیکن میں نے اس کی سوچ میں اسے قائل کر دیا کہ وہ پتے دیکھے۔ آخر اس نے اپنے پتے اٹھا لیے انہیں ایک ایک کر کے الٹ کر دیکھا تو اس کی دونوں ہتھیلیوں میں اس وقت تین بیگمات چھپی ہوئی تھیں۔ اس نے بھی اپنی مسکراہٹ کو بڑی جلدی دبا لیا پھر ان پتوں کو اوندھا رکھنے کے بعد پانچ سو ڈالر کی چال چل دی۔ یہ ایسی دھماکہ خیز چال تھی کہ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ شار پر اور دوسرے لوگ سوچ رہے تھے کہ نئی اور اناڑی لڑکی کھیلنے آئی ہے اور جیت نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے اس لیے اس قسم کی چال چل رہی ہے یعنی بہت سے لوگ اس فریب میں مبتلا ہو گئے کہ سونیا کے پاس بڑا پتہ نہیں ہے۔ ہاں دکھاوے کے لیے بڑی چالیں چل رہی ہیں۔

سونیا کے بعد باقی... کھلاڑیوں نے بھی پتے اٹھائے۔ ان کے پتے چھوٹے تھے۔ قابلِ ذکر نہ تھے۔ پھر کھیل جاری ہو گیا اب جس کے پاس ستہ، اٹھا اور نہلا کے رنگ پتے تھے وہ تذبذب میں مبتلا ہو گیا تھا کہ چال آگے بڑھائے یا نہ بڑھائے۔ سبھی بڑھ چڑھ کر چالیں دے رہے تھے۔ آخر چوتھی چال جب ایک ہزار تک پہنچ گئی تو اس نے اپنے پتے ڈراپ کر دیے۔

اب سونیا کے سامنے پانچ کھلاڑی رہ گئے تھے اور ہزار ہزار ڈالر کی چالیں چلی جا رہی تھیں اور اتنی بڑی چال چلنا ہر ایک کا حوصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری تیسری چال میں ایک ایک دو دو کھلاڑی اپنے پتے رکھ کر وہاں سے ہٹ گئے۔ آخر میں صرف تین کھلاڑی رہ گئے۔ ایک سونیا ایک شار پر اور ایک فرانسیسی سرمایہ دار تھا جو اپنی ضد پر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ضد یوں بھی درست تھی کہ اس کے پاس ایک بادشاہ ایک بیگم اور ایک جوکر کا سیٹ تھا اور یہ اتنے بڑے پتے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی بڑی سے بڑی شرط لگا کر کھیل سکتا ہے۔

سونیا نے ہیرے کی ایک انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے بیگ میں ہیرے کا ایک نیکلس اور ایئرنگ رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے جوئے خانے کے منیجر کو بلا کر وہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں پھر انہیں گروی رکھ کر پچیس ہزار ڈالر وصول کر لیے اور اس کے بعد اپنا کھیل جاری رکھا۔

یہ مثل مشہور ہے کہ عورت اپنا خون بیچ دیتی ہے لیکن اپنا زیور کبھی نہیں بیچتی لیکن سونیا کو اپنا زیور بیچتے دیکھ کر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یا تو وہ بالکل ہی لاپروا قسم کی عورت ہے یا پھر اس کے پاس یقیناً بہت بڑے پتے آئے ہیں تبھی وہ اپنے زیورات کو داؤ پر لگا رہی ہے۔

اس کی یہ چالیں دیکھ کر شار پر نے فرانسیسی سرمایہ دار سے کہا" آؤ آپس میں سمجھوتہ کر لیں۔ جس کے پاس بڑے پتے ہوں، وہ میڈم سوزی کے ساتھ کھیلے گا ورنہ ہم بازی ہار جائیں گے۔"

فرانسیسی سرمایہ دار کے لیے انا کا مسئلہ تھا وہ ایک عورت کے سامنے نہ تو ہارنا چاہتا تھا نہ کسی سے سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا میں سمجھوتے کے لیے راضی نہیں ہوں۔ تمہیں کھیلنا ہے تو کھیلو ورنہ پتے پھینک دو۔"

شار پر نے سونیا سے یہی بات کہی۔ سونیا نے جواب دیا۔ "تاش کے کھیل میں سمجھوتہ بازی ایک بہت بڑی حماقت ہے۔ تم دونوں اگر سمجھوتہ کر لیتے تو میں ہوشیار ہو جاتی کہ جو میدان میں ڈٹ گیا ہے اس کے پاس یقیناً مجھ سے بڑے پتے ہوں گے اب دونوں کھیل رہے ہو تو میں مطمئن ہو کر تم دونوں سے کھیل سکتی ہوں اسی طرح ہم دونوں کے درمیان اگر سمجھوتہ ہو گیا اور تمہارے پتے بڑے نکل آئے تو یہ فرانسیسی صاحب ہمارے اس سمجھوتہ بازی سے

ہوشیار ہو جائیں گے کہ پتے یقیناً بڑے ہیں اسی لیے کھیل جلدی نکلا جا رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم کھیلتے رہیں جس کو ڈراپ کرنا ہوگا وہ ڈراپ ہو جائے گا۔"

بہر حال کھیل جاری رہا۔ فرانسیسی سرمایہ دار کے مقابلے میں شارپر کے پاس بڑے پتے تھے لیکن وہ اس جوئے خانے کا مالک تھا اور وہاں کی رقم بہت زیادہ داؤ پر لگا نہیں سکتا تھا اسے اپنے دوسرے حصہ دار مالکوں کو جواب دینا پڑتا اس لیے اس نے اپنے پتے پھینک دیے۔ اب میدان میں صرف وہی فرانسیسی سرمایہ دار سونیا کے مقابلے میں رہ گیا تھا۔ دونوں بڑھ بڑھ کر چالیں چلنے لگے۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے اندر سونیا کے پاس جو چھبیس ہزار ڈالر تھے ان میں سے صرف پانچ ہزار ڈالر باقی رہ گئے۔ سونیا فکر مند تھی کہ چال کیسے آگے بڑھاتے۔ آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ شو کرا دے چونکہ ابھی ڈھائی ہزار کی چال چلی جا رہی تھی تو اسے شو کرانے کے لیے پانچ ہزار دینے پڑتے اور وہ اس کے لیے راضی ہو گئی تھی۔

میں چاہتا تھا کہ وہ بازی جلد ختم ہو جائے اس لیے خاموشی سے تماشہ دیکھتا رہا۔ سونیا نے پانچ ہزار ڈالر کے ٹوکن آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شو۔"

مقابل نے اپنے کارڈ شو کر دیے۔ اس کے مقابلے میں سونیا نے اپنی تین بیگمات اس کے آگے رکھ دیں اور تمام ٹوکن کو اپنے آگے سمیٹ لیے سب لوگ تعریفی انداز میں "واہ۔ واہ" کر رہے تھے ایک عورت نے قریب آ کر اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "واہ مادام! تم نے آج عورتوں کا نام اونچا کر دیا۔ خوب شکست دی ہے ان لوگوں کو۔ معلوم ہوتا ہے آج کی رات تم جیت جیت کر پیرس کی سب سے زیادہ مالدار خاتون بن جانا چاہتی ہو۔"

سونیا نے کہا۔ "بس جتنا کھیلنا تھا میں کھیل چکی۔ اب میں یہاں سے جاؤں گی لیکن اتنے ٹوکن میں کہاں رکھوں۔ میرے پاس تو جگہ نہیں ہے۔"

اس خاتون نے ایک بیگ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے پاس اتنا بڑا بیگ موجود ہے اس میں ٹوکن رکھ لو مگر ہاں جیت کی خوشی میں مجھے سو ڈالر ضرور دے دینا۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "سو نہیں دو سو ڈالر دوں گی چلو تمام ٹوکن سمیٹ کر اس میں ڈال لو۔"

فرانسیسی سرمایہ دار نے کہا۔ "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ابھی آدھی رات بھی نہیں گزری ہے اور تم کھیل ادھورا چھوڑ کر جا رہی ہو۔"

سونیا نے جواب دیا۔ "کھیل ادھورا نہیں مکمل کر کے جا رہی ہوں۔ جیت میری ہوئی ہے اس لیے میرے لیے کھیل مکمل ہے۔ جو لوگ ہار رہے ہیں ان کے لیے یہ بازی ہمیشہ ادھوری رہے گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس عورت کے ساتھ چل پڑی۔ کاؤنٹر کے پاس آ کر اس نے اتنے بڑے بیگ کو کاؤنٹر کے اوپر رکھا تو کاؤنٹر مین نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "اتنی رقم ہم کاؤنٹر پر نہیں رکھتے ہیں۔ اسے کیش کرانے کے لیے آپ کو اندر جانا ہوگا۔"

اس نے اندر ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ سونیا کے ساتھ آنے والی عورت نے کہا۔ "میں جانتی ہوں۔ آؤ میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں وہاں تمام کیش تمہیں مل جائے گا۔"

سونیا کی چھٹی حس نے کہا آگے خطرہ ہے لیکن جان کا خطرہ نہیں ہے کیونکہ اس جوئے خانے میں آنے کا دستور یہ تھا کہ باقاعدہ رجسٹر میں نام درج ہوتا تھا پھر کھیلنے والے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کہ وہ فلاں وقت جوئے خانے میں داخل ہو رہے ہیں پھر جوئے خانے سے باہر نکلتے وقت بھی انہیں دستخط کرنے پڑتے تھے۔ اس طرح پولیس والوں کے پاس ان کے آنے جانے کا ریکارڈ برابر موجود رہتا تھا۔ سونیا کو جان کا خطرہ نہیں تھا اس لیے وہ اس عورت کے ساتھ اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

آگے ایک تنگ راہداری تھی۔ وہ دونوں شانہ بہ شانہ وہاں سے گزرنے لگیں۔ وہ راہداری بائیں طرف مڑ گئی پھر آگے جا کر وہ دائیں طرف مڑ گئی پھر وہ دوسری بار بھی دائیں طرف مڑنے لگی تو اس کے پیچھے اچانک ہی ایک جالی دار دروازہ ایک زور دار جھٹکے سے بند ہو گیا۔ سونیا نے پلٹ کر دیکھا وہ دروازہ چھت پر سے آیا تھا اور نیچے پہنچ کر فرش پر جم گیا تھا۔ زمین نے اس دروازے کو جکڑ لیا تھا۔ سونیا اگر پلٹ کر اس دروازے کو کھولنا چاہتی تو کھول نہ سکتی اور اسے کھولنے کی ضرورت بھی نہیں تھی وہ کسی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ خوفزدہ ہے۔

اس نے سامنے کی طرف پلٹ کر دیکھا جدھر اسے گزرنا تھا وہاں سامنے کاریڈور کے آخری سرے پر ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اس دروازے کے پرے ایک بڑا ہال نما کمرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ کمرہ بڑی نفاست سے اور بڑی ہی خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد تقریباً بارہ تھی۔

وہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جب سونیا دروازے سے داخل ہوئی تو وہ سب خاموش ہو گئے اور اسے دیکھنے لگے پھر ایک بڑے سے صوفے پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا۔ "مادام اندر چلی آؤ۔ ہم تمہارے کھیلنے کے انداز سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

سونیا نے کہا۔ "مجھے سوزی بونزو کہتے ہیں۔"

"یہ نام تمہاری شخصیت کے ساتھ نہیں جچتا ہے۔ بونزو تمہارے باپ کا نام ہے یا شوہر کا۔ اگر شوہر کا ہے تو تم شوہر والی نظر نہیں آتی ہو۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "کیا تم قیافہ شناس ہو کہ میرے چہرے کو پڑھ کر میری ہسٹری معلوم کر رہے ہو؟"

اس صوفہ پر بیٹھنے والے شخص نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں! تم نے مجھے درست سمجھا ہے۔ میں قیافہ شناس ہوں اور میں تمہارے چہرے کو دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ یہ تمہارا اصلی چہرہ نہیں ہے۔"

سونیا کھل کر مسکرانے لگی پھر بولی۔ "ہاں میں اس مصنوعی چہرے سے بیزار ہو گئی ہوں۔ جس دشمن کو بیوقوف بنانا چاہتی تھی وہ بیچارہ ابھی پولیس کی حراست میں ہے اور میں یہ میک اپ اتار دینا چاہتی ہوں۔ کیا تم میرے لیے ونشنگ کریم منگا سکتے ہو؟ میں ابھی تمہیں اپنا اصلی چہرہ دکھا کر خوش کر دوں گی۔"

وہ بڑے صوفے پر بیٹھنے والا شاید سب کا باس تھا۔ اس نے سونیا کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس طرح مطمئن نظر آتی ہو جیسے یہاں تمہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے اور تم اپنے ہی گھر میں کھڑی ہوئی ہو۔"

سونیا نے جواب دیا۔ "ایک بات میں بتا دوں کہ میں بھی کچھ قیافہ شناسی جانتی ہوں اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے اپنے سامنے بات کرنے والے کے مقصد کو سمجھ لیتی ہوں۔"

"بہت اچھے۔ تو پھر بتاؤ کہ میرا مقصد کیا ہے۔ میں تمہارے لیے کیا ارادے رکھتا ہوں؟"

سونیا نے جواب دیا۔ "تم مجھے مارنا نہیں چاہتے۔ کوئی جانی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ تم میری صلاحیتوں سے متاثر ہو اور مجھے اپنے جوئے خانے میں انگیج کرنا چاہتے ہو۔ کیا یہ غلط ہے؟"

"تمہاری بات ایک طرح سے درست ہے اگر تمہیں کھیلنے کا فن آتا ہے اگر تم پتے لگا سکتی ہو۔ اگر تم کھیل کے دوران دوسرے کو فریب دے سکتی ہو تو سمجھ لو کہ یہاں تمہاری نوکری پکی ہے تمہیں منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔ بڑے عیش و آرام سے زندگی گزارو گی۔ دوسری صورت میں ہم کبھی پسند نہیں کریں گے کہ کوئی لاکھوں ڈالر ایک رات میں بلکہ دو گھنٹے میں جیت کر لے جائے ہم یہاں حساب لگا رہے ہیں کہ تم نے دو گھنٹے میں تقریباً ایک لاکھ ڈالر جیت لیے ہیں اور یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ ہم اس کا نقصان برداشت نہیں کریں گے۔"

"اگر میں تمہارے ہاں ملازمت کرنے سے انکار کر دوں تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

باس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تم تو قیافہ شناس ہو میرے لب و لہجے سے بھی اندازہ کر لو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"

سونیا نے کہا۔ "میں ابھی نہیں بتا سکتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے ارادے نیک بھی ہیں اور نہیں بھی ہیں۔ بہر حال میں سمجھوتے کے انداز میں تم سے باتیں کروں گی۔"

اتنے میں میک اپ اتارنے کا تمام سامان آ گیا۔ سونیا ایک صوفے پر بیٹھ کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔ آئینہ سامنے رکھ کر وہ اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اور ونشنگ کریم سے میک اپ کو صاف کر رہی تھی اور تولیہ سے پونچھتی بھی جاتی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی مصنوعی چہرہ اتر گیا اور اصل چہرہ نکھر آیا۔

سونیا کا خیال تھا کہ اس کا اصل چہرہ دیکھتے ہی وہ لوگ اسے سونیا کی حیثیت سے پہچان جائیں گے کیونکہ پچھلے دنوں میرے سلسلے میں اس کی بھی کافی تصویریں شائع ہوئی تھیں اور لوگ فرہاد علی تیمور کے نام کے ساتھ سونیا کے نام سے بھی اچھی طرح واقف ہو گئے تھے لیکن اسے وہاں مایوسی ہوئی جب کسی نے اسے نہیں پہچانا۔ البتہ ایک بوڑھے شخص نے اسے دیکھ کر کہا۔ "یہ عورت مجھے کچھ جانی پہچانی لگتی ہے۔ مجھے یاد کرنے دو کہ میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "تم لوگ یہاں سے جیتنے والے کو واپس نہیں جانے دیتے پھر اس رجسٹر کو کس طرح پُر کرتے ہو۔ تم کیسے دکھاؤ گے کہ میں جوئے خانے سے واپس گئی تھی؟"

باس نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اس شخص نے ایک رجسٹر سونیا کے آگے ایک میز پر رکھ دیا۔ پھر باس نے کہا۔ "یہ وہی رجسٹر ہے۔ ہم یہاں بلاتے ہیں اور اس سے جبراً واپسی کے دستخط لیتے ہیں۔ جو دستخط نہیں کرتا اسے اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں۔"

سونیا نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ بارہ مرد ایک عورت کو اذیتیں دینے کے لیے جمع ہیں؟"

"نہیں یہ سب معزز افراد ہیں۔ ان میں سے صرف چار آدمی ہمارے معیار کے خلاف ہیں یعنی تم جیسی عورتوں کو سیدھا کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ تمہارے لیے ایک ہی مرد کافی ہوگا۔"

سونیا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر ہال کے کھلے حصے میں جا کر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔ "میرے لیے تو تمہارے یہ چار مرد بھی ناکافی ہیں۔ یقین نہ ہو تو انہیں میرے پاس بھیج دو۔ میں بتاتی ہوں کہ دستخط کیسے لیے جاتے ہیں۔"

ایک شخص تیر کی طرح دوڑتا ہوا آیا اور اس نے سونیا پر چھلانگ لگا دی۔ سونیا ایسی چھلانگوں سے بچنے کا فن جانتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھلانگ لگانے والا اس کے سر سے گزرتا ہوا دوسری طرف جا کر فرش پر گر پڑا۔ سونیا نے معصومیت سے باس کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "اسے کیا ہو گیا ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دوسرا شخص دوڑتا ہوا آیا۔ سونیا نے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ سونیا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا لیکن سونیا نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا پھر دوسری طرف گھومتے ہوئے بائیں ہاتھ سے ایک کراٹے کا ہاتھ رسید کیا۔
وہ مار کھا کر جھکا تو سونیا نے دوسری طرف سے پلٹ کر ایک لات اس کے منہ پر جمائی۔ وہ لات کھا کر دوسری طرف الٹ گیا۔ اب تیسرا شخص اس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ جو پہلا شخص گرا ہوا تھا، وہ بھی سونیا کی طرف حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہا تھا۔ اسی وقت وہ بوڑھا ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا "رک جاؤ، خبردار اسے ہاتھ نہ لگانا۔ مجھے یاد آ گیا ہے یہ سونیا ہے۔ فرہاد علی تیمور کی سونیا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد آ گیا ہے۔ پاگلو احمقو! ہٹ جاؤ ورنہ تمہاری شامت آ جائے گی۔"
یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہوا ٹیلیفون کی طرف گیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اتنی دیر میں میں نے اس کے دماغ سے معلوم کر لیا تھا کہ وہ ماسٹر موس ٹرودنی کو اطلاع دے رہا ہے۔
وہ سب لوگ اپنی جگہ تھم گئے تھے۔ اپنی جگہ پتھر کے مجسمے کی طرح جم گئے تھے اور سونیا کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے اُن کے درمیان کوئی بلا آ گئی ہو۔ ایسی بلا جس سے وہ نفرت نہیں کر سکتے تھے جس کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے تھے بلکہ جس کی عزت اور جس کا احترام کرنے پر وہ مجبور تھے۔
وہ بوڑھا ریسیور کو کان سے اور منہ سے لگائے بول رہا تھا۔ "ہاں ماسٹر! بہت بڑی خوشخبری ہے سنو گے تو خوشی سے اچھل پڑو گے ہر ہائی نس مادام سونیا ہمارے درمیان تشریف لائی ہیں اس وقت ہمارے درمیان موجود ہیں۔ بس جلدی سے آ جاؤ۔"
تھوڑی دیر تک وہ دوسری طرف کی باتیں سنتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں یقین نہ آئے تو میں مادام سے کہتا ہوں کہ وہ فون پر باتیں کریں۔"
اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مادام! کیا آپ ہمارے ماسٹر موس ٹرودنی سے باتیں کرنا پسند کریں گی؟ وہ آپ سے ملنے کے لیے بہت بیتاب ہے۔"
سونیا نے کہا۔ "مگر میں ملنے کے لیے بیتاب نہیں ہوں آخر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ میں کسی ماسٹر سے کسی قسم کی کوئی گفتگو کرنا پسند نہیں کرتی۔"
وہ بوڑھا ریسیور کے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر بولنے لگا۔ "ماسٹر! مادام میرا مطلب ہے ہر ہائی نس آپ سے بات کرنا پسند نہیں کرتی ہیں — ہو سکے تو فوراً یہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔"
وہ دوسری طرف سے کچھ باتیں سننے کے بعد ریسیور رکھ کر سونیا کی طرف دیکھنے لگا۔ سونیا نے کہا۔ "آئندہ تم میں سے کوئی مجھے ہر ہائی نس نہ کہے۔ میں کسی ملک کی ملکہ نہیں ہوں کہ مجھے اس طرح مخاطب کیا جائے۔ میں اسے پسند نہیں کرتی۔"
وہ بوڑھا اور جوئے خانے کا باس دونوں باری باری خوشامدانہ انداز میں کہنے لگے کہ وہ صرف کسی ملک کی نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے والی ملکہ ہے اسی لیے اُسے ہر ہائی نس کہا جاتا ہے اور یہ کہ سپر ماسٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ فرہاد کے لیے ایک الگ ریاست قائم ہونی چاہیے۔
سونیا نے ناگواری سے کہا۔ "الگ ریاست فرہاد ہی کو مبارک ہو۔ اگر وہ زندہ ہے تو اسے کسی ریاست کا راجہ بناتے رہنا مگر میں رانی بننے کے لیے تیار نہیں ہوں مجھ سے کسی دوسرے موضوع پر بات کرو۔"
میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا کیونکہ میں ہوٹل کے جس کمرے میں سو رہا تھا اس کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ میں دیکھا تو دو بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ اتنی رات کو بھلا کون مجھے بیدار کرنے آ سکتا ہے؟ میں نے غلام کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ سو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید ہوٹل کا منیجر یا کوئی ملازم کسی ضروری کام سے دستک دے رہا ہوگا۔ اس لیے میں اُٹھ کر دروازے کے پاس آ گیا۔
میں نے دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا تو باہر برآمدے کی روشنی میں ایک حسین بنگالی عورت کھڑی ہوئی تھی — وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی تو میں نے پوری طرح دروازے کو کھولتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے۔"
اس نے بنگالی زبان میں کچھ کہا۔ میں وہ زبان جانتا تو نہیں تھا لیکن اُسے سمجھنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ اس میں اردو کے الفاظ بہت زیادہ تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا وہ بہت سہل بنگالی زبان بول رہی ہے۔ اس نے کہا۔ "میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔"
وہ کمرے کے اندر آ گئی۔ میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ . . . . . . "کیا تم انگریزی زبان میں باتیں کر سکتی ہو؟ اگر ایسا ہو تو ہم آسانی سے ایک دوسرے کی گفتگو سمجھ سکیں گے۔"
وہ مسکرائی، پھر بولی۔ "بنگالی پاکستان کی بہت بڑی زبان ہے ہمیں افسوس ہے کہ تم پاکستان کے دوسرے حصے کے رہنے والے ہماری زبان نہ سمجھتے ہو نہ بولتے ہو اور نہ ہی اسے پسند کرتے ہو۔"
میں نے کہا۔ "یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے ورنہ ہم بنگالیوں کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو یہی دیکھ لو کہ میں نے تمہیں دیکھتے ہی پسند کر لیا ہے۔"
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔ "تم باتیں بنانا خوب جانتے ہو۔"
وہ بنگالی حسن بڑا ہی جاذبِ نظر تھا۔ یوں تو ہر عورت میں ایک انفرادی کشش ہوتی ہے لیکن بہت کم عورتیں مجھے اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ بنگالی عورت تھی جو میری توجہ بار بار اپنی

طرف مبذول کر رہی تھی اور میں خود کو بے اختیار اس کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔
ایسی بے اختیار خواہش پہلے کبھی میرے دل میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اب اگر ایسی خواہش جنم لے رہی تھی تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ بنگال کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اور وہ میرے اعصاب پر سوار ہو کر قہقہے لگا رہی تھی۔
میں نے آگے بڑھ کر اُس کے بھرے بھرے بازوؤں کو پکڑ لیا۔ بڑا گداز تھا اس میں، بڑی مقناطیسیت تھی۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا کر بنگالی زبان میں چیخ کر کچھ کہا۔ میں تیزی سے پلٹ کر دروازے کی طرف جانا چاہتا تھا اتنے میں ایک دھماکے سے دروازہ کھل گیا اور تین آدمی ریوالور لیے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ اُن میں سے ایک نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ دوسرے نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "مسٹر! وہ بریف کیس ادھر لے آؤ۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور یہاں سے چپ چاپ چلے جائیں گے۔"
وہ اس بریف کیس کو حاصل کرنے آئے تھے جس میں میرے قیمتی ہیرے رکھے ہوئے تھے۔ میں اس بریف کیس کو گشتی گاڑی سے نکال کر اس کمرے میں اپنے ساتھ لے آیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اس بریف کیس کی اتنی زیادہ اہمیت کا احساس کیسے ہوا؟ پہلے ایک حسین بنگالی عورت جال پھیلانے آئی اور اُس کے پیچھے تین ریوالور بردار آ دھمکے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ بریف کیس بہت قیمتی ہے پھر بھی آخر انہیں یہ اندازہ کیسے ہوا؟
مجھے خیال آیا کہ اس کی اہمیت کو صرف چیک پوسٹ کے وہ دو افسر سمجھ سکتے تھے جنھوں نے بارہا اُس بریف کیس تک جا کر اُسے کھولنے کی کوشش کی تھی اور ناکام واپس چلے آئے تھے۔ اُن کے دلوں میں یہ تجسس ہو سکتا تھا کہ آخر وہ اس بریف کیس تک کیوں نہیں پہنچ سکے۔ کون سی پُراسرار طاقت انہیں وہاں تک پہنچنے سے روک رہی تھی، شاید یہی دیکھنے کے لیے انھوں نے ان لوگوں کو بریف کیس تک پہنچنے کے لیے بھیجا ہو۔ اب یہی بات میری سمجھ میں آ رہی تھی۔
اُن تین ریوالور والوں سے نمٹنا میرے لیے ممکن نہ تھا اور یہ بھی میرے لیے قابلِ برداشت نہیں تھا کہ... بیس لاکھ ڈالر یعنی تقریباً ایک کروڑ روپے کے ہیرے میں اِن لوگوں کے حوالے کر دیتا۔ میں نے تھوڑی دیر تک سوچا وہ مطالبہ کرنے والا کہہ رہا تھا۔ "سوچتے کیا ہو؟ چپ چاپ وہ بریف کیس ہمارے حوالے کر دو، ورنہ ابھی ایک گولی تمہیں سے لگے گی اور تم ٹھنڈے ٹھنڈے فرش پر لیٹ جاؤ گے۔"
میں نے اس حسینہ کی طرف مسکرا کر دیکھا پھر کہا۔ "میں وہ بریف کیس صرف تمہیں دے سکتا ہوں۔"
یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی لیکن جواباً مسکرانے لگی کیونکہ اب وہ میری خیال خوانی کی مٹھی میں تھی، اُس نے مسکرا کر کہا۔ "ٹھیک ہے، وہ بریف کیس مجھے ہی دے دو۔"
میں نے اس سے کہا۔ "وہ بریف کیس میں سب کے سامنے نکال کر نہیں دے سکتا۔ وہ ایسی جگہ رکھا ہوا ہے کہ میں وہ جگہ کسی کو بتا نہیں سکوں گا صرف تمہیں دکھا سکتا ہوں۔ بہتر ہے ان لوگوں سے باہر جانے کے لیے کہو اور مجھ سے وہ بریف کیس لے لو۔"
وہ پھر انکار کرنے والی تھی کیونکہ میرے باتیں کرنے کے دوران اس کا دماغ آزاد تھا لیکن میں نے فوراً ہی اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا وہ کہنے لگی۔ "اچھا بات یہ ہے میں یہاں رہوں گی اور میرے آدمی باہر جائیں گے۔"
ایک شخص نے اعتراض کیا۔ "نہیں، ہم یہاں سے نہیں جائیں گے بریف کیس لے کر ہی ہمیں یہاں سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے۔"
اس عورت نے کہا۔ "میں تمہاری رہنمائی کر رہی ہوں۔ میں تمہیں اس کمرے تک لائی ہوں اور اس کمرے سے بریف کیس لے کر میں ہی نکلوں گی۔ تم سب باہر جاؤ میرے حکم کے خلاف عمل کرو گے تو میں تمہارے مشن کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"
تھوڑی دیر تک ان لوگوں کے درمیان بحث ہوتی رہی پھر وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے باہر جائیں گے۔ اور لڑکی فوراً ہی بریف کیس لے کر باہر آ جائے گی۔ بات طے ہوتے ہی وہ تینوں دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔ چونکہ اُس حسینہ کا دماغ میری مٹھی میں تھا اس لیے اُس نے میری مرضی کے مطابق دروازے کو فوراً ہی اندر سے بند کر دیا۔
پھر وہ دروازے کے پاس سے پلٹ کر میرے پاس آئی اور اپنی گداز بانہوں کو میرے گلے کا ہار بنا دیا۔ اسی وقت میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے گھبرا گئی میرے بازوؤں میں اُلجھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اسے اپنے ساتھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے اُس سے کہا۔ "اچھی طرح دیکھ لو۔ اس کمرے میں ہم ہی دونوں موجود ہیں۔ اور تمہارا کوئی آدمی یہاں نہیں ہے اور یہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ ایسا کیوں ہوا اور کیسے ہوا؟"
عورتیں توہم پرست ہوتی ہیں اور جادو ٹونے کو بھی مانتی ہیں وہ سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اُس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کسی جادوگر کے پنجے میں آ پھنسی ہے۔ ابھی اس کے تین حمایتی ریوالور لے کر آئے تھے۔ اُن کی کامیابی یقینی تھی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس کے حمایتی باہر چلے گئے تھے اور دروازہ بند ہو گیا تھا اور وہ میرے بازوؤں میں قید ہو گئی تھی۔ یہ سب کیسے ہوا تھا؟ وہ نہیں جانتی

تھی ۔اسے جادو ہی کہہ سکتے تھے اور وہ اسے جادو ہی سمجھ رہی تھی۔ پھر وہ سہم کر بولی "کیا۔۔کیا تم مجھے جان سے مار ڈالو گے؟"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، مگر تم مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتی تھیں۔"

وہ بولی "تم جادوگر ہو۔ کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ سب خالی ریوالور تھے۔ تمہیں محض دھمکی دی جا رہی تھی۔"

"خواہ مخواہ دھمکی کیوں دی جا رہی تھی؟ تم لوگ کون ہو؟"

"ہم اُن افسروں کے رشتے دار ہیں جو کچھ دیر پہلے تمہاری گاڑی کی چیکنگ کر رہے تھے۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آخر تمہارے اس بریف کیس میں کیا ہے؟ اور وہ ہزار کوشش کے باوجود اس بریف کیس تک کیوں نہیں پہنچ سکے تھے؟ میں نے دعوےٰ کیا تھا کہ وہاں تک پہنچ کر دکھاؤں گی۔ اسی لیے میری رہنمائی میں یہ تین آدمی بھیجے گئے ہیں۔"

"میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ تم اس بنگالی آفیسر کی رشتہ دار ہو۔ اگر اس کی کوئی عزیزہ ہوتی تو وہ مجھ جیسے کسی جادوگر کے سامنے تمہیں یوں چارہ بننے کے لیے نہ ڈال دیتا۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ اور سیدھی سچی باتیں بیان کر دو۔"

یہ کہہ کر میں اُس کے چہرے پر جھک گیا۔ اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ اس طرح وہ چند لمحے خاموش رہ کر سوچ سکتی تھی تھوڑی دیر بعد میں نے پھر اپنے سوال کو دہرایا "تم خاموش نہ رہو بولتی جاؤ میں بہت عرصے بعد اپنے وطن واپس آیا ہوں اور یہاں آتے ہی اپنے لوگوں کے ظلم ۔۔۔ کا شکار ہو رہا ہوں۔ بہت عرصے بعد میں نے بنگال کے حسن کو اپنی سانسوں کے قریب دیکھا ہے کوئی ظلم کر رہا ہے تو تم مجھ جیسے مظلوم کو بنگالی زلفوں کی چھاؤں میں پناہ دے دو اور بولتی رہو اور میں سنتا رہوں۔"

وہ بولنے لگی "ہم خانہ بدوش بنگالی ہیں۔ ہمارا قبیلہ یہاں سے گزرتا ہوا رانگا ماٹی کی طرف جا رہا تھا کہ پولیس چوکی والوں نے ہمیں روک لیا۔ ہماری چیکنگ کرنے لگے اور ہم سے کچھ طلب کرنے لگے۔ ہمارے پاس رقم نہیں تھی۔ تب ایک آفیسر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ عورت بہت حسین ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس گشتی گاڑی والے پر اس کا جادو چل جائے۔"

پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ تم اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہو اور میں جا کر تمہیں اپنے جالِ حسن کے جال میں پھانس لوں۔ پھر ان کے دو چار آدمی ریوالور لے کر آئیں گے اور تمہیں دھمکی دے کر اس بریف کیس کو لے جائیں گے۔ میں ان کی باتیں سن رہی تھی کہ انہوں نے بارہا بریف کیس کو حاصل کرنا چاہا تھا مگر کسی وجہ سے حاصل نہیں کر سکے تھے اور تم انہیں پُراسرار نظر آ رہے تھے۔"

میں نے پوچھا "جب وہ لوگ مجھے پُراسرار کہہ رہے تھے تو کیا تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگا تھا؟"

"نہیں، مجھے اسراریت سے دلچسپی ہے۔ میں نے سنا تو مجھے تمہاری ذات سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں نے دعویٰ کیا کہ میں وہ بریف کیس لے آؤں گی تو میرے قبیلے کو وہاں سے گزرنے کی اجازت دے دی جائے گی وہ اس بات پر راضی ہو گئے۔ اب میں اپنے قبیلے والوں کو آگے بڑھانے کے لیے یہ بریف کیس لینے کے لیے یہاں تک آئی ہوں۔"

وہ بولتی رہی۔ میں اس کو پڑھتا رہا۔ آدھ گھنٹے بعد وہ میرے پاس سے اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ میں نے اسی وقت اپنی جگہ سے اُٹھ کر بریف کیس کو کھولا۔ اس میں سے تمام قیمتی ہیرے نکال کر اپنے ایک بیگ میں رکھ لیے پھر گشتی گاڑی کے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ اس بریف کیس میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ۔۔۔ وہ باتھ روم سے باہر آئی تو میں نے اس سے کہا "تم نے یہاں تک اپنے قبیلے کے لیے آکر بہت بڑی دلیری کا ثبوت دیا ہے۔ یہ بریف کیس لے جاؤ اُن سے یہی کہنا کہ ۔۔۔ ان آدمیوں نے ریوالور سے دھمکیاں دے کر مجھ سے بریف کیس حاصل کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات کہو گی تو وہ یقین نہیں کریں گے۔"

اس کی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ اس نے بالوں کو سمیٹ کر ایک جوڑا باندھتے ہوئے مجھ سے پوچھا "اس بریف کیس میں کیا ہے؟"

"اس میں میرے اہم کاغذات رکھے ہوئے ہیں جب وہ لوگ اس بریف کیس کو دیکھ لیں اور مطمئن ہو جائیں تو کوشش یہ کرنا کہ یہ بریف کیس مجھے واپس مل جائے۔ اُن سے کہنا کہ جب یہ چیزیں ان کے کام کی نہیں ہیں تو مجھے واپس کر دیں۔"

"میں ان سے یہ درخواست ضرور کروں گی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ خواہ مخواہ تمہارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟"

یہ کہہ کر اُس نے بریف کیس لیا۔ پھر جانے سے پہلے وہ میرے بالکل قریب آ گئی ہم تھوڑی دیر تک سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر میں نے اسے دروازے تک پہنچا کر چھوڑا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ باہر اُس کے تینوں آدمی کھڑے تھے اور اسے سوالیہ ۔۔۔ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر اس کے ہاتھ میں بریف کیس دیکھ کر وہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

اس بنگالی حسینہ نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ خانہ بدوش لڑکی ہے۔ خانہ بدوش لڑکی انگریزی اتنے فراٹے سے نہیں بول سکتی تھی۔ دراصل وہ اسمگلروں کے ایک گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔ چیک پوسٹ کے افسروں نے انہیں روکا تھا اور ان سے رشوت طلب کی گئی تھی۔ اس لڑکی کی دلیری اور ضدی طبیعت سے چیک پوسٹ کے افسران واقف تھے اس لیے اُسے تین آدمیوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور

ساتھ ہی تاکید بھی کر دی تھی کہ مجھے جانی نقصان نہ پہنچایا جائے کیونکہ پولیس کا معاملہ تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ہلاک کر دیا جاؤں کیونکہ اُن کے ایک سینئر آفیسر تک میری رپورٹ پہنچ گئی تھی آج اُس سینئر آفیسر نے میری حمایت میں اُن سے کہا تھا کہ مجھے پریشان نہ کیا جائے۔ اب اگر مجھے نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری اُن پر عائد ہو سکتی تھی۔

میں ایک سگریٹ سُلگا کر بستر پر لیٹ گیا اور اس کے کش لگاتا ہوا اس بنگالی حسینہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اُس کے ساتھی اس سے سوالات کر رہے تھے کہ وہ چالیس منٹ تک میرے کمرے میں کیا کرتی رہی تھی۔ اس پر اس حسینہ نے انہیں جھڑک دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ آم کھائیں پیڑ گننے سے مطلب نہ رکھیں۔ انہیں بریف کیس حاصل کرنا تھا سو حاصل ہو گیا، اب افسران کے پاس جا کر یہی کہا جائے گا کہ ریوالور سے دھمکیاں دے کر یہ بریف کیس حاصل کیا گیا ہے۔

میں نے ایک سگریٹ پھونک لینے کے بعد دوسرا سگریٹ جلایا پھر اس کے کش لگانے لگا۔ آدھ گھنٹے کے بعد میں اس سینئر آفیسر کے دماغ میں پہنچ گیا جو اپنی کوٹھی میں گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے پھر اُسے نیند کی حالت میں ٹریپ کیا، اُسے اپنا معمول بنا لیا، پھر ۔۔۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بستر سے اُٹھ کر ٹیلیفون کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اُسے حکم دیا کہ وہ آنکھیں کھول کر دیکھے لیکن اپنے ہوش میں نہ رہے۔ اُس نے میری ہدایت کے مطابق آنکھیں کھول دیں پھر وہ ٹیلیفون کے پاس ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہوا تو اس نے جونیئر آفیسر کو جھڑک کر کہا "یہ کیا حماقت ہے تم لوگوں نے اس گشتی گاڑی والے کا بریف کیس کیوں منگوا لیا ہے؟ اگر تم لوگ اپنی ملازمت بحال رکھنا چاہتے ہو تو فوراً اُس کا بریف کیس واپس کرو۔ اس بریف کیس میں اُس کے اہم کاغذات ہیں اور ایک کاغذ بھی گم نہیں ہونا چاہیے میرے حکم کی فوراً تعمیل کی جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر میں نے اُسے واپس اُس کے بستر پر پہنچا کر سُلا دیا۔ اور ۔۔ اپنے بریف کیس کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔

وہ دونوں افسران ناکامیوں کی وجہ سے مجھ پر جھنجھلا رہے تھے۔ ایک تو اُس بریف کیس میں سوائے کاغذات کے اور کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ دوسرے یہ کہ اُن کے سینئر آفیسر نے پھر انہیں ڈانٹ سنائی تھی اور انہیں وارننگ دی تھی۔ اب اس بریف کیس کو واپس کرنے کے لیے وہ اپنے کسی سپاہی کو بھیجنا چاہتے تھے۔ تب اس بنگالی حسینہ نے کہا "یہ بریف کیس میں لے کر آئی ہوں لہٰذا میں ہی اسے واپس پہنچاؤں گی اگر آپ مناسب سمجھیں۔"

آفیسر نے کہا "ٹھیک ہے، تم اسے لے کر آئی ہو۔ تم ہی وہاں تک پہنچا دو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ بریف کیس بحفاظت اُس کے پاس پہنچ جانا چاہیے ورنہ ہماری شامت آ جائے گی۔"

ابھی اُس کے واپس آنے میں دیر تھی اس لیے میں بستر سے اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر آیا۔ دروازے کو لاک کیا، پھر سیڑھیوں سے اُترتا ہوا کاؤنٹر کلرک کے پاس گیا۔ وہاں میں نے پی آئی اے کے بکنگ کاؤنٹر پر فون کیا اور معلومات حاصل کیں کہ کسی طیارے میں سیٹ خالی ہے یا نہیں؟ پتہ چلا کہ کل صبح جو طیارہ وہاں سے ڈھاکہ اور ڈھاکہ سے کراچی جانے والا ہے اُس میں چار سیٹیں خالی ہیں۔ میں نے دو سیٹوں کے لیے رقم دے کر ہوٹل کے ایک بوائے کو بکنگ آفس بھیج دیا وہ نہیں جانتا تھا کہ دوسری سیٹ میری بلی کے لیے ہے۔

ملازم نے رقم لی پھر وہاں سے چلا گیا۔ اتنے میں وہ بنگالی حسینہ واپس آ گئی اور میرے ساتھ میرے کمرے کی طرف جانے لگی اُس نے زینے پر چڑھتے وقت بریف کیس میرے حوالے کرتے ہوئے کہا "دیکھو، میں جیسے لے کر گئی ویسے ہی واپس لے کر آئی ہوں اسے کھول کر چیک کر لینا۔ تمام کاغذات موجود ہیں یا نہیں؟"

میں نے کہا "مجھے ان کاغذات کے متعلق زیادہ تشویش نہیں ہے اگر ہوتی، تو میں اتنی آسانی سے تمہیں یہ سب کچھ لے جانے کی اجازت نہ دیتا، بہرحال تمہارا شکریہ کہ تم نے دوبارہ یہاں آنے کی زحمت گوارا کی۔"

وہ میرے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی "اس میں زحمت کی کیا بات ہے؟ اب تو ہمارے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ یقین کرو کہ یہاں سے جاتے وقت تم ہی میرے ذہن پر چھائے رہے۔ میں تمہارے ہی بارے میں اب تک سوچتی رہی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آج رات یہاں رہوں اور کل صبح چلی جاؤں؟"

میں اُسے کیا جواب دیتا ویسے یہ کہنا غلط ہوگا کہ میں نے اُسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا بلکہ درست یہ ہے کہ بنگال کے حسن نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ ہم کھو گئے ۔۔۔ پھر اُس وقت میں چونکا جب دروازے پر دستک ہونے لگی تھی۔ میں جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ کون اس وقت دستک دے رہا ہے؟ میں نے پھر غلام کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ آرام سے سو رہا تھا۔ میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا "کون ہے؟"

دوسری طرف سے جواب سن کر میں نے اطمینان کی سانس لی۔ میں یہ بھول گیا تھا کہ میں نے ملازم کو پی آئی اے کا ٹکٹ خریدنے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ ٹکٹ لے کر واپس آیا تھا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔۔۔ اُس سے دو ٹکٹ لینے کے بعد اسے دس روپے انعام کے طور پر دیے۔ پھر اسے رخصت کر دیا۔

اب وہ سحرِ بنگال اپنی پریشان زلفوں کو سنوار رہی تھی۔ اُس نے پوچھا "یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "یہ جہاز کے ٹکٹ ہیں۔ کل صبح میں یہاں سے کراچی جا رہا ہوں۔"

وہ اپنے بالوں کو سلجھاتے ہوئے، پھر جُوڑا باندھتے ہوئے بولی۔

"میں بھی جا رہی ہوں۔"

"کہاں جا رہی ہو؟"

"جہاں سے ابھی آئی ہوں۔"

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ جانے والے مسافر سے دوستی نہیں کی جا سکتی۔ تم صبح جا رہے ہو، میں ابھی جا رہی ہوں۔ بس جتنی دوستی ہونا تھی، وہ ہو چکی۔"

پھر وہ چلی گئی ۔۔۔ میں نے اسے نہیں روکا۔ وہ دروازے میں پہنچ کر بولی۔ "تم بڑے بے مروت ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"ایسے کہ ایک بار بھی مجھے رکنے کے لیے نہیں کہا۔"

"میں جانے والا مسافر ہوں اور تم ابھی سے جا رہی ہو اور جو جاتے ہیں انہیں میں روکتا نہیں ہوں، اچھا خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کے جانے سے پہلے ہی دروازے کو بند کر دیا۔ وہ دوسری طرف کھڑی ہوئی غصے سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر جھنجلا کر وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

میں نے ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اب میں سونیا کے پاس پہنچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سونیا کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں کہ جوئے خانے کے خفیہ ہال نما کمرے میں... پیرس کا ماسٹر موس ٹرونی سونیا سے ملنے آیا تھا۔ سونیا اس سے دوستی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس نے اسے بہت مجبور کیا، اس کی بہت خوشامدیں کیں۔ تب سونیا نے ایک شرط پیش کی اور وہ یہ کہ ڈبل فنگر سے مقابلہ کرے گی، تب موس ٹرونی کی دوستی قبول کرے گی۔ موس ٹرونی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ڈبل فنگر اس وقت حوالات میں ہے صبح تک اسے چھڑا لیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ یعنی سونیا اس سے مقابلہ کر کے اپنی حسرت پوری کرے۔

یہ شرط ماننے کے باوجود ماسٹر نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی کہ سونیا اس سے مقابلہ کرنے کے خیال سے باز آ جائے کیونکہ وہ بے حد خطرناک قسم کا فائیٹر ہے اور اس کے آگے کسی بڑے سے بڑے چالاک فائٹر کی ایک نہیں چلتی۔

سونیا اپنی ضد کی پکی تھی، اس نے کہا۔ "میں اس سے مقابلہ کروں گی تب ہی تم سے دوستی ہو گی ورنہ نہیں۔"

بیچارہ ماسٹر موس ٹرونی اس کی ضد کے آگے مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے سونیا کی رہائش کے لیے عالی شان بنگلہ مہیا کر دیا۔ سونیا اس وقت اسی بنگلے میں آرام کر رہی تھی۔ اس وقت پیرس میں رات کے نو بج چکے تھے۔ سونیا اس وقت ایک آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی میرے متعلق سوچ رہی تھی کہ میں نے صبح سے اس کے دماغ میں شاید جھانک کر نہیں دیکھا ہے یا شاید میں اس سے غافل ہو گیا ہوں کیونکہ اسے میری موجودگی کا کوئی

احساس نہیں ہوا تھا۔ اس کی ایک سوچ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ فرہاد چپکے چپکے میرے دماغ میں جھانک رہا ہو اور مجھے احساس دلائے بغیر میری اس طرح مدد کر رہا ہو۔"

اس سوچ کے تحت وہ ذرا محتاط ہو کر سارے دن کا جائزہ لینے لگی کہ وہ کہاں کہاں رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آئے تھے۔

وہ یاد کرنے لگی کہ جب ڈاکٹر کی کوٹھی سے نکلی تھی تو باہر راستے میں ڈبل فنگر سے سامنا ہوا تھا۔ ڈبل فنگر نے اسے اپنی کار میں بٹھایا تھا اور وہ دونوں مقابلہ کرنے کے لیے کسی کھلے میدان کی طرف جا رہے تھے لیکن راستے میں اچانک ہی حالات بدل گئے اور... ڈبل فنگر پولیس کی حراست میں چلا گیا۔

وہ سوچنے لگی۔ "کیا اسے پولیس کی حراست میں دینے کا سہرا فرہاد کے سر ہے؟ کیا فرہاد نے کوئی چال چلی تھی؟"

وہ غور کرنے لگی تو پتہ چلا کہ جہاں ٹریفک رُک گیا تھا وہاں اچانک ہی ایک گاڑی سامنے آ کر راستہ روک رہی تھی۔ اس میں فرہاد کی مداخلت نہیں ہو سکی تھی کیونکہ وہ ایک اتفاقی امر تھا اور سگنل کے پاس رکنے والی گاڑیاں آگے پیچھے رکا ہی کرتی ہیں۔

اور وہاں جو جھگڑا ہوا تھا اس میں بھی فرہاد کا ہاتھ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ڈبل فنگر خود ہی طیش میں آ کر وہاں گیا تھا۔ اور اُن کی گاڑی کو لات ماری تھی جس پر اس میں سوار لوگوں کو غصہ آ گیا تھا پھر اس طرح جھگڑا شروع ہو گیا تھا اور ڈبل فنگر اپنے کرتوت کی وجہ سے پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اس میں فرہاد کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ فرہاد اس کے ذہن میں جھانکتا نہ ہو گا۔ وہ سوچنے لگی۔ "میں اسے خوب جانتی ہوں، وہ جب پیچھے پڑ جاتا ہے تو کچھ بھی ہو پیچھا نہیں چھوڑتا چاہے میں کتنی ہی جھنجلاتی اور ۔۔ پٹختی رہوں۔"

اچانک اسے یاد آیا کہ تاش کی بازی کھیلتے وقت وہ اتنی بھاری رقم کیسے جیت گئی۔ کیونکہ بازی کے ابتدائی وقت میں وہ بُری طرح ہار رہی تھی۔ اور کھیل چھوڑ کر اٹھنا چاہتی تھی کہ اچانک ہی بازی پلٹ گئی تھی۔ اور وہ تقریباً ایک لاکھ ڈالر جیت چکی تھی۔ تو کیا اس جیت میں فرہاد کا ہاتھ تھا؟

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "اگر میں اسی طرح سوچتی رہی، تو مجھے اپنے ہر معاملے میں فرہاد کا ہاتھ نظر آئے گا۔ نہیں، میری تاش کی بازی کے دوران فرہاد میرے دماغ میں موجود نہیں تھا۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہو گا؟ اگر مجھے کچھ معلوم ہوتا کہ وہ کس ملک میں ہے تو میں اندازہ لگا سکتی تھی کہ جس وقت میں تاش کھیل رہی تھی، اس وقت اس کے ملک میں دن تھا یا رات تھی۔ وہ جاگ رہا تھا یا سو رہا تھا۔ بہرحال میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ تاش کی بازی میں فرہاد کا ہاتھ رہا ہو گا۔"

وہ سوچتی رہی۔ "پھر فرہاد کہاں رہ گیا؟ وہ میرے دماغ میں جھانکتا

ں نہیں؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "میں نے اسے تنگ جو کر دیا ہے ۔۔ آخر ... دکھانے کی ایک حد ہوتی ہے، میں نے اس قدر جھنجلاہٹ اور نفرت ... کیا ہے تو وہ میرے دماغ میں آنا بھول گیا ہے اور شاید وہ اب ... میرے دماغ میں جھانک کر نہیں دیکھے گا۔"

اس سوچ کے تحت وہ مایوس ہو گئی۔ ذرا مرجھا گئی، ذرا بے چین ... اِدھر سے اُدھر کروٹیں بدلنے لگی، پھر اس کی سوچ نے کہا۔ "یہ مجھے کیا ... ہے؟ ایک تو میں خود اسے منع کرتی رہی، اب اس نے میرے دماغ میں ... بند کر دیا ہے تو میں بے چین ہو رہی ہوں؟ اس سے تو بہتر تھا کہ ... کے درمیان دوستی رہتی۔ دوستی کے دوران میں اپنا غصہ دکھاتی رہتی ... اس سے گاہے گاہے نفرت کا اظہار کرتی رہتی۔ اس طرح تو اس نے ... کل ہی آنا جانا بند کر دیا ہے اب میں کیسے غصہ دکھاؤں گی؟ اب پتہ ... میں کب وہ بے مروت میرا خیال کرے گا اور کب مجھے مخاطب کرے گا۔"

مجھے اس کی بے چینی اور تڑپ دیکھ کر بڑا مزہ آیا۔ میں کچھ دیر ... سے دیکھتا رہا اور لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چلا آیا۔ اب میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ اسے براہِ راست مخاطب ... نہیں کروں گا۔ چپکے چپکے اس کا خیال رکھوں گا اور اسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دوں گا۔ اب وہ میرے بارے میں سوچتی رہے گی اور بے چین ہوتی رہے گی۔

... رس ونتی بیمار تھی۔ میں نے سونے سے پہلے اس کی خبر لی۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی جاگ رہی تھی، اور خیمے کی چھت کو تک رہی تھی۔ اس وقت میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "میں کہاں ہوں؟ اور کس حال میں ہوں؟ ... ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے اس کے دماغ میں یہ سوالات اس لیے پیدا کیے کہ میں اس کی یادداشت کا امتحان لینا چاہتا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اسے ... متعلق کتنی باتیں یاد ہیں۔ وہ بیچاری دوسری بار ذہنی اذیتوں کا شکار ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ایک بار اس کے سر پر زبردست چوٹ ... تھی۔ وہ چوٹ میں نے پہنچائی تھی۔ اس سے اس کا دماغی توازن کسی حد تک بگڑ چکا تھا اور وہ اپنی یادداشت گم کر چکی تھی، اب دوسری ... اس کی یادداشت گم نہیں ہوئی تھی لیکن دماغ بہت زیادہ کمزور ہو گیا تھا اور وہ ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ سوچ کر کوئی بات یاد کر لیتی تھی۔

اسے اتنا یاد تھا کہ وہ کسی بحری جہاز میں سفر کر رہی تھی۔ اس کے بعد اسے کسی ساحل پر اسٹریچر ڈال کر اتارا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد کسی ہیلی کاپٹر ... لا کر رکھا گیا تھا۔ پھر اسے وہاں سے اس کیمپ میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ... کیمپ میں کام کرنے والے مزدور جب بیمار پڑ جاتے تھے تو ان کے علاج کے لیے اور ان کو دوبارہ کام پر لگانے کے لیے ایک ڈاکٹر رکھا گیا تھا۔ وہ بس یوں ہی سا ڈاکٹر تھا، کچھ زیادہ تجربہ نہیں رکھتا تھا اور تھوڑی بہت

دوائیں دے کر انہیں پھر کام کرنے کے قابل بنا دیتا تھا۔ وہی ڈاکٹر رس ونتی کا علاج کر رہا تھا۔ ظاہر ہے ایسے ڈاکٹر سے وہ کبھی صحت یاب نہ ہوتی۔

اب اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ گینڈا باس جو اس کی عیادت کے لیے آتا ہے، وہ اسے وہاں سے کہیں دور کسی شہر میں علاج کے لیے لے جائے گا۔ اور وہ وعدہ کر گیا ہے کہ صبح ہونے سے پہلے ہی وہ اسے ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہاں سے لے جانے والا ہے۔

میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا اور اس کی دماغی کمزوریوں کو محسوس کر رہا تھا۔ سوچنے کے دوران اس کی ایک سوچ نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ گینڈے باس کے ساتھ جو لڑکی آئی تھی وہ اس کی جانی پہچانی ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ وہ پومی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ پومی اس کی جانی پہچانی لڑکی ہے۔ جب کہ اس نے پومی کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں سوال کیا۔ "کیا میں پومی کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں، اگر ایسا ہے تو اسے کہاں دیکھا ہے؟"

وہ ذہن پر زور ڈال کر سوچنے لگی۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے ایک ایک ہستی کی یاد دلائی۔ مثلاً میں نے اس کی بہن وشنتی کو یاد دلایا تو وشنتی کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ لیکن اس کی سوچ نے بتایا کہ پومی وشنتی نہیں ہے۔

میں نے پھر سونیا کا چہرہ یاد دلایا تو اس کی آنکھوں کے سامنے سونیا کا دھندلا دھندلا سا خاکہ ابھرا لیکن پتہ چلا کہ پومی سونیا جیسی نہیں ہے۔ یقیناً پومی کسی سے مشابہت رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رس ونتی کو شناسا لگ رہی تھی جب کہ اس نے پومی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

آخر کار میں نے رومانہ کا نام اس کے دماغ میں لیا تو وہ رومانہ کے متعلق سوچنے لگی۔ میں نے اس کا قد، اس کا ناک نقشہ ذہن میں واضح کیا، تو رومانہ کی تصویر اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئی۔ تب ہی اس نے کہا، کہ ہاں رومانہ ابھی اس گینڈے باس کے ساتھ رو ما تھ آئی تھی۔

یہ سنتے ہی میں کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ پومی آئی ہو اور رس ونتی نے رومانہ کو دیکھا ہو ۔۔۔ میں نے اسی کی سوچ میں کہا۔ "کیا وہ لڑکی رومانہ سے مشابہت رکھتی ہے؟"

اس کی سوچ نے کہا۔ "ہاں وہ بالکل ویسی ہی تھی۔ بالکل رومانہ لگ رہی تھی۔ اور وہ رومانہ ہی ہو سکتی ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ رومانہ تو ایک نوجوان عورت تھی اور وہ فرہاد کی محبوبہ تھی اور یہ کہ گینڈے باس کے ساتھ جو لڑکی آئی تھی وہ بالکل نو عمر تھی۔ بچی لگتی تھی پھر وہ رومانہ کیسے ہو سکتی ہے؟"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں اس پر میں نے غور نہیں کیا تھا کہ وہ کم عمر لڑکی ہے اور وہ رومانہ نہیں ہو سکتی لیکن وہ ہوبہو رومانہ

ہے، اس کی شکل صورت، اس کے دیکھنے کا انداز اور اُس کی جسامت بھی رُومانہ جیسی لگ رہی تھی۔ شاید اس کا قد بھی رومانہ جیسا ہو۔"

پھر اُس کی سوچ نے کہا "فرہاد؟ فرہاد ــــ یہ نام ابھی میری سوچ میں آیا تھا۔ اور یہ نام میں بھول نہیں سکتی۔ میں نے کتنوں کو بھلا دیا۔ لیکن میں فرہاد کو نہ بھلا سکی۔ میں اُسے یاد کرتی ہوں۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہو گا اور مجھے یاد بھی کرتا ہو گا یا نہیں؟"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا۔ "فرہاد کون تھا؟ کیا وہ ٹیلی پیتھی جانتا تھا؟"

"ٹیلی پیتھی؟ وہ سوچنے لگی۔ "ٹیلی پیتھی! یہ ٹیلی پیتھی کیا ہوتی ہے؟"

"ٹیلی پیتھی اُس علم کو کہتے ہیں، جو دوسرے دماغ تک اپنی سوچ کی لہروں کو پہنچاتا ہے۔"

اس وقت کو کچھ طرح یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بھی اُسے یاد دلانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس وقت میرا ذہن پومی کی طرف اُلجھا ہوا تھا۔ پومی جو رومانہ کی ہم شکل تھی۔ اتنے دنوں سے میرا اُس سے دماغی رابطہ تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ میں کسی رومانہ کی ہم شکل لڑکی سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہوں۔

جب مجھے پتہ چل گیا کہ پومی رومانہ کی ہم شکل ہے تو پتہ نہیں میرے دل کو کیا ہونے لگا۔ میں نے اپنے دل کو ٹٹولا، تو میں بے چین ہو رہا تھا۔ میں پومی کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔ رُومانہ جو میری جان تھی میری زندگی تھی، مجھ سے بچھڑ گئی تھی اور کبھی واپس نہیں آ سکتی تھی اور اب پومی کی شکل صورت لے کر واپس آ گئی تھی۔ میں اُسے ایک نظر دیکھ لینا چاہتا تھا۔

لیکن کیسے؟ میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا؟ اُس وقت میں مشرقی پاکستان کے ایک ساحلی شہر میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ آسام کے کہیں دُور افتادہ علاقے میں گینڈے اس کے ساتھ کسی خیمے میں سو رہی تھی۔ اور میں وہاں جا نہیں سکتا تھا۔ میرے لیے وہاں جانا ناممکن تو نہیں تھا، لیکن مشکل ضرور تھا کیونکہ اب میں نے مغربی پاکستان جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ ٹکٹ بھی آ چکے تھے اور میرے سفر کا پروگرام بن چکا تھا۔

کیا میں اپنا پروگرام منسوخ کر سکتا ہوں؟ کیا میں یہاں سے واپس آسام کی طرف نہیں جا سکتا؟ یہ باتیں میرے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ مجھے اُکسا رہی تھیں کہ میں واپس پلٹ جاؤں اور پومی کو ایک نظر دیکھ لوں۔ تب میرے ذہن نے دوسرے پہلو سے سمجھایا کہ ایسی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی اگر پومی سے ملاقات تقدیر میں لکھی ہوئی تو ضرور . . . ہو گی۔ جب میں نے مغربی پاکستان جانے کا پروگرام بنا ہی لیا ہے تو مجھے ضرور جانا چاہیے اور اپنا پروگرام منسوخ نہیں کرنا چاہیے۔

کاش مجھے یہ بات برما میں معلوم ہو جاتی کہ پومی رومانہ کی ہمشکل ہے تو میں وہاں سے اتنی عجلت کے ساتھ روانہ نہ ہوتا۔ لیکن واقعی تقدیر بڑے گل کھلاتی ہے۔ ممی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ پومی سے ابھی میری ملاقات ممکن نہیں ہے۔ آئندہ شاید کبھی میں اُس سے مل سکوں لیکن فی الحال میں اس سے ملنا چاہوں گا تب بھی نہ مل سکوں گا۔ اب بھی یہی بات تھی کہ میں مغربی پاکستان جانے کا ٹکٹ لیے بیٹھا تھا اور اُدھر رومانہ پومی کے روپ میں آ کر مجھے پکار رہی تھی اور میں جا نہیں سکتا تھا۔

آخر کار میں نے یہی سوچا کہ تقدیر جب ہمیں دُور کر رہی ہے اور ابھی ملنے کی اجازت نہیں دیتی ہے تو مجھے ممی کی باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ اتنی جلدی پومی سے ملنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے ورنہ نتائج اچھے ثابت نہیں ہوں گے۔

اگر کوئی اپنا عزیز ترین ساتھی مر چکا ہو اور کچھ عرصے بعد وہ ہمیں کسی دوسرے رُوپ میں ملنے والا ہو تو اسے دیکھنے اور اس سے ملنے کے لیے کس قدر بے چینی ہوتی ہے۔ اس بے چینی کو کچھ میں ہی سمجھ سکتا تھا۔ دوسروں کو نہیں سمجھا سکتا۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس بے چینی کے مارے سو نہیں سکتا تھا لیکن بھلا ہو ٹیلی پیتھی کا اور دماغ کو کنٹرول کرنے والی صلاحیتوں کا کہ میں نے اپنے آپ کو تھپک تھپک کر سُلا دیا اور اپنے ذہن کو یہ ہدایت دے دی کہ جب تک کوئی مداخلت نہ کرے یا کمرے میں داخل نہ ہو اس وقت تک یعنی تقریباً سات بجے تک سوتا رہوں۔

میں صبح سات بجے تک آرام و سکون سے سوتا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے جس ہستی کا خیال ذہن میں آیا وہ رومانہ تھی پچھلی رات سے رومانہ میرے ذہن میں پھرنا شروع ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھی ہے اور اب پومی کے رُوپ میں مجھے سوتے جاگتے پکار رہی ہے۔ میں نے تھوڑی دیر تک اسے سہولت سے یاد کیا پھر آہستگی سے اسے ذہن سے جھٹک دیا۔ کسی کو یاد کرتے رہنا ایک بہت بڑی کمزوری ہے اور میں اس کمزوری کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔

اس وقت پیرس میں رات کے دو بجے تھے۔ سونیا آرام سے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں اُسے چھوڑ کر دروازے کے پاس آیا اور پھر دروازے کو کھول کر غلام اور سامی کو بُلا لیا۔ سامی آتے ہی میری گود میں پہنچ گئی۔ اور میاؤں میاؤں کر کے جیسے شکایت کرنے لگی کہ پچھلی رات میں نے اُسے اپنے پاس کیوں نہیں سلایا تھا۔ میں مسکرا کر اسے تھپکنے لگا۔ پھر میں نے غلام کو بتایا کہ میرے جانے کی تیاری مکمل ہو چکی ہے لہٰذا وہ اُن بستی والوں کو ان کی ضروریات کی چیزیں دلا کر رخصت کر دے۔ اس کے بعد گاڑی کو فروخت کرنے کی فکر کرے جس دن بھی گاڑی فروخت ہو جائے وہ میرے پاس کراچی پہنچ جائے میں اس کی خبر رکھوں گا اور اپنے پاس جہاں بھی رہوں گا وہاں اسے بُلا لوں گا۔

ساڑھے نو بجے ہم ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ وہاں ایک کاؤنٹر پر

مجھ سے کہا گیا کہ میں سامی کے گلے میں پٹہ باندھ دوں اور اُسے زنجیر کے ساتھ باندھ کر لے جاؤں تاکہ وہ جہاز کے اندر مسافروں کو یا ایئر ہوسٹس وغیرہ کو پریشان نہ کرے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ سامی بہت ہی سدھائی ہوئی بلی ہے کسی کو پریشان نہیں کرے گی۔ انہیں یقین دلانے کے بعد میں غلام سے رخصت ہوا اور جہاز پر سوار ہو گیا۔

سفر نہایت ہی آرام دہ تھا۔ میں کراچی تک بخیریت پہنچ گیا۔ راستے میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ اس لیے نہیں ہوا کہ میں نے کسی کے معاملات میں دلچسپی نہیں لی، ورنہ جہاز میں جتنے مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک ایک واقعہ ضرور منسلک ہو سکتا تھا۔ اس دُنیا میں جتنے بھی لوگ ہیں وہ اپنے ساتھ اپنی اپنی کہانیاں لیے پھرتے ہیں۔ میں ہر ایک کی کہانی میں جھانکنا شروع کر دیتا تو کراچی تک پہنچنے کی شاید نوبت ہی نہ آتی۔

کراچی پہنچنے سے پہلے سفر کے دوران میں نے سونیا سے دماغی رابطہ قائم کیا تھا اس وقت میری گھڑی میں گیارہ بجے تھے اور پیرس میں صبح کے چھ بج رہے تھے۔ سونیا کو ماسٹر موس ٹرونی اطلاع دے رہا تھا کہ ڈبل فنگر پولیس کی حراست سے چھڑا لیا گیا ہے اور اس وقت ہم اسے تمہارا پتہ بتا سکتے ہیں لیکن ہم ... یہ چاہتے ہیں کہ تم دونوں کا مقابلہ نہ ہو اور بات اب ختم ہو جائے۔ ہمیں یا ڈبل فنگر کو تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔

سونیا اپنی ضد پر قائم تھی۔ اُس نے کہا "میں باقاعدہ مقابلہ کروں گی۔ مقابلے میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ فرہاد بھی ہمارے درمیان نہیں آئے گا۔ میں نے ڈبل فنگر کو اس بات کا یقین دلایا ہے کہ مقابلہ پوری پابندی سے اور اس کے درمیان ہو گا لہٰذا اسے میرے پاس بھیج دیا جائے یا مجھے بتایا جائے کہ وہ کہاں ہے۔ تو میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

مجھے پندرہ منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ میں پندرہ منٹ تک سامی کو گود میں لیے سہلاتا رہا۔ اور اس سے کھیلتا رہا۔ جہاز کے مسافر سامی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد جب میں سونیا کے پاس پہنچا تو وہاں ماسٹر موس ٹرونی ڈبل فنگر کے ساتھ پہنچ گیا تھا۔ وہاں اور بھی کچھ خاص لوگ موجود تھے اور وہ سب ان دونوں کا مقابلہ دیکھنا چاہتے تھے۔

موس ٹرونی نے وہاں پہنچتے ہی کہا "مادام! سپر ماسٹر کا ہمیں حکم ہے کہ کسی طرح بھی ہم اس مقابلے کو روک دیں کیونکہ آپ دونوں ہی سپر ماسٹر کو عزیز ہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ دو میں سے کسی کی جان جائے۔ کیا یہ مقابلہ صرف ہار جیت کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا کہ کوئی کسی کو شکست دے دے، لیکن کسی کی زندگی سے نہ کھیلے؟"

سونیا نے ڈبل فنگر کی طرف دیکھا۔ ڈبل فنگر نے کہا "اب میں اپنی زبان بول رہا ہوں۔ یہ سپر ماسٹر کا حکم ہے کہ مجھے گونگا بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ اگر فرہاد میرے دماغ تک پہنچنا ہے تو پہنچے۔ میں اب دشمن بن کر مقابلہ نہیں کرنا چاہتا مگر ہاں دشمن بن کر تمہیں تھوڑا بہت نقصان ضرور پہنچاؤں گا۔"

سونیا نے کہا "جب مقابلے کی بات آ گئی ہے تو دوستی اور دشمنی کیسی؟ اگر کسی حد تک دوستانہ مقابلہ ہے اور صرف کسی کو کسی حد تک نقصان پہنچا کر اُسے شکست دیکر چھوڑ دینا ہے تو میں ایسا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گی۔ شکر کرو کہ فرہاد سے خوفزدہ ہو کر سپر ماسٹر مجھ پر مہربان ہو گیا ہے اور مجھ پر مہربانی کرنے کے لیے اس نے تمہیں دوستانہ مقابلے کے لیے حکم دیا ہے اگر دشمنی ہوتی تو آج تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے۔"

ڈبل فنگر نے کہا "تم بہت زیادہ بولتی ہو اور بہت زیادہ غصہ دلاتی ہو۔ پہلی بار بھی میں گونگا بن کر . . . . . . بڑی مشکلوں سے تمہاری باتیں برداشت کرتا رہا تھا لیکن اب پھر اگر بولو گی تو پہلا حملہ میری طرف سے ہی ہو گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "صرف بولنا ہی آتا ہے یا مقابلے میں پہل کرنا بھی جانتے ہو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ڈبل فنگر تیر کی طرح اُس کی طرف آیا اور کسی بھوکے باز کی طرح اس پر جھپٹ پڑا لیکن وہ غافل نہیں تھی۔ مقابلے کے لیے تن کر کھڑی ہوئی تھی۔ فوراً اُچھل کر ایک طرف ہو گئی۔ ڈبل فنگر اپنے ہی جھونک میں آگے بڑھتا ہوا گیا تو سونیا نے گھوم کر پیچھے سے ایک لات جما دی۔ لات اس کی کمر پر لگی تھی، وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ پھر وہ فوراً ہی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پلٹ کر سونیا کی طرف آنے لگا۔ اس بار سونیا نے چھلانگ نہیں لگائی۔ ڈبل فنگر نے یہی سوچا تھا کہ وہ پہلے کی طرح چھلانگ لگا کر بچے گی اس لیے وہ دوسرے انداز سے پینترا بدل کر آیا تھا۔ یہ پینترا ابھی اُسے مہنگا پڑا تھا سونیا نے اس بار اپنی جگہ جم کر ذرا جھکائی دے کر اس کے سیدھے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ ہاتھ جس میں دو انگلیاں تھیں۔ پھر دونوں میں زور آزمائی شروع ہو گئی وہ اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتا تھا اور سونیا اسے چھوڑ نہیں رہی تھی، دونوں زور لگا رہے تھے۔

اچانک سونیا ایک جھٹکے سے الگ ہو کر اُس سے دُور چلی گئی۔ ڈبل فنگر کو جوابی حملہ کرنا چاہیے تھا لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اپنی دونوں انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے کھجا رہا تھا۔

سونیا نے دوسرے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ماسٹر موس ٹرونی! دیکھ لو میں مقابلہ کر رہی ہوں، میں نے کہا تھا کہ فرہاد ہمارے درمیان نہیں آئے گا اور اس وقت فرہاد ہمارے درمیان نہیں ہے میں تنہا اس سے مقابلہ کر رہی ہوں لیکن یہ مجھ پر حملہ نہیں کر سکے گا۔ آپ لوگوں میں سے کوئی بھی اسے للکارے یہ اب کسی پر حملہ نہیں کر سکے گا۔ یہ صرف اپنی دونوں انگلیوں کو کھجاتا رہے گا۔"

یہ میں جانتا تھا کہ سونیا نے کون سی مکاری کی تھی۔ اُس کی جیب میں جو دوا کی شیشی رکھی تھی، وہ دراصل اچنگ لوشن تھا۔ ایسا لوشن کہ اگر ایک قطرہ بھی کسی کے جسم پر ٹپکا دیا جائے تو کھجلی شروع ہو

جاتی تھی۔ سونیا نے وہی اچنگ لوشن زور آزمائی کے دوران اُس کی دو انگلیوں پر ٹپکا دیا تھا اور اب اطمینان سے اس کی پٹائی کر رہی تھی۔

وہاں تماشا دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ ڈبل فنگر کی دونوں انگلیوں سے اب خون رسنے لگا تھا۔ وہ اس شدت سے کھجا رہا تھا، جیسے اس پر جنون سوار ہو گیا ہو۔ وہ دوا کچھ اس قسم کی ہی تھی کہ کھجلی کے ساتھ ساتھ خون بہتا تو وہ خون میں شامل ہو جاتی تھی۔ لوشن زخم میں اُتر گیا تھا اور اندر ہی اندر اب شاید خون میں پھیل رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے بدن کے دوسرے حصوں میں کھجلی بڑھتی جا رہی تھی اور وہ بے تحاشا پاگلوں کی طرح اِدھر سے اُدھر کھجاتا جا رہا تھا اور بڑبڑاتا جا رہا تھا کہ سونیا نے اس کے ساتھ مکاری کی ہے اور اُسے کھجلی کے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے اُسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔

یہ سنتے ہی موس ٹرونی اور دُوسرے لوگ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سونیا سے التجا کرنے لگے کہ مقابلہ ختم کر دیا جائے۔ اب یک طرفہ حملہ ہو رہا ہے اور وہ بے چارہ مار کھاتا جا رہا ہے۔ اسے اب طبی امداد کی ضرورت ہے۔

سونیا رک گئی۔ اس نے کہا "ٹھیک ہے۔ اب تم لوگ اسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو اور اسے آئندہ کے لیے سمجھا دینا کہ میرے سامنے نہ آئے۔ اگر آئے گا تو اس سے بھی زیادہ بُرا حشر کر دوں گی۔"

ڈبل فنگر اپنے بدن کو اِدھر سے اُدھر کھجاتا جا رہا تھا اور خاص طور پر دونوں انگلیوں کو بار بار کھجاتا جا رہا تھا اور بڑبڑاتا جا رہا تھا کہ یہ کھجلی نہیں موت کی سزا سے بھی بدتر سزا ہے مجھے فوراً طبی امداد پہنچائی جائے۔ یہ کھجلی نہیں ہے قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ مجھے اس سے نجات دلاؤ۔ میرے تمام بدن کو چھیل ڈالو تاکہ یہ کھجلی ہٹ جائے۔ میری ان دونوں انگلیوں کو کاٹ ڈالو تاکہ یہاں کھجلی نہ رہے۔

وہ بڑبڑا رہا تھا اور وہ لوگ اُسے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو سونیا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اُس شیشی کو جیب سے نکال کر چوم لیا۔ میں پہلے سے ہی جانتا تھا کہ وہ کس مکاری سے مقابلہ کرنے والی ہے اسی لیے میں نے اُسے مقابلہ کرنے والی ضد سے باز نہیں رکھا تھا۔

اچانک میں اُسے یاد آ گیا۔ وہ سنجیدہ ہو گئی پھر اس نے مجھے مخاطب کیا "فرہاد! کیا تم موجود ہو؟"

میں خاموش رہا۔ وہ بولنے لگی "دیکھو، اگر موجود ہو تو مجھے مخاطب کرو۔ آج میں بہت خوش ہوں، اس خوشی میں میں تمہاری پچھلی غلطی کو نظر انداز کر دوں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا "ہاں میری جان! میں تمہارے دماغ میں ہمیشہ ہی موجود رہتا ہوں۔ تم کو چوبیس گھنٹے ... سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے دیکھتا رہتا ہوں۔ تم مجھ سے ناراض ہو لیکن میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کبھی تمہیں بھلا سکتا ہوں۔"

اچانک ہی سونیا نے تیور بدل کر کہا "!! بیوقوف میں تو تمہاری موجودگی کو سمجھنے کے لیے جھوٹ بول رہی تھی کہ تمہاری غلطیوں کو نظر انداز کر دوں گی۔ کیا تم اس قابل ہو کہ تمہاری غلطیوں کو معاف کیا جائے؟ تم اوّل درجے کے بے ایمان مکار دغاباز فریبی اور ہرجائی اور بگلے نکلے ہو۔ میں تمہارے فریب میں اب نہیں آ سکتی۔ میں تمہیں اب منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"اتنی دور سے تم منہ لگا بھی نہیں سکتیں۔ کوئی دوسری بات کرو۔"

"آ گئے اپنی حاضر جوابی پر۔ تمہاری یہ باتیں مجھے متاثر نہیں کر سکیں گی۔ میں کوئی نوخیز چھوکری نہیں ہوں کہ تمہاری باتوں میں آ کر پھر تم سے محبت کرنے کی غلطی کر بیٹھوں۔ اب تم مجھے بھول ہی جاؤ تو بہتر ہے۔"

"تمہیں کیسے بھول جاؤں، تم کوئی بھلانے کی چیز تو ہو نہیں۔ بہرحال تمہاری یہ ضد ہے کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرو گی تو نہ کرو۔ میں بھی ضد کا پکا ہوں تم نفرت کرو گی، میں محبت کرتا جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کہ جیت کس کی ہو گی۔"

ہمارے درمیان بڑی دیر تک نوک جھونک ہوتی رہی۔ پھر میں اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔ میں نے غلام کی خبر لی تو وہ گشتی گاڑی لے کر چاٹگام کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اس سے رابطہ قائم کر کے اُسے یقین دلایا کہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں اور ہمیشہ اس کی خبر لیتا رہوں گا۔ اس کے بعد میں نے ممی سے رابطہ قائم کیا اور انہیں بتایا کہ میں اس وقت طیارے میں سفر کر رہا ہوں اور کراچی پہنچنے ہی والا ہوں۔ اس کے بعد میں نے لوسی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اب مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں لوسی کے نہیں رومانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھ رہا ہوں۔

وہ گینڈے باس کے ساتھ رنگون پہنچ گئی تھی اور انہوں نے لوسی کو بھی اپنے ساتھ شریک سفر رکھا تھا اور اسے علاج کے لیے رنگون لے آئے تھے اور اُسے ایک بڑے ہسپتال میں داخل کر دیا تھا۔

اس وقت وہ گینڈا باس لوسی کے پاس بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ اور پوچھ رہا تھا کہ اس کا پروگرام کیا ہے؟ وہ کہاں رہنا چاہتی ہے؟ کیا اُسے باپ سمجھ کر اس کے پاس رہے گی یا رنگون میں اپنے باپ کی جائیداد سنبھالتی رہے گی۔

لوسی نے جواب دیا کہ میرا باپ جیسا کہ تم نے بتایا تھا بہت بڑا بلیک میلر تھا۔ اس کی یہ ساری آمدنی یہ ساری دولت اور جائیداد حرام کی ہے۔ میں اُسے چھوڑ کر تمہارے پاس رہوں گی تو تم بھی کوئی نیک کام نہیں کرتے ہو۔ بہرحال مجھے کہیں رہنا ہی ہے۔ میں تمہارے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ اور تمہارے پاس رہ کر ہی تعلیم حاصل کروں گی۔

میرے دماغ میں ایک بات آئی تو میں نے لوسی کے دماغ پر قابض ہو کر اس کی زبان سے یہ کہلوایا "میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ جوڈو کراٹے کا فن بھی سیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے کل ہی کسی اچھے سے جوڈو کراٹے کے اسکول میں داخل کرایا جائے۔"

گینڈے باس نے کہا "تعجب ہے کہ تم دو دن پہلے بڑے دلیرانہ انداز میں لڑنا جانتی تھیں اور اب بالکل ہی ایک عام سی لڑکی بن گئی ہو۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں نے کئی بار سوچا مگر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔"

"میں بھی کئی بار یہ سوچتی رہتی ہوں کہ آخر میں دلیر کیسے بن جایا کرتی تھی۔ میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ میں یہی سوچتی ہوں کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو میں دلیر بن جاتی ہوں، ورنہ ایک لڑکی کی طرح بزدل بن کر رہتی ہوں۔"

وہ بولا "اطمینان رکھو۔ میں تمہارے لیے تجربہ کار جوڈو اور کراٹے کے استادوں کو مقرر کروں گا اور تمہیں لڑنے کے ہر فن سے، ہر داؤ پیچ سے واقف کراؤں گا تاکہ تم خواہش کے مطابق دنیا کی بہترین فائٹر بن سکو۔" وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے ڈائننگ روم کی طرف جانے لگے۔

کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں بھی دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہو گیا۔ ایک ایئر ہوسٹس میرے پاس آ کر جھکی ہوئی مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی کہ مجھے کھانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ میں نے بھی مسکرا کر کھانے کا آرڈر دیا تو وہاں سے چلی گئی۔

سہ پہر کے وقت میرے قدموں نے مغربی پاکستان کی سرزمین کو چھو لیا۔ کراچی ایئرپورٹ پر بھی اس بریف کیس کو ساتھ لے جانا دشوار نہیں گیا۔ چونکہ وہ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان تک کا سفر تھا اندرون ملک کی کڑی چیکنگ نہیں ہوتی تھی۔ میں ... کسی طرح اُس بریف کیس کو چیک کرنے والوں کی نظروں سے بچا لایا۔ پھر کراچی کے ہوٹل میٹروپول میں ایک کمرہ کرائے پر لے کر وقتی رہائش اختیار کر لی۔

میں نے ہوٹل کے ہال میں بیٹھ کر ایک کپ گرما گرم چائے پی۔ پھر ایک سگریٹ سلگا کر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ وہاں میں نے اپنا سفری بیگ کھول کر شہناز کی تصویر نکالی۔ پھر اس تصویر کو لے کر ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ گیا۔

شہناز میری بیوی تھی کیونکہ میں طارق محمود تھا۔ میرا چہرہ طارق محمود کا تھا۔ میرا پاسپورٹ اور یہاں کا نام اور پتہ سب کچھ طارق محمود کا تھا۔ اس رشتے سے شہناز میری بیوی تھی۔

وہی شہناز جو اپنے شوہر طارق محمود کے ساتھ بنکاک گئی تھی۔ بنکاک کے ایک حادثے میں طارق محمود کا چہرہ بُری طرح بگڑ گیا تھا۔ اس کے بعد وہ وہاں کے ... بہت مشہور پلاسٹک سرجری کے ماہر ایک جاپانی ڈاکٹر کے پاس پہنچ گئی تھی۔ جاپانی ڈاکٹر اس کے چہرے کی سرجری کرنا چاہتا تھا لیکن شہناز کی نظر جاپانی ڈاکٹر کی تجوری پر تھی۔ اس کی تجوری میں قیمتی ہیرے رکھے ہوئے تھے۔ وہی ہیرے جو میرے بریف کیس میں اس وقت موجود تھے۔ کچھ ہیرے شہناز وہاں سے لے آئی تھی۔ اُس نے اپنے شوہر کی لاش کو آخری تجہیز و تکفین تک پہنچانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی اور اسے چھوڑ کر وہاں سے فرار ہو کر یہاں آ گئی تھی۔

میں شہناز کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ اُس کی تصویر بتا رہی تھی کہ وہ بلا کی حسین بھی تھی اور پُرشباب بھی ... دیکھنے والوں کو اپنا دیوانہ بنا لیتی ہو گی۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے جھانکتے اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے اور وہ کلب جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ بناؤ سنگار میں مصروف تھی۔

میں اس کی سوچ سے معلومات حاصل کرنے لگا۔ پتہ چلا کہ اُس نے ایک ہیرے کو اپنے پاس رکھ کر باقی ہیرے اونے پونے فروخت کر دیے تھے جس کے عوض اسے سات لاکھ روپے ملے تھے۔ پھر اس نے طارق محمود کا مکان بیچ کر سوسائٹی میں ایک بہت ہی عالیشان کوٹھی خرید لی تھی۔ ایک کار بھی خرید لی تھی اور اب وہ بہت ہی رئیسانہ ٹھاٹ باٹ سے رہنے لگی تھی اور کلبوں میں شام کو جاتی تھی۔ نئے نئے دوست بناتی تھی لیکن کسی کو تنہائی میں پہنچنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ سب کو تڑپانے اور ترسانے میں اس کو بڑا لطف آتا تھا۔ وہ نفسیاتی طور پر ایک ایسی مریضہ تھی جو دوسروں کی بے چینی اور تڑپ کو دیکھ کر ذہنی طور پر لذت حاصل کرتی ہے۔

اس نے طارق محمود کو زن مرید بنا کر رکھا تھا۔ اُسے کٹھ پتلی بنا کر نچاتی تھی اور جیسا کہتی تھی وہ ویسا ہی کرتا تھا اور اس کے اشاروں پر ناچتا رہتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ کے ذریعے اُس کا ٹیلی فون نمبر معلوم کیا۔ پھر اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔ میں نے ہوٹل کے ایکسچینج والوں سے اس نمبر پر رابطہ قائم کرنے کے لیے کہا۔

تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ میں نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔ "ہیلو شہناز!"

دُوسری طرف سے اُس نے ماتھے پر شکنیں ڈال کر ناگواری سے پوچھا "کون ہو؟ مجھے اس بے تکلفی سے مخاطب کیوں کر رہے ہو؟"

میں نے کہا "کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں وہی ہوں جسے تم بے گور و کفن چھوڑ کر چلی آئی تھیں۔"

میری یہ بات سن کر وہ چونک گئی۔ پھر اُس نے پوچھا "تم کون ہو؟ میں کسے بے گور و کفن چھوڑ آئی تھی؟ کیا تم مر گئے تھے؟"

"ہاں میں مر گیا تھا۔" میرے لب و لہجے سے مجھے پہچان سکتی ہو تو پہچان لو۔"

"اگر تم مر گئے تھے تو زندہ کیسے ہو گئے ہو؟ یہ کیا معمہ ہے؟ آخر سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔ میں ریسیور رکھ دوں گی۔"

"نہیں، ریسیور نہ رکھنا۔ میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ تمہیں خود سمجھ لینا چاہیے۔ کیا تم مجھے بنکاک لے جا کر وہاں مُردہ حالت میں چھوڑ کر یہاں نہیں آ گئیں؟"

وہ حیرانی سے منہ کھول کر سوچنے لگی۔ میں نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟ جواب دو۔"

اُس نے ڈھیٹ بن کر جواب دیا "میں نہیں جانتی تم کیا بکواس کر رہے ہو؟"

یہ کہتے ہی اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ رابطہ ختم ہو گیا۔

میں نے ٹیلیفون ایکسچینج والوں سے کہا کہ دوبارہ اسی نمبر پر رابطہ قائم کرا دیں۔ یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی، میں نے ریسیور اُٹھایا تو پھر رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ میں نے کہا ”سنو، اب کے ریسیور نہ رکھنا میں اپنا نام بتا رہا ہوں۔ میرا نام طارق محمود ہے اور میں تمھارا شوہر ہوں۔“

اُس نے ریسیور پر چیختے ہوئے کہا ”تم جھوٹے ہو، مکّار ہو، میرا شوہر کوئی نہیں ہے اور جو طارق محمود تھا وہ مر گیا ہے، کہیں دفع ہو گیا ہے۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی، خبردار! آئندہ مجھے ٹیلی فون پر پریشان نہ کرنا۔“

وہ ریسیور رکھنا چاہتی تھی، لیکن میں نے اُس کے دماغ میں پہنچ کر اُسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ پھر میں نے کہا ”دیکھو ریسیور نہ رکھنا پہلے میری بات سُن لو۔ آج تم کہیں باہر نہیں جاؤ گی۔ میں ایک گھنٹے بعد تمھارے پاس پہنچنے والا ہوں۔ کیا تم مجھے اپنی کوٹھی کا پتہ بتاؤ گی؟“

اُس نے پوچھا ”تمھیں میرا فون نمبر کس نے بتایا ہے؟“

میں نے جواب دیا ”مجھے طارق محمود کی رُوح سمجھ لو اور روحیں کسی سے فون نمبر معلوم نہیں کرتیں انھیں خود معلوم ہو جاتا ہے۔“

”تو پھر مجھ سے کوٹھی کا پتہ کیوں پُوچھ رہے ہو کہ میں کہاں رہتی ہوں؟ خود ہی معلوم کر لو۔“

میں نے کہا ”اچھی بات ہے، تم اسی طرح ریسیور پکڑے کھڑی رہو، میں ابھی تمھیں بتاتا ہوں کہ تم کہاں رہتی ہو۔“

یہ کہہ کر میں نے اس کی سوچ سے معلوم کیا۔ اُس کے دماغ نے اپنی کوٹھی کا پتہ دہرایا تو میں نے وہی پتہ اس کے سامنے بیان کر دیا۔ وہ حیران ہو کر بولی ”تم کون ہو؟ تم میرے متعلق بہت کچھ جانتے ہو اب میں سچ مچ تم سے ملوں گی۔ تم کب تک آ رہے ہو؟“

میں نے جواب دیا ”ایک گھنٹے کے اندر پہنچنے کی کوشش کروں گا بشرطیکہ مجھے ٹیکسی مل جائے۔ سُنا ہے پاکستان میں سب کچھ مل جاتا ہے مگر رکشہ اور ٹیکسیاں نہیں ملتیں۔“

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہاں سے اُٹھ کر آئینے پر ایک نظر ڈالی، اپنے لباس کا جائزہ لیا پھر سامی کو اپنی گود میں لے کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ کمرے کو میں نے لاک کیا، پھر ہوٹل سے باہر آ کر میں ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ یہ محض اتفاق ہی کی بات تھی کہ ٹیکسی آسانی سے مل گئی تھی۔

ٹیکسی چل پڑی۔ میں ایک حسین عورت سے ملنے جا رہا تھا۔ جو اندر سے ایک زہریلی ناگن کی طرح تھی۔ جس نے اپنے شوہر پر ترس نہ کھایا تھا اور اُسے دیارِ غیر میں بے گور و کفن چھوڑ کر چلی آئی تھی۔

اب وہ مجھے طارق محمود تسلیم نہیں کرے گی۔ اور اگر کر بھی لے گی تو مجھے زن مرید شوہر بنا کر رکھنے کی کوشش کرے گی۔ میں زن مرید تو خیر کیا بنوں گا، ہو سکتا ہے کہ اس کا حسن مجھے مسحور کر دے جیسے تصویر کر رہی تھی تو یہ الگ بات ہے۔ میں اس کے متعلق سوچتا ہوا اُس کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔

میں نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رُخصت کر دیا پھر کوٹھی کے احاطے میں داخل ہونے کے بعد دروازے کی کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھُلا اور ایک ملازمہ نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں اور کس سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے اُس سے کہا کہ اپنی بیگم صاحبہ سے کہو کہ طارق محمود ملنے آیا ہے۔

وہ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آ کر مجھ سے کہا کہ میں اندر آ جاؤں۔ میں ڈرائنگ رُوم میں آ کر ایک صوفے پر آرام سے بیٹھ گیا۔ پھر میں نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا، اور اُسے سُلگانے جا رہا تھا کہ سامنے والے دروازے کا پردہ ہلا اور وہ پردہ ہٹا کر اندر آ گئی۔

اُسے دیکھتے ہی میں سگریٹ سُلگانا بھُول گیا۔ ایک دم سے اُٹھ کر یُوں کھڑا ہو گیا جیسے حُسن کے حضور میں تعظیم پیش کر رہا ہوں۔ وہ بلاشبہ اس قدر حسین تھی، اِس قدر پُرشباب تھی کہ دیکھنے والوں کے جذبات میں ہلچل مچا دیتی تھی۔ میں اُسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ وہ مجھے سکتے کے عالم میں دیکھ کر فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔

میں اس بات پر حیران تھا کہ اُسے بے اختیار دیکھتا کیوں رہ گیا تھا۔ وہ بہر حال ایک عورت ہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اُس کے حُسن میں بہت زیادہ دل کشی تھی۔ ویسے میں نے بہت زیادہ دلکشی رکھنے والے حُسن و شباب بھی دیکھے تھے۔ اُن سے دوستی بھی کی تھی لیکن شہناز کو دیکھ کر ایک گونہ مدہوشی طاری ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں اپنے آپ سے بیگانہ ہوا جا رہا ہوں اور صرف اُسی کو دیکھتے رہنے کو، اُسی کو پُوجتے رہنے کو جی چاہ رہا تھا۔

وہ میری طرف بڑھتے ہوئے بولی ”تم کوئی زبردست قسم کے بہروپیے ہو اور طارق محمود کے رُوپ میں آ کر مجھے احمق بنانا چاہتے ہو۔ میں اُن کمزور عورتوں میں سے نہیں ہوں جو مردوں کے فریب میں آ کر اپنا سب کچھ لُٹا دیتی ہیں۔ میں بہت ہی سنگدل عورت ہوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی اصلیت مجھ پر ظاہر کر دو۔“

اُس کی آواز میں ایسا ترنم تھا جیسے وہ کوئی گیت گا رہی ہو۔ میں اس کی ایک بات بھی نہ سُن سکا کیونکہ میں بے اختیار اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی میرے کان اُسے

[سُن رہے] تھے۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے دور کوئی گنگنا رہا ہو اور میں [نغموں کی] جھنکار میں سُن رہا ہوں اور اپنے سامنے جو نظارہ ہے [اس کے] نظارے میں ڈُوبتا چلا جا رہا ہوں۔

[اُس] نے مجھ سے پوچھا ”یہ تم اُلّو کی طرح دیدے نکال کر مجھے کیوں [دیکھ رہے ہو؟] بیٹھ جاؤ۔“

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً ہی بیٹھ گیا۔ مجھے اس حکم کی تعمیل کرنے پر بڑی حیرانی تھی کہ میں کیوں اس کی بات بلا چون و چرا تسلیم کر رہا ہوں۔ شہناز نے اچانک تالی بجا کر اُونچی آواز میں کہا۔ ”[آ] جاؤ۔“

جس ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا اس کے چار دروازے تھے۔ میں نے [دیکھا] چاروں دروازوں سے چار آدمی اندر داخل ہو رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ [میں] پانی کی بالٹی، تولیہ اور میک اپ اُتارنے کا سامان تھا۔ دوسرے کے [ہاتھ میں] چاقو تھا۔ تیسرے نے ریوالور پکڑ رکھا تھا اور چوتھا خالی ہاتھ تھا۔ [اُسے] اپنے خالی ہاتھوں پر ناز تھا کہ وہ بغیر ہتھیار کے ٹیڑھے لوگوں [کو] سیدھا کر دیتا ہے۔

میں نے پوچھا ”یہ سب کیا ہے؟“

شہناز نے جواب دیا ”میں تمھارا میک اپ اُتروا کر تمھارا اصلی [چہرہ] دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”[یہ] میک اپ نہیں ہے یہ میرا اصلی چہرہ ہے میں طارق محمود ہوں اور [تمھارا] شوہر ہوں۔“

”بکواس مت کرو۔ میں نہیں مانتی کہ میرا شوہر زندہ ہو گا۔ میں اُسے [حالتِ موت] میں چھوڑ کر آئی تھی پھر وہ زندہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

یہ کہہ کر اُس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ میرا میک اپ اُتارا [جائے۔ میرے] پیچھے خالی ہاتھ آنے والے نے آ کر میرے دونوں بازوؤں [کو] اتنا کس لیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکو۔ اس کے تھامنے کا انداز [بہت ہی] جارحانہ تھا اور اس کی قوت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خالی ہاتھ [لڑنے] کا ماہر ہو گا اور اچھا خاصا طاقت ور بھی ہے۔

[میرے] سامنے وہ بالٹی والا بیٹھ گیا۔ پھر تمام سامان سنٹر ٹیبل پر [رکھ کر] میرے چہرے کو صاف کرنے لگا۔ خوب رگڑ رگڑ کر صاف کرنے [میں کئی] منٹ گزر گئے۔ میں نے بیزار ہو کر کہا ”خدا کے لیے اب تو میرا پیچھا [چھوڑو۔ یہ] میک اپ نہیں ہے میں سچ کہہ رہا ہوں میں طارق محمود ہوں۔“

[میک] اپ صاف کرنے والے نے مجھے تولیہ دیا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ [میں] تولیے سے اپنے چہرے کو پونچھنے لگا۔ شہناز نے کہا ”میں کبھی مان [نہیں سکتی] کہ یہ تمھارا چہرہ ہے کیونکہ حادثے میں تمھارا چہرہ بُری طرح بگڑ [گیا تھا] اور اب تمھارے چہرے پر حادثے کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ [کسی] چوٹ کا نشان نظر نہیں آ رہا ہے۔“

میں نے کہا ”یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ وہ جاپانی ڈاکٹر جو پلاسٹک سرجری کا ماہر ہے اُس نے میرے چہرے کو دوبارہ بنا دیا ہو گا جب کہ میرے پاس میری تصویر بھی رکھی ہوئی تھی۔“

وہ بولی ”بیشک وہ پلاسٹک سرجری کا ماہر بگڑے چہروں کو پھر سے بنا سکتا ہے لیکن مُردے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرا شوہر مر چکا تھا اور وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا تمھاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی اصلیت اُگل دو ورنہ ابھی تمھاری پٹائی شروع ہو جائے گی۔“

میں نے پوچھا ”تمھیں یہ کیوں شُبہ ہے کہ میں طارق محمود نہیں ہوں؟ کیا بنکاک میں تم نے میری نبض ٹٹول کر دیکھی تھی کہ میں زندہ ہوں یا مُردہ؟“

وہ چونک کر بولی ”ہاں، اب مجھے یاد آیا تم اس جاپانی ڈاکٹر کے کوئی آدمی ہو۔ میں اُن کے ہاں سے قیمتی ہیرے اُٹھا کر لے آئی تھی۔ اور اُس نے ان ہیروں کو واپس لینے کے لیے یہ چال چلی ہے اُس نے تمھارے اصلی چہرے کو چھُپا دیا ہے اور اُس پر پلاسٹک سرجری کے ذریعے طارق محمود کا چہرہ بنا دیا ہے اور تمھیں ان ہیروں کو وصول کرنے کے لیے بھیج دیا ہے بولو، کیا یہ بات نہیں ہے؟“

میں نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا ”نہیں تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو یا پھر کسی وجہ سے مجھے اپنا شوہر تسلیم کرنے سے انکار کر رہی ہو۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم دولت مند ہو گئی ہو۔ اس لیے مجھ غریب آدمی کو قبول نہیں کرنا چاہتی ہو۔“

اُس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”دیکھتے کیا ہو؟ اس کی پٹائی کرو ابھی اصلیت معلوم ہو جائے گی۔“

وہ شخص جو خالی ہاتھ تھا میری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا ”ذرا ٹھہرو کیا تم لوگ مجھے ریوالور سے ہلاک کرنا چاہتے ہو؟“

اس خالی ہاتھ والے نے کہا ”ابھی نہیں، میرے دونوں خالی ہاتھ تمھارے لیے کافی ہوں گے۔ اگر میں تمھیں زیر نہ کر سکا تو یہ چاقو والا تمھیں زیر کرے گا۔ اگر تم چاقو سے بھی قابو میں نہ آئے اور اپنی اصلیت بیان نہ کی تو تمھیں ریوالور سے شُوٹ کر دیا جائے گا۔“

میں نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا ”تو پھر پہلے تم ہی آؤ اور یہ دیکھ لو کہ کون کس کو زیر کرتا ہے۔“

اور یہ کہتے ہوئے میں نے اچانک آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک اُلٹا ہاتھ رسید کیا اور فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اُسے توقع ہی نہیں تھی کہ میں حملے میں پہل کروں گا۔ وہ مجھ سے بزدلی کی توقع کر رہا تھا۔ مار کھاتے ہی وہ جھنجلا کر آگے بڑھا اور مجھ پر حملہ کرنے لگا لیکن اُس کے جتنے حملے تھے سب خالی گئے کیونکہ میں اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا جا رہا تھا کہ وہ کس طرح پینترے بدل بدل کر حملے کرنا چاہتا ہے۔ میں اپنا بچاؤ کرتا جا

رہا تھا۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ جوابی حملے بھی کرتا جا رہا تھا اسے خوب ٹھوکریں اور گھونسے لگ رہے تھے اور وہ زخمی درندے کی طرح چلّا رہا تھا۔ گالیاں دے رہا تھا اور پلٹ پلٹ کر مجھ پر حملے کرنا چاہتا تھا اتنے میں شہناز نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "بس کرو، تم کسی کام کے آدمی نہیں ہو۔ اس ایک آدمی کو اپنے قابو میں نہ کر سکے اور ہمیشہ یہ ڈینگیں مارتے رہتے ہو کہ تم بڑے سے بڑے شہ زور کو خالی ہاتھوں زیر کر سکتے ہو۔"

خالی ہاتھوں سے حملہ کرنے والا شہ زور کمزور ثابت ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنی شکست پر جھنجلا رہا تھا لیکن شہناز کے آگے دم نہیں مار سکتا تھا اس کے بعد شہناز کے حکم پر چاقو والا آگے بڑھا۔ اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "اب بتاؤ، کیا تم اپنی اصلیت بتانا چاہتے ہو یا یہ چاقو تمہارے سینے میں اتار دوں"

میں نے کہا۔ "میری اصلیت تو وہی ہے جو میں بتا چکا ہوں۔ ہاں اگر تمہارے دل میں مجھے قتل کرنے کی حسرت ہے تو اسے پورا کرنے کی کوشش کرو تمہاری حسرت دل ہی دل میں رہ جائے گی۔"

میری بات ختم ہوتے ہی اس نے پینترا بدل کر مجھ پر حملہ کیا۔ اس کا وار خالی گیا۔ اُس نے دوسری بار پھر پینترا بدل کر حملہ کیا۔ اس کے بعد تو وہ جھنجلا کر رہ گیا کیونکہ اُس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ آخر ایک مقام پر اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں اُس کی کلائی کو مضبوطی سے تھام کر اسے مروڑنے لگا ہم دونوں میں زور آزمائی شروع ہو گئی ــ اسی وقت میں نے اس زور آزمائی کے دوران اس کی ٹانگ پر زور سے ٹانگ ماری تو وہ لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا اور چاقو اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے لپک کر چاقو ہاتھ میں لیکر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ چاقو کس کے سینے میں اُترے گا؟"

ریوالور والے نے للکارتے ہوئے کہا۔ "خبردار! ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنا ورنہ میں شوٹ کر دوں گا۔"

میں نے ریوالور والے کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ شوٹ کرنا نہیں چاہتا ہے بلکہ وہ شوٹ کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کے ریوالور میں گولیاں نہیں تھیں اور وہ خالی ریوالور سے گیدڑ بھبکیاں دینے آیا تھا تب پتہ چلا کہ شہناز در اصل مجھے ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی بلکہ دہشت زدہ کر کے صرف میری اصلیت مجھ سے اگلوانا چاہتی تھی۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بچے! وہ ریوالور اپنی جیب میں رکھ لو۔ تمہارے ریوالور پکڑنے کا انداز بتا رہا ہے کہ وہ خالی ہے اور تم مجھ پر فائر نہیں کر سکو گے۔"

میری یہ بات سُن کر شہناز نے بڑی حیرانی سے مجھے دیکھا، پھر اُن کی طرف گھورتے ہوئے بولی۔ "تم تینوں کیا منہ دیکھ رہے ہو چلو جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میں نے تم کو بھاری تنخواہ پر ملازم رکھا تھا کہ تم میری حفاظت کرو گے لیکن تم تین آدمی ایک آدمی کو اپنے قابو میں نہ کر سکے چلے جاؤ یہاں سے اور آئندہ کبھی میری کوٹھی کا رُخ نہ کرنا۔"

وہ تینوں مجھے گھورتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ چوتھا آدمی اس کا خاص ملازم تھا۔ وہ بالٹی۔ تولیہ اور دوسرا سامان اُٹھا کر وہاں سے چلا گیا پھر شہناز نے مجھ سے کہا۔ "اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تم طارق محمود نہیں ہو کیونکہ وہ بالکل پِٹ رہا تھا۔ لڑنے کے فن سے واقف نہیں تھا مگر تم تو صرف لڑنا ہی نہیں جانتے بلکہ ... دُور سے ریوالور کو پکڑنے کے انداز سے بتا دیتے ہو کہ وہ خالی ہے۔ تم کون ہو؟ مجھے اپنی اصلیت بتا دو میں تمہیں اپنا دوست اپنا باڈی گارڈ بنا کر رکھوں گی اور تمہیں مُنہ مانگی تنخواہ دیا کروں گی۔"

"تم تنخواہ نہ دو، تب بھی میں تمہارے پاس ہی رہوں گا کیونکہ میں تمہارا شوہر ہوں۔"

وہ پھر غصے میں بولی۔ "تم بکواس کرو گے یا اپنی حقیقت بتاؤ گے؟"

"میں حقیقت بتا چکا ہوں، تمہیں یقین نہ آئے تو میں کیا کروں"

وہ بولی۔ "دیکھو، میں اپنی بات منوانا جانتی ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں جو چاہتی ہوں، وہ اپنے سامنے والوں سے پورا کرا لیتی ہوں اور میرے سامنے والے کو میری بات ماننا ہی پڑتی ہے ــ میں اپنی خوابگاہ میں جا رہی ہوں تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ اور تم آنے سے انکار نہیں کر سکو گے۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے پلٹ گئی اور ایک ادائے ناز سے چلتی ہوئی وہاں سے جانے لگی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا حالانکہ اُس نے چیلنج کیا تھا کہ میں اس کے حکم سے انکار نہیں کروں گا۔ مجھے چاہیے تھا کہ میں انکار کر دیتا لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی، میں کشاں کشاں چلا جا رہا تھا جیسے وہ مقناطیس تھی اور میں لوہا تھا۔ اور میں اُس کی طرف جانے پر مجبور تھا۔

مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں فرہاد علی تیمور نہیں رہا بلکہ طارق محمود کی طرح زن مرید ہو گیا ہوں اور اُسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ شہناز میں ایسی کوئی غیر معمولی بات یقینی تھی جس نے مجھے متاثر کیا تھا اور جو مجھے متاثر کر رہی تھی۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر ایسی کیا بات ہے کہ میں اس کا دیوانہ بن گیا ہوں اور زر خرید غلام کی طرح اس کے پیچھے اُس کی خوابگاہ میں بھی پہنچ گیا ہوں۔

وہاں پہنچ کر شہناز نے کہا۔ "دیکھو، میری طرح یہ خواب گاہ بھی کتنی خوبصورت ہے۔ ابھی وہ خوش نصیب شاید اس دنیا میں نہیں آیا جو میری خوابگاہ میں میری تنہائیوں میں میرے پاس آسکے۔ میں یہ موقع تمہیں دے سکتی ہوں بشرطیکہ تم اپنی حقیقت مجھے بتا دو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنی کون سی حقیقت بتاؤں۔ میں پہلے بھی دلیر تھا اور لڑنے کے فن سے واقف تھا لیکن تمہاری محبت اور تمہاری قربت نے مجھے دیوانہ اور بزدل بنا دیا تھا۔ میں نے کبھی بھی اپنی ان صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔"

وہ ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ "بس زیادہ باتیں نہ بناؤ اور یہاں سے جا کر کسی دوسرے کمرے میں آرام کرو۔ کھانے کی میز پر آٹھ بجے رات کو

ت ہو گی وہاں مجھے اپنی اصلیت بتا دینا۔ پھر ہم دوست بن جائیں گے ر نہ بتایا تو چپ چاپ چلے جانا ورنہ میں تمہیں یہاں سے بھگانا بھی تا ہوں۔"

میں چپ چاپ کھڑا ہوا اُس کے حسین سراپے کو ایک ٹک دیکھ تھا۔ اُس نے کہا۔ "میں حکم دیتی ہوں کہ میرے کمرے سے باہر چلے جاؤ۔" پتہ نہیں اُس کی باتوں میں کیا جادو تھا کہ میں نے اس کا حکم مان یا اور وہاں سے پلٹ کر خوابگاہ سے باہر آگیا۔ اُس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ میں وہاں سے چلتا ہوا پھر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ وہاں میں نے یک سگریٹ سلگایا پھر آرام سے بیٹھ کر سوچنے لگا کہ آخر مجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس عورت کا اس قدر دیوانہ کیوں ہو گیا ہوں؟ میں کبھی بھی کسی عورت کے پیچھے اتنا پاگل تو نہیں ہوا تھا۔ پھر اب کیا بات ہے؟ کون سی خوبی شہناز میں ہے کہ جس نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔ اور کی وجہ سے میں اُس کے ہر حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔

رہ رہ کر میرے دماغ میں یہی باتیں آ رہی تھیں کہ وہ ساحرہ ہے اور جانتی ہے کوئی ایسا علم اسے معلوم ہے جس کے ذریعے وہ اپنا حکم منوا لیتی ہے۔ بہر حال اب تو میں اُس سے دُور چلا آیا تھا۔ اب تو میں اس معاملے میں سنجیدگی سے غور کر سکتا تھا۔ کچھ نہیں تو اس کے دماغ میں بیٹھ کر ہی اس کے متعلق معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ میرے ہی متعلق سوچ رہی تھی۔ اور کسی طرح میری اصلیت معلوم کرنے کی فکر میں خوابگاہ کے اندر ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ میں اُس کے دماغ کو کریدنے لگا۔ میں نے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی کہ وہ کس طرح مردوں کو سحر زدہ کر دیتی ہے۔ تب مجھے پتہ چلا کہ اس کے اندر کیا راز ہے۔

قصہ یوں ہے کہ وہ ایک بہت ہی تجربہ کار حکیم کی بیٹی تھی۔ اُس کا باپ ماہر عطریات بھی تھا اور جڑی بوٹیوں سے عطر، خوشبو نچوڑنے میں مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے جڑی بوٹیوں کے ذریعے ہی ایک قسم کا اُبٹن تیار کیا تھا۔ اس اُبٹن میں ایسی مدہوش کر دینے والی خوشبو تھی کہ جس کے لگنے سے مرد کا ذہن مسخر ہو جاتا تھا اور وہ خوشبو مقناطیس کی طرح اُسے اپنی طرف کھینچتی تھی۔ وہی اُبٹن شہناز استعمال کیا کرتی تھی۔ غسل کرنے سے پہلے وہ اپنے سارے بدن میں اُبٹن کی مالش کرتی تھی اور اس کے بعد غسل کر لیتی تھی تو اُبٹن کی مہک چوبیس گھنٹے تک اس کے بدن سے پھوٹتی رہتی تھی اور مرد دیوانہ وار اس کی طرف بڑھنے لگتے تھے۔

ہمارے مُلک میں ایک سے بڑھ کر ایک حکیم اور طبیب موجود ہیں جو جڑی بوٹیوں کی جڑوں تک پہنچ کر اُن کے راز کو سمجھتے ہیں اور بڑے سے بڑے مہلک امراض کے لیے ان جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کرتے ہیں۔ شہناز نے ایسے ہی ایک حکیم کے نسخے سے فائدہ اٹھایا تھا۔

واقعی شہناز کے بدن سے مدہوش کر دینے والی خوشبو اُٹھتی تھی۔ اُس کے بدن کی جلد ایسی چکنی، ایسی پھسلتی ہوئی تھی جیسے سنگ مرمر سے بنائی گئی ہو۔ یقیناً وہ حُسن کا شاہکار نظر آتی تھی، لیکن میں اب سمجھ چکا تھا کہ میں اس کے حُسن و شباب پر نہیں، اُس کی سحر زدہ کر دینے والی اُبٹن کی مہک سے متاثر ہو گیا تھا اور شاید اب بھی وہ خوشبو متاثر کرے کیونکہ میں ہزار کوشش کے باوجود اس وقت سنبھل نہیں پایا تھا اور اُس کے سامنے مدہوشی کی حالت میں اس کی ہر بات مانتا چلا گیا تھا۔

یہ تو رہیں خوشبو کی باتیں کہ وہ کیسے سحر زدہ کر دیتی تھی۔ آئندہ کے لیے میں نے سوچا کہ اُس کے سامنے جاتے وقت میں اپنے دماغ کو کنٹرول میں رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ اس سحر زدہ کر دینے والی خوشبو سے مسحور نہ ہو سکوں۔ بہر حال اب مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ تنہا کیسے زندگی گزار رہی ہے اور اُس کی آمدنی کے ذرائع کیا ہیں کیونکہ وہ جتنے ہیرے چرا کر لائی تھی اور انہیں فروخت کیا تھا اُس کے عوض اُس نے کوٹھی اور کار وغیرہ خرید لی تھیں۔ اُس نے رہائش و آرائش کا یہ سامان خریدنے میں ساری رقم ضائع کر دی تھی، اب اُس کی آمدنی کا بھی کوئی معقول ذریعہ ہونا چاہیے تھا۔

میں اُس کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ کسی سے فون پر کہہ رہی تھی "میں آج نہیں آسکوں گی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے صائمہ کو مادام روزی کے پاس بھیج دیا ہے، اب مجھے اس کے عوض پانچ ہزار روپے مل جانے چاہئیں۔ ہو سکے تو یہ رقم میرے گھر بھجوا دو۔ میں نہیں آسکوں گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں دُوسری طرف سے بولنے والے کی آواز بھی نہ سُن سکا۔ پتہ نہیں وہ کس سے پانچ ہزار کا مطالبہ کر رہی تھی اور کس صائمہ کو اُس نے کسی مادام روزی کے پاس بھیجا تھا ــ یہ سب معلوم کرنے کے لیے میں اُس کے دماغ کو ٹٹولنے لگا۔

پتہ چلا کہ تین ماہ قبل وہ کسی ایسے بیوقوف دولتمند کی تلاش میں تھی، جو اُس کے عشق میں مبتلا ہو کر اُس کے لیے لاکھوں روپے خرچ کرتا رہے۔ اُس نے بڑی چھان بین کے بعد ایک شخص کو پھانس لیا تھا۔ یُوں تو کتنے ہی اس کے دام میں پھنسنے کے لیے تیار رہتے تھے، لیکن اُس نے فیروز نام کے ایک شخص کو تاڑ لیا تھا اور اُس سے دوستی بڑھا لی تھی۔

لیکن دولت مند چاہے عقلمند ہو یا بیوقوف، وہ مرد ہوتا ہے۔ اور ہر مرد کسی بھی عورت سے ایک خاص قسم کا تعلق قائم کرنا چاہتا ہے۔ اُس دولت مند فیروز نے بھی یہی خواہش ظاہر کی وہ شہناز کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا چاہتا ہے۔ لیکن شہناز نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں دوستی میں سب کچھ کر سکتی ہوں لیکن جسمانی تعلقات قائم نہیں کر سکتی۔ میرا بدن میرے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے، میں اس سرمائے کی آخری

سانس تک حفاظت کرتی رہوں گی۔

"تمھیں اپنے بدن کو محفوظ رکھنا ہی تھا تو اب تک مجھے کیوں بیوقوف بناتی رہیں؟ مجھ سے محبت کا اظہار کیوں کرتی رہیں؟"

"جہاں دوستی ہوتی ہے، وہاں محبت ہوتی ہے۔ جب ہم آپس میں ملتے ہیں تو ہمارے درمیان اور کون سی باتیں ہوتیں؟ تم عشق و محبت کی باتیں شروع کر دیتے تھے اور میں اُن کا جواب دیتی رہتی تھی تاکہ تمھاری تسلی ہوتی رہے کہ میں دوست ہوں اور دوستی نبھا رہی ہوں۔"

"تو پھر اب بھی دوستی نبھاؤ اور اتنا تو سوچو کہ میں اب تک تمھاری ذات پر پچاس ہزار روپے خرچ کر چکا ہوں۔ میں ایک کاروباری آدمی ہوں اور اپنے نفع و نقصان کا حساب کرتا رہتا ہوں۔ اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں بڑے خسارے میں رہوں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم نقصان اٹھا رہے ہو، میری دوستی تمھیں مہنگی پڑ رہی ہے۔ تم مجھے بتاؤ کہ میں تمھارے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ سوائے جسمانی تعلقات کے میں تمھارے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"کیا تم وعدہ کرتی ہو کہ میرے کسی کام آؤ گی؟"

"ہاں ۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمھارے ہر طرح کام آؤں گی۔"

تب اس دولت مند نیر دز نے کہا۔ "میرا ایک بیوٹی پارلر ہے جیسا کہ میں پہلے تمھیں بتا چکا ہوں۔ وہاں بہت کم لڑکیاں آتی ہیں، حالانکہ میں نے جس مادام روزی کو وہاں رکھا ہے وہ بہت تجربہ کار عورت ہے اور عورتوں کو حسین بنانے، اُن کے بال سنوارنے میں بہت ماہر ہے۔ لیکن ہمارا کاروبار نہیں چل رہا ہے۔ کیا تم دو چار لڑکیاں مہینے میں ہمارے بیوٹی پارلر نہیں بھیج سکتی ہو؟"

"میں کوشش کروں گی کہ تمھارے لیے گاہک پیدا کروں۔"

"کوشش کرنے کی بات نہیں ہے۔ تم چاہو تو بڑی آسانی سے لڑکیوں کو پھانس سکتی ہو۔ جیسا کہ تم نے بتایا کہ بہت سی عورتیں تم سے دوستی کرتی ہیں اور تم سے یہ راز معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ تمھارے بدن سے کس قسم کی خوشبو پھوٹتی رہتی ہے؟ تم اسی خوشبو کا حوالہ دے کر کہہ سکتی ہو کہ فلاں بیوٹی پارلر میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ میں اپنے بیوٹی پارلر کا سائن بورڈ بدل کر دوسرا سائن بورڈ لگاؤں گا جس کا نام ہو گا "خوشبو کا غسل" یا "تھنگ ان پرفیوم"۔ تم اپنے ملنے جلنے والی لڑکیوں سے کہہ سکتی ہو کہ تم اسی باتھنگ پرفیوم میں جا کر خوشبو کا غسل کرتی ہو اور اس طرح اپنے آپ کو پرکشش بنا لیتی ہو۔"

"ٹھیک ہے، میں تمھارے بیوٹی پارلر میں حسین اور دولتمند لڑکیوں کو بھیجا کروں گی۔ لیکن مجھے کیا فائدہ ہو گا؟"

"میں حسین لڑکیوں کو چاہتا ہوں۔ دولتمند ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایک بات یاد رکھنا، اگر غریب لڑکیاں ہوں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ میرے بیوٹی پارلر میں غریب لڑکیوں کی گنجائش ہے۔"

"غریب لڑکیاں! وہ کیوں؟"

"یہ نہ پوچھو۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہمارا بیوٹی پارلر سستے ریٹ کا ہے۔ وہاں غریب لڑکیاں اپنی آرائش کا سامان کر سکتی ہیں۔"

"بہر حال مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے کہ تمھارا بیوٹی پارلر سستا ہے یا مہنگا۔ مجھے کیا ملے گا، یہ بتاؤ۔"

"میں تمھیں پانچ ہزار روپے فی لڑکی کے حساب سے دوں گا۔ اگر مہینے میں دو لڑکیوں کو بھیجو گی تو مہینے میں دس ہزار۔ اور اگر چار لڑکیوں کو بھیجو گی تو بیس ہزار روپے ملیں گے۔"

شہناز نے حیرانی سے پوچھا۔ "اگر تم مجھے اتنی رقم دو گے۔ پھر تو میں کل ہی سے کوشش شروع کر دوں گی۔"

دونوں کے درمیان یہ زبانی معاہدہ ہو گیا تھا اور دونوں اس معاہدے پر عمل کر رہے تھے۔ ایک لڑکیاں سپلائی کر رہی تھی۔ دوسرا اپنے وعدے کے مطابق پانچ ہزار کے حساب سے رقمیں ادا کر رہا تھا اور اس طرح شہناز کی آمدنی کا ایک ذریعہ بنا ہوا تھا۔

اس کی آمدنی کا ذریعہ کیا ہے؟ یہ معلوم ہو گیا۔ شہناز خود کو دنیا کی سب سے قیمتی عورت سمجھتی تھی اور اپنے بدن کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھ کر خود کو دوسروں سے محفوظ رکھتی تھی۔ لیکن دوسری لڑکیوں کو بیوٹی پارلر بھیج کر انہیں اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا رہی تھی۔ اب وہ ایسی نادان تو نہیں تھی کہ بیوٹی پارلر میں اُن لڑکیوں کے جانے کا مقصد نہ سمجھتی ہو۔ جو شخص ایک لڑکی کے لیے پانچ ہزار دیتا ہو، وہ اپنے بیوٹی پارلر کے لیے گاہک نہیں، بلکہ شکار تلاش کرتا ہو گا۔

میں نے ایک بار پھر شہناز کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنی خوابگاہ سے نکل کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔ میں اس کے دماغ میں موجود رہا۔ اس نے کچن میں پہنچ کر باورچی کو مخاطب کیا تو باورچی نے کہا۔ "جی بیگم صاحب، فرمائیے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "آج کھانے کے بعد جو سویٹ ڈش رکھو گے اس میں بھنگ ملا دینا۔ وہ جو آج مہمان آیا ہے، میں اسے وہ سویٹ ڈش کھلانا چاہتی ہوں۔ مگر خبردار! کسی کو پتہ نہ چلے۔"

باورچی نے کہا۔ "بیگم صاحب! آپ اطمینان رکھیں۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ میں ایسی بھنگ والی سویٹ ڈش بناؤں گا کہ کھانے والے کے بارہ بج جائیں گے۔"

"دیکھو اتنا زیادہ نہ ملانا کہ وہ نشے میں بالکل ہی مدہوش ہو جائے۔ نشہ اس قدر ہو کہ جو باتیں اُس سے کی جائیں، ان کا وہ معقول جواب دے سکے۔"

"کمبخت بہت چالاک تھی۔ مجھے مدہوش کر کے مجھ سے میری اصلیت اُگلوانا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کے سامنے میں دم نہیں مارتا ہوں۔ وہ جو بولتی ہے اس پر عمل کرنے لگتا ہوں۔ دوسرے لوگوں کی بھی یہی حالت ہوتی ہو گی کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہوں گے۔ میں بھی اگر اس وقت مجبور ہو گیا۔ اگر اُس نے مجھے سویٹ ڈش کھانے کے لیے کہا، میں انکار نہ کر سکا تو پھر میری مدہوشی یقینی ہو گی۔

وہ باورچی خانے سے واپس آ گئی۔ میں اُس باورچی کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ سویٹ ڈش ایک چولھے پر چڑھی ہوئی تھی۔ وہ بھنگ کی پڑیا لانے کے لیے اپنے کوارٹر کی طرف گیا۔ میں اُس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ کوارٹر میں پہنچ کر اُس نے اپنے صندوق میں سے بھنگ کی پڑیا نکالی پھر واپس آنے لگا۔ وہ پڑیا اُس نے ایک مٹھی میں دبا کر رکھی تھی۔ اُسی وقت میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ قابض ہونے کے بعد میں نے اُس پڑیا کو کھولا ۔۔ کھول کر اس کا تمام سفوف پھینک دیا۔ پھینکنے کے بعد پڑیا کو پھر اسی طرح لپیٹ کر میں نے اُسے اس کی مٹھی میں دبایا۔ اُس کے بعد اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اُس نے چونک کر مٹھی کو دیکھا، پڑیا بدستور اس کی مٹھی میں تھی۔ وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھ گیا۔ باورچی خانے میں آ کر اُس نے سویٹ ڈش کی دیگچی کا ڈھکن کھولا۔ اسی وقت میں پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب وہ پڑیا کھول کر دیگچی ـــــــــ میں ڈال رہا تھا لیکن اب اس کاغذ میں کچھ نہ رہا تھا۔ اسی وقت میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اُس نے چونک کر دیکھا، پڑیا والا کاغذ خالی تھا ۔۔ وہ یہی سمجھا کہ اس نے اُسے دیگچی میں ڈال دیا ہے، اس نے کاغذ توڑ مروڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ پھر دیگچی میں چمچ ڈال کر ملانے لگا۔ گویا کہ وہ اس سویٹ ڈش میں بھنگ ملا رہا تھا۔ حل کر رہا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے ملازمہ نے ڈرائنگ روم میں آ کر مجھ سے کہا کہ بیگم صاحب ڈائننگ روم میں بلا رہی ہیں۔ میں وہاں سے اُٹھ کر ملازمہ کی رہنمائی میں ڈائننگ روم میں پہنچا۔ شہناز وہاں ایک میز کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میز پر کھانا چن دیا گیا تھا۔ میں میز کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا۔ "اب بتاؤ، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اپنی اصلیت بتا رہے ہو یا پراسرار بن کر رہنے کا ارادہ ہے؟"

"میں پراسرار نہیں، ایک کھلی ہوئی کتاب ہوں البتہ تم خواہ مخواہ مجھے پراسرار سمجھ رہی ہو۔ میرا جواب وہی ہے جو میں پہلے دے چکا ہوں۔"

"میں کیسے مان لوں کہ تم طارق محمود ہو۔ میں تمھیں اپنا شوہر تسلیم نہیں کر سکتی کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے مُردہ دیکھا ہے۔"

"تم نے مجھے مردہ نہیں بلکہ مُردے جیسی حالت میں دیکھا ہو گا اور وہاں سے مجھے چھوڑ کر چلی آئیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ڈاکٹر نے مجھے نئی زندگی دی ہو۔ اس نے میری جان بچائی اور یہ سچ ہے کہ اُس نے مجھے پھر سے یہ چہرہ دیا۔ میں اس کے پاس سے اپنا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات لے آیا ہوں جو یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ میں تمھارا شوہر ہوں۔ یہاں جو میرے احباب ہوں گے، وہ بھی مجھے دیکھ کر یہی کہیں گے۔ تم لاکھ انکار کرتی رہو مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

وہ غصے سے بولی۔ "کیسے فرق نہیں پڑے گا۔ میں کسی کو اپنا شوہر بنا لوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تمھیں کبھی اپنا شوہر تسلیم نہیں کروں گی، چلو کھانا شروع کرو۔"

وہ مجھے غصے کی حالت میں بھی کھانے کے لیے کہہ رہی تھی۔ اس لیے کہہ رہی تھی کہ وہ کھانے کے بعد مجھے سویٹ ڈش کھلانا چاہتی تھی۔ میں چپ چاپ کھانے لگا۔ کھانے کے دوران اُس نے کہا۔ "دیکھو تم وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو۔ میں اپنے شوہر طارق محمود کو بہت اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ وہ میرا غلام تھا۔ میں دن کو رات کہتی تھی تو وہ بھی رات کہتا تھا۔ میں رات کو دن کہتی تو وہ دن ہی کہتا تھا۔ اس نے کبھی میری نافرمانی نہیں کی لیکن تم ۔۔۔ تم بضد ہو کہ طارق محمود ہو، جب کہ میں انکار کر رہی ہوں۔ اگر تم طارق محمود ہوتے تو میرے ایک اشارے پر خود کو طارق محمود کہنے سے انکار کر دیتے۔ خواہ تم طارق محمود ہوتے یا نہ ہوتے۔"

میں نے لقمہ چباتے ہوئے کہا۔ "ہاں ان دنوں مجھ میں کچھ تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ حالات نے مجھے سکھا دیا ہے کہ مجھے عورت کا غلام بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ میری غلامی نے تمھیں اتنا سر چڑھا دیا کہ تم مجھے کسمپرسی ... کی حالت میں چھوڑ کر یہاں چلی آئیں۔ اگر میں مر چکا تھا تو تمھارا فرض تھا کہ میری تجہیز و تکفین کر دیتیں۔ میں اپنے وطن کی مٹی میں جل جاتا لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ تم نے میری وفاداری، میری محبت اور میری دیوانگی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم کیا جانو کہ مجھ پر وہاں کیا بیت رہی تھی۔ تم تو مُردہ حالت میں وہاں لیٹے گئے تھے اور وہ جاپانی ڈاکٹر میری عزت کا دشمن بن گیا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی عزت بچائی اور وہاں سے فرار ہو گئی۔ اگر وہاں سے بھاگ کر نہ آتی تو تمھیں دفنانے اور کفنانے کے لیے مجھے اپنی عزت کی لاش پر سے گزرنا پڑتا۔ اور میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔"

میں اُس کی یہ بات سُن کر نرم پڑ گیا، پھر بولا "اوہ، مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ جاپانی ڈاکٹر تمھاری عزت کا دشمن بن گیا تھا۔ اگر تم نے اپنی عزت بچانے کے لیے ایسا کیا ہے تو میں تمہیں معاف کرتا ہوں اور میرے دل سے ساری کدورتیں دُور ہو گئی ہیں۔ لیکن اب تو تمھیں مجھے اپنا شوہر تسلیم کر لینا چاہیے۔"

اس نے جواب دیا۔ "میں سوچوں گی، ویسے تمھارا سامان کہاں ہے۔"

"ہوٹل میٹرو پول کے ایک کمرے میں ہے۔"

"وہاں سے میرے لیے کچھ لائے ہو یا صرف اس بلّی کو ہی ساتھ لائے ہو؟"

"یہ بلّی وہیں مجھے ملی تھی۔ اس کے علاوہ میرے پاس دو ہزار ڈالر ہیں اور میں کچھ بھی نہ لاسکا۔ البتہ یہاں تمہیں تگڑی شاپنگ کرادوں گا۔"

دو ہزار ڈالر کا سُن کر وہ خوش ہو گئی تھی مگر اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے بولی۔ "کھانا کھا چکے ہو تو یہ سویٹ ڈش بھی کھاؤ۔"

میں نے کہا۔ "میں میٹھا آج کل نہیں کھاتا ہوں۔"

"واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمھاری تو میٹھا کھانے کی عادت تھی اس لیے میں نے خاص طور پہ تمھارے لیے تیار کروایا ہے۔ چلو تھوڑا سا کھا لو۔"

یہ کہہ کر اُس نے وہ ڈش میری طرف بڑھادی اور پیار سے مسکرانے لگی، اس کی اس ادا کے سامنے میں انکار نہ کرسکا۔ اگر اس میں سچ مچ بھنگ ملی ہوتی تب بھی میں شاید اس کی باتوں میں آکر اس کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہو جاتا اور کھا لیتا۔ بہرحال، میں اس ڈش میں سے میٹھا نکال کر کھانے لگا۔ پہلا ہی چمچ کھانے کے بعد میں نے کہا۔ "واہ! بہت اچھا ذائقہ ہے، بہت ہی لذیذ ہے۔"

"تو پھر جی بھر کر کھاؤ۔ تکلف نہ کرو۔"

میں جی بھر کر کھانے لگا۔ کھانے کے دوران وہ بار بار ڈش بڑھا کر میٹھا پیش کرتی تھی اور ساتھ ہی یہ کہتی تھی کہ انسان کو سچ بولنا چاہیے اور ہمیشہ مثبت انداز میں سوچنا چاہیے۔ "میں یقین کرتی ہوں کہ تم سچے ہو۔ اور اب آئندہ بھی تم مجھ سے سچ بولا کرو گے۔"

میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا جا رہا تھا اور کھاتا جا رہا تھا۔ وہ سچ بولنے کی تلقین اس لیے کر رہی تھی کہ یہ بھنگ کی ایک خاصیت ہے۔ اگر کوئی ہنستے ہوئے بھنگ پیتا ہے تو وہ نشہ اترنے تک ہنستا ہی رہتا ہے۔ روتے ہوئے پیئے گا تو ہمیشہ رونی صورت بنا کر رہے گا۔ اگر کوئی سچ بات بولنے یا جھوٹ بولنے کی باتوں کو دہراتا جائے گا اور کھاتا جائے گا تو نشہ اُترنے تک یا تو سچ بولتا رہے گا یا جھوٹ، گپیں اڑاتا رہے گا۔

اسی لیے شہناز میرے ذہن میں یہ بات نقش کر رہی تھی کہ مجھے سچ بولنا چاہیے کیونکہ ابھی وہ تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے یہی اگلوانا چاہتی تھی کہ میری اصلیت کیا ہے؟ اور میں درحقیقت کون ہوں؟

اچھی طرح کھا لینے کے بعد میں نے اپنی آواز نشیلی بناتے ہوئے کہا۔ "واہ! مزا آگیا — میری جان۔ اتنا لذیذ سویٹ تو میں نے پہلے کبھی کھایا ہی نہیں تھا۔ تم نے کیا چیز کھلا دی ہے؛ میرا تو سر گھوم رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ سچ بولتا رہوں، سچ بولتا رہوں۔"

شہناز مطمئن ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی، پھر وہاں سے جاتے ہوئے بولی۔ "میں خواب گاہ میں جا رہی ہوں میرے پیچھے چلے آؤ۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اس کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ یہ بہت بُری بات تھی۔ حالانکہ مجھے اُس کے شانہ بشانہ ساتھ ساتھ چلنا چاہیے تھا یا پھر وہ میرے پیچھے چلتی۔ مردانگی کا تقاضا تو یہی تھا۔ لیکن اُس کے حکم کی تعمیل تو میں مجبوراً کرنے ہی لگتا تھا۔

ہم خواب گاہ میں پہنچ گئے، وہ بولی۔ "ہاں اب بتاؤ کہ تم کیا سچ بولنا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں اب تمھیں سچ سچ یہ بتا دوں کہ میں تمھیں اپنی وفادار اور گھر گرہستی والی عورت بنانے آیا ہوں۔ تم بہت پَر پُرزے نکال چکی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک مشرقی بیوی بنا کر رکھوں۔"

وہ بگڑ کر بولی۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ تم کیا سچ بول رہے ہو؟ میں وہ سچ سُننا چاہتی ہوں کہ تم حقیقتاً کون ہو؟"

"میں حقیقتاً میں ہوں اور بالکل میں ہی ہوں۔ یقین نہ آئے تو تم مجھے اور اچھی طرح جھاڑ پونچھ کر میرے چہرے کو اچھی طرح دھو کر دیکھ لو، میں میں ہی رہوں گا۔ میں طارق محمود تمھارا شوہر ہوں۔"

میں نشے میں لڑکھڑاتی زبان میں یہ باتیں کر رہا تھا۔ اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ میں واقعی طارق محمود ہوں۔ اُس نے ہر طرح سے مجھے آزما لیا تھا۔ کتنے ہی مخالفانہ رویّے اختیار کرنے کے باوجود میں اس کے آگے طارق محمود ہی ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے اب وہ اس معاملے میں نرم تو پڑ گئی لیکن یہ سُن کر گرم ہو گئی کہ میں اسے ایک مشرقی بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ وہ غصّے میں بولی۔ "یہ کیا احمقانہ باتیں کر رہے ہو؟ کیا میں مشرقی عورت نہیں ہوں؟"

"مشرقی عورتیں اپنے گھروں میں غنڈے نہیں پالتیں اور دُور دیس سے آنے والے شوہر کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر مہمانوں کی طرح نہیں رکھتیں، بلکہ اپنی خواب گاہ میں بلا کر اپنی آغوش میں چھپا لیتی ہیں۔ آؤ، مجھے اپنی آغوش میں چھپا لو یا میرے بازوؤں میں چھپ جاؤ۔"

یہ کہہ کر میں آگے بڑھا، وہ پیچھے ہٹ گئی، پھر تنک کر بولی۔ "خبردار مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ آج تک کوئی مجھے ہاتھ نہیں لگا سکا۔"

"کیا میں بھی بحیثیت شوہر تمھیں ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھ سے کیوں اپنی پارسائی جتا رہی ہو؟ تم میری بیوی ہو اور کنواری دوشیزہ میرے سامنے نہیں بن سکتیں۔"

وہ ذرا سا پیچھے ہٹ کر بولی۔ "شادی کے بعد ہمارے جو ازدواجی تعلقات قائم ہوئے تھے اُسے اب خواب ہی سمجھو، میں اب تمھیں کبھی ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔ میں اسے اپنی جوانی کا سب سے اہم سرمایہ سمجھتی ہوں — اور جب تک میں کھلے ہوئے گلاب کی طرح تر و تازہ ہوں، لوگ میرے آگے جھکتے رہیں گے، میرے پیچھے بھاگتے رہیں گے اور میں یہی چاہتی ہوں۔"

وہ اتنی پُرکشش تھی کہ میں اُسے حاصل کرنے کے لیے اُسے چھو لینے کے لیے ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ میں اُس وقت خیال خوانی بھول گیا تھا یا وہ اتنی حسین اور اتنی مہربان، اتنی قابلِ پرستش لگ رہی تھی کہ میں اُسے خیال خوانی کے ذریعے ٹریپ کرنا مناسب نہیں سمجھ رہا تھا۔

وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں حکم دیتی ہوں کہ میری خواب گاہ سے باہر چلے جاؤ۔"

میں فوراً ہی اپنی جگہ سے پلٹ کر باہر جانے لگا۔ مجھے اُس کا حکم مانتے ہوئے ایک گونہ خوشی سی محسوس ہوتی تھی۔ دل کہتا تھا کہ میں اس کی فرمانبرداری کروں گا اُس کے تابع فرمان رہوں گا تو وہ خوش ہو کر اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے گی۔

میں خواب گاہ سے باہر نکلا تو اُس نے دروازے کو بند کر دیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی اس کے بدن کی خوشبو بھی خواب گاہ میں بند ہو گئی — میں اس خوشبو کے طلسم سے آزاد ہو گیا۔ باہر نکل کر میں نے اپنے آپ کو الزام دیا کہ آخر میں نے اُسے خیال خوانی کے ذریعے ٹریپ کیوں نہیں کیا۔ اُسے کسی طرح اپنے دام میں لے کر اُس کا غرور ختم کرنا تھا — وہ خود کو قیمتی سرمایہ سمجھتی تھی اور مرد قیمتی سرمائے پر ہی ٹوٹ پڑتا ہے۔

میں ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے اس کے دماغ میں گھس گیا اور اُسے قائل کرنے لگا کہ میں نے خواہ مخواہ اسے اپنی خواب گاہ سے باہر نکال دیا۔ وہ میرا شوہر ہے، میرا محبوب ہے۔ بہت مدّت کے بعد آیا ہے۔ اگر میں اپنے آپ کو اس کے حوالے نہیں کر سکتی، تو کم از کم اسے اپنے پاس بلا کر اپنے پاس بٹھا کر اچھی باتیں تو کر سکتی ہوں۔

میں اُسے قائل کرتا جا رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا کہ اب وہ میرے پاس آئے گی تو اسے خیال خوانی کے ذریعے ضرور ٹریپ کروں گا — وہ بڑی ضدی اور مغرور تھی۔ اُس نے قسم کھالی تھی کہ اپنے بدن تک کسی کے سائے کو نہیں پہنچنے دے گی۔ ہاتھ لگانا تو دُور کی بات تھی اس لیے وہ میری خیال خوانی کے ذریعے قائل نہیں ہو رہی تھی۔ مجبوراً ہو کر میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ اب وہ، وہ نہیں رہی تھی بلکہ میں اس کے دماغ اور اس کے جسم کا مالک ہو گیا تھا۔ اب وہ میری مرضی کے مطابق خواب گاہ کا دروازہ کھول کر میری طرف آرہی تھی اور مجھے اپنے ساتھ بلا کر اپنی خواب گاہ میں لے جانا چاہتی تھی۔

وہ آرہی تھی — میں ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا تاکہ اس کے بُلاوے کو سن سکوں۔ لیکن جیسے ہی وہ ڈرائنگ روم میں آئی، جیسے ہی اُس کے بدن کی خوشبو نے میرے نتھنوں کو چھوا... ویسے ہی میں اُس کا دیوانہ ہو گیا اور خیال خوانی بھول کر اس کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی ایک دم سے ڈرائنگ روم کے دروازے پر چونک کر اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ پھر مجھے ذرا وحشت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں — — — میں کیسے یہاں تک آگئی؟"

میں نے کہا۔ "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں اسی لیے میرے پاس آئی ہو۔"

"میں بہت دیر سے — — تمھارے بارے میں سوچ رہی ہوں کہ تمھیں واقعی اپنے پاس بُلا لینا چاہیے۔ پتہ نہیں تم کیسے جادوگر ہو کہ میں اتنے عرصے کے بعد بھی صرف تمھارے بارے میں ہی سوچ رہی ہوں، ورنہ مجھے مردوں سے نفرت ہے سخت نفرت۔ میں ان کو تڑپانے اور ترسانے میں ایک طرح کی لذت محسوس کرتی ہوں لیکن تم کچھ عجیب سے ہو۔ پتہ نہیں مجھ پر کیا جادو کر رہے ہو۔ بہرحال میں تمھارے پاس آکر یہاں باتیں تو کر سکتی ہوں لیکن تمہیں خواب گاہ میں نہیں بُلا سکتی۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی — میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ جب وہ چلی گئی جب وہ اپنی خواب گاہ میں بند ہو گئی، تب پھر مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ میں اُسے ٹریپ کر رہا تھا، پھر خود ہی اسے اپنی خیال خوانی کی مٹھی سے آزاد کر دیا تھا۔ آخر وہ کس قسم کی خوشبو استعمال کرتی ہے اس کے حکیم باپ نے بہت زبردست قسم کا نسخہ اُسے بتا دیا ہے۔ اُسے تو کوئی بھی اب ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔ وہ واقعی پھر ایک بار کنواری بن کر زندگی گزارے گی اور اپنی نظروں کے سامنے دوسروں کو للچاتی رہے گی۔

ویسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ زندگی میں پہلی بار کسی ایسی عورت سے سابقہ پڑا تھا کہ جسے میں نہ تو محبت سے جیت سکتا تھا نہ دولت سے جیت سکتا تھا۔

میرے جی میں آیا کہ اُسے پھر ایک بار ٹریپ کر کے اپنے پاس بلاؤں۔ پھر خیال آیا کہ اگر میں اس کی موجودگی میں پھر اس کو ٹریپ نہ کر سکا اور اس کے دماغ کو اپنی مٹھی میں رکھنے میں ناکام

رہا تو وہ پھر چونک کر سوچے گی کہ وہ کس طرح میرے پاس آگئی تھی۔

میں ڈرائنگ روم سے اُٹھ کر اس کی خواب گاہ کی طرف جانے لگا۔ خیال تھا کہ اب وہاں پہنچ کر میں اپنے آپ کو آزماؤں گا اور اس بار اس کے دماغ کو اپنی مٹھی میں لے لوں گا۔ یہ سوچ کر میں نے اُس کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

میں نے جواب دیا "میں طارق محمود ہوں۔"

اُس کی غصے بھری آواز آئی۔ "چلے جاؤ یہاں سے، کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو؟ میں ابھی تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔"

مجھے اس کے تحکمانہ انداز پر بڑا غصہ آیا۔ اُلّو کی پٹھی، مجھے وہاں سے جانے کا حکم دے رہی تھی جیسے میں اس کا زرخرید غلام تھا۔ میں نے فوراً ہی اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لیا اور اسے دروازہ کھولنے پر مجبور کیا وہ چُپ چاپ دروازے کے پاس آئی پھر اُسے کھولتے ہی میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ دروازہ کھلتے ہی خوشبو کا جھونکا میرے حواس پر چھا گیا۔ میں خیال خوانی بھول کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔

وہ پھر چونک کر بولی۔ "یہ کیا؟ میں تو دروازہ کھولنا نہیں چاہتی تھی معلوم ہوتا ہے تم واقعی بنگال سے کچھ جادو سیکھ کر آئے ہو۔ نئے نئے ہتھکنڈے آزما رہے ہو۔ میں نے نہ کھولنے کے باوجود اس دروازے کو کھول دیا۔ یہ آخر کیا طلسم ہے؟"

"شہناز! میری بات مان جاؤ۔ یہ طلسم نہیں بلکہ محبت ہے۔ تمہیں مجھ سے اتنی محبت ہے کہ تم بے اختیار اپنے ہوش سے بیگانہ ہو کر دروازہ کھول دیتی ہو لیکن اپنی ضد سے مجبور ہو کر مجھے اندر نہیں آنے دیتیں۔"

وہ بولی۔ "ہاں، میں تمہیں اندر نہیں آنے دوں گی مجھے تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ۔"

اس کا حکم سنتے ہی میں اپنی جگہ سے پلٹ کر جانے لگا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مجھے اس کا حکم ناگوار گزرا تھا۔ اور اب نگاہوں کے سامنے وہی حکم میرے سر آنکھوں پر تھا اور میں اس پر عمل کر رہا تھا۔

اُس روز پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ خوشبو اتنے زبردست طریقے سے بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ اچھے سے اچھے ضدی اور سرکش انسانوں کو اپنے آگے جھکا لیتی ہے اور اپنی من مانی کراتی ہے۔ بلاشبہ وہ خوشبو مجھے دماغی طور پر بالکل معذور بنا کر رکھ دیتی تھی۔ میں ڈرائنگ روم میں واپس آگیا۔ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

اب شہناز کے پیچھے سر کھپانا فضول تھا۔ اس کی تمنا ایسی ہی تھی جیسے کوئی پیاسا صحرا میں پانی کی تمنا کرے اور اُسے پانی نہ ملے۔ اسی طرح شہناز فی الحال تو مجھے نہیں مل سکتی تھی۔ میں زندگی میں پہلی بار پیاسا رہ گیا تھا۔

میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا پھر اس کے کش لگاتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ میری عادت ہوگئی تھی کہ جب کوئی پریشانی کی بات ہوتی تھی تو میں سگریٹ سلگا کر کرسی پر بیٹھ جاتا تھا بہرحال اب مجھے رُومانہ یاد آرہی تھی۔ رُومانہ جس کی اصلیت لوسی تھی میں لوسی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں کالی رات ہوچکی تھی اور وہ بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ لہٰذا میں اس کے دماغ سے واپس آگیا۔

وہ گینڈا باس رس ونتی کا دیوانہ تھا۔ اُس پر ہزار جان سے عاشق ہوچکا تھا لہٰذا اس کا خیال رکھنا بھی ضروری تھا کہ کہیں وہ عشق سے مجبور ہو کر بیمار رس ونتی پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ اس سلسلے میں اس گینڈے باس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ دو آدمیوں کے پاس بیٹھا ہوا اہم باتیں کر رہا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ میں بہت اچھے موقع پر پہنچا تھا۔ دو آدمی ریڈ پاور کی طرف سے آئے تھے اور رس ونتی کو وہاں لانے پر اعتراض کر رہے تھے۔ اور گینڈے باس کو دھمکیاں دے رہے تھے، کہ اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور بیگار کیمپ سے ایک عورت کو اُٹھا لایا ہے اس لیے اس کا معاہدہ بھی منسوخ ہوگا اور عبرتناک سزا بھی دی جائے گی۔

گینڈے باس نے کہا۔ "میں اس عورت کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس لیے میں اسے اٹھا لایا ہوں۔"

دوسرے شخص نے کہا "تم اگر اس پر عاشق ہوگئے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔ تم کو عاشق ہونے کے لئے یہاں ہزاروں لاکھوں عورتیں مل سکتی ہیں لیکن اس پر عاشق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی موت کا ایک وقت مقرر کر لیا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "موت کا تو ایک وقت مقرر ہوتا ہی ہے۔"

"ہوتا ہے لیکن وہ قدرت کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہم جس کا وقت مقرر کر دیتے ہیں وہ قدرت کے مقرر کئے ہوئے وقت سے پہلے اس دنیا سے نو دو گیارہ ہو جاتا ہے اور اب تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا!"

یہ کہتے ہوئے اس شخص نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر گینڈے کو اپنے ریوالور کی زد میں رکھ لیا۔ گینڈے باس نے کہا۔ "مجھے موت کی دھمکی نہ دو۔ میں سمجھتا تھا کہ میں جان پر کھیلنے کے لئے اس عورت کو یہاں لایا تھا تو اپنے بچاؤ کی بھی میں نے فکر کر لی تھی تم اس کمرے سے باہر جاؤ گے تو زندہ اپنے گھر تک نہیں پہنچ سکو گے۔ باہر میرے آدمی تمہارے منتظر ہوں گے۔ انہیں مجبور نہ کرو کہ وہ اندر چلے آئیں۔"

حقیقتاً باہر اس کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ وہ محض دھمکیاں دے رہا تھا۔ میں نے اس ریوالور والے کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو اس کی دھمکی اثر کر رہی تھی۔ اس نے ذرا نرم پڑتے ہوئے کہا۔ "میں ہنگامہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ ورنہ اگر اپنی موت کا ڈر ہوتا تو میں یہاں

نہیں آتا۔ میں اگر مر جاؤں گا تو میرے بعد ہماری تنظیم کے دوسرے تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ عورت ہماری تنظیم کے لئے بڑی خطرناک ہے۔ اس بیمار عورت کو ہم ایسے ہی کسمپرسی کی حالت میں مار دینا چاہتے ہیں۔"

دوسرے شخص نے کہا "اس بیگار کیمپ سے تمہیں لاکھوں ڈالر منافع حاصل ہو رہا ہے۔ کیا تم اتنے بڑے منافع کو اس عورت کی خاطر ٹھکرا دو گے؟"

گینڈے باس نے کہا "میں اس منافع کو نہیں ٹھکراؤں گا۔ میں تمہارے لیڈر سے بات کروں گا اور اس کو اپنے منافع کا بڑے سے بڑا حصہ دے کر اس بیمار عورت کو اپنے لئے حاصل کر لوں گا۔"

اس آدمی نے کہا "اس خیال کو دل سے نکال دو کہ اس عورت کو کسی اور دوسرے کے حوالے کیا جائے گا وہ صرف مرنے کے لئے اس طرح بیمار چھوڑ دی گئی ہے اور اس کی تقدیر میں مر جانا لکھا ہے۔"

ریوالور والے نے کہا "ہم تمہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہے ہیں اس بیمار عورت کو ہسپتال سے نکال کر دوبارہ بیگار کیمپ میں پہنچا دو پھر تمہارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ورنہ تم اپنے لئے گڑھا کھود رہے ہو اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھی کو چلنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ میں گینڈے باس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ وہ پریشان ہوگیا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ ایک عورت کے عشق میں وہ کیا کیا داؤ پر لگا رہا ہے۔ اب اس کی زندگی خطرے میں تھی اور اس کا لاکھوں روپے کا منافع ہاتھ سے نکلنے والا تھا۔ اب اس کے لئے فیصلے کی گھڑی آپہنچی تھی۔

وہ تصور میں رس ونتی کو دیکھنے لگا۔ اس کے حسن و شباب کا جائزہ لینے لگا۔ دوسری طرف وہ اپنی ہونے والی لاکھوں ڈالر کی آمدنی کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی زندگی کی سلامتی کو بھی تول رہا تھا۔ اور ترازو کے ایک پلڑے میں صرف ایک بیمار رس ونتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کا عشق ... ڈانواں ڈول ہوگیا۔ محبت کے جذبات سرد پڑنے لگے۔ دماغ نے سمجھایا کہ زندگی رہی تو رس ونتی جیسی ہزاروں عورتیں مل جائیں گی اور ایسے وقت احمقانہ عشق کے لئے اپنے محسنوں سے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔ جنہوں نے اسے لاکھوں روپے کا بیگار کیمپ والا ٹھیکہ دیا ہوا ہے۔

تھوڑی دیر تک اچھی طرح سوچ لینے کے بعد اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا پھر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جب رابطہ قائم ہوگیا تو اس نے کہا۔ "جناب! مجھے افسوس ہے میں نے بیگار کیمپ سے ایک عورت کو لا کر سخت غلطی کی ہے اور اس غلطی کو میں اب تک تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ ابھی کیڈی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ یہاں آیا تھا اور مجھے دھمکی دے رہا تھا۔ میں دھمکی سے مرعوب تو نہیں ہوں۔ لیکن ہاں لاکھوں ڈالر کا ٹھیکہ میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میں اس عورت کو چھوڑ دوں گا۔ اور اسے واپس بیگار کیمپ پہنچا دوں گا۔ مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی گئی ہے۔ اس مہلت کے دوران ہی میں اسے واپس بیگار کیمپ میں لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ شخص جس نے اسے ریوالور دکھایا تھا اس کا نام کیڈی تھا۔ میں اسے چھوڑ کر کیڈی کے دماغ میں

پہنچا تو وہ ایک کار میں بیٹھا ہوا ہسپتال کی طرف جا رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا کہ اس گینڈے کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دینا بیکار ہے اس مریضہ کو وہ ہسپتال سے اپنے طور پر لے جانے کی کوشش کرے گا یعنی اپنی ذمہ داری پر اس مریضہ کو بیگار کیمپ واپس پہنچانا چاہتا ہے۔

ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ لوگ رس وتی کو بیگار کیمپ کیوں پہنچانا چاہتے تھے۔ اگر اسے مارنا ہی مقصود تھا تو اس کا گلا گھونٹ کر اسے مارا جا سکتا تھا۔ یا ایک زہریلا انجکشن اسے ختم کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اسے بیمار رکھ کر زندہ رکھے ہوئے تھے اور اس کے سسک سسک کر مرنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کیا یہ محض ظلم تھا یا اس ظلم کے پیچھے کوئی خاص بات تھی۔

میں اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ میری سمجھ میں یہی بات آئی کہ وہ لوگ رس وتی کو جان سے مارنا نہیں چاہتے بلکہ اسے دماغی طور پر بالکل ہی ناکارہ بنا کر زندہ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ انہیں پھر کبھی اس کی ٹیلی پیتھی سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور وہ اسے بتا سکیں کہ ٹیلی پیتھی کے بغیر وہ کیسی عام سی کمزور سی عورت ہے جسے ایک چیونٹی کی طرح انگلیوں میں مسلا جا سکتا ہے۔

ان کی حرکتیں بتا رہی تھیں کہ وہ رس وتی کو ہلاک نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح مجھے اطمینان ہو گیا کہ رس وتی کی زندگی کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن اسے بیگار کیمپ میں لے جانے کا مطلب یہی ہوتا کہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہتی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ رنگون شہر میں ہی رہے اور اس کا باقاعدہ پوری توجہ سے علاج ہوتا رہے۔

میں کیڈی کے دماغ میں پہنچا وہ بدستور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کی کار کے ڈیش بورڈ میں شراب کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے ڈیش بورڈ کھول کر شراب کی بوتل نکالی پھر اس کا ڈھکنا منہ سے کھولنے لگا۔ کیونکہ ایک ہاتھ سے وہ اسٹیئرنگ کو تھامے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسی دوران میں نے اس کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو بہکا دیا۔ اس کی کار فٹ پاتھ پر چڑھتی ہوئی ایک دکان میں گھس گئی۔

وہ کوئی زبردست حادثہ نہیں تھا۔ وہ زندہ ہی رہا لیکن اسے سخت چوٹیں آئی تھیں۔ بہرحال میں نے یہ کیس بنا دیا تھا کہ اس نے شراب کے نشے میں ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی کار کو ایک دکان کے اندر گھسا دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں پولیس کا سائرن سنائی دے رہا تھا۔ اور پولیس والے اسے حراست میں لینے کے لئے پہنچنے ہی والے تھے۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

پھر میں اس باس کے دماغ میں پہنچا جس سے تھوڑی دیر پہلے گینڈا باس باتیں کر چکا تھا جیسا کہ سپر ماسٹر کی تنظیم میں یہ دستور ہے کہ ہر ملک میں اس کا ایک ماسٹر ہوتا ہے جو اس تنظیم کی شاخ کو اپنے طور پر چلاتا ہے۔ اسی طرح ریڈ پاور کی تنظیم میں بھی کچھ ایسا ہی دستور تھا کہ ہر ملک میں ان کا ایک باس ہوتا تھا جو اپنی تنظیم کا رہنما کہلاتا تھا۔ اس تنظیم کا باس ایسا تھا کہ جس کے دماغ تک میں گینڈے باس کے فون پر گفتگو کرنے کے دوران پہنچ گیا تھا۔

وہ باس اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا اور کیڈی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے وہاں سے اٹھا دیا۔ وہ شراب کا ایک گھونٹ پینے کے بعد گلاس رکھتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر ایک قدِ آدم آئینے کے سامنے آیا۔ پھر اپنا جائزہ لینے لگا۔ خود کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا کہ وہ کس قدر اسمارٹ نظر آ رہا ہے۔ اسی وقت میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے آئینہ دکھایا۔ آئینے میں وہ اپنے آپ کو گھونسا دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا "خبردار! رس وتی کو بیگار کیمپ میں نہ پہنچانا ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ وہ اپنا سر جھٹک کر آئینے میں دیکھنے لگا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ آئینے میں جو عکس ہے اس نے اسے گھونسا دکھایا تھا۔ اسے یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے خود کو گھونسا دکھایا تھا جس کی وجہ سے آئینے کے عکس نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ وہ حیرانی سے سوچنے لگا۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے گھونسا دکھا کر کیا کہا تھا؟"

وہ سوچنے لگا تو اسے یاد آیا کہ آئینے میں کھڑے ہوئے آدمی نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ رس وتی کو بیگار کیمپ نہ پہنچائے ورنہ وہ اس کا منہ توڑ دے گا۔

وہ ہنسنے لگا۔ ہنسنے کی بات ہی تھی کہ بھلا آئینے میں اپنا ہی عکس اپنے کو گھونسا کیسے دکھا سکتا ہے۔ یہ تو ایک لطیفہ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا "سالا ابھی دوسرا پیگ پی رہا ہوں اور نشہ چڑھ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ شراب میں کوئی دوسری چیز بھی ملائی گئی ہے جس کی وجہ سے میں اوٹ پٹانگ باتیں سوچ رہا ہوں یا آئینے میں ایسی باتیں دیکھ رہا ہوں۔"

یہ سوچ کر وہ آئینے کے سامنے سے پلٹ کر واپس اپنے شراب کے گلاس کے پاس آیا پھر اسے اٹھا کر پینے لگا جب اس نے دو چار گھونٹ پی لئے تو میں نے اس کے گلاس کو میز پر رکھوا دیا اور پھر اسے آئینے کے پاس لے آیا۔ اب وہ آئینے کے سامنے کھڑا منہ بنا رہا تھا۔ اپنے آپ کو چڑا رہا تھا۔ پھر دونوں ہاتھ کے گھونسے بناتے ہوئے بولا "ابے الّو کے پٹھے! میں نے تجھ سے ابھی کہا تھا کہ پہلے رس وتی کے متعلق سوچ لے۔ فیصلہ کر لے اگر اسے بیگار کیمپ میں پہنچائے گا تو میں تیرا منہ توڑ دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے اسے آئینے کی طرف سے پلٹا دیا۔ پھر اس

کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چونک کر پلٹتے ہوئے آئینے کو دیکھنے لگا۔ گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابھی کیا ہو گیا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اس کے عکس نے اس بار دونوں ہاتھوں کے گھونسے دکھائے تھے اور اسے وارننگ دی تھی کہ رس وتی کو بیگار کیمپ میں نہ پہنچایا جائے ورنہ اس کا منہ توڑ دیا جائے گا۔

اس بار وہ سنجیدگی سے آئینے کو گھور گھور کر سوچنے لگا پھر وہ پلٹ کر اپنے گلاس تک آیا اور اسے اٹھا کر سونگھنے لگا کہ شراب میں کوئی ایسی ویسی چیز ملی ہوئی نہ ہو۔ پھر وہ گلاس کو رکھ کر آئینے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور تن کر اپنے کالر کو درست کر کے سینہ نکال کر اپنے آپ کو یوں دیکھنے لگا۔ جیسے نشے میں نہ ہو۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے آپ کو کبھی گھونسا دکھا ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ پورے ہوش و حواس میں ہے۔ اسی وقت میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ قبضہ جماتے ہی آئینے میں اس کے عکس نے پھر گھونسا دکھایا۔ اس بار جیسے ہی گھونسا دکھا کر مارنے کے انداز میں ہاتھ آگے بڑھایا ویسے ہی میں نے اس باس کو لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف گرا دیا اور اس کے دماغ میں سے نکل آیا۔ اب وہ حیران و پریشان زمین پر پڑا ہوا سوچ رہا تھا "ارے! اس مرتبہ تو اس آئینے والے نے مجھے گھونسا مار ہی دیا۔"

وہ تھوڑی دیر تک زمین پر پڑا ہوا سوچتا رہا پھر نشے میں جھومتا ہوا دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے ہی آئینے کے سامنے کھڑا ہوا میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی باکسنگ کے کھلاڑیوں کی طرح گھونسے مارنے کا انداز بنایا۔ پینترا بدلا پھر ایک ہاتھ آئینے کی طرف جما دیا۔ آئینہ ذرا سا ٹوٹ گیا۔ اسی وقت میں نے اسے پیچھے کی طرف لڑکھڑا کر گرا دیا اور اس کے دماغ سے نکل آیا۔

اس بار اسے سچ مچ نشہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے جبڑے کو یوں سہلانے لگا۔ جیسے آئینے والے عکس نے اسے سچ مچ کا گھونسا مارا ہو۔ وہ اپنے جبڑے سہلاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر آئینے کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ وہاں سے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے بل رینگتا ہوا اپنی میز کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت نہیں کی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ رس وتی کے متعلق سوچے یا آئینے میں اپنے اس عکس کے متعلق سوچے جس نے اسے بار بار گھونسا مارا تھا۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا اور بوکھلاہٹ میں اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا پھر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے کیڈی ہانپتے ہوئے بول رہا تھا "میں بری طرح کار کے حادثے میں زخمی ہو گیا ہوں۔ اس وقت پولیس والے مجھے حراست میں لئے ہوئے ہیں۔ اور ہسپتال میں میری مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ میری ضمانت کا فوری طور پر انتظام کرو۔"

باس نے اس سے پوچھا "حادثہ کیسے ہو گیا تھا؟"

"اب میں حادثے کی تفصیل کیا بتاؤں۔ ایک ہاتھ سے میں شراب کی بوتل کھول رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو سنبھالے ہوئے تھا۔ آج تک مجھ سے کبھی چوک نہیں ہوئی لیکن پتہ نہیں کیسے میری کار فٹ پاتھ پر چڑھ کر ایک دکان میں گھس گئی۔ حادثہ بہت زبردست ہوا ہے یعنی دکان والے کو بڑا زبردست نقصان پہنچا ہے۔ اس کے نقصان کی تلافی کرنا ہو گی۔ ورنہ پولیس والے مجھے چھوڑیں گے نہیں۔"

اچانک باس کو کچھ خیال آیا تو اس نے پوچھا "کیا تمہارے دماغ میں یہ بات آتی ہے کہ رس وتی کو بیگار کیمپ میں نہیں پہنچانا چاہئے؟"

اس کا یہ سوال سنتے ہی میں فوراً کیڈی کے دماغ میں پہنچ کر کہنے لگا "ہاں میرے دماغ میں یہ بات آتی ہے کہ اس بیمار عورت کو ہسپتال میں رکھ کر اس کا معقول علاج کرایا جائے اور اس کے ساتھ انسانی ہمدردی سے پیش آیا جائے۔ اس کو بیگار کیمپ نہیں پہنچانا چاہئے۔"

وہ گم صم بیٹھا اپنے دماغ میں اس سوچ کو سنتا رہا۔ دوسری طرف سے باس نے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟"

اس نے کہا "ہاں! میرے دماغ میں یہ بات آ رہی تھی، کہ رس وتی کو بیگار کیمپ میں پہنچانے کے بجائے انسانی ہمدردی کے ساتھ اس کا معقول علاج کرایا جائے۔"

باس نے اسے یقین دلایا کہ اس کی ضمانت ہو جائے گی۔ اس نے ریسیور رکھ دیا پھر ایک سفارت خانے کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب رابطہ قائم ہو گیا تو اس نے کہا کہ "ہمارا ایک آدمی کیڈی نامی پولیس کی حراست میں جا رہا ہے اسے چھڑانے کی کوشش کی جائے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنے لگا کہ ان کے دماغ میں رس وتی کی حمایت میں باتیں کیوں آ رہی ہیں؟ وہ بیگار کیمپ پہنچانا چاہتے ہیں لیکن دماغ کہتا ہے کہ بیگار کیمپ نہیں پہنچانا چاہئے۔ کم از کم کیڈی کا دماغ یہی کہہ رہا تھا۔ اور آئینے میں اس کا عکس بھی یہی کہہ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس معاملے کی اطلاع ماسک مین کو دینی چاہئے۔ ماسک مین اس تنظیم کا سب سے بڑا سربراہ تھا اور اسی کی رہنمائی میں تنظیم کے دوسرے باس کام کرتے تھے۔ اس نے

ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کئے۔ میں نے ان نمبروں کو یاد کر لیا تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہوا تو دوسری طرف سے آواز آئی "کیسٹ آن ہے تم اپنا پیغام ریکارڈ کرا دو۔"

وہ اپنی باتیں ریکارڈ کرانے لگا "جناب! میں دس پیگ پینے کے بعد بھی گاڑی ڈرائیو کرتا ہوں یعنی خاصا ہوش میں رہتا ہوں لیکن یہاں دو پیگ پینے کے بعد مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے میں بہکنے لگا ہوں لیکن میں اسے بہکنا نہیں کہہ سکتا کیونکہ ابھی میں پورے ہوش و حواس باتیں کر رہا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں آئینے کے سامنے گیا تو آئینے میں میرے عکس نے مجھے گھونسا دکھایا اور پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس نے مجھے گھونسا مارا اور میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہ آئینے کا عکس بار بار مجھ سے کہہ رہا تھا کہ رس ونتی کو بیگار کیمپ میں نہ بھیجا جائے اور اس کا معقول علاج کرایا جائے۔ ورنہ میرا حشر بہت برا ہو گا۔"

تھوڑے وقفے کے بعد اس نے کہا کہ "کیڈی کا بھی یہی بیان ہے کہ اس کے دماغ میں رس ونتی کی حمایت میں باتیں آ رہی تھیں اور اسی دوران اسے حادثہ پیش آیا جو کہ ایک غیر معمولی سی بات ہے۔ کیڈی بہت ہی اچھا ڈرائیور ہے اور وہ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ تھام کر پینے کے دوران بھی ڈرائیو کرتا رہتا ہے لیکن یہ حادثہ ہماری نظر میں بالکل ہی عجیب سا ہے۔ ہم بیان نہیں کر سکتے کہ اس حادثے کو کیا کہا جائے؟ بہرحال میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ ہمارے دماغوں میں کسی دوسرے کا دماغ بول رہا ہے اور ایسا سوچتے وقت رس ونتی یا فرہاد علی تیمور ہمیں یاد آ جاتے ہیں۔ آپ کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔"

یہ کہنے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں اس کے دماغ سے پوچھنے لگا کہ "اب اسے کب تک جواب ملے گا؟" اس کی سوچ نے بتایا۔ پتہ نہیں کب اس کا وہ پیغام جو اس نے ریکارڈ کیا ہے، سنا جائے گا اور کب اسے جواب کے لئے کال کیا جائے گا۔ یعنی ٹیلی فون پر ہی اسے جواب موصول ہونے والا تھا۔ میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اسے بھیڑ یہاں سے اٹھا دیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آئینے کے سامنے گیا۔ پھر اس قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دونوں باہیں پھیلا کر خوش ہو کر بولا۔۔۔ "شاباش بیٹے! تم نے ہمارا کہا مان لیا۔ اور رس ونتی کے متعلق ہمارا پیغام اپنے ماسک مین تک پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اب میں تمہیں کبھی گھونسا نہیں ماروں گا۔ جاؤ بیٹے آرام سے جا کر شراب پیو۔"

یہ کہنے کے بعد میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے سر جھٹک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے عکس کو دیکھنے لگا۔ جواباً اس کا عکس بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "کیا میں ابھی اپنے آپ سے کچھ کہہ رہا تھا؟"

جواباً آئینے کے عکس نے بھی اس سے یہی پوچھا۔ پھر اس نے سر کو جھٹک کر کہا "یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ کیا جادو ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یقیناً یہ فرہاد کی یا رس ونتی کی کارستانی ہے۔ اگر ہے تو اے آئینے! میں تیرے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہوں کہ میری اگلی پچھلی غلطیاں معاف کر دے۔ میں اپنے ہاتھوں سے تو کبھی رس ونتی کو بیگار کیمپ میں نہیں لے جاؤں گا۔ اگر ماسک مین نے حکم دیا تو میں اس کے حکم سے یہ کہہ کر انکار کر دوں گا کہ میں ساری دنیا کا مقابلہ کر سکتا ہوں لیکن ان دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے منہ نہیں لگ سکتا۔"

یہ کہہ کر وہ آئینے کے سامنے انتظار کرنے لگا کہ شاید اس کا عکس اس سے کچھ بولنے گا لیکن وہ اسی کی طرح خاموش کھڑا رہا۔ آئینے کے ادھر یہ اور آئینے کے ادھر وہ یعنی اس کا عکس دونوں تھوڑی دیر تک چپ چاپ کھڑے رہے۔ آخر وہ اکتا کر واپس آ کر گلاس میں شراب ڈالنے لگا۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

رس ونتی کی بھلی یا بری تقدیر کا فیصلہ ہونے والا تھا مگر ابھی ذرا دیر تھی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ہسپتال کے آرام دہ بستر پر گہری نیند سو رہی تھی۔ بہت دنوں بعد اسے اچھی خوراک اور اچھی دوا ملی تھی۔ اس لئے وہ آرام سے پُرسکون ہو کر سو رہی تھی۔ میں اس کے خوابیدہ دماغ میں جھانکتا رہا۔ وہ عجیب اوٹ پٹانگ سے خواب دیکھ رہی تھی اور گڈمڈ سے خیالات خواب بن کر اس کے دماغ میں آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔ میں نے اس کے دماغ میں رُومانہ کی یاد تازہ کی۔ خوابیدہ ذہن بہت جلدی متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے رُومانہ کا چہرہ بہت واضح طور پر اسے نظر آنے لگا۔

میں نے اس کے خوابیدہ دماغ میں سرگوشی کی "رُومانہ بہت کم عمر ہے۔ اس کی عمر بارہ یا تیرہ برس کی ہے۔ کیا میں نے اتنی کم عمر رُومانہ کو کہیں دیکھا ہے؟"

اس بات کے ساتھ ہی اس کے خواب میں لوسی کا تصور ابھر آیا۔ وہ کم عمر تھی اور اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ گویا رُومانہ کا لڑکپن لوٹ آیا تھا۔

میں اس کے دماغ کو پڑھ کر یہ معلوم کر سکتا تھا کہ وہ لوسی کو رُومانہ کی شکل میں دیکھ رہی ہے لیکن میں خود اس کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لوسی کا اصلی چہرہ میری نگاہوں کے سامنے نہیں آ سکتا تھا۔ اب صرف رُومانہ کا تصور کر کے ہی میں رُومانہ کو سمجھ سکتا تھا کہ وہ کم عمری میں کیسی لگتی ہو گی۔

میں تھوڑی دیر تک اس کے خوابیدہ ذہن میں جھانکتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ جیسے اس طرح رُومانہ کے لئے رس ونتی کے دماغ میں جھانک کر لوسی کو یاد نہیں کرنا چاہیئے۔ خواہ مخواہ ایک تحریک پیدا ہو گی کہ لوسی کو دیکھ لیا جائے اور خواہ مخواہ اپنی مصروفیات میں اضافہ ہو گا۔

بہتر ہے کہ لوسی کو اس کے حال پر چھوڑ کر میں اپنے حال میں مست رہوں۔ یہ سوچ کر میں رس ونتی کے دماغ سے واپس آ گیا۔ پھر میں نے ممی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ اتنی رات تک جاگ رہی تھیں۔ اس خیال سے کہ شاید میں ان کو مخاطب کروں گا۔ میرے انتظار میں وہ ابھی تک سوئی نہیں تھیں۔ میں نے انہیں مخاطب کیا تو وہ خوشی سے کھل گئیں۔ پھر شکایت بھرے لہجے میں بولیں "تمہیں اب میری یاد آئی ہے؟ میں دوپہر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

میں نے کہا "ممی! مجھے افسوس ہے کہ میں کراچی پہنچتے ہی بہت زیادہ مصروف ہو گیا۔ اب ذرا آپ میری مصروفیات کا حال بھی سن لیں۔"

یہ کہہ کر میں انہیں اپنی۔۔۔ داستان سنانے لگا۔ شہناز کے ساتھ جو کچھ واقعہ گزر رہا تھا۔ وہ سب کچھ میں تفصیل سے سنانے لگا۔ اس کے بعد میں نے ان کو یہ خبر سنائی کہ لوسی اس رُومانہ کی ہم شکل ہے جو کبھی میری بہت ہی عزیز ترین دوست تھی اور میرے لئے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ وہ بالکل اس کی ہم شکل ہے اور یہ بات میں نے۔۔۔ رس ونتی کے ذہن سے معلوم کی ہے۔

ممی نے ساری باتیں سننے کے بعد کہا "میری پیش گوئی درست ثابت ہوئی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ لوسی کے ذریعے تمہاری ایک بہت پرانی شناسا سے ملاقات ہو گی اور وہ شناسا تمہارے لئے بہت اہمیت رکھتی ہو گی۔ پہلے تم نے کہا تھا کہ لوسی کے ذریعے تمہاری بہت پرانی شناسا رس ونتی سے ملاقات ہو چکی ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ رس ونتی سے نہیں بلکہ رُومانہ سے ملاقات ہونے والی ہے اور یہ لوسی خود اپنے آپ سے ملنے ملانے کا ایک ذریعہ بن رہی ہے۔ میں کل تم دونوں کا مکمل زائچہ بنا کر دیکھوں گی کہ کب تمہاری تقدیر میں اس سے ملاقات لکھی ہے۔"

"ممی! آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔ میں رُومانہ یعنی لوسی سے ملنے کے لئے بہت بے تاب ہوں اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری تقدیر میں کب وہ ملاقات لکھی ہوئی ہے۔ آپ مجھے کل ضرور بتا دیں میں آنے والے کل کا بے چینی سے انتظار کرتا رہوں گا۔"

میں اور ممی بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر ہم دونوں سونے کے لئے رخصت ہو گئے۔ ممی کے ہاں رنگون میں رات کا ایک بجا تھا اور اس وقت کراچی میں ساڑھے گیارہ بج رہے تھے پیرس کی شام رنگین تھی اور سونیا اس رنگین شام کو گزارنے کے لئے ادھر سے ادھر گھوم رہی تھی اور اپنی تفریح کے لئے سوچ رہی تھی کہ اسے کس کلب میں جانا چاہیئے۔

میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو سونیا!"

اس نے چونک کر کہا "اوہ! تم ہو۔ اچھا ٹھہرو۔ میں اس گاڑی کو کسی پارکنگ ایریا میں ٹھہرا دوں تو پھر بات کروں گی۔ یہ شہر میرے لئے اجنبی ہے۔ یہاں کے راستوں پر تم سے بات کرتی چلوں گی۔ تو حادثے کا خدشہ ہے۔"

تھوڑی دیر بعد اس نے ایک پارکنگ ایریا میں گاڑی کو کھڑا کر دیا۔ پھر اس کے بعد مجھ سے بولی "ہاں! تو بتاؤ تم نے مجھے مخاطب کیوں کیا ہے؟"

اس کے انداز میں بڑی بے رخی تھی۔ جیسے میرے مخاطب کرنے پر اسے کوئی خوشی نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس کے دل کا حال تو میں ہی جانتا تھا۔ میں نے انجان بن کر کہا "تمہاری یاد آ رہی تھی اس لئے تمہارے پاس چلا آیا۔"

"بس ہو گئیں رومانی باتیں؟ یاد کر لیا تم نے اب واپس جاؤ۔ میں کسی کلب میں جا رہی ہوں۔"

"سونیا! اب کب تک بھٹکتی رہو گی۔ پیرس کو چھوڑ دو اور میرے پاس آ جاؤ۔ میں کراچی میں ہوں۔"

"وہاں اور تمہارے ساتھ کون ہے؟"

"کوئی نہیں۔ میں بالکل تنہا ہوں۔"

"تم زمانے بھر کے جھوٹے ہو۔ میں کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ جہاں تم رہو وہاں کوئی عورت نہ رہے۔ سچ سچ بتا دو کہ ان دنوں تمہارے ساتھ کون ہے؟"

"تم آؤ گی تو ساری باتیں سچ سچ بتا دوں گا اور تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گی جو بھی میرے ساتھ ہے اور جن سے بھی میرے تعلقات ہیں سب وقتی ہیں اور یہ ٹوٹ جانے والے تعلقات ہیں۔ تمہارا تعلق ایسا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں اگر تعلقات ٹوٹ سکتے ہیں تو یہ بتاؤ کہ رُومانہ کہاں ہے؟"

میں نے ابھی تک اسے رُومانہ کی موت کی خبر نہیں سنائی تھی اور اسے کسی دوسرے ذرائع سے بھی پتہ نہیں چل سکا تھا۔ میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا "رومانہ اب دنیا میں نہیں ہے۔ وہ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر اس دنیا سے بہت دور چلی گئی ہے! اتنی دور جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔"

"تھوڑے مکالمے اور ادا کر لو۔ تمہارے لہجے میں بڑی ٹریجڈی ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہارے ساتھ ماتم کر سکوں۔ لیکن اس کے باوجود میں تمہارے جھوٹ کا یقین نہیں کروں گی۔"

میں نے کہا "میں تمہیں یقین کیسے دلا سکتا ہوں۔ تم یہاں آؤ گی تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔"

"میں تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گی۔ اس سے پہلے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ رُومانہ سے تمہارے تعلقات ختم ہو گئے ہیں اور وہ کسی

دوسرے نوجوان سے منسوب ہو گئی ہے۔ تمہارا جھوٹ ہر بار بدلتا رہتا ہے۔"

"تم اگر صحیح معنوں میں میری دوست بن کر رہو گی تو میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی تم مجھ سے بہت کچھ چھپا رہے ہو۔ میں تمہیں غلط تو نہیں سمجھ رہی ہوں۔"

"تم تو اپنی منطق ہی جھاڑتی رہتی ہو۔ میری مجبوریاں بھی تو سمجھنی چاہئیں۔"

"ہاں! بے چارے تم بہت مجبور ہوتے ہو۔ اتنے مجبور ہوتے ہو کہ تمہاری مجبوریاں دُور کرنے کے لئے ہر قدم پر تمہیں کوئی نہ کوئی دوست مل جاتی ہے۔ دنیا میں مجبوریاں دُور کرنے کے لئے اور کوئی علاج ہے ہی نہیں۔"

"تم طعنے دیتی رہو گی یا سیدھی طرح سنجیدگی سے باتیں کرو گی؟"

"میں اسی وقت سنجیدگی سے بات کروں گی جب تمہارے آس پاس ایک بھی عورت نہیں ہو گی اور تمہارے ساتھ صرف سونیا کا نام ہو گا اور صرف سونیا ہی تمہارے ساتھ رہا کرے گی۔ یہ منظور ہے تو مجھ سے باتیں کرو ورنہ مجھ سے تعلقات ختم کر دو۔"

"اپنی جان سے تعلق اس وقت ختم ہوتا ہے جب موت آتی ہے میں تو مر کر ہی تعلق ختم کر سکتا ہوں جیتے جی ممکن نہیں ہے۔"

"ہوں! تم اپنی ضد سے باز نہیں آؤ گے۔ اچھا وہ تمہاری دوسری والی آج کل کہاں ہے؟ ذرا اس کے متعلق بھی تو بتاؤ؟"

میں نے پوچھا "یہ دوسری والی کون ہے؟"

"وہی، ساڑھی پہننے والی تمہاری رس ونتی۔"

میں نے کہا "وہ بے چاری بہت ہی سخت بیمار ہے اور رنگون کے ایک ہسپتال میں زیرِ علاج ہے۔"

"افسوس! تمہیں اس کی عیادت کے لئے بھی، اس کی تیمارداری کے لئے بھی وہاں پہنچنا پڑتا ہو گا۔ آہا کتنی محبوبائیں ہیں، کتنے دُکھ اٹھانے پڑتے ہیں تمہیں، ہر محبوبہ کے پیچھے۔ بیچارا تم جیسا دُکھی انسان تو دنیا میں شاید ہی کوئی ہو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اب بس بھی کرو۔ سنجیدگی اختیار کرلو۔"

"کیسے سنجیدگی اختیار کرلوں۔ میں جانتی ہوں کہ جتنا سچ ہے وہ تمہارے اندر چھپا ہوا ہے۔ اور جتنا جھوٹ ہے وہ تمہاری زبان... سے نکل رہا ہے؟ ایک بات بتاؤ کہ کیا واقعی رُومانہ مر چکی ہے؟"

میں نے کہا "میں اپنی اور تمہاری دونوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ مر چکی ہے۔"

"اچھا! تو اس کی جگہ دوسری کب آ رہی ہے؟"

اس کے سوال نے مجھے چونکا دیا میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ تو پومی یاد آ گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ تم اگر مذاق نہ اڑاؤ تو میں ایک بات کہوں۔

"نہیں۔ میں اب مذاق نہیں اڑاؤں گی۔ اگر تم سنجیدگی سے سچ بولو گے تو میں سنجیدگی سے سنوں گی۔"

میں نے کہا "یہاں برما میں ایک بارہ یا تیرہ برس کی پومی نامی لڑکی ہے۔ وہ رُومانہ کی ہم شکل ہے۔"

"مبارک ہو، مبارک ہو۔ میں تو سمجھتی ہی تھی کہ ایک گئی ہے تو اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی دوسری ضرور آ جائے گی۔ لیکن یہ نہیں سوچا تھا کہ تم اس کی ہم شکل پیدا کر لو گے۔ بھئی تمہارا تو جواب نہیں ہے۔"

"دیکھو! تم اپنے وعدے کے خلاف پھر میرا مذاق اڑا رہی ہو۔"

وہ سنجیدگی سے بولی "فرہاد! اگر تم میرے ایک مشورے پر عمل کرو گے تو آئندہ میں کبھی تمہارا مذاق نہیں اڑاؤں گی۔"

میں نے جلدی سے پوچھا "ہاں بتاؤ تمہارا مشورہ کیا ہے؟ میں ضرور اس پر عمل کروں گا۔"

اس نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ تم سونیا کی بھی ایک ہم شکل پیدا کر لو۔ جس طرح رُومانہ کی ہم شکل پیدا ہو گئی ہے۔ میری ہم شکل پیدا کرنے کے بعد خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دینا۔ میں تمہارا احسان مانوں گی۔ بس اب میرے دماغ سے بھاگ جاؤ۔"

"تم میری بات سنجیدگی سے سنو گی تو تمہاری سمجھ میں آ جائے گا کہ رُومانہ کی... جو ہم شکل پومی ہے۔ وہ ابھی بچی ہے۔"

"ہاں! میں نے سنجیدگی سے سنا بھی ہے اور سمجھا بھی ہے۔ چار برس کے بعد وہ سولہ برس کی ہو جائے گی۔ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں پانچ سالہ منصوبہ بناتی ہیں۔ تم نے چار سالہ منصوبہ بنایا ہے ——— وہ چار سال کے بعد بالکل تر و تازہ ہو کر گلاب کے پھول کی طرح کھل کر تمہاری جھولی میں آ گرے گی۔ تم کسی اور کو بے وقوف بناؤ۔ میرا نام سونیا ہے۔ میں تمہارے ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی گاڑی کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ سونیا نے سر گھما کر دیکھا تو شیشے کے اس پار ایک سات یا آٹھ برس کا لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ وہ اشارے سے کہہ رہا تھا کہ "وہ لفافہ سونیا کو دینا چاہتا ہے۔ سونیا نے دروازے کے شیشے کو نیچے سرکا کر اس سے پوچھا "ہیلو! سنّی کیا بات ہے؟"

سنّی نے لفافے کو اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لفافے میں سے ایک تہہ کئے ہوئے کاغذ کو نکال کر کھولا تو وہ ایک فل اسکیپ پیپر تھا اس میں آڑی ترچھی لکیروں سے شہر کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اور ایک جگہ سُرخ نشان تھا لڑکے نے کہا "دروازہ کھولو تو میں بتاؤں کہ وہ سرخ نشان کس چیز کا ہے؟"

سونیا نے دروازے کو کھول دیا۔ لڑکے نے قریب آ کر انگلی کے اشارے سے کہا "یہ سرخ نشان میرا گھر ہے۔ میں یہاں تک پہنچنا

چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے وہاں تک پہنچا دو گی؟"

سونیا نے پوچھا "تم اپنے اس مکان سے یہاں تک کیسے آئے تھے؟"

"ظاہر ہے جس طرح آپ سے لفٹ مانگ رہا ہوں۔ اسی طرح کسی سے لفٹ مانگ کر یہاں تک آیا۔ اب آپ اس کے بعد پوچھیں گی کہ میں اتنا چھوٹا سا بچہ ہوں اور اکیلا اس شہر میں کیوں گھوم رہا ہوں؟"

سونیا نے ہنستے ہوئے پوچھا "ہاں! یہ تو میں ضرور پوچھوں گی۔ بتا دو کہ تم اکیلے کیوں گھوم رہے ہو؟"

"میں اپنی بہن کے لئے دوا لینے آیا تھا۔ اپنے گھر کے قریب ہی ایک ڈرگ اسٹور میں گیا تھا۔ وہاں سے ان لوگوں نے بتایا کہ یہ دوا شہر میں ملے گی۔ میں شہر میں آیا تو یہاں کی بھول بھلیوں میں چکرا کر رہ گیا۔ مجھے راستہ یاد نہیں رہا۔ میری بہن نے احتیاطاً یہ نقشہ میری جیب میں رکھ دیا تھا کہ شاید کبھی گُم ہو جاؤں تو کوئی مہربان مجھے وہاں تک پہنچا دے گا۔"

سونیا نے اس کی جیبوں کو ٹٹول کر دیکھا تو وہاں کچھ دوائیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے لڑکے سے کہا کہ وہ دوسری طرف سے گھوم کر آئے اور اگلی سیٹ پر بیٹھ جائے۔ لڑکا دوسری طرف سے گھوم کر آنے لگا۔ سونیا نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ اس کی پاس والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے دروازے کو بند کر کے بولا "مجھے جلدی پہنچنا ہے میری بہن اکیلی ہے کیا تم جلد سے جلد مجھے وہاں پہنچا سکتی ہو؟"

"فکر نہ کرو۔ میں کوشش کروں گی کہ میں تمہیں وہاں فوراً ہی پہنچا دوں۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے پارکنگ ایریے سے نکال کر اس نقشے کے مطابق ڈرائیو کرتی ہوئی اس سرخ نشان تک جانے لگی۔ میں لڑکے کے دماغ میں جھانک کر دیکھ چکا تھا۔ اس کی بہن واقعی بیمار تھی۔ جہاں وہ لے جا رہا تھا وہاں وہ بیمار پڑی ہوئی اپنے بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس لڑکے کی بے چینی درست تھی اور مجھے فی الحال کوئی فراڈ نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے سونیا کے دماغ میں کہا "اس لڑکے کی سوچ کو میں پڑھ چکا ہوں۔ واقعی اس کی بہن اس جگہ بیمار پڑی ہوئی ہے۔ یہ فراڈ نہیں ہے۔"

سونیا نے ناگواری سے کہا "تم ابھی تک میرے دماغ میں موجود ہو۔ میں نے تم سے یہ فرمائش تو نہیں کی تھی کہ تم اس لڑکے کے متعلق معلومات حاصل کرو۔ اور میری رہنمائی کرو۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ میں تمہاری محتاج نہیں ہوں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

میں نے کہا "تم میری محتاج نہ سہی لیکن میں تمہارے دماغ میں اس طرح موجود رہنا چاہتا ہوں کہ تم سے جدا ہونے کا تصور باقی نہ رہے۔"

"تم رُومانی باتیں مجھ سے نہ کیا کرو۔ مجھے زہر لگتی ہیں۔"

"بہرحال یہ لڑکا جب تمہیں اپنے مکان میں پہنچا دے گا اور میں مطمئن ہو جاؤں گا تو تمہارے دماغ سے واپس چلا جاؤں گا۔"

"مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ جب تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ یہ فراڈ نہیں ہے تو تم کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

میں نے کہا "میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اس لڑکے کو لفٹ لینے کے لئے صرف تم ہی کیوں نظر آئیں۔ جبکہ وہاں پارکنگ ایریے میں بہت سی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ کسی اور سے بھی لفٹ لے سکتا تھا۔"

"تمہیں میرے لئے دردسری میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ بس اب جاؤ اور اپنی رس ونتی اور بے بی رُومانہ میں دلچسپی لو۔"

وہ کار ڈرائیو کرتی رہی۔ میں خاموشی سے اس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ کہیں کہیں جب وہ نقشہ کے مطابق راستہ تلاش نہ کر سکتی تو کسی چوراہے پر کانسٹیبل سے پوچھ لیتی تھی۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ جایا کرتی تھی۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد وہ اس مکان کے سامنے پہنچ کر رُک گئی۔

پون گھنٹے تک میں اس کے دماغ میں جھانکتے جھانکتے اُکتا گیا تھا۔ ادھر رات زیادہ ہو گئی تھی اور مجھے سونا بھی تھا۔ لیکن سونیا کسی ایسی جگہ پہنچ گئی تھی جہاں کہ میری نیند اڑ سکتی تھی۔ وہ مکان ویران نظر آ رہا تھا۔ اندر روشنی تھی۔ اس لئے سوچا جا سکتا تھا کہ اندر وہ بیمار لڑکی ضرور ہو گی۔ چونکہ بہن بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس لئے وہ مکان ویران سا نظر آ رہا تھا۔

وہ لڑکا جس کا نام پال تھا۔ گاڑی سے اتر کر دوڑتا ہوا دروازے تک گیا۔ سونیا بھی گاڑی کو لاک کرنے کے بعد اس کے پیچھے ہی دروازے تک آئی۔ اس وقت تک لڑکے نے دروازہ کھول دیا تھا۔ دروازہ چُوں چَر کی آواز کے ساتھ یوں کُھلنے لگا تھا جیسے دروازے کے پیچھے کوئی کھڑا ہو اور آہستہ آہستہ دروازہ کھول رہا ہو۔ تب اسی لمحے سونیا کی چھٹی حِس نے کہا "آگے خطرہ ہے۔"

وہ دروازے پر رُک کر بولی "پال تمہاری سسٹر کہاں ہے۔ اسے آواز دو۔"

پال کُھلے ہوئے دروازے سے گزر کر کمرے کے وسط میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے جیب سے دوا کی بوتل اور دوسرے پیکٹس نکالتے ہوئے آواز دی "سسٹر تم کہاں ہو؟ ابھی تو اسی کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں لیکن یہاں تو وہ بستر بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد دور کسی کمرے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی "پال! میں اس کمرے میں ہوں۔ یہاں آ جاؤ۔ تم نے بہت دیر

لگا دی۔"

پال نے پلٹ کر سونیا سے کہا "کم آن سسٹر! میری بہن دوسرے کمرے میں ہے۔ آؤ میں تمہیں اس سے ملاؤں گا۔"

سونیا مطمئن ہو کر آگے بڑھ گئی۔ دروازے سے گزر کر کمرے میں پہنچی تو پال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "ایک بات میں بتا دوں۔ کہ یہ جو آواز ابھی سنائی دی تھی۔ یہ میری بہن کی نہیں معلوم ہوتی۔ کوئی دوسری عورت بول رہی تھی۔"

یہ سنتے ہی سونیا چونک گئی۔ اس نے کہا "پہلے ہی تم نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ یہ تمہاری بہن کی آواز نہیں ہے۔"

"میں غور کر رہا تھا۔ غور کرنے کے بعد اب میری سمجھ میں آرہا ہے کہ وہ آواز کسی دوسرے کی ہے مگر کیا فرق پڑتا ہے۔ میری بہن دوسرے کمرے میں ضرور ہو گی۔ آؤ چلیں۔"

سونیا وہاں سے پلٹ کر مکان سے باہر نکل جانا چاہتی تھی۔ اسی وقت وہ دروازہ ایک دھڑاکے سے بند ہو گیا۔ اور ایسی آواز آئی جیسے باہر سے کسی نے لاک کر دیا ہو۔ سونیا نے آگے بڑھ کر دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا۔ اور اسے کھولنے کی کوشش کی تو وہ واقعی مقفل ہو چکا تھا۔

سونیا تن گئی۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور وہ یوں گہری گہری سانسیں لینے لگی جیسے کوئی شیرنی حملہ کرنے سے پہلے غرا رہی ہو۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر پال سے کہا "چلو آگے بڑھو میں دیکھتی ہوں تمہاری بہن کہاں ہے اور ہمیں کون بُلا رہا ہے؟"

وہ پال کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتی ہوئی اس کمرے کے دروازے سے نکل کر دوسرے کمرے میں پہنچی۔ وہاں کمرے کے وسط میں ایک بونا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سونیا کو دیکھ کر فضا میں اچھل کر ایک الٹی قلا بازی کھائی پھر دونوں پیروں پر جم کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے سونیا کے سامنے جھکتے ہوئے تعظیم پیش کرتے ہوئے کہا "مادام آداب! آپ کے مبارک قدموں سے ہمارا ویرانہ آج آباد ہو گیا ہے۔"

سونیا نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں اکیلا نہیں ہوں۔ میری نسل کے سیکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں بونے میرے ساتھی میرے غم گسار میرے ساتھ ہیں۔"

اس کے ایسا کہنے کے دوران دوسرے بونے اس کمرے میں مختلف دروازوں سے داخل ہو رہے تھے اور قلا بازیاں کھاتے ہوئے آ رہے تھے اور سونیا کے سامنے جھک جھک کر سلام کرتے ہوئے واپس جا رہے تھے۔

کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر بولنے والا بونا بولتا جا رہا تھا "مادام! کل رات سے ہماری نظر آپ پر ہے جب آپ تقریباً ایک لاکھ ڈالر کے قریب جیت کر اس جوئے خانے کے اندر خفیہ ہال کی طرف جا رہی تھیں۔ تب بھی ہمارے آدمی آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس خفیہ ہال کے اندر ہمارا ایک جاسوس موجود تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ آپ کی جیتی ہوئی رقم چرا کر لے جائیں۔ کیونکہ ہمیں نیک مقاصد کے لئے اس رقم کی ضرورت تھی اور اب بھی ہے لیکن وہاں جوئے خانے کے اس خفیہ کمرے میں پتہ چلا کہ آپ بہت ہی پُر اسرار اور خطرناک قسم کی مادام ہیں اور آپ کا تعلق فرہاد علی تیمور سے ہے۔"

سونیا نے پوچھا "پال کی بہن بہت بیمار تھی۔ وہ کہاں ہے؟"

"مادام! ہم بیماروں اور مصیبت زدہ لوگوں کے ہمدرد ہیں۔ ہم نے اس کی بہن کو فوراً ہی ہسپتال پہنچا دیا ہے۔ وہاں اس کا..... معقول علاج ہو گا اور اس کے اخراجات ہم برداشت کریں گے۔"

"کیا تم لوگ بہت زیادہ دولت مند ہو؟"

"نہیں۔ ہم تمہاری جیسی ہستیوں سے دولت حاصل کرتے ہیں۔ اس وقت تم یہاں کھڑی ہوئی ہو اور باہر تمہاری کار کا دروازہ کھول کر ہمارے آدمی ڈیش بورڈ سے تمہاری جیتی ہوئی وہ ساری رقم نکال کر لے آئیں گے۔"

سونیا نے غصے سے کہا "یہ غلط بات ہے۔ تم اپنے آدمیوں کو ایسی حرکتوں سے باز رکھو۔ ورنہ میں ایک ایک کی پٹائی کر دوں گی۔"

"مادام! ہم آپ کے بچے ہیں اگر آپ مارنا چاہیں گی تو ہم مار کھا لیں گے۔ لیکن ہمیں دولت کی ضرورت ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی سونیا نے آگے بڑھ کر اسے ایک ٹھوکر ماری لیکن اس سے پہلے ہی وہ بونا فضا میں اچھل کر قلا بازیاں کھاتا ہوا دوسری طرف زمین پر کھڑا ہو گیا۔

سونیا جھلا نگ لگا کر اس کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔ لیکن اتنے میں ایک بونا اس کے پیر سے لپٹ گیا۔ دوسرا بونا آ کر دوسری ٹانگ سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بونے اس کی کمر کے نیچے تک آتے تھے۔ ان کا قد بمشکل تین فٹ یا ساڑھے تین فٹ یا چار فٹ سے اونچا نہ تھا۔ اس نے دونوں کے سر کے بالوں کو مٹھیوں میں اس بُری طرح جکڑا کہ ان کی چیخیں نکل گئیں۔ پھر اس نے ان دونوں کے سروں کو آپس میں ٹکرا دیا۔ وہ دونوں لڑکھڑا کر پیچھے کی جانب فرش پر گر پڑے۔ پھر وہاں سے قلا بازیاں کھا کر دوبارہ فرش پر کھڑے ہو گئے لیکن ان کے انداز سے یہی پتہ چل رہا تھا کہ وہ ابھی تک سر کی تکلیف کی وجہ سے چکرا رہے ہیں۔

سونیا نے کہا "اگر تم لوگ خیریت چاہتے ہو تو میری رقم کو ہاتھ نہ لگاؤ اور یہاں کا دروازہ کھول دو تاکہ میں باہر جا سکوں۔"

"مادام! ہم اپنے ساتھ آپ کی خیریت بھی چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے درمیان یہ بچوں جیسی مار پیٹ نہ ہو پہلے

اب ہم پہلے بھی جوابی حملہ نہیں کر رہے تھے۔ اب بھی نہیں کریں گے۔ آپ ہمیں جتنا مارنا چاہتی ہیں مار کر حسرت پوری کر لیں۔ بشرطیکہ آپ ہمیں مار سکیں۔"

یہ سونیا کے لئے چیلنج تھا کہ وہ مار نہیں سکے گی۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر پہلے بونے پر حملہ کیا۔ لیکن وہ اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ پھر اس نے دوسری بار حملہ کیا۔ دوسری بار بھی وہ بچ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ وہ بونے ربر کے بنے ہوئے ہیں اور..... فٹ بال کی طرح اِدھر سے اُدھر اچھل جاتے ہیں اور حملہ کرنے والے کی زد سے نکل جاتے ہیں۔

سونیا نہ تو کسی بونے کو گرفت میں لے سکی اور نہ ہی کسی پر حملہ کر سکی۔ وہ اس کے نشانے میں آنے سے پہلے ہی بدک کر اچھل کر قلا بازیاں کھا کر اس سے دُور نکل جاتے تھے اور وہ دیکھتی کی دیکھتی رہ جاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ تھک کر ہانپنے لگی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کی سوچ میں کہا "کیا بات ہے یہ سب تو تمہارے ہی بچے ہیں۔ ان سے کب تک کھیلتی رہو گی اور کب تک ہانپتی رہو گی؟"

وہ جھلا کر بولی "بکواس مت کرو۔"

ایک بونے نے کہا تھا "مادام ہم تو بالکل خاموش ہیں۔ بکواس نہیں کر رہے ہیں۔ یہ آپ کس سے کہہ رہی ہیں؟ اگر اتنی سی دیر میں آپ کا دماغ چل گیا ہے تو ہم کمرے کے باہر جا رہے ہیں۔ آپ ہمارا پیچھا کرتے ہوئے چلی آئیں۔"

یہ کہتے ہی وہ بونے ایک ایک کر کے اس کمرے کے دوسری طرف والے دروازے سے نکل کر جانے لگے۔ سونیا بھی ان کا پیچھا کرتے ہوئے اس کمرے سے نکل کر ایک کاریڈور میں پہنچی پھر ان کا تعاقب کرتے ہوئے ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہاں سارے بونے ادب سے ہاتھ باندھے ..... کھڑے ہوئے تھے اور ایک بونا اونچی کرسی پر آرام سے یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے وہ ان کا بادشاہ ہو۔ اس کے سامنے ایک میز پر نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔

سونیا نے وہاں پہنچتے ہی ان گڈیوں کو دیکھ کر کہا "یہ ساری رقم میری ہے اور یہ تم لوگوں کی زیادتی ہے کہ کار کو کھول کر وہاں سے یہ رقم اٹھا لائے ہو۔"

اس بونے بادشاہ نے سونیا سے کہا "مادام! آپ صبر و تحمل سے کام لیں اور میرے سامنے اس کرسی پر بیٹھ جائیں۔ میں ان سب کا لیڈر ہوں اور یہ میری ہر بات مانتے ہیں۔ لیکن میں ان سے اپنی بات منوانے سے پہلے آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آئیے تشریف رکھیے۔"

سونیا اس کے لہجے سے متاثر ہو کر ذرا نرم پڑتے ہوئے آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنے بکھرے ہوئے نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھنے لگی۔ ان کے لیڈر نے کہا "مادام! ہم بونے ہیں۔ دنیا والے ہم لوگوں کو ہاف مین یعنی آدھا آدمی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم آپ لوگوں کے قد کی مناسبت سے آدھے ہیں۔ پورے نہیں ہیں۔ لیکن اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہمیں یوں حقارت سے دیکھا جاتا ہے جیسے کہ ہم کیڑے مکوڑے ہوں۔ ہم اپنے نسل اور اپنی برادری کی حمایت کرنے کے لئے متحد ہوتے جا رہے ہیں ہم نے ایک جماعت کی تشکیل کی ہے جس کا نام ہے ہاف مین آف دی ورلڈ۔ یعنی دنیا کے نصف انسان۔ ہم ساری دنیا سے کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنے برابر سمجھا جائے اور ہمیں ہمارے حقوق دیے جائیں۔"

سونیا نے پوچھا "تمہارے حقوق کیا ہیں؟"

اس نے جواب دیا "ہمارا سب سے پہلا حق ازدواجی تعلقات کا ہے۔ ہم شادی کرنے کے لئے اونچے پورے قد کی عورت کا رشتہ مانگتے ہیں تو ہمیں رشتہ نہیں ملتا۔ عورتیں ہمیں بونا سمجھ کر ٹھکرا دیتی ہیں۔ اس طرح ہماری نسل آگے نہیں بڑھ سکتی۔"

سونیا نے پوچھا "اور دوسرے حقوق کیا ہیں؟"

اس نے جواب دیا "ہمارا مطالبہ ہے کہ لانبی عورتوں سے ہماری شادی کرائی جائے۔ ہمارا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ صرف قد آور لوگوں کو اسمارٹ اور پُرکشش شخصیت کا مالک نہیں سمجھا جائے کیونکہ شخصیت کا تعلق صرف قد سے ہی نہیں بلکہ ذہانت سے بھی ہے اور ہم بونوں کے اندر بھی بے انتہا ذہانت ہوتی ہے۔"

"دنیا والے کسی کے مطالبات تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے مطالبات منوانے کے لئے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ لوگوں کو اپنی ذہانت سے اپنی صلاحیت سے قائل کرنا پڑتا ہے تم لوگوں کے پاس کیا صلاحیتیں ہیں؟ اپنی کسی ذہانت کا ثبوت دے سکتے ہو؟"

"ہم میں سے یہاں جتنے کھڑے ہیں سب اوّل درجے کے فائیٹر ہیں اور چالاکی، مکاری اور پھرتیلے پن میں یہ سب لاجواب ہیں۔ اسی طرح ہمارا ایک دوسرا گروہ ہے۔ جس میں سب کے سب ذہین افراد ہیں۔ ان میں کوئی سائنسداں ہے، کوئی بہترین ڈاکٹر ہے، کوئی بہترین اکاؤنٹنٹ اور انجینئر ہے۔ ہم ذہانت میں کسی سے کم نہیں ہیں جسمانی طاقت میں بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ کوئی ہمیں لڑتے وقت زیر نہیں کر سکتا اور اگر زیر ہو بھی جائیں تو وہ ایک وقتی شکست ہو گی جسے ہم پھر فتح میں بدلنے کا عزم رکھتے ہیں۔"

"تمہارے جو ذہین بونے ہیں انہوں نے اپنے حقوق منوانے کا کوئی منصوبہ تو ضرور بنایا ہو گا۔"

"ہاں! پہلے کتنے ہی منصوبے بنائے گئے۔ پہلے سوچا گیا کہ ہمیں

سیاست میں بھی آنا چاہئے۔ لیکن قد آور شخصیتوں کے سامنے ہمارے بونے بھائیوں کو کوئی ووٹ نہیں دیتا تھا۔ لوگ ہمیں مضحکہ خیز کارٹون سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آخر ہمارے ذہین بونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ہم لوگوں کو لانبے قد کی عورتوں سے شادی کرنا چاہئے۔ اس منصوبے پر کتنے ہی بونوں نے جب عمل کیا تو ان سے ہماری جو اولادیں ہوئیں وہ ہمارے مقابلے میں لانبی تھیں۔ اب ہمارے بچے جو ہوں گے، وہ بونے نہیں کہلائیں گے۔ اور ہمارے بچے ہمارے حقوق کے لئے بھی لڑتے رہیں گے۔ اور ہمیں اس دنیا میں دوسرے لوگوں کے برابر مقام دلائیں گے۔"

"کیا لانبے قد کی عورتیں بونوں سے شادی کر لیتی ہیں؟"

"اس دنیا میں سب سے مضبوط چاندی کے جوتے ہوتے ہیں۔ یہ چاندی کے جوتے جس کے سر پہ پڑتے ہیں اس کا سر جھک جاتا ہے۔ اصل بات دولت ہے ہم دولت سے ایسی لانبی عورت کو خرید لیتے ہیں جو بکنا چاہتی ہے۔ پھر اسے ازدواجی رشتے میں منسلک کر لیتے ہیں اس طرح ایک نئی نسل ہم پیدا کر رہے ہیں جو قد میں ہم سے زیادہ اونچی ہوتی ہے۔"

سونیا نے پوچھا "لیکن تم لوگ مجھے کیوں لوٹ رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا "ہمیں دولت کی ضرورت ہے۔ ہم بونوں میں کوئی ارب پتی یا کروڑ پتی نہیں ہے۔ لاکھ پتی ضرور ہیں مگر بہت کم لوگ ہیں ہمیں دولت چاہئے اس لئے ہم ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کسی کے پاس ناجائز دولت ہے۔ جہاں ناجائز دولت ہوتی ہے وہاں ہم ڈاکہ ڈالتے ہیں یا کسی بھی طریقے سے وہ ناجائز دولت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اسے نیک مقاصد کے لئے کام میں لاتے ہیں۔"

"کیا؟ تم لوگ زبردستی اتنی بڑی رقم مجھ سے چھین لوگے؟"

"ہم ایک شرط پر زبردستی نہیں کریں گے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ہمیں عورت چاہئے۔ اگر تم کسی ایک لانبی عورت سے ہمارے کسی ایک بونے کی شادی کرا دو گی تو تمہاری یہ ساری رقم اسی وقت واپس کر دیں گے۔"

"میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ نہ تو میں یہاں کسی عورت کو جانتی ہوں اور نہ ہی شادی کرانے کے لئے کسی عورت سے دوستی کر سکتی ہوں۔ میں یہ کام نہیں کر سکتی۔"

اس کے لیڈر نے اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا "کسی سے دوستی نہ کرو۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ دوستی کی جائے۔ آخر تم بھی تو ایک حسین اور جوان عورت ہو۔ میں تم سے شادی کر سکتا ہوں۔"

سونیا نے اسے غصے سے دیکھا۔ میں نے اس سے کہا "سونیا جان! ساڑھے تین فٹ کا شوہر مبارک ہو۔"

وہ غصے سے چیخ کر بولی "یو شٹ اپ!"

بونے لیڈر نے کہا "مادام! شٹ اپ نہ کہو، میں نے رشتہ مانگا ہے کوئی گالی نہیں دی۔ اگر پسند نہیں ہے تو انکار کر دو۔ اس طرح غصہ نہ دکھاؤ۔ تم شادی نہیں کرو گی تو ہماری وہ دوسری شرط قائم رہے گی۔ کہ ہماری کسی دوسری لانبی عورت سے شادی کرا دو یا پھر اس رقم کو ہمارے خزانے میں جمع کرا دو۔ اس رقم سے ہم کم از کم دو چار عورتیں خرید ہی لیں گے۔"

"مجھے تمہاری کوئی شرط منظور نہیں ہے۔"

"ہماری کسی شرط کو نامنظور کرنے کا فیصلہ اتنی جلدی نہ کرو۔ چوبیس گھنٹے تک تمہاری یہ رقم ہمارے پاس امانت کے طور پر رہے گی۔ اگر تم اس مہلت کے اندر کسی عورت کی ہمارے کسی آدمی کے ساتھ شادی کرا دو گی یا خود میرے ساتھ شادی کے لئے راضی ہو جاؤ گی تو اس گڈی کا ایک ایک نوٹ تمہیں واپس مل جائے گا۔ ورنہ چوبیس گھنٹے کے بعد یہ ہماری ملکیت ہوگی۔ اب تم جا کر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی "میں اپنی رقم واپس لے کر جاؤں گی۔"

اس کی بات سنتے ہی تمام بونوں نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چاقو نکال لئے۔ ان کے چاقو کے پھل ایک ایک انچ لانبے تھے جیسے کہ پنسل کی نوک بنانے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ بونے لیڈر نے کہا "یہ چاقو تمہیں ننھے سے نظر آئیں گے لیکن اگر ان میں سے ایک ایک چاقو کی خراشیں تمہارے جسم پہ پڑتی گئیں تو تمہارے بدن کا کچومر نکل جائے گا اور تمہاری ساری خوبصورتی فنا ہو جائے گی۔ بہتر ہے کہ تم ان میں سے کسی کو بھی مقابلے کے لئے نہ للکارو اور چپ چاپ واپس چلی جاؤ۔"

سونیا گہری نظروں سے ان چاقو والوں کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیسے ان لوگوں سے بچ کر ساری گڈیاں سمیٹ کر وہاں سے لے جائے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "نہیں سونیا! تمہیں اس وقت ان سے مقابلہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بونے بڑے پھرتیلے ہیں۔ تم تھوڑی دیر پہلے ان سے مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہو۔ یہ نہ تو تمہاری گرفت میں آئیں گے اور نہ ہی تمہارا حملہ ان پر اثر کر سکے گا۔ بہتر ہے چپ چاپ رقم چھوڑ کر چلی جاؤ۔"

اس نے سوچ کے ذریعے جواب دیا "میں تمہارا مشورہ نہیں مانوں گی۔ تم بار بار میرے معاملے میں ٹانگ اڑانے کیوں آ جاتے ہو؟ میں اپنے طور پر فیصلہ کروں گی۔"

میں نے اسے مشورہ دے کر غلطی کی تھی اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ ضد میں آ کر میرے مشورے کے خلاف عمل کرے گی۔ اور ان سے مقابلہ کرنے کی حماقت کرے گی۔ یہ سچویشن دیکھ کر میں نے فوراً ہی اس کے دماغ پہ

قبضہ جما لیا۔ اب سونیا کے دماغ میں اس کی اپنی سوچ نہیں تھی۔ میں حاوی ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ ایک بونے نے آگے بڑھ کر اس کے لئے دروازہ کھولا۔ پھر کتنے ہی بونے اس کے آگے پیچھے چلتے ہوئے دوسرے کمرے اور تیسرے کمرے کی طرف جا رہے تھے اور دروازہ کھولتے جا رہے۔ حتّٰی کہ باہری کمرے کا دروازہ بھی کھول دیا گیا اور سونیا اپنی کار کے پاس پہنچ گئی۔

میں اس کے دماغ پر اس وقت تک قابض رہا جب تک کہ وہ کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کر کے اس مکان سے دور نہیں چلی گئی۔ جب تقریباً ایک میل کا فاصلہ اس نے طے کر لیا تب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس کو ایک جھٹکا لگا۔ گاڑی ذرا ڈگمگائی پھر اس نے چلتی ہوئی گاڑی کو قابو میں کر کے سڑک کے کنارے روک دیا اور اپنے حالات پر غور کرنے لگی۔

تب میں نے اس کے دماغ میں کہا "سوچتی کیا ہو؟ میں تمہیں غائب کر کے یہاں تک لے آیا۔ تم میرے مشورے پر عمل نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ دیکھو! میں نے تم سے کیسا عمل کرایا ہے؟ ہمیشہ اور ہر جگہ ضد اچھی نہیں ہوتی۔ اگر وہاں مقابلہ کرتیں تو تمہارا کیا حشر ہوتا؟ اس وقت تم ہسپتال کی طرف جاتی ہوئی نظر آتیں۔"

اس نے کہا "یو شٹ اپ! تم نے میرے دماغ پر قبضہ جما لیا تھا۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ میں تمہیں وارننگ دیتی ہوں کہ آئندہ میرے ساتھ یہ حرکت نہ کرنا۔ میں ابھی واپس جاؤں گی اور اپنی وہ رقم لے کر واپس آؤں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی کو واپس موڑ لیا۔ میں نے اس بونے لیڈر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ لوگ اب اس مکان میں نہیں تھے سارا مال اٹھا کر وہاں سے جا چکے تھے۔ میں مطمئن ہو گیا کہ اب وہ سونیا کو نہیں ملیں گے اور سونیا خطرے سے باہر ہے۔ یہ دیکھنے کے بعد میں مطمئن ہو کر اس کے دماغ سے باہر چلا آیا۔

اچانک خوشبو کا جھونکا کمرے میں آیا۔ میرا دل باغ باغ ہو گیا جیسے میں کسی گلستان میں پہنچ گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ خوشبو کا بدن لے کر آئی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو دروازہ بدستور بند تھا۔ وہ نہیں تھی مگر اس کی خوشبو میرے نتھنوں سے ہوتی ہوئی میرے دل میں اتر رہی تھی میرے دماغ پر چھا رہی تھی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔

وہ بے چین تھی میرے متعلق اسے اب بھی یقین نہیں تھا کہ میں طارق محمود ہوں۔ اس لئے وہ چوری چھپے مجھے دیکھ رہی تھی اور تنہائی میں میری حرکتوں کا جائزہ لینے کے لئے روشندان سے جھانک رہی تھی۔ میں نے روشندان کی طرف دانستہ نہیں دیکھا۔ انجان بن کر اپنا لباس بدلنے لگا جیسے اب میں سونے کے لئے جا رہا ہوں اور لباس تبدیل کرنا چاہتا ہوں

تب وہ فوراً ہی روشندان سے غائب ہو گئی۔

میں اس کے دماغ میں جھانک رہا تھا۔ وہ روشندان کے دوسری طرف ایک اونچی تپائی پر چڑھی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔ ابھی ادھر نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل بس یوں ہی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کے بعد وہ آہستہ آہستہ تپائی سے اتری اور روشندان سے جھانکنے لگی۔ جھانکتے ہی وہ پھر جلدی سے بیٹھ گئی کمرے کے اندر مجھے دیکھ نہ سکی۔ میں نے مسکراتے ہوئے بستر پہ آ کر ایک سلیپنگ سوٹ اٹھایا پھر اسے پہن لیا۔ اور پہننے کے بعد بستر پہ آرام سے لیٹ کر بتی بجھا دی۔

میں نے سونے سے پہلے رس ونتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ مجھے اب اس کی خیریت ہر لمحہ معلوم کرتے رہنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ کس وقت اسے کوئی بھی بیگار کیمپ پہنچا دے گا۔ اس وقت شاید رنگون میں رات کے تین بجے ہوں گے۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے معلوم کیا تو پتا چلا وہ ابھی ہسپتال میں ہے۔

رنگون میں رٹیر یاوڈ کا جو باس تھا اور جسے میں آئینے کے سامنے بے وقوف بنا چکا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ سو رہا تھا۔ اس کے خوابیدہ ذہن نے میرے لئے معلومات فراہم کیں۔ ہوا یہ تھا کہ دو گھنٹے بعد اسے فون موصول ہوا تھا۔ اور اس سے کہا گیا تھا کہ وہ کس بنا پر یہ

محسوس کرتا ہے کہ رس ونتی یا فرہاد پھر ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرنے والے ہیں۔ آئینے کے سامنے اس نے جو کچھ بھی حرکت کی۔ وہ نشہ ہوسکتا تھا۔ بعض اوقات دو پیگ میں بھی نشہ ہوجاتا ہے اور آدمی کسی وجہ سے بہکنے لگتا ہے۔

باس نے جواب دیا تھا: "ہرگز نہیں۔ میں دوسرے معاملات میں نارمل رہا تھا۔ اور آئینے کے سامنے پہنچ کر اپنے آپ کو گم کردیتا تھا۔ اس وجہ سے میں نے دیکھا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے۔ میرا دماغ میرے قابو میں نہیں رہتا تھا اور تھوڑی دیر کے لئے کسی دوسرے کی مٹھی میں چلا جاتا تھا اور وہ کسی خیال خوانی کی ہی مٹھی ہوسکتی ہے۔"

اس سے جواباً کہا گیا تھا: "ٹھیک ہے کسی اور سے بھی اس بات کی تصدیق کی جائے کہ خیال خوانی کا ہتھیار استعمال کیا جارہا ہے۔ جب تک اس بات کی تصدیق نہ ہو۔ رس ونتی کو اسی ہسپتال میں رکھ کر علاج کرایا جائے جب تصدیق ہوجائے گی تو مجھے پہلی فرصت میں اطلاع دی جائے اس کے بعد میں آگے حکم جاری کروں گا کہ تم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے۔ ویسے اب محتاط رہو اور جب تک اس بات کی تصدیق نہ ہو، رس ونتی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤ اور فرہاد کا نام عزت سے لیتے رہو۔"

وہ فون پر ہونے والی گفتگو یہاں ختم ہوگئی تھی۔ میں نے اس کے دماغ سے گفتگو کی تفصیل سنی تو اطمینان ہوگیا کہ اب رس ونتی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا جائے گا اور اس کا باقاعدہ علاج ہوگا۔

میں نے اسی وقت اس باس کو نیند سے جگادیا اور اسے وہاں سے اٹھاکر قدِ آدم آئینہ کے سامنے لے گیا۔ آئینے کے پاس پہنچ کر اس نے ..... لائٹ روشن کی۔ پھر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ اسی وقت میں نے پوری طرح اس کے دماغ پہ قابض ہوکر اس کی زبان میں کہا: "میں تمہیں حکم دیتا ہوں تم ابھی ماسک مین کو یہ پیغام پہنچاؤ کہ ٹیلی پیتھی کی تصدیق ہوچکی ہے۔ اس وقت مجھے نیند کی حالت میں جگایا گیا ہے۔ تاکہ میں یہ پیغام دے دوں اور اس بات کی تصدیق کردوں۔"

یہ کہنے کی بعد میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ اب تک آئینے کے سامنے کہہ چکا تھا۔ دوسرے لفظوں میں آئینے کا عکس اس سے کہہ چکا تھا۔ وہ آنکھیں مل مل کر آئینے میں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "اچھی بات ہے میں سمجھ گیا مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں ابھی ٹیلیفون کررہا ہوں۔"

وہ ٹیلی فون کے پاس جاکر ریسیور اٹھانے کے بعد نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہوگیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی: "ہیلو! کال اٹینڈنگ ایکسٹ آن ہے۔ اپنا پیغام ریکارڈ کرادو۔ بعد میں جواب دیا جائے گا۔"

وہ اپنا پیغام ریکارڈ کرانے لگا۔ اس نے بتایا کہ اسے رات کے تین بجے گہری نیند سے بیدار کیا گیا ہے۔ کس نے بیدار کیا؟ یہ اسے پتہ نہیں ہے لیکن اچانک ہی بیدار ہونے کے بعد آئینے کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ پھر اسی طرح آئینے نے اسے مخاطب کیا تھا اور اس بات کی تصدیق کی تھی کہ ٹیلی پیتھی کا استعمال ہورہا ہے اور یہ کہ میں ابھی فون اٹھا کر اس بات کی تصدیق کردوں کہ کوئی نہ کوئی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہم لوگوں کو ٹریپ کررہا ہے۔ لہٰذا میں اب بھی وہی بات دہراؤں گا کہ میں رس ونتی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاسکتا اور نہ ہی میں اسے ہسپتال سے اٹھاکر بیگار کیمپ پہنچاؤں گا۔ کٹ اِٹس آل۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اتنی رات کو اس کی نیند اچاٹ ہوگئی تھی۔ وہ جماہی لینے لگا۔ میں اس کے دماغ سے واپس آگیا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک سگریٹ سلگا کر اس کے کش لگاتا رہا۔ پھر سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا وہ اب اپنے گھر واپس آگئی تھی۔ جہاں اس کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ اسی بنگلے کی ایک خواب گاہ میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی کار کے ڈیش بورڈ سے تمام رقم نکال لی گئی تھی۔ ان لوگوں نے اس کے لئے صرف پانچ ہزار ڈالر چھوڑے تھے اتنی سی رقم میں وہ کہیں کسی کلب میں جُوا کھیلنے نہیں جاسکتی تھی اور اس کی طبیعت ... اب اچاٹ ہوگئی تھی۔ لوگوں نے اس کا موڈ خراب کردیا تھا۔ اس لئے وہ سونے کے لئے گھر واپس آگئی تھی۔

میں اس کے دماغ سے واپس آگیا۔ رادی چین لکھنا تھا اس لئے میں بھی اپنے دماغ کو حسب معمول ہدایت دے کر چین سے سوگیا۔ صبح چھ بجے تک آرام سے سوتا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میں نے شہناز کی خبر لی۔ مجھے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ وہ میرے متعلق کیا کیا سوچتی رہتی ہے اور کیا کرتی رہتی ہے۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو صبح اٹھ کر یوگا کی مشقوں کے طور پہ ورزش کررہی تھی۔ وہ واقعی اپنے بدن کو اپنی جوانی کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھتی تھی۔ اس کی صرف حفاظت ہی نہیں کرتی تھی بلکہ ورزش وغیرہ کے ذریعے اسے صحت مند بنا کر رکھنا بھی جانتی تھی۔

شہناز کے بدن سے پھوٹنے والی خوشبو مجھے پاگل بنادیتی تھی میں نے کتنی بار جتن کئے کہ اس کے سامنے پہنچ کر اسے اپنا بناؤں ——— لیکن میں تو اس کا تابع فرمان بن کر رہ گیا تھا اور اب بھی یہی سمجھتا تھا کہ جب بھی میں اس کے سامنے جاؤں گا۔ اس کی مرضی کے خلاف اسے حاصل کرنا تو دور کی بات ہے ہاتھ بھی نہیں لگاسکوں گا۔

میں صبح سویرے کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا جس پہ عمل کرنے کے بعد شہناز مجھے اپنی خوشبو کے ذریعے زیر نہ کرسکے۔ بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد گھوم پھر کر یہی بات دماغ میں آتی تھی کہ کسی طرح اسے وہ طلسمی ابٹن لگانے سے روک دیا جائے۔ نہ وہ ابٹن لگائے گی نہ اس کے بدن سے خوشبو پھوٹے گی لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق تھا وہ کئی برس سے ابٹن استعمال کرتی چلی آرہی تھی۔ اس کی خوشبو اس کے روئیں روئیں میں رچ بس گئی تھی۔ دو چار بار یا چند مہینوں تک اگر وہ ابٹن نہ بھی ...کافی تو اس کے لئے کوئی فرق نہ پڑتا۔ اس کے پسینے سے بھی وہی خوشبو پھوٹتی رہتی تھی۔ میری سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آرہی تھی کہ میں کس طرح اس خوشبو کے طلسم سے نکل سکتا ہوں۔ اور اسے اپنے تابع فرمان کیسے بنا سکتا ہوں؟

میں نے اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا۔ خواہ مخواہ بے چینی بڑھ جاتی تھی اور اپنی ناکامی کا احساس پریشان کرتا تھا۔ میں غسل خانے میں چلا گیا۔ وہاں میں نے خوب جی بھر کے غسل کیا۔ پھر میں ایک اچھا لباس پہن کر ڈائننگ روم میں ناشتہ کرنے آیا تو تھوڑی دیر بعد شہناز بھی وہاں پہنچ گئی۔ وہ بھی غسل کرنے کے بعد ایک ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ غضب کی حسین اور نوجوان نظر آرہی تھی کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس نے کچھ عرصہ طارق محمود کے ساتھ ازدواجی زندگی گزاری ہے۔ اس پہ دوشیزگی کا بھرپور نکھار تھا اور ایسی شادابی تھی کہ جسے دیکھنے کے بعد آدمی دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔

میں اسے سحر زدہ ہوکر دیکھ رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔ پتہ نہیں یہ دنیا میں سارے مرد عورت کو دیکھ کر للچاتے کیوں ہیں؟"

"ساری عورتوں کو دیکھ کر نہیں للچاتے تمہاری مثال تو کہیں ملتی نہیں ہے۔ تمہیں دیکھ کر سارے مرد للچاتے ہوں گے۔ دوسری عورتیں اگر ان کے لئے پُرکشش ہوتی ہیں تو حصول کے قابل بھی ہوتی ہیں۔ لیکن تم ناقابلِ حصول ہو۔ اس لئے اور زیادہ للچاتی ہو۔ میری شدید خواہش ہے کہ میں ایک بار تمہیں جی بھر کے اچھی طرح چھو کر دیکھوں۔"

"تمہاری یہ شدید خواہش تمہارے ساتھ قبر تک جائے گی۔ مگر تم مجھے کبھی ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ دنیا کا کوئی مرد مجھے ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔"

"تم نے فضول سی قسم کھائی ہے۔ مرد کے معنی ہوتے ہیں ناممکن کو ممکن بنانے والا۔ اور دنیا میں اتنے سارے مرد ہیں ان میں کوئی تو ایسا مرد ہو گا جو ناممکن کو ممکن بنادے گا اور ایک دن تمہیں حاصل کرلے گا۔"

"وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔"

"بہرحال دیکھا جائے گا۔ میں ناشتہ کرنے کے بعد ہوٹل میٹرو پول جارہا ہوں اور وہاں سے اپنا سامان لے آؤں گا۔"

"تم خواہ مخواہ میرے شوہر بن کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ کیا تم کسی طرح مجھ سے علیحدگی اختیار نہیں کرسکتے؟ اگر میں یہ مان بھی لوں کہ تم طارق محمود ہو تو میں تم سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہوں۔"

"تم نے ابھی دنیا کے تمام مردوں کو چیلنج کیا ہے کہ کوئی تمہیں چھو نہیں سکتا۔ میں کم از کم شوہر ہونے کے رشتے سے تمہارے قریب تو رہ سکتا ہوں۔ یہ جو سہولت مجھے حاصل ہے۔ میں اس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔ میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

"میں تمہیں طلاق دینے کے سلسلے میں منہ مانگی رقم دوں گی تمہاری ہر شرط پوری کردوں گی۔"

"اگر ہر شرط پوری کرسکتی ہو تو پھر میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خود غرض ہو۔ صرف مجھے حاصل کرنے کے لئے میرے شوہر بنے ہوئے ہو۔"

"دنیا کا ہر شوہر اپنی بیوی کو حاصل کرنے کے لئے شوہر بن کر رہتا ہے۔ اگر بیوی ساتھ رہنا نہ چاہے۔ تو وہ ہر صورت میں طلاق لینے کے لئے راضی ہوجاتی ہے۔ تم بھی اچھی طرح غور کرلو کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو یا میری ایک شرط پوری کرکے طلاق لے کر ہمیشہ کے لئے مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہو۔"

میں ناشتہ کرچکا تھا۔ اس سے اجازت لے کر جانے لگا۔ اس نے کہا: "سنو! میں ایک شخص کا پتہ بتاتی ہوں۔ وہاں جاکر میری رقم اس سے لے آؤ۔ کیا میں امید کروں کہ تم ایمانداری سے پچیس یا پانچ ہزار روپے مجھ تک پہنچا دو گے۔"

میں نے کہا: "تم مجھ پہ بھروسہ کرنے پہ مجبور ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں یا دنیا کا کوئی اور مرد تمہارا اتنا دیوانہ ہوجاتا ہے کہ وہ تم سے دغا نہیں کرسکتا۔ تمہاری ہر بات ماننے کے لئے راضی ہوجاتا ہے۔ میں بھی تمہاری وہ رقم تمہارے پاس ایمانداری سے پہنچا دوں گا۔ تم مجھے پتہ بتا دو۔"

اس نے مجھے ایک شخص کا پتہ بتایا۔ جس کا نام ملک نواز تھا۔ وہاں سے دو میل کے فاصلے پہ اس کی ایک کوٹھی تھی۔ جس پر "باتھنگ ان پرفیوم" یعنی خوشبو کا غسل والا سائن بورڈ لگا ہوا تھا۔

جس طرح مرد شہناز کے دیوانے بن جاتے تھے۔ اسی طرح عورتیں بھی اور خصوصاً نوجوان لڑکیاں بھی اس سے دوستی کی خواہش مند ہوتی تھیں۔ اس سے یہ راز معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ اس کے بدن سے اس قدر خوشبو کیسے پھوٹتی ہے۔ شہناز انہیں جھوٹ موٹ باتھنگ ان پرفیوم کا پتا بتادیتی تھی اور انہیں یہ یقین دلاتی تھی کہ وہ وہاں جاکر خوشبو کا غسل کرتی ہے۔ لڑکیاں اس لالچ میں آکر وہاں چلی جایا کرتی تھیں۔ اب وہاں جانے کے بعد کیا ہوتا تھا۔ یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے میں نے وہاں جانا منظور کرلیا اور اپنی دلچسپی کے تحت دو میل کے فاصلے پہ آدھے گھنٹے کے اندر پہنچ گیا۔

میں نے وہاں پہنچ کر دیکھا۔ کوٹھی کے سامنے ایک بڑا سا سائن بورڈ باتھنگ اِن پرفیوم کا لگا تھا۔ اس سائن بورڈ کو پڑھنے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ لڑکیاں یہاں آکر کس طرح بے وقوف بنتی ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ جب وہ یہاں سے خوشبو کا غسل کرکے جاتی ہوں گی یا اپنے بدن پر کسی خوشبو کی مالش کرواتی ہوں گی تو وہ خوشبو کتنی دیر تک رہتی ہوگی؟ شہناز کے بدن کی طرح پائیدار تو کبھی نہ ہوگی بلکہ وہاں سے نکلتے ہی گھر پہنچنے تک وہ خوشبو ختم ہوجاتی ہوگی۔ تو پھر یہ فراڈ والا کاروبار کیسے چل رہا ہے؟

میرے دل میں تجسس پیدا ہونے لگا۔

میں نے دروازے پر پہنچ کر کال بیل کے بٹن کو دبایا تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر کی عیسائی عورت نظر آئی۔ اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو میں نے کہا کہ "میں ملک نواز سے ملنے آیا ہوں اور مجھے شہناز نے بھیجا ہے۔"

وہ بولی "ہاں! ابھی میڈم شہناز کا فون آیا تھا۔ آپ اندر ہی آ جائیں۔"

میں ایک سجے سجائے ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ وہاں مجھے بیٹھنے کے لئے کہا گیا۔ میں بظاہر ایک صوفے پر بیٹھ گیا مگر اس ادھیڑ عمر کی عورت کے دماغ میں بیٹھ کر اس کے ساتھ چلتا ہوا ایک بیڈ روم میں پہنچا۔ وہاں ملک نواز کے ساتھ ایک لڑکی الگ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

ملک نواز نے اس ادھیڑ عمر عورت کو دیکھ کر پوچھا "مادام! کون آیا ہے؟"

مادام نے جواب دیا "شہناز کا آدمی ہے۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔"

"ٹھیک ہے وہ شہناز کی رقم لینے آیا ہوگا۔ پہلے ڈرائنگ روم سے شہناز کو فون کرو اور اس سے رابطہ قائم کرنے کے بعد بتاؤ کہ اس کا آدمی یہاں پہنچ گیا ہے اور وہ پہلے اپنے آدمی سے بات کر کے اس بات کی تصدیق کر لے کہ وہ رقم اسی شخص کو دینا ہے۔ تب ہم اس کے پانچ ہزار دے دیں گے۔"

مادام یہ سن کر ڈرائنگ روم میں آئی پھر اس نے اس کی ہدایت کے مطابق ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر شہناز سے رابطہ قائم کیا۔ شہناز سے جب باتیں ہونے لگیں تو مجھے بھی اس سے فون پر گفتگو کرائی گئی۔ جب اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ میں وہی آدمی ہوں تو مادام ریسیور رکھ کر پھر اس بیڈ روم کی طرف چلی گئی اس دوران مجھے ملک نواز کے دماغ میں جھانکنے کا موقع نہیں ملا تھا اس کے جاتے ہی میں نے ملک نواز کی سوچ پڑھی۔ وہ لڑکی سے کہہ رہا تھا "میری بات مان جاؤ۔ تمہاری عزت پر حرف نہیں آئے گا کوئی تمہیں بدنام نہیں کرے گا۔ تمہاری جتنی تصویریں ہیں۔ وہ سب میرے پاس محفوظ رہیں گی اور میں کسی کو بھی وہ تصویریں نہیں دکھاؤں گا۔"

لڑکی روتے ہوئے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اتنے میں مادام پہنچ گئی اور وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ملک نواز اپنی جگہ سے اٹھ کر تجوری کے پاس گیا پھر اسے کھول کر پانچ ہزار کی ایک گڈی نکالتے ہوئے اس لڑکی کی طرف دیکھا اور پھر کہا "دیکھو! یہ وہی تجوری ہے جس میں تمہاری تصویریں ابھی تک رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے کہیں دور نہیں بھیجی ہیں کیونکہ یہاں جتنی بھی لڑکیوں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ وہ ہم اپنے پاس نہیں رکھتے۔ یہاں کی پولیس میں اگر کچھ لوگ ہمارے دوست ہیں تو کچھ لوگ ایمان دار اور غیرت مند بھی ہیں۔ ایسے غیرت مند پولیس والے چھاپے مارتے ہیں اور ہمارے لئے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تمہاری تصاویر ابھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ بات مان لوگی تو یہ تصویریں میں تمہارے سامنے ضائع کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے وہ رقم مادام کو دی۔ مادام میرے پاس آنے لگی۔ میں خاموش بیٹھا ہوا ان کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ مادام کے آنے پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ میں نے اس سے پانچ ہزار کی وہ گڈی لی اور ڈرائنگ روم سے باہر جانے لگا۔ جب میں بیرونی دروازے سے باہر نکلا تو مادام نے دروازے کو بند کر دیا۔ اسی وقت میں مادام کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ اندر سے چٹخنی لگانا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے چٹخنی لگانے کا موقع نہیں دیا۔ اسے وہاں سے پلٹا کر بیڈ روم کی طرف لے جانے لگا۔ جب وہ ملک نواز کے بیڈ روم میں پہنچ گئی تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اسے تھوڑی دیر کے لئے عجیب سا لگا مگر پھر سر کو جھٹک کر یہ بھول گئی کہ وہ سحرزدہ ہو کر یا نامعلوم طریقے سے دروازے سے چلتی ہوئی بیڈ روم تک کیسے آ گئی تھی۔

اس نے ملک نواز سے کہا "میں نے شہناز کے آدمی کو رقم دے کر رخصت کر دیا ہے۔ اب میں کچن کی طرف جا رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ باورچی خانے کی طرف جانے لگی۔ میں دروازہ کھول کر اندر آیا پھر اندر سے چٹخنی لگا دی۔ اس کے بعد دبے قدموں چلتا ہوا ملک نواز کے کمرے تک پہنچ گیا۔

میں نے پردے کو ذرا سا ہٹا کر دیکھا تو دور صوفے پر وہ لڑکی روتی ہوئی نظر آئی۔ وہ دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ جب اس نے دوپٹے کو چہرے کے پاس سے ہٹایا تو میں نے اس کا حسن دیکھا۔

وہ اس لئے بے حد حسین اور پرشباب لڑکی تھی کہ وہاں ایسی ہی حسین اور جوان لڑکیوں کو بلایا جاتا تھا۔ کسی بدصورت لڑکی کا وہاں گزر نہیں تھا کوئی آتی بھی ہوگی تو ٹال دیا جاتا ہوگا یا اس کو مستقل فہرست میں نہیں رکھا جاتا ہوگا۔

وہ کہنے لگی "جب انسان تباہ ہونے لگتا ہے تب اسے عقل آتی ہے۔ آج میں تباہ ہو رہی ہوں تو یہ بات میری سمجھ میں آ رہی ہے کہ عورتوں کو زیادہ سمائش کا عادی نہیں ہونا چاہئے۔ قدرت نے ہمیں جس حد تک پرکشش بنایا ہے۔ اسی حد تک ہمیں محدود رہنا چاہئے لیکن میں شہناز کی طرح خوشبو کا بدن رکھنا چاہتی تھی۔ میری طرح اور بھی نہ جانے کتنی لڑکیاں اپنے آپ کو پرکشش بنانے کے لئے خوشبو کا بدن اپنانے کے لئے یہاں آتی ہوں گی۔ میں تمہیں تمہارے بچوں کا واسطہ دیتی ہوں کہ میری اس غلطی کو معاف کر دو آئندہ میں کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گی۔ میری تمام تصویریں مجھے واپس کر دو۔ ورنہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہوئی۔ میں اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھنے لگا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے وہ ایک ہفتہ پہلے کی باتیں سوچ رہی تھی جب وہ پہلی بار شہناز کے اکسانے پر یہاں خوشبو کا بدن اپنانے کے لئے خوشبو کا غسل کرنے کے لئے مادام کے پاس آئی تھی۔ مادام اسے ایک بہت ہی خوبصورت سے کمرے میں لے گئی تھی۔ وہاں کتنی ہی خوشبوئیں نتھنوں کو چھو رہی تھیں۔ وہاں مادام نے اس سے پوچھا وہ کس قسم کی خوشبو چاہتی ہے؟ اس لڑکی نے ایک خوشبو کا انتخاب کیا تھا۔ تب مادام نے کہا تھا کہ خوشبو کی مالش کرنے کے لئے اسے لیٹنا ہوگا اور اس میں بہت وقت لگے گا ——— اور اس کے پورے بدن میں اس خوشبو کی مالش کی جائے گی۔ لڑکی پہلے ہچکچائی تھی۔ پھر اس نے کہا تھا کہ میں ——— ——— مجھے شرم آتی ہے۔ مادام اسے سمجھانے لگی "شرمانے کی کوئی بات نہیں۔ میں بھی عورت ہوں تم بھی عورت ہو۔ کمرہ بند ہے اور باہر سے کوئی آ نہیں سکے گا اس لئے کہ میں نے اندر سے لاک کر لیا ہے تم اپنی تسلی کے لئے دروازے اور کھڑکیاں دیکھ لو۔"

اس لڑکی نے اپنی تسلی کے لئے ساری کھڑکیاں اور دروازوں کو دیکھ لیا تھا اور مطمئن ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب اس نے پوری تسلی کر لی تھی تو یہ تصویریں کیسے... آ گئیں۔ بعد میں وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے روشندان اور چھت کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا آلہ لگایا گیا ہو جس سے اس کی تصویریں اتاری گئی تھیں۔

وہ سوچ رہی تھی اور میں پردے کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا...

ملک نواز اس کے سوچنے کے دوران آ کر اس کے صوفے پر جھک گیا تھا اور اس کے ہاتھ کو پکڑ رہا تھا۔ لڑکی تذبذب میں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے آپ کو کیسے بچائے۔ وہ چیخ بھی نہیں سکتی تھی۔ انکار بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس کی بہت بڑی کمزوری ملک نواز کے ہاتھ میں تھی۔

تب میں نے پردے کے پیچھے سے کہا "نہیں، نہیں! یہ بری بات ہے۔"

ملک نواز ایک دم سے لڑکی کا ہاتھ چھوڑ کر اچھل پڑا۔ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا "کون ہے؟ پردے کے پیچھے کون ہے؟"

میں نے کہا "پردے کے پیچھے کون ہوتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ یہ قانون نہیں جانتا۔ کیونکہ تمہارے جیسے مجرم ہر کام پردے کے پیچھے کرتے ہیں لیکن قانون بہت دنوں تک گونگا بہرا نہیں رہ سکتا۔ نہ ہی انجان بن کر رہ سکتا ہے۔ آج وہ تمہارے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔"

یہ کہہ کر میں پردہ ہٹاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر سہم گئے۔ ملک نواز نے پوچھا "تم تم! کون ہو؟"

میں نے جواب دیا "میں قانون کا محافظ ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ کوئی پولیس والا ہوں۔"

میری بات سن کر وہ لڑکی گھبرا گئی۔ کیونکہ پولیس والوں کے ذریعے بات بڑھنے پھیلنے والی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی بدنامی دور تک جانے والی تھی۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔ پولیس کا نام سنتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا کیونکہ اب خود کو چھپانے کا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

میں نے آگے بڑھتے ہوئے ملک نواز سے کہا "لاؤ! وہ تمام تصویریں میرے حوالے کر دو۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "کیسی تصویریں جناب! پہلے آپ آرام سے بیٹھیں اور یہ ثابت کریں کہ آپ پولیس والے ہیں۔ پھر آگے بات کریں۔"

میں اس کے ذرا قریب پہنچ کر بولا "میں باتوں سے نہیں لاتوں سے ثابت کر سکتا ہوں کہ میں پاکستانی پولیس والا ہوں۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو وہ تصویریں میرے حوالے کر دو۔ اور زیادہ باتیں نہ بناؤ۔"

"میرے پاس کوئی تصویر نہیں ہے۔"

میں نے اس پر حملہ کیا تو اس نے میرا حملہ کو روک لیا۔ پھر اس نے جوابی حملہ کیا۔ پھر میں نے اس کے حملے کو روک لیا۔ پتہ چلا کہ وہ لڑنے کے فن سے واقف ہے۔ میں نے پینترا بدل کر اس کی کمر پر ایک لات جما دی۔ وہ کراہتے ہوئے جھکا تو میں نے دوسری لات اس کے منہ پر ماری وہ الٹ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس وقت مجھے سونیا یاد آ گئی۔ کیونکہ میں نے اس پر حملہ کرنے کے لئے سونیا کا داؤ استعمال کیا تھا۔ وہ جب بھی لڑتی تھی تو ڈبل کک سے ابتدا کرتی تھی۔ میں نے دیکھا۔ ملک نواز کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور وہ اسے پونچھتے ہوئے اٹھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا "میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟ اگر پولیس والے ہوتے تو سہولت سے بات کرتے۔ تم کوئی ڈاکو ہو، چور، بدمعاش ہو اس طرح کسی شریف آدمی کے گھر میں گھس آنا کوئی شریف لوگوں کا کام نہیں ہوتا۔"

میں نے کہا "ہاں! کسی چور بدمعاش کے گھر میں کوئی چور بدمعاش ہی گھس کر آ سکتا ہے۔ مجھے وہی سمجھ لو۔ اور تصویریں میرے حوالے کر دو۔"

"اس تجوری میں تصویریں نہیں ہیں۔"

"تو پھر کسی دوسری الماری میں ہوں گی۔"

"میں تمہیں تمام کمرے کی تلاشی لینے کی اجازت دوں گا۔ لیکن تصویریں تمہیں نہیں ملیں گی۔ میں اس لڑکی سے جھوٹ کہہ رہا تھا اور تم اسے سچ سمجھ کر یہاں چلے آئے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر ہماری باتیں سن رہے تھے۔ مگر میں محض اس لڑکی کو

بیوقوف بنانے کیلئے جھوٹ بول رہا تھا؟

میں اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ جیسے میں اس کے سچ اور جھوٹ کو تولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ بھی چپ چاپ کھڑا رہا۔ میں نے اس کی سوچ سے پتہ چلایا کہ تجوری میں ایک ایسا خفیہ خانہ ہے جسے صرف وہی کھول سکتا ہے۔ اس میں تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ ورنہ میں پورے کمرے کی تلاشی لے لوں۔ تب بھی مجھے وہ تصویریں نہیں مل سکیں گی۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "چلو چل کر مجھے تجوری کھول کر ساری چیزیں دکھاؤ۔"

اس نے کہا۔ "میں ایک لٹیرے کو کیسے اپنی تجوری دکھا سکتا ہوں؟ ویسے مجھے خیال آگیا، میں تمہیں دور سے وہ تجوری دکھاؤں گا۔ ٹھہرو ابھی میں تمہارے سامنے کھولتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ میں نے اس کی سوچ سے معلوم کر لیا کہ تجوری میں ایک ریوالور رکھا ہوا ہے۔ وہ ریوالور حاصل کرنے جا رہا ہے۔ میں نے اس کے قدموں کو لڑکھڑا دیا۔ وہ گر پڑا۔ میں نے اس سے کہا۔ "دیکھو مسٹر! تم چابی میرے حوالے کر دو اور دور کھڑے تماشا دیکھتے رہو۔ میں تجوری خود ہی کھول لوں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "نہیں! وہ تجوری نمبروں سے کھولی جاتی ہے۔ اسے صرف میں ہی کھول سکتا ہوں۔"

میں نے اسے تجوری کھولنے کی اجازت دے دی۔ وہ آگے بڑھا میں اس کے پیچھے رہا۔ وہ نمبروں کی ایک خاص ترتیب کے ساتھ اسے کھولنے لگا۔ اس کا ارادہ تھا جیسے ہی وہ تجوری کھلے گی۔ وہ اس کے پٹ کو ذرا سا کھولے گا اور ہاتھ بڑھا کر ریوالور نکال لے گا۔ میں محتاط کھڑا ہوا تھا۔ جیسے ہی نمبروں کی ترتیب ختم ہوئی اور اس کے دماغ نے چغلی کھائی کہ تجوری کا پٹ اب کھل چکا ہے اور وہ اسے کھولنے ہی والا ہے اسی لمحے میں نے اس کے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ایک زور کا جھٹکا دیا۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا۔ میں نے تجوری کے پٹ کو کھول کر ریوالور پر قبضہ جما لیا۔ پھر اس کی طرف پلٹ کر کہا۔ "اب مجھے اس کی تلاشی لینے دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں تم نے وہ تصویریں کہاں چھپا کر رکھی ہیں؟"

لڑکی کے خوبصورت چہرے سے خوف اور پریشانی عیاں تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ بات اب جیسے جیسے بڑھتی جائے گی۔ ویسے ہی اس کی بدنامی بھی پھیلتی چلی جائے گی۔ میں نے ملک نواز سے کہا۔ "چلو آگے بڑھو اور اس تجوری میں سے اس لڑکی کی تصویریں نکال کر واپس کر دو میں تمہارا کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور مسز مادام پردہ ہٹاتے ہوئے چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی۔ پھر میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھتے ہی ایک دم سے سہم کر ٹھٹک گئی۔ میں نے کہا "ذرا سی بھی آواز نہ نکالنا ورنہ میں ملک نواز کو گولی مار دوں گا اور تم بھی زندہ نہیں بچو گی۔"

وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ملک نواز کی طرف آ کر کھڑی ہو جائے۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے کانپ رہی تھی۔ اس نے ٹرے کو سنٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور ملک نواز کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

ملک نواز نے کہا۔ "تم خواہ مخواہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس تجوری میں تصویریں نہیں ہیں۔"

میں نے اسے گھور کر اس انداز میں دیکھا جیسے میں اس کے جھوٹ اور سچ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کے دماغ نے بتایا کہ اس تجوری میں وہ خفیہ خانہ بھی مخصوص نمبروں کی ترتیب سے کھلتا ہے اور وہ ترتیب یہ ہے......

اس کے دماغ نے یہ ترتیب بتائی۔ میں نے مخصوص نمبروں کی اس ترتیب کو ذہن نشین کر لیا۔ اس کے بعد میں نے اس لڑکی سے کہا۔ "تم ادھر آؤ۔"

وہ دہشت زدہ تھی اور میرے خوف سے کانپ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "فکر نہ کرو تم ادھر آؤ اور اس ریوالور کو پکڑے رہو۔ اگر ملک نواز یا یہ مادام دونوں میں سے کوئی بھی حرکت کرے تو انہیں بے دریغ گولی مار دینا۔ باقی کام میں نمٹا لوں گا۔"

وہ سہمے ہوئے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر میرے قریب آئی۔ میں نے اسے بتایا کہ کس طرح ریوالور کو دونوں ہاتھوں سے سنبھال کر مضبوطی سے پکڑنا چاہئے۔ اور ایک انگلی کس طرح ٹریگر پر رکھنی چاہئے۔ اگر وہ دونوں دشمن میری طرف حرکت کریں تو ٹریگر پر انگلی کا دباؤ ڈالنے سے گولی چل جائے گی۔ اور ان میں سے کوئی ہلاک یا زخمی ہو جائے گا۔ ان میں سے کسی کے ہلاک یا زخمی ہونے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ وہ ذرا بھی پرواہ نہ کرے۔

میں نے اسے ساری باتیں سمجھانے کے بعد اور ریوالور اس کے حوالے کرنے کے بعد اس تجوری کو کھولا۔ پھر ان مخصوص نمبروں کی ترتیب سے میں نے خفیہ خانے کو کھول کر دیکھا تو وہاں ایک بڑا سا لفافہ نظر آیا۔ میں نے اس لفافہ کو نکال لیا۔ اسے نکال کر جیسے ہی تجوری بند کی ویسے ہی لڑکی نے للکارتے ہوئے کہا۔ "خبردار لفافے کو کھولنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ میں تم کو گولی مار دوں گی۔"

میں نے لڑکی کو حیرانی سے دیکھا۔ اس نے خوب پینترا بدلا تھا۔ اب میرے ہی خلاف ہو گئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے؟" اس کے دونوں ہاتھ ریوالور کو تھامے ہوئے کانپ رہے تھے۔ اور جب وہ بولنے لگی تو اس کا لہجہ بھی تھرتھرا رہا تھا۔ وہ کہنے لگی۔ "میں زیادہ باتیں سننا نہیں چاہتی۔ اس لفافے کو میز پر رکھ کر ملک نواز کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر ذرا سی بھی کوئی ایسی حرکت ہوئی جو میرے خلاف ہو تو میں گولی چلا دوں گی۔"

میں دیکھ رہا تھا کہ واقعی اس کا ہاتھ ریوالور پر کانپ رہا تھا اور ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی بھی تھرتھرا رہی تھی۔ میں نے چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کی۔ لفافہ کو میز پر رکھنے کے بعد ملک نواز کے پاس ہاتھ اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

اس لڑکی نے آگے بڑھتے ہوئے اس لفافے کو میز پر سے اٹھایا پھر پیچھے ہٹ کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "اس کمرے میں سے تم تینوں میں سے کوئی باہر نہ جائے۔ میں ابھی آ کر یہ دروازہ کھول دوں گی۔ پہلے میں دیکھنا چاہتی ہوں اس لفافے میں کیا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ الٹے قدموں ۔۔ چلتی ہوئی اس کمرے سے باہر نکلی۔ پھر اس [illegible] کو باہر سے بند کر دیا۔ ملک نواز نے مجھے گھور کر دیکھا۔ "تم انتہائی در[illegible] کے بزدل اور بدمعاش ہو ایک لڑکی کو زیر نہ کر سکے اور عقلمندی جناب کی یہ ہے کہ ریوالور اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اب یہاں ہمیں بند رہنا ہو گا۔"

میں نے کہا۔ "بکواس نہ کرو، وہ لڑکی مطمئن ہونے کے بعد ہمارے لئے دروازہ ضرور کھولے گی۔ آؤ جب تک مادام کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چائے ہی پی لیں۔"

یہ کہہ کر میں سینٹر ٹیبل کی طرف چائے پینے کے لئے بڑھنے لگا۔ اسی وقت اچانک ملک نواز نے میری گردن پر کراٹے کا ہاتھ مارا۔ میں لڑکھڑا کر سینٹر ٹیبل کی طرف اوندھا ہوا۔ اتنے میں اس نے میرے اوپر چھلانگ لگائی۔ میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ چائے کی پیالیوں پر اوندھے منہ گرا۔ گرم گرم چائے اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ وہ چیخنے لگا۔ میں نے اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ پھر اس کے منہ پر ایک گھونسا رسید کرنے کے بعد اسے ٹھوکریں مارنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اس کے کس بل ڈھیلے ہو گئے اور وہ مردہ چوہے کی طرح فرش پر لیٹ کر کراہنے لگا۔

میں نے ایک ذرا اس لڑکی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ باورچی خانے میں تھی۔ وہاں لفافے سے اپنی ...... تصویریں نکال کر دیکھتی جا رہی تھی اور انہیں چولہے میں جلاتی جا رہی تھی۔ میں اس کے دماغ سے واپس آ کر ملک نواز کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔ "تم یہ دھندا کب سے کر رہے ہو؟"

وہ کراہتے ہوا بولا۔ "تم میری جان بھی لے لو گے تب بھی میں... تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ تم خواہ مخواہ خدائی فوجدار بن کر یہاں چلے آئے اور ہماری ساری پلاننگ کا ستیاناس کر دیا۔ وہ تصویریں بہت قیمتی تھیں۔ ان سے ہم بہت منافع حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن تم نے انہیں اس لڑکی کے حوالے کر دیا۔ اب وہ انہیں ضائع کر دے گی۔ تم نہایت ذلیل، بدمعاش......"

وہ کچھ اور بولنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کی۔ وہ ایک دم بلبلانے لگا۔ تڑپنے لگا پھر فرش پر اوندھے منہ ہو کر بالکل ساکت ہو گیا۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ واقعی بے ہوش ہو چکا تھا۔

وہ ادھیڑ عمر کی عیسائی عورت دور سہمی ہوئی کھڑی تھی اور سوچ رہی تھی۔ "اچھا ہوا۔ ہم تمام لڑکیوں کی تصویریں اور نیگیٹو یہاں نہیں رکھتے ہیں ورنہ یہ بدمعاش تو آج ہمارے تمام مال پر قبضہ جما لیتا۔ اور ہمیں کہیں کا نہ رکھتا۔ اب میں ناصر پاشا کو کیسے خبر کروں کہ ہم پر کیا بیت رہی ہے؟"

یہ ناصر پاشا کون تھا؟ میں یہ بعد میں معلوم کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ اب اطمینان سے مجھے اس دھندے کے متعلق بہت دور تک معلومات حاصل کرنی تھیں کہ یہ کاروبار کیسے چل رہا ہے اور کتنی دور تک چل رہا ہے۔

اتنے میں کمرے کے باہر سے اس لڑکی کی آواز سنائی دی۔ وہ اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "تم تینوں کمرے کے بیچ میں چلے جاؤ۔ اگر کوئی دروازے کے پاس کھڑا رہے گا تو میں دروازہ کھلتے ہی فائرنگ شروع کر دوں گی اس لئے یہاں دروازے کے پاس کوئی نہ رہے۔"

میں نے اونچی آواز میں اسے یقین دلایا۔ "دروازے کے پاس کوئی نہیں ہے۔ ہم سب کمرے میں دور کھڑے ہوئے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دروازہ آہستہ سے کھلا پھر پوری طرح سے کھلتا چلا گیا۔ وہ لڑکی پردے کو ایک طرف ہٹا کر دیکھنے لگی۔ جب اسے اطمینان ہوا کہ ہم تینوں اس سے دور ہیں۔ تو وہ کمرے میں چلی آئی۔ اس نے ایک نظر فرش پر پڑے ہوئے ملک نواز پر ڈالی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آ گئی۔ اس کے بعد اس نے ریوالور میرے ہاتھ میں دے دیا۔

جیسے ہی میں نے ریوالور کو اپنے ہاتھ میں لیا وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ اور میرے قدموں سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ "تم نے میری عزت بچالی میرے ماں باپ میرے خاندان کی عزت رکھ لی۔ اب تم چاہو تو مجھے گولی مار سکتے ہو۔ میں نے تم پر بھی زیادتی کی ہے لیکن میں مجبور تھی۔ وہ تصویریں کسی کو دکھا نہیں سکتی تھی۔ تمہیں بھی دیکھنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے انہیں جلا ڈالا ہے تمام نیگیٹو بھی جلا ڈالے ہیں۔ اب میں مطمئن ہوں۔ اب مجھے کوئی مار بھی ڈالے تو میں پرواہ نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے قدموں پر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب اپنے آنسو پونچھ لو اور خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے سر سے بہت بڑی قیامت ٹل گئی ہے۔ تم تباہی سے بال بال بچ گئی ہو۔ تمہارے خاندان کی نیک نامی پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا۔ لیکن یہاں سے جانے کے بعد قسم کھا لینا کہ آئندہ ادھر کا رخ نہیں کرو گی اور دوسری لڑکیوں کو سمجھاؤ گی کہ خدا نے جتنا حسن دیا ہے اس سے زیادہ کا لالچ نہ کریں اور بیوٹی پارلر کا رخ نہ کریں۔ بیوٹی پارلر میں عورت کچھ زیادہ حسین تو بن جاتی ہے لیکن اپنے ساتھ ایک شیطان کو لگا کر چلتی ہے۔ وہ شیطان ہمیشہ اسے اس

کے حسن پر مغرور رہتا ہے اور اسے مرد کے منہ سے تعریف سننے کے لالچ میں بہکاتا ہے۔ اسے گناہ کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔ تمہارے لئے اتنا سبق کافی ہے۔ اب یہاں سے جاؤ۔"

وہ سر جھکائے سن رہی تھی۔ پھر فوراً ہی وہاں سے پلٹ کر چلی گئی۔ جب وہ کمرے سے باہر چلی گئی تو میں نے مادام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "دیکھو یہ شخص جب ہوش میں آئے تو اسے سمجھا دینا کہ فوراً ہی اپنی کوٹھی پر سے "باتھنگ ان پرفیوم" کا سائن بورڈ ہٹا دے۔ اور یہاں آئندہ کوئی دوسری لڑکی جال میں پھانسنے کے لئے نہ بلائی جائے۔ میں یہاں پر کڑی نظر رکھوں گا۔ جب بھی یہاں کوئی لڑکی آئے گی تو میں تم دونوں کی مرمت کرنے کے لئے پہنچ جاؤں گا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ پندرہ منٹ سے پہلے تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلنا ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں اس کمرے سے باہر آگیا۔ باہر آکر میں نے دروازے کو بند کیا لیکن چٹخنی نہیں لگائی۔ وہاں سے میں ڈرائنگ روم میں آیا۔ ادھر کا دروازہ کھول کر دیکھا لڑکی احاطے سے باہر جا رہی تھی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آیا پھر باہر سے اس کی چٹخنی لگا دی تاکہ وہ بوڑھی مادام ادھر سے باہر نہ آسکے۔ اس کے بعد میں نے ریوالور سے گولیاں نکال کر ایک پودے کے گملے میں ڈال دیں۔ پھر خالی ریوالور کو لے کر باغیچہ میں آیا۔ وہاں ایک جھاڑی میں میں نے ریوالور کو ڈال دیا۔ پھر مادام کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ پندرہ منٹ تک اسے انتظار کرنا چاہئے یا نہیں؟ چونکہ وہ سہمی ہوئی تھی اور ملک نواز کا حشر دیکھ چکی تھی۔ اس لئے پندرہ منٹ تک انتظار کر رہی تھی۔

میں کوٹھی کے احاطے سے باہر آگیا۔ دور دور تک رکشہ یا ٹیکسی کا پتہ نہیں تھا۔ میں پیدل چلنے لگا۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ ایک گاڑی کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مجھے ایک کار رکھنا چاہئے۔ ورنہ رکشہ ٹیکسی کے انتظار میں مدتیں گزر جایا کریں گی۔ اور میں صحیح وقت پر کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔ کچھ دور جانے کے بعد آخر ایک ٹیکسی مل گئی۔ میں نے اسے میٹروپول ہوٹل چلنے کے لئے کہا اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔ اب مادام اس کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ میں اس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ سب سے پہلے وہ باہر آنے کے بعد ادھر ادھر مجھے تلاش کرتی رہی تھی۔ ڈرائنگ روم سے باہر نکلنا چاہا تو دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ فوراً ہی ٹیلی فون کے پاس آئی اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ میں نے وہ نمبر ذہن نشین کر لئے۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہوا۔ پھر کسی نے کہا "ہیلو!"

"ہیلو! میں باتھنگ ان پرفیوم سے بول رہی ہوں۔ پاشا صاحب سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔ فوراً ہی ان سے رابطہ قائم کرا دو۔"

"آپ ہولڈ آن کریں۔ میں رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی خاموشی چھا گئی۔ مادام انتظار کرنے لگی۔ میں دوسری طرف بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پتہ چلا کہ ناصر پاشا اس شہر کراچی میں نہیں رہتا۔ بلکہ کراچی سے بہت دور سمندر میں ایک چھوٹا سا ایسا جزیرہ ہے جو غیر قانونی کاموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس جزیرے کو پرفیوم آئی لینڈ یا خوشبوؤں کا جزیرہ کہتے ہیں۔ پہلے شہناز سے ملاقات ہوئی تو خوشبو کا بدن تھی۔ پھر پتہ چلا کہ کہیں خوشبو کا غسل بھی ہوتا ہے اور اب پتہ چل رہا تھا کہ دور سمندر میں کہیں خوشبو کا جزیرہ بھی ہے۔ جہاں مجرمانہ ذہنیت کے لوگ رہتے ہیں اور بڑے پیمانے پر خوبصورت، حسین لڑکیوں کا کاروبار کر رہے ہیں اور انہیں ہمارے ملک سے باہر بھیج رہے ہیں۔

میں نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایک مدت کے بعد میں اپنے وطن واپس آیا تھا تو دیکھ رہا تھا کہ میرے وطن میں کیا ہو رہا ہے؟ کیسے ذلیل اور کمینے لوگ ہیں جو میرے ملک کا نام بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ کہ سونا، چرس اور دوسری اشیاء ہی نہیں بلکہ ہماری مٹی کی ہمارے وطن کی، ہمارے ملک کی عزت کو باہر اسمگل کر رہے ہیں۔ میں نے اسی وقت قسم کھائی کہ ناصر عرف ناصر پاشا بلکہ اس سے تعلق رکھنے والے دوسرے لوگوں کی ایسی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔

تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے کہا گیا "سوری مادام! پاشا صاحب اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ وہ جزیرے میں ہیں۔ آپ پیغام نوٹ کرا دیں۔ ہم وہاں تک آپ کا پیغام پہنچا دیں گے۔"

مادام اسے بتانے لگی کہ کس طرح شہناز کا ایک آدمی اپنی رقم لینے کے لئے آیا تھا اور بعد میں اس نے کس طرح ریوالور دکھا کر... ملک نواز کو زخمی کر دیا ہے اور وہاں سے طاہرہ نامی ایک لڑکی کی تمام تصویریں حاصل کر لیں اور وہ تصویریں نیگیٹو کے ساتھ ضائع کر دی گئی ہیں۔ اب وہ شخص یہاں سے جا چکا ہے اور طاہرہ بھی جو ہمارے دام میں آرہی تھی، نکل گئی ہے۔ اب ہم اسے پھانس نہیں سکیں گے۔ اس کی کوئی کمزوری ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ سب سے بڑی اندیشے کی بات یہ ہے کہ اس شخص نے ہمارا یہ اڈا دیکھ لیا ہے اور یہ دھمکی دے کر گیا ہے کہ ہم باتھنگ ان پرفیوم کا بورڈ یہاں سے ہٹا دیں۔ ورنہ وہ بار بار یہاں آتا رہے گا اور یہاں کاروبار کرنے کا موقع نہیں دے گا۔ ہم پتہ نہیں چلا سکے کہ آخر وہ شخص چاہتا کیا ہے؟ اب میں تھوڑی دیر بعد شہناز سے رابطہ قائم کروں گی۔ اور اس سے اس سلسلے میں گفتگو کروں گی۔ بس مجھے اتنا ہی کہنا ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے بھی اس سے دماغی رابطہ ختم کر دیا۔ تقریباً پون گھنٹے بعد میں ہوٹل میٹروپول سے اپنا سامان لے کر واپس شہناز کے پاس پہنچا تو وہ ڈرائنگ روم میں غصے کی حالت میں ٹہل رہی تھی۔ اسے فون کے ذریعہ مادام نے میرے بارے میں سب کچھ بتا

دیا تھا کہ میں نے وہاں کیا کچھ ہنگامہ برپا کیا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ایک دم سے بھڑک گئی۔ کہنے لگی "نکل جاؤ یہاں سے۔ میں تمہیں اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

"مگر سنو تو! ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو تم غصہ دکھا رہی ہو؟ کیا ادھر ملک نواز نے تم سے فون پر کچھ کہا ہے؟"

"ہاں! اس نے ساری باتیں بتائی ہیں۔ تم نے ان کے معاملات میں مداخلت کیوں کی؟"

میں نے انجان بن کر پوچھا "کون سے معاملات؟ مجھے ذرا سمجھا تو دو۔"

"انجان نہ بنو، نکل جاؤ یہاں سے۔ میں تمہیں اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

"مگر برداشت تو کرنا ہی ہوگا۔ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ میں تمہارا شوہر ہوں اور تمہیں چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتا اور ایسی حالت میں جبکہ میں نے دیکھا ہے کہ تم غلط لوگوں سے تعلقات قائم کر رہی ہو۔ میرا فرض ہے کہ میں تمہیں راہ راست پر لاؤں۔"

"بکواس مت کرو۔ میرے پانچ ہزار میرے حوالے کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ مجھے جانے کا حکم دے رہی تھی اور ایسے وقت میں یا کوئی بھی شخص اس کے آگے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے پانچ ہزار روپے نکال کر دیتے ہوئے کہا "میں تمہارے حکم کے مطابق چلا جاؤں گا۔ پتہ نہیں تم نے کونسا طلسم اپنا رکھا ہے کہ تمہارے بدن کی خوشبو کے سامنے انسان تمہارا تابع فرمان ہو جاتا ہے۔ میں تمہارا حکم مانتے ہوئے چلا جاؤں گا لیکن یہ یاد رکھو کہ تم گناہ کی دلدل میں دھنستی جا رہی ہو۔ خود کو محفوظ رکھتی ہو۔ اپنے آپ کو دوسروں سے دور رکھتی ہو لیکن معصوم لڑکیوں کو گناہ کے عذاب میں مبتلا کر رہی ہو اور اس کا نتیجہ تمہیں بہت برا ملے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنا سامان اٹھایا۔ پھر وہاں سے باہر آگیا۔ باہر آتے ہی اس کے بدن کی خوشبو ختم ہو گئی اور اب میں اس کے طلسم سے آزاد ہو کر اس سے دماغی رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں اس کے دماغ میں جھانک کر کہنے لگا "آہ، میں نے اسے بھگا کر بڑی غلطی کی۔ جو شخص ایسے لوگوں سے ٹکرا سکتا ہے۔ وہ میرا صحیح معنوں میں محافظ بن کر رہ سکتا ہے۔"

اس کی دوسری سوچ نے کہا "لیکن جہاں سے میری آمدنی کا ذریعہ تھا وہاں اس نے دشمنی مول لی ہے اور ان لوگوں کو میرے خلاف کر دیا ہے۔ میں اس سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتی۔"

اس کی دوسری سوچ نے کہا "میرے انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ میرا شوہر ہے۔ پھر کسی وقت یہاں واپس چلا آئے گا۔ میں یہ بھی طرح جانتی ہوں کہ میرے بدن کی خوشبو صرف میرے سامنے ہی مسحور کر کے رکھ سکتی ہے۔ مجھ سے دور ہونے کے بعد یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے لوگ پھر میرے خلاف منصوبے بنانے لگتے ہیں۔ اس دنیا میں میں نے دوست نہیں بنائے دشمن ہی دشمن بنائے ہیں اور ایسی صورت میں مجھے اپنی حفاظت کے لئے طارق جیسے شوہر کو اپنے پاس رکھنا چاہئے یہی دانشمندی ہے۔"

یہ سوچ کر وہ ڈرائنگ روم سے باہر آنے لگی۔ میں کوٹھی کے برآمدے میں کھڑا ہوا تھا وہاں سے جانے لگا۔ اس نے باہر نکل کر کہا۔ "سنو! ٹھہرو، ادھر آؤ۔"

یہ حکم دے کر وہ پھر ڈرائنگ روم کے اندر چلی گئی۔ میں واپس ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اس نے کہا "ملک نواز سمجھتا ہے کہ میں نے پانچ ہزار وصول کرنے کے بہانے تمہیں وہاں بھیجا تھا اور تم نے وہاں میرے کہنے کے مطابق گڑبڑ کی ہے۔"

میں نے کہا "اس سے فون پر کہو کہ اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق گڑبڑ کرتا، تو اس کی تجوری میں کئی ہزار روپے رکھے ہوئے تھے وہ میں اٹھا کر لے آتا لیکن میں نے صرف ایک معصوم لڑکی کی تصویریں حاصل کی تھیں اور انہیں ضائع کرایا تھا۔ اس کے سوا میں نے اس کے گھر سے ایک پیسہ بھی حاصل نہیں کیا ہے۔ جہاں تک اسے زخمی کرنے کا تعلق ہے تو یہ اس کا قصور ہے۔ وہ مجھ سے لڑ پڑا تھا۔ اس کا نتیجہ اسے مل گیا۔"

"تم اتنے تیس مار خاں کیوں بنتے ہو؟ اب وہ مجھ سے دشمنی کرے گا۔ اس کے ہاتھ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ پتہ نہیں کیسے کیسے غنڈے اور بدمعاش اس کے اشارے پر کسی کو قتل کر دیتے ہیں۔ وہ میری طرف بھی آئیں گے۔ میری زندگی کے لئے تم نے خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔ اب میں کیسے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکوں گی؟"

"ایک شوہر سے زیادہ کسی کی حفاظت میں عورت نہیں رہ سکتی۔ اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ تم بے فکر رہو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔"

میں اسے سمجھاتا رہا اور قائل کرتا رہا کہ اس کے سامنے اب یہی ایک راستہ ہے کہ وہ مجھ پر بھروسہ کرے۔ اسے اپنی حفاظت کے لئے ایک محافظ کی ضرورت تھی اس نے میرے لڑنے کا انداز دیکھا تھا کہ اس کے تین آدمیوں کے ساتھ میں نے کیسے مقابلہ کیا تھا۔ پھر یہ بھی اسے پتہ چل گیا تھا کہ میں ملک نواز جیسے جیدار آدمی کو اس کے گھر میں گھس کر زخمی کر کے آیا ہوں۔ لہٰذا وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ میری پناہ میں ہی محفوظ رہ سکتی ہے۔ اسی لئے اس نے میری وہاں موجودگی کو برداشت کر لیا اور مجھے وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ میں پھر اس کے ساتھ اس کوٹھی میں.... رہنے لگا۔

میں نے تمام کھڑکیوں اور دروازوں کو اندر سے بند کر دیا تاکہ

دشمن اچانک ہی ہم پر حملہ نہ کر سکے۔ شہناز نے پوچھا: "آخر کب تک ہم یہاں قید رہیں گے۔ میں کل سے باہر نہیں گئی ہوں۔ آج رات میں کلب جانا چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا: "بہتر ہے آج کہیں جانے کا پروگرام نہ بناؤ۔ آج ہم یہاں بیٹھ کر دیکھیں گے کہ ملک نواز یا اُس کے آدمی ہمارے خلاف کیا کارروائی کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا تو کل ہم دن کی روشنی میں باہر نکلیں گے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ہم ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ کہ وہ کون لوگ ہیں اور یہ دھندا کیوں کر رہے ہیں؟ اور کتنی دُور تک ان کا کاروبار پھیلا ہوا ہے؟"

"تم دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اَڑا رہے ہو۔ تمہیں آخر کیا ضرورت ہے کہ اُن کے کاروبار میں مداخلت کرو۔ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں۔ اپنا بھلا یا بُرا سوچ کر کرتے ہیں۔ تم کیوں اُن کے معاملے میں مداخلت کر کے ان کو اپنا دشمن بنا رہے ہو بلکہ بنا چکے ہو۔"

"دیکھو، جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا ہے اور اگر انہیں دشمنی کرنا ہوگی تو وہ آج تمام دن یا رات میں ہمارے لئے کوئی قدم اٹھائیں گے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ میں ان کے خلاف کیا کر سکتا ہوں؟"

یہ کہہ کر میں اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر میرے کمرے میں آئی اور غصّے میں بولی: "میں تو بھول ہی جاتی ہوں۔ میری آمدنی تمہاری وجہ سے ماری گئی ہے۔ اب میری ماہانہ آمدنی کا کیا ہوگا؟ میرے اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟"

"میں پورے کروں گا۔"

"میرے ماہانہ اخراجات دس ہزار روپے ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔"

"تم ایسے کہہ رہے ہو جیسے یورپ اور امریکہ میں تمہارا بہت بڑا کاروبار پھیلا ہوا ہے اور تم مجھے یہاں گھر بیٹھے ہی دس ہزار دے دوگے۔ کیا کمانے والے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ گھر بیٹھے ہزاروں روپے حاصل کر لیتے ہیں؟"

میں نے کہا: "فکر نہ کرو۔ میں نے جب تم سے کہہ دیا ہے، تو تمہارے اخراجات پورے کروں گا۔ میں تمہارا شوہر ہوں اور یہ میرا فرض ہے۔"

وہ بہت دیر تک لڑنے جھگڑنے کے انداز میں باتیں کرتی رہی آخر کار مجھ پر تکیہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایک بج رہا ہے۔ اب کھانے پینے کی فکر کرو۔ باقی جھگڑا ہم ڈائننگ ٹیبل پر کریں گے۔"

وہ جھنجلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی ناشتہ کر رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں اپنا نام پیدا کیا اور اس کی سوچ میں کہا۔ "فرہاد پتہ نہیں کہاں ہوگا اور کیا کر رہا ہوگا؟"

اس کی سوچ نے کہا: "کل رات وہ اچانک ہی میرے دماغ سے غائب ہوگیا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ وہ خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اگر خطرات نہ ہوتے اور وہ آسانی سے زندگی گزار رہا ہوتا تو پھر مجھے چھیڑنے کے لئے میرے دماغ میں ضرور آتا۔ لیکن کل سے اب تک وہ نہیں آیا ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "اگر موجود بھی ہوتا تو کیا فرق پڑتا؟ میں تو اُس سے لڑنے جھگڑنے لگتی ہوں۔"

"ہاں! لڑنا تو ہے۔ میں نہیں چاہتی وہ میرے دماغ میں بغیر اجازت چلا آیا کرے اور میں کیا کروں؟ میں اسے کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ میری مرضی کے خلاف حرکتیں کرتا ہے۔ کل رات ہی وہ مجھے بونوں کے پاس سے زبردستی لے آیا اور میری ساری رقم ان لوگوں کے حوالے کر دی۔ اب میں پانچ ہزار ڈالر اپنے پاس رکھے ہوئے ہوں۔ آئندہ کیا ہوگا؟ اس کے لئے مجھے فکر کرنی ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "جب فرہاد موجود ہے تو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہیں نہ کہیں سے مجھے تگڑی رقم مل جائے گی۔ مجھے اخراجات کی تو نہ کبھی فکر تھی نہ ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی: "اے فرہاد! کیا تم میرے دماغ میں موجود ہو؟ یہ اس قسم کی سوچیں میرے دماغ میں کیوں آ رہی ہیں؟"

میں چُپ رہا۔ میں نے اس سے ایک لفظ بھی... نہیں کہا۔ نہ ہی اس کی سوچ میں کوئی بات پیدا کی۔ وہ اپنے ہی آپ کبھی مثبت انداز میں اور کبھی منفی انداز میں سوچتی رہی اور یہ سمجھتی رہی کہ فرہاد اس کے دماغ میں بول رہا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ بولوں گا تو وہ خواہ مخواہ میری دشمن بن جائے گی۔ اور مجھے اپنے دماغ سے جانے کے لئے کہے گی اور کل رات کا غصّہ مجھے دکھائے گی۔ بہتر یہی تھا کہ میں خاموش رہتا۔

تھوڑی دیر بعد ملازم نے آکر کہا: "مادام! آپ سے ایک چھوٹا بچہ ملنا چاہتا ہے۔ وہ باہر کھڑا ہوا ہے۔"

سونیا نے تعجّب سے پوچھا: "چھوٹا بچہ! کیا عمر ہوگی اس کی؟"

"کوئی سات یا آٹھ برس کا ہوگا۔"

سونیا کو پچھلی رات والا وہ بچہ یاد آگیا۔ اس نے پوچھا: "وہ تنہا ہے یا اس کے ساتھ کوئی ہے؟"

"مادام! وہ بالکل تنہا ہے اور آپ سے ضرور ملنا چاہتا ہے۔"

سونیا نے اُسے حکم دیا کہ وہ بچے کو یہاں لے آئے۔ ملازم وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ بچہ ڈائننگ روم میں داخل ہوا تو سونیا اسے دیکھ کر چونک گئی۔ پچھلی رات وہی بچہ اس کے پاس آیا تھا۔ سونیا نے اس سے کہا: "تم پھر آگئے؟"

"جی ہاں! میری بہن بہت بیمار ہے۔"

"کل رات بھی تم نے یہی کہا تھا اور مجھے بونوں کے پاس پہنچا دیا تھا۔"

"وہ بونے بہت مہربان ہیں۔ انہوں نے میری بہن کو ہسپتال پہنچا دیا تھا۔ میری بہن تم سے ملنا چاہتی ہے۔ اب میں تمہیں اس مکان میں نہیں لے جاؤں گا بلکہ ہسپتال اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تمہاری بہن مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟ میں تمہاری بہن کو نہیں جانتی وہ مجھے کیسے جانتی ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہارے پاس جاؤں اور تمہیں جس طرح بھی ممکن ہو اپنے ساتھ لے آؤں۔"

"تمہیں یہاں تک کس نے پہنچایا ہے؟"

"مجھے ایک بونے نے یہاں کا پتہ بتایا تھا۔ اور مجھے یہاں کوٹھی کے باہر تک چھوڑ گیا ہے اور مجھ سے کہا تھا کہ میں ہسپتال سونیا کے ساتھ چلا جاؤں۔"

"اگر میں ہسپتال جانے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو میں رونا شروع کر دوں گا اور اس وقت تک روتا رہوں گا جب تک کہ تم مجھے میری بہن کے پاس ہسپتال نہیں پہنچاؤ گی۔"

"واہ! اچھی زبردستی ہے۔ تم تو خواہ مخواہ گلے پڑ رہے ہو۔"

"میں گلے نہیں پڑ رہا ہوں پہلے تو ان بونوں نے مجھے تمہارے پاس کل رات بھیجا تھا۔ آج میری بہن نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ بہت مصیبت میں ہے اور اس مصیبت سے تم ہی اپنی بھائی بہن کو نکال سکتی ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں چلوں گی۔ آؤ ناشتہ کرو۔"

"میری بہن مصیبت میں ہے۔ میں مصیبت میں ہوں۔ اس لئے ناشتہ نہیں کر سکتا۔"

"مصیبت کا سامنا کرنے کے لئے پیٹ بھرنا ضروری ہے۔ خالی پیٹ کسی بھی دشمن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور پھر مصیبت تو مصیبت ہی ہوتی ہے۔ چلو ناشتہ کرو۔ اگر نہیں کرو گے تو میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی خواہ تم کتنا ہی روتے رہو۔"

سونیا نے اسے مجبور کیا تو وہ ناشتہ کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ابھی ان کے ہسپتال پہنچنے میں کافی وقت لگے گا۔ اس لئے میں سونیا کے دماغ سے نکل آیا۔ پھر میں نے رس دنتی کی خبر لی وہاں ڈاکٹر اس کا معائنہ کر رہا تھا اور اسے انجکشن لگا رہا تھا۔ اور اس کے لئے دوائیں تجویز کر رہا تھا۔ اس کا باقاعدہ خیال رکھا جا رہا تھا۔ پتہ چلا کہ اسے جنرل وارڈ سے نکال کر اسپیشل وارڈ میں داخل کر دیا گیا ہے اور ہدایت کر دی گئی ہے کہ اس پر خاص توجہ دی جائے۔ اور یہ سب ماسک مین کی طرف سے ہو رہا ہے۔

میں نے رنگون والے باس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ تین آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا رمی کھیل رہا تھا اور اسے میرا انتظار تھا کہ شاید میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے ٹریپ کروں گا تو پھر وہ اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کو بتائے گا کہ اسے ٹریپ کیا جا رہا ہے۔ وہ تینوں جو رمی کھیل رہے تھے ماسک مین کی طرف سے آئے تھے اور ٹیلی پیتھی کا تماشہ دیکھ کر وہاں سے جانے والے تھے۔ تاکہ ماسک مین کے سامنے چشم دید گواہ کے طور پر اس بات کی تصدیق کر سکیں۔

میں چُپ چاپ ان کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ وہ کھیلنے کے دوران باتیں کرتے رہے اور میں ایک ایک کے لب و لہجے کو نقل کرتا رہا اور اپنے دماغ میں نقش کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ایک آدمی کے دماغ سے کہا۔ "مسٹر ریڈی اب ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ ہونے والا ہے۔"

ریڈی اور دوسرے لوگوں نے چونک کر پوچھا: "وہ کیسے؟ کیا تمہارے دماغ میں کوئی بول رہا ہے؟"

"ہاں بول رہا ہے۔ میں تمہارے پتّے بتا سکتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ میں اس وقت تین سے لے کر دس تک ترتیب وار پتّے ہیں۔ دو بادشاہ ہیں۔ اور تم تیسرے بادشاہ کو حاصل کرنے کی فکر میں ہو۔"

ریڈی نے حیرانی سے کہا: "ہاں یہ سب پتّے میرے پاس ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ میں تیسرا بادشاہ حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔"

رنگون والے باس نے کہا کہ یہ کون سی ٹیلی پیتھی کی بات ہے۔ یوں تو اگر ہم حساب کرتے رہیں تو بتا سکتے ہیں کہ کون سے پتّا کس کے پاس گیا ہے یہ ٹیلی پیتھی نہیں ہے۔ اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک آدمی نے ایک اُلٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ اور پھر اس سے بولا: "تمہیں شرم نہیں آتی ٹیلی پیتھی پر شبہ کرتے ہوئے اس وقت رس دنتی صاحبہ یا فرہاد صاحب ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اور تم ٹیلی پیتھی کے مظاہرے سے انکار کر رہے ہو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پھر سب نارمل ہو کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے اور حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر ریڈی نے پوچھا: "یہ سب کیا تھا؟ ابھی ہمارے درمیان کیا ہو گیا۔ ہم تو بالکل نارمل تھے پھر ایسی باتیں کیوں ہو گئیں؟ ہمارے ایک دوست نے باس پر کیسے ہاتھ اُٹھا دیا!"

باس نے اپنا منہ سہلاتے ہوئے کہا: "کوئی بات نہیں۔ پچھلی رات تو میں نے خود اپنے آپ کو گھونسہ مارا تھا۔ آج دوسرے کے ہاتھ سے مار کھا گیا۔ ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب یقین کر لیا جائے۔ ورنہ ابھی ہم سب کا حلیہ بگڑ جائے گا۔"

ریڈی نے دست بستہ گزارش کی: "جناب فرہاد صاحب اور محترمہ رس دنتی صاحبہ ہم سب آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ ذرا مہذب طریقے سے کریں تاکہ ہمیں یقین ہو جائے۔ ویسے کسی حد تک تو یقین ہو چکا ہے۔"

اِن چاروں میں سے جو بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "اچھی بات ہے۔ تم سب اپنے اپنے پتّے ہاتھ میں لے کر بیٹھے رہو۔ میں تم سے باری باری ایک ایک پتّا پھینکنے کے لئے کہوں گا۔ اس سے انکار

کرنا۔ لیکن تم وہی پتا پھینکو گے جس کی میں فرمائش کروں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اس طرح ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ ہو جائے گا۔" پھر اس شخص نے اپنے ساتھ والے سے کہا۔ "ریڈی کو ایک بادشاہ کی ضرورت ہے اس لئے تم بادشاہ کا ایک پتا پھینک دو۔"

ساتھ والے نے کہا۔ "میں پتا پھینکنے سے انکار کرتا ہوں۔ میں تمہاری فرمائش پوری نہیں کروں گا۔"

اس کے منہ سے یہ بات نکلتے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پھر اس نے فوراً ہی اپنے پتوں میں سے بادشاہ کا پتا نکال کر میز پر پھینک دیا۔ سب حیرانی سے دیکھنے لگے۔ اس کے بعد اس شخص نے ریڈی سے کہا۔ "میرے ساتھ والے کو ایک ستہ چاہئے۔ تم ایک ستہ پھینک دو۔"

ریڈی نے کہا۔ "اگر میں ستہ پھینکوں گا تو میرے۔۔۔ پتوں کی ترتیب ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے میں ستہ نہیں پھینک سکتا۔"

اس کے انکار کرتے ہی میں اس کے دماغ پر قابو ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے پتوں میں سے سات نمبر کا پتا نکال کر میز پر پھینک دیا۔ باس کے ساتھ بھی یہی ہوا تب اُن سب نے متفقہ طور پر اقرار کیا۔ "ہاں ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ ہوا ہے اور ہم رس وتی کا احترام کرتے ہیں۔ آئندہ کبھی اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے اور اس کا باقاعدہ اسپیشل طریقے سے علاج کرایا جائے گا۔ اسے جلد از جلد صحت یاب ہونے کا موقع دیا جائے گا۔"

اقرار کرنے کے بعد زگون والے باس نے کہا۔ "اب ہمیں مہربانی کر کے یہ بھی بتا دیا جائے کہ آپ رس وتی ہیں یا فرہاد صاحب ہیں۔"

اس کے جواب میں خاموشی رہی۔ پھر میں نے ایک شخص کی زبان سے کہا۔ "یہ بات تم لوگوں کو کبھی نہیں معلوم ہو گی۔ بہر حال اس ٹیلی پیتھی کے پیچھے جو کوئی بھی ہے۔ تم رس وتی کا احترام کرو گے۔ اور اس کا باقاعدہ علاج کر کے اسے جلد از جلد صحت یاب ہونے کا موقع دو گے۔ میں رس وتی بول رہی ہوں۔ میں فرہاد بول رہا ہوں۔ ہم جو کوئی بھی ہیں۔ اس حقیقت کو تم لوگ نہیں جان سکو گے۔ جاسک مین سے کہہ دینا۔ اگر رس وتی کو کچھ ہوا تو وہ زندہ نہیں بچے گا۔ اور اس کی تنظیم ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو کر رہ جائے گی۔"

میں نے بظاہر اپنے آپ کو چھپانے کے لئے ایسا کہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ دل ہی دل میں اب یہی یقین کر رہے ہیں کہ یہ سارا کھیل میرا ہے۔ کیونکہ رس وتی بڑی طرح بیمار ہے اور اس کی دماغی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی کا تماشا دکھا سکے۔

میں وہاں سے واپس آگیا۔ کیونکہ میرے بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی اور ملازم کہہ رہا تھا کہ کھانا تیار ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ چلے میں ڈرائنگ روم میں آرہا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد میں نے شہناز کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ اپنے بیڈ روم کا دروازہ بند کیے ایک کوچ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس نے اپنے تمام بدن پر اُبٹن کی مالش کی ہوئی تھی۔ اس کی سوچ سے پتہ چلا کہ وہ شام تک اُبٹن کی مالش کئے لیٹی رہے گی۔ پھر غسل کرنے کے بعد پانچ بجے شام کو باہر نکلے گی۔

میری آنکھیں اسے بند کمرے میں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ میں سوچ کے ذریعے اور تصور کی آنکھ سے اسے اُبٹن کی مالش کئے ہوئے دیکھ سکتا تھا، یا ایک تصور قائم کر سکتا تھا۔ میں حسرت سے دل پکڑ کر رہ گیا تھا۔ اسے میں دیکھ سکتا تھا، اس کی تمنا کر سکتا تھا لیکن اسے میں چھو نہیں سکتا تھا۔

بہر حال میں کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم میں آیا۔ وہاں مجھے تنہا بیٹھ کر کھانا کھانا تھا۔ میں نے کھانا شروع کرنے سے پہلے شہناز اور باورچی کے دماغ میں جھانک کر اچھی طرح ٹٹول لیا کہ میرے خلاف کوئی سازش نہیں کی گئی ہے۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو میں نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے دوران میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اس طرح سے کہ سونیا کو معلوم نہ ہو اور میں اس کے دماغ میں جھانکتا رہوں۔

سونیا اس بچے کے ساتھ ہسپتال پہنچ گئی تھی۔ ہسپتال کے ایک بستر پر اس بچے کی۔۔۔ نوجوان بہن لیٹی ہوئی تھی۔ سرہانے ایک خوش لباس بوڑھا کھڑا ہوا تھا۔ اس کی بہن نے سونیا کو دیکھتے ہی کہا۔ "سسٹر! یہاں میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔ میرا نام میریا ہے۔"

سونیا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا نام سونیا ہے اور تمہارا بھائی مجھے یہاں لایا ہے۔ کیا تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟"

"ہاں میں نے سنا ہے کہ تم بہت اچھی فائیٹر ہو اور بہت ذہین اور چالاک بھی ہو۔ یہ جو میرے سرہانے کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ میرے بہت بڑے محسن ہیں۔ انہوں نے میری زندگی بچائی ہے۔ میرے دشمن مجھے سلو پوائزن دے رہے تھے۔ ایسا زہر میرے کھانے میں ملا رہے تھے جو آہستہ آہستہ مجھے قتل کر دیتا۔ اور میں اس دنیا میں نہیں رہتی۔ ان کا نام مسٹر فریڈرک ہے۔ مسٹر فریڈرک نے میری جان بچائی ہے۔ اس زہر کا توڑ کر رہے ہیں۔ یہ بہت اچھے ڈاکٹر ہیں اور میں ان کی احسان مند ہوں۔"

سونیا نے فریڈرک کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔ "میں نے جو کچھ بھی کیا وہ محض انسانی خدمت کے جذبے کے تحت کیا ہے۔ لیکن میں اب جو کچھ کرنے والا ہوں اس میں ہماری لوٹنے برادری کا مفاد شامل ہے جیسا کہ تمہیں پچھلی رات معلوم ہو گیا ہے کہ ہم لمبے قد کی عورتوں کو اپنی ازدواجی زندگی میں شامل کرتے ہیں، تو میریا مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہے۔"

سونیا نے میریا کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔ "ہاں! میں صرف ان کی احسان مند ہی نہیں۔ ان کو دل و جان سے چاہتی بھی ہوں اور ان سے شادی کرنے کے سلسلے میں مجھ پر کسی قسم کا ذہنی دباؤ نہیں ڈالا گیا ہے۔ یہ میری اپنی ہے۔ تم خود سوچو کہ۔۔۔ جس شخص نے مجھے زندگی دی ہے وہی زندگی میں اس شخص کے حوالے کر دوں تو اس سے زیادہ احسان کا بدلہ اور کس طرح

چکا سکوں گی۔ ویسے یہ صرف احسان کا بدلہ نہیں محبت کا تبادلہ بھی ہے۔ مسٹر فریڈرک بہت اچھی شخصیت کے مالک ہیں اور میں ان سے شادی کر کے فخر محسوس کر سکوں گی۔"

سونیا نے ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ "تم دونوں نے مجھے اپنی شادی میں شریک کرنے کے لئے بلایا ہے؟"

فریڈرک نے کہا۔ "نہیں، اصل بات کچھ اور ہے۔ ابھی تو میریا بیمار ہے۔ جب یہ تندرست ہو جائے گی تو ہماری شادی ہو گی۔ دراصل میریا بہت دولت اور جائیداد کی مالک ہے۔ یہ دولت اور جائیداد اسے ملنے والی ہے لیکن دشمن اس کی راہ میں حائل ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم اس کے دشمنوں سے نمٹ کر اس کی جائیداد اسے واپس دلا دو۔"

"میں کسی دشمن سے جائیداد چھین کر میریا کو کیسے دلا سکتی ہوں؟ اس کے لئے تو عدالت میں قانونی چارہ جوئی کی ضرورت ہے۔ یہ قانونی معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں، میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔"

فریڈرک نے کہا۔ "بے شک تم کچھ نہیں کر سکو گی۔ لیکن یہ قانونی معاملہ ہے۔ ہم صرف ایک تصویر چاہتے ہیں۔ وہ تصویر تم حاصل کر کے ہمارے پاس لے آؤ تو سارا معاملہ نمٹ جائے گا۔"

سونیا نے پوچھا۔ "وہ کیسی تصویر ہے اور کہاں ہے؟"

"وہ تصویر اس وقت جنرل پوسٹ آفس کے ایک گودام میں ہے۔ اس کی رسید ہمارے پاس ہے۔ وہ تصویر تم لے آؤ گی تو اس کے ذریعے میریا کو ساری دولت اور جائیداد مل جائے گی۔"

سونیا نے حیرانی سے پوچھا۔ "ایک تصویر کے ذریعے میریا کو ساری دولت اور جائیداد کیسے مل سکتی ہے؟"

میریا نے کہا۔ "وہ تصویر لندن سے میرے نام پارسل کی گئی ہے۔ اس کی رسیدیں میرے پاس ہیں۔ میں اسے لینے جاؤں گی تو دشمن میرا پیچھا کریں گے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ میں اس بیماری میں پوسٹ آفس تک نہیں جا سکتی۔ دوسرا کوئی بھی جائے گا دشمن اس کا پیچھا کریں گے۔ اس لئے ایسی ہستی کو جانا چاہئے جو دشمنوں سے نمٹنا جانتی ہو۔"

سونیا نے پوچھا۔ "لیکن وہ تصویر کیسی ہے کہ اس کے لئے دشمنوں نے جان کی بازی لگائی ہو گی؟"

"وہ محض ایفل ٹاور کی خوبصورت سی تصویر ہے۔"

"کیا ایفل ٹاور کی تصویر کے لئے دشمن تمہارا پیچھا کریں گے یا جو بھی تصویر لینے جائے گا تو کیا وہ ایفل ٹاور کی تصویر کیلئے اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے؟ ایفل ٹاور تو اسی شہر میں ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ سکتے ہیں۔"

سونیا کی بات سن کر میریا نے اور فریڈرک نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر فریڈرک نے کہا۔ "مادام سونیا! پہلے تو یہ وعدہ کرو کہ تم ہمیں وہ تصویر صحیح سلامت لا دو گی۔ تب ہم تمہیں اس کی اصل حقیقت بتائیں گے۔"

سونیا نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میریا کی خاطر میں وہ تصویر حاصل کروں گی اور تم دونوں کا مشن پورا کروں گی۔ تاکہ میریا کی شادی تم سے ہو جائے۔"

فریڈرک نے کہا۔ "اگر تم نے یہ کام کر دیا تو پچھلی رات تمہاری جتنی رقم لی گئی ہے۔ اس میں سے ہم پچاس ہزار ڈالر واپس کر دیں گے۔"

"مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ میں میریا کی خاطر یہ خطرناک کام کر گزروں گی۔ اگر مجھے پچاس ہزار ڈالر مل جائیں تو کیا بات ہے۔ پھر تو میں اور بھی جی جان سے اس تصویر کو واپس لانے کی کوشش کروں گی۔ اب بتا دو، اس تصویر کی حقیقت کیا ہے؟"

فریڈرک نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اس تصویر کے پیچھے ایک وصیت چھپا کر رکھی گئی ہے۔ وہ وصیت میریا کے باپ نے مرنے سے پہلے لکھی تھی۔ اس وصیت کی رُو سے میریا اور اس کا چھوٹا بھائی کروڑوں ڈالر کی دولت اور جائیداد کے مالک بن جائیں گے۔ دشمن چاہتے ہیں کہ یہ وصیت میریا تک نہ پہنچ سکے۔ بس حقیقت یہی ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "مجھے وہ رسیدیں دو۔ جس کے ذریعے میں پوسٹ آفس جا کر وہ تصویر حاصل کر سکوں۔"

فریڈرک نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ رسیدیں نکالیں پھر انہیں سونیا کے حوالے کر دیا۔ سونیا نے انہیں پڑھنے کے بعد کہا۔ "مجھے ایک گھنٹے کی مہلت چاہئے۔ میں کہیں آرام سے بیٹھ کر پلاننگ کرنا چاہتی ہوں کہ وہ تصویر کس طرح یہاں تک بخیریت لائی جا سکتی ہے۔"

فریڈرک نے کہا۔ "یہاں ہسپتال میں میرا کمرہ بالکل خالی رہتا ہے۔ وہاں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں وہاں پہنچا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ سونیا نے میریا کو تھپک کر کہا۔ "تم اطمینان رکھو۔ میں تمہارا یہ کام ضرور کروں گی۔ حوصلے سے دوائیں کھاؤ اور جلدی سے صحت یاب ہو کر فریڈرک کی دلہن بن جاؤ۔"

وہ مسکرانے اور شرمانے لگی۔ سونیا مسکرا کر وہاں سے اٹھ گئی۔ پھر فریڈرک کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف جانے لگی۔ میں کھانے سے فارغ ہو چکا تھا اور گرما گرم چائے پی رہا تھا۔ جب وہ فریڈرک کے کمرے میں پہنچ گئی تو اس نے اس کے لئے چائے یا کافی کا آرڈر دینا چاہا۔ سونیا نے انکار کر دیا۔ فریڈرک وہاں سے چلا گیا۔ سونیا اندر سے دروازے کو بند کر کے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی اور سوچنے لگی کہ کس طرح اس تصویر کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

وہ مختلف پہلوؤں سے مختلف تدبیریں سوچتی جا رہی تھی۔ تدبیریں اچھی ہوتی تھیں لیکن ان میں پھر کوئی نہ کوئی کمزوری نکل آتی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ سوچی سمجھی تدبیروں کو رد کر دیتی تھی۔ آخر میں نے اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو سونیا! کیا میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں؟"

وہ چونک کر بولی۔ "تم پھر آگئے؟"

"کیا کروں، تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ تم تدبیر سوچ رہی ہو۔ اس لیئے میں نے سوچا کہ تمہارے کچھ کام آجاؤں۔"

"شکریہ۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تنہا دشمنوں سے نمٹنا جانتی ہوں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کتنی آسانی سے ڈبل ننگر کو زیر کیا تھا۔"

"ہاں! میں نے دیکھا تھا۔ آخر میری صحبت میں رہ کر تم نے تھوڑا بہت کچھ سیکھ لیا۔ یہ بھی میری مہربانی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم چلے جاؤ۔ میرے دماغ سے۔ مجھے تدبیر سوچنے دو۔"

میں نے کہا۔ "تم بہتر یہ ہو سکتی ہے کہ تم کسی لونے کو الفل ٹاور کی تصویر دے کر پوسٹ آفس بھیج دو۔ اور اس سے کہو کہ وہ تمہارے نام اس تصویر کو لوکل پارسل کرے۔ پھر تم اس پارسل کے مطابق رسید لے کر جاؤ گی تو وہ لونے والی ایفل ٹاور کی تصویر تمہیں مل جائے گی۔ جب تم وہاں سے چلو گی تو دشمن تمہارا پیچھا کریں گے۔ جب دشمن تمہارے پیچھے لگ جائیں گے تو لونا ڈاکٹر فریڈرک اصل رسیدیں لے جا کر اصل تصویر وہاں سے لے آئے گا۔ کہو! کیسی تدبیر ہے؟"

"بکواس ہے۔ تم جتنی بھی عمدہ تدبیریں پیش کرو گے، میں ان سب کو بکواس کہوں گی اور ان پر کبھی عمل نہیں کروں گی۔ خواہ ان سے مجھے کامیابی ہی کیوں نہ حاصل ہوتی ہو۔"

میں نے کہا۔ "یہ تو تمہاری ہٹ دھرمی ہے۔ خواہ مخواہ تم مجھ سے ناراض ہو۔ میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ تمہیں کامیابی ہوگی۔"

"میں کبھی اس پر عمل نہیں کروں گی۔ تم میرا پیچھا چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

"اچھی بات ہے۔ تم جہنم میں جاؤ۔ اب میں کبھی تمہارے دماغ میں جھانکنے نہیں آؤں گا۔ لعنت ہے تم پر۔" یہ کہہ کر میں نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے اس سے رابطہ ختم کر دیا۔

مجھے سچ مچ غصہ آ رہا تھا۔ کسی روٹھی ہوئی محبوبہ کو منانے کے لئے ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ میں نے اسے سمجھانے منانے کی ایک حد کر دی۔ حد سے آگے بڑھ کر بھی اسے مناتا رہا۔ لیکن وہ خواہ مخواہ نخرے دکھاتی جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اب اس کے دماغ سے دور رہ کر یا اس کے دماغ میں خاموشی سے رہ کر ہی میں اس کی حفاظت کر سکوں گا۔ لیکن اسے اب مخاطب نہیں کروں گا۔

چونکہ اس نے سوچنے اور عمل کرنے کے لئے ایک گھنٹے کی مہلت لی تھی۔ اس لئے میں وہاں سے واپس چلا آیا کیونکہ میں اس کے دماغ میں ایک گھنٹے تک محدود نہیں رہ سکتا تھا۔

کھانے کے بعد میں ایک گھنٹے تک آرام کرتا رہا کوئی کام نہیں تھا کسی کے لئے خیال خوانی نہیں کرنا تھی۔ رس ونی کے بارے میں تمام معلومات حاصل ہو چکی تھیں اور اس کی طرف سے اطمینان تھا۔ سونیا کے بارے میں ایک گھنٹے بعد کچھ معلوم ہونے والا تھا۔ ایسے آرام اور فرصت کے وقت جی میں آیا کہ کراچی شہر کی سیر کروں۔ لیکن میں باہر نہیں جا سکتا تھا۔ شہناز کی حفاظت کے لئے مجھے اس کوٹھی میں رہنا ضروری تھا۔ پتہ نہیں دشمن کب آجائے اور کس وقت شہناز کو پریشان کرنا شروع کر دے۔

ایسے وقت میں نے لوبی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دسویں جماعت کے امتحان کی تیاریاں کر رہی تھی اور اس کے علاوہ سوچ رہی تھی کہ شام کو اسے جوڈو کراٹے کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک استاد کے سامنے مقابلے کے لئے تیار رہنا ہے۔ میں اس کے دماغ میں زیادہ دیر تک نہیں رہا صرف اس کی خیریت معلوم کر کے واپس چلا آیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد، میں سونیا کے دماغ تک پہنچنا چاہتا تھا تب اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اپنے بیڈ روم سے نکل کر.... ڈرائنگ روم میں آیا اور وہاں کا فون اٹھانے لگا تو گھنٹی بند ہو گئی۔ پتہ چلا کہ ٹیلی فون کا ایک کنکشن شہناز کے کمرے میں بھی ہے۔ وہاں اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا تھا۔ میں نے چپکے سے ریسیور کو اٹھا کر ان کی گفتگو سنی۔ کوئی دوسری طرف سے پوچھ رہا تھا کہ ٹیلی فون پر کون بات کر رہا ہے؟ شہناز نے کہا۔ "میں شہناز طارق بات کر رہی ہوں۔"

پھر کسی نے پوچھا۔ "تمہارا شوہر طارق محمود کہاں ہے؟"

"وہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ تم کون ہو اور یہ سوالات کیوں کر رہے ہو؟"

"میرا نام مراد ہے۔ میرا نام سن کر اس شہر کے بڑے بڑے بدمعاش تھرا جاتے ہیں۔ تمہارا وہ آدمی کتنا بڑا بدمعاش ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں جس نے ملک نواز کے گھر میں گھس کر اس کی ضروری چیزیں چوری کی ہیں اور اسے نقصان پہنچایا ہے۔"

شہناز نے کہا۔ "ملک نواز سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ یہ میرے آدمی کی بھول ہے کہ وہ ان کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ آئندہ وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔"

فون پر مراد نے گرج کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ میں تمہارے آدمی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ملک نواز وعدے اور سودے کا پکا ہے۔ اس نے سودے کے مطابق اور وعدے کے مطابق تمہاری رقم دے دی تھی۔ اس کے باوجود تمہارے آدمی نے وہاں بدمعاشی دکھائی ہے تو میں بھی اب اپنی بدمعاشی دکھاؤں گا۔ اپنے آدمی سے کہو کہ وہ مرد کا بچہ ہے تو گھر میں چھپ کر نہ بیٹھے اور گھر سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے چلتا رہے۔ میں اس سے کہیں بھی ملاقات کر لوں گا۔ ابھی اپنے آدمی سے پوچھ کر بتاؤ کہ وہ باہر نکلنا چاہتا ہے یا نہیں؟"

اس دلچسپ ترین سرگزشت کے بقیہ واقعات چھٹے حصے میں ملاحظہ کیجیے۔